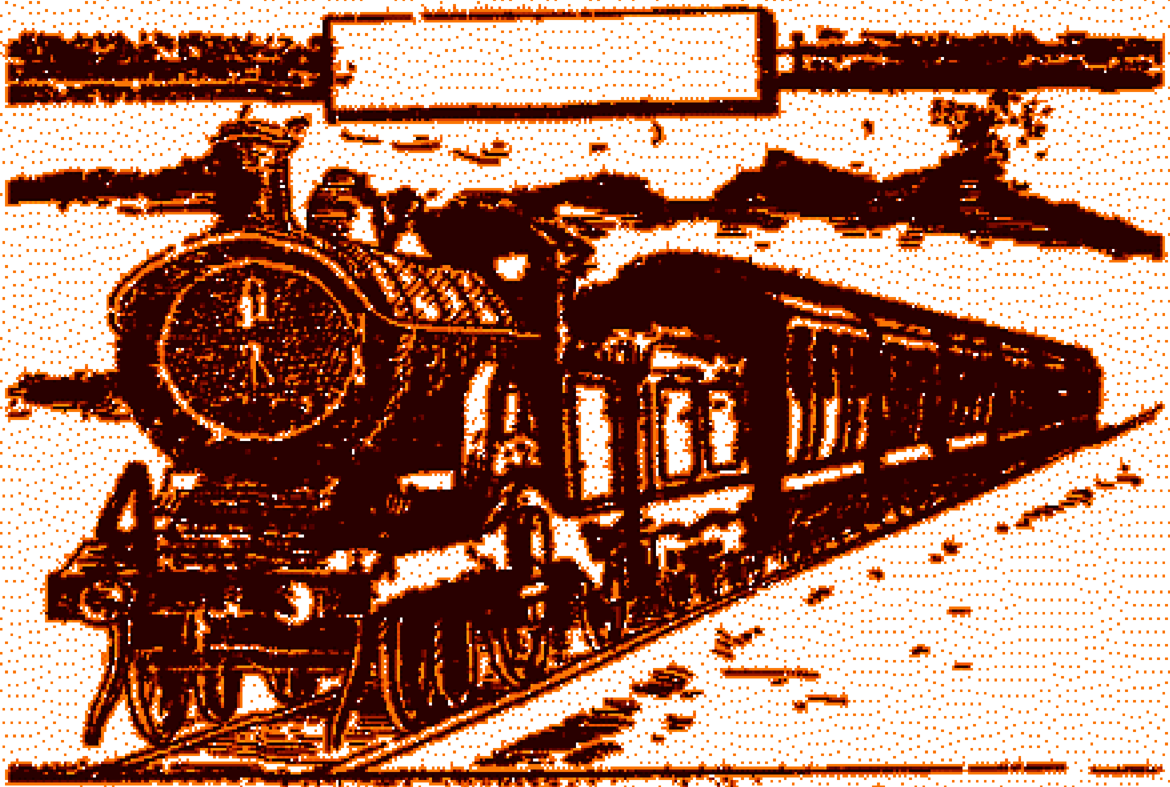




سفرنامۂ یوروپ

بلاد رُوم، شام و مصر

نوشتۂ منشی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار لاہور

بار اول [illegible] میں





चित्रशाळा पुणे.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

جب میں نے سنہ ۱۹۰۰ء میں پیرس کی عالمگیر نمائش کا اور انگلستان و دیگر ممالک یورپ کے ساتھ ہی قسطنطنیہ۔ شام اور مصر کی سیاحت کی تو میں نے اپنے سفر کے حالات بذریعہ خطوط پیسہ اخبار میں چھپوا دیے۔ کہ جسے تمام ملک نے نہایت پسند کیا۔ یورپ سے لوٹنے پر نواب محسن الملک بہادر مرحوم نے مجھے بمقام رامپور فرمایا کہ سرسید احمد خان مرحوم کے سفر یورپ کے حالات کے بعد کبھی اسقدر دلچسپی سے میں نے یورپ و بلاد اسلامیہ کی کیفیت نہیں پڑھی تھی۔ اسی طرح سینکڑوں دیگر احباب نے ان حالات کو پسند کرکے تقاضا شروع کیا۔ کہ انہیں بصورت کتاب چھاپ دیا جائے۔ اور میں نے وعدہ کر لیا کہ اپنا سفرنامہ بہت جلد کتاب کی صورت میں شائع کر دونگا۔

لیکن ان خطوط کو جو پیسہ اخبار میں مختلف مقامات سے سفر کی صعوبتوں اور

پریشانیوں کے درمیان لکھے گئے تھے۔ جب بصورت کتاب چھپنے کے لئے میں نے پڑھا تو ان میں مجھے بہت سے نقص معلوم ہوئے۔ دوسری طرف میں نے دیکھا کہ اپنی ڈائری میں میں نے بہت سے ایسے حالات اور مشاہدات فراہم کر کے قلمبند کئے ہیں کہ جن کا ان چٹھیوں میں ذکر بھی نہیں کیا گیا تھا۔ اس واسطے میں نے مناسب سمجھا کہ از سر نو کل حالات سفر کو سلسلہ وار لکھوں۔

لیکن افسوس ہے کہ روزانہ پیسہ اخبار کی ایڈیٹری اور دوسری بہت سی مصروفیتوں نے مجھے سفرنامہ کو جلدی مکمل کرنے کی مہلت نہ دی۔ مشتاقین کے متواتر تقاضوں پر میں نے بار بار اسے لکھنے کی کوشش کی۔ کچھ حالات سنہ ۱۹۰۸ء میں لکھے تو باقی کچھ حالات سنہ ۱۹۰۸ء میں لکھے گئے۔ اور آخر سنہ ۱۹۰۸ء کے اخیر میں تحریر کا کام ختم ہوا۔ لیکن چھپائی سنہ ۱۹۰۸ء کے ستمبر سے پہلے ختم نہ ہو سکی اور اس طرح اس قدر عرصہ میں جو حالات سفر لکھے گئے ہیں ان میں ممکن ہے کئی نقص پیدا ہو گئے ہوں تاہم میں نے ان اوراق کے مفید اور دلچسپ بنانے میں جو کوشش کی ہے یقین ہے کہ وہ رائگاں نہیں جائیگی۔

ٹرکی کے حالات جو میں نے زیادہ تفصیل اور تحقیقات سے قلمبند کئے ہیں ان میں اس عرصہ میں ایک نہایت غیر معمولی انقلاب واقع ہوا ہے یعنے کہ آخر جولائی سنہ ۱۹۰۸ء میں سلطان المعظم نے اپنی رعایا کو آئینی حکومت عطا کر دی ہے اس طرح سے جو بہت سی شکایات ینگ ٹرکش پارٹی اور اخبارات وغیرہ کرتے تھیں ان سب کا خاتمہ ہو گیا ہے اور قسطنطنیہ کے اکثر حالات بالکل بدل گئے ہیں تاہم جو حالات میں نے آئین حاصل ہونے سے پہلے سے قلمبند کئے ہیں وہ ایک نہایت معتبر تاریخ کا کام دیں گے۔ اسکے علاوہ ان اوراق میں ترکوں کی طرز معاشرت ان کے اخلاق و آداب علوم و فنون اور رسم و رواج کے متعلق اسقدر حالات درج کئے گئے ہیں۔ کہ کسی اردو کتاب میں آج تک موجود نہیں۔

ایک دوسرا نقص بعض مقامات میں یہ نظر آئیگا کہ کسی جگہ اعداد و شمار

سنہ ۱۹۱۰ء کے اندر کہیں سنہ ۱۹۱۰ء یا سنہ ۱۹۱۱ء کے درج کئے گئے ہیں۔ کیونکہ دیر تو ہو گئی تھی۔ میں نے کوشش کی کہ جہانتک ہوسکے اعداد اور حالات کی صحت اخیر وقت تک ہو جائے۔

مگر بعض اصحاب کی نظر میں شائد اس سفرنامہ کا سب سے بڑا نقص اسکی طوالت ہوگی۔ میں نے عمداً بعض حصوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ مثلاً نمائش پیرس کی کیفیت۔ لیکن ایسی نمائش کہ جسمیں تمام یوروپ اور امریکہ کی قابلیت اور صنعت و حرفت کا جوہر کشید کیا گیا ہو۔ اسکو مفصل بیان کرنے کی ترغیب کو میں روک نہیں سکتا۔

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم
چنانکہ حرف عصا گفت موسیٰ اندر طور

میرے سفرنامہ کی طرح اس نمائش پیرس میں بھی اگر کوئی نقص تھا تو وہ اسکی طوالت (عظمت) ہی تھی۔ چنانچہ ۵ ۔ اگست سنہ ۱۹۰۰ء کے اخبار [illegible] نے اس نمائش پیرس کی تعریف میں یہ فقرہ بھی لکھا تھا۔

"یہ نمائش گاہ درحقیقت نہایت عظیم الشان ہوگی۔ ایسی عظیم الشان کہ اسکے حجم اور شان و شوکت میں کسی سابقہ نمائش کو اس سے کچھ نسبت نہیں ہو سکتی۔ اسکا نقص اگر نقص اسے کہہ سکتے ہیں تو اسکی غیر معمولی عظمت ہی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اسمیں بیحد متنوع نمائشیں ہیں۔ جو بہت وسیع حلقہ میں محدود ہیں۔ یہ درحقیقت بہت بڑی۔ اور بہت ہی وسیع ہے۔ یہانتک کہ اسکا پورے طور پر مطالعہ کر سکنا ناممکن ہے۔ مگر عظیم الشان پبلک اسکی عظمت کو اسکا نقص نہیں قرار دیگی۔ البتہ جو شائقین علمی اور ٹکنیکل نظر سے اسکا مطالعہ کرنا چاہیں گے ان کا کام نہایت ہی مشکل ہوگا۔"

ان حالات میں میں نے جو نسبتاً بہت سی جگہ اس نمائش کے [illegible]

اور عجائبات کے بیان کرنے میں وقف کردی ہے وہ قابل معافی ہے۔

لنڈن کے حالات اور قابل دید مقامات کی کیفیت بھی میں نے زیادہ وضاحت سے لکھدی ہے۔ کیا لنڈن سے ہمارے تعلقات کی اہمیت اور کیا ام الدنیا کے سب سے بڑے شہر کے عجائبات دونوں اس قابل ہیں کہ وہاں کے حالات نہایت شوق اور توجہ سے پڑھے جائیں۔

بہر حال اس اطناب کا سب سے بڑا عذر یہ ہوسکتا ہے کہ میں نے کوشش کی ہے کہ جن جن مقامات اور ممالک کو میں نے دیکھا ہے وہاں کے اسقدر حالات ناظرین کو ذہن نشین ہوجائیں۔ کہ اگر وہ خود بھی انہیں مقامات کو جاکر دیکھیں تو اتنی مدت میں بہت زیادہ روپیہ خرچ کرنے کے بعد بھی انہیں اس سے زیادہ دلچسپ اور پرلطف حالات نہ معلوم ہوسکیں۔ کسی قوم کی زندگی یا ملک کے حالات کے متعلق بعض چھوٹی چھوٹی باتوں کو کئی مصنف حقیر سمجھکر چھوڑ دیتے ہیں۔ مگر میں نے مختلف ممالک کے چال ڈھال۔ عادات خصوصیات اور قابل دید مقامات و تہذیب و ترقی بیان کرکے ایسی حالت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ پڑھنے والا اپنے آپ کو عالم خیال میں انہیں مقامات میں پاسکے اور اسے ایسا لطف حاصل ہو کہ گویا وہ بھی میرے ساتھ ساتھ نمائش پیرس یا برٹش میوزیم سے گذر رہا ہے۔ قسطنطنیہ کے مسقف بازار یا پل غلطہ کی سیر کر رہا ہے۔ جامع اموریہ دمشق یا جامع ازہر مصر میں کھڑا ہے۔ یا اہرام مصری کے سامنے عالم [illegible] ۔ اسلئے یہ طول کلام بجائے کدورت طبع کے

ت ہوگا ۔

م مست کرلو۔

سے خوگر تھا۔

میں [illegible] ے لوگوں سے ملاقاتیں کرنے

ب دوست [illegible] ے زیادہ دلچسپی رہی ہے۔

بلکہ میں اہل علم اور متوسط درجہ کے لوگوں اور غریبوں سے مل کر اُن کے حالات دریافت کرنا اور اُن کے طریق زندگی کو دیکھتا رہا ہوں۔ چنانچہ ان اوراق کی تحریر میں بھی مجھے زیادہ تر یہی بات مدنظر رہی ہے۔ کہ صرف ایسی باتیں قلمبند کی جائیں کہ جن سے اہل ملک فائدہ اٹھائیں۔

غرض میرے اس مختصر سفر سے جو لطف مجھے حاصل ہوا۔ اور جو اضافہ میری معلومات میں ہوا۔ میں نے بلا کم و کاست اس میں اپنے ہم وطنوں کو شریک کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک انگریز مصنف جیمس بیکر اپنے سفرنامہ ترکی ان یوروپ کے دیباچہ میں لکھتا ہے۔ کہ:-

"کوئی علم یا واقفیت جو ایک سیاح اپنی سیاحت کے دوران میں حاصل کرتا ہے۔ اگر وہ اسے دوسروں پر ظاہر نہ کرے تو اس کی حیثیت محض ایک خودغرضانہ لطف یا عیش ہے۔ اور میری رائے میں سیاح کا یہ ایک پبلک فرض ہے۔ کہ اپنی بہترین لیاقت کے مطابق اُن ممالک اور اقوام کے حالات کہ خود اسنے معلوم کئے ہیں پبلک کی نذر کر دے"

آخیر میں میں صرف اتنا اور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس سفرنامہ کا اتنی دیر کے بعد چھپنے سے مجھ سے زیادہ کسی کو افسوس نہیں ہو سکتا۔ گو بہت سے ناظرین پیسہ اخبار نے ان متعدد سالوں میں کئی مرتبہ اس توقف کا مجھ سے افسوس ظاہر کیا ہے۔ اور سفرنامہ کے طلب میں اُن کے اشتیاق بھرے خطوط سے بارہا مایوسی کی شکل نظر آتی رہی ہے۔ تاہم اسوقت "دیر آید درست آید" کے مشہور مقولہ کے لفظی معنوں سے میں کچھ اطمینان حاصل کر کے ان اوراق کو ہندوستان کی عظیم الشان پبلک کے پیش کرتا ہوں کہ جس لائق یہ ہیں۔ ان سے ویسا سلوک کرے۔

میری ذاتی رائے اس توقف کے متعلق یہ ہے۔ کہ اس سے اصل کتاب

کے مطلب کو کچھ نقصان نہیں پہنچا۔ بلکہ بجائے نقصان کے کچھ نفع ہی
ہوا ہے۔ کیونکہ زمانہ نے میرے راؤں اور خیالات کی اکثر باتوں
میں تائید کی ہے۔ اور تجربہ نے مجھے یقین دلا دیا ہے۔ کہ جو کچھ میں نے
کسی مقام پر دیکھا تھا یا جن لوگوں سے بلکہ میں نے اطلاع حاصل کی تھی۔
وہ اکثر قابل توجہ اور قابل اعتبار تھی۔ جیساکہ آپ کو ان اوراق کے
مطالعہ سے خود ثابت ہو جائیگا۔

دفتر پیسہ اخبار
لاہور۔ ۱۳ ستمبر ۱۹۰۸ء

محبوب عالم

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ارادۂ سفر

تا کہ در بند خانہ درگروی
ہرگز اے خام آدمی نشوی

میں مدت سے اس بات کا قائل ہوں کہ ہندوستان کی بہتری اور ترقی کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ہندوستانی سیاحت یا تجارت یا دیگر وسائل کسب معاش یا حصول تعلیم و تجربہ کے لئے ہندوستان سے باہر نکل کر دنیا کے دیگر ممالک کا سفر کریں خصوصاً دنیا کے ان مہذب حصوں کا کہ جہاں کی قومیں علوم و فنون میں ہم سے بہت آگے بڑھی ہوئی ہیں تا کہ وہاں سے کچھ دیکھ کر اور سیکھ کر آئیں اور اپنے ہموطنوں کو اپنے تجربات سے مستفید کریں۔

شائستگی اور سفر

دنیا کی بڑی بڑی قوموں کی ترقی کی تاریخ شاہد ہے کہ انہوں نے سفر بلاد بعیدہ سے کس قدر فوائد حاصل کئے۔ جو فوائد کہ صرف انہیں کی ذات تک محدود نہ ہے۔ بلکہ دنیا کی شائستگی کو بھی ان سے معتدبہ فائدہ پہنچا۔ اور جو قومیں کہ باوجود معراج ترقی پر پہنچنے کے سفر اور سیاحت کو ترک کر کے اپنے وطن کی چار دیواری میں عزلت نشین ہو گئیں انہوں نے نہ صرف اپنی عظمت اور شوکت کو ہی کھو دیا بلکہ دنیا کی شائستگی کو بھی بڑا نقصان پہنچایا۔ اولوالعزم قومیں تمام دنیا کو اپنا گھر سمجھتی ہیں۔ گو وطن کو بھی فراموش نہیں کرتیں۔ اگر اہل عرب حجاز اور تہامہ کے ریگستانوں کو چھوڑ کر ایک طرف گنگا اور دوسری طرف گواڈل کیور کے ساحلوں تک نہ پھیل جاتے تو وہ عزت

اور شوکت اُن کی قوم کو کب حاصل ہوتی جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ اگر اہل انگلستان گھروں سے باہر نہ نکلتے تو نہ امریکہ اور آسٹریلیا آج آباد ہوتا اور نہ ہندوستان پر انگریزی حکومت کا سایہ ہوتا ۔

سفر کی مصیبتیں کم ہو گئی ہیں۔

مجھے بارہا خیال آتا ہے کہ اگر مسلمان یورپ میں پہنچ کر اہل یوروپ کو بیدار نہ کرتے اور یورپ کے عیسائی صلیبی جنگوں کے لئے بار بار امنڈ کر ملک شام کو نہ آتے تو آج یوروپ کو کبھی وہ شائستگی اور ترقی حاصل نہ ہوتی کہ جس پر وہ اب نازاں ہے۔ اگر روے زمین کے مسلمان حج کعبہ پوری سرگرمی سے ادا کرتے رہتے کہ جیسا کہ ان کے اسلاف قرون اول میں کیا کرتے تھے تو ان کی حالت موجودہ بہتر ہوتی۔ بحالیکہ قدیم زمانہ میں جبکہ ریلیں اور آگبوٹ اور بگھی گاڑیاں اور تار برقی ایجاد نہیں ہوئی تھیں اولوالعزم لوگ ان زمانوں میں بھی بحر و بر کو اسی مستعدی اور عزم کے ساتھ طے کیا کرتے تھے جیسے کہ آج کرتے ہیں۔ آج قرون ماضیہ کے دلاوروں کے اخلاف نے اپنے آبا و اجداد کے نقش قدم پر چلنا فراموش کر دیا ہے بحالیکہ دیگر اقوام اُن کی پیروی کر کے اولوالعزم کہلانے لگی ہیں۔ جس گروہ نے سیروا فی الارض کے مستم بالشان ارشاد کو فراموش کر دیا ہے وہ ذلت خمول کے گوشہ میں جا پڑی ہے۔ لیکن ایک دوسری ہمسایہ قوم تہ دل سے اس فرمان کی تعظیم اور توقیر کرتی ہے اور اُس کی تعمیل کو اپنا دستور العمل سمجھتی ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ اُسے وہ عزت اور رتبہ حاصل نہ ہو کہ جو اُس کے طریق عمل کا صلہ ہے۔ ہندوؤں نے اگر سمندر کے سفر کو گناہ سمجھ لیا یا چینیوں نے غیر قوموں سے ربط ضبط چھوڑ دیا تو اپنی شائستگی اور عزت کو کیسا صدمہ پہنچایا ۔

اہل یوروپ و امریکہ کا تفریحی سفر

ہمارے زمانہ میں اہل یوروپ و امریکہ قطع نظر حصول معاش اور توسیع تجربات کے بڑھانے اور مناظر قدرت کی سیر کے لئے اس کثرت سے سفر اختیار کرتے ہیں کہ اُن لوگوں میں

دور دراز اقطاع عالم کی سیاحت پختہ مغزی کا ایک معیار قرار پا گئی ہے۔ وہ اس مشہور قول ع بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے ۔ کی عملاً تصدیق کرتے ہیں۔ ان میں سے عموماً صاحب استطاعت لوگ اپنے بچوں کو عام اس سے کہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں کالج کی تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنے بر اعظم یا دوسرے بر اعظموں میں سفر کرنے کا موقع دیتے ہیں۔ جس سے اُن کے خیالات وسیع اور معلومات وافر ہو جاتی ہیں۔ یہ اُن لوگوں کی عام عورتوں اور مردوں کا حال ہے۔ ورنہ اُن کے خاص خاص محقق لوگ تو وسط افریقہ کے لق و دق میدانوں۔ تبت کے ہولناک کوہستانوں اور قطب شمالی کے جانستاں برفستانوں پر سرگرم تحقیقات و تلاش ہیں۔ ہر چند کہ قطب شمالی کی تحقیقات میں آج تک سینکڑوں جوانمرد قربان ہو چکے ہیں۔ لیکن یہ اپنی دھن کے ایسے پکے ہیں کہ ہر جانے والے کو یقین ہوتا ہے کہ میں تو ضرور کامیاب ہو جاؤں گا ؎

گرچہ راہے است پُر از بیم ز ما تا بر دوست

رفتن آسان بود ار واقفِ منزل باشی

ریل اور جہاز کا سفر فی الواقعہ بڑی آسایش اور تفریح کا سفر ہے۔ کہ جس کی بدولت آج یوروپ اور امریکہ کی دوشیزہ مسیس کرۂ ارض کے گرد گھوم کر چند ماہ میں اپنے گھروں میں سلامت جا پہنچتی ہیں۔ اور دلچسپ سفرنامے لکھ کر شائع کر رہی ہیں۔ غرض آج سالوں اور مہینوں کے راستے دنوں اور گھنٹوں میں طے ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ شوق راہبر ہو۔ روپیہ ہر چند کہ ہم لوگوں کے پاس بہت کم ہے۔ اور سفر روپیہ کے سوا سے ہو نہیں سکتا۔ تاہم اگر دل میں شوق ہو تو آج یا کل یا پرسوں تھوڑے سے بہت روپے کا ضرور انتظام ہو ہی جائیگا ✦

یوروپ کا سوم درجہ کا کرایہ	اگر اول درجہ میں سفر کرنے کی توفیق نہیں تو دوم درجہ میں کر لو۔ اگر دوم میں نہیں سوم میں کر لو۔ جہازوں میں درجہ

سوم اس قدر سستا ہے کہ ہندوستان سے یورپ تک ڈیڑھ سو روپے میں جا سکتے ہیں۔ روپیہ کے سوائے دوسری مشکل ہم لوگوں کو یہ پیش آتی ہے کہ دُنیا کے دھندوں سے کسی وقت فرصت ہی نہیں ملتی۔ بچپن میں جو جوا محنت مزدوری یا نوکری یا علائق خانہ داری کا میاں کے کندھوں پر رکھا گیا تھا اب بسوائے موت کے کبھی تھوڑی مدت کے لیئے بھی نہیں اُترے گا۔ اہل یورپ میں اور ہم لوگوں میں ایک یہ بھی بہت بڑا فرق ہے کہ اُن کے یہاں کام کیوقت جان توڑ کر اور دل لگا کر کام کرتے ہیں۔ اور فراغت کے وقت جو کام کے بعد ہونا ضروری ہے تفریح میں بھی اُسی سرگرمی کے ساتھ حصہ لیتے ہیں کہ گویا یہ بھی ایک کام ہے کہ جسے مستعدی سے ختم کرنا ضروری ہے ؎

محنت اور تفریح پہلو بہ پہلو

کام کے زمانوں کے بعد اس باقاعدگی سے ان کے یہاں تعطیلات کا زمانہ آتا ہے کہ سب لوگ جو کچھ بھی حیثیت رکھتے ہیں تفریح اور آرام کے لیئے اپنے ملک یا دیگر ممالک کے تفریح اور سیر کے مقامات کو چلے جاتے ہیں۔ اسی لیئے تمام یورپ میں سینکڑوں شہروں مثل رر، اور نائس وغیرہ کی زندگی کا مدار مختلف موسموں میں وہاں کے سیاحوں کے جانے پر رہ گیا ہے۔ اگر ایک سال کسی جنگ یا وبا کی وجہ سے مسافر اُن مقامات میں نہ جائیں تو وہاں کے ہوٹلوں والے اور دوکاندار مفلس قلاش ہو جائیں۔ اب جسقدر ریل اور جہاز کے سفر میں سہولتیں بڑھتی جاتی ہیں ایک براعظم کے لوگ دوسرے براعظموں میں محض تفریح اور صحت کی تلاش میں کثرت سے جانے لگے ہیں۔ امریکہ کے لاکھوں سیاح ہر سال صرف لنڈن پیرس اور دیگر بلاد یورپ کو دیکھنے کے لیئے آتے ہیں لاکھوں اہل یورپ اور امریکہ محض تفریح اور معلومات حاصل کرنے کی غرض سے موسم سرما مصر میں بسر کرتے ہیں۔ لیکن کسی خاص شہر یا ملک تک ان کی سیاحت محدود نہیں ہے۔ دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جہاں یہ خدا کے بندے وقت

فرصت بسر کرنے اور معلومات سمیٹنے کے لئے نہیں جا پہنچتے ۔

ہمارے اور اہل یورپ کے حالات میں بعد المشرقین ہے ۔ اگر ان میں سے بہت لوگ تفریح کے لئے سفر کرتے ہیں تو ہمارے یہاں نہ اس کام کی فرصت ہے اور نہ گنجایش ہے۔ لیکن وہ یورپ جس کی شایستگی اور علوم وفنون کی روشنی کا پرتو آج تمام عالم پر پڑ رہا ہے ۔ وہ یورپ کہ جہاں کی دانشمند اور زبردست قومیں باقی ساری دُنیا پر حکومت کر رہی ہیں۔ وہ یورپ کہ جہاں کی دستکاریوں اور ایجادوں نے ایک عالم کو حیرت میں ڈال رکھا ہے ۔ اِس مُردہ دلوں کی دیار میں بھی لاکھوں اپنے حُسن دلفریب کے غائبانہ عاشق رکھتا ہے ۔ اور ہندوستانی باوجود اپنی ناداری کے اگر اس کی محبت کا دم بھریں تو نابجا نہیں ان ملکوں کی آب وہوا علوم وفنون کے ذرات سے مرکب ہے ۔ اہل ہند کے لئے ان ممالک میں لاکھوں سبق کوچہ و برزن میں ملتے ہیں۔ اس لئے اگر کسی ہندوستانی کو سیاحت یورپ کا شوق دامنگیر ہو تو یہ ایک معمولی بات ہے ۔

ہندوستانی یورپ سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔

میں بھی انہیں لوگوں میں سے ایک ہوں جن کا خیال ہے کہ سیاحت یورپ میں بہت سی ایسی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں کہ جو میرے ہموطنوں کی ذہنی اور معاشرتی زندگی کو بہتر بنا سکتی ہیں۔ مجھے بار ہا وہاں کے عجیب وغریب اخبارات کے دفاتر۔ وہاں کے عظیم الشان صنعت وحرفت کے کارخانے اور مدرسے اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا رہ رہ کر شوق ہوتا تھا۔ میں اُن لوگوں کے کام کرنے اور رہنے سہنے کے طریقے اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن دُنیا کے بکھیڑوں سے دم لینے کی فرصت نہیں ملتی تھی خصوصاً معاندانہ پیشہ اخبار کی خدمت کے لئے مجھے اس قدر سخت محنت کرنی پڑی کہ جس کا میری صحت پر بہت بڑا اثر پڑا۔ اس لئے بھی میں کچھ

نمایش پیرس کی ترغیب

دونوں کے لئے کاروبار سے علیحدہ ہونا چاہتا تھا۔ کہ سنہ ۱۹۰۰ء کی مشہور نمایش گاہ عالم منعقدہ پیرس کا زمانہ قریب آگیا۔ اخبارات میں دیکھا گیا تھا کہ آجتک اتنی بڑی اور ایسی جامع نمایش دنیا میں کہیں نہیں ہوئی۔ مَیں نے سمجھا کہ اس سے بہتر موقع یوروپ کے دیکھنے کا ہاتھ نہیں آئیگا۔ کیونکہ نمایش گاہ پیرس بجائے خود ایک چھوٹا سا یوروپ نہیں بلکہ ہفت اقلیم کا خلاصہ ہوگی چنانچہ میں نے بسم اللہ کہہ کر سفر کا ارادہ مستقل کر لیا۔ اور پیسہ اخبار میں اپنے ارادہ کا اعلان کر کے اپنے دوستوں سے رخصت حاصل کی ٭

اس عرصہ میں مَیں نے ایک طرف اپنے کاروبار کو جہانتک کہ میری ذات سے متعلق تھے۔ سمیٹنا شروع کیا۔ اور دوسری طرف مسرز ٹامس کک اینڈ سنز کے بمبئی کے کارخانہ سے جہاز کا انتظام کیا۔ اور سوا تین سو روپیہ جہاز کے کرایہ کا پیشگی اس کارخانہ کو بھیجدیا۔ کیونکہ جب تک کُل یا جزو رقم پیشگی نہ بھیجی جاوے

آخری رکاوٹیں

جہاز میں جگہ خالی نہیں رہ سکتی۔ میرا خیال تھا کہ جہاز کا کرایہ بھیج دینے اور روانگی کی تاریخ معین کرنے کے بعد میرے سفر کے رستہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہے گی۔ لیکن تجربہ نے اس خیال کو بالکل غلط ثابت کیا۔ کیونکہ میری والدہ مکرمہ اور بیوی۔ بچوں اور دوسرے عزیزوں نے اب تقاضا شروع کیا کہ جس طرح ہو سکے میں اپنا ارادہ بدل دوں۔ میرے ایک بزرگ دوست نے جو بڑے روشن ضمیر اور برگزیدہ بشر ہیں اور مجھ سے دلی محبت رکھتے ہیں نہ صرف ایک لمبے چوڑے اور مدلل خط میں مجھے گھر سے نہ نکلنے کی ترغیب دی بلکہ جو تین سو روپیہ جہاز کے کرایہ میں بھیجا جا چکا تھا وہ بھی اپنی گرہ سے دینا چاہا تاکہ میں اپنا ارادہ ترک کر دوں۔ اس لئے جہاز کی روانگی کی تاریخ تک کا زمانہ میرے لئے بڑی آزمایش کا زمانہ تھا۔ میرے جیسے ایک کثیر العیال اور کثیر الاشتغال شخص کو ایک اتنے طول طویل سفر پر

جانے سے پہلے بہت سی تیاری کرنی پڑی۔ کارخانہ کے متعلق سینکڑوں چھوٹے چھوٹے کاموں کی نسبت اپنے چھوٹے بھائی میاں محمد عبدالعزیز کے پاس ہدایات چھوڑنے۔ اور عیال و اطفال کے کاموں کو سلجھانے اور انہیں اطمینان دینے میں آخر یہ دن ختم ہو گئے۔ اس دوران میں مجھے بارہا خیال آتا تھا کہ ایک اس سے بھی لمبا سفر درپیش ہے۔ لیکن حیف ہے کہ اسکی تیاری کے لئے بہت کم کوشش کی جاتی ہے۔ اس زمانہ میں میری ہمت بندھانے اور مجھے متوجہ رکھنے میں ان سینکڑوں بلکہ ہزارہا غائبانہ مہربانوں کے خطوط نے بڑا کام دیا کہ جو ہندوستان کے ہر حصہ میں پیسہ اخبار کو پڑھتے ہیں۔ اور اسلئے مجھ سے ایک نوع کی روحانی ملاقات اور محبت رکھتے ہیں۔ ان دنوں کوئی ڈاک نہیں آتی تھی جس میں مندرجہ بالا مضمون کے خط نہ ہوتے اور کوئی خط نہیں ہوتا تھا جس میں یہ مشہور شعر نہ ہوتا ؎

بہ سفر رفتنت مبارک باد بسلامت روی و باز آئی

اُسی وقت مجھے معلوم ہوا کہ یہ اتنا مشہور شعر ہے۔

الوداعی جلسہ

دوسری طرف لاہور کے بزرگوں اور دوستوں نے طرح طرح سے اُس محبت اور مہربانی کا اظہار کیا جو انہیں اس خاکسار سے ہے۔ اور ایک الوداعی جلسہ کیا گیا۔ جس کی کیفیت شیخ عبدالقادر صاحب اڈیٹر پنجاب ابزرور کی لکھی ہوئی ۶ جون کے پیسہ اخبار کے ضمیمہ سے یہاں بجنسہ نقل کی جاتی ہے۔ جس کے ساتھ میری غیر حاضری میں اڈیٹر پیسہ اخبار کا ایک نوٹ بھی ہے:۔

منشی محبوب عالم صاحب کا سفر یوروپ اور الوداعی جلسہ

"جناب منشی محبوب عالم صاحب مالک پیسہ اخبار لاہور کے سیاحت یوروپ پر تشریف لے جانے پر ان کے اعزاز میں گذشتہ ہفتے انکے معزز احباب نے جو ویونگ پارٹی دی تھی اس کی کیفیت بغرض اندراج اخبار موصول ہوئی ہے۔ چونکہ منشی محبوب عالم صاحب ہمیشہ خودستائی کو ناپسند کرتے رہے ہیں۔ اور آج تک کبھی اخبار کے کالموں میں اُنہوں نے اس قسم کا تذکرہ کرنا گوارا نہیں کیا۔ دوسری طرف اُن کے دوست واحباب اس روئداد کے اندراج کے لئے سخت تقاضا کر رہے ہیں۔ لہذا اس حالت میں لما مور معذور اور آزردن دل دوستاں جاہلیست کی مصداق اس پارٹی کی کیفیت پیسہ اخبار سے علیحدہ بطور ضمیمہ کے شائع کی جاتی ہے۔ بخیال خاطر احباب چاہئے ہر دم ۔ انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو (ایڈیٹر)

"جناب مکرمی ایڈیٹر صاحب

"السلام علیکم ۔ ہر چند کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ کے اخبار کے مالک و ایڈیٹر منشی محبوب عالم صاحب شہرت پسند نہیں بلکہ شہرت سے کنارہ کش رہے ہیں۔ اور اُنہوں نے حتے الوسع ان خطوط کو جو کسی طرح سے ان کی مدح میں ہوں اخبار میں کبھی جگہ نہیں دی۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کو جو ہدایتیں دی گئی ہیں۔ ایسی ہی ہونگی کہ وہی پرانا طریق ملحوظ رہے۔ تاہم اس کمیٹی کی طرف سے جس نے ان کے الوداعی جلسہ کا انتظام کیا تھا۔ بزور آپ کی خدمت میں درخواست ہے کہ آپ اِس جلسہ کی روئداد کو بلا کم وکاست درج اخبار فرماویں۔ اور اس میں اپنے اخبار کی معتاد کسر نفسی سے کام نہ لیں۔ اور اگر اس تمام کے لئے اپنے اخبار

کے کالموں میں گنجائش نہ دیکھیں تو اسے بطور ضمیمہ کے چھاپ کے شائع کر دیں۔ باعث ممنونی۔ راقم و دیگر ممبران کمیٹی مذکور ہوگا۔ بندہ شیخ عبدالقادر۔ ایڈیٹر اخبار پنجاب آبزرور

رویداد جلسہ

۵ مئی کو جمعہ کے دن اسلامیہ کالج لاہور کے وسیع صحن میں ایک منتخب مجمع اہل اسلام لاہور کا تھا۔ جس میں علاوہ دیگر بزرگان کے مندرجہ ذیل اصحاب کے نام خصوصیت سے لئے جا سکتے ہیں۔ خان بہادر محمد برکت علی خاں صاحب سکرٹری انجمن اسلامیہ و وائس پریزیڈنٹ میونسپل کمیٹی۔ نواب شیخ غلام محبوب سبحانی صاحب رئیس لاہور۔ سردار رضا علیخان صاحب قزلباش۔ خان بہادر ڈاکٹر سید امیر شاہ صاحب اسسٹنٹ سرجن۔ فقیر سید افتخار الدین صاحب میر منشی گورنمنٹ پنجاب۔ میاں کریم بخش صاحب میونسپل کمشنر۔ مولوی محمد فضل الدین صاحب رئیس پلیڈر و میونسپل کمشنر۔ مولوی مفتی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی پریزیڈنٹ انجمن حمایت اسلام۔ حاجی منشی شمس الدین صاحب جنرل سکرٹری انجمن حمایت اسلام۔ شیخ عمر بخش صاحب بیرسٹر ایٹ لا۔ خاں صاحب ڈاکٹر سید مہتاب شاہ صاحب پروفیسر وٹرنری کالج۔ سید سردار شاہ صاحب گیلانی ہاؤس سرجن وٹرنری کالج۔ سید ولی شاہ صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر۔ مرزا نوازش علی صاحب ہیڈ چیف کورٹ۔ سید احمد شاہ صاحب تحصیلدار۔ چودھری نبی بخش صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل۔ ماسٹر شیر محمد صاحب مولوی حاکم علی صاحب بی۔ اے پرنسپل اسلامیہ کالج۔ سید خورشید انور صاحب بی اے +

"یہ سب اصحاب اس لئے جمع ہوئے تھے کہ منشی محبوب عالم صاحب کو اُن کی روانگی یورپ سے پیشتر خیرباد کہیں۔ اور اُن کی خدمات کے اظہار قدر دانی میں شریک ہوں۔ ان کے علاوہ منشی محبوب عالم صاحب کے دو معزز احباب جنکے سخت اصرار سے انہوں نے اتنا بھی جلسہ اپنی خاطر ہونا منظور کیا تھا۔ اور جن کی جانب سے اسکا اہتمام تھا موجود تھے۔ مثلاً شیخ عبدالقادر صاحب بی اے

ایڈیٹر اخبار پنجاب ابزرور۔ حکیم غلام نبی صاحب زبدۃ الحکما۔ حکیم شہباز الدین صاحب رئیس لاہور بازار حکیماں۔ مولوی احمد دین صاحب بی اے وکیل۔ شیخ گلاب الدین صاحب مختار۔ چوہدری سردار خاں صاحب بی اے۔ حکیم محمد شریف صاحب ڈاکٹر۔ بابو رحیم بخش صاحب بی اے۔

"ٹھیک ساڑھے پانچ بجے وقت مقررہ پر لوگ تشریف لانے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں منشی محبوب عالم صاحب مع اپنے بھائیوں اور اعزہ کے تشریف لائے اور ہر کسی سے اُن کی تپاک اور محبت سے ملاقات ہوئی اور مختلف گروپس میں حاضرین باتیں کرتے رہے۔ اتنے میں ایک طرف ایک گروپ میں حاضرین میں سے بعض کی تصویر کا انتظام کیا گیا تھا۔ اسکے واسطے بیٹھنا پڑا۔ اور پنڈت گردھر راے صاحب فوٹوگرافر نے ایک تصویر اتاری جس میں معزز حاضرین کا ایک معقول حصہ آگیا۔

اسکے بعد شیخ عبدالقادر صاحب نے سب حاضرین جلسہ کی اجازت ایک مختصر سی تقریر کے لئے چاہی۔ اور مندرجہ ذیل تقریر کی:۔

تقریر شیخ عبدالقادر صاحب "حضرات۔ آج کے مجمع کا اور ایسی مجالس کا اصلی منشا اخلاقی ہے۔ اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ سوشل میل جول سے باہمی محبت اور اتحاد میں ترقی ہو۔ اور مل بیٹھنے اور ملکر کچھ کھانے پینے کا لطف آئے۔ اور اسی لئے ایسے موقعوں پر کوئی لمبی تقریریں کرنے کا دستور نہیں۔ تاہم کسی قدر اظہار اس بات کا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ آج آپ کو تکلیف کیوں دی گئی اور یہ جلسہ جو آپ دیکھ رہے ہیں کس طرح منعقد ہوا۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے دوست منشی محبوب عالم صاحب کی طبیعت نمود و اظہار خود پسندی اور خودستائی سے ہمیشہ گریزاں رہی ہے۔ اور باوجودیکہ اپنی دیرینہ اور سرگرم پبلک خدمات کے لحاظ سے اُن کا حق تھا کہ ان کے رخصتانہ اور لمبے سفر کے موقع پر عام پبلک کی جانب سے نہایت شان و شوکت کا الوداعی

جلسہ کیا جاتا۔ انہوں نے اپنے احباب کی اس تحریک کو منظور نہ کیا۔ آخر چند خاص دوستوں میں یہ قرارداد ہوئی کہ ایک مقابلتہً مختصر پارٹی جس میں اُن کے ذاتی ملاقاتی اصحاب مدعو ہوں کر دیجائے۔ اور اس بات کی پرواہ نہ کی جائے کہ وہ اتنا بھی مانتے ہیں یا نہیں۔ آخر یہ مشورہ ہو کر اُن کو ان الفاظ میں اطلاع دی گئی۔

"جناب من! آپ کی کسر نفسی کا پورا لحاظ کر کے ایک مختصر پارٹی احباب خاص کی قرار پائی ہے۔ امید کہ آپ کو اس پر تو اعتراض نہ ہوگا۔ اور ہو بھی تو کیا۔ اتنا تو از حد ضروری ہے۔ آپ کو صرف یہ اطلاع دی جاتی ہے۔ کہ آپ جمعہ کے دن پانچ بجے بعد شام تک کا وقت فارغ رکھیں اور اس وقت کے لئے کوئی اَور کام پیش نظر نہ رہے۔ اس میں آپ کا اب کوئی عذر مسموع نہ ہوگا"

انہوں نے جواب دیا "جناب من۔ آپ کا اطلاعی رقعہ لکھا ہی ایسے الفاظ میں گیا ہے۔ جسکا جواب سوا اسکے اَور کچھ نہیں ہو سکتا۔ ع

سر تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

ایک دوست کے حکم کے آگے شاعر نے سر تسلیم خم کرنے کو کہا ہے۔ یہاں تو آپ کئی دوستوں کا ارشاد بھیجتے ہیں۔ پس سر تسلیم نہ صرف خم ہونا چاہئے۔ بلکہ زمین تک جھک جانا چاہئے۔ بہرحال آپ کی عنایت کا مشکور ہوں۔ مگر مجبور کئے جانے کا شاکی "

صاحبان۔ جہاں منشی صاحب میں اور بہت سی خوبیاں ہیں۔ وہاں یہ خوبی فی زمانہ کیا کم ہے۔ ان کے لئے شہرت کے دروازے ایسے کھلے ہیں۔ کہ کچھ حد نہیں۔ ان کی خدمات دیرینہ ان کو پبلک قدردانی کا مستحق بناتی ہیں۔ اور یہ ہیں کہ اتنے سالوں کے بعد بھی ایسے موقع سے جس قسم کے موقعوں پر لوگ جان دیتے ہیں۔ بچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور ان کے اخبار کی خوبیوں میں بھی یہی بات کچھ کم قابل قدر نہیں کہ انہوں نے اسے اپنے بعض

ہمعصروں کی طرح کبھی اپنی ذاتی شہرت کا ذریعہ نہیں بنایا۔ میں نے دیکھا ہے کہ ذاتی شہرت تو کیا بعض تو شہرت کو بیا نتک تشہیر کے درجے پر پہنچا دیتے ہیں کہ کوئی کالم اُنکا خود ستائی سے خالی نہیں ہوتا۔ اور خلقت کے روپے کو اپنی مدح سرائی پر لگاتے ہیں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ متدین اخبار نویسی کی نظر میں یہ صاف بددیانتی ہے اور منشی محبوب عالم صاحب کی کامیابی کے رازوں میں ایک بڑا راز یہ ہے کہ اُنھوں نے شروع سے دیانتدارانہ اخبار نویسی کی ضرورت کو محسوس کر لیا۔ انہوں نے کبھی اخبار کو کاسہ گدائی۔ یا آلہ استحصال بالجبر نہیں بنایا۔ اور اپنا یہ فرض سمجھا ہے کہ پبلک سے جو قیمت لیں۔ اُس کے عوض میں معقول مقدار مضامین کی اُن کی خدمت میں پہنچائیں چنانچہ پیسا اخبار کی قیمت صرف دو روپیہ ہے۔ اور یہ دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان بھر میں اس کی اشاعت کثیر ہے۔ دس ہزار کے قریب اخبار شائع ہونا ابھی اس ترقی کے اعتبار سے جو ہمارے ملک میں ہوئی ہے کوئی چھوٹی سی بات نہیں ہے۔ اور یہ اِن کے اپنے فرض کو بخوبی سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ ایک اور بات جو منشی محبوب عالم صاحب سے متعلق قابل ذکر ہو۔ یہ ہے کہ وہ رائے کی آزادی سے ظاہر کرنے میں ہمیشہ اُردو اخبارات میں مخصوص خیال کئے گئے ہیں۔ اور اکثر دفعہ اُنھوں نے بلا لحاظ اپنے بیگانے دشمن اور دوست کے اشخاص اور اُن کے اعمال کی نسبت صاف رائے اخبار میں لکھ دی ہے۔ اور گو اس میں اِن کو بعض کی ناراضگی کا سامنا ہوا ہے۔ مگر اُنھوں نے اس کی پرواہ نہیں کی اور یہ تعریفیں بالخصوص قابل قدر ہو جاتی ہیں جب یہ دھیان رہے کہ سارے امتیاز اُنھوں نے محض اپنی ہمت اور اپنی کوشش سے بغیر کسی ایسے کے سہارے یا کسی کے بھروسے کے زور بازو سے اور عرق پیشانی بہا بہا کر حاصل کئے ہیں۔ اُن کو مدرسہ اور کالج میں باقاعدہ تعلیم نہیں نصیب ہوئی تھی۔ اور اس کمی کو اُنھوں نے اپنے مطالعہ سے پورا

کیا۔ اُن کو کوئی رقوم اپنے بزرگوں سے ترکہ میں نہیں پہنچی تھیں۔ نہ کسی دوست سے حاصل ہوئی تھیں۔ جن کو اُنہوں نے اپنا سرمایہ بنایا۔ خود ہی چند روپوں کے ابتدائی سرمایہ سے ایک کارخانہ کے مالک بنے اور اب اپنے خرچ پر اور اپنے بل پر ولایت جاتے ہیں۔ ان کا مقصد اس سفر میں ایک تو تفریح کا ہے۔ جو اتنے سالوں کی محنت شاقہ کے بعد ان کا حق ہے۔ دوسرے یوروپ کی تہذیب اور علمی ترقی سے استفادہ ہے جس کی یہ ضرور قابلیت رکھتے ہیں۔ نمایش پیرس ایک ترغیب خاص موجود ہے اور ان کا عزم مصمم ہو چکا ہے۔ پرسوں ڈیڑھ بجے کی گاڑی سے جانیکو ہیں۔ اس وقت سوا اسکے اَور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ ہم انہیں اس کامیابی پر جو تاحال ان کو ہوئی ہے مبارکباد دیں۔ اور دل سے کہیں ؎

بہ سفر رفتنت مبارک باد ۔ بہ سلامت روی و باز آئی

اس تقریر کے خاتمہ پر احمد حسین خاں صاحب بی اے لاہور کے مشہور شاعر نے ایک دلچسپ نظم پڑھ کر سنائی۔ مگر اس نظم کے شروع ہونے سے پیشتر یہ چند الفاظ شیخ عبدالقادر صاحب نے کہے۔

صاحبان۔ یہ نظم بھی ہمارے آج کے عزیز مہمان کے استمزاج کے بغیر تیار ہوئی ہے۔ آپ جان سکتے ہیں کہ جب انہیں نثر میں اپنی تعریف سننے کا تحمل نہیں تو انہیں نظم کیونکر پسند ہونے لگی۔ مجھے اس بات کا ذاتی علم ہے کہ ان کے ان نظمیں چھپنے کی غرض سے آئیں۔ جن میں ان کی کسی قسم کی تعریف تھی۔ اور اس واسطے چھپ نہ سکیں۔ اگر وہ اس بات کی پروا کرتے کہ کسی عید یا نوروز یا تقریب پر کوئی مبارکباد کا قصیدہ یا رباعی اخبار میں چھاپ لیں۔ یا کسی اپنی تصنیف کی تقریظ کے طور پر کوئی نظم حاصل کرلیں۔ تو اخبار غزلوں سے بھر لیتے۔ مگر اُنہوں نے پسند نہیں کیا۔ اور میری دانست میں اچھا کیا۔ اور اپنے ہمعصروں کے لئے ایک قابل تقلید مثال قائم کی۔ یہ نظم خاں صاحب نے

پرانی دوستی اور محبت کے خیال سے لکھی ہے۔ خاں صاحب، صاحب تصانیف وتالیفات ہیں۔ اور منشی صاحب پبلشر ہیں۔ اس پرانے راہ ورسم نے خانصاحب سے نظم لکھوائی ہے۔ اور اس کے لحاظ سے اس کے پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے۔

نظم محبوب

آج اس بزم میں ہم آئے ہیں لیکر گوہر　　بحر الفت سے یہ نکلے ہیں بہار گوہر
یہ ہیں خوش آب محبت سے منور گوہر　　بادشاہوں کو کہاں ایسے میسر گوہر
یہ وہ گوہر ہیں نہیں مفت جو کھوئے ہے
ہاں اخوت کے ہیں رشتے میں پروئے ہے

یہ وہ گوہر ہیں چمکتی ہے محبت ان میں　　یہ وہ گوہر ہیں دمکتی ہے اخوت ان میں
مثل آئینہ ہر آئینے ہے الفت ان میں　　صاف الفت کی نظر آتی ہے صورت ان میں
سچے موتی ہیں بتا دو ابھی کیا کیا ہونگے
میرے محبوب کی گردن میں یہ کنٹھا ہونگے

کوئی کیا ڈالیگا سچ کہتا ہوں قیمت انکی　　یہ موتی ہیں طلسمی ہے حقیقت ان کی
جوہری دیکھ کے حیران ہیں برکت انکی　　یہ وہ گوہر ہیں بدلتی نہیں رنگت ان کی
دل کے ٹکڑے ہیں کہیں مفت نہ کھونا انکو
آب زمزم میں محبت ہی کی دھونا ان کو

تم کو معلوم ہے دنیا میں محبت کیا ہے　　یہ میسر ہو تو پھر دولت و حشمت کیا ہے
گر نہ الفت ہو تو پھر جاں کی حقیقت کیا ہے　　زندگی ہیچ ہے اور اس میں فضیلت کیا ہے
اس محبت کے سبب ہم بھی یہ نذر لائے
کشتئ دل میں سجا کر ہیں یہ گوہر لائے

جس محبت نے کیا سبز پری کو جو گن　　جس نے صحرا کو کیا قیس کی حق میں گلشن
جسنے یعقوب کی آنکھوں کو کیا تھا روشن　　جس نے فرہاد کے سینے میں بنایا مسکن

دودھ کی نہر تھی جس شے نے دکھائی ہمکو
آج اس بزم میں ہم کھینچ کے لائی ہم کو

رونقِ بزمِ احبا کا جو زیور تو ہے   اور اخبار کی دنیا میں جو لیڈر تو ہے
ہاں تعصب سے مبرا جو برابر تو ہے   ہمکو ہے ناز کہ بے مثل اڈیٹر تو ہے
تم مجسم سے مناروں کی حقیقت پوچھو
اور اس شخص کی تم مجھ سے فضیلت پوچھو

خدمتِ ملک جو ہے سر پہ اٹھائی تو نے   خوب اصلاح کی تدبیر بتائی تو نے
اپنی حکمت سے یہ عزت ہے بڑھائی تو نے   آج مداح بنائی ہے خدائی تو نے
اور میرے ساتھ تو ہے خاص تعلق تیرا
سب پہ روشن ہے بڑا بھائی ہے یعنی میرا

دل و خوش کرتا ہے میرا ذکرِ سمندر سنکر   ہاں سمندر میں اٹھا کرتے ہیں طوفاں اکثر
پر نہیں خوف جو ہو قادرِ مطلق یاور   حضرت خضر الٰہی ہوں تمہارے رہبر
اے سمندر ترے حق میں نہیں اچھا ہوگا
میرے محبوب کا گر بال بھی بیکا ہوگا

تجھ سے اے صاحب جو اٹھتے ہیں طوفاں اکثر   اب کے بہتر ہے کہ ہو لطف و کرم ہی ہم پر
اب کے پانی نہ سمندر کا اٹھانا سر پہ   ورنہ یہ جان کہ ہو جاؤنگا دشمن صرصر
ہاں نہ مانے گی اگر اب کے تو کہنا میرا
ہم نکالیں گے سن اے موج ہوا بل تیرا

سیر یوروپ کو اگر جاتا ہے جاؤ صاحب   تجربہ اپنا بڑھانا ہے بڑھاؤ صاحب
لطف جینے کا اٹھانا ہو اٹھاؤ صاحب   شوق سے جاؤ نہ اب دیر لگاؤ صاحب
لیک جس طرح سے اب پیٹھ دکھاؤ جاکر
ہاں اسی طرح سے پھر منہ بھی دکھاؤ آکر

جاکے یوروپ میں کہیں بھول نہ جانا ہرگز   نقش الفت کا نہ سینے سے مٹانا ہرگز

ہم نہیں نامہ میں گے ہاں کبھی بہانہ ہرگز　　خط کے لکھنے میں نہ تم دیر لگانا ہرگز

خط کی تحریر ہے فرقت کی سیاہی صوتی

خط سے کہتے ہیں ملاقات ہے آدھی ہوئی

سیر یورپ کا تمہیں شوق چرایا بھائی　　تم نے بستر سوئے یورپ کے اٹھایا بھائی

فکر فرقت نے ہے اب ہمکو ستایا بھائی　　جوش الفت نے ہے دیوانہ بنایا بھائی

تم کو جانا ہے تو دے جاؤ ضامن مجکو

جاؤ خالق کے کیا میں نے حوالے تم کو

اسکے بعد منشی محبوب عالم صاحب شکریہ ادا کرنے کو اٹھے۔ لیکن ہجوم خیالات مانع تقریر تھا۔ انہوں نے کہا کہ میں کہاں ان تعریفوں کا مستحق ہوں۔ جو اس وقت کی گئی ہیں۔ شیخ صاحب نے جو کچھ میری شان میں فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ وہ میرے دوست ہیں اور ان کو میرے عیوب نظر نہ آتے ہونگے۔ اور جو کچھ خانصاحب نے اشعار میں فرمایا ہے۔ ان کو میں معذور رکھتا ہوں کہ وہ علاوہ دوست ہونے کے شاعر ہیں۔ بہرحال مجھ سے جو کچھ بن پڑا میں نے پبلک کی خدمت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور یہ میری بڑی خوش قسمتی ہے کہ آپ لوگ اس کی قدردانی فرماتے ہیں۔ میری آئندہ بھی یہی کوشش ہوگی کہ میں آپ لوگوں کا ایک ادنیٰ خادم متصور ہوں۔ میں اس تکلیف کا جو آپ صاحبان نے آج میرے لئے اٹھائی ہے۔ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور اپنا فخر اور اعزاز سمجھتا ہوں۔

یہ مختصر شکریہ ختم ہونے پر سب صاحبان ہال میں جہاں ریفرشمنٹ کا سامان تھا تشریف لے آئے۔ جہاں میوہ جات۔ مٹھائی اور برف لیمونیڈ سوڈا واٹر وغیرہ پیش کئے گئے۔ اور اسکے بعد اپنے اپنے گھروں کو تشریف لے گئے۔

اختتام جلسہ پر جب صرف پندرہ بیس اصحاب باقی رہ گئے تھے۔ معلوم ہوا کہ شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے۔ جنکے اشعار کو کچھ عرصے سے قبولیت خاص حاصل ہے۔ ایک نظم پڑھنا چاہتے ہیں۔ اس بات کا افسوس رہا کہ ان کی نظم پہلے

کیوں نہ پڑھی جا سکی۔ بہرحال وہ نظم بھی پڑھی گئی۔ اور سامعین نے بہت داد دی۔ وہ بھی ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے۔

نظم اقبال

لیجیے حاضر ہے مطلع رنگیں — جب پہ صدقے ہو شاہد تحسیں
سوئے یورپ ہوئی وہ راہ سپر — صنعت میں ہو گیا ستم ہم پر
آنکھ اپنی ہے اشک خوں میں تر — غیرت کاسۂ مے احمر
فتح ملک ہنر کو جاتے ہیں — ہر کابی کو آ رہی ہے ظفر
تاڑ جاتے ہیں تاڑنے والے — کھینچ کر لیچلا ہے ذوق نظر
فخر انساں کا ہو تلاش کمال — جستجو چاہیے مثال قمر
خوب تاڑا ہے سیر کا موقع — نکتہ بیں چاہیے نگاہ بشر
سیر دریا میں ہیں ہزار مزے — جس کو دکھلائے خالق اکبر
وہ سر شام بحر کی موجیں — مد کی وہ خرام پانی پہ
وہ سمندر بساط کی صورت — اور وہ موجوں کا کھیلنا چوسر
اور وہ چاندنی کہ بحر جسے — اوڑھ لیتا ہے صورت چادر
دی خبر آپ نے یہ کیا ناگاہ — چپکے چپکے چبھو دیا نشتر
دوستوں کا فراق قاتل ہے — درد اٹھتا ہے صورت محشر
آنکھ میں یوں نہیں رواں لیکن — اشک اپنے ہیں مثل آب گہر
جائیے اور پھر کے آئیے گا — صورت بوئے نافۂ اذفر
اس طرح راہ آنکھ دیکھے گی — جوں مؤذن کو انتظار سحر
بزم یاراں رہے گی یوں خاموش — جیسے چپ چاپ شام کو ہوں شجر
سر مژگاں پہ آ گئے آنسو — نکل آیا جو دل میں تھا مضمر
شرح احباب فرض انساں ہے — لاؤں اسکے لئے میں خامۂ زر
یاں خوشی گناہ ہے ایسی — جس طرح کفر ہجو پیغمبر

یہ حضر آپ کو مبارک ہو یہ سفر آپ کو مبارک ہو

آپ ہیں محو سیر دریائی چشم احباب غم سے بھر آئی
رقص موجوں کا جا کے دیکھیے بھید ہی ہے جہاز کو سائی
لطف اخبار کا جب آتا ہو بزم یورپ سے ہو شناسائی
دم رخصت وہ گرمجوشی ہے آتش عشق جس سے شرمائی
کسی کونہ میں تاکتی ہے اسے گرمئ آفتاب جولائی
لب سے نکلا کہ فی امان اللہ فخر کرتا ہے تاب گویائی
نشۂ دوستی چڑھا ایسا شعر میں بھی ہے رنگ صہبائی
آب آئینہ پر گراتے ہیں بسلامت روی و باز آئی
عزم پنجاب ہو مگر جلدی کہ نہیں طاقت شکیبائی
ہو نہ محبوب سے جدا کوئی اے رگ جاں عالم آرائی
الغیاث اے معلم ثالث درد فرقت سے جان گھبرائی
ایسی پڑیا کوئی عنایت ہو دل سے اٹھے کہ وہ شفا پائی
آگیا بجر چپ رہو اقبال خامہ کرتا ہے عذر بیجائی
توبہ کر لی ہے شعر گوئی سے اس کی قیمت پڑی نہ اک پائی
شعر سے بھاگتا ہوں میں کوسوں ہے یہ توحید اور میں عیسائی
آنچہ دانا کند کند ناداں لیک بعد از ہزار رسوائی

دوستوں کی ہے یہ دعا حافظ
ہو سفر میں ترا خدا حافظ

لاہور سے روانگی

ابر است و بہار است و ہوا ہم مزہ دارد
برخیز کہ لغزیدن پا بےسبب نخوارد

میری روانگی کا دن یعنی ۲۰ مئی سر پر آ گیا۔ علی الصباح کارخانہ پیسہ اخبار کے تمام ملازموں وغیرہ کے ساتھ بیٹھ کر ایک فوٹو لیا گیا۔ نو بجے آنریبل نواب فتح علی خاں کے دولت خانہ میں اردو کی حمایت میں ایک جلسہ تھا اس میں شریک ہوا مگر ختم ہونے سے پہلے میں گھر چلا آیا۔ دوپہر کو بہت سے دوست میرے مکان پر جمع ہو گئے۔ اور ریلوے سٹیشن کو جانے کی تیاری کی۔ بوقت مفارقت کے خیال میں مستورات اور بال بچوں نے رو رو کر گھر کو ماتمکدہ بنا دیا کہ جسکا اثر میرے دل پر بھی ہوا۔ اور اگر میں بہت جلدی زنانہ مکان سے باہر نہ نکل آتا تو میرا ضبط بھی معرض خطر میں پڑ چکا تھا۔ نہ تو میں اسوقت کے موثر اور دردناک نظارہ کو پورے طور پر بیان کرنا چاہتا ہوں اور نہ کما حقہٗ اسکو الفاظ میں بیان کرنے کی قدرت رکھتا ہوں۔

لاہور کے احباب

بہرحال ریلوے سٹیشن پر ایک بہت بڑا مجمع ہر طبقہ کے مسلمان اور ہندو مہربانوں دوستوں اور ملاقاتیوں کا تھا کہ جنکے ناموں کے لئے دو تین صفحے بھی کافی نہ ہونگے۔ دو بجے دوپہر کے دھوپ جوبن پر تھی مگر وہ میرے دوستوں کو مجھے سٹیشن تک جا کر وداع کرنے سے نہ روک سکی۔ یہاں تک کہ خان بہادر محمد برکت علی خاں صاحب بھی جو پنجاب میں مسلم لیڈر اور قومی امور میں سرگرمی رکھنے میں ہندوستان بھر میں فرد ہیں باوجود اس کبرسنی اور ضعف پیری کے مجھے خدا حافظ کہنے کو تشریف لاتے

آخر گاڑی چلنے کو تیار ہو گئی لیکن میرے بعض دوست مجھے اب بھی تنہا چھوڑنے کو آمادہ نہ تھے۔ چنانچہ حکیم غلام نبی صاحب زبدۃ الحکما۔ شیخ گلاب الدین صاحب وکیل۔ حکیم محمد شریف صاحب۔ شیخ رحیم بخش صاحب سوداگر۔ میر وزیر علی صاحب مصور اور میاں عبد العزیز صاحب

امرت سر کے احباب

امرت سر تک ساتھ چلے گئے۔ امرت سر کے سٹیشن پر ایک اور مجمع احباب منتظر تھا۔ شیخ فیروز الدین صاحب آنریری مجسٹریٹ۔ میاں غلام نبی صاحب رئیس اعظم۔ شیخ غلام محمد صاحب مالک اخبار وکیل۔ و حکیم نظام الدین صاحب مع دیگر احباب امرت سر کے تشریف لائے ہوئے تھے۔ میاں غلام نبی صاحب نے فرط عنایت اور محبت سے میرے بازوں پر امام ضامن کے روپیے باندھ دیئے۔ اس وقت کا دلچسپ نظارہ تحریر کی نسبت تصویر اچھی طرح ادا کر سکتی دوستوں۔ عزیزوں اور اہل وطن کی محبت اور اخوت کے ایسے ایسے اظہار دیکھ کر دل کو وطن کی مفارقت تھوڑی دیر کے لئے پہلے سے کسی قدر زیادہ شاق گذرنے لگی۔ مگر تین دن کی مصروفیت کے بعد میں نے پہلی مرتبہ ریل میں تنہا اور فارغ بیٹھ کر جلدی ہی اپنے منتشر خیالات کو مجتمع کر لیا۔

شام کے قریب گاڑی انبالہ شہر کے سٹیشن پر پہنچی۔ جہاں بزرگان انبالہ کی ایک جماعت ریفرشمنٹ کا سامان لیکر موجود تھی۔ ان صاحبوں نے بہت سی مہربانی کی باتوں کے بعد اظہار افسوس کیا کہ انہیں صرف کل ہی میری روانگی کی تاریخ پنجاب ابزرور سے معلوم ہوئی تھی۔ اسلئے جو ایڈریس یہ اس موقع کے لئے تیار کرنا چاہتے تھے نا تمام رہ گیا۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کر کے انہیں یقین دلایا کہ اچھا ہوا کہ ان کی زیادہ محنت رائیگاں نہیں گئی +

راستہ کی دعوتیں

لاہور سے بمبئی تک راستہ میں کھانے کا بہت اچھا انتظام پہلے ہی کر لیا گیا تھا کہ جس کا کریڈٹ منشی محمد عبد العزیز صاحب

مینیجر پیسہ اخبار کو ملنا چاہئے۔ تو اس سے ہمارے چند دوستوں کو تکلیف ہوتی جو کہا تا لیکر مختلف اوقات میں مختلف سٹیشنوں پر آتے رہے۔ لیکن مجھے بہت آرام ملا۔ میں ان سب صاحبوں کا اس تکلیف کے لئے تہِ دل سے مشکور ہوں۔ میرے خیال میں اگر دوران سفر میں اپنے دوستوں یا غیروں سے ایسی مدد حاصل کر لی جائے کہ جس میں انہیں کسی قدر تکلیف ہو مگر ہمیں اُس سے زیادہ آرام ملے تو مضائقہ نہیں۔ اس مشہور مثل کی کہ "جس نے کی شرم اُسکے پھوٹے کرم"، صداقت جیسی کہ سفر میں معلوم ہوتی ہے کہیں نہیں کھلتی۔ انبالہ چھاونی میں مسٹر ہیچ شیپرڈ مالک کارخانہ گھڑی سازی مہربانی کرکے میرا کھانا لائے۔ امید تھی کہ دو بجے رات کو گاڑی دہلی پہنچے گی۔ اور وہاں میرے عزیز دوست حافظ عبد المجید صاحب مالک کارخانہ اے برکت اینڈ کمپنی سے ملاقات ہوگی۔ لیکن غازی آباد کے سٹیشن پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ گاڑی جس میں میں سوار تھا دہلی ہو کر نہیں جاتی۔ یورپ میں حافظ صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ وہ آدھی رات کو کھانا ساتھ لے کر سونی پت کے سٹیشن تک چلے گئے تھے مگر مجھے نہ پا کر سخت مایوس ہوئے۔ ہر چند کہ میں نے ریل وغیرہ کے وقت کے متعلق کافی غور کر لیا تھا اور دوم درجہ کی گاڑی میں ایک جگہ اپنے لئے کئی روز پہلے سے ہی لاہور سے بمبئی تک ریزرو کرا رکھی تھی۔ تاہم سفر میں کئی ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں اور ایسی ناگوار باتیں پیش آتی ہیں کہ معمولی عاقبت اندیشی ان کا دفعیہ کرنے میں قاصر ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کی کسی قدر توضیح ذیل کے واقعہ سے بخوبی ہوتی ہے۔

سفر کی پہلی غلطی

لاہور سے میں جس درجہ کو ریزرو کرا کر سوار ہوا تھا اُس میں ایک یورپین میم بھی مع اپنے بچوں اور آیا کے سوار تھی۔ اور اتفاق کی بات ہے کہ اس نے بھی دو نشستیں لاہور سے بمبئی تک میری طرح پہلے سے ریزرو کرائی ہوئی تھیں۔ اسکا شوہر لاہور میں میرے

سامنے اُسے سوار کرا لیا۔ اور ریلوے اسٹیشن لاہور کے اہلکاروں نے
ہم دونو کے لئے ایک گاڑی میں جگہ مقرر کی۔ لیکن جبکہ ہم ۔ مئی کی دوپہر کو
گاڑی آگرہ سٹیشن پر پہنچی اور مولوی نصیر الدین احمد صاحب مالک مطبع
لامع النور میرے لئے پر تکلف کھانا لائے۔ میں ابھی کھانے کے انتظام
میں مصروف تھا کہ ایک انگریز جو کئی منٹ سے ہماری گاڑی کی طرف گھور
رہا تھا اُس نے قریب آکر کہا کہ چونکہ اس گاڑی میں ایک عورت بھی ہے۔
اسلئے تمھیں چاہئے کہ تم کسی دوسری گاڑی میں چلے جاؤ۔ میں نے کہا میں نے
اسی لئے سیٹ ریزرو کرائی تھی کہ بمبئی تک راستہ میں چار یا پنج جگہ گاڑیاں
بدلنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ اور یہ گاڑی تھرو جاتی ہے۔ علاوہ اسکے اس
لیڈی کو مجھ سے کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ اور نہ اس میں میرا قصور ہے کہ لاہور
سٹیشن والوں نے کیوں ہم دونو کو ایک گاڑی میں بٹھا دیا ہے۔ مگر اس پر بھی
وہ شخص بحث کرتا گیا۔ اور یہی کہتا تھا کہ خواہ کوئی وجہ ہو کسی غیر عورت کے ساتھ
کسی مرد کا ریل کے ایک کمرہ میں سفر کرنا اچھا نہیں۔ چنانچہ اُس نے گارڈ
کو بلا کر اُس سے بھی یہی شکایت کی۔ اتنے میں شیخ انعام اللہ صاحب شملا
اکسپورٹ ایجنٹ دہلی بھی جو میرے ہمراہ یورپ تک سفر کرنے والے تھے
اسی گاڑی میں آ گئے۔ میں نے جھگڑا کرنا مناسب نہ سمجھا اور گارڈ کو کہدیا کہ
ہمیں کسی دوسری گاڑی میں بٹھا دے۔ چنانچہ ۲ بجے دوپہر کو جھانسی پہنچکر
ہم اس گاڑی کو چھوڑ کر کانپور سے تھرو آنے والی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ مگر مجھے
اسکے بعد معلوم ہوا ہے کہ ریل کا واقعی کوئی اس مطلب کا قاعدہ ہے۔ کہ کوئی
غیر مرد کسی غیر عورت کے ساتھ ایک گاڑی میں سفر نہ کرے۔ اور جن لوگوں نے
اسکی پرواہ نہیں کی بعض اوقات بعض یورپین عورتوں نے ان پر طرح طرح
کے اتہام بھی لگائے ہیں اور ان سے کچھ کمایا ہے۔ اسلئے جنٹلمینوں کو خود ایسی صحبت
سے پرہیز کرنا واجب ہے۔ تعجب ہے کہ لاہور سٹیشن والوں نے کیوں ایسی غلطی کی!

شام کو گاڑی بھوپال سٹیشن پر پہنچی۔ مولوی عبدالرؤف صاحب وکیل کورٹ انسپکٹر بھوپال سابق اسسٹنٹ ایڈیٹر پیسہ اخبار سٹیشن پر مع دو تین دوستوں کے موجود تھے۔ چونکہ گاڑی وہاں آدھ گھنٹہ ٹھیرتی ہے۔ مولوی صاحب نے پلیٹ فارم پر پہلے ہی دسترخوان بچھا رکھا تھا۔ ہم سب نے بڑے اطمینان سے بیٹھ کر کھانا کھایا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم ایک نہایت پر تکلف دعوت میں مدعو ہیں۔ مولوی صاحب نے بہت سا کھانا اور میوہ جات بمبئی تک کے لئے ساتھ بھی رکھ دئے۔ وہ مجھے ایک روز بھوپال میں ٹھیرنے کے لئے بڑا اصرار کرتے تھے۔ مگر چونکہ میرا وقت محدود تھا میں لوٹتے ہوئے ایک روز ٹھیرنے کا وعدہ کر کے رخصت ہوگیا۔ لیکن افسوس ہے کہ لوٹتے ہوئے میں اس سے بھی زیادہ وقت کی تنگی کا شاکی تھا۔

۲۹ مئی کی صبح کو بھوساول اور شاہڑ کے سٹیشنوں سے گذرے۔ بھوساول بڑا اسٹیشن ہے۔ جہاں سے ایک لائن حیدرآباد دکن کو بھی جاتی ہے۔ آگرہ سے چلکر تمام راستہ میں خشک جنگل اور ریگستان اور پہاڑوں کے سوا کوئی کھیت یا سبزہ نظر نہیں پڑا تھا۔ تعجب ہوتا تھا کہ یہاں کے لوگ کس غلہ پر گذارہ کرتے ہونگے۔ بوجہ خشک سالی کے پانی بھی اس علاقہ میں کمیاب تھا۔ سٹیشنوں پر دور دور سے پانی لایا جاتا تھا۔ اور صرف ہندو پانی پلانے والے جو "مہاراج" کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ سب ہندو مسلمان مسافروں کو پانی پلاتے تھے۔ بھوساول سے آگے کچھ کھیت اور سبز جنگل نظر آئے۔ بعض پہاڑیوں پر بھی سبزہ موجود تھا۔ دوپہر کو اگت پوری سٹیشن پر پہنچے۔ یہاں گاڑی میں ایک خاص قسم کا بھاری انجن لگایا گیا۔ کیونکہ یہاں سے آگے گاڑی کو پہاڑیوں سے نیچے اترنا پڑتا ہے۔ اس لئے گاڑی بہت تھم تھم کر چلتی ہے۔ راستہ میں کسارا اسٹیشن اور اگت پوری کے مابین تیرہ چھوٹے بڑے ٹنل پہاڑ میں کھودے گئے ہیں جن میں سے

ریل گذرتی ہے۔ لیکن ایک جگہ پہاڑ کی صورت ایسی مشکل آگئی ہے۔ کہ وہاں سے سڑک کا موڑ بن ہی نہیں سکتا۔ اسلئے ٹرین ایک جگہ کھڑی کیجاتی ہے۔ اور انجن آگے سے اُتر کر ایک سائیڈنگ کے ذریعہ سے پیچھے کی طرف آلگتا ہے۔ اور یہی پچھا ٹرین کا آگا ہوجاتا ہے۔ یہی تدبیر میں نے بیروت سے دمشق کو جاتے ہوئے کوہ لبنان کی ریل کے ایک مشکل پہاڑی کے گذرنے کے وقت عمل میں آتی دیکھی ہے۔ غرض ۵ بجے شام کو گاڑی بمبئی کے بڑے سٹیشن بوری بندر (وکٹوریا ٹرمی نس) پر پہنچی۔ بلحاظ عظمت اور خوبصورتی کے بمبئی کا یہ سٹیشن شاید یورپ کے کسی ریلوے سٹیشن سے بھی دوم درجہ کا نہ ہوگا۔ یہاں خاں صاحب ڈاکٹر حافظ فضل احمد صاحب میڈیکل افسر پلیگ میرے منتظر تھے۔ جو مجھے اپنے ہمراہ مکان پر لے گئے۔

بمبئی میں سفر کی تیاری

جہاز امپرے ٹرکس جسکا میں نے ٹکٹ خرید لیا ہوا تھا یکم جون کو بندر بمبئی سے روانہ ہونے والا تھا۔ اس لئے ۳۰ و ۳۱ مئی کے دو دن بعض ضروری سامان خریدنے کے لئے مجھے بمبئی میں ٹھیرنا چاہیے تھا۔ میں نے لاہور سے جو سامان سفر بعض دوستوں کے مشورہ سے ساتھ لیا تھا اُس کی تفصیل یہ ہے۔ دو چھوٹے ٹرنک (ایک چرمی اور ایک فولادی) کپڑوں کے لئے۔ چھوٹے اسلئے منتخب کئے تھے کہ ریل گاڑیوں کے دروازوں سے گذرنے اور ریل اور جہاز کی نشستوں کے نیچے رکھنے میں وقت نہو۔ ایک چرمی پورٹ فولیو ایک مختصر سا بستر۔ باوجودیکہ لاہور میں مجھے بستر لیجانے سے منع کیا گیا تھا۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ بستر کے سوائے سفر میں گذارہ کیسے ہو سکتا ہو۔ صرف تین جوڑے نئے کپڑے یورپین وضع کے لاہور میں سلوائے تھے۔ کیونکہ یورپ کے ہر ملک میں سلے سلائے کپڑے ہر وقت مل سکتے ہیں۔ اور ایک ایک درجن پاجامے کُرتے بنیان رومال پائتابے وغیرہ لے لئے

تھے۔ ایک دوست کی صلاح سے سوئی۔ تاگا۔ بٹن۔ قینچی چاقو برش بوٹ کا روغن۔ منجن صابن قلم دوات اور کئی دوسری چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی ساتھ لی تھیں۔ جو واقعی سفر میں بہت کام آئیں۔ بمبئی پہنچکر اس مختصر سامان میں ایک بارانی اورکوٹ ایک واٹر پروف چھاتا۔ ایک جہاز میں بیٹھنے کی بید کی آرام کرسی علاوہ دو تین مزی کے گائڈ بکوں سے کہ جن کی قیمت چھ چھ روپے تھی اور جن کے مطالعہ سے سفر میں بڑی مدد ملتی ہے اور اضافہ کرنے پڑے۔

میں نے ایک گائڈ بک میں پڑھا تھا کہ "مسافر کا اسباب خرابی کا مشابہ ہے۔ اور خرابی جتنی کم ہو اچھی بات ہے" اور تجربہ سے یہہ بات ثابت ہو گئی کہ مسافر کو اسباب کے انتظام میں بڑی تکلیف ہوتی ہے اسلئے چاہئے کہ کم از کم اسباب ہمراہ لیا جائے۔ کیونکہ یوروپ کی بعض ریلوں میں تو بخلاف دستور ہندوستان اول و دوم درجہ کے مسافروں کو بھی پانچ سیر سے زیادہ بوجھ مفت ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں۔ گو میں نے مختصر سا بستر ساتھ لے لیا تھا لیکن اس کی کوئی ضرورت نہیں پڑتی۔ کیا جہاز میں اور کیا ہوٹل اور لاجنگ ہوس میں یورپ میں ہر جگہ بہت اچھا بستر مسافر کو دیا جاتا ہے۔ بعض دفعہ سفر میں ایک ذرا سی فرو گذاشت سے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ مثلاً اگر بید کی کرمزی کی آرام کرسی جسے ڈک چئر کہتے ہیں بمبئی سے نہ لیتا تو جہاز میں بے حد تکلیف ہوتی۔ اور سمندر کے کئی خوبصورت قدرتی منظروں کے نظارہ کے لطف سے جو گھنٹوں صحن جہاز پر تنہا بیٹھ کر ہر مسافر اٹھا سکتا ہے محروم رہ جاتا۔ بعض دفعہ یہ کرسی جہاز کے کسی ملازم سے بھی کرایہ پر مل جاتی ہے کیونکہ سفر کے خاتمہ پر سب مسافر اپنی چوکیاں جہاز کے خدمتگاروں کو دے جاتے ہیں +

پروگرام کی پابندی وقت + جہاز ٹھیرانے کے ٹیشن بخلاف دوسرے لوگوں کے

کے انگریزی جینجر ایجنٹوں اور احمد خاں آتش حال مشہور دلالان جہاز بمبئی سے بہت سی خط و کتابت کرنی پڑی تھی۔ میرا ابتدائی مقصد یہ تھا کہ پہلے بمبئی یا کلکتہ سے چین اور جاپان کو جاؤں۔ اور وہاں سے آسٹریلیا ہوتا ہؤا شمالی امریکہ کے درمیان سے گذر کر انگلستان پہنچوں۔ اور پھر پیرس برلن قسطنطنیہ سے ہوتا ہؤا مصر دیکھ کر وطن کو واپس لوٹوں مگر پہلی مرتبہ اتنے لمبے بحری سفر کی تکلیفات سے ڈر کر پہلے یورپ کو جانا مناسب سمجھا۔ اور چونکہ بوجہ طاعونی انتظامات کے ہندوستانی مسافر کو مصر میں کئی روز کا قرنطینہ کرنا پڑتا تھا۔ اس لئے سیدھا آسٹریا کا قصد کیا ورنہ اگر مصر اور قسطنطنیہ پہلے دیکھ سکتا تو پھر اسی راستہ سے ہندوستان کو لوٹنے کی فکر نہ رہتی +

جہازوں کی مختلف لائنیں

ہندوستان کے بندرگاہوں سے جہازوں کی کئی لائنیں یوروپ کے مختلف بندرگاہوں کو روانہ ہوتی ہیں۔ مگر اُن میں سے یہ چار پانچ لائنیں مشہور ہیں (۱) پی اینڈ او کمپنی (پنینشولر اینڈ اورینٹل سٹیم نیوی گیشن کمپنی) (۲) فرنچ میسجیریز میری ٹیم (۳) آسٹرین لائیڈ کمپنی (۴) اٹالین فلوریو روباٹینو کمپنی (۵) برٹش انڈیا سٹیم نیوی گیشن کمپنی۔ ان میں پہلی اور پانچویں کے جہاز برنڈسی اور مارسیلز میں بھی ٹھیرتے ہیں۔ اور لنڈن تک براہ بحر بھی جاتے ہیں۔ لیکن جو لوگ مارسیلز یا کسی دوسرے بندرگاہ پہ اتر کر آگے ریل پر سوار ہو جاتے ہیں ان کا خرچ زیادہ ہو جاتا ہے گو وقت کم صرف ہوتا ہے۔ ساتھ ہی انہیں سیر کا بھی زیادہ موقع ملتا ہے۔ فرانسیسی لائن مارسیلز اور نیپلز میں ہی ٹھیرتی ہے۔ اٹالین کمپنی برنڈسی اور نیپلز جنیوا وغیرہ مقامات کو جاتی ہے۔ آسٹرین کمپنی کی لائن سیدھی ٹریسٹ اور وینس کو جاتی ہے۔ ان سب لائنوں کے جہازوں میں مسافروں کے لئے تین تین درجے ہوتے ہیں۔ سوائے فرانسیسی کمپنی

کے جہازوں کے کہ جن میں چار درجے ہوتے ہیں۔ اول اور دوم درجہ
کے مسافروں کو اور فرانسیسی کمپنی میں تیسرے درجہ والوں کو بھی کمرے
ملتے ہیں۔ اور سوم درجہ کے مسافر اور فرانسیسی کمپنی بھی چہارم درجہ کے
تختہ جہاز پر گذارہ کرتے ہیں۔ پی اینڈ او کمپنی کے جہازوں میں دوم درجہ
کے دو قسم کے اندرونی اور بیرونی کمرے ہوتے ہیں جن میں کرایہ میں
بھی کچھ اختلاف ہے۔ چونکہ اس کمپنی کے ساتھ گورنمنٹ ہند کا معاہدہ ہے
کہ یہ ہندوستان اور انگلستان کے مابین ڈاک لانے اور لیجانے کا کام
کرے اسلئے اسکے جہازوں کو ممکن سرعت کے ساتھ راستہ طے کرنا پڑتا ہے
اسی واسطے اسکے جہازوں کا کرایہ باقی سب کمپنیوں سے گراں ہے۔
علاوہ اس کے ان جہازوں میں کوئی ایسا مال تجارت بھی نہیں بھرا
جاتا کہ جس کے لادنے میں اُتارنے میں دیر لگے۔ آسٹرین لائیڈ کمپنی کے
تیز رو جہاز بھی سویز اور بمبئی کے مابین قریب اتنے ہی دنوں میں
راستہ طے کرتے ہیں۔ لیکن وہ عدن میں مال تجارت لادنے اور
اُتارنے میں دن بھر لگا دیتے ہیں۔ ان مشہور لائنوں کے علاوہ اینکر
لائن۔ سٹی لائن۔ ہیریسن لائن وغیرہ کے جہاز بھی ہندوستان اور
انگلستان کے مابین آمد و رفت رکھتے ہیں۔ اور نسبتاً ارزاں کرایہ پر مسافر
اُن پر سفر کر سکتے ہیں۔

مختلف جہازوں کی شرح کرایہ

مندرجہ ذیل جدول سے مختلف لائنوں کے جہازوں کے مختلف درجوں کا کرایہ دیکھ کر خرچ کا علم ہو سکتا ہے۔ مگر انمیں وقتاً فوقتاً کمی بیشی ہوتی رہتی ہے

جہازوں کی مختلف لائنیں	درجہ اول	درجہ دوم	درجہ سوم [illegible]
پی اینڈ او کمپنی از بمبئی تا لندن براہ مارسیلز	۷۵۰ روپے	۴۷۵ روپے	۲۲۵ روپے
؍؍ تا مارسیلز	۷۰۰ ؍؍	۳۲۵ ؍؍	۲۰۰ ؍؍
روباٹینو کمپنی تا نیپلز جنیوا برنڈزی	۵۵۰ ؍؍	۳۲۵ ؍؍	۲۰۰ ؍؍
آسٹرین لائیڈ کمپنی تا ٹریسٹ	۹۰۰ ؍؍	۳۲۵ ؍؍	۱۵۰ ؍؍
برٹش انڈیا کمپنی کلکتہ یا مدراس سے تا لندن براہ [illegible]	۹۲۵ ؍؍	۴۲۵ ؍؍	۲۰۰ ؍؍
مسیجریز تا مارسیلز	۶۰۰ ؍؍	۵۲۵ ؍؍	۲۶۰ ؍؍

مگر درجہ سوم کے مسافر اگر جہاز کا کھانا نہ کھائیں تو اس سے بھی کم خرچ سے شخت جہاز پر سفر کر سکتے ہیں۔ مثلاً بمبئی سے پورٹ سعید تک بلا کھانے کے سوم درجہ کے مسافر کو آسٹرین لائیڈ کمپنی کے جہاز پر صرف ۸۰ روپے دینے پڑتے ہیں۔ گویا ہندوستان کا غریب مسافر اس رقم میں مصر پہنچ سکتا ہے۔

بمبئی کلکتہ وغیرہ بندرگاہوں میں جہازوں کے مسافروں کے لئے دلال موجود ہوتے ہیں۔ جو انہیں جہاز کا ٹکٹ لے دینے میں مدد دیتے ہیں اور اپنا حق الخدمت اُن سے لیتے ہیں۔ لیکن لکھے پڑھے آدمی کے لئے مناسب ہے کہ کسی انگریزی "پسنجر ایجنٹ" کارخانہ سے بھی شرح

ٹامس کک اینڈ سن

کرایہ دریافت کر لے۔ تاکہ دھوکہ نہ کھائے۔ میں نے اپنے سفر کے اکثر حصوں میں طامس کک اینڈ سن کی معرفت ریل اور جہاز کے ٹکٹ خریدے ہیں۔ اور اس سے مجھے بڑا آرام ملا ہے۔ اس کارخانہ سے دُنیا کے ہر حصہ کے لئے ریل اور جہاز کا ٹکٹ خریدا جا سکتا ہے اور ناواقف آدمیوں کو کسی قسم کا دھوکا نہیں دیا جاتا۔ بلکہ برعکس اسکے کئی طرح کی سہولیت اور مدد ملتی ہے۔ گو میں نے خط و کتابت سے جہاز کا کرایہ اور تاریخ روانگی مقرر کر لی تھی۔ لیکن ٹکٹ نہیں لیا تھا۔ جب بمبئی میں پہنچ کر ٹکٹ لینے کے لئے میں مسٹر طامس کک اینڈ سنز کے کارخانہ میں پہنچا تو انہوں نے مجھے صلاح دی کہ اگر یوروپ میں کسی ریل کا ٹکٹ لینا چاہو تو وہ بھی یہیں سے مل سکیگا۔ چنانچہ میں نے ٹریسٹ سے براہ وائنا و برلن ہیمبرگ تک کا ٹکٹ لینا تجویز کیا۔ ٹریسٹ سے ہمبرگ تک دوم درجہ کا ریل کا کرایہ انہوں نے پچھتر روپے بتلایا۔ اور بمبئی سے ٹریسٹ تک جہاز کے لئے پہلے سوا تین سو روپے لے چکے تھے جب میں نے پچھتر روپے دیئے تو اس میں سے مجھے ۱۴ روپے لوٹا دیئے گئے۔ یہ

کمہ کر کہ بمبئی سے لنڈن یا کم از کم ہیمبرگ تک جہاز اور ریل کا اکھٹا کرایہ دینے میں کمپنیاں انہیں معقول کمیشن دیتی ہیں۔ اسلئے وہ اس کمیشن کا ایک حصہ اپنے گاہکوں کو دیدیتے ہیں۔ چنانچہ اس کارخانہ نے بغیر میری درخواست اور اطلاع کے مجھے یہ روپے لوٹا دیئے مگر رسید پورے روپے کی دی۔ یعنی سا، مجھے لیکر سا، کی رسید لکھ دی۔ اس سے بڑھ کر کسی کارخانہ کی ایمانداری اور خوش معاملگی اور کیا ہو سکتی ہے۔ اور ایسی قسم کی خوش معاملگی اور صفائی ہی کسی کارخانہ کی کامیابی کا بڑا راز ہے۔

پاسپورٹ اسی کارخانہ میں مجھے یہ بھی صلاح دی گئی۔ کہ اگر میں قسطنطنیہ کو جانا چاہتا ہوں تو مجھے گورنمنٹ بمبئی کے دفتر سکرٹیریٹ سے اس مطلب کا پاسپورٹ یعنی پروانہ راہداری حاصل کرنا چاہئے۔ چنانچہ ایک چھپا ہوا فارم مجھے خانہ پرتی کے لئے دیا گیا۔ میں فوراً بمبئی کی گورنمنٹ کی عظیم الشان اور خوبصورت عمارت میں پہنچ گیا۔ تیسری منزل پر صاحب فارن سکرٹری کی خدمت میں درخواست پاسپورٹ کی دی۔ تھوڑے سے تامل کے بعد فارن سکرٹری صاحب نے اپنے ہیڈ کلارک کو بلا کر دریافت کیا کہ ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے۔ جبکہ یہ شخص پرسوں صبح کے جہاز پر بمبئی سے رخصت ہو جانے والا ہے۔ میں نے لاہور سے روانہ ہونے سے پہلے صاحب ڈپٹی کمشنر لاہور سے ایک معمولی پاسپورٹ لے لیا تھا جو حال ہی میں گورنمنٹ ہند نے ہندوستانی طلبا کے انگلستان کو جانے کے متعلق تجویز کیا تھا۔ لیکن اس کی مجھے لاہور سے لنڈن تک کہیں ضرورت نہیں پڑی۔ میں نے یہ کاغذ بمبئی گورنمنٹ کے فارن سکرٹری صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ اسے دیکھ کر یہ بولے کہ یہ کس طرح یقین ہو کہ یہ دستخط لاہور کے ڈپٹی کمشنر کا ہے۔ میں نے کہا یہ دریافت کرنا آپ کا کام ہے۔ آخر انہوں نے صلاح دی کہ چونکہ تم لنڈن جانے والے ہو۔ انڈیا آفس سے

لاہور کا پاسپورٹ دکھلانے کے بعد تم کو قلمروئے عثمانیہ کی سیاحت کے لیئے پاسپورٹ ملجائیگا۔ واضح رہے کہ جو ہندوستانی۔ روس۔ ٹرکی۔ ایران یا بلگیریا۔ سرویا وغیرہ ممالک کی سیاحت کو روانہ ہوں انھیں ہندوستان سے اس مطلب کے پاسپورٹ ضرور حاصل کر لینے چاہئیں۔ ورنہ سفر میں تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ جو لوگ پہلے لنڈن جانے والے ہوں وہ وہاں فارن آفس سے پاسپورٹ لے سکتے ہیں۔ بشرطیکہ کسی مجسٹریٹ جج ڈاکٹر پادری سالسٹر بینکر وغیرہ سے اس امر کی تصدیق کرا سکیں کہ وہ انگریزی رعایا میں سے ہیں۔ اس کام کے لئے کچھ فیس دینی پڑتی ہے۔ اور پھر جس غیر ملک میں جانا چاہیں بعض صورتوں میں اس ملک کے قنصل سے کچھ اور فیس دیکر اس پر دستخط کرانا پڑتا ہے۔ جسے "ویزا" (تصدیق) کہتے ہیں۔ ✝

✝ لنڈن کے فارن آفس میں پاسپورٹ اور اسکے حاصل کرنے کی فیس ۲ شلنگ یعنی ۱ا کے قریب ہے لیکن اگر اسکو مندرجہ ذیل ممالک کے لئے "ویزا" کرایا جاوے تو حسب ذیل فیس علاوہ دینی پڑتی ہے

ملک	شلنگ - پنس
آسٹریا ہنگری بشرطیکہ بوسینا ہرزیگووینیا سے گذرنا ہو ورنہ ضروری نہیں	۳ شلنگ ۰ پنس
بلجیم	۳ - ۲
بلغیریا کے لئے ترکی پاسپورٹ اور ویزا کافی ہے۔	
فرانس میں اگر مدت تک قیام کرنا ہو تو پاسپورٹ درکار ہے	۴ شلنگ ۲ پنس
جرمنی	۳ شلنگ - ۶ پنس
یونان	۳ - ۶
اٹلی	۵ - ۰
جاپان (اندرون ملک میں جانے کے لئے خاص پاسپورٹ کی ضرورت ہے)	۲ - ۵
ایران۔ اگر مزدور یا کاریگر ہو تو چار قِران	۱ شلنگ - ۷ پنس
ایران۔ تمام دیگر لوگوں کے لئے ۱۰ قران تقریباً جتنے پونڈ کے	۳ - ۷
رومانیا۔ (انگریزی رعایا سے)	۱ - ۰
روس (پاسپورٹ میں مذہب ضرور بتلانا چاہئے خواہ یورپی پاسپورٹ ہو)	۵ - ۱۰
سرویا	۳ - ۶
سپانیہ	۹ - ۰
سوئٹزرلینڈ	۳ - ۰
ترکی	۵ - ۰

اب صرف ایک کام باقی رہ گیا تھا کہ گھر سے جو روپیہ میں ہمراہ لایا تھا۔
اس کا کچھ انتظام کروں۔ نیشنل بینک اور چارٹرڈ بینک بمبئی میں جاکر لنڈن
کے ڈرافٹ کا نرخ دریافت کیا۔ آخر پندرہ روپیہ پونڈ کے حساب سے
چارٹرڈ بینک کا ڈرافٹ خرید لیا۔ جس کا روپیہ لندن میں پہنچکر مل سکتا تھا۔
کچھ روپیہ کی انگریزی اشرفیاں ساتھ لے لیں۔ جو یورپ کے ہر ملک میں
بلا دقت چل سکتی ہیں۔ اور جنکا اب ہندوستان میں بھی چلن ہے ؛

جہاز کی سواری

دریغ ریلے بے پایانِ دایں بحرِ موج افزا
سر افگندیم بسم اللہ مجرہا و مرسٰہا

الوداع

آج یکم جون کو جہاز کی روانگی کا دن تھا۔ بندرگاہ پر بہت سے مسافروں کے عزیز اور دوست انہیں رخصت کرنے کے لیئے آئے ہوئے تھے۔ کئی مسافروں کے گلوں میں پھولوں کے بڑے بڑے بھاری ہار پڑے تھے۔ یہ ایسے ذرہ وذرہ سے ہار نہیں تھے جو لاہور میں بعض تقریبوں اور جلسوں میں لوگوں کو پہنائے جاتے ہیں۔ بمبئی میں دستور ہے کہ جب کوئی معزز شخص سفر پر جانے لگے تو اُسکے دوست اور عزیز اُسکو ہار پہناتے ہیں۔ میرے بھی ایک بزرگ اور مہربان دوست سیٹھ عبداللہ بھائی لالجی صاحب نے مجھے پہنائے۔ یہ بمبئی کے اُن چند نامور مسلمان تاجروں میں سے ہیں جو کہ بڑے خوشحال ہیں۔ اور جن کے نام سے اس شہر میں مسلمانوں کی تجارت کی عزت قائم ہے۔ شب گذشتہ میں ان کے عالی شان بنگلہ میں جو مہالکشمی کے قریب سمندر کے کنارہ پر واقع ہے ٹھہرا تھا۔ یہ نہایت عمدہ وعمدہ فضا کا مکان ہے جو سیٹھ صاحب نے چند سال پہلے کم و بیش سوا لاکھ روپے کے صرف سے تعمیر کیا تھا۔ وہ جہاز تک رخصت کرنے کے لئے میرے ساتھ جانا چاہتے تھے۔ میں نے اصرار کیا کہ میں اکیلا جاؤنگا کیونکہ راستہ میں میں نے اپنے دو لور رفیقوں کو ساتھ لینا تھا۔ اور گودی یہاں سے کئی میل دور تھی۔ آخر اُنہوں نے اپنے لائق صاحبزادہ سیٹھ ناصر بھائی کو میرے ہمراہ روانہ کیا۔ جنہوں نے مجھے اور میرے دونوں رفیقوں کو پھولوں سے لاد دیا۔

اور خدا حافظ کہا۔ ان دونوں رفیقوں میں سے شیخ انعام اللہ صاحب

ہندوستانی مسافران جہاز

نیلا اکسپورٹ ایجنٹ جو آگرہ سے ہی میرے ہمراہ تھے پہلے تین چار مرتبہ بغرض تجارت یوروپ کا سفر کر چکے ہیں۔ دوسرے صاحب بابو محمد بخش لاہور کے رہنے والے ہیں یہ پہلے لاہور میں سرکاری ملازم تھے۔ مگر پیچھے کچھ عرصہ امیر صاحب کابل کے "میر عمارت" رہے۔ اب کچھ اسباب تجارت لے کر نمایش پیرس کی شرکت کے لیئے جاتے تھے۔ طاعون کی وجہ سے جہاز پر سوار ہونے سے پہلے تمام مسافروں کا طبی معائنہ لازم تھا۔ وکٹوریا ڈاک نامی بندر میں ایک یوروپین ڈاکٹر ایک شیڈ میں بیٹھے تھے۔ ہر ایک مسافر ان کے پاس جاتا تھا۔ وہ اسکا نام اپنی فہرست میں دیکھتے۔ پھر نبض دیکھتے اور زبانی بھی دریافت کرتے کہ تم بیمار تو نہیں ہو۔ اور جب ان کا اطمینان ہو جاتا۔ تو ایک کاغذ پر دستخط کر کے اسکو دے دیتے تھے۔ تب ایک یوروپین پولیس افیسر کو جو جہاز کے راستہ پر کھڑا تھا۔ وہ کاغذ دکھلایا جاتا تو وہ مسافروں کو جہاز کے اندر جانے دیتا۔ تیسرے درجے کے مسافروں کو اس قسم کے کاغذ نہیں دیئے جاتے تھے۔ بلکہ ان کے ہاتھوں پر ربڑ کی ایک مُہر لگا دی جاتی تھی۔ اور اسکو دیکھ کر پولیس افیسر انہیں گذر جانے دیتا۔ ان لوگوں کے اسباب کا بھی ملاحظہ کیا جاتا تھا۔ اور اسپر بھی وہی مُہر لگا دی جاتی تھی۔ اول و دوم درجے کے مسافروں کے اسباب کو یوں ہی صاف سمجھ لیا گیا تھا۔ ریل میں بھی اول اور دوم درجے کے مسافروں کو طاعون کے معائنہ کی تکلیف سے آرام رہتا ہے۔ اور بیچارے تیسرے درجے کے مسافروں ہی کو زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ جو پلیٹ فارم پر قطار باندھ کر کھڑے کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ انہیں میں زیادہ ناواقف اور جاہل ہوتے ہیں جو اس تکلیف کو زیادہ محسوس کرتے ہیں۔

یہ جہاز امپیریس آف سٹرین لائیڈ کمپنی کا ایک تیز رو جہاز پونے چار سو فیٹ لمبا اور پینتالیس فیٹ چوڑا تھا۔ جو پانچ ہزار ٹن پانی کو ہٹا سکتا تھا۔ علاوہ مسافروں کے رشتہ داروں اور دوستوں کے جہاز کے قریب بہت سے سوار ہونے والوں کا بھی ہجوم تھا۔ یہاں بکثرت انگریزی کتابیں اخبار اور رسالے پڑے تھے۔ کیونکہ آئندہ کئی روز تک جہاز میں یہی رفیق اور مونس تنہائی ہونے والے تھے۔ ٹھیک ایک بجے بعد دوپہر جہاز روانہ ہوا۔ جو شخص جہاز پر پہلی مرتبہ سوار ہوا ہو اسکے لئے سمندر کا نظارہ کیسا دلچسپ اور ساتھ ہی کس قدر ہیبت ناک ہوتا ہے۔ اسوقت اس کے دل میں جو جو جذبات پیدا ہوتے ہیں ان کے بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ سمندر کا پانی پہلے ہلکا سبز تھا۔ کچھ دور آگے بڑھ کر جب گہرائی زیادہ ہوئی تو رنگ بھی گہرا سبز اور آخر نیلگوں ہو گیا۔ یہانتک کہ جب خشکی نظر سے غائب ہو گئی تو سوائے نیلگوں پانی اور نیلگوں آسمان کے اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے بادبانی جہاز کہ جنہیں بگلے کہتے ہیں اور ماہی گیری کی کشتیاں جو خشکی کے قریب ملتی ہیں آگے چل کر ان کا نشان باقی نہیں رہتا۔

اول درجے میں سوائے انگریزوں کے دو ہندوستانی نوجوان بھی سوار تھے ایک پارسی نوجوان جو جرمنی کے ایک مقام کمنٹز میں برقی انجنیری سیکھنے کو جا رہا تھا۔ یہ کہتا تھا کہ اس کام میں ۴ سال لگینگے۔ دوسرا مسلمان سردار بہادر میر عبد علی خاں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس افسر بمبئی کا چھوٹا بیٹا بیرسٹری کے لئے جاتا تھا۔ دوسرے درجے میں بعض ہندوستانیوں کے علاوہ دو یورپ سوداگر بھی تھے۔ جو بادہان ابی سینیا (حبش) کو جاتے تھے۔ جہاں انکی دوکانیں ہیں۔ ایک یہودی جنٹلمین بمبئی کا رہنے والا تبدیل آب و ہوا کے لئے یورپ کو جاتا تھا۔ اسکی بیوی قسطنطنیہ کی رہنے والی تھی۔ جو علاوہ ترکی کے یورپ

کی آٹھ سات زبانیں جانتی تھی۔ اور قسطنطنیہ اور ترکوں کی بڑی تعریف کرتی تھی باقی بہت سے یورپین مسافر تھے۔ ان میں سے اکثر تو جلدی ہی ہم سے بہت ملتفت ہو گئے۔ لیکن بعض کے دلوں میں آخر تک ہندوستان کے دیسی اور انگریز کی تفریق کا اثر باقی رہا۔ تاہم سب نہایت تہذیب سے ملتے جلتے تھے۔ دن بھر ڈک (صحن جہاز) پر آرام کرسیوں پر بیٹھے لوگ آپس میں ہر قسم کی باتیں کرتے یا پڑھتے رہتے تھے۔ اوّل اور دوم درجے کے مسافروں کو دن میں تین دفعہ کھانا ملتا تھا۔ اور دو دفعہ چاء وغیرہ۔ گویا صبح سے شام تک پانچ مرتبہ جہاز پر کھانے کی گھنٹی بجتی چھ بجے صبح چاء۔ نو بجے ناشتہ۔ ایک بجے بعد دوپہر ٹفن۔ چار بجے چاء اور سات بجے ڈنر کا وقت مقرر تھا۔ اس طرح سوائے کھانے سونے اور گپیں ہانکنے کے جہاز پر اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ یہ سمندر کی آب و ہوا کی برکت ہے کہ اتنا کھانا ہضم ہو جاتا ہے اور تحلیل ہو جاتی ہے خشکی پر اتنا ہضم کرنا مشکل ہے۔ جہاز کے افسر جو سب اطالی تھے۔ کبھی کبھی شام کو طنبورہ بجا کر سب کو خوش کرتے تھے۔ اہل اطالیہ کو اس آلہ کے بجانے میں کمال حاصل ہوتا ہے۔ سوائے دو چار افسروں کے باقی ملازمان جہاز انگریزی نہیں جانتے تھے۔ اسلئے کھانے کے بیرے اور دوسری خدمات کے لئے جہاز کے نوکروں سے اشارہ سے کام لینا

سمندر کی بیماری

پڑتا تھا۔ پہلے تین چار روز تو بہت سے مسافر سی سکنس (سمندر کی بیماری) سے بیمار ہو گئے۔ بندہ درگاہ نے بھی برابر تین روز ایک دو دو دفعہ تے کی۔ اور کھانے سے نفرت معلوم ہوتی تھی ہر وقت دوران سر رہتا تھا۔ لیکن اسکے بعد بالکل آرام ہو گیا۔ بعض لیڈیاں دیر تک صاحب فراش رہی ہیں۔ لیکن بعض لوگ جہاز کی بیماری سے بالکل محفوظ بھی رہتے۔ اسکے بہت سے علاج بتلائے جاتے

ہے۔ ترشی کھانے کی صلاح دی جاتی ہے۔ لیکن میں نے بہتیری ترشی بھی کھائی۔ مگر سوائے قے کے کچھ اثر نہیں ہوا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قے بڑی مفید ہوتی ہے۔ اس سے تمام صفرا خارج ہو جاتا ہے اور طبیعت صاف ہو جاتی ہے۔ ایک صاحب آرزومند ہی رہے کہ انہیں بھی قے ہو جائے مگر نہ ہوئی۔ بعض لوگ صلاح دیتے ہیں کہ سمندر کے کھارے پانی کا ایک بڑا سا گھونٹ پی لینا چاہئے۔ اس سے یا تو کھل کر قے ہو جائیگی یا بالکل نہ ہوگی۔ لیکن مجھے تو "پیچ" کی یہ رائے ہی مجرب معلوم ہوتی ہے۔ کہ سمندر کی بیماری کا علاج یہ ہے کہ فوراً کنارے پر چلے جاؤ۔ ایک روز میں نے کھانے کی میز پر ہی قے کر دی۔ ایک یوروپین مسافر نے جو بحری سفر کا خوب تجربہ رکھتا تھا مجھے صلاح دی کہ میں فوراً پھر کھانا کھا لوں۔ چنانچہ میں نے پھر اسی وقت تھوڑا سا کھا لیا۔ لیکن سب سے بہتر تجویز دوران سر یا قے سے بچنے کی یہ معلوم ہوتی تھی کہ بستر پر چت لیٹے رہو۔

جہاز میں قبض کی شکایت عموماً رہتی ہے۔ اور میوجات جو کھانے کے ساتھ ملتے ہیں قبض کے دفعیہ میں مدد دیتے ہیں۔ اگر سرد پانی کا گلاس علی الصباح نہار منہ پیا جاوے تو قبض کے لئے مفید پڑتا ہے۔

پرامن سمندر نہایت شکر گذاری کے قابل بات تھی۔ کہ سمندر میں تلاطم بالکل نہیں تھا۔ ہم لوگ ہر وقت ہراسان رہتے تھے کہ یہ طوفان کا موسم ہے ضرور رستہ میں کہیں نہ کہیں سخت طوفان ملیگا۔ اس صورت میں کپتان جہاز کو سخت تکلیف ہوتی ہے اور بیچارے تیسرے درجے کے مسافر بھی بحری بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مگر الحمد للہ کہ سمندر ذرہ بھی گرم نہ ہوا۔ بلکہ تالاب اور جھیل کے سمندر کی طرح بالکل ٹھنڈا اور پرامن رہا۔ بعض کو اندیشہ تھا کہ عدن سے دو روز بعد جزیرہ سقوطرہ کا سمندر پر تلاطم ہوگا۔ لیکن وہ بھی بالکل خاموش تھا۔ تاہم خیال تھا کہ امروز فردا طوفان شروع ہو جانیوالا ہے

اس طوفان سے گو جہازوں کے مسافروں کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ بلکہ بعض اوقات جہازوں کی سلامتی تک کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔ لیکن اس سے دنیا کو بڑا نفع حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ موسمی ہوائیں جو سمندر میں "مانسون" پیدا کرتی ہیں۔ وہ بادل لے جاکر ہندوستان میں برساتی ہیں۔ اگر اچھا مانسون ہو تو کافی بارش ہو جاتی ہے۔ اس لئے میری ہمیشہ یہ دعا تھی کہ خدا تعالے پرزور مانسون لائے اور تمام ہندوستان کو سیراب کر دے ٭٭

دخانی جہازرانی جس زمانہ میں دخانی طاقت سے چلنے والے جہاز یعنے سٹیمر ایجاد نہیں ہوئے تھے۔ بحری سفر بادبانوں والے جہازوں میں کیا جاتا تھا جو محض ہوا کے زعم پر چلتے تھے۔ اور جو سفر اب گھنٹوں اور دنوں میں طے ہوتے ہیں۔ تب مہینوں میں طے ہوتے تھے۔ آج بیسویں صدی کے شروع میں انگلستان سے ہندوستان تک چودہ پندرہ روز میں جہاز پہنچ جاتا ہے۔ لیکن انیسویں صدی کے شروع میں چھ ماہ میں بھی انگریزی جہاز بمشکل ہندوستان میں پہنچتے تھے۔ پہلے پہل ۱۸۰۷ء میں ایک چھوٹا سا دخانی جہاز چلا۔ اور اسکے پندرہ سولہ سال بعد اضلاع متحدہ امریکہ میں باقاعدہ دخانی جہازوں کی ڈاک چلنے لگی۔ انگلستان میں پہلا دخانی جہاز ۱۸۱۲ء میں چلا۔ اور ہندوستان تک پہلا دخانی جہاز انٹرپرائیز ۱۸۲۵ء میں کپتان جانسن لایا۔ اب دخانی جہازوں کو ہوا کی سمت کی ذرا بھی پرواہ نہیں علاوہ اسکے اب جہازوں کی رفتار بڑھ گئی ہے۔ ہمارا جہاز شب و روز میں ۲۰۰ میل کے قریب چلتا تھا۔ کہتے ہیں کہ پی اینڈ او کمپنی کے جہاز ۴۰۰ میل روزانہ رفتار قایم رکھتے ہیں۔ لیکن انگلستان اور اضلاع متحدہ امریکہ کے مابین دنیا کے سب سے بڑے اور طاقتور سٹیمر چلتے ہیں۔ جو پانچ سو میل روزانہ مسافت طے کر سکتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان میں بہت زیادہ کوئلہ جلایا جاتا ہے اور جس قدر کوئلہ زیادہ جلیگا اتنا ہی جہاز تیز چلیگا۔ ان میں سے بعض میں تین تین

ٹن یا قریب ساڑھے آٹھ ہزار ٹن کوئلہ ہر روز خرچ ہوتا ہے۔ رفتار جتنی تیز ہو گی۔ پانی کی مزاحمت بڑھے گی اسلئے جو جہاز ۱۱ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتے ہیں ۸۰۔۹۰ ٹن کوئلہ روزانہ خرچ کرتے ہیں۔ لیکن اگر ااسے ۱۲ میل تک رفتار بڑھائی جائے تو ۹۰ ٹن کی بجائے ۱۴۴ ٹن کوئلہ خرچ ہو گا۔ اور چونکہ ہندوستان سے جانے والے جہازوں میں مسافر کثرت سے سوار نہیں ہوتے اسلئے ان کی رفتار زیادہ خرچ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

ہمارے زمانہ کے جہازوں کو ایک بڑی سہولیت راستہ کی ہے۔ قدیم زمانہ میں جہاز کناروں کے قریب قریب چلتے تھے۔ اور جو خشکی سے کسی قدر دور ہو جاتے تھے تو دن کو آفتاب اور رات کو ستاروں کی مدد سے راستہ نکالتے تھے۔ مگر جب سورج اور ستارے نظر نہیں آتے تھے تو وہ بے بس ہو جاتے تھے۔ لیکن اب کمپاس کی مدد سے دخانی جہاز سیدھے تیر کی طرح سمندروں کے بیچ سے نکل جاتے ہیں۔ قطب نما کی مدد کے لئے تمام دنیا کے سمندروں کے نقشے بقید طول و عرض بلاد جہاز پر موجود ہوتے ہیں۔ غرض جہاز رانی کے علم نے ہمارے زمانے میں عجیب ترقی کی ہے۔

جہاز کے کمرے جہاز میں مسافروں کی آسایش اور آرام کے لئے ہر قسم کا سامان بہم پہنچایا جاتا ہے۔ جہاز کے کمرے بہت چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ کیبن میں مسافر سوتے ہیں۔ ان میں نیچے اوپر دو دو بستر چھت سے لٹکتے رہتے ہیں۔ باہر کی طرف ایک گول یا مربع سوراخ بالشت بھر کا ہوتا ہے۔ جو ہوا اور روشنی آنے کے لئے رکھا جاتا ہے۔ اس کی کھڑکی میں چپہ بھر کا موٹا شیشہ لگا رہتا ہے۔ لیکن طوفانی موسم میں جبکہ سٹیورڈ کا مددگار اسے آ کر بند کر دیتا ہے تاکہ موجوں کا پانی کابن (کمرہ) کے اندر نہ آ جائے۔ اس وقت دم گھٹنے لگتا ہے۔ بحیرہ قلزم میں تو اتنی گرمی تھی کہ کوئی مسافر اپنے کابن میں سونے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ سب لوگ

اپنے اپنے بستروں کے گدیلے اور چادریں اور تکئے سٹیورڈ کے مددگار لڑکوں سے اٹھوا کر جو کھانے کے میز پر خدمتگاری کا کام کرتے ہیں صحن جہاز

صحن جہاز

پر لے آتے تھے۔ یہاں اوپر بڑی بڑی ٹاٹ کی چادریں تنی رہتی ہیں۔ اور عموماً سونے کے لئے یہ جگہ اچھی ہوتی ہے۔ رات کو ہر کمرہ میں برقی روشنی ہوتی ہے۔ ایک بٹن کو دبانے سے برقی لیمپ فوراً روشن ہو جاتا ہے۔ بستر کی سفید چادریں ہر دوسرے تیسرے روز بدل دی جاتی ہیں۔ دن بھی سب لوگ صحن یا تختۂ جہاز پر کاٹتے ہیں۔ عموماً لوگ کتابیں یا رسالے پڑھا کرتے ہیں۔ لیکن بار ہا گپوں کا بازار بھی گرم ہو جاتا ہے۔ اور کبھی کبھی آرام چوکیوں پر لیٹے ہوئے سو بھی جاتے ہیں۔ کسی کسی روز تختۂ جہاز پر کئی کھیلیں بھی کھیلی جاتی ہیں جو جہازوں سے ہی مخصوص ہوتی ہیں

جہاز کا کھانا

کھانا اول اور دوم درجہ کے مسافروں کو الگ الگ کمروں میں دیا جاتا ہے۔ اول درجہ کا کھانا زیادہ پر تکلف ہوتا ہے۔ ہر روز کھانے کے ساتھ تازہ میوہ جات بھی دیئے جاتے ہیں۔ میوہ جات اور مچھلی وغیرہ چیزیں ریفریجریٹروں میں رکھی جاتی ہیں جہاں بوجہ سردی کے نہیں سڑتیں۔ جہاز میں برف بھی تیار کی جاتی ہے۔ اور کیا کھانے پر یا کھانے کے بعد ہر وقت برفاب پینے کو ملتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی برف کی قلفیاں بھی مل جاتی ہیں۔ جہاز کا کپتان اور انجینئر اول درجہ کے مسافروں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔ اور دوسرا اور تیسرا افسر مع ڈاکٹر کے دوم درجہ کے مسافروں کے ساتھ۔ جو لوگ شراب پینا چاہتے ہیں انہیں قیمت ادا کرنے پر شراب بھی مل جاتی ہے۔ بعض جہازوں میں دودھ کے لئے گائے رکھی جاتی ہے۔ لیکن گوشت کے لئے بھیڑیں بیل اور مرغ سب جہازوں پر رکھے جاتے ہیں۔ بیلوں کو یہ لوگ بڑی بے رحمی سے کھانے کے لئے مارتے ہیں۔ اس جہاز میں بیل کے دماغ میں گدی کی طرف سے (آ)۔

بڑی سی میخ ہتھوڑے کے ساتھ ٹھونک دیتے تھے۔ اور اس صدمہ سے
جانور فوراً گر کر مرجاتا تھا۔

غسل جہاز کی زندگی کے متعلق غسلخانہ کا ذکر لازمی ہے۔ ہر شخص
صبح اٹھ کر غسل کرنا چاہتا ہے۔ دوم درجہ میں ایک غسلخانہ مردوں اور ایک
عورتوں کے لئے تھا۔ غسلخانہ میں ایک لمبا سا چینی کا ٹب ہوتا ہے جس
میں اہل یورپ لیٹ کر نہاتے ہیں۔ یورپ میں ہر جگہ نہانے کیلئے
ٹب استعمال کیا جاتا ہے۔ گو یہ ہم لوگوں کی صفائی اور طہارت کے خیال
کے مطابق درست نہیں معلوم ہوتا کہ جسم کا مستعمل پانی اخیر تک نہانے
کے کام آئے تاہم یورپ میں یہی دستور ہے۔ اور اسی اصول پر ریل
گاڑیوں کے اول دوم درجوں میں کیا ہندوستان اور کیا یورپ میں
ہاتھ منہ دھونے کا پانی ایک برتن میں جمع کر کے اس سے ہاتھ منہ دھوئے
جاتے ہیں۔ بہرحال جہاز کے غسل خانہ میں ایک نلکے سے بکثرت گرم اور
سرد پانی آتا ہے۔ جو سمندر کا نمکین پانی ہوتا ہے۔ نمکین پانی میں نہانے
سے بال چیٹ جاتے ہیں۔ اسلئے ایک خدمتگار ہر شخص کو نہانے سے پہلے
کچھ میٹھا پانی بھی لا دیتا ہے جو نمکین پانی سے غسل کرنے کے بعد استعمال
کیا جاتا ہے۔ یہی خدمتگار ایک صاف چادر اور ایک تولیہ بھی غسل کرنے
کے لئے دیتا ہے۔ چونکہ غسلخانہ ایک ہوتا ہے اور نہانے والے کئی ہوتے
ہیں اسلئے لوگوں کو بہت دیر تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔ ہم ہندوستانی
عموماً اہل یورپ کی نسبت صبح سویرے اٹھنے کے عادی ہوتے ہیں۔
اسلئے ہم سب سے پہلے نہا لیتے تھے۔ میں نے ایک بوڑھے صاحب کو
کئی دفعہ دیکھا کہ وہ باوجود سویرے اٹھنے کی کوشش کے بھی مجھ سے بعد
غسل خانہ تک آتا اور انتظار کی تکلیف اسے نہایت شاق گذرتی۔ نہانے
کے بعد صبح کی چائے اور روٹی کے توش ملجاتے جو سب لوگ باری باری سو کھاتے۔

جہاز کی صفائی۔ پنجاب میں ایک مثل مشہور ہے کہ ملاح کے حقہ کا پانی گندہ رہتا ہے۔ ہرچند کہ وہ ہر وقت دریا کے کنارے پر رہتا ہے۔ مگر زمانہ حال میں جہازوں میں صفائی کا بے حد اہتمام رکھا جاتا ہے۔ گو ملاح جہاز پر بھی بوجہ ہر طرح کی صفائی کرنے میلے پھیلے رہتے ہیں۔ خصوصاً وہ جو انجن میں کوئلے جھونکتے ہیں۔ لیکن جہاز کے صحن کو ہر صبح پانی سے دھویا جاتا ہے۔ علی الصباح خلاصی پانی کا نل کھولکر کہ جس کے ذریعہ سے خود بخود سمندر کا پانی جہاز کے اندر کھنچا آتا ہے۔ برشوں سے تختۂ جہاز کو دھونے لگتے ہیں۔ اسلئے جب تک جہاز کا تختہ دھویا نہ جاوے اس وقت تک اس پر بیٹھنے کا مزہ نہیں آتا۔ اکثر مسافر سستی سی آرام کرسیاں بمبئی سے خرید لیتے ہیں۔ اور انہیں پر تختہ جہاز پر بیٹھتے ہیں۔ جن کی چوکیاں اپنی نہ ہوں انہیں ضرور باہر نکل کر بیٹھنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ کبھی کبھی جہاز کے نوکروں سے بھی کرایہ پر چوکی مل جاتی ہے۔

تکلفات اور انتظام اوّل اور دوم درجہ کے مسافروں کے لئے ایک ایک سموکنگ روم بھی جہاز میں ہوتا ہے۔ یہ خاصا ہوادار کمرہ تھا جس میں تین چار چھوٹی چھوٹی میزیں اور دیوار کے ساتھ لگی ہوئی بنچیں تھیں۔ میزوں پر نوشت خواند کا سامان پڑا رہتا ہے۔ لیڈیوں کے لئے الگ ایک مکلف کمرہ میں باجا پڑا ہوا تھا۔ جو سرسبز پودوں کے گملوں سے سجا ہوا تھا۔ جہاز میں ایک ڈاکٹر اور ایک حجام بھی ہوتا ہے۔ بعض لوگ جو تیسرے درجہ میں سوار ہوتے ہیں جہاز کے باورچیوں سے کھانے کی چیزیں بہت ارزاں خرید سکتے ہیں۔ جہاز کے ملاحوں کا کھانا نہایت سادہ ہوتا ہی اور دیکھنے میں مجھے تو بہت مکروہ معلوم ہوتا تھا۔ جہاز کے افسر اور ملازم اپنے اپنے کام پر نہایت مستعد اور وقت کے پابند ہوتے ہیں۔ جہاز کے عین وسط میں ایک سب سے بلند جگہ پل کی طرح بنی ہوئی ہوتی ہے۔ جسے برج

یعنے پل کہتے ہیں۔ یہاں دن ہو یا رات ہر وقت جہاز کا ایک نہ ایک ذمہ وار افسر ہاتھ میں دوربین لئے کھڑا رہتا ہے۔ اور جہاز کی سلامتی کے لئے بڑی احتیاط سے دیکھتا جاتا ہے کہ جہاز ٹھیک راستہ پر تو جا رہا ہے کسی دوسرے جہاز یا چٹان سے تو نہیں ٹکرا جائیگا۔ اور وہ جب چاہے دم زدن میں جہاز کا رُخ بدل سکتا ہے یا اُسے کھڑا کر سکتا ہے۔ اسی کے پاس جہاز کا گھڑیال بھی ہوتا ہے۔ جہاز میں وقت رکھنے کا بھی علیحدہ طریق ہے۔ ہر آدھ گھنٹہ کے بعد گھڑیال بجایا جاتا ہے۔ اور اس طرح ہر چار گھنٹوں میں آٹھ دفعہ بجتا ہے۔ شب و روز کے چوبیس گھنٹوں کو چار چار گھنٹوں کے چھ حصوں پر تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اور یہ ہر چار گھنٹہ کا حصہ ایک واچ کہلاتا ہے اس طرح جہاز کا ہر افسر چار گھنٹہ کام کر کے آٹھ گھنٹے آرام کرتا ہے۔

بعض جہازوں میں تھوڑا سا کتب خانہ بھی ہوتا ہے جہاں تھوڑی سی فیس ادا کرنے پر پڑھنے کے لئے کتابیں مل جاتی ہیں۔ لیکن جس جہاز پر میں نے سفر کیا تھا وہاں سب لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کتاب مانگ کر پڑھ لیتے تھے۔ میرے پاس کافی کتابیں تھیں۔ جو کئی انگریزوں نے مجھ سے لے کر پڑھیں اور بعض نے مجھے اپنی کتابیں بھی پڑھنے کو دیں۔

جہاز کی ابتدائی زندگی کا اندازہ ذیل میں میں اپنی ڈائری سے سفر جہاز کے پہلے چار پانچ روز کی کیفیت سے چند فقرات نقل کرتا ہوں جس سے کچھ جہاز کی ابتدائی زندگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن چار پانچ روز کے بعد طبیعتیں سنبھل جاتی ہیں اور لوگ گھروں کی طرح رہنے لگتے ہیں۔

جمعہ۔ یکم جون سنہ ۱۹۰۱ء:۔ پہلے پہل جہاز پر سوار ہونے والے کے لئے سمندر کا عالی شان نظارہ کیسا دلچسپ ہو سکتا ہے.... دن بھر لوگ آرام کرسیوں پر بیٹھے رہے۔ یہانتک کہ رات کے دو بجے تک وہیں سو بھی گئے اور پھر کمرہ میں جا سوئے۔

شنبہ ۲ جون: صبح دیر کرکے اٹھا... طبیعت بار بار متلی کرتی تھی آخر
۹ بجے کھل کر استفراغ ہوا۔ اور طبیعت کھل گئی۔ کئی دوسرے مسافروں کو
بھی قے آئی۔ اور کئی بچ گئے۔ دن میں ۹ بجے صبح ایک بجے دوپہر اور
۸ بجے شام کھانا ملتا ہے۔ اور ۷ بجے صبح اور ۴ بجے شام چائے۔ سوائے
کھانے اور گپیں ہانکنے کے کوئی کام نہیں۔ بوجہ دوران سر کھانے سے
نفرت معلوم ہوتی ہے۔ میں نے فرانسیسی پڑھنے میں تھوڑا وقت صرف
کیا۔ دن میں اڑنے والی مچھلیاں دیکھیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی قریب
بالشت کے لمبی ہونگی جو سینکڑوں سطح آب کے قریب مثل پرندوں کے
دور تک اڑتی چلی جاتی ہیں۔ شام کو اندھیرے کے بعد جہاز کے قریب
جگنو کی طرح چمکتی ہوئی چیزیں پانی میں دیکھیں۔ بعض مسافروں نے کہا یہ
ایک قسم کی چھوٹی مچھلیاں ہیں۔...."

یکشنبہ ۳ جون: صبح غسل کیا قبض سخت ہے۔ آج جہاز میں تیسرا دن
ہے مگر ایک اجابت نہیں ہوئی۔ صبح چائے پینے کے بعد چکر آیا اور قے
ہو گئی۔ کپڑے بدلنے اور کابن کے اندر ٹھیرنے کی ہمت نہیں پڑتی دن
بھر ڈک پر رہے۔ یورپین طرز کا پکا ہوا گوشت بہت برا معلوم ہوتا ہے۔
... شام کو مسٹر ولسن ایک سکاچ مین نے کہا کہ تم یورپین کھانوں سے اس قدر
نفرت رکھتے ہو تو یوروپ میں اتنا عرصہ کس طرح گذار سکو گے۔ یہ شخص دیکھنے
میں ایسا سیدھا سادھا مگر کیسا باخبر اور تعلیم یافتہ معلوم ہوتا ہے.... آج اور
کل میں جہاز نے ۵۴۶ ناٹ (بحری میل)، جو ۱ ¼ خشکی کے میل کے برابر
ہوتا ہے سفر کیا.... سمندر کی سیر کیسی دلکش تھی۔ چھوٹی چھوٹی موجیں ان پر
آفتاب کے عکس سے ہیروں کی طرح چمکتی نظر آتی تھیں"

دوشنبہ ۴ جون: آج دو مرتبہ قے ہوئی۔ ۱۱ بجے کے بعد طبیعت سنبھلی۔
تین روز سے کپڑے بدلنے کا ارادہ ہے مگر ہمت نہیں پڑی۔ دن بھر ڈک

پڑے رہتے ہیں۔ اور بھی بعض مسافر بحری بیماری میں مبتلا ہیں۔ مگر بعض صاف بچ گئے ہیں۔۔۔۔ ایک صاحب نے مجھے تاکید کی کہ کھانا ضرور کھانا چاہئے تاکہ قے کرنے میں تکلیف نہ ہو۔۔۔۔ کہتے ہیں کہ جہاز کا باورچی اپنے فن میں اُستاد ہے۔ مگر ہم اس کی قدر نہیں سمجھ سکتے۔ کچھ تو غیر وبیحہ وغیرہ کی نفرت اور کچھ ہلدی نمک مرچ کی عدم موجودگی۔۔۔۔ شام کو اطالین افسروں نے حسب معمول سارنگی بجائی اور سب کو خوش کیا۔ مسٹر ولسن سے مختلف امور پر گفتگو رہی۔۔۔۔ اس نے کہا انگلستان کا چرچ خزانہ سرکاری سے بہت کم مدد حاصل کرتا ہے۔ قدیم زمانہ سے جو لوگوں نے بہت سی اراضی مذہبی اعانت کے لئے چرچ کے نام وقف کر رکھی ہے اسکی آمدنی۔ دوسرے پرائیویٹ چندے۔ گرجے کے اندر کی خیرات اور سیٹ وان مل ملا کر گرجوں کا خرچ چلاتے ہیں"۔

جہازی زندگی اور ان پر عدولو سعید

بس آساں سے نمود اول غم دریا بہ بوئے سود
غلط گفتم کہ یک موجش بصد گوہر نمے ارزد

مشہور ہے کہ خواجہ حافظ شیرازی کی شہرت جب ایران کو طے کر کے ہندوستان میں آپہنچی تو دکن کے وزیر اعظم نے انہیں ہندوستان میں آنے کے لئے پیغام بھیجا۔ خواجہ حافظ بوشہر سے کشتی پر سوار ہوئے ہو نگے کہ خلیج فارس میں باد مخالف چلی۔ اور ان کی کشتی معرض خطر میں پڑ گئی۔ ناخدا جوں توں کر کے کشتی کو کنارہ پر لوٹا لے گئے۔ اور خواجہ نے سیاحت ہند کا ارادہ ترک کر دیا کہ جہاں سے انہیں بہت سی مالی منفعت کی امیدیں تھیں لیکن حسب حال ایک غزل لکھ کر وزیر دکن کے پاس بھیجدی کہ جسکا ایک شعر عنوان پر درج کیا گیا ہے۔ اس میں ذرہ بھی شک نہیں کہ قدیم زمانہ میں سفر بحر نہایت خوفناک مہم ہوتی تھی۔ اور اب بھی جب مسافر نظر اٹھا کر چاروں طرف ایک ناپیدا کنار نیلگوں سمندر میں ایک کمزور اور چھوٹے سے جہاز کو چلتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس پر عالم حیرت طاری ہو جاتا ہے اور سوائے ذات باری پر بھروسہ کرنے کے اور کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔ تاہم جب ہمارے زمانہ کی جہاز رانی کی طرف خیال کیا جاتا ہے تو تعجب ہوتا ہے کہ حضرت انسان نے کمال ہی تو کر دیا ہے۔ قدیم زمانہ میں لکڑی کے کمزور اور چھوٹے چھوٹے جہاز خونخوار سمندروں میں جاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ اور کناروں کے قریب قریب جہاز رانی ہوتی تھی۔ مگر اب بڑے بڑے

قدیم زمانہ کے بحری سفر

دخانی جہاز تو سے اور فولاد کے بنے ہوئے دخانی طاقت کے بھروسے شب روز چلے جاتے ہیں- اور سمندر کی ناراضگی سے ذرہ نہیں ڈرتے - بارہا بحر مواج متلاطم ہوتا ہے - اور اس کی کشادہ پیشانی پر موجوں کے بڑے بڑے بل پڑ جاتے ہیں - مگر دخانی جہاز نہایت متانت - نفاست اور بے پروائی سے پانی کو چیرتا ہوا دس پندرہ اور کبھی کبھی بیس پچیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سطح آب پر بھاگا چلا جاتا ہے - مسافروں کو ناہموار سمندر کی وجہ سے جھٹکے بھی لگتے ہیں اور کبھی کبھی دوران سر اور قے سے بھی بعض مسافر تکلیف اٹھاتے ہیں تاہم بہت کم تعلق ہوتا ہے کہ ان کی آسائش کے سامان اور کھانے پینے اور تفریح کے اوقات میں ذرہ بھی فرق آئے - بمبئی میں مجھے ایک بزرگ دوست نے بتلایا تھا کہ میں نے دخانی جہازوں کی ایجاد سے پہلے چین تک بحر کا سفر کیا تھا - اور جو مصائب اٹھائی تھیں ان کے مقابلے میں حال کا سفر بحر محض ایک تفریح کا سامان ہے - اور وہ زمانہ گذر گیا ہے - جبکہ سفر بحر کی نسبت اس قسم کے خیالات مشہور تھے جیسا کہ خواجہ حافظ فرماتے ہیں ؂ شب تاریک و بیم موج و گرداب چنیں ہائل - کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا ۔ یا حضرت سعدی کا قول ہے ؂ بدریا در منافع بے شمار است - اگر خواہی سلامت برکنار است ۔ مشہور ہے کہ حکیم افلاطون سے کسی نے پوچھا تھا کہ تم سمندر کے سفر سے واپس آتے ہو بتلاؤ ہمارے لئے کیا عجائبات لائے ہو - اس نے جواب دیا کہ یہی کیا کم عجائب بات ہے کہ میں خود سلامت بچ آیا ہوں -

زمانہ حال کا پُر امن سفر بحر بیشک اس زمانہ کی جہاز رانی کی ابتدائی حالت میں سفر بحر کی نسبت ایسے ہی خیالات مشہور ہونے چاہئے تھے لیکن اب جہاز رانی میں بے انتہا ترقی ہو گئی ہے - میرا اس سے یہ مطلب نہیں کہ آجکل سمندر میں کشتیاں اور جہاز غرق نہیں ہو سکتے - یا سمندر ایسا

پارسا ہو گیا ہے کہ آئندہ مرحوم آزاری چھوڑ بیٹھا ہے۔ بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ فن جہاز رانی نے اس قدر ترقی کر لی ہے کہ اسکی بدولت اکثر طوفانوں میں بھی جہاز ڈوبنے سے بچ جاتے ہیں۔ جب تک کہ پانی میں چھپے ہوئے چٹانوں سے نہ ٹکرائیں۔ علاوہ روشنی کی میناروں کے تمام دُنیا کے سمندروں کے ایسے نقشے بنا لئے گئے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کہاں کہاں پانی میں ڈوبے ہوئے چٹان موجود ہیں۔ انگلستان میں جو کمپنیاں جہازوں کا بیمہ کرتی ہیں اُن میں سے بعض بیس بیس سال سے جاری ہیں۔ اور انہیں ایک پیسہ کا نقصان نہیں ہوا۔ کیونکہ ان کے بیمہ والا کوئی جہاز نہیں ٹوٹا۔ جہازرانی کو کمپاس سے بہت مدد ملی ہے۔ اور جہاز اندھیری راتوں اور ابر آلود دنوں میں بلا مدد ستاروں اور آفتاب کے چل سکتا ہے۔ گو ہر دو پہر کو آفتاب کی مدد سے اس کی پوزیشن درست کرنی پڑتی ہے تاکہ کم تشویش گمراہ نہ ہو جائے۔ مجھے ایک باخبر انگریز نے بتلایا تھا کہ ریلوں کی نسبت جہازوں کے ذریعے سے اتلاف جان کم ہوتا ہے۔ اہل یورپ حصول صحت و تفریح کی غرض سے سفر بحر اختیار کرتے ہیں۔ ہندوستان سے ایک انگریز مہینے ڈیڑھ مہینے کی رخصت لے کر انگلستان کو جاتا ہے۔ اور سوائے دو چار روز کے ساری رخصت آمد و رفت میں جہاز پر صرف ہو جاتی ہے۔ اور وہ سمجھتا ہے کہ اُسے کافی تفریح حاصل ہو گئی۔

جہاز کی تفریحیں اور کھیل تماشے

اہل یورپ سفر جہاز کو اور بھی خوش وقت بنانے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔ ہمارے جہاز میں ہر شب یورپین مسافر گانے بجانے کے جلسے کیا کرتے تھے۔ سب سالار صحن جہاز پر اپنی اپنی آرام کرسیوں پر جمع ہو جاتے۔ ان میں سے جو زیادہ زندہ دل ہوتے وہ سازنگی طنبورہ یا عود وغیرہ بجاتے اور بعض دوسرے اُن کے ساتھ گاتے جاتے۔ دو تین گھنٹے شام کے اسی طرح تفریح میں گذار دیتے

کبھی کبھی کوئی زیادہ رنگیلا اور منچلا مسافر اسی حالت میں اپنی بیوی کی کمر میں باہیں ڈال کر ناچنے بھی لگتا۔ اس جہاز کے تمام افسر اور ملازم اطالی تھے اور کئی مسافر بھی اطالین۔ اسلئے گیت بھی اطالی زبان میں ہی ہوتے۔ مگر انگریز بھی ان سے خوب لطف اٹھاتے تھے۔ اور گانے والوں کو بار بار گانے کی فرمائشیں کی جاتی تھیں۔ کانسرٹ تو ہر روز ہوتے تھے۔ لیکن بحیرہ قلزم میں جاکر ایک شب دوم درجہ کے کل مسافروں سے چندہ جمع کرکے بڑا کانسرٹ کیا گیا۔ جس میں ہندوستانی مسافروں سے بھی چندہ مانگا گیا۔ رات کو خوب گانا بجانا اور ناچ ہوا۔ چونکہ ہم دو تین ہندوستانی مسافروں نے بھی چندہ دیا تھا ہم بھی خصوصیت سے بلا کر ایک جگہ بٹھائے گئے۔ اور سب کی طرح شراب سے ہماری بھی تواضع کی گئی۔ مگر ہم نے کیک اور سوڈا واٹر پر اکتفا کی۔ لیکن یہ لوگ ناچ کے خاتمے پر ایک دوسرے کو اصرار کرکے شراب پلاتے تھے۔ اور خوب پیتے تھے۔ ان تماشوں کو دیکھ کر میرے دل میں طرح طرح کے خیال پیدا ہوتے تھے۔ میں حیران ہوتا تھا کہ اہل مشرق اور اہل مغرب کی زندگیوں میں اس پہلو میں بعد المشرقین فاصل ہے۔ اہل مغرب درحقیقت زندہ دل ہیں یا بقول اُن کے واقعی زندگی کو رہنے کے قابل بنانا جانتے ہیں۔ کام کے وقت کام کرتے ہیں۔ اور فرصت کے وقت تفریح بھی دل کھول کر حاصل کرتے ہیں۔ بوڑھے بچے عورتیں مرد سب مل کر ہنستے کھیلتے اور ناچتے کودتے ہیں۔ ہم لوگ سمجھتے ہیں کہ ہنسنا کھیلنا بچوں کا کام ہے۔ اور سنجیدگی اور عمر رسیدہ آدمیوں کی متانت وقار اور ثقاہت سے گرا ہوا ہے۔ مگر برعکس اسکے یہ لوگ کہتے ہیں "کام کے وقت خوب کام کرو۔ اور کھیلنے کے وقت خوب کھیلو"۔ یعنے جو کام کرو اُدھورا نہ کرو۔ اس میں کیا شک ہے کہ زمانہ حال کی ضروریات اور حالات زندگی ہمیں زیادہ محنت سے کام کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اسلئے اگر ہم ہر وقت کام ہی کرتے

چلے جائیں تو بہت جلد کام کرنے کے قابل نہیں رہ سکتے۔ ایک شخص نے حکیم لقمان کو بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا۔ تو تعجب سے پوچھا کہ ایسا دانشمند شخص بچوں کے ساتھ کیوں کھیلتا ہے۔ لقمان نے ایک کمان کھول کر اسکے سامنے رکھدی اور کہا کہ دیکھو اسکا چلہ اترا ہوا ہے۔ اگر ہر وقت یہ کسی رہے تو اس کی لچک جاتی رہیگی۔ یہی حال انسان کا ہے۔ اگر یہ ہر وقت کاروبار اور تفکرات کے بوجھ سے لدا رہے تو یہ بہت جلد تھک جاتا ہے۔ اسلئے محنت کے بعد کسی نہ کسی طرح کی تفریح کی ایسے ضرورت ہوتی ہے۔ البتہ اہل یورپ ہمارے خیالات کے مطابق تفریح حاصل کرنے میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔ تفریح صرف میواری اور گانے بجانے اور ناچنے سے ہی حاصل نہیں ہوتی۔ مگر شاید اہل یورپ سمجھتے ہوں کہ شراب ہم صرف بے فکری حاصل کرنے کے لئے پیتے ہیں ؎

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو ... اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہئے

مگر ہندوستانی ترک میخوری کے ساتھ پاکیزہ سے پاکیزہ تفریح کے کئی ذریعے نکال سکتے ہیں کہ جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

عدن

۷۔ جون کو ۱۱ بجے دن کے ہمارا جہاز پورے چھ شبانہ روز کے سفر کے بعد ۱۶۶۴ میل طے کرکے بندر عدن میں پہنچا۔ اتنی مدت رات دن پانی میں رہ کر خشکی دیکھنے کو ہر ایک کی آنکھیں ترس رہی تھیں۔ ہرچند کہ عدن کا منظر ذرہ بھی خوش آئند نہیں ہے۔ کیونکہ یہ علاقہ بالکل خشک غیر ذی زرع اور جلی ہوئی سنگلاخ سرزمین ہے جس پر سبزی یا کسی درخت کا نام و نشان تک نہیں۔ تاہم خشکی کے رہنے والوں کو دور سے عدن کی پہاڑیاں دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ آٹھ دس میل سے عدن کی پہاڑیاں نظر آنے لگتی ہیں۔ جہاز نے بندر میں پہنچ کر لنگر کیا ہم سے پندرہ منٹ پہلے پی اینڈ او کمپنی کے جہاز تسبرادن نے بندر میں پہنچ کر لنگر کیا تھا۔ یہ ڈاک کا جہاز تھا

جو چوبیس گھنٹے ہم سے بعد بمبئی سے روانہ ہؤا تھا۔ بعض لوگ جلدی کے لئے خصوصیت سے ڈاک کے جہازوں پر سوار ہوتے ہیں۔ اور انہیں قدرے کرایہ زیادہ دینا پڑتا ہے۔ سیراٹوں نے عدن سے کوئلہ اور ڈاک لی۔ اور فوراً آگے کو روانہ ہوگیا۔ لیکن جہاز امپیریٹرکس جس میں ہم سوار تھے۔ دن بھر عدن کا مال تجارت اُتارتا اور عدن سے نیا مال پورٹ سعید وغیرہ بندروں کے لئے لادتا رہا۔ عدن میں ہندوستان کا بھیجا ہؤا غلہ اُتارا گیا تھا۔ اور وہاں سے نیویارک (امریکہ) کے لئے چمڑا اور قسطنطنیہ کے لئے تنباکو علاوہ دیگر اشیا کے بار کیا گیا تھا۔ کاؤس جی ڈنشا نامی ایک پارسی سوداگر کے کارندے یہ بوجہ دن بھر لدواتے رہے۔ یہ صاحب پچاس برس پہلے عدن میں آئے اور ایک چھوٹی سی دوکان کرنے لگے۔ آہستہ آہستہ بہت ترقی کی۔ آج یہ عدن میں سب سے بڑے آدمی۔ صاحب مکانات اور جائداد بلکہ کئی شیمروں کے مالک اور سب سے بڑے ٹھیکہ دار ہیں۔ انکی بدولت قریب پانسو کے پارسی عدن میں جمع ہوگئے ہیں۔ اور کاروبار کرتے ہیں اور تمام علاقہ شمالی (ساحل افریقہ) اور عدن (ساحل عرب) کی زیادہ تجارت انہیں لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔

جہاز عدن میں پہنچا۔ تو مجھے عدن کے دیکھنے کا بڑا شوق تھا گو یہ باغ عدن نہ تھا مگر پھر بھی عدن تو تھا۔ لیکن فوراً ایک چھوٹے سٹیمر میں ایک ڈاکٹر صاحب آئے۔ اور انہوں نے حکم دیا کہ جہاز کا کوئی مسافر طاعون کے شبہ سے عدن میں نہیں جا سکتا۔ جو چند مسافر درجہ دوم وسوم کے اُترنے والے ہیں اُنہیں پانچ روز قرنطینہ میں گذارنے پڑینگے۔ دو بوہرے سوداگروں اور ایک اطالین (دیرپین) نے اپنے عدن کے دوستوں کی معرفت بہتیری کوشش کی کہ کسی طرح دوم درجے کے مسافروں کو قرنطینہ کی قید سے بری کیا جاوے مگر وہ کامیاب نہ ہوسکے۔ اور نہایت یاس وحرمان سے قرنطینہ کی طرف گئے

جس کو وہ دوزخ سے تعبیر کرتے تھے۔ قدرتاً مدنی بالطبع انسان کو قرنطینہ کی تنہائی سے سخت تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ اِدھر جہاز پر اسباب بار ہوتا رہا اور دوسری طرف سے کوئلہ لدتا رہا۔ اور کوئلے کی وجہ سے جہاز کے سب کمروں کے دروازے بند تھے کہ گرد سے سیاہ نہ ہو جائیں۔

غوطہ زن سمالی لڑکے

ہاں بڑی دلچسپ کیفیت اس وقت کی یہ تھی۔ کہ جوں ہی جہاز نے لنگر کیا۔ بہت سے سمالی لڑکے چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر جہاز کے گرد جمع ہو گئے۔ اور چلا چلا کر انگریزی زبان میں کہنے لگے "چار آنہ آٹھ آنہ۔ روپیہ پانی میں پھینکو۔ ہم غوطہ لگا کر نکال لائیں گے" ان لوگوں نے آٹھ دس لفظ انگریزی کے سیکھ رکھے ہیں۔ اور ان سے اپنا مطلب نکال لیتے ہیں۔ بعض مسافروں نے دونیاں چونیاں پانی میں پھینکیں۔ اور یہ لوگ فوراً اپنی کشتیوں سے پانی میں کود کر پکڑ لائے اور سکے دکھلا دیئے۔ کبھی دو چار اکٹھے پانی میں کود پڑتے تھے۔ اور ان میں سے کوئی نہ کوئی پانی کے اندر سے سکہ پکڑ لاتا۔ پانی بہت گہرا تھا مگر یہ تو دونی چونی کو ایک آدھ گز سے زیادہ نیچے نہیں جانے دیتے تھے۔ میرے خیال میں چونکہ سمندر کا پانی بوجہ نمکین ہونے کے بھاری ہوتا ہے اس میں شیریں پانی کی نسبت دونی چونی کو تہ تک پہنچنے میں زیادہ دیر لگتی ہے۔ اور سمالی لڑکے پانی کے اندر آنکھیں کھلی رکھ کر غوطہ لگاتے ہیں اور چونکہ پانی بہت صاف اور شفاف ہوتا ہے یہ سکہ راستہ میں سے ہی اُچک لاتے ہیں۔ بہرحال یہ بڑا دلچسپ تماشا ہوتا ہے۔ یہ پانی میں ایسے تیرتے ہیں جیسے مچھلی تیرتی ہے۔ گھنٹوں ایک جگہ ٹھہرے ہوئے بانہیں اور ٹانگیں ہلاتے رہتے ہیں۔ اور ڈوبتے نہیں۔ دو ایک لڑکے غوطہ لگا کر جہاز کے نیچے سے گذر کر دوسری طرف جا نکلے۔ شام تک ان لوگوں نے "آئی ڈایو" (میں غوطہ لگاتا ہوں) کا شور مچا رکھا تھا* ان کے علاوہ کئی ایک

* اس نوٹ کو صفحہ ۷۵ پر دیکھو۔

اور بھی چھوٹی چھوٹی ڈونگیاں جہاز تک آئیں۔ ان میں دوکاندار سودا
بیچنے کو لائے تھے۔ یہ لوگ مسلمان اور یہودی عرب تھے۔ مگر انگریزی۔ اردو
اطالی وغیرہ زبانوں کے بھی تھوڑے سے بہت فقرات کام چلانے کے لئے
جانتے تھے۔ زیادہ تر یوروپین سامان مثل دیا سلائی۔ سگار۔ آچار۔ اور دیسی
میوہ جات مثل لیمو۔ سنگترہ۔ خربزہ اور تربوز کے جہاز والوں کے پاس بیچنے کو
لاتے۔ کوئی شخص کوئی چیز خریدنا چاہتا۔ تو یہ اپنے چھینکے کی ایک رسی
اوپر کو جہاز میں پھینک دیتے اور دوسری اپنے ہاتھ میں رکھتے۔ اور چھینکے
میں سودا ڈال دیتے۔ جو مسافر جہاز میں کھینچ لیتا۔ اسی طرح وہ دام اس چھینکے
میں رکھ دیتا۔ اور دوکاندار اپنی ڈونگی میں نیچے کھینچ لیتا۔ یہودی لوگ شتر مرغ
کے پر اور کسی دوسرے جانور کے پروں کی پوا ([illegible]) لائے تھے۔ یہ سیاہ
یا بھوسلے پروں کے قریب دو گز کے لمبی سی چیز ہوتی ہے۔ جو موسم سرما میں

حاشیہ صفحہ ۵۱ :- ہندوستان میں لوٹنے کے بعد میں نے ٹائمز آف انڈیا میں ایک مضمون دیکھا
جس سے معلوم ہوا کہ بندر عدن میں ایک صومالی لڑکا جب ایک سکہ نکالنے کے لئے پانی میں کودا تو ایک شارک
مچھلی اسے کھا گئی۔ اس پر پولیس سختی سے نگرانی کرنی شروع کی ہے کہ کسی لڑکے کو آئندہ سکے نکالنے کیلئے
پانی میں نہیں کودنے دیں گے۔ بلکہ ۱۹۰۰ء میں صاحب مجسٹریٹ عدن نے اس مطلب کا ایک اعلان
مشتہر کیا تھا اور ۱۹۰۲ء میں پی اینڈ او کمپنی کے ایجنٹ نے اسکی نقل اپنے جہازوں کے مسافروں
کے لئے چھاپ کر مشتہر کی تھی کہ وہ صومالی لڑکوں کو پانی میں سکے پھینک کر کودنے کی
ترغیب نہ دیں۔ اب عدن کی پولیس کہتی ہے کہ وہ برابر صومالی لڑکوں کو اس فعل سے
روک رہی ہے۔ مگر وہ پولیس کی بے خبری میں پانی میں کود پڑتے ہیں۔ اور جو
کشتیاں سودا بیچنے کو جہازوں کے قریب آتی ہیں۔ وہ انہیں کے ملاح ہوتے ہیں
واقعی مجھے ان بیچاروں کی حالت پر رحم آتا تھا۔ جب یہ گھنٹوں پانی
میں پیرتے اور سکوں کیلئے چلاتے رہے۔ انگلش [illegible] مسافروں نے ان کی جانب
زیادہ التفات نہ کیا۔

یورپین عورتیں گلوں میں پہنتے ہوئے پھرتی ہیں۔ یہ پانچ سے لے کر بیس روپے تک بکے جو کئی میموں اور متاہل صاحبوں نے جہاز پر خریدے بعض دوسرے لوگوں نے بڑے بڑے گھونگے۔ شیر کی کھالیں وغیرہ جو اس علاقہ کے تحائف سمجھے جاتے ہیں خریدیں۔ مجھے تعجب ہوتا تھا کہ بعض اور سیاہ فام حبشی یا عرب لڑکے ٹوٹی پھوٹی انگریزی۔ اطالی اور اردو زبانوں میں اپنا مطلب بخوبی نکال لیتے تھے۔ اور خوب ہوشیار معلوم ہوتے تھے۔ یہ چیزوں کے دام پہلے پہل دوگنے چوگنے لگاتے تھے۔ اور آخر آدھے چوتھائی منظور کر لیتے تھے۔ مَیں نے یوروپ میں جاکر دیکھا تو لیڈیوں میں ان چیزوں کی بڑی قدر کی جاتی تھی۔ صُمالی لڑکوں کے سروں کے بال چھوٹے چھوٹے اور گھنگریالے تھے اور بعضوں کے سُرخی مائل گیارہ بجے رات تک آنے جانے اور سودا بیچنے والوں کا جہاز کے گرد تانتا لگا رہا۔ جہاز میں دن بھر مال تجارت لدتا رہا خصوصاً چمڑے نیز ایک لئے اور تمباکو جو قسطنطنیہ کے لئے بار کیا گیا تھا۔ زنگبار کا تمباکو تھا جو قسطنطنیہ میں پہنچکر وہاں کے نام سے یوروپ میں بکے گا۔ عدن میں ہندوستان کا بہت سا غلہ اُتارا گیا اور کپڑا بھی۔ عدن ایسے مقام سے اسقدر تجارت درآمد و برآمد دیکھ کر تعجب ہوا مگر یہاں تجارت ساحل عرب کے ایک بڑے حصے کے لئے ہوگا۔

بحیرۂ قلزم

ہمارا جہاز ۱۰ بجے رات کو عدن سے بحیرۂ قلزم کو روانہ ہونے والا تھا۔ ہم صبح اٹھے تو جہاز سرگرم بحر پیمائی تھا۔ آج بہت سے چھوٹے چھوٹے بنجر جزیرے اور برہنہ چٹان عرب اور افریقہ کے ساحلوں کی طرف نظر آئے۔ ہم ایک چھوٹی سی قسم کی مرغابی بکثرت موجود تھی۔ کیونکہ دونوں طرف کے کنارے بہت قریب تھے۔ گو بحر ہند میں تین چار سو میل خشکی سے دور بھی بعض جانور نظر آتے تھے۔ ۷ جون کو ہمارا جہاز بندر جدہ کے مقابل سے گذرا۔ جو جو خیالات اس مقدس سرزمین کے مقابل گذرتے ہوئے ان چار پانچ روز میں میرے

دل میں گذرے تھے۔ اُن کے بیان کرنے کیلئے دفتر درکار ہے۔ ایک زمانہ میں یہ تمام سمندر مع دونوں طرف کے ایشیائی اور افریقی ساحلوں کے توحید کے نعروں سے گونج رہے تھے۔ اور سچے مسلمانوں کے کان ناموں کا منظر بنے ہوئے تھے۔ مگر اس نظر سے آج یہ قلزم اور اسکے کنارے یکساں سُونے پڑے ہیں۔ اور جن لوگوں کے اسلاف دنیا میں نام پیدا کر گئے تھے انکے اخلاف ننگ زمانہ ہونے میں سبقت لے گئے ہیں ؎

مجھ کو بحر قلزم میں دن بھر بیسیوں چھوٹے چھوٹے خشک جزیرے اور چٹان عربی اور زنگی ساحلوں پر نظر آئے۔ جیسی کہ بحر ہند اور بحر عرب میں مچھلیاں نظر آتی تھیں یہاں نہیں دیکھیں۔ بحر عرب میں تو بارہا مچھلیوں کی ایسی قطاریں نظر آئیں جو جہاز کا شور سنکر پانی سے اس طرح اچھلتی کودتی تھیں کہ گویا ہرن جنگل میں چوکڑیاں بھرتے چلے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی دور تک یہ جہاز کی ہمراہ چلی جاتی تھیں۔ یہ مچھلیاں گز سوا گز سے زیادہ لمبی نہ ہوتی ہونگی لیکن مرغابیاں جو چیل اور بگلے کے درمیان ایک قسم نرالی کی تھیں بحر قلزم میں بے شمار تھیں۔ سمندر کے پانی میں سُرخی کا کوئی نشان نہ پایا جاتا تھا۔ کہ جو بحر احمر یا ریڈسی کے نام کی وجہ قرار دیا جاتا۔ بحر قلزم میں سخت گرمی پڑتی ہے لیکن اسوقت زیادہ گرمی نہ تھی۔ اور بوجہ سمندر چھوٹا ہونے کے کئی جہاز دن بھر میں اِدھر اُدھر گذرتے نظر پڑتے تھے۔ بجائیکہ بحر ہند میں ہفتہ بھر میں صرف ایک جہاز نظر آیا تھا۔

جرمنی زبان تین چار روز کے بعد جب جہاز میں طبیعت سنبھلی تو کچھ پڑھنے کا خیال آیا۔ دو چار سفرناموں اور گائیڈ بکوں کو سرسری نظر سے جلدی ہی دیکھ لیا۔ ہمارے ساتھ ایک نوجوان پارسی طالب علم بھی سفر کر رہا تھا۔ جو جرمنی کے ایک مقام کمنٹز میں برقی انجنیری سیکھتا تھا۔ اور کچھ عرصہ یہاں رہ کر بمبئی میں کسی خانگی کام کے لئے آیا تھا۔ اسکے پاس جرمنی زبان کی گرامر

اور جرمن گفتگو سیکھنے کی کتاب تھی۔ میں نے اس سے کتاب مانگ کر جرمنی ابجد سیکھی اور کچھ لفظ اور فقرے یاد کرنے شروع کئے۔ وہ ہنستا تھا کہ اس درد سر سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اتفاقاً ہمارے درجہ کے مسافروں میں ایک جرمن پادری صاحب بھی تھے جو جنوبی ہند میں کام کرتے تھے اور اب اپنے وطن کو جا رہے تھے۔ میں نے اُن سے کچھ تلفظ پوچھنے شروع کئے۔ کیونکہ جرمن زبان کے بعض تلفظ مشکل ہوتے ہیں۔ اسلئے سفر جہاز کا زیادہ حصہ اسی محنت بے فائدہ میں گذر گیا۔ اور بہت مزے

پادری صاحب سے بحث

سے گذرا۔ کیونکہ کبھی طبیعت بیکاری سے نہ گھبرائی تھی۔ یہ پادری صاحب اپنے مطلب کے بہت پکے تھے۔ بارہا مجھ سے مذہبی باتیں چھیڑ دیتے۔ اور میں اس گفتگو کو ٹال دیتا۔ ایک روز میں نے ان سے کہا کہ بہتر ہے ایک روز عیسائیت اور اسلام کا مقابلہ کر لیں چنانچہ تین چار اور انگریز اور پادری صاحب علاوہ مجھ سے دو تین گھنٹے بحث کرتے رہے۔ اُن کے اعتراضات وہی تھے۔ جو عموماً عیسائی مسلمانوں پر وارد کرتے ہیں۔ جب وہ تثلیث اور کفارہ کے مسئلہ کو مجھے سمجھانے میں قاصر رہے تو کہنے لگے آؤ مسیح اور محمد صاحب کی زندگیوں کا مقابلہ کریں حضرت محمدؐ کی بہت سی بیویاں تھیں اور حضرت مسیح عمر بھر مجرد رہے۔ بتلاؤ کس کی مثال تقلید کے قابل ہے۔ میں نے کہا غالباً حضرت مسیح کی مثال ہی تقلید کے قابل اور زیادہ پریکٹیکل (عملی) ہے۔ تاکہ دنیا کا سلسلہ توالد

اہل ہند اور اہل یورپ کے اخلاق

تناسل ہی بند ہو جائے۔ پھر پادری صاحب نے اہل ہند کی بد اخلاقی اور بدکاری کا ذکر شروع کیا۔ اور اس کو اہل ہند کی مذہبی تعلیم کا نتیجہ ٹھیرایا۔ کہا سکولوں کے چھوٹے بچوں تک بدکاری کی علت میں مبتلا ہیں۔ میں نے کہا واقعی یہ افسوس کی بات ہے۔ لیکن سب بچے تو یکساں نہیں ہوتے۔ اور علاوہ اسکے معلوم نہیں

کہ یورپ میں بچوں کا کیا حال ہے۔ لیکن یورپ میں جو عورتوں کی بداطواری اور حرامزادہ بچوں کی کثرت اخباروں اور کتابوں کے ذریعے سے معلوم ہوتی ہے کیا اسے مذہب عیسوی کی تعلیم کا نتیجہ قرار دیا جاوے۔ اسکا جواب یہ لوگ سوائے اسکے کچھ نہ دے سکے کہ یورپ میں لوگ بدکاری چھپا کر نہیں کرتے۔ مگر ہندوستانی ظاہر ا بگلا بھگت بنے رہتے ہیں اور باطن میں گندے ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کا اخلاقی معیار اہل یورپ کی طرح اعلیٰ نہیں لیکن اس پر گفتگو ایسے طور پر چل پڑی کہ ان میں سے دو تین صاحبان نے اپنے اپنے تجربات اہل یورپ کے مختلف ممالک کی بداطوار عورتوں کی بیباکی کے قصے سنانے شروع کئے جو باوجود انسدادی قانون موجود ہونے کے سر بازار انہیں اجنبی سمجھ کر ان کے گلے کا ہار ہوگئی تھیں۔ اس پر ایک صاحب نے جو بہت ہوشیار آدمی تھا مجھے کہا کہ اگر تم یورپ میں کچھ اچھا سبق لینے کے لئے جاتے ہو تو اپنے دل کو پہلے ہی وہاں کی زندگی کے تاریک پہلو سے متعصب نہ بنالو۔ وہاں ایک روشن پہلو بھی ہے۔ اور وہ غور سے مطالعہ کرنے کے قابل ہے۔ اور اس میں ذرہ بھی شک نہیں کہ یورپ میں روشن پہلو تاریک پہلو پر بہت غالب ہے جسکا ذکر دوسرے موقعوں پر آتا رہے گا۔ غرض اس روز کے بعد پادری صاحب نے مجھ سے ہر وقت مذہبی گفتگو کرنی بند کردی۔ گو انہوں نے مجھے ایک چھوٹی سی انجیل دے کر اسے پڑھنے کی تاکید کی۔

روشنی کے مینار

۱۱ جون کو جبکہ سویز ایک دن رات کا فاصلہ رہگیا تھا جہاز کے دونوں طرف چند جزیرے نظر آئے۔ ان میں سے دو کا نام برادر و خواہر ہے۔ ان میں سے ایک پر ایک لائٹ ہوس روشنی کا مینار شب کو جہازوں کی رہنمائی کے لئے بنا ہوا ہے جس میں یوروپین ملازم رہتے ہیں۔ ان لوگوں کو ہر ہفتہ کھانا پانی ایک جہاز دے جاتا ہے۔ گو دنیا

کے سمندروں میں بعض ایسے لائٹ ہوس بھی ہیں کہ جن کے ملازموں کو سال
میں صرف ایک مرتبہ ذخیرہ بھیجا جاتا ہے۔ ان لوگوں کو عموماً سال میں نو
ماہ خدمت اور ۳ ماہ رخصت ملتی ہے۔ ایک یورپین مسافر نے بتلایا کہ
گذشتہ دس سال سے گورنمنٹ انگریزی اور سلطان ٹرکی کے مابین یہ
امر زیر بحث رہا ہے کہ اس سمندر کے کئی جزیروں پر لائٹ ہوس تعمیر کئے
جائیں۔ سلطان المعظم اصرار کرتے ہیں کہ اگر یہ لائٹ ہوس ان کی حفاظت میں
رہیں تو ان کے بنانے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ واضح رہے کہ تمام دنیا
کے سمندروں میں جہاز رانی کی سہولیت کے لئے ایک انٹرنیشنل لائٹ
ہوس ایسوسی ایشن یورپ میں قائم ہے جس کی حفاظت میں سب لائٹ
ہوس ہیں۔ بحیرہ قلزم کا ذکر ختم کرنے سے پہلے جزیرہ پریم کی نسبت
اسقدر بتلانا ضروری ہے کہ باب المندب کا یہ جزیرہ جس پر مدت تک حکام
یمن اور دوسری عرب قومیں حکمران رہی ہیں۔ سنہ ۱۸۵۷ء کے قریب خالی اور غیر
آباد تھا۔ فرانسیسی امیرالبحر نے اپنے ایک افسر کو مخفی حکم دے کر اس جزیرے پر
فرانسیسی جھنڈا گاڑنے کے لئے بھیجا تھا۔ یہ افسر عدن میں آ کر انگریزی ایجنٹ
کے پاس ٹھہرا۔ اور کھانے پر شراب زیادہ پی گیا۔ اسلئے اس نے اپنا مقصد
ظاہر کر دیا۔ انگریزی افسر نے وہیں کھانے کی میز کے نیچے ہاتھ لیجا کر پنسل سے
اپنے ایک ماتحت کے نام حکم لکھ دیا کہ فوراً جہاز لیجا کر پریم پر انگریزی جھنڈا
گاڑ دو۔ چنانچہ جب فرانسیسی افسر وہاں پہنچا تو وہ جزیرے پر انگریزی قبضہ پا کر
بہت نادم ہوا۔ یہ جزیرہ پانچ میل لمبا ہے۔ کچھ انگریزی فوج بھی یہاں رہتی ہے۔
جزیرہ پریم پر انگریزی قبضہ کا قصہ انگریزی قوم کی اس چستی اور ہوشیاری کی
بہت عمدہ مثال ہے کہ جس سے اس نے دنیا کے بیسیوں بڑے حصے پر
قبضہ کر کے اسے سنبھال رکھا ہے۔

۱۰ جون۔ ہوا تیز تھی اور کسی قدر طوفان معلوم ہوتا تھا یہاں تک کہ پانی کئی گز

تختہ جہاز پر آ پڑا۔ مگر واقف کاروں کی نظر میں یہ ہرگز طوفان نہیں تھا۔
لیکن مجھ پر اسکا ضرور اثر ہوا۔ سر چکرانے لگا اور کئی دفعہ دل بھی متلایا۔ لین
کے پچھلے حصہ میں طبیعت نادرست رہی۔ بہتیری کوشش کی مگر کچھ پڑھ نہ سکا۔ باوجودیکہ
قبض سخت رہا لیکن اس سے کوئی تکلیف نہیں پہونچی۔ گھر میں ایک دو
روز کے قبض سے درد سر بلکہ بخار تک ہو جاتا تھا۔ یہاں سرکہ آچار لیموں کی ترشی
بکثرت کھاتا رہا۔ مگر کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ گھر میں اس سے آدھی چوتھائی
ترشی سے زکام ہو جاتا تھا۔ معلوم نہیں سمندر کی آب و ہوا یا کھانے کی قسم
کا نتیجہ تھا۔ کیونکہ کھانا بہت ہلکا ہوتا تھا۔ علاوہ اسکے سرخ مرچ کا تو نام و
نشان تک اس میں نہ ہوتا تھا۔ مجھے اپنی عام صحت اچھی معلوم ہوتی تھی جو
یقیناً سمندر کی صحت بخش ہوا کی بدولت تھی۔

۱۱۔ جون۔ بعض انگریز مسافر کس سرگرمی سے دن بھر رسالے وغیرہ پڑھتے
رہتے ہیں گویا انہیں اگلے مہینہ میں امتحان دینا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

مشنیوں کی آمد نی

اس قوم کے اوسط درجہ کے آدمی بھی بڑے باخبر ہوتے
ہیں۔ آج جرمن پادری صاحب نے جرمن مشنوں کے
متعلق میرے سوال پر بتلایا کہ جرمنی میں دو قسم کے چرچ ہیں۔ ایک سٹیٹ
چرچ کہ جسکے خرچ کی ذمہ دار سرکار ہے۔ اور دوسرا پرائیویٹ چرچ۔ سٹیٹ
چرچ کے پادریوں اور دیگر ملازموں کی تنخواہوں وغیرہ کا خرچ سرکاری خزانہ
ادا کرتا ہے۔ اور پادریوں کو ایک سرکار کا مقرر کیا ہوا امتحان پاس کرنا پڑتا
ہے۔ پرائیویٹ چرچ کے لوگ مشن کالجوں سے امتحان پاس کرتے ہیں۔
ان کا معیار تعلیم علیحدہ ہوتا ہے۔ جس میں علاوہ تاریخ جغرافیہ ریاضی کے علم
الٰہی تاریخ قدیم منطق فلسفہ آداب مباحثہ۔ تاریخ مذاہب۔ تاریخ چرچ۔ ڈاکٹری
کی تعلیم۔ لاطینی یونانی اور فرانسیسی (یا انگریزی) ضروری ہیں۔ ڈاکٹری کی
تعلیم اسلئے ضروری ہے کہ جہاں ڈاکٹر نہ ہوں پادری ہی لوگوں کا علاج کر سکیں۔

اور انہیں اپنی جانب متوجہ کر سکیں۔ پرائیویٹ مشنوں کی آمدنی چندوں سے ہوتی ہے۔ غریب دہقان جو نقد کچھ نہیں دے سکتے۔ اپنی گائیں کا دودھ یا کھیت کی کچھ اور پیداوار بصورتِ جنس ہی دیدیتے ہیں۔ جس کی قیمت مشن کے فنڈ میں جمع ہو جاتی ہے۔ جو امیر لوگ مذہبی مشنوں کا خرچ ہزاروں بلا لاکھوں روپے یک مشت ادا کر دیتے ہیں۔ ان میں سے بعض اپنا نام تک ظاہر نہیں کرتے۔ واقعی یہ بڑے ایثار کرنے والے لوگ ہیں۔ اور یوروپ کی زندگی کا روشن پہلو ایسے ہی لوگوں کے دم سے قایم ہے۔ آج سرِشام ہوا ایسی تیز ہو گئی کہ صحن جہاز میں کھڑا رہنا مشکل معلوم ہوتا تھا۔ مجھے کبھی کبھی تنہائی میں یہ خیال گھبراتا تھا کہ تمام یوروپین ہمسفر اپنے وطن کو جا رہے ہیں اور ہندوستانی تجارت اور امتحان پاس کرنے کو۔ اور میں صرف علم "شے بے ازجہل شے" حاصل کرنے کے لیئے "تاہم مجھے توقع ہے کہ اگر میں نے اپنی آنکھیں کھلی رکھیں تو اخبارات، مطابع، تکمیل تعلیم اور بعض اشیا سے تجارت کی نسبت کافی واقفیت حاصل کر کے جاؤنگا۔ جو بمقابلہ خرچ زر کے بہت حقیر نہ ہوگی۔ الّا ماشاء اللہ"

بندر سویز ۱۴ جون کی دوپہر کو جہاز بندر سویز میں پہنچا۔ طاعون کی وجہ سے مسافروں کو اتر کر سویز دیکھنے کی اجازت نہ ملی۔ یہ ایک چھوٹا سا مصری قصبہ دس گیارہ ہزار باشندوں کا ہے۔ جسکو نہر سویز کھودے جانے کے بعد بہت رونق ملی ہے۔ قاہرہ سے ۷۶ میل جانب مشرق واقع ہے۔ اس سے دو میل جانب مغرب ٹھیک برلب آب قلزم و نہر سویز یوروپین آبادی قائم ہوئی ہے۔ جسکے خوبصورت مکانات اور اہلکاران نہر کے بنگلے ایسے جنگل اور ریگستان میں دلکش معلوم ہوتے ہیں۔ ہمارے جہاز نے بندرگاہ میں پہنچ کر دو تین پھریرے بذریعہ رسیوں کے بلند کیئے۔ سب سے پہلا زرد جھنڈا تھا۔ جو ظاہر کرتا تھا کہ جہاز طاعون زدہ ملک سے آتا ہے۔ دوسرا جھنڈا پائلٹ طلب

کرتا تھا۔ پائلٹ ایک جہاز راں ہوتا ہے۔ جو کسی خاص سمندر یا اس کے حصے سے بخوبی واقف ہوتا ہے کہ جہاں گذرنے سے جہاز رانوں کو جہاز کی ہلاکت کا اندیشہ ہوتا ہے۔ لیکن پائلٹ جہاز کو سلامتی سے وہاں سے نکال لیجاتا ہے جب بمبئی سے جہاز روانہ ہوا تھا تو پائلٹ نے تین چار میل تک ہم کو راستہ دکھلایا تھا۔ اسی طرح نہر سویز میں بھی ہر جہاز کے ہمراہ پائلٹ روانہ ہوتا ہے اور اس کی فیس ہر جہاز کو ادا کرنی پڑتی ہے۔ زرد جھنڈے کو دیکھ کر سب سے پہلے ڈاکٹر کی کشتی آگئی جس میں ایک مرد اور ایک لیڈی ڈاکٹر تھی۔ پہلے جہاز کے چیف آفیسر نے انہیں اپنے کاغذات دکھلائے جو غالباً بمبئی کے ہیلتھ آفیسر نے دیئے ہونگے۔ پھر سب ملازمان جہاز کی نبض دیکھی گئی۔ اور مسافروں کی حاضری لی گئی۔ تیسری جھنڈی کے ذریعے میٹھا پانی جہاز کے لئے طلب کیا گیا تھا جس سے ایک کشتی بھری ہوئی آئی اور دو تین گھنٹے بذریعہ پمپ کے حبشی قلی یہ پانی جہاز میں پینے کے پانی کے حوض میں پہنچاتے رہے۔ عصر کے قریب جہاز نہر سویز میں داخل ہوا۔ نہر

نہر سویز

کا داخلہ نہایت دلچسپ تھا۔ نہر سویز ۸۷ میل لمبی۔ ۱۴۴ فیٹ چوڑی۔ اور ۲۸ فیٹ گہری کھودی گئی ہے۔ راستے میں تین چار قدرتی جھیلوں میں گذرتی ہے جو اس سے زیادہ گہری ہیں۔ چونکہ اس میں سے جہاز چھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے زیادہ تیز نہیں چلائے جاتے تاکہ پانی کے صدمے سے کناروں کی شکستگی نہ کرے۔ اسلئے ہر جہاز کو کم از کم پندرہ سولہ گھنٹے نہر سے گذرنے میں لگتے ہیں لیکن اگر کوئی دوسرا جہاز مقابل سے آتا ہوا ملے۔ تو ایک جہاز کو ایک پہلو میں کھڑا ہونا پڑتا ہے اور دوسرا پاس سے گذر جاتا ہے اسطرح سے کسی کسی جہاز کو دو دو چار گھنٹے ٹھہرنا پڑتا ہے۔ اسلئے راستے میں ایک رات ضرور آتی ہے۔ نہر سویز کے منتظموں نے نہر کی حفاظت کے لئے سنہ ۱۸۸۷ء سے روشنی کا یہ انتظام کیا ہے کہ ہر ایک آنے جانے والے جہاز کی پیشانی پر

ایک بہت تیز برقی روشنی کی لالٹین آویزاں کی جاتی ہے۔ اور برقی روشنی تیار کرنے کا ڈائی نیمو (مشین) جہاز میں رکھ دیا جاتا ہے۔ اس سے نہر کے راستے پر پوری روشنی پڑتی ہے۔ راستہ میں جاتے ہوئے نہر کی بائیں طرف یعنی جانب مصر کے کنارے پر کئی چوکیاں اور مکان انتظام نہر کے لئے قایم ہیں۔ اور بہت سے ملازمان نہر جو سب کے سب فرانسیسی معلوم ہوتے ہیں۔ یا کم از کم مصری نہیں ہیں ہوس بوٹوں میں بھی رہتے ہیں۔ نہر کے اسی کنارے پر کچھ درخت اور سبز جھاڑیاں ہیں۔ عرب کی طرف کا کنارہ تو صرف ریگستان لق ودق نظر آتا ہے۔ نہر میں ہمیشہ بذریعہ ڈریجر مشینوں کے مٹی اور ریت نکلتی رہتی ہے۔ اسلئے تمام نہر کا راستہ بڑا دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔ کم از کم دو تین ہزار یورپین نہر سویز کے متعلق ملازم ہونگے۔ نہر سویز ۱۸۵۹ء میں ایم۔ ڈی لیسپ ایک فرانسیسی انجنیئر کی تجویز سے کھدنی شروع ہوئی تھی۔ خدیو سعید پاشا مصر پر حکمران تھے۔ ان کے نام پر بندر سعید (پورٹ سعید) بحیرہ روم پر آباد ہوگیا ہے۔ ۱۸۶۹ء میں نہر کے افتتاح کی رسم ادا ہوئی بڑی رونق کا جلسہ ہوا۔ جس میں شہنشاہ بیگم فرانس اور شہنشاہ آسٹریا موجود تھے۔ نہر کے کھودنے میں بیس ملین پونڈ (یعنی ۳۰ کروڑ ہندوستانی روپیہ) خرچ ہوا تھا۔ انگلستان نے اس نہر کے کھودے جانے کی سخت مخالفت کی تھی۔ مگر اسکے بعد اسے مفید سمجھ کر اس نے نہر کی کمپنی کے بہت سے حصے خرید لئے ہیں۔ اور اب سب قوموں سے زیادہ وہی فائدہ اٹھاتا ہے۔ ممالک مشرق سے تجارت کرنے والے ۹۵ فی صدی جہاز اس نہر سے گذرتے ہیں اور میں نے سنا ہے کہ ہر جہاز کو ۹۰۰ پونڈ محصول ایک دفعہ نہر سے گذرنے کے عوض دینا پڑتا ہے۔ ۱۸۹۰ء میں نہر سویز سے تین ہزار چار سو اکتالیس جہاز اور دو لاکھ بیاسی ہزار ایک سو چرانوے مسافر گذرے۔ تعداد مذکور میں جو ہزار

چار سو سات جہاز تجارتی اور سات سو ستر جہاز ڈاک اور دو سو اکسٹھ جنگی اور باربرداری والے جہاز تھے۔ انگریزی جہازوں کی تعداد انیس سو چھتیس تھی۔ ۱۸۹۹ء میں نہر سویز کو دو کروڑ تیرہ لاکھ اٹھارہ ہزار سات سو بہتر فرانک کی آمدنی ہوئی جب سے یہ نہر جاری ہوئی ہے پہلے کبھی اس قدر زیادہ آمدنی نہیں ہوئی۔ جنگ چین کے ایام میں گورنمنٹ روس نے بارہ سو بائیس ہزار فوج اس طرف روانہ کی اور فرانسیسی فوج چھبیس ہزار اور جرمنی کی چوبیس ہزار اس نہر سے گذری۔ امریکہ اور ہسپانیہ کی جنگ کے ختم ہونے پر گورنمنٹ اسپین نے جو فوج اس نہر کی راہ سے جزائر فلپائن کو گذاری اسکی تعداد تیرہ ہزار تھی اور جو تجارتی جہاز اس نہر سے گذرے بمقابلہ دیگر ممالک کے انگریزی جہازوں کی تعداد تین میں دو تو ضرور تھی۔ کیسی عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ دو بڑا عظموں ایشیا و افریقہ کو پانی کے ذریعے الگ کر دیا گیا ہے۔ اور دو سمندروں بحیرہ قلزم اور بحیرہ روم کو ملا دیا گیا ہے جس سے تجارت اور آمد و رفت کو کروڑوں روپیے کا منافع ہوتا ہے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے رمیسس ثانی مصر کے ایک قدیم بادشاہ نے بحیرہ قلزم اور بحیرہ روم کے درمیان ایک ۹۰ میل کی نہر کھدوائی۔ لیکن وہ مرور مدت سے بھر گئی۔ مگر دارا اول شاہ ایران نے پھر اسے خالی کرایا۔ پھر حضرت عمرؓ کے عہد میں عرب فاتحان نے اسے کھودا۔ پھر ۱۷۹۸ء میں نپولین اعظم نے اسے جہازوں کے لئے کھدوانے کے واسطے پیمایش کرایا۔ لیکن اس غلط خیال سے جو اس زمانہ میں عام تھا۔ ارادہ ترک کر دیا کہ بحیرہ قلزم کی سطح آب بحیرہ روم سے ۳۰ فیٹ بلند ہے۔ پورٹ سعید میں ایم۔ ڈی لیسپ کا ایک بڑا روئیں بت سمندر کے ساحل پر اسکے نہر کھودنے کی یادگار میں نصب ہے۔ آجکل نہر سویز کے رستے سے سولہ روز میں لنڈن کا خط لاہور پہنچ جاتا ہے۔ گویا ڈاک کے جہاز بارہ

تیرہ روز میں یہ فاصلہ طے کر لیتے ہیں۔ جو پہلے زمانہ میں افریقہ کے گرد سے ۳ ماہ اور راس سے بھی پہلے ۸ ماہ میں طے ہوا کرتا تھا۔

بندر سعید اور آگے

رات ۱۱ بجے پورٹ سعید پہنچے یہاں جہاز نے کوئلہ لیا۔ لیکن بوجہ اندیشہ طاعون کسی مسافر کو جہاز سے اترنے کی اجازت نہ ملی۔ گو جہاز شہر بازار سے اتنا قریب کھڑا تھا کہ دوکانوں کے بورڈ پڑھے جا سکتے تھے۔ آج سے سردی زیادہ محسوس ہونے لگی۔ میں نے بھی گرم کپڑے پہن لیئے۔ ممالک مشرق میں اور کسی شہر نے اتنی جلدی ترقی نہیں کی جتنی کہ اس بندر نے کی ہے۔ شہر بہت خوبصورت ہے۔ عمارات یورپین طرز کی ہیں۔ جب ہم پورٹ سعید سے بحیرہ روم میں داخل ہوئے تو دو یورپین مسافر کہنے لگے۔ خوشی کی بات ہے کہ اب ہم شائستگی کے علاقے میں داخل ہو گئے ہیں۔ اس وقت تو اُن کی بات مجھے ناگوار معلوم ہوئی۔ کہ اُنہوں نے میرے وطن کو جہالت کی سرزمین قرار دیا۔ لیکن جب میں نے یورپ کے دو تین شہر دیکھ لیئے تو میں اُن کو حق بجانب سمجھنے لگا۔ بیشک اہل یورپ اور اہل ہند کے حالات میں لاکھوں کوس کا فرق ہے تا کی شام سے چلکر ۱۰ کی صبح کو جہاز بندر ٹرلیسٹ میں پہنچا۔ ۸ تاریخ کو بائیں طرف جزیرہ کریٹ نظر آیا۔ اور دن بھر جہاز جزیرہ کی طوالت کے پہلو کو طے کرتا رہا۔ پہاڑ اور گھاٹیاں بالکل نظر آتی تھیں۔ دو چار اور جزیرے بھی چپ و راست نظر آئے۔ یوروپین مسافر جہاز پر وقت گذارنے کے لئے مختلف کھیل کھیلتے تھے۔ مثلاً ایک بالٹی میں رسی کے حلقے پھینکے جاتے تھے۔ اور جسکا زیادہ حلقہ اسکے اندر پڑتے وہ جیت جاتا۔ اسی طرح اور جہازی کھیلوں میں بھی تھوڑی سی ورزش جو جہاز کی محدود جگہ میں ہو سکے اور کسی قدر دلچسپی کو مد نظر رکھا گیا تھا۔ ان لوگوں کے اصرار پر جب ایک روز ایک کھیل میں بایں لیئے ونش میں بھی شامل ہوا۔ تو بوجہ نشانہ اچھی طرح نہ کر سکنے کے میں بہت جلد

پار کیا۔ آج بمبئی اور جہاز کے وقت میں ساڑھے تین گھنٹے کا فرق ہو گیا تھا۔
۱۹ جون کو یونان کا ایک جزیرہ تارانتو نامی جہاز سے بائیں طرف نظر آیا۔
اور دائیں طرف بھی مجمع الجزائر یونان کے کئی جزیرے نظر آتے رہے کہ جنہیں دیکھنے کے لئے جہاز کے تمام زن و مرد مسافر صبح پانچ بجے سے ۸ بجے تک کھڑے رہے۔ مکانات کھیت سرو کی روشیں اور ہوا کی چکیاں جابجا نظر آتی تھیں۔ اور ہندوستانی نظر میں صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ آبادی نئی قسم کی ہے۔ ایک جگہ ایک جزیرہ جہاز سے اتنا قریب معلوم ہونے لگا کہ پتھر پھینکو تو وہاں جا پڑے۔ وہاں جہاز کے ایک افسر نے ایک نرسنگا پھونکا۔ اور پہاڑ سے بعینہٖ صاف صاف ویسی ہی صدا سے بازگشت نے جواب دیا۔ شام کو جہاز بحیرہ ایڈریاٹک میں یونان کے ساحل طے کر کے ترکی علاقہ کے مقابل چل رہا تھا۔ اٹلی کے ساحل پر برنڈزی سے آگے نکل چکا تھا۔ شام کو آٹھ ساڑھے آٹھ بجے تک شفق کی اتنی روشنی تھی کہ جو ہندوستان میں ساڑھے چھ بجے کو ہوتی ہے۔
یکشنبہ ۲۰ جون۔ کل جہاز کے ٹریسٹ پہنچ جانے کی خوشی میں آج کا دن بالکل گپ شپ میں گذرا۔ دوپہر کو جزیرہ لیسا نظر آیا۔ جہاں ایک نہایت خوبصورت خلیج پر ایک شہر پہاڑ کی نشیب میں آباد تھا۔ معلوم نہیں وہاں کے رہنے والوں کو کیا کیا تکلیفیں پیش آتی ہونگی لیکن مجھے تو وہ منظر اور تنہائی ایسی پسند آئی کہ ان لوگوں کی حالت پر رشک آنے لگا۔ شام تک ساحل ٹرکی کی خشک پہاڑیاں بائیں طرف نظر آتی رہیں۔ آج پراٹسٹنٹ عیسائیوں نے جہاز پر نماز پڑھی۔ رومن کیتھالک پاس بیٹھے رہے۔ گر شریک نہ ہوئے۔ ایک انگریز سے جسے میں جانتا تھا کہ رومن کیتھالک نہیں میں نے

پوچھا کہ تم کیوں نماز میں شریک نہیں ہوتے۔ اس نے کہا۔ میں پریسبیٹیرین ہوں۔ چرچ آف انگلینڈ کی عبادت کا قائل نہیں۔ جو نماز کی کتاب سے نماز کے مقررہ فقرات پڑھنے کے لئے مجبور ہیں۔ آج سطح بحر پر جو تیل کی طرح صاف تھی غروب آفتاب کا نظارہ نہایت شاندار اور دلکش تھا۔

یوروپ کے پہلے شہر ٹریسٹ اور وینس

کس ندانست کہ منزل گہِ مقصود کجاست
ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید



۱۰ جون کو سویرے اٹھ کر سب لوگوں نے اسباب باندھنا شروع کیا۔ جہاز ۷ بجے ہی بندر ٹریسٹ میں پہنچ گیا۔ یہ شہر کئی چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں پر واقع ہے۔ جو بندر کے گرد محیط ہیں۔ تھوڑی دیر میں چار ڈاکٹروں کی

قرنطینہ کا اندیشہ

ایک کمشن مسافروں کے ملاحظہ کے لئے پہنچی۔ سب کو اندیشہ تھا کہ کہیں دو روز کا قرنطینہ نہ کرنا پڑے۔ کیونکہ کپتان نے عدن سے تار دیا تھا۔ ڈاکٹروں نے ہر ایک مسافر اور ہر ایک ملازم جہاز کی نبض دیکھی۔ اس وقت تک جہاز پر ایک زرد جھنڈا اوڑ رہا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ اس جہاز میں بیماری ہے۔ اسلئے نہ کوئی شخص خشکی سے اسپر آسکتا ہے اور نہ جہاز سے کوئی شخص خشکی پر جاسکتا ہے۔ لیکن جب ڈاکٹروں نے جہاز کو مرض سے پاک و صاف بتلایا تو سب لوگ آپس میں ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے۔ اور ایک دم زردن میں وردی پہنے ہوئے اٹالین قلیوں نے جہاز پر یورش کر دی سب لوگوں نے اپنا اپنا اسباب اُن کے حوالے کیا جو انہوں نے کشتیوں میں رکھدیا۔ اور ہم لوگ بھی جہاز کے خدمتگاروں کو انعام دے کر کشتیوں میں جا بیٹھے۔ یہ دستور ہے کہ جہاز میں کھانے کے کمرہ کے خدمتگار تمہارے اور بھی کئی کام کر دیتے ہیں۔ شام کو اگر کمرہ میں گرمی ہو تو تمہارا بستر صحن جہاز پر بچھا دیتے ہیں۔ اگر ضرورت ہو تو بوٹ بھی صاف کر دیتے ہیں

بستر کی چادریں بدلنے اور نہانے کے تولئے دینے میں مدد دیتے ہیں۔ اسلئے کچھ نہ کچھ بخشش انہیں ضرور ہی چاہئے۔ یورپ میں جس قدر بخشش کا بُرا رواج پھیلا ہوا ہے۔ میں مختلف مقامات میں اسکا ذکر کرونگا۔

غرض ہم لوگ خشکی پر پہنچے۔ مزدور ہمارا اسباب ایک لمبی سی دستی گاڑی پر لاد کر چونگی خانہ میں لے گئے۔ جہاں سے معائنہ کے بعد ہم قریب ہی ایک ہوٹل میں پہنچے۔ یہاں قلیوں کو کرایہ دینے میں بڑی دقت پیش آئی۔ کہ ان کی بات ہم نہیں سمجھ سکتے تھے۔ یہاں ہر شخص اٹالی زبان بولتا ہے۔ کیونکہ ٹریسٹ دراصل اٹلی کا شہر ہے۔ لیکن اب آسٹریا کے قبضہ میں ہے۔ آخر ہوٹل کے پورٹر[1] نے ہمارا فیصلہ کرایا۔ اور دو قلیوں اور ایک کشتیبان کو آدھ گھنٹہ کی محنت کے لئے ہم چار آدمیوں کو نو شلنگ یعنے پونے سات روپے دینے پڑے۔ ہوٹل والے نے یہ مزدوری اپنے پاس سے دیکر ہمارے بل میں لکھ لی۔ یورپ میں ہمیشہ ہوٹل والے تمہاری گاڑی اور مزدوری وغیرہ کا روپیہ اگر تم چاہو۔ تو تمہاری سہولیت کی خاطر دیدینگے۔ اور پھر تمہارے حساب میں درج کر لینگے۔

یورپ کا پہلا شہر یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ انگریزی زبان بھی الیسی ہمتاع نہیں ہے جو ہر بازار میں بک سکے۔ کیونکہ زبان نہ سمجھنے کی وجہ سے ہمارے انگریز ہمراہی بھی یہاں ہماری طرح ہی صم وبکم تھے۔ چونکہ میں نے یہ یورپ کا پہلا شہر دیکھا تھا یہاں کی ہر چیز مجھے عجیب معلوم ہوتی تھی۔ یہاں تانگے گاڑیاں اور خاکروب تک سب یورپین تھے۔ بازار میں ہر طرف یہی لوگ نظر آتے تھے۔ عمارتیں عالیشان اور صاف ونیک دوکانوں کے دروازے نئی ڈھنگ کے۔ غرض ہر چیز نرالی تھی۔

اخبارات سب سے پہلے میں ہوٹل میں پہنچ کر اخبار دیکھنے لگا یورپ میں ہر ہوٹل کے ساتھ لازمی بات ہے کہ ایک کمرہ میں تازہ اخبارات

[1] یہ ہوٹلوں کے دروازوں پر ایک اہلکار مامور ہوتا ہے جو تمام متعلق کام مسافروں کے آرام کے

اور رسالوں کی مختلف قسم کی ڈائرکٹریاں پڑی ہوں۔ البتہ یہ امر ہوٹل کی حیثیت پر منحصر ہے کہ کتنی اور کس کس زبان کے اخبار اور رسالے موجود ہیں بڑے بڑے ہوٹلوں میں یوروپ کی ہر زبان کے بڑے بڑے اخبار اور ہر ملک کی ڈائرکٹریاں پائی جاتی ہیں۔ علاوہ ہوٹلوں کے ریستورانوں اور قہوہ خانوں میں بھی اخبارات کا ہونا لازم ہے۔ آج اٹھارہ روز کے بعد جہاز سے اترے تھے۔ اسلئے کچھ معلوم نہ تھا کہ اس عرصہ میں دنیا میں کون کون سے واقعات پیش آئے ہیں۔ میں نے سب سے پہلے جنگ ٹرمینوال اور پھر ہندوستان کی خبریں جو مل سکیں پڑھیں۔ اسی عرصہ میں انگلستان کا پریٹوریہ پر قبضہ ہو چکا تھا۔

وینس کو روانگی

آسٹرین لائیڈ کمپنی کے ٹریسٹ جانے والے جہاز کے مسافروں سے اس کمپنی کی طرف سے یہ بھی رعایت کی جاتی ہے کہ اگر وہ ٹریسٹ سے وینس کو جانا چاہیں تو اسی کرایہ میں جا سکتے ہیں۔ چونکہ میں اس سفر میں اٹلی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس لئے میں نے اٹلی کا کم از کم ایک شہر وینس ضرور دیکھنا چاہا۔ زیادہ تر اسلئے کہ ہمیشہ وینس کی خوبصورتی کی تعریف سنا کرتا تھا۔ کیونکہ اس شہر کے مکانات سمندر کے اندر پانی میں بنے ہوتے ہیں۔ اور اکثر بازاروں اور گلیوں میں کشتیاں چلتی ہیں۔ اسلئے اپنا اسباب اسی ہوٹل میں چھوڑ کر جس کا نام ہوٹل ڈالا ردم تھا۔ اسی شب کو وینس کو روانہ ہوا۔ چھ ٹریسٹ سے ۶ گھنٹے کا راستہ ہے۔ رات کو جہاز میں جا سوئے تو صبح وینس پہنچ گئے۔ دور سے ہی سمندر میں سے ایک شہر کے نمودار ہو جانے کا نظارہ بہت عجیب معلوم ہونے لگا۔ وینس کے عالی شان محلات اور گرجوں کے گنبدوں اور

قدیم وینس کی عظمت

میناروں میں مشرقی عمارت کی شان پائی جاتی ہے کوہ الپس سے اتر کر بحیرہ ایڈریاٹک میں گرنے والی

پانچ ندیوں کے سنگم پر قدیم زمانہ میں یہاں بہت سے چھوٹے چھوٹے جزیرے پیدا ہو گئے تھے۔ جن پر قوم وینائی آکر آباد ہو گئی۔ اور کچھ مدت کے بعد یہ تنگ اور نیستان کے جزیرے یہاں تک آباد ہوئے کہ دنیا کی ایک عظیم الشان سلطنت کا مرکز بنے جو تیرہ سو سٹھ سال تک قائم رہے یہی وینس کی سلطنت تھی کہ جسکے سامنے ایک زمانہ تک ساری دُنیا سر تسلیم خم کرتی تھی۔ دُنیا کے سمندروں میں کوئی بحری طاقت وینس کے مقابلہ کی نہ تھی۔ کریٹ۔ سائپرس۔ جینوا۔ پانیسا۔ سیریا اور قسطنطنیا اسکے خراج گذار تھے۔ دو دفعہ وینس کے ڈوجوں (بادشاہوں) نے ترکوں کے آنے سے پہلے قسطنطنیہ کو فتح کیا۔ اور خیر الدین باربروسا امیر البحر سلطنت عثمانیہ سے بھی جنگ کی تھی۔ خصوصاً صلیبی جنگوں کے زمانہ میں وینس کو اعلےٰ درجہ کا پولیٹیکل اور تجارتی عروج حاصل ہوا تھا۔ اور اسکے جہازوں نے شام کی تجارت سے بہت دولت کمائی تھی۔ لیکن ۱۷۹۷ء میں فرانس نے وینس کو فتح کرکے اسکی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ مگر وینس کی عظمت کے زمانہ میں جو عجائبات اس شہر میں جمع ہو گئے تھے وہ اب تک موجود ہیں۔

سڑکوں پر کشتی بانی۔ شہر وینس کا محیط ۷ میل ہے۔ اور نہری سڑ نے اس شہر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ دراصل یہ شہر تین بڑے اور ۱۲۰ چھوٹے جزیروں پر تعمیر کیا گیا ہے۔ اور چار سو چھوٹے اور بڑے پلوں کے ذریعے سے ان سب جزیروں کو ایسی طرح ملا دیا گیا ہے کہ ایک شخص ان پلوں سے شہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بلا کشتی میں بیٹھنے کے جا سکتا ہے۔ گلیوں اور بازاروں میں لوگ کشتیوں پر گذرتے ہیں۔ اسلئے بجائے گھوڑوں گاڑیوں شکرموں ٹریموں وغیرہ کے وینس کی گلیوں میں صرف کشتیاں نظر آتی ہیں۔ یہ کشتی ایک خاص قسم کی اور کالے رنگ کی ہوتی ہے جسکا سکان بلند ہوتا ہے۔

اور اسے وہاں گنڈولا کہتے ہیں۔ گنڈولا چلانے والے ملاحل کو اس کے
چلانے میں عجیب مہارت ہوتی ہے۔ یہ مکانوں کے ایک انچ قریب
تک اپنے مرکبوں کو لے جاتے ہیں اور ان سے ٹکرانے نہیں دیتے
جبکہ نہایت تیزی سے چلا رہے ہوں تو ایک دم میں انہیں روک سکتے
ہیں۔ غرض وینس کے گنڈولے بجائے خود عجیب دلچسپ چیز ہوتے
ہیں۔ ان میں سے بعض نہایت سجے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کا کرایہ
ایک فرانک (دس آنہ) فی گھنٹہ پہلے گھنٹہ کے لئے اور چھ فرانک فی
گھنٹہ کے دن کے لئے مقرر ہے۔ نہروں کے علاوہ خشکی پر بھی بعض گلیاں
اور چھوٹی سڑکیں ہیں۔ شہر کے بڑے بڑے عالیشان محلات کے دروازے
عین برلب آب واقع ہیں اور تعمیر زیادہ پتھر اور سنگ مرمر کی ہے۔ زبان
اٹالی اور مذہب رومن کیتھولک عیسائی ہے۔ اور تو ہر طرح سے یہ لوگ یورپین
ہیں۔ مگر اہل اطالی تمام یورپ سے زیادہ غریب ہیں۔ ان کا ملک چھوٹا
ہے اور اسے فوج اتنی زیادہ رکھنی پڑتی ہے کہ اس کے خرچ کے بوجھ
کے نیچے دبا جاتا ہے۔ اسلئے تینوں قسم کے ٹکس رعایا پر لگے ہوئے ہیں
ہمارے گائیڈ نے جب چند گلیوں کے مشہور مکانات دکھائے تو اس کی اجرت ۱ فرانک
دی گئی تھی۔ مجھے بتلایا کہ ۱ فرانک میں ۵۰ سینٹم سرکار کے اور ۵۰ میری بابت
(فرانک = ۱۰۰ سینٹم سکہ اطالیہ) اتنے مختلف قسم کے ٹکس رعایا پر لگے ہوئے
ہیں کہ جتنے کسی کے بچے ہوں ان پر بھی اتنے ٹکس دینا پڑتا ہے۔ جب
ہمارا اسباب کشتی سے ایک مزدور خشکی پر لایا تو ایک غریب عورت
بوجھ اٹھانے کو دوڑی۔ اس کے سوا بعض غریب عورتیں اور بچے
بھیک مانگتے تھے اور برہنہ پا تھے۔ مگر ساتھ ہی دوسری جانب یہاں بھی
ایک مسافر کا روزانہ خرچ آٹھ دس روپے سے کم نہیں ہوتا۔ قہوہ خانہ میں
ایک پیالی چاء اور ایک ٹوسٹ کے لئے سات آٹھ آنے دینے پڑتے

سینٹ مارک کا گرجا

ہیں۔ مزدوروں نے بھی سفید کا رنگار کھے ہیں۔ جو چیزیں یہاں دیکھی ہیں اُن میں قابل ذکر سینٹ مارک کا گرجا ہے۔ جو بڑے "پیازا" (چوک) میں واقع ہے۔ اس گرجے کا دروازہ "سینٹ صوفیا" (قسطنطنیہ) سے لایا گیا تھا جو چاندی کا بنا ہوا ہے ستونوں کی ایک بڑی قطار میں چار ایسے ستون ہیں جو بیت المقدس کے بنائے جاتے ہیں کئی چھوٹے ستون نہایت قیمتی پتھروں کے ہیں کہ جنکے ثانی ملنے محال ہیں۔ انلی کے نامور مصوروں نے گذشتہ چار پانچ سو سال میں اس گرجا میں ایسی اچھی تصویریں موزآئک (رنگین شیشہ کی مینا کاری کا م) کی بنائی ہیں۔ کہ جو یورپ بھر میں مایہ ناز سمجھی جاتی ہیں۔ یہ تصاویر زیادہ تر بائیبل اور سینٹ پیٹر کے قصوں سے متعلق ہیں۔ جو قد آدم یا اُس سے بھی بڑی دیواروں اور چھت پر بنی ہوتی ہیں۔ مسیح مریم اور بارہ حواریوں کے قد آدم بُت ایک دیوار میں نصب ہیں۔ اس عالی لشان معبد کے تمام فرش میں بیش قیمت پتھروں کے ذریعے ایسا مینا کاری کام کیا گیا ہے کہ شہنشاہ جہانگیر کے مقبرہ (لاہور) کی چھت اور روضہ ممتاز محل کے اندر کا فرش اسکے سامنے دوم درجہ کی چیزیں ہیں۔ اس فرش کی تعمیر میں باقی تمام گرجا کے برابر روپیہ صرف ہوا ہے۔ حضرت مسیح کے حواری سینٹ مارک (مرقس) کی قبر اس گرجا میں ہے۔ سینٹ مارک کی لاش پہلے اسکندریہ میں دفن تھی۔ لیکن دو سوداگر ایک دفعہ اُن کی ہڈیاں کھود کر یہاں لے آئے۔ اور انہیں اس جگہ دفن کر کے اُن پر یہ عالی شان گرجا تعمیر کیا گیا۔ کہ جسکے خوبصورت اور عجیب بنانے میں اہل وینس نے کوئی دقیقہ صرف زر اور لیاقت کا اٹھا نہ رکھا۔ اس میں ایک جگہ حضرت مریم کا سونے کا بُت رکھا ہوا ہے۔ جو صرف اتوار کو معتقدین کی زیارت کے لئے کھولا جاتا ہے۔ اسکے باہر چاندی کے ہزاروں ٹکڑے انسان کے

دل کی شکل کے بنے ہوئے شیشوں کے اندر آویزاں ہیں۔ جو رومن کیتھالک معتقدین نے اپنی اپنی مرادیں پوری ہونے کے بعد مقدس مادر کے بت پر وقتاً فوقتاً چڑھائے ہیں۔ اِن لوگوں کے اعتقاد میں حضرت مریم کا دل دُنیا کی تمام مرادیں پوری کر سکتا ہے۔ اگر اس سے منت مانی جائے۔ گرجا کے وسیع چھت کے نیچے جابجا رومن کیتھالک زن و مرد موم بتیاں روشن کر کے ہاتھ باندھے اور سر جھکائے بیٹھے تھے۔ میرے جہاز کے دوست جرمن پادری صاحب جو پراٹسٹنٹ تھے اور اسوقت بھی میرے ہمراہ تھے۔ کہتے تھے کہ رومن کیتھالک لوگ خیرات کا روپیہ کس بیرحمی سے صرف کرتے ہیں۔ یورپ میں لحاظ خرچ اور خوبصورتی کے صرف ایک اور گرجا سینٹ پیٹر (واقع روم) اس سے بڑا ہے۔ گو لحاظ جسامت و عظمت کولون کا گرجا بھی بہت بڑا ہے۔

دیگر عجائبات اس گرجا کے بڑے دروازے پر چار ٹھوس گھوڑے پیتل کے پورے قد کے کھڑے تھے جن میں سے ہر ایک کا وزن دو ٹن (۷۰ من) بتلایا جاتا ہے۔ یہ گھوڑے بھی یورپ کے عجائبات میں شمار ہوتے ہیں۔ قدیم اہل روما نے انہیں بنایا تھا۔ اور اہل وینس قسطنطنیہ سے انہیں لوٹ لے گئے تھے۔ یہاں سے اپنے عروج کے زمانہ میں نپولین اعظم انہیں پیرس لیگیا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد پھر وینس نے انہیں مانگ لیا۔

اس گرجا کے مشرق کی جانب ڈوج کا قصر قابل دید ہے۔ انگلستان کے مشہور شاعر بائرن نے جس برج آف سایز (آہوں کے پل) کو اپنی نظم کے ذریعہ سے غیر فانی کر دیا ہے وہ ایک طرف اس قصر سے ملحق ہے۔ اور دوسری طرف اُن ہیبت ناک جیلخانوں سے کہ جن کے بدنصیب قیدیوں کو دوبارہ دنیا کو دیکھنا نصیب نہیں ہوتا تھا۔ اور اس پل کی راہ سے قیدی محل شاہی سے قیدخانہ میں پہنچائے جاتے تھے تاکہ لوگ انہیں دیکھ کر متاثر نہ ہوں۔

کمپانیل

گرجا کے سامنے کمپانیل† کے نام سے ایک ساڑھے تین سو فیٹ بلند اور ۴۲ فیٹ گول مینار چھوٹی اینٹوں کا بنا ہوا ہے جسکے اندر اوپر جانے کے لئے بجائے سیڑھیوں ڈھلوان راستہ ہے۔ اور نپولین اول اس راہ سے گھوڑے پر سوار ہوکر اسکی چوٹی تک پہنچا تھا۔ اور اسی کی چوٹی پر دوربین کے موجد گلیلیو نے کئی تجربات علم ہیئت کئے تھے۔ یہ دراصل اس گرجا کے گھنٹے کا مینار تھا۔ گو اب اسکی چوٹی پر ایک محافظ شہر کی آتشزدگی اور کشتیوں کے حادثات کی خبر رکھنے کے لئے متعین رہتا ہے۔

سینٹ مارک کے گرجا کے سامنے ایک بڑا میدان ہے۔ جہاں ہزارہا پالتو کبوتر رہتے ہیں۔ اور ایسے نڈر ہیں کہ جو کوئی پاس جا کھڑا ہو اسکے کندھوں پر جا بیٹھتے ہیں۔ ان کو خوراک ایک وقف سے ملتی ہے۔ اور ونیس کے چہرے کا ضروری خط و خال شمار ہوتے ہیں۔ یہی میدان اس شہر کا ناک ہے جیسا لنڈن کے لئے ہائیڈ پارک یا کلکتہ کے لئے ایڈن گارڈن اور دہلی کے لئے چاندنی چوک ہے ویسا ہی یہ یہاں کے لئے ہے۔ اسکے تین طرف شہر کی سب سے بارونق دکانیں ہیں۔ دو تین بڑے بڑے قہوہ خانے ہیں جن کے باہر بلا مبالغہ ہزاروں کرسیاں اور میزیں ہونگی۔ یہاں کے لوگوں کی بڑی تفریح یہی معلوم ہوتی ہے کہ یار دوست زن و مرد ملکر سہ پہر کو قہوہ خانوں میں آ بیٹھتے ہیں۔ کھاتے پیتے اور گپ زنی کرتے ہیں۔ جو اخبار پڑھنا چاہیں وہ اخبار پڑھتے ہیں۔ کیونکہ ہر قسم کے اخبارات قہوہ خانوں کے لئے خریدے جاتے ہیں۔ جرمن۔ فرانسیسی اور اطالی اخباروں کے پڑھنے کا عام رواج ہے۔ ہفتہ میں دو تین راتوں کو اس میدان میں بہت سے باجے کے شیڈ لا کر رکھے جاتے ہیں۔ چنانچہ آج منگل کی شب کو بھی دو گھنٹے

† ۱۴ جولائی ۱۹۰۲ء کو کمپانیل خود بخود بوجہ پرانی تعمیر ہو جانے کے گر گیا۔ ۱۹۰۳ء میں اسکی تعمیر شروع ہوئی

تک بینڈ باجہ بجتا رہا۔ اِس وقت اتنا بڑا میدان بالکل پر ہو گیا تھا۔ عورتیں اور مرد بکثرت پھر رہے تھے اور بیٹھے ہوئے تھے۔ اطالین عورتیں ۹۵ فی صدی سر برہنہ تھیں۔ رنگ اِن کا بھی ویسا ہی سُرخ و سپید ہوتا ہے۔ جیسا کہ انگلستان کی عورتوں کا۔ عورتیں عموماً خوبصورت اور مرد عموماً معمولی قد و قامت اور جسامت کے نظر آتے۔ پولیسمین سر کی ٹوپی سے جوتے تک سیاہ پوش تھے

شیشہ اور لیس کی صنعتیں وینس میں

یہاں شیشہ اور لیس دو بڑے صنعت کے کام ہیں اور دونوں یورپ بھر میں مشہور ہیں۔ مَیں نے دونوں قسم کے کارخانے دیکھے۔ سب سے بڑی شیشہ کے کارخانہ میں کاریگروں کو آلات شیشہ بناتے دیکھا۔ شیشہ بھٹی میں پانی کی طرح پگھلا ہوا ہوتا تھا۔ کاریگر ایک آہنی لمبی نلکی کے آگے شیشہ چپکا کر پھونک مارتا تھا تو یہ پھول جاتا تھا۔ پھر آہنی چمٹے سے جس طرح چاہتا اُسے موڑ لیتا۔ مٹی کے بُت بنانے میں بھی اِس سے زیادہ محنت کرنی پڑتی ہوگی لیکن شیشہ کو مختلف رنگ دینا اور بلور کی نقل کرنا ذرا مشکل کام ہیں۔ ایک دوسرے شیشے کے کارخانے میں جا کر دیکھا کہ ایک عورت شیشہ کی دو باریک نلکیوں سے جن سے کسٹری کے طلبا بخوبی آشنا ہیں۔ بذریعہ بتی آگ کے تار نکال رہی ہے یہ تار انسان کے بالوں سے موٹی نہ تھی اور بخوبی لچکدار تھی۔ پاس سے ایک پہیہ پر جسے دو پاؤں سے ہلاتی تھی یہ تار تنی جاتی تھی۔ مختلف رنگوں کے شیشہ کی ایسی کئی تاریں اکٹھی کر کے اُن سے چھوٹی چھوٹی فینسی خوبصورت ٹوکریاں بُنی جاتی تھیں۔ جو کافی لچکدار ہوتی ہیں۔ شیشہ کی اَور کئی چیزیں آرائش کی بنائی جاتی ہیں۔ لیکن سب سے بیش قیمت موزائیک (میناکاری) کا کام ہے۔ جسکے لئے قدیم زمانہ سے وینس مشہور ہے۔ مختلف رنگوں کے شیشوں پر سنہری ورق لگایا جاتا ہے۔ اور سب کو کاٹ کر چوتھائی انچ کے ٹکڑے کر دیا جاتا ہے۔ اور پھر کسی تصویر کا خاکہ کھینچ کر اس پر یہ شیشے سنہری پہلو نیچے

کرکے ایسے طور پر جوڑے جاتے ہیں کہ کل اصلی رنگ کسی تصویر کے آجاتے ہیں۔ مثلاً سبز رنگ کو نیلے پر ختم کرنے کے لئے ایسے شیشے لگائے جائینگے جس سے معلوم نہ ہوسکے گا کہ سبز کہاں ختم ہوتا ہے اور نیلا کہاں سے شروع ہوتا ہے۔ گرجوں میں اس قسم کی قد آدم تصاویر ہزاروں روپے کی لاگت سے بنائی جاتی ہیں۔ میں تعجب کیا کرتا تھا کہ "سٹینڈ گلاس ونڈز" (رنگین شیشوں کے دریچے) پر یورپ کے گرجوں میں کیوں اتنا خرچ آتا ہے"

لیس جنیوا اور وینس کی اب تک مشہور ہے۔ جب میں لیس کے کارخانے میں گیا تو کام کرنے والی لڑکیوں کو چھٹی ہوچکی تھی۔ اور وہ سب ملکر سامنے کے ہال میں دوپہر کا کھانا کھا رہی تھیں۔ تاہم کارخانہ کے منیجر نے ساتھ لیجا کر سب کمروں میں لیس کا کام دکھلایا۔ یہ کام بالکل ہاتھ سے کیا جاتا ہے اور اس کی اچھی قیمت آتی ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ اگر لکھنؤ کی چکن کاڑھنے والی عورتوں میں اس کام کا رواج دیا جاوے تو یقیناً فائدہ کا کام ہو
جب ہم کارخانے سے نیچے اُترنے لگے۔ تو چند لڑکیاں دوڑ کر پیچھے آگئیں اور اشارہ سے ہم سے پیسے مانگے۔ آجکل یہاں ۱۶ گھنٹے سے کم نہیں صبح ساڑھے تین چار بجے اتنی روشنی ہوتی ہے کہ کتاب بخوبی پڑھی جاسکے اور شام کو آٹھ ساڑھے آٹھ بجے تک کتاب کھلے میدان میں پڑھی جاتی ہے اسلئے دن ختم ہونے میں نہیں آتا۔

یہاں معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کا یہی پیشہ ہے کہ جس اجنبی کو شہر میں دیکھیں اُسے کہیں کہ آؤ تمہیں شیشہ کے عجائب خانے دکھلائیں۔ اور اس طرح اُسے ساتھ لے کر شیشہ کے سوداگروں کی دوکانوں میں لیجاتے ہیں جو واقعی عجائب خانے ہوتے ہیں۔ وہاں دکان والوں کی قابلیت یہ ہوتی ہے کہ کچھ نہ کچھ مال مسافر کے ہاتھ بیچ دیں۔ کیونکہ کوئی مسافر ایسا نہ ہوتا ہوگا جو مال کو پسند نہ کرے۔ ہمارے پارسی رفیق نے ایک کارخانہ سے [illegible]

کے شیشہ آلات خریدے۔ وینس میں اور بہت سے قابل دید مکانات تھے مگر ہم نے ایک ہی دن میں بہت کچھ دیکھ لیا تھا۔ اور شام کو جہاز

زنانہ اور مردانہ مسافروں کی بے تکلفانہ ملاقات

پر سوار ہو کر صبح ٹریسٹ پہنچ گئے۔ ان جہازوں میں ایک ہی کمرہ سب مسافروں کے لئے ہوتا ہے جسکے گرداگرد چاروں طرف نیچے اوپر دو تین قطاریں بستروں کی ہوتی ہیں۔ ایسے طور پر کہ ایک لیٹنے والے شخص کے پاؤں دوسرے کے سر سے چھو جاتے ہیں۔ روشنی روکنے کے لئے صرف ایک پردہ سامنے گرا سکتے ہیں۔ عورتیں مرد ملے جلے سب ایک جگہ سو جاتے ہیں۔ ہمارے سامنے ایک میاں بیوی ہنستے کھیلتے ایک بستر پر سو گئے اور انہوں نے پردہ تک نہ گرایا۔ وینس جاتے ہوئے اسی سٹیمر پر ایک اٹالین ایک عورت سے جو اسکے ساتھ کے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ بہت مذاق کرتا تھا۔ اور وہ اور اسکی دو تین سہیلیاں کھل کھلا کر ہنس دیتی تھیں۔ صبح اٹھ کر مجھے ایک انگریز رفیق سفر نے کہا کہ اگر کوئی انگریز عورت ہوتی تو فوراً جگہ چھوڑ کر چلی جاتی۔

اٹلی اور آسٹریلیا کے سکے

ایک روز میں ابھی آسٹریا کا سکہ بخوبی نہیں سمجھا تھا کہ دوسرے روز اٹلی کے علاقہ میں چلا گیا۔ جہاں اٹلی کے سکہ سے کام پڑا۔ اس لئے دونوں کی آپس کی نسبت اور دونوں سکوں کی ذاتی قیمت نے مجھے کئی جگہ دھوکا دیا۔ اور مجھے یقین ہے کہ کوئی اجنبی خواہ کتنا ہی ہوشیار رہو۔ اس نقصان سے بچ نہیں سکتا۔ آسٹریا کا سکہ اس طرح ہے۔ ہیلر یا سولدی سب سے چھوٹا سکہ ہے۔ جو میں نے دیکھا نہیں اور غالباً ابھی بنا نہیں۔ تاہم دو ہیلر کا ایک کراؤزر ہوتا ہے۔ اور وہ ہندوستان کی ایک مسی پائی کے برابر ہے۔ اور وہ کراؤزر آدھی کے برابر۔ سو کراؤزر کا ایک فلارن چاندی کا حجم میں روپیہ کے برابر ہے۔ لیکن قیمت میں سوا روپے کے مساوی ہے اس کا نصف چاندی کا کراؤن

یا کرونا ہوتا ہے۔ پھر نکل (جرمن سلور) کے ۲۰ ہیلر اور ۱۰ ہیلر کے سکے چونی اور اُس سے ذرا بڑے ہیں۔ اٹلی میں فرانک اور سنیٹم جاری ہیں۔ ایک فرانک میں جو ہندوستان کے دس آنہ کے برابر ہے۔ سنیٹم میں جو پائی کے برابر ہوتے ہیں۔ ہندوستان کو پیچھے برابر سی ۵ سنیٹم ہے۔ اور عشرو کے برابر ۱۰ سنیٹم۔ ۲۰ سنیٹم نکل چاندی کا چونی سے بڑا۔ فرانک کو لیرہ بھی کہتے ہیں۔ زیادہ چلن نوٹوں کا ہے۔ جو ۵ و ۱۰ لیرہ کے ہوتے ہیں۔ اور جو نقدی کے مقابلے میں پونڈ (پندرہ روپے) کے بجائے ۲۵ کے ½ ۲۴ ملتے ہیں۔ اٹلی سے باہر یکسی کام کے نہیں۔ اٹلی کے اندر بھی انہیں لوگ لینے میں تامل کرتے ہیں۔ انگریزی طلائی ساورن جو ہندوستان میں اب چلتا ہے۔ یورپ بھر میں بلا تامل پوری قیمت پر منظور کیا جاتا ہے۔ ٹریسٹ سے وینس جاتے ہوئے وینس میں اور وینس سے ٹریسٹ جاتے ہوئے ٹریسٹ میں جہاز پر کسٹم ہوس (محکمہ چونگی) کی طرف سے مسافروں کا اسباب کھول کر دیکھا گیا۔ اور جس بکس میں کوئی چیز قابل محصول تھی۔ اُس پر ایک ٹکٹ چپکا دیا گیا۔ یورپ کے سفر میں کسٹم سے اچھی خاصی تکلیف ہوتی ہے اور ذرہ ذرہ چیزوں پر چونگی لی جاتی ہے ؛

ایک شاہی محل

۲۰ جون کو ٹریسٹ پہنچ کر وہاں کے قابل دید مقامات دیکھے۔ جن میں سے "میرا مار" قابل ذکر ہے میکسیلین شہنشاہ میکسیکو نے ٹریسٹ سے دو تین میل باہر سمندر کے کنارے پر بڑے شوق سے تیار کیا تھا۔ مگر بادشاہ جوانی میں ہی باغیان میکسیکو کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور اُس کی بیگم شاہ بلجیم کی ہمشیرہ بجیم تب دیوانی ہو گئی۔ جو اب تک زندہ ہے۔ امپرر میکسیلین موجودہ شاہنشاہ آسٹریا (فرانسس جوزف) کا چھوٹا بھائی تھا۔ اسلئے سرکار آسٹریا کی طرف سے اس محل کی حفاظت کیجاتی ہے اس میں تمام ہمعصر بادشاہوں کی قد آدم تصاویر اور بہت سے دوسرے

تاریخی آدمیوں کی بڑی تصاویر ہیں۔ بڑے قرینہ اور شوق سے تکلف کمروں کی آرایش اور زیبایش کی گئی ہے۔ چھتوں اور دیواروں پر بہت سی تصویریں میں انگریزی کے طور پر مطلب ادا کیا گیا ہے۔ اب تک سیکسیلین کے لکھنے کے کمرہ۔ کتب خانہ۔ کمرۂ استراحت۔ ڈرائنگ روم وغیرہ میں سب سامان ویسا ہی پڑا ہے۔ جیسا کہ اسکی زندگی میں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مکان کا مالک ابھی کمرہ سے باہر گیا ہے۔ شب زفاف کا کمرہ اسی طرح آراستہ ہے۔ جیسا کہ اسوقت کیا گیا تھا۔ اور چونکہ بادشاہوں کے سجے سجائے مکان کا کم کسی کو دیکھنے کا موقع ہوتا ہے یہاں بجد آرام اور عیش کا سامان معلوم ہوتا تھا۔ مکان کے چپہ چپہ پر مجھے خیال آتا تھا کہ ایسے قصر وسیع اور سامان تکلف کے تیار کرانے والے بھی دنیا میں نہیں رہتے۔ اور یہاں سے قبل از وقت کوچ کرنے پر مجبور کئے جاتے ہیں۔ اس محل کے باغ میں ایک جگہ ایک پھولوں اور پتوں کا قالین دیکھا۔ جس میں پانچ چھ رنگوں کے پھولوں کے خط ایسی خوبی سے کھینچے گئے تھے کہ معلوم ہوتا تھا واقعی ان رنگوں کا بنا ہوا قالین ہے۔ بجائے صرف ایک مختلف الالوان پھولوں کی کیاری تھی۔ اس محل کے دکھلانے والے تین چار آدمیوں کو ٹپ دینا پڑا۔ جو ڈھائی روپیہ کے قریب تھا

ٹپ کی حقیقت

ٹپ کی تشریح ناظرین کی خاطر کر دینی مناسب معلوم ہوتی ہے۔ یوروپ میں ایک عام رسم ہے کہ جس ہوٹل یا ریسٹورنٹ یا قہوہ خانہ میں تم کچھ کھاؤ پیو۔ کھانے کی قیمت کے ساتھ ہی اس ویٹر (خدمتگار) کو۔ جو تمہیں کھانا لا کر دیتا ہے ضرور کچھ پیسے دیکر جاؤ۔ ورنہ تم ناشائستہ سمجھے جاؤ گے۔ نہیں تو دوسری مرتبہ وہ ویٹر تمہارے طلب کرنے پر بھی تمہیں کھانا دینے میں دیر لگائیگا۔ کہدیگا ہاں لاتا ہوں۔ مگر نہیں لائیگا۔ اچھا تم نے کوئی مکان بھی دیکھا۔ اس مکان کے ساتھ جو باغ تھا۔ اسکے دکھلانے کے لئے کوئی دوسرا شخص تمہارے ساتھ ہو لیا۔

اور جب تم دروازے پر پہنچے تو ایک اور شخص بھی کھڑا ہے۔ اور آپکے ساتھ ایک اور بھی تھا۔ یہ سب کچھ نہ کچھ لینے کے مستحق ہیں۔ اور ہندوستان کی طرح دو چار پیسے لیکر نہیں ٹل جاتے۔ تم ہوٹل سے رخصت ہونے لگے ہو۔ اُس کے پورٹر اور کم از کم پانچ چار دوسرے ملازموں کو کچھ نہ کچھ ٹپ دینا ضروری ہے۔ سٹیشن پر جاتے ہو۔ اور ایک شخص تمہارے ساتھ اجنبی دیکھ کر ہو لیا۔ وہ تمہیں گاڑی بتلاتا ہے یا تمہارا اسباب تلوا دیتا ہے وہ بھی ٹپ مانگتا ہے۔ اور یہ رسم ایسی عام ہے کہ بیڈیکر کی جرمنی اور آسٹریا کی گائیڈ بکوں تک میں لکھا ہے۔ کہ مسافر کو ایک شلنگ روزانہ ٹپ کا خرچ سمجھ لینا چاہئے جسکے مستحق ہوٹلوں کے خدمتگار اپنے آپ کو سمجھتے ہیں بعض انگریز مصنفوں نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں "بخشیش" مانگنے کی بہت بُری رسم ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں یورپ میں "ٹپ" کا ایسا بُرا دستور ہے کہ جو بھلے مانسوں کو دق کر دیتا ہے۔ بلکہ بڑا کمینہ اور وحشیانہ دستور ہے۔ اور یہ نہیں کہ اجنبی ہی اس کا شکار ہوتے ہیں۔ بلکہ وہاں کے رہنے والے لوگ بھی کم و بیش دیتے ہیں۔ یورپ میں بہت لوگ اپنے گھروں میں کھانا پکاتے اور کھاتے ہیں۔ اسلئے ریستورانوں اور ہوٹلوں میں بڑی رونق رہتی ہے۔ میرے خیال میں سوائے خاص لوگوں کے یہاں کے عام لوگوں کی زندگی اپنے لئے صرف روٹی اور کپڑا بہم پہنچانے رہنے میں صرف ہو جاتی ہے۔ اگر دو دن بھی بیکار ہوتے تو گذارہ نہیں ہوتا ۔

دوکانوں کی طرز ٹریسٹ میں علاوہ بڑے بڑے عالیشان مکانوں کے جس دوسری چیز نے مجھے متوجہ کیا وہ دوکانوں کے دروازے تھے۔ اور دوکانوں کے دروازے تمام یورپ میں کم و بیش یکساں ہوتے ہیں دوکان کی پیشانی پر دو تین فیٹ جگہ اندر جانے کے لئے چھوڑ کر باقی

جگہ بڑے بڑے شیشوں سے بند کر دی جاتی ہے جنکے پیچھے دکان کا مال دکھلاوے کے لئے رکھا جاتا ہے۔ اور اس طرح بازار میں گذرنے والے لوگ بھی باہر سے ہی دوکان کا مال دیکھ سکتے ہیں۔

موٹے تازے جانور اور چارہ کی کثرت

یہاں ایک اور چیز بھی نرالی معلوم ہوئی۔ مزدوروں کی بارکش گاڑیوں اور سواری کی گاڑیوں میں بھی یہاں موٹے تازے بڑے بڑے گھوڑے جتے ہوئے نظر آتے۔ مگر یہ بہت سست تھے اور ان کے ہاتھ پاؤں بھدے سے تھے اسلئے چلانے سے چلتے تھے۔ غالباً گھوڑوں کی یہ قسم یہاں چھکڑوں کے لئے مخصوص ہوگی۔ بیل بھی یہاں موٹے تازے دیکھ کر مجھے تعجب ہوا۔ کہ اسکے بعد میں نے یوروپ بھر میں لاغر گھوڑا اور دبلا بیل نہیں دیکھا وجہ اسکی میری سمجھ میں سوائے اسکے کوئی نہیں آئی کہ یہاں چارہ بہت ہوتا ہے۔ اور چارہ خشک کر کے جمع رکھنے کی رسم عام ہے۔ اسلئے چارہ کی کمی کبھی نہیں ہوتی۔ سواری کی گاڑی صرف وکٹوریا فٹن تھی۔ جس کا کرایہ شہر کے اندر پہلے گھنٹے کا ایک فلورن (۱شہ) اور دوسرے گھنٹے کا ۸ کراؤزر (۶عہ) تھا۔ بوجھ لادنے کی گاڑیاں ایک گز چوڑی اور سات آٹھ گز لمبی ہونگی۔ پہیوں کے اوپر صرف دو لمبے بانس لگا کر انہیں تختوں سے بھر دیا گیا تھا۔ البتہ پہیے ایسے طور سے لگے ہوئے تھے کہ گھومانے وقت دو پہلے اور دو پچھلے الگ الگ گھوم جاتے تھے۔ کھانا ومنیس کی طرح یہاں بھی ایک یہودی کے رسٹاورنٹ سے کھایا۔ جو بہت احتیاط سے ذبیحہ پکاتے ہیں۔ اور ذبیحہ کو "کوشر" یا "کوشر" کہتے ہیں۔ یہ شیخ انعام اللہ صاحب بٹالا کی مہربانی تھی کہ جنہوں نے مجھے یہودی رسٹارنٹوں کی راہ بتائی۔ یورپ کے ہر بڑے شہر میں یہودی موجود ہیں۔ اور سب جگہ ان کے کھانے کے مکان علیحدہ ہیں۔ شام کو بڑے چوک میں جہاں

قہوہ خانے

پبلک بیٹھا جاتی بھی جگہ ہے۔ ایک قہوہ خانہ میں آئس کافی "(یعنی برفانی قہوہ)
پیا۔ یہ عجیب قسم کا قہوہ آسٹریا جرمنی اٹلی اور فرانس میں پایا جاتا ہے۔
شیشے یا چینی کے پیالے میں نیچے شیریں قہوہ ہوتا ہے اور اسکے اوپر دودھ
کی جھاگ بناکر اسی طرح رکھی جاتی ہے جو پیالی سے اونچی ابھری ہوئی ہوتی
ہے۔ اور قہوہ ٹھنڈا ہوتا ہے۔ قہوہ خانوں میں زن و مرد کا ہجوم بے اندازہ
تھا۔ لوگ مکان کے اندر اور باہر میدان میں یکساں کثرت سے لکڑی کی
نہایت مختصر سفری کرسیوں پر بیٹھ جاتے۔ سامنے ایک مختصر سی میز
ہوتی جسکے گرد دو یا چار کرسیاں ہوتیں۔ اور قہوہ یا چائے یا مٹھائی جو
چیز مانگو فوراً ویٹر حاضر کر دیتا۔ ساتھ ہی بلا مانگنے کے کوئی نہ کوئی اخبار بھی
لا رکھتا کیونکہ یہ بات مانی ہوئی ہے کہ وہاں ہر شخص خواندہ ہے۔ اور شوقیہ
اخبار پڑھنا چاہتا ہے۔ کئی لوگ صرف مختلف اخبار دیکھنے کے لئے "کافی"
میں کہ جس نام سے یہاں قہوہ خانے مشہور ہیں آتے ہیں۔

ویانا کو روانگی

۲۰ جون کو میں ٹریسٹ سے ویانا کو رخصت ہوا۔ ریل کا
ٹکٹ ہیمبرگ تک میں نے اپنے مہربان دوست اقبال
کے ہردلعزیز پروفیسر آرنولڈ صاحب کی ہدایت کے مطابق بمبئی سے ہی
ٹامس کک اینڈ سن کے دفتر سے خرید لیا تھا۔ اسلئے ٹکٹ لینے میں
تکلیف نہ ہوئی۔ اسکے علاوہ پروفیسر آرنولڈ صاحب نے سفر یورپ کے
متعلق مجھے چند اور ہدایات بھی کی تھیں جن سے میں نے بہت سا فائدہ
اٹھایا۔ اسٹیشن پر اسباب کے تلوانے میں دقت ہوئی۔ حالانکہ ہوٹل
کا ایک ملازم ساتھ تھا۔ ایک میرا اور ایک میرے دوست کا کپڑوں کا
ٹرنک تلوایا گیا۔ اور ایک ایک چھوٹا ٹرنک ریل میں ساتھ رکھ لیا۔ بارہ
تیرہ گھنٹے کے سفر کے لئے اتنے اسباب کا کرایہ جو من سوا من سے زیادہ
نہ ہوگا۔ بارہ تیرہ روپے دینا پڑا۔ یورپ میں ریل کا کرایہ بہت گراں ہے

اور ہندوستان کی ریلوں کی طرح گاڑیوں میں بوجھ رکھنے کی جگہ بھی نہیں ہوتی۔ اٹلی اور سوٹزرلینڈ کی گاڑیوں میں تو ۳۰-۴۰ سیر کے ہینڈ بیگ سے زیادہ نہیں لیجا سکتے۔ البتہ آسٹریا کی سیکنڈ کلاس کی گاڑیوں کے گدیلے ایسے اعلےٰ ہیں کہ ہندوستان میں فسٹ کلاس میں بھی نہیں ملتے۔ لیکن اس میں بیٹھنے کی جگہیں الگ الگ نشان کی ہوئی ہیں۔ اگر سونا چاہو تو اسکے لئے علٰحدہ گاڑی مقرر ہے جسکا کرایہ زیادہ ہے۔ اُس میں چلے جاؤ۔ مجھے ہوٹل کے ملازم نے یہی کہا کہ اگر گارڈ کو کچھ ٹپ دیدو گے تو تمھارے کمرہ کو مقفل کر دیگا۔ اور کوئی دوسرا مسافر اندر نہ جا سکیگا۔ پھر تم بے کھٹکے سو رہنا۔ مگر میں نے اس نصیحت سے فائدہ نہیں اُٹھایا۔ ان گاڑیوں میں صرف ایک طرف کے دروازے اندر باہر جانے کے لئے کھلتے ہیں۔ اسی طرف ایک برآمدہ بھی بنا ہوا ہے۔ پلیٹ فارم گاڑی کے پہیوں کی سطح پر ہوتا ہے۔ اسلئے سیڑھیوں سے گاڑی پر سوار ہو سکتے ہیں ۰

سرسبزی اور چارہ ۰

ٹریسٹ سے ویانا کو جاتے ہوئے صبح کو ۴ بجے سے دن کی روشنی نمودار ہوئی۔ ملک نہایت سرسبز اور شاداب تھا۔ پہاڑوں کا ایک چپہ بھی سبزی سے خالی نہ تھا۔ گھاس کے دریا امنڈ رہے تھے لوگ الگ کھیتوں میں گھاس بھی بوتے ہیں اور اسکو کاٹ کر خشک کر کے جمع کر رکھتے ہیں۔ میں نے جا بجا اسکے ڈھیر دیکھے۔ ہندوستان کے زمینداروں کا مدار صرف مویشیوں پر ہے افسوس ہے کہ ابھی تک یہ لوگ گھاس کے ذخیرے رکھنے کے فوائد کے قائل نہیں ہوئے۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں بوجہ خشک سالی کے اس قدر مویشی ہندوستان میں مرے کہ بعض علاقوں میں تو دسواں حصہ جانور زندہ نہیں رہے۔ حالانکہ اگر سال گذشتہ کی گھاس کا ذخیرہ ہوتا۔ تو اس سے کم تکلیف ہوتی۔ گاؤں اس ملک میں بڑے بڑے نہیں ہوتے۔ بلکہ جہاں

پہاڑی کے دامن یا کسی وادی میں تھوڑی جگہ کھیتوں اور گھروں کیلئے نکلتی ہو وہیں پانچ چار دس بیس دہقانوں نے مکان بنا لئے عورتیں عموماً مردوں کو کھیتی باڑی کے کام میں مدد دیتی ہیں۔ لیکن اسپر بھی انکے کپڑے اُجلے ہوتے ہیں۔ زن و مرد کام کرنے سے پہلے ایک رنگین کپڑا اپنے سامنے باندھ لیتے ہیں۔ اِسلئے دوسرے کپڑے کم میلے ہوتے ہیں۔ اِس ملک میں عورتیں اکثر مردانے کام کرتی ہیں۔ ریلوے سٹیشن پہ ٹکٹ دیتی اور کلرکی کرتی ہیں۔ دوکان کرتی ہیں۔ ہوٹلوں۔ قہوہ خانوں اور دفتروں

ہوٹل کی خدمتگار عورتیں

میں ملازم ہیں۔ غرض جہاں بن پڑتا ہے مردوں کی برابر روٹی کماتی ہیں۔ جن جن ہوٹلوں میں میں مقیم ہوا ہوں سب میں کئی کئی عورتیں بطور خدمتگار کے نوکر تھیں۔ خدمتگار عورتوں کی علامت یہ ہوتی ہے کہ اُن کے سروں پہ چھوٹی سی سفید ٹوپی اور سامنے ایک سفید ایپرن (ستہ بند) بندھا ہوتا ہے جب مسافر کمرہ سے باہر جاتا ہے تو یہی مکان کو صاف کرتی ہیں۔ ہر ایک میز کرسی کو پونچھتی ہیں۔ بستر کو جھاڑتی اور بچھاتی ہیں۔ تمام چیزوں کو قرینے سے لگاتی ہیں۔ ہاتھ منہ دھونے کا میلا پانی پھینک کر صاف پانی لا رکھتی ہیں اور پاخانہ بھی صاف کرتی ہیں پاخانے عموماً اِن ملکوں میں ایسے طور پر بنے ہوئے ہیں کہ قضائے حاجت کے بعد ایک رسّی کھینچنے سے بہت سا پانی زور سے پاخانہ کے برتن میں آپڑتا ہے اور اسکو صاف کرجاتا ہے پاخانہ کا برتن پہلے ہی چینی کا ہوتا ہے۔ اِسلئے خوب صفائی رہتی ہے۔ بستر ہوٹلوں میں نہایت پُر تکلف ملتا ہے۔ جیسا اچھا ہوٹل ہو ویسا ہی سامان اچھا ہوتا ہے۔ تاہم بستر جیسا گدگدا بنانے میں یہاں توجہ کی جاتی ہے اور جگہ نہیں ہندوستان میں لوگوں کو معلوم ہی نہیں۔ دو دو بالشت اونچے سونے کے گدیلے تو معمولی بات ہے تکیے اور توشک پروں سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں نرالی

ان جانوروں کے پر ہندوستان سے یورپ کو آتے ہیں لیکن کوئی ہندوستانی پروں کے تکیوں اور توشکوں کی قدر نہیں جانتا۔ ہوٹلوں میں چادریں۔ تکیوں کے غلاف۔ تولئے ہر روز بدلے جاتے ہیں۔ ہر کھانے پر نیا دھویا ہوا تولیا ملنے کی رسم بہت عمدہ ہے۔ مگر کھانے مجھے یہاں کے ایک آنکھ نہیں بھاتے۔ صرف بوجہ مجبوری پیٹ بھر لیتا تھا۔ یورپ اور ہندوستان کے کھانا پکانے کے طرز میں بعد المشرقین ہے میں نے جو کچھ یورپ میں کھانا پکانے کا مطلب سمجھا صرف ہر چیز کا ابال لینا ہے۔ مگر یہ شناسہ ہے کہ ہر کھانے کو صحت کے لحاظ سے عمدہ بنانا مدنظر رکھا جاتا ہے۔ ٹریسٹ سے ایک شخص میرے ساتھ سوار ہوا۔ گو یہ آسٹرین تھا مگر بوجہ مصر میں رہ چکنے کے عربی بول سکتا تھا۔ اسلئے اس سے باتیں ہوتی رہیں۔ اور بھی اس سفر میں مختلف ممالک یورپ میں مجھے اہل یورپ ملے ہیں جو عربی اور ترکی زبانیں تھوڑی بہت بول سکتے تھے کہ جنکے ایسے مقامات میں سننے سے ایک مسلمان کو ضرور تسلی اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

ویانا پایۂ تخت آسٹریا

بازگو از نجد و از یاران نجد
تا در و دیوار را آری بوجد

۱۱ جون کو دو پہر سے پہلے ویانا کے سٹیشن پر پہنچا۔ سٹیشنوں پر شہر کے ہوٹلوں کے ملازم گاڑیوں کے پہنچنے کے وقت اس غرض سے حاضر رہتے ہیں کہ مسافروں کو ترغیب دے کر اپنے اپنے ہوٹلوں کو لیوا لیجائیں سٹیشن سے باہر ہوٹل کی گاڑی بھی موجود ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم مع اسباب کے ہوٹل مٹروپول کی گاڑی میں سوار ہو کر ہوٹل میں پہنچے یہ ہوٹل شہر کے نہایت بارونق اور خوشنما حصہ میں واقع ہے۔ ہمارے کمرے کی کھڑکی سے جو چوتھی منزل پر واقع تھا دریائے ڈنیوب قریب ہی نظر آتا تھا جو شہر ویانا میں سے ہو کر گذرتا ہے۔

اول درجہ کے ہوٹلوں کی سکونت

لاہور سے چلتے وقت مجھے ایک دوست نے مشورہ دیا تھا کہ یوروپ میں جا کر ہمیشہ اول درجے کے ہوٹل میں ٹھیرنا چاہئے کہ جہاں مسافر کے مال و جان کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اور اگر خرچ میں کفایت مدنظر ہو تو اسی ہوٹل کی کسی اوپر کی منزل میں کمرہ لینا چاہئے۔ کیونکہ اوپر کی منزلوں میں کرایہ نسبتاً ارزاں ہوتا ہے۔ اور جب میں نے دیکھا کہ سب اول درجہ کے ہوٹلوں میں لفٹ لگے ہوئے ہیں۔ اس لئے مسافر کو سیڑھیوں پر چڑھنے میں مطلق زحمت نہیں ہوتی۔ تو میں ہر جگہ اس مشورہ پر کاربند ہوتا رہا۔ لفٹ نہ صرف ہوٹلوں میں بلکہ عالی شان

لفٹ

پرائیویٹ مکانوں اکثر تجارتی کارخانوں فیکٹریوں اور دفتروں میں بھی لگے ہوئے ہیں کہ جو آبی یا دُخانی طاقت سے چلتے ہیں۔ اور ان میں بیٹھ کر آدمی اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر بلا تکلف پہنچ جاتے ہیں۔ ہوٹلوں کے لفٹ پر ایک ملازم متعین رہتا ہے۔ اور جو لوگ اوپر جانا چاہیں انھیں اس میں داخل کرکے ایک رسی کو آہستہ سے کھینچتا ہے جس سے لفٹ خود بخود اوپر چڑھنے لگتا ہے۔ اور جس جس منزل تک وہ شخص جانا چاہیں وہاں پہنچکر انہیں اُتار دیتا ہے۔ اور اُتارنے سے پہلے عموماً بڑے ادب سے سلام کرتا ہے۔ اگر تم نیچے اُترنا چاہو اور لفٹ نیچے گیا ہؤا ہو تو لفٹ کے مقام پر آکر ایک بٹن کو دبا دو۔ لفٹ والے آدمی کو فوراً معلوم ہوجائیگا کہ کس منزل پر بٹن دبایا گیا ہے۔ اور وہ فوراً وہاں لفٹ لے کر آجائیگا۔ اور تم اس میں داخل ہو جاؤ گے تو تمہیں طرفۃ العین میں نیچے لیجائیگا مگر میں نیچے اُترنے کے لئے سوائے جلدی کی ضرورت کے لفٹ والے کو نہیں بلایا کرتا تھا۔ بلکہ سیڑھیوں کے راستہ سے اُتر جایا کرتا تھا۔

چونکہ میرے سفر کی غرض صرف معلومات حاصل کرنا تھی میں نے ہر جگہ پہنچکر زیادہ سے زیادہ وقت ہر قسم کی معلومات کے حاصل کرنے میں صرف کیا کہ جنہیں میں نے اپنے اور اپنے اہل ملک کے حق میں مفید سمجھا۔ گائیڈ کے ساتھ بھی اور تنہا گائیڈ بک لے کر میں ہر طرف گھوما کرتا تھا۔ ودتین آدمیوں سے ملاقات پیدا کی جو ہندوستان کو آسٹریلیا کا مال بھیجنے والے ایجنٹ تھے۔ اور ان کے ساتھ جاکر بھی بعض کارخانے اور گودامیں دیکھیں۔ یہاں کے ٹکنیکل سکول۔ عجائب گاہ فنون وحرفت اور دیگر مقامات کی سیر کی۔ تا کہ یہاں کی زندگی کے اکثر حالات معلوم ہوجائیں یہ ظاہر ہے کہ اتنے تھوڑے عرصہ میں کوئی شخص کسی مقام اور قوم کی حقیقت تو کیا معلوم کر سکتا ہے۔ تاہم میں نے تھوڑے وقت میں ظاہری حالات

جو معلوم کئے ہیں۔ اُن میں سے ضروری ضروری لکھتا ہوں۔

تجارتی کارخانے

آجکل ہندوستان میں جرمنی کی طرح آسٹریا کا بھی بہت سا مال تجارت کھپتا ہے۔ مثلاً چھاپنے کا کاغذ۔ ترکی ٹوپیاں۔ شکر۔ اور اور بہت سی بساطی کی چیزیں آسٹریا کی ساختہ ہوتی ہیں۔ ان چیزوں کے کارخانے شہر کے قریب بہت کم ہیں۔ اکثر کارخانے مضافات میں ہیں۔ شہر میں صرف اُن کے دفاتر ہیں۔ ان کی تجارت ہر سال ترقی کر رہی ہے۔ بعض کارخانے اجنبیوں کو دکھلانے میں تامل کیا جاتا ہے لیکن پھر بھی بعض خلیق لوگ سفارشی چٹھیاں ہو دیتے ہیں اور خود بھی ساتھ ہو لیتے ہیں۔

عالیشان مکانات

مکانات ویانا کے نہایت رفیع اور عظیم الشان ہیں۔ اکثر مکانات پر شبہ ہوتا ہے کہ یہی شہنشاہ آسٹریا کا قصر ہوگا۔ یا کوئی پبلک عمارت۔ لیکن وہ کسی پرائیویٹ شخص کا مکان۔ یا تاجر کی دوکان نکل آتی ہے۔ پانچ چھ منزلہ عمارتیں عام ہیں۔ پتھر سنگ مرمر اور شیشہ تعمیر میں بہت صرف کیا گیا ہے۔ قابل دید پبلک مکانات میں جو میں نے دیکھے بڑا عجائب گاہ عجائب گاہ آرٹس وانڈسٹریز۔ ٹاؤن ہال۔ ہوس آف پارلیمنٹ۔ پکچر گیلری شہنشاہ آسٹریا کا تھیٹر اور یونیورسٹی ہیں۔

ویانا کا عجائب خانہ

عجائب گاہ کا مکان سہ منزلہ ہے جس میں بڑے بڑے چالیس کمرے ہیں۔ اسکے اور اسکے سامنے کی پکچر گیلری (مرقع خانہ) کی تعمیر پر پارہ بارہ ملین فلورن (یعنی ڈیڑھ ڈیڑھ کروڑ ہندوستانی روپیہ) صرف ہوا تھا۔ یوں تو عجائب گاہ کے اندر ایک مکمل مجموعہ قدرتی اور مصنوعی اشیا کا جمع ہے۔ لیکن اس کی تمام دیواروں پر ہر ملک کی طرز معاشرت اور تاریخ کے نظاروں کی تصویریں کاریگر مصوروں نے کھینچ دی ہیں۔ اور جا بجا نامور آدمیوں کے بُت بھی رکھے ہوئے ہیں۔ اتنے وسیع مجموعے اشیا کے کلکتہ کے عجائب گھر میں نہیں ہیں۔ پتھروں میں ایک شہاب

اثنا قبل (۵۰۰۰) پونڈ وزنی غیر مقرر شکل کا موجود تھا - جو ۱۸۶۰ء میں آسٹریا میں گرا تھا اور ظاہرا فولاد معلوم ہوتا تھا - لکڑی کے کئی متحجر ٹکڑے دیکھے جو شکل میں بالکل چوب معلوم ہوتے تھے - چھال اور تار بار بار نظر آتے تھے مگر اب پتھر بنے ہوئے تھے - تین تین چار چار ہزار سالوں کے مردوں کی ہڈیاں دیکھیں - اُسی زمانہ کے زنگ آلود آہنی زیور ہاتھوں اور پاؤں کے ساتھ پڑے تھے - ایک جگہ ہندوستان کی دیہاتی زندگی کا نقشہ چند کاشتکاروں کے بت بنا کر دکھلایا گیا تھا -

ہندوستانیوں کی نسبت معلومات

یہ بنگال کے مزارع تھے - جو سیاہ فام اور بالکل برہنہ تن تھے اور اُن کے پاس ایک چھپر کا جھونپڑا بنا ہوا تھا - اگر ان کو دیکھ کر یہاں کے لوگ سب ہندوستانیوں کو ایسا ہی سمجھ لیں تو ان کا کچھ تصور نہیں - چنانچہ عجائب گھر سے فارغ ہو کر جب میں آسٹریا کی پارلیمنٹ ہوس کو دیکھنے گیا تو وہاں نے میرے گائیڈ سے پوچھا کہ میں ان کپڑوں کو جو میں اس وقت پہنے ہوئے تھا وطن میں جا کر کیا کروں گا - کیونکر وہ سمجھتا تھا کہ ہندوستان میں پہنچ کر میں سب کپڑے اتار دوں گا - اور جب مکان کو اندر سے دیکھتے ہوئے میں اپنی پاکٹ بک میں نوٹ لیتا جاتا تھا تو اُسے یہ معلوم کر کے تعجب ہوا کہ ہندوستانی لکھنا پڑھنا بھی جانتے ہیں - اور میری تحریر کو غور سے دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ تو خاصی سٹینو گرافی (شارٹ ہینڈ کی تحریر) ہے -

آسٹریا کی پارلیمنٹ

اس مکان میں بعض ستون دس دس گز لمبے سنگ مرمر کے ٹکڑوں کے تھے - لیکن بحیثیت مجموعی مکان اتنا عظیم الشان نہ تھا جتنے کہ اس شہر کے دوسرے مکانات کے لحاظ سے پارلیمنٹ کو ہونا چاہیے - ہرن ہوس (ہاؤس آف لارڈس) اور پارلیمنٹ ہوس کی نشستیں الگ الگ ہیں - شہنشاہ کے بیٹھنے کی دونوں میں علیحدہ ایک ایک جگہ ہے - اور جب اُسکا جی چاہے آ کر شریک ہو سکتا ہے

گائیڈ نے بتلایا کہ ابھی چند روز کی بات ہے ممبران پارلیمنٹ میں خوب جوتی پیزار چلی تھی۔ وجہ یہ ہے کہ آسٹریا ایک سلطنت ہے جو کئی ایسی مختلف قوموں کا پولیٹیکل مجموعہ ہے کہ جنکی زبانیں رسم و رواج اور قومیت جدا جدا ہے۔

ٹپ کا سکال کہاں تک

ہر مکان کے دیکھنے کے لئے دربانوں کو کچھ نہ کچھ ٹپ دینا پڑتا ہے۔ اور عموماً عجائب گاہوں کے دیکھنے کے لئے بھی قریب قریب یورپ کے ہر ملک میں کچھ نہ کچھ فیس داخلہ دینی پڑتی ہے۔ چونکہ ویانا کا عجائب گاہ میں نے اتوار کو دیکھا تھا اسلئے کچھ فیس داخلہ نہیں دی تھی۔ تاہم عجائب گاہ کے دروازہ پر چھاتا رکھنے والے شخص کو بیس کروائزر (چونی) دینی پڑی۔ شاید دونی بھی کافی تھی۔ گائیڈ ہر جگہ بتلا دیتا تھا کہ یہاں اتنا ٹپ دینا چاہئے۔ ویانا میں تو یہ اندھیر ہے کہ ٹرموے کے کنڈکٹروں کو بھی جو ٹکٹ دیتے ہیں ٹکٹ سے نصف دام بطور انعام کے دینا چاہئے۔ وجہ اس کی مجھے یہ بتلائی گئی کہ ان کی تنخواہ صرف دو پونڈ ماہوار ہوتی ہے۔ اور اسی ٹپ کے بھروسے پر یہ اس ملازمت کو اختیار کرتے ہیں۔ لیکن اگر تم نے کنڈکٹر کو کچھ نہیں دیا تو وہ تمہیں منہ سے تو کچھ نہیں کہے گا مگر ساتھ کے لوگوں کی نظروں میں تم حقیر معلوم ہونے لگو گے۔ یہاں ٹریوے کی گاڑی میں دو کمرے بنا دیئے گئے ہیں جنکے گرد بڑے بڑے شیشے لگے ہوتے ہیں۔ اگر پہلے کمرہ میں جگہ نہ ملے تو لوگ دروازہ کھول کر دوسرے کمرے میں جا بیٹھتے ہیں۔ لیکن جو شخص اندر جاتا ہے ممکن نہیں کہ دروازہ احتیاط سے بند کر کے نہ بیٹھے۔ ورنہ ایسی سرد ہوا کا جھونکا اندر آئے گا کہ سب مسافر گھبرا اٹھینگے۔

عجائب خانوں کی اصلاح

ہندوستانی مسافر کو ممالک یورپ میں یہ بات دلچسپ معلوم ہوگی کہ وہاں کے دارالسلطنتوں میں

سجا ہے ایک عجائب گاہ کے لئی لئی عجائب گاہ ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک تو عام عجائب خانہ ہوتا ہے۔ اور باقی علوم وفنون کی خاص خاص شاخوں اور انسانی زندگی کی مختلف ضرورتوں سے مختص ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک عجائب خانہ میں صرف ملک کی اشیا سے صنعت وحرفت کے نمونے ہیں۔ دوسرے میں علم جراحی کی امداد کے سامان۔ ایک اور میں صرف سامان حرب کے عجائبات۔ یہاں تک کہ برلن میں ایک عجائب خانہ صرف ڈاکخانہ کی عجائبات سے بھرا ہوا ہے۔ اس میں دُنیا کے ہر ملک کے ہر زمانہ کا ڈاک کا ٹکٹ ہے۔ ہر قوم اور ملک کے ہر زمانہ کی چٹھی رسانوں کی وردیاں ڈاک گاڑیوں کے نقشے اور نمونے۔ تاربرقی ٹیلیفون اور فوٹوگراف کے نمونے اور دُنیا کے ڈاکخانوں کے طرح طرح کے عجائبات جمع کئے گئے ہیں۔ غرض کوئی دراصل کوئی حفظان صحت کا کوئی انڈسٹریل عجائب گاہ ہے۔ ویانا کے میوزیم آف آرٹ و انڈسٹری میں شیشہ کی دستکاری کے مکمل نمونے موجود ہیں۔ چینی کا ہر قسم کا کام بھی پڑا ہے۔ اور ہر قسم کا مال جو آسٹریا دیگر ممالک کو اکسپورٹ کرتا ہے اسکے نمونے رکھے ہوئے تھے۔ علاوہ اسکے دُنیا کے مختلف ممالک کی ان اشیا کے نمونے بھی جمع کئے گئے تھے جو آسٹریا کے کاریگر ابھی نہیں بناتے مگر انہیں چاہئے کہ اس مذاق اور اس طرح وضع کا سامان بنائیں اور ان ملکوں کو بھیجیں۔ مثلاً اس عجائب گاہ کا ایک کمرہ بتمامہ مراکش کے سامان زندگی سے سجایا گیا تھا۔ اس میں تمام اُسی ملک کا فرنیچر تھا۔ قرآن شریف رحل پر پڑا ہوا۔ قہوہ پینے کا سامان۔ جوتے قالین فرش سب مراکش کی وضع کے تھے۔ ایسے عجائب خانوں سے ملک کے دستکار وںکو بڑی مدد ملتی ہے

شاہی تھیٹر

کھیل تماشوں میں ویانا کی زندگی پیرس کے ہم پلہ معلوم ہوتی ہے۔ ویانا کا اوپیرا ہاؤس ایسی عالی شان عمارت ہے

بر عکس شاہی دنیا میں نہیں۔ اور یہ شہنشاہ آسٹریا کی ذاتی ملکیت ہے۔ لیکن ایک تھیٹر جو اندر سے تمام لوہے کا بنا ہوا ہے اسپر ۱۲ ملین فلورن خرچ ہوئے تھے تاکہ اندر آتشزدگی کا اندیشہ نہ رہے۔ کیونکہ ۱۸۸۱ء میں ایک تھیٹر ویانا میں آٹھ سو آدمیوں سمیت جل گیا تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا شہنشاہ کو کچھ اس سے نفع بھی ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ بلکہ سال کے اخیر پر کچھ نہ کچھ گرہ سے دے کر خسارہ پورا کرنا پڑتا ہے۔ لوگ تماشا دیکھنے کے لئے ٹکٹ کی قیمت دیتے ہیں۔ کبھی کبھی شہنشاہ آسٹریا بھی مع شاہی مہمانوں اور شاہی خاندان کے مکان کے آکر تماشا دیکھتا ہے۔ چھتوں اور دیواروں پر مشہور ڈرامے کے متعلق جس قدر تصاویر یورپ کے اُستادانِ فن نے بنائی ہیں اُن کی نقلیں اور فن ڈراما نے ہر زمانہ میں جو ترقی کی منزلیں طے کی ہیں اُن کی خیالی تصویریں کھچی ہیں سب سے داخلہ کے دروازہ میں دانش اور خوبصورتی کے دو سنگین بت رکھے ہوئے ہیں۔ اجنبی یورپ میں آکر جس چیز کی نہایت کثرت دیکھتا ہے وہ بت اور تصویریں ہیں۔ کہ جن کی بڑی قدر کی جاتی ہے۔ اور جسکا زیادہ حال کسی دوسرے موقعہ پر لکھونگا۔

ویانا کے عجائبات

اہل ویانا نہایت رنگین مزاج لوگ ہیں۔ شہر کے باہر ایک وسیع پارک بنام پراٹر واقع ہے۔ تمام موسم گرما میں جب بارش نہ ہو ہر شام کو یہاں اتنا بڑا میلہ لگ جاتا ہے کہ ہندوستان میں کبھی کبھی دیکھنے میں آتا ہوگا۔ اس میں ایک جگہ شہر وینس بنا دیا گیا ہے۔ اور اسکا نام رکھا ہے "وینیڈگ ان وین" یعنی "ویانا میں وینس"۔ میں اس کے تھوڑے سے حالات بیان کرتا ہوں جس سے اندازہ ہو سکیگا کہ اہل ویانا کس قدر تفریح کے دلدادہ و شیدا ہیں۔ یہاں آٹھ دس آنہ کا ٹکٹ لے کر ہزاروں لوگ اندر جاتے ہیں۔ اندر بیسیوں قسم کے تماشے جا بجا موجود ہیں۔ ایک بہت بڑا دولابی پنگھوڑا بنایا گیا ہے۔ جیسا کہ لنڈن کی نمائش کا۔

ارلس کورٹ میں کریٹ وہیل کے نام سے بنایا گیا تھا۔ غالباً اس میں کا
اوپر کا سرا زمین سے تین سو گز بلند ہوگا اس میں نشستیں بنگلے سی بنی ہیں
جن میں لوگ بیٹھتے ہیں۔ انجن کے ذریعے سے اسکو چکر دیا جاتا ہے۔ ایک
جگہ جھیل ہے۔ ایک کشتی بہت بلند زمین سے پھسلتی ہوئی اس زور سے
آتی ہے کہ اندیشہ ہوتا ہے پانی میں جاتے ہی غرق ہوجائیگی۔ لیکن زور سے
پانی پر چکر لگا کر آگے نکل جاتی ہے اس میں بھی لوگ کچھ پیسے دیکر سوار
ہوتے ہیں۔ کوئی اطالی گیت اور ناچ دیکھ رہے ہیں۔ لیکن سب سے بڑا
تماشا ایک تھیٹر میں ہوتا ہے۔ جس میں ایک روز میں نے دیکھا کہ ایکسو
عورتیں یورپ کی ہر قوم کے سپاہیوں کی وردیاں پہنکر باری باری سے
آتی ہیں۔ اور ناچتی ہوئی گذر جاتی ہیں۔ مثلاً پہلے آٹھ دس روسی پھر جرمنی
فرانسیسی انگریزی اطالی سپاہی آئے اور گذر گئے۔ اسی طرح ہر قسم کی
ورزشیں اور کھیل تماشے یہاں ہوتے ہیں۔ کھیلوں کے

استرا کی ہولی :

درمیان دو تین مرتبہ ہر شام کو وقفہ کیا جاتا ہے۔ تو لوگ
ایک دوسری سڑک پر جاتے ہیں۔ جس کے دونوں طرف درخت ہیں۔
ان درختوں کی تمام شاخوں میں سرخ سبز اور سفید روشنی کے بجلی لیمپ لگے
ہیں۔ ایک بٹن دبانے سے سب لیمپ روشن ہوجاتے ہیں۔ اور بالکل
طلسمات کا باغ معلوم ہونے لگتا ہے۔ الف لیلہ کے الہ دین اور عجیب و غریب
چراغ کا قصہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ ہزارہا مرد اور عورتیں اس میں
ادھر ادھر چکر لگاتی ہیں۔ جا بجا چند لڑکیاں میزوں پر کچھ کاغذ کے پیکٹ
فروخت کرتی ہوتی ہیں۔ ان پر کوری آنڈولی جلی خط میں لکھا ہوا ہوتا ہے
اور ان کے اندر مختلف رنگوں کے باریک کاغذ کے اتنے بڑے گول ٹکڑے
کاٹ کر رکھے ہوئے ہوتے ہیں کہ جتنا بڑا یہ دائرہ ہے ○ اب ہر زن
و مرد اپنا پیکٹ پھاڑ کر جس طرف چاہتا ہے یہ کاغذ مٹھیاں بھر بھر کر پھینکتا ہے

مجھ نامرد خوبصورت شرارتوں پر اور عورتیں مردوں پر پھینکتی ہیں۔ پہلے واقفیت یا آشنائی کا کچھ لحاظ نہیں۔ تم جس کے منہ پر تمہارا جی چاہے کوری انڈیلی پھینکو۔ کوئی داد فریاد نہیں۔ بلکہ سب لوگ خوش ہوتے ہیں۔ بعض مرد تعاقب کر کے عورتوں کے منہ پر بار بار پھینکتے ہیں۔ اسی طرح عورتیں بھی شرارت اور شوخی میں اُن سے کم نہیں ہوتیں۔ شاید کبھی ہولی میں ہندو عورتوں نے بھی ان کے عشر عشیر بھی شوخی اور ناز نہیں دکھلائے ہونگے۔ لوگ اِدھر اُدھر جاتے ہوئے کاغذ کے پھول پھینکتے جاتے ہیں۔ اور زمین پر دو دو انگل موٹا فرش اِن کاغذوں کا ہو جاتا ہے۔ ایک دو عورتوں نے مجھ پر اور میرے ہندوستانی رفیقوں پر بھی پانچ دس پھینکے اور جب ہم نے اس پر بھی اُن کو جواب ندیا تو ایک کمبخت نے پشت کی طرف سے میرے کالر کو اٹھا کر طرفۃ العین میں اسکے نیچے ایک مٹھی پھینک دی جو میں نے مکان پر پہنچ کر نکالی۔ ایک عورت نے ایک عورت کے منہ پر پچکاری دی اور جو ادھر منہ کیا تو اس نے منہ پر کاغذ بھی جڑ دیے۔ معلوم ہوا کہ ان میں آوارہ عورتیں بھی ہوتی ہیں اور اس ذریعہ سے لوگوں سے آشنائی پیدا کرتی ہیں۔ مگر گھر بار والی عورتیں بھی ان میں شامل ہوتی ہیں۔ صاف تو یہ ہے کہ یہ ایک پرستان کا نظارہ تھا اور نعوذ باللہ انسان اِن کے آسیب سے مشکل سے بچ سکتا تھا۔ پھر تھوڑی دیر میں لوگ تماشا دیکھنے چلے جاتے ہیں۔ قہوہ خانے شہر کے ہر کوچہ۔ بازار۔ باغ اور کونے پر موجود ہیں۔ یہ میں بھی چپہ چپہ پر ہیں۔ خوبصورت عورتیں خدمتگاری پر مقرر ہوتی ہیں۔ میزیں اور کرسیاں پڑی ہیں۔ جس کا جی چاہے بیٹھے۔ اور قہوہ آئیس کریم وغیرہ پیئے۔ لیکن قیمت دگنی چوگنی دے۔ دستور ہے کہ جو قیمت مانگی جائے دینے میں کوئی تامل نہیں کرتا۔ یہ تو نہایت مختصر حال بازار کا تھا۔ آگے ایک بڑے تماشہ کا ہے۔ جہاں دریا نما میں شہر وینس کی نقل اتاری گئی ہے۔ ایک قسم کی موری تصاویر کے میوزیم۔ پینوراما۔ گول پھرنے والے گھوڑوں

کے چکر۔ اور بائسکلوں کے چکر موجود ہیں۔ اور لوگ پیسے دے کر دیکھ رہے ہیں۔

تماشوں کی بھرمار

چنانچہ ان میں سے چند تماشوں کا مختصر حال دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ پینوراما ہندوستان میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ جو یہاں پہلے پہل دیکھا اور پھر نمائش گاہ پیرس میں کئی جگہ دیکھا۔ پینوراما میں ایک سٹیج کو چاروں طرف پردوں کے ذریعے سے چھپا لیا جاتا ہے۔ اور ان پردوں پر ایسے طور سے نقاشی کی جاتی ہے اور ان پر بیرونی روشنی ڈالی جاتی ہے کہ دیکھنے والا بالکل معلوم نہیں کر سکتا کہ وہ پردوں پر رنگین تصاویر دیکھ رہا ہے یا واقعی زندہ آدمی اور حیوانات مکانات اور باغات دور تک اسے نظر آ رہے ہیں۔ کسی قدر دھوکا جو تھیٹر کے بعض پردوں پر مکانات کے اصلی ہونے کا ہوتا ہے اس سے بہت زیادہ پینوراما میں ہوتا ہے۔ غرض پینوراما کی کاریگری یہ ہے کہ اس کے پردوں کی رنگین تصاویر زندہ اور اصلی چیزیں پورے قد کی معلوم ہوتی ہیں۔ اور ان کے زندہ اور صحیح ہونے میں ذرا بھی شبہ نہیں ہوتا۔ یہ خیال ہی دل میں نہیں آ سکتا کہ کہیں پردے بھی موجود ہیں۔

موی بتوں کی ایک نمائش لاہور میں میں نے دیکھی تھی۔ لیکن یہاں ایسی کئی نمائشیں موجود تھیں۔ اور ان میں سے بعض خاصے علمی۔ اور تاریخی عجائب خانے تھے۔ علاوہ یورپ کے مشہور آدمیوں کے بتوں کے کہ جن میں پریسیڈنٹ کروگر اور جنرل جوبرٹ کے بت بھی تھے اور بعض تاریخی اور قیاسی قصوں کے بت بنائے گئے تھے ایک نمائش میں انسان کی تمام بیماریوں اور جراحی کے مختلف عملوں کو موی بتوں کے ذریعے سے دکھلایا گیا تھا کہ جن میں سے بعض کو دیکھ کر بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ واضح رہے کہ موی بتوں کو ہمیشہ قدرتی رنگ دیئے جاتے

ہولناک سزائیں

ہیں۔ لیکن اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز موی بتوں

کی وہ نمایش تھی کہ جس میں قدیم زمانہ کے یورپ کی ہولناک سزاؤں اور خصوصاً ہسپانیہ کے زمانہ "انکوئیزیشن"* کی وحشیانہ سزاؤں کو انسانی بتوں پر عمل کرتے ہوئے دکھلایا گیا۔ قدیم یورپ کی ان وحشیانہ سزاؤں کے نمونوں کے سامنے کل دنیا کی سزائیں گرد ہو جاتی ہیں۔ تعجب ہوتا تھا کہ انسان نے اپنے بنی نوع کو جسمانی اذیت پہنچانے کے فن کو بھی اس حد تک ترقی دی تھی کہ یہ خاصا ایک ہنر ہو گیا تھا۔ ناخنوں کو لوہے کی ماچل میں دبا کر خون نکالنا۔ لوہے کا خول کہ جس کے اندر کی طرف آہنی میخیں ہوتی تھیں اس میں آدمی کو بند کرنا۔ تاکہ میخوں سے چھد کر عذاب کے ساتھ اُس کی جان نکل جائے۔ ٹانگ کے گرد رسی کس کر لکڑی کے فانوس سے اُسے تنگ کیا جاتا تھا۔ پنڈلی اور ٹانگ کو خاردار شکنجوں میں دبایا جاتا جس طرح پنجاب میں سکھوں کے عہد میں کاٹھ کی ایک سزا موجود تھی کہ جو اب نہایت بے رحمی اور جہالت کی سزا معلوم ہوتی ہے۔ یورپ میں اس سے زیادہ مہیب کاٹھ رہ چکے ہیں۔

بعض مومی بتوں کے ساتھ مردانہ آلات تناسل موجود تھے۔ اور اسی طرح یورپ کے عجائب گاہوں میں پتھر اور دھات کے بعض کلاسک بتوں میں یہ آلات برابر نمایاں ہیں۔ اور ان عجائب گاہوں میں زن و مرد یکساں پھرتے ہیں۔ اور اس امر کو خلاف اخلاق نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن قاہرہ کے

* انکوئیزیشن ایک سخت خوفناک محکمہ تھا جو کہ پہلے پہل بارھویں صدی عیسوی میں بدعتیوں کو سزا دینے کے لئے رومن کیتھولک مذہب نے قائم کیا تھا۔ لیکن پندرھویں صدی عیسوی میں جب فرڈیننڈ اور ازابیلا نے مسلمانوں کی سلطنت کو ہسپانیہ سے معدوم کر کے نکال دیا۔ تو اس وقت انکوئیزیشن کو بہت ترقی دی گئی۔ اصل غرض اس سے یہ تھی کہ جو لوگ درپردہ مسلمان تھے اس محکمہ کے ذریعہ سے انہیں خوفناک سزائیں دی جائیں۔ چنانچہ ہسپانیہ میں پہلے ایک دو سال میں دو ہزار آدمیوں کو اس سے [illegible] سزا دی گئی [illegible] اور [illegible] اعضا کاٹ [illegible] کر ایسی بے رحمی سے انہیں مارا جاتا تھا کہ ان کی اس حالت کی تصویریں [illegible] دیکھ کر بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ صرف ہسپانیہ میں بیس ہزار اس محکمہ کی جاسوسی پر متعین تھے۔

عجائب گاہ جیزہ میں قدیم بتوں کا ایک کرہ ہے کہ جسے صرف اسلئے پبلک نہیں دیکھ سکتی کہ وہاں ایسے بت ہیں کہ جن کے یہ آلات نمایاں ہیں۔ غالباً یہ کارروائی گورنمنٹ مصر کی منشا سے کی گئی ہوگی۔ ورنہ یورپ کو نمائش عام میں یہ امر عیب نہیں سمجھا گیا۔

جیسے کہ ہندوستان کے میلوں میں ایک انگریزی وضع کے گرد گھومنے والے ہنڈولے دیکھے جاتے ہیں اسی خیال میں بہت کچھ ترقی کرکے پانچ سات قسم کی کھیل اختراع کی گئی ہیں۔ بعض میں گھوڑے بعض میں بائیسکل وغیرہ چڑھنے کے لیئے لگائے گئے ہیں۔ اور جب لوگ ان پر سوار ہوتے ہیں تو یہ ایسی وضع سے لگائے گئے ہیں کہ سواروں کو خاصی ورزش ہو جاتی ہے اور گھوڑے زندہ گھوڑوں کی طرح اچھلتے کودتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں ہندوستان کی خلاف یہ کھیل بچوں کی نسبت عورتوں اور مردوں کے زیادہ کام آتی ہیں۔ ایک جگہ ایک کشتی کو لوہے کی کمانیوں پر ایسے طور سے لگایا گیا تھا کہ جب لوگ اس میں سوار ہوتے تھے تو یہ اس طرح جھکولے کھاتی تھی کہ گویا متلاطم سمندر میں چل رہی ہے۔ ایک جگہ زور کا اندازہ کرنے کے لیئے ایک عجیب کھیل بنایا ہوا تھا۔ دو لوہے کے ستونوں کے مابین ایک سوراخ پر ایک آہنی پتھر پڑا ہوا تھا۔ جسکو ایک چوبی گھن سے جتنے زور کی چوٹ لگائی جاتی اتنا ہی بلند ایک تار پر چڑھ جاتا۔ جو شخص دو پیسے دیتا اسے گھن کی چوٹ لگانے کی اجازت دی جاتی۔ دو ایک شخص کھڑے ہوئے تھوڑی تھوڑی فیس لے کر لوگوں کو قسمتیں بتلا رہے تھے۔ ایک جگہ ایک غوطہ زن کنوئیں میں غوطہ مار رہا تھا اور کنوئیں کے سر پر غواصوں کو ہوا پہنچانے کے آلہ سے اسے ہوا پہنچانے کا تجربہ لوگوں کو دکھلایا جاتا تھا۔ ایک بید ست دو پا بچہ۔ چند نہایت پست قامت لڑکے لڑکیاں اور ایک نہایت طویل القامت شخص مختلف خیموں میں نمائش کے لیئے

موجود تھے کہ جن کی اصلی قدوں کی تصویریں باہر لٹک رہی تھیں۔ ایک جگہ تو ایک کشتی بلند جگہ سے پھسل کر درسے جھیل میں آگرتی تھی۔ لیکن ایک دوسری جگہ ایک ایسی گاڑی بنائی گئی تھی جو ایک ڈھلوان بلندی سے توپ کی طرح دور سے پستی کو پھسلکر آتی۔ اور وہاں سے آہنی رسوں کے ذریعہ سے سیدھے ایک اور بلندی پر چڑھ جاتی جو دو منزلہ مکان سے کم نہ ہوگی ان میں بھی کچھ پیسے دے کر لوگ بیٹھتے تھے۔ ایک گاڑیوں کی قطار ایک ایسی سڑک کے گرد گھومتی تھی جو کہیں بلند اور کہیں پست ہو جاتی تھی۔ ایک جگہ بعض بتوں کے سینوں میں بندوق کا نشانہ لگایا جاتا تھا۔ اور جو کامیابی سے نشانہ لگاتا کچھ چیز جیت لیتا تھا۔ مگر میں تو آدھی چوتھائی تماشے بھی بیان نہیں کر سکتا جو اتوار کے روز دنیا کے تفرج گاہ پر اتر میں دیکھے جاتے ہیں۔ تعجب ہوتا ہے کہ اتنے شائقین کہاں سے جمع ہو جاتے ہیں۔

عظیم الشان رقص وسرود کی محفلیں

میں اسی حیرت میں غرق تھا کہ ایک ایسے مکان کے قریب میرا گذر ہوا جہاں باجے کی تان کے ساتھ سینکڑوں عورتیں اور مرد ایک دوسرے کی کمریں باہیں ڈال کر ناچ رہے تھے۔ یہ ایک کھلے میدان میں قہوہ خانہ تھا جس میں بلا مبالغہ پانچ چھ ہزار عورتیں مرد بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ان کے سامنے میزوں پر بڑے بڑے شیشے کے گلاسوں سے بیر شراب کی جھاگ نظر آرہی تھی کہ جس کی ایک بوتل یہاں ایک آنہ کو بکتی ہے ہر چند رہ بیس منٹ کے بعد بینڈ بجنے لگتا۔ اور بیسیوں جوڑے عورتوں اور مردوں کے ناچنے میں مشغول ہو جاتے۔ جب بینڈ تھمتا تو یہ بھی ناچ بند کر کے اپنی اپنی میزوں پر بیٹھ جاتے۔ اسکے بعد معلوم ہوا کہ اسکے قریب چار پانچ اور اسی قسم کے قہوہ خانوں میں یہی سلسلہ راگ رنگ کا جاری ہے معلوم ہوا کہ یہ لوگ زیادہ تر خدمتگاری اور مزدوری پیشہ ہیں کہ چھ دن میں جو کماتے ہیں روز زن و مرد فراغت پا کر یہاں جمع ہو جاتے ہیں۔

ریفریشمنٹ کے دام

جا بجا آسمان کے شامیانہ کے نیچے کرسیوں اور میزوں کی قطاریں پڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ یہاں جو بیٹھتا ہے اسکے سامنے ایک پری پیکر عورت حسب خواہش ریفریشمنٹ حاضر کر دیتی ہے۔ مگر چونکہ یہاں ریفریشمنٹ کے دام اصل لاگت سے بہت زیادہ ہوتے ہیں اسلئے بعض ایسے قہوہ خانے کوئی بینڈ یا گویا عورتیں متعین کر لیتے ہیں۔ قریب شام میں تھک کر ایک ایسے قہوہ خانہ میں بیٹھ گیا جہاں وینس کے گنڈولے والے (کشتی بان) اطالی عورتوں سمیت اپنے مزامیر بجا کر اطالی ترانے گا رہے تھے۔ اس وقت مجھے خیال ہوا کہ ہاروت و ماروت کی آزمایش کا قصہ اگر صحیح ہے تو وہ معذور تھے۔ کس درجہ تک اہل آسٹریا اپنے آپ کو عیاشی کی طرف راغب کر رہے تھے۔ مجھے یہ بھی خیال آیا کہ اگر عورتیں اس وسیع جلسے سے خارج کر دی جائیں تو ایک مرد بھی وہاں رہنا پسند نہ کرے۔ اور یہ کہ تمام شرارت عورتوں کی بیحد بے پردگی کا نتیجہ تھی۔

ہر قسم کی سواریاں

ویانا میں ہزاروں ایک اور دو گھوڑوں کی سواری کی گاڑیاں چلتی ہیں۔ ان میں ایک ٹائم پیس کی طرح چھوٹی سی کل ٹکسا میٹر نامی لگا دی گئی ہے۔ کہ جو مسافت کا اندازہ بتلاتی جاتی ہے۔ اور جب گاڑی چھوڑو تو گاڑیبان اور سواری دونوں کو بحث اور حجت کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ انکے علاوہ گھوڑوں کی ٹریمویے۔ دخانی ٹریمویے اور برقی ٹریموے تینوں چلتی ہیں۔ ان کی آمنی بس گاڑیاں الگ چلتی ہیں۔ ٹریموے ہر جگہ پانچ منٹ بلکہ دو دو تین تین منٹ کے بعد گذرتی ہے۔ اور گاڑی ہر طرف سے بڑے بڑے شیشوں سے بند ہوتی ہے۔ تاکہ ہوا نہ آسکے۔ بوجھ کی گاڑیاں کئی طرح کی ہیں۔ لیکن ان کے گھوڑے بھی ویسے موٹے تازے ہیں۔ بازاروں میں عموماً پتھر کی سلوں کا فرش ہے۔ مگر کہیں کہیں اسفالٹ کا فرش ہے جو بہت ہموار ہے۔ بائیسکل بہت کم ہیں۔ کیونکہ پتھروں کے ٹکڑوں پر ان کی سواری کا

لطف نہیں آتا۔ موٹر کار کہیں کہیں نظر آتی ہے۔ علاوہ اس کے نہر اور دریا میں جو متوازی شہر میں سے گذرتے ہیں۔ کشتیاں اور سٹیمر بوجھ لیجاتے ہیں۔

عورتوں کے کام

عورتیں ہر قسم کے کام کرتی ہیں۔ میں نے عمارت کے مزدوروں میں عورتوں کو کام کرتے دیکھا ہے۔ اور قریباً ہر دفتر کے کلرکوں میں دو ایک چار پانچ موجود ہوتی ہیں۔ جو عموماً ٹائپ رائٹر پر چٹھیاں لکھتی ہیں اور تیس سے ساٹھ فلورن (فی فلورن ۱۴؍) تنخواہ پاتی ہیں۔ مرد کلرک چالیس سے سو ڈیڑھ سو دو سو فلورن تک ترقی کر کے پہنچ جاتے ہیں۔ بہت سی عورتیں سبزی ترکاری بیچتی اور دوسری دوکانیں کرتی ہیں۔ بلکہ ایک کارخانہ میں سب کلرک عورتیں تھیں اور اُن کی مینجر بھی ایک عورت تھی۔

سوداگروں کے محرر

مرد کلرک جو میں نے پرائیویٹ کارخانوں میں دیکھے عموماً نوعمر لڑکے تھے۔ یہ کام ایسی عمدگی سے کرتے ہیں کہ جیسا ذاتی کام ہوتا ہے۔ دوسری طرف کارخانہ کا مالک یا مینجر ان سے تحکمانہ سلوک نہیں کرتا۔ بلکہ ایسا برتاؤ کرتا ہے جو جنٹلمینوں سے کیا جاتا ہے۔ اور ان کے کام پر اعتبار کرتا ہے کہ جس کے یہ بوجہ اپنی ذہانت اور لیاقت کے حقدار معلوم ہوتے ہیں۔ ایک کارخانہ میں ہم پہنچے کہ جہاں مینجر موجود نہ تھا کلرکوں نے فوراً ٹیلیفون کے ذریعہ سے اُسے ہمارے آنے کی اطلاع دی اور جبتک وہ کارخانہ میں نہ پہنچا دو تین ہوشیار کلرکوں نے ہمیں طرح طرح کی باتوں میں لگائے رکھا۔ یہاں دستور ہے کہ ۸ سے ۱۱ بجے تک اور ۲ سے ۶ بجے تک دفتر اور کارخانے کھلے رہتے ہیں۔ اور ۱۲ سے ۲ بجے تک سب کو کھانے کے لئے چھٹی ملتی ہے۔

ویانا کے اخبارات

تھوڑا سا ویانا کے اخبارات کا حال بھی لکھنا مناسب ہے۔ یہاں بہت سے اخبارات باتصویر میگزین اور پنچ چھپتے ہیں۔ بعض باتصویر اخبارات کی تصاویر کئی رنگوں میں ہوتی ہیں۔ میں ایک اخبار کے کارخانہ

کا تھوڑا سا حال لکھتا ہوں جو میں نے دیکھا تھا۔ اس کا نام "دینیش ناک بلاٹ" (یعنی ویانا کا روزانہ کاغذ) ہے۔ اور یہ ایک لاکھ پرچہ ہر روز چھپتا ہے۔ اور صبح اور شام دو مرتبہ شائع ہوتا ہے۔ اس کارخانہ میں ایک ہزار آدمی ملازم ہیں۔ تمام کام کلوں سے ہوتا ہے۔ سکّے کے حروف بھی لینوٹائپ کلوں کے ذریعہ سے جوڑے جاتے ہیں۔ کئی مشینیں چھاپنے کی موجود ہیں۔ لیکن بڑی مشین۔ جسپر ۵۰ ہزار فلورن لاگت آئی ہے ایک گھنٹہ میں ۲۲ صفحے کے ۲۴ ہزار اخبار چھاپ کر۔ کاٹ کر اور توڑ کر رکھ دیتی ہے۔ بلکہ شمار کرنے کی مشین بھی ساتھ ہی لگی ہوئی ہے جو خود بخود بتلائی جاتی ہے کہ کتنا اخبار چھپ چکا ہے یہ کارخانہ صرف برقی طاقت سے چلتا ہے۔ کارخانہ کے انجنیر نے مجھے مہربانی کرکے وہ تمام عمل کرکے دکھلایا کہ جسکے ذریعہ سے کمپوز شدہ سیسہ کے حروف کا عکس بلاٹنگ کے پیڈ پر لیا جاتا ہے۔ اور پھر وہ ایک گول پتر کی صورت میں سیسہ سے سٹیریوٹائپ کیا جاتا ہے۔ اس طرح ایک کمپوز شدہ میٹر سے کئی سٹیریو پلیٹ بناکر ایک سے زیادہ مشینوں پر چڑھا دیتے ہیں تاکہ اخبار جلدی چھپ سکے۔ اور تمام یورپ میں اخبارات اسی طریقہ سے تیار کئے جاتے ہیں۔ یہاں کا ایک اخبار جو شہر میں اول نہیں۔ بلکہ دوسرا اخبار شمار ہوتا ہے۔ اتنا کچھ خرچ کر سکتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگوں کا روپیہ خرچ کرتا ہے۔ جو اسکو خریدتے ہیں۔ ہمارے ملک میں اخبار کیا خاک کام کر سکتے ہیں۔ جبکہ اہل ملک اُن کی کچھ قدر ہی نہیں کرتے۔ یہاں قہوہ خانوں۔ رسٹارنٹوں اور ہوٹلوں میں سینکڑوں اخبار ہر روز خریدے جاتے ہیں۔ جتنا کوئی معزز قہوہ خانہ ہوگا اُتنے ہی وہاں اخبار زیادہ آتے ہونگے جس ہوٹل میں میں مقیم تھا۔ وہاں یورپ کی سب زبانوں کے اخبار خریدے جاتے تھے۔ لنڈن ٹائمز اور السٹریٹیڈ لنڈن نیوز انگریزی زبان کے بھی موجود تھے۔ روسی۔ فرانسیسی۔ اطالی غرض سب زبانوں کے اخبارات رکھے جاتے ہیں

تار جس زبان کا جاننے والا مسافر وہاں ٹھیرے۔ اخبار پڑھنے سے محروم نہ رہے۔ یہاں گداگری کا مانع قانون جاری ہے۔ بازار میں کھلم کھلا فقیر بھیک نہیں مانگ سکتے۔ مستحقوں کے لئے الگ غریب خانہ بنایا گیا ہے زندگی کے اخراجات ہر چند کہ یہاں بہت گران ہیں۔ پیرس اور لنڈن سے کم ہیں جو لوگ گوشت نہیں کھاتے ان کے بھی یہاں کئی ریسٹارنٹ موجود ہیں اور وہاں بھی ہزار ہا لوگ جاکر کھاتے ہیں۔

گرجا کے بُت ویانا میں سب سے بڑا گرجا سینٹ سٹیفن کا چرچ ہے یہ قدیم زمانہ کی بڑی عالی شان عمارت ہے۔ جس کی ۱۳۰۰ء میں تعمیر شروع ہوئی تھی۔ یہ دنیا کے اول درجہ کے گرجاؤں میں شمار ہوتا ہے اسکے ارد گرد گھوم کر میں نے دیکھا کہ باہر کی دیواروں میں کنواری مریم حضرت مسیح اور ان کے حواریوں کے بہت چھوٹے چھوٹے بُت بنے ہوئے تھے جن کی تعظیم وہاں کے لوگ ایسی ہی کرتے ہیں جیسی کہ ہندوستان میں اہل ہنود ہنومان اور گنیش کے بتوں کی کرتے ہیں جو دیواروں میں اسی طرح لگائے ہوئے ہیں۔

عظیم الشان ٹاؤن ہال نئی عمارتوں میں ویانا کا ٹاؤن ہال نہایت عالی شان ہے کہ جس میں (۷۷) کمرے اور (۴۰۰) دریچے ہیں۔ عمارت سہ منزلہ ہے۔ اس میں شاہان آسٹریا کے قد آدم بُت اور بہت سے ناموروں کی تصویریں آویزاں ہیں۔ دیواروں پر کاغذ کی بجائے ریشمی کپڑا چپان ہے۔ فرش اور دیواروں پر بے محابا پتھر خرچ کیا گیا ہے۔ بڑے کمرے کا طول ۰۷ میٹر (۷۰ گز) عرض ۲۰ اور بلندی ۱۹ میٹر ہے اس میں بہت بڑا جھاڑ (۲۷۰) بتی کی برقی روشنی کا آویزان ہے کہ جس سے بڑا میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ دریچوں میں جو ہزار ہا رنگین شیشے لگے ہوئے ہیں ان میں سے ہر ایک کی گلکاری کا زیبائش علیحدہ ہے۔

ب کے متعلق مزید کیفیت یہ معلوم ہوئی کہ ہوٹل میٹروپول (جہاں میں مقیم تھا) کے بڑے پورٹر کو ایک پیسہ تنخواہ نہیں ملتی۔ صرف لوگوں کے انعام واکرام پر اس کا گزارہ ہے۔ بلکہ چار اور ملازم اور مزدور اس نے ہوٹل کی خدمت کے لئے رکھے ہوئے ہیں کہ جن کی تنخواہ وہ تین سو روپیہ وہ اپنی گرہ سے دیتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خود بھی کچھ نہ کچھ کماتا ہے۔

دوکانوں کے سائن بورڈ

ایک اور بات جو اجنبی کو یہاں سٹرائیک ہوتی ہے یہاں کے دوکانوں کے سائن بورڈ ہیں۔ گو آجکل یورپ کے ہر شہر میں مسافر کو اسی طرح سائن بورڈ نظر آتے ہیں جو شیشہ اور چینی اور گلٹ کے نہایت خوشنما حروف سے بنائے جاتے ہیں۔ سائن بورڈ کی جو غرض ہوتی ہے کہ ہر راہرو اسے پڑھ لے ان سے پوری ہوتی ہے بڑے بڑے رنگین پوسٹر بعض بعض دیواروں پر سینکڑوں چسپاں ہیں۔ اور اسی طرح ایک سڑک جو دو میل سے کم نہ ہوگی اور بڑی بارونق ہے اسکے دونوں جانب لکڑی کے تختوں کی قدِ آدم دیواریں ہیں کہ جنہیں انگریزی میں ہورڈنگ کہتے ہیں۔ اور ان کی ایک چپہ بھر جگہ بھی پوسٹروں سے خالی نہیں۔ ایک کمپنی لوگوں کے پوسٹر ان جگہوں پر چپکاتی ہے اور ان جگہوں کا کرایہ پوسٹ لوگوں او میونسپلٹی کو کرایہ دیتی ہے۔

ترکی ٹوپی کی تجارت

ترکی ٹوپی جسقدر ہندوستان کے مسلمان پہنتے ہیں وہ سب آسٹریا میں بنتی ہے۔ بلکہ یہیں سے زیادہ تر ممالک عثمانیہ میں جا کر بکتی ہے۔ کچھ عرصے سے ترکی ٹوپی کے آسٹریا کے سب کارخانے متحد ہو کر ایک کمپنی بن گئی ہے۔ اور میں ان کے دفتر میں گیا تھا تو اسی روز ایک قسطنطنیہ کا ٹوپیوں کا سوداگر بھی یہاں وارد تھا جو ایک عیسائی تھا اور ایک لاکھ درجن ٹوپیوں کا سودا کر رہا تھا۔

آسٹریا کے کاغذ

سیرامپوری کاغذ بھی کہ جسے ہندوستان میں کئی اخبار

اور کتابیں چھپتی ہیں زیادہ تر آسٹریا اور کسی قدر جرمنی سے ہندوستان
میں آتا ہے۔ اور جرمنی فرانس اور انگلستان میں جدوجہد کرنے کے بعد
آخرکار لوٹتے ہوئے اس کاغذ کا میں نے ویانا ہی میں کسی قدر رعایتی قیمت
سے کچھ مدت کے لئے ٹھیک کیا۔ معلوم ہوا کہ آجکل ردی اون لوہا وغیرہ
قسم کا مال تو سستا ہے لیکن کاغذ گراں ہے۔ کیونکہ بوجہ جنگ ٹرنسوال
اور جنگ چین کے اخبارات پہلے سے اسقدر زیادہ بڑھ گئے ہیں کہ
کاغذ کے موجودہ کارخانے وہ مانگ سہولیت سے پوری نہیں کر سکتے
اسلئے کاغذ والوں کے دماغ آسمان پہنچے ہوئے تھے اور کاغذ کی قیمتیں
بہت کچھ چڑھ گئی تھیں۔ جب سے ایشیا یورپ اور امریکہ میں اخبار
والوں کو کاغذ کی قیمت میں خسارہ ہو رہا تھا۔

شاہی کتب خانہ میں نے ویانا کے کچھ قابل دید مقامات تو گائڈ کی مدد سے
دیکھے تھے۔ جو انگریزی کے سوا سات اور زبانیں یوروپ کی جانتا تھا۔
اور کہتا تھا کہ میرا باپ کل پندرہ زبانیں مع ترکی و عربی کے جانتا ہے اور یہ قوم
کا یہودی تھا۔ لیکن میں نے یہاں کی شاہی لائبریری اور شاہی خزانہ نہیں
دیکھا تھا۔ جو دونوں قابل دید مقامات ہیں۔ ہوٹل کے پورٹر (دربان) نے
مجھے گاڑی طلب کر دی اور گاڑیبان کو سمجھا دیا کہ مجھے لائبریری تک پہنچا دے
لیکن جب میں لائبریری میں جا پہنچ گیا۔ تو وہاں کوئی شخص انگریزی دان نہ
نکلا۔ آخر میں نے گائڈ بک کی مدد سے انہیں سمجھایا کہ میں مشرقی زبانوں
کی کتابیں فلاں الماری میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ عبرانی اور یونانی کتابوں کے
مسودوں کے ساتھ ہی کئی ایک فارسی اور عربی [illegible] بھی تھے۔ مگر وہ
اس قدر قابل عزت سمجھے گئے تھے کہ [illegible] بلا اجازت
حکام اعلیٰ انہیں ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں تھی۔ ان میں ایک قلمی
قرآن ہشت پہلو دو انچ لمبا اور اسی قدر چوڑا [illegible]۔ جو [illegible] کا لکھا ہوا

تہا بھوج پتر پر سنسکرت کی کتابیں اور انجیر کے پتوں پر ایک چینی مسودہ بہت
پرانا موجود تھا۔ افسوس ہے کہ بوجہ جرمن زبان کافی نہ جاننے کے میں یہاں
سے مستفید نہ ہو سکا۔ یہاں سے میں شاہی خزانہ دیکھنے گیا۔ جس میں خلیفہ
ہارون الرشید کی تلوار اور اس کے دوست اور ہمعصر شاہ شارلمین کا تاج
اور دیگر یادگاریں۔ حضرت مسیح کی اصلی صلیب کا ایک ٹکڑا۔ جواب تک
شاہان آسٹریا کو بوقت تخت نشینی دکھلایا جاتا ہے۔ اور اور بہت سی
تاریخی وقعت کی چیزیں موجود ہیں۔ لیکن چونکہ یہ ہفتہ میں ہر روز نہیں دکھلایا
جاتا اسلئے اسکے دیکھنے سے محروم رہا کیونکہ میں یہاں زیادہ ٹھیر نہیں سکتا
تھا۔ تاہم اس کی تھوڑی سی تلافی اس طرح ہو گئی کہ مجھے آسٹریا کے تمام فوجی
اور سول افسروں اور وزیروں امیروں کو ان کے درباری لباس میں دیکھنے
کا موقع ملگیا۔ امپیریل ہاف برگ ایک تاریخی مکان ہیں شہزادگان آسٹریا
کے محل ہیں۔ اور یہیں شاہی خزانہ ہے۔ آج شہنشاہ آسٹریا کے ایک
چھوٹے بھائی کی شادی کی تقریب میں "ری سپشن" کا دربار تھا۔ جسمیں شرکت
کے لئے یہ سب لوگ جمع ہوئے تھے۔ یہاں تماشبینوں کا بہت بڑا
ہجوم تھا۔ اور پولیس کے لوگ جن کا لباس فوجی ہوتا ہے (اور ہر کانسٹیبل

پولیس والوں کا سلوک

کی کمر میں تلوار ہوتی ہے۔ ہجوم کو ایک طرف ہٹا رہے
تھے مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ وہ ہر دفعہ "بیٹے" کہہ کہہ کر
لوگوں کو پرے ہٹنے کی تاکید کرتے تھے۔ "بیٹے" کے معنے ہیں "مہربانی کرکے"
میں آج تک سمجھے ہوئے تھا کہ پولیس مین ہمیشہ ہجوم کو ڈنڈے سے ہنکایا
کرتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے ہندوستان میں عام طور پر دیکھا تھا۔ لیکن یہاں
پہنچکر یہ عقدہ کھلا کہ اہل یورپ ایسا سلوک گوارا نہیں کرتے۔

ویانا میں دو صاحبوں نے مہربانی کرکے مجھے مختلف مقامات کے دکھلانے
میں بڑی مدد دی۔ یہ آسٹریا کا تجارتی مال ممالک غیر کو بھیجنے کے ایجنٹ ہیں

ویانا کا ٹکنیکل سکول

ویانا سکول نے مجھے بہت سے حالات بتلائے چنانچہ انہیں میں سے ایک کے ہمراہ میں نے یہاں کا ٹکنیکل سکول دیکھا۔ ایک صاحب سے یہاں کے پروفیسر رڈولف فرنیکل کے نام سفارش حاصل کر کے ہم لوگ وہاں پہنچے۔ یہ بڑی عالیشان اور بہت ہی وسیع عمارت ہے اس کے دور کے حصہ میں مشینوں کی ایک نمائشگاہ ہے۔ جس میں وہ تمام مشینیں رکھی ہوئی ہیں۔ جو آسٹریا کے کارخانے تیار کرتے ہیں۔ اور ان میں بہت سی چھوٹی چھوٹی ہاتھ سے چلانے کی مشینیں بھی تھیں۔ یہاں ایک دھات دیکھی جو معلوم ہوا کہ حال ہی میں ایجاد ہوئی ہے۔ اور چونکہ مگنیشیا سے مرکب ہے مگنالیم اسکا نام رکھا گیا ہے۔ اسکے ایک حصہ میں کئی کارخانے کفش دوزی۔ خیاطی۔ نجاری وغیرہ کے جاری ہیں۔ جہاں وہ لوگ کام سیکھتے ہیں جو باقاعدہ طالب علم اس ٹکنیکل سکول کے نہیں بن سکتے۔ اور دیگر کسی حصہ میں فرصت حاصل کر کے کام سیکھنا چاہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ لوگ نوجوان نہیں ہوتے۔ جو طالب علم اس مدرسہ میں باقاعدہ تعلیم حاصل کرتے ہیں انہیں بہت سے مضامین ٹکنیکل اور کیمیکل صیغوں میں سکھلائے جاتے ہیں۔ یہاں کے دو تین افسروں نے مجھ سے انگریزی میں گفتگو کرنے کی کوشش کی لیکن سب کی انگریزی ایسی خام نکلی کہ وہ مجھے بہت کم باتیں سمجھا سکے۔ آخر میں نے یہاں کے سررشتہ تعلیم حرفت کی سال گذشتہ کی رپورٹ لی۔ جو جرمن زبان میں ہے اور بہت سی مغز زنی کے بعد اور ڈکشنری کی مدد سے اس سے مطلب نکال لیا۔ ٹکنیکل تعلیم کا یہ مدرسہ جو تمام ملک کے ٹکنیکل مدارس کا مرکز ہے سنہ ۱۸۹۲ء میں جاری ہوا تھا جس پر دس ہزار فلورن (فلورن = ۱۸) خرچ ہوا تھا۔ لیکن سنہ ۱۹۰۱ء میں اسپر ۲ لاکھ ۱۴۳ ہزار فلورن خرچ ہوئے۔ اس مدرسہ کی (۲۴) شاخیں تمام ملک

میں پھیلی ہوئی ہیں۔ علاوہ اس کے اس مدرسہ سے چھوٹی چھوٹی کلیں مثل خیاطی یا کشیدہ وزی کی کلوں کے تمام آسٹریا کے بیرو مجات کی قصبات کے ایسے مزدوروں کو دیجاتی ہیں۔ جو ان کے ذریعے سے روزی کما سکیں۔ اور دس سال کے اندر بالاقساط ان کی قیمت اس حیثہ کو ادا کر سکیں ٹکنیکل سکول کے قریب ایک بہت بڑا محتاج خانہ اُن بوڑھے مردوں اور بڑھیا عورتوں کی پرورش کے لیئے قائم ہے۔ جو اب کام کرنے کے قابل نہیں رہے۔ اور کوئی ان کا نگراں بھی نہیں۔ انہیں یہاں بڑی آسایش سے رکھا جاتا ہے۔ بوڑھے مردوں کے متعلق شاہان آسٹریا کی یہ بات نہایت عجیب اور دلچسپ ہے کہ سال میں ایک روز شہنشاہ آسٹریا اپنے پایہ تخت کے سب سے بڑھے بتیس آدمی اپنے محل میں بطور مہمانوں کے بلاتا ہے۔ اور اُن کے پاؤں اپنے ہاتھوں سے دھوتا ہے۔ اور تولیئے سے خود صاف کرتا ہے پھر اُن میں سے ہر ایک کو کھانا اور کچھ تحفہ دیا جاتا ہے۔ میں اس بات کو بمشکل باور کرتا اگر ایک پینورا ما میں کہ جس میں شہنشاہ فرانسس جوزف کی زندگی کی ہر منزل کی تصویریں قد آدم موجود تھیں۔ بوڑھے آدمیوں کے پاؤں دھونے کی تصویر نہ دیکھتا۔ افسوس ہے کہ سال گذشتہ میں ایک شقی القلب انارکسٹ نے شہنشاہ بیگم آسٹریا کو قتل کر دیا ورنہ وہ بھی اسی قدر بڑھیا عورتوں کو بلا کر اُن کے پاؤں دھویا کرتی تھیں۔

بادشاہ پیر مردوں کے پاؤں دھوتا ہے

یہاں عام رواج ہے کہ بعض مزدور جو دستی گاڑیوں میں اسباب لاد کر ادھر اُدھر لے جاتے ہیں اُنہوں نے ایک بڑا سا کتا بھی گاڑی میں جوتا ہوا ہوتا ہے۔ کچھ کتا گاڑی کو کھینچتا ہے اور ایک رسا یہ اپنے کندھے پر ڈال کر کھینچے لئے جاتے ہیں۔ سوا لیکہ ان کے گلے میں کالر ایسا سفید ہوتا ہے کہ شاید ابھی بدلا

کتے گاڑیاں کھینچتے ہیں

ہوگا۔ بازار میں ہر گھنٹے کا مُنہ قانوناً بند کرلے جانا پڑتا ہے۔ بعض کتے چھوٹے چھوٹے شیروں کے برابر دیکھے گئے ہیں۔

ویانا سے رخصت ہوتے وقت خیال آیا کہ یہ شہر جس کی آبادی سنہ ۱۹۲۳ء کی مردم شماری کے حساب سے پندرہ لاکھ سے زائد ہے۔ ایک ایسے ملک کا صدر مقام ہے کہ اب جس کے ماتحت بہت سا علاقہ سلطنت عثمانیہ کا ہے۔ لیکن ایک وہ زمانہ تھا کہ ترکوں نے ویانا پر دو مرتبہ حملہ کیا۔ پہلی دفعہ سلطان سلیمان ثانی نے ۲۴ ستمبر سے ۱۵ اکتوبر ۱۵۲۹ء تک اور دوسری دفعہ قارہ مصطفےٰ صدر اعظم ترکی نے ۱۴ جولائی سے ۱۲ ستمبر ۱۶۸۳ء تک ویانا کا محاصرہ رکھا۔ اور آخری دفعہ اہل آسٹریا نے اہل پولینڈ اہل سکسنی۔ اہل بویریا اور اہل فرانس کی متعدد فوجوں سے انہیں پسپا کیا۔ اگر ترک اپنی کوشش میں اس وقت کامیاب ہوگئے ہوتے تو آج دنیا کے نقشے کی صورت دوسری ہوتی۔

برلن پایۂ تخت جرمنی

بمبئی میں کرایہ لیکر ٹامس کک کے ایجنٹ نے ہمیں ویانا تک ریل کا ٹکٹ دے کر باقی روپیہ کی رسید دے دی تھی۔ اور ہدایت کی تھی کہ ویانا میں ٹامس کک کے ایجنٹ سے یہ رسید دکھلا کر آگے کے لئے ریل کا ٹکٹ لے لینا۔ اس وقت میں نے برلن سے ہیمبرگ کو جانے کی بجائے برسلز کو جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اسلئے ویانا سے برلن تک کا ٹکٹ اور باقی روپیہ واپس لے لیا۔ کک کے ایجنٹ نے ساتھ ہی تاکید کر دی تھی کہ اگر نارتھ ویسٹ بان نامی سٹیشن کے سوا کسی دوسرے سٹیشن سے تم ریل پر سوار ہوئے تو کرایہ دوبارہ دینا پڑیگا۔

بڑے بڑے شہروں کے متعدد ریلوے سٹیشن

یوروپ کے بڑے بڑے شہروں میں ریلوں کے کئی کئی سٹیشن ہوتے ہیں۔ اور اجنبی کو اس بات کے معلوم کرنے کے لئے بڑی وقت پیش آتی ہے کہ فلاں طرف جانے کے لئے اُسے کس سٹیشن سے سوار ہونا چاہیئے۔ مَیں نے سٹیشن پر پہنچکر چھوٹا ٹرنک اور ہنڈ بیگ گاڑی میں رکھ لیا۔ اور بڑا ٹرنک بُک کرا دیا۔ یوروپ میں لمبا سفر کرنے والے لوگ ریل کے ٹکٹ عموماً سٹیشن پر آکر نہیں خریدتے۔ بلکہ شہر ہی میں قبل از روانگی مختلف ایجنٹوں کے کارخانوں سے خرید رکھتے ہیں انگلینڈ اور جرمنی میں شنکر کا کارخانہ مشہور ہے۔ قلی یہاں کے سٹیشنوں پر بڑے مستعد ہوتے ہیں۔ سب کام خود کر دیتے ہیں۔ عموماً یہ لوگ لکھے پڑھے ہوتے

ہیں۔ قلی اسباب کے رسید بں خود تول کر منوا دیتے ہیں۔ ریلوے گارڈ مسافروں سے ملائمت اور ادب سے پیش آتے ہیں۔ گاڈ یا ہوٹلوں کے ملازم اور دوکاندار اور دوسرے یوروپین لوگ بھی توجہ اور شفقت کا برتاؤ کرتے ہیں۔ اسلئے یوروپینوں کی نسبت جو ڈر اور غیر ضروری تکلف کا خیال ہندوستانی مسافر کے دل میں جاگزین ہوتا ہے وہ خود بخود دور ہونے

یوروپ سے واپس شدہ ہندوستانی۔

لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے بعض انگریز افسروں میں یہ خیال موجود ہے کہ ہندوستانی نوجوان جو یوروپ سے ہو آئے ہیں اپنی نسبت غرور اور غیر ضروری اہمیت کے خیال ساتھ لے آتے ہیں۔ لیکن میرے خیال میں یہ نیک دل افسر تھوڑی سی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ہر ایک تعلیم یافتہ باشندہ ہندوستان کو یہ بات معلوم ہونی ضروری ہے کہ اہل یوروپ ہوّے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ نہایت شائستہ لوگ ہیں۔ اور ساتھ ہی جن یوروپینوں کو وسط یوروپ کے بعض جنگلی ممالک کے دیکھنے کا اتفاق ہو وہ ہندوستان کی حالت کی قدر کرنے لگتے ہیں۔ دانا ہندوستانی یوروپ سے لوٹ کر اپنے آپ کو اور بھی بے حقیقت سمجھنے لگتے ہیں کیونکہ وہ جس قوم کے فرد ہیں وہ بہت ہی حقیر ہے۔

اتنی سویرے صبح کی روشنی

۱۸ جون کی شام کو ویانا سے سوار ہوئے قریباً ڈھائی بجے شب کے بینائی صبح نمودار ہونے لگا۔ اسی لحاظ سے اگر ناروے میں آدھی رات کو طلوع آفتاب نظر آتا ہو تو ذرا بھی تعجب نہیں ہوتا۔ آج ہی کل یوروپ اور امریکہ کے ہزارہا لوگ ناروے میں آفتاب نیم شب دیکھنے جا رہے تھے۔ ساڑھے تین بجے صبح کی شفق نمودار ہوئی۔

موسم بہار کی سرسبزی اور شادابی

ریل کے دونوں طرف زمین بالکل سبز اور کھیتوں سے پر نظر آئی۔ پہاڑ ہو یا گھاٹی سب جگہ کھیت تھے۔ ایک چپہ زمین خالی نہ تھی۔ کہیں آب رسانی کا کنواں نظر نہ آیا۔ البتہ کہیں

کہیں کوئی پون چکی نظر پڑتی تھی۔ بارشیں اور اوس یہ اس ملک میں کھیتوں
کا حصہ ہوتا ہو۔ انگور کے کھیت بے شمار تھے۔ جہاں قطار در قطار ہزار ہا لکڑیاں
گز گز بھر کی زمین میں گاڑی ہوئی تھیں۔ اور ان پہ انگور کی بیلوں کو چڑھا دیا
گیا تھا۔ جرمنی اور فرانس میں بھی انگور کے کھیت ایسے ہی نظر آئے۔ اس
سرسبز اور خوشنما منظر میں کہیں کہیں کوئی چھوٹی سی آبادی کسانوں کی نظر
آجاتی تھی۔ البتہ اکّے دُکّے مکانات تو کھیتوں میں بکثرت تھے۔ اور انہیں
کھیتوں کے مکانات میں بعض دو منزلہ اور خوش حیثیت بھی تھے۔ ان کے
دریچوں میں شیشے لگے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں مکانوں کے اندر پھولوں
کے گملے بھی تھے۔ باہر تو اکثر مکانوں کے پھولوں کی کیاریاں ہوتیں۔ یہ تھا
حال عام کسانوں کی زندگی کا ہے۔ راستے میں دو چار شہر قصبے بھی آئے
کہ جن میں سے ہو کر یا ان کے پاس سے ریل گذرتی تھی۔ اور جو کیفیت ریل
میں سوار ہو کر وہاں نظر آتی وہ ان کوچوں میں چل کر نظر نہ آتی۔ صبح

چونگی کے افسر

۹ بجے گاڑی مشن کے سٹیشن پر پہنچی جو آسٹریا اور
جرمنی کے مابین سرحد ہے۔ یہاں جرمن چونگی کے افسر اسباب کا ملاحظہ کرنے
کے لئے گاڑیوں میں گھس آئے۔ جو شخص ہماری گاڑی میں آیا اس نے
پوچھا کوئی قابل محصول چیز تو نہیں۔ اور نفی میں جواب پا کر ایک چھپا ہوا
ٹکٹ ہمارے اسباب کے مختلف پیکٹوں پر چسپاں کر دیا۔ لیکن جو ٹرنک
بڑے تھے اور بریک میں بک کرا کر رکھے گئے تھے۔ انہیں گاڑیوں سے
نکال کر ایک دفتر میں رکھا گیا۔ اور مسافروں کو اس دفتر میں لے گئے جہاں
میزوں پر سب کے ٹرنک پڑے ہوئے تھے۔ ہر شخص اپنا ٹرنک کھول کر
ان افسروں کو دکھلاتا۔ میرے ٹرنک میں ایک پشمینہ کی چادر تھی جسے ایک
چونگی کا افسر غور سے دیکھنے لگا۔ میں نے سمجھا یہ اسے قابل فروخت سمجھ کر محصول
مانگے گا۔ میں نے جھٹ چادر کو پھیلا کر اوڑھ لیا۔ اسباب زیادہ منزل رسانی

نہیں کھولا گیا۔ اور ٹرنک مقفل کرنے کے بعد اُن پر بھی وہی بہت محصول کے ٹکٹ چسپاں کرکے انہوں نے ہی ریل میں رکھوا دیئے۔ بعض لوگوں سے تھوڑی سی چیزوں مثلاً آٹھ دس بیڑوں پر بھی محصول لے لیا جاتا ہے۔ تھوڑی دیر میں دریائے الب پر سے گذرے اور گھنٹوں سڑک دریا کے کنارے چلی گئی۔ ورٹمبرن میں گاڑی بدلنی پڑی۔ یہ بڑا دسیع سٹیشن ہے۔ اور خوبصورت بھی کافی ہے۔ لیکن وسعت میں بمبئی کے وری بندر سٹیشن پر بھی بہت بڑا ہے جرمن علاقہ کے ایک سٹیشن پر ایک لڑکے سے چیریاں خریدیں اور جب آسٹریا کا سکہ دینے لگے تو اُس نے چیریاں واپس لے لیں۔ قریب بارہ بجے شہر برلن میں پہنچے۔ تو سٹیشن کے باہر ایک پولیس کا افسر ملا۔ اس نے پوچھا کہ ریل کے کس درجہ میں سوار تھے۔ اور دوم درجہ بتلانے پر اسی درجہ کا ایک ٹکٹ ٹین کا حوالہ کیا۔

گاڑیبانوں کی دستبرد سے مسافروں کی حفاظت

یہ ٹکٹ سلئے دیا جاتا ہے کہ اگر گاڑیبان مسافر کو تکلیف دے یا اُس سے زیادہ کرایہ مانگے۔ تو مسافر کہہ سکتا ہے کہ میں تمہیں ٹکٹ نہیں دونگا بلکہ پولیس کے دفتر میں دونگا۔ حالانکہ گاڑیبان کا فرض ہوتا ہے۔ کہ وہ ٹکٹ واپس لاکر اُسی پولیس کے افسر کو دے کہ جس نے اسے مسافر کے حوالے کیا تھا۔ لیکن گاڑیبانوں کی زیادہ ستانی روکنے کی تدبیر

ٹکسا میٹر

ٹکسامیٹر سے بہتر اور کیا ہو سکتی ہے جو دیانا کی طرح برلن کے کرایہ کی گاڑیوں میں بھی لگایا گیا ہے۔ یہ مشین ایک بڑے ٹائم پیس کے برابر گول ایسی ترکیب سے گاڑی کے کوچ بکس کے برابر لگا دی جاتی ہے کہ گاڑی کے چلنے سے اسکی سوئی بھی چلتی ہے۔ اور بتلاتی رہتی ہے کہ اب کتنا کرایہ گاڑیبان کو دینا چاہیئے۔ اگر گاڑی جلدی چلیگی تو یہ مشین بھی جلدی کرایہ بڑھائیگی۔ اسلئے ٹکسامیٹر کی موجودگی سے یہ اندیشہ بھی نہیں رہا کہ گاڑیبان آہستہ گاڑی چلائیگا۔ کیونکہ اس صورت میں اُسے کرایہ بھی کم ملیگا۔ اگر ہندوستان کی کرایہ

کی گاڑیوں پر بھی بڑی بڑی میونسپلٹیاں ٹکسامیٹر لگوائیں۔ تو امید ہے کہ مفید ثابت ہو۔ اسکی قیمت بھی چار پانچ شلنگ سے زیادہ نہیں۔ گاڑیبانوں کے لئے یہ اسلئے بھی مفید ہے کہ وہ اس کے ذریعہ سے معلوم کرسکتے ہیں دن بھر میں ان کے گھوڑوں نے کتنا فاصلہ طے کیا۔ اور کیا کمایا۔ برلن میں جہاں اس قدر گاڑیبانوں کو تاکید ہے وہاں اُن کے حقوق کا بھی بہت خیال رکھا گیا ہے۔ گاڑی میں سواری گیارہ سیر سے زیادہ بوجھ مفت نہیں لیجا سکتی۔ علاوہ اس کے اگر سواری چاہے کہ گاڑیبان بلا بارش کے گاڑی کا ٹپ بند کرے یا کھولے۔ تو ہر ایسی فرمایش کے لئے گاڑیبان کو ۲۵ فینگ یعنی ۳ دینے ہونگے۔ گاڑیبان سب لکھے پڑھے ہیں۔ جب فارغ ہوتے ہیں تو اکثر کوچ بکسوں پر بیٹھے اخبارات پڑھتے ہیں۔ میں نے کئی دفعہ لکھا ہوا پتہ گلی کوچوں کا ان کو دکھلایا ہے تو اتنے بڑے شہر برلن میں۔ جس کی آبادی ۲۰ لاکھ سے اوپر ہے اور جس کا رقبہ مع مضافات ۵۲ میل سے کم نہیں۔ یہ ٹھیک موقع پر مجھے لے پہنچے۔ یہ کوچبان وردی پہنتے ہیں۔ جس میں واسکٹ سرخ ہوتی ہے۔ اول درجے کی ٹوپی سیاہ اور کالر سفید اور دوم کی ٹوپی سفید اور کالر زرد ہوتا ہے۔ تین ہندوستانی رفیق بمبئی سے لے کر برلن تک میرے ساتھ رہے۔ کہ جن میں سے مسٹر بُلا تو آگرہ سے میرے ہمسفر ہوئے تھے اور جس روز میں برلن میں ٹھیرا وہ ہیمبرگ کو چلے گئے۔ ہموطنوں سے الگ ہوجانے کا افسوس تو ہوا لیکن یہ کتنے بڑے اطمینان کی بات تھی۔ کہ اب دن بھر کے تمہارے وقت میں کوئی حصہ دار اور شریک نہیں ہوتا۔

برلن کا ہوٹل برلن میں میں جس ہوٹل میں ٹھیرا اسکا نام قیصر ہوٹل تھا کہ جسے یہاں کے لہجہ میں "قیزر ہوٹل" کہتے تھے۔ اور اسکے دروازے پر قیصر ولیم کا بُت نصب تھا۔ اور یہ ہوٹل برلن کے سب سے بارونق اور بڑے بازار میں واقع تھا۔ کہ جہاں کھڑکی میں بیٹھ کر میں برلن کی زندگی کا اچھی طرح

نظارہ کر سکتا تھا۔ الکٹرک کال بل کے ذریعہ نوکروں کو بلانے کے لئے ویانا اور
برلن کے ہوٹلوں میں یہ ہدایت فرانسیسی۔ جرمنی اور انگریزی زبانوں میں آویزاں
کر دیتے ہیں کہ اگر بر تی بٹن کو ایک مرتبہ دباؤ تو مرد نوکر حاضر ہوگا۔ دو دفعہ دباؤ
تو نوکرانی آئیگی۔ اور اگر بوٹ درکار ہو تو تین مرتبہ دباؤ۔ کیونکہ دستور یہ ہے
کہ شام کو جب مسافر اپنے کمرے میں آتا ہے تو دن بھر کا میلا بوٹ اتار کر اپنے
کمرہ کے دروازے کے باہر رکھ دیتا ہے۔ اور کوٹ اور پتلون بھی دروازہ
کے باہر ایک کھونٹی پر لٹکا کر خود دروازہ بند کر کے سو رہتا ہے۔ ایک مرد
نوکر شب کو سب مسافروں کے بوٹ جو ہر ایک کے دروازے کے باہر
پڑے ہوتے ملیں لیجا کر پالش کرتا ہے۔ اور ان کے کپڑوں کو برش کر کے
علی الصباح مالک کے دروازے کے سامنے لاکر رکھ دیتا ہے۔ لیکن بتقاضا
اگر ابھی بوٹ صاف ہو کر نہ آیا ہو تو کال بل کا بٹن تین مرتبہ دبانے سے بوٹ
فوراً حاضر کیا جاتا ہے۔ مسافر کا ہوٹل سے روانہ ہونے سے پہلے فرض ہوتا ہے کہ وہ
بوٹ صاف کرنے والے مزدور کو ضرور کچھ انعام دے جائے۔ کبھی کبھی
چیمبر میڈ (نوکرانی) ہی بوٹ بھی صاف کرلاتی ہے۔ اور مسافر کے کمرے کی صفائی
اور بسترہ وغیرہ کیا نے کی بھی وہی ذمہ وار ہوتی ہے۔

کھانے کے لئے ترییسٹ۔ وئیس اور ویانا کی طرح برلن میں بھی میں نے پہلے
ہی روز ہوٹل والوں کی ہدایت سے ایک یہودی ریسٹورنٹ کا پتہ لگا لیا۔ اور
دو تین جرمنی زبان سیکھنے کی کتابیں خرید لیں۔ کہ جن کی وجہ سے میں کسی وقت
بیکار نہیں رہ سکتا تھا۔ کسی کسی روز تو میں ڈکشنری کی مدد سے ساٹھ ستر لفظ جرمنی
زبان کے کاغذ پر لکھ کر یاد کر لیتا۔ اور اس وقت مجھے ان کے یاد ہو جانے میں
کوئی شک نہیں رہ گیا تھا۔ مگر اب اکثر فراموش ہو گئے ہیں۔ سچ ہے کہ ؏ مدا یہ دینا گم

علاوہ میوہ دیوں کے رسٹارنٹ تلاش کرنے کے میں ویجی ٹیرین رسٹارنٹ بھی ہر شہر میں تلاش کر لیتا تھا۔ ان رسٹارنٹوں میں کسی قسم کا گوشت نہیں پکتا بلکہ صرف بقولات اور غلوں سے طرح طرح کے کھانے تیار کئے جاتے ہیں۔ اور میوہ جات کھانوں کے ہمراہ دیئے جاتے ہیں۔ ان کے کھانوں میں بعض مٹھائیں تو نفیس اور لذیذ ہوتی ہیں۔ لیکن بعض دوسرے کھانے جو محض حفظ صحت یا ویجی ٹیرین اصول کے لحاظ سے پکائے جاتے تھے سخت بدمزہ ہوتے تھے مثلاً جب یہ کسی ترکاری کا شوربا لاتے کہ جس میں ہلدی مرچ مصالحہ کچھ نہ ہوتا تو یہ صرف دھوون کا پانی معلوم ہوتا تھا۔ سرخ مرچ گرم مصالحہ اور ہلدی تو یورپ کے کسی ملک میں استعمال ہی نہیں کئے جاتے۔ لیکن ان ویجی ٹیرین رسٹارنٹوں میں سیاہ مرچ سے بھی پرہیز کیا جاتا ہے۔ مگر کبھی کبھی مجبوراً جو عام رسٹارنٹو میں کھانا کھانا پڑتا۔ تو مجھے طرح طرح کے تجربات حاصل ہوتے۔ مثلاً [illegible] کی ڈائری سے میں ایک رسٹارنٹ میں کھانا کھانے کی کیفیت نقل کرتا ہوں:-

ایک رسٹارنٹ میں کھانا کھانے کا تجربہ

سوجر صاحب جو ہمراہ بائی (؟) کے مجھے کچھ کارخانے اور اسباب کی دکانیں دکھلا رہے تھے وہ ایک بجے کے قریب مجھے ایک رسٹارنٹ میں کھانا کھانے کے لئے لے گئے۔ یہ اعلیٰ درجہ کا رسٹارنٹ تھا۔ ہرچند کہ میں نے مسٹر سوجر کو بتلا دیا تھا کہ میں کیا کیا چیز کھاتا لیکن جب پہلے پہل حسب دستور شوربا آیا اور میں زیادہ حصہ پی چکا تو رکابی کی تہ میں کچھ سرخ چیز نظر آئی۔ وہ کیکڑا تھا۔ میں نے باقی شوربا چھوڑ دیا اب مجھے رسٹارنٹ کا سپاٹیر کارٹ یعنی کھانوں کی تفصیل کا کاغذ دکھلایا گیا۔ جسکی پیشانی پر دو سرخ تصویریں کیکڑوں کی بنائی ہوئی تھیں۔ اور چونکہ رسٹارنٹ کے لئے بڑے فخر و مباہات کی بات تھی کہ ان کے ہاں کیکڑے کا شوربا

بنا تھا جو ہر جگہ میسر نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے بعد میں نے شوربا اور آلو وغیرہ کھا کر گذارہ کیا۔ البتہ میوہ چیری آجکل خوب پکا ہوا ہے۔ اور مزیدار ہے۔ اسے میں اکثر کھانے کے بعد شوق سے کھاتا ہوں۔ جو ہر جگہ مل سکتا ہے۔ اس میز پر تیسرا آدمی ایک اور جرمن تھا یہ مجھ سے ہندوستان کے متعلق مختلف باتیں پوچھتا رہا۔ میں نے دیکھا ہے کہ تمام یورپ میں لوگ انگریزوں کی خوش قسمتی پر حسد کرتے ہیں۔ کہ وہ ہندوستان ایسے اتنے بڑے ملک اور کئی دوسری نو آبادیوں کے مالک ہیں۔ میرے کھانے پر شراب نہ پینے پر ان لوگوں کو تعجب ہوتا ہے۔ بیئر تو ان کا عام مشروب ہے لیکن وائن اور وسکی بھی اچھے رنگ پیتے ہیں۔ اس ہوٹل میں پانی پینے کا گلاس اور صراحی موجود نہ تھے آخر ایک شراب کے ذرا سے گلاس میں مجھے تھوڑا سا پانی لا کر دیا گیا۔ یہ لوگ کھانے پر بیٹھ کر بہت دیر لگاتے ہیں۔ باتیں کرتے جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ کھانا کھاتے جاتے ہیں۔ یہاں ایک کاغذ کے چوڑے

اشتہار کے نرالے طریقے

سے بنے ہوئے دانتوں کے خلال دیکھے۔ جن پر ایک کارخانہ کی شراب کا نام چھپا ہوا تھا۔ یہ گویا اس شراب کا اشتہار تھا۔ اور اس شراب کے کارخانے نے اس ریسٹورنٹ میں یہ خلال مفت استعمال کے لئے دے رکھے تھے تا کہ کھانے کے ساتھ شراب پینے کے لئے لوگوں کو اس کی شراب کا نام یاد آجاوے۔ اسی طرح میں نے ریسٹورنٹوں میں بعض کاغذ کے خوبصورت چھپے ہوئے پرزے دیکھے ہیں جو دوسری طرف سے خالی ہوتے ہیں اور ان پر ریسٹورنٹ والے کھانے کی قیمت کا بل لکھ کر گاہکوں کو دیتے ہیں ان کی دوسری طرف شراب وغیرہ کھانے کی چیزوں کا اشتہار ہوتا ہے جو ان کارخانوں کے مالک چھپوا کر مختلف ریسٹورنٹوں میں بھجوا دیتے ہیں"

انگلستان کے ایک سٹارنٹ میں شیشہ کے نمکدان دیکھے جو ایک نمک بیچنے والا کارخانہ بطور اشتہار نمک کے اپنے گاہکوں کو مفت دیتا تھا۔

شہر کی رونق برلن ویانا سے بڑا اور زیادہ مصفا شہر ہے۔ یہاں کی پبلک عمارات ویانا سے زیادہ ہیں۔ پبلک مانومنٹوں کا تو یہاں کچھ حساب نہیں۔ بازار اسفالٹ کے بنے ہوئے ہیں۔ گرد و غبار کا نام و نشان نہیں دن بھر شہر میں پھرو تو جوتہ جھاڑنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ یہاں صبح سے شام تک ہر وقت بازاروں میں لوگوں کا ہجوم اور قہوہ خانوں میں میلہ لگا رہتا ہے۔ کسی پبلک عجائب خانہ یا تماشگاہ میں جاؤ تو وہاں اتنے آدمی ملتے ہیں کہ گمان ہوتا ہے کہ شاید سارا شہر وہیں اُمنڈ آیا ہے۔ لیکن اگر اسی روز دوسری جگہ جاؤ تو وہاں بھی وہی حال ہوگا۔

برلن کا چڑیا گھر میں نے یہاں کے وسیع چڑیا خانہ (ٹیئر گارٹن یعنے باغ حیوانات) کو، اتوار کے روز دیکھا کہ جسکے دیکھنے کے لئے ایک مارک (۱۰ آنہ) کا ٹکٹ لینا پڑتا ہے۔ تو اندر بلا مبالغہ بیس پچیس ہزار زن و مرد کا مجمع تھا۔ جو کچھ تو جانوروں کے دیکھنے اور زیادہ تر قہوہ پینے اور باجہ سننے میں مصروف تھے۔ چڑیا گھر برلن کا اتنا مشہور ہے کہ پیرس اور لنڈن میں بھی اتنا بڑا نہیں اور لاہور کے چڑیا گھر سے تو بلا مبالغہ بیس گنا بڑا ہے۔ یہاں ہاتھی بھی چڑیا گھر میں عجیب چیز سمجھا جاتا ہے اور اسکے رہنے کا مکان ہندوستان کے ایک مندر کے نمونہ کا بنایا گیا ہے۔ میں نے زرافہ یعنی شتر گاؤ پلنگ یہاں پہلی دفعہ زندہ دیکھا۔ یہ دنیا میں سب سے بلند جانور اور عجیب الخلقت حیوان ہے۔ دو زندہ ہرن بالشت بالشت بھر بلند دیکھے جو بچے نہیں تھے۔ بلکہ کسی بالشتی نسل کے تھے۔ اور شیشے کے صندوقوں میں

رکھے ہوئے تھے۔ امریکہ کا بھینسا دبیزن کئی قسم کا دیکھا جسکا سر بھینسے
کی طرح اور پیچھا گھوڑے کی طرح تھا۔ بعض ایسے عجیب جانور تھے کہ نہ ہماری زبان
میں ان کے نام ہیں اور نہ میں انہیں شناخت ہی کر سکتا تھا۔ ایک دریائی
گھوڑا اور ایک افریقہ کا بہت بڑے بال والا شیر بھی تھا۔ غرض جانوروں کے
تمام نمونے جمع کرنے کی بیحد کوشش کی گئی تھی کہ ایک مکان صرف
مختلف نسلوں کے کتوں کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ بعض بعض مکانات
چڑیاخانہ کی بجائے خود قابل دید تھے۔ بچوں کے لئے یہاں ایک الگ مکان
تھا جہاں یہ کھیلتے کودتے تھے۔ پرپچہرہ عورتوں کی کوئی انتہا نہ تھی۔ لیکن چونکہ
آج اتوار تھا آج داخلہ کا ٹکٹ نصف ہونے کی وجہ سے مجمع بہت تھا۔
بہت لوگوں نے یہاں آنے کے سیزن ٹکٹ لے رکھے تھے۔ بینڈ باجے کے
سٹینڈ نصف درجن سے کم نہ ہونگے۔ شام کو آتشبازی بھی حاضرین کی تفریح
کے لئے چھوڑی گئی۔ جسکا مطلب یہ تھا کہ جس قدر ممکن ہوں لوگ کھینچ کر
یہاں لائے جاویں۔ اور چڑیاگھر کی آمدنی بڑھے۔ اس لئے ان کی تفریح کی
سب سامان مہیا کئے جاتے تھے۔

ٹیئر گارڈن یعنے جس باغ میں چڑیاگھر واقع ہے وہ بجائے خود ایک تفریح گاہ
ہے۔ یہ باغ کاہے کو ہے بلکہ ایک لمبا چوڑا جنگل ہے جو شہر کے ایک پہلو
میں میلوں تک پھیلا ہوا ہے۔ اور جسکے سربفلک درخت کہیں گھنے اور
کہیں چھدرے نہایت سایہ دار موجود ہیں۔ نیچے گھاس ہے کہ جس میں کئی
کئی سڑکیں اور سینکڑوں روشیں ہر سو نکل جاتی ہیں۔ اور کئی جگہ سے نہر بہے
بھی گذر جاتی ہے۔ راستوں میں ہزاروں بنچیں بچھی ہیں۔ جن پر لوگ بیٹھتے ہیں

عاشقانہ کی باتیں

لیکن عموماً ان بنچوں پر دو دو نوعمر زن و مرد راز و نیاز کی باتیں

میں مشغول پائے جاتے ہیں۔ کبھی عورت کی باہیں مرد کی گردن میں لپٹی ہوئی اور کبھی مرد کی عورت کی کمر کے گرد نظر آتی ہیں۔ کبھی یہ دونوں ایسے مشغول ساز و نیاز ہوتے ہیں کہ انہیں پاس سے گذر جانے والوں بلکہ دنیا و مافیہا تک کی خبر نہیں ہوتی۔ اور لوگ عمداً ان کے پاس بیٹھ کر ان کے رنگ میں بھنگ نہیں ڈال لیتے۔ کہیں غریب گرہستن عورتوں کی ٹیپ ٹاپ پارٹیاں نظر آتی ہیں۔ کہیں جلوہ مہ وشیں بچوں کو ننھی گاڑیوں میں لئے پھرتی ہیں۔ کہ ناگاہ تم ایک بہت کشادہ سڑک میں پہنچ جاتے ہو۔ جس کے ایک طرف دور تک سنگ مرمر کے بہت سے شاندار بُت کھڑے ہوتے ہیں یہ قیصر ولیم ثانی نے حال ہی میں قدیم زمانہ سے لے کر آج تک اپنی آباؤ اجداد یعنی سلاطین جرمنی کے اپنی جیب خاص کے خرچ سے بنوائے ہیں۔ اور بقول ریویو آف ریویوز کے ایڈیٹر مسٹر سٹیڈ کے واقعی یہ برلن کا ایک زیور ہے۔ گو وہاں کے سوشلسٹ لوگ انہیں ناپسند ہی کرتے ہیں۔

دو عارضی نمائشگاہیں

یہ آجکل دو عارضی نمائشگاہیں کھلی ہوئی تھیں۔ ایک تو کالونیل تھی۔ جس میں جرمنی کی نوآبادیوں کی چیزوں کی نمائش تھی۔ جو دو تین سے زیادہ نہیں۔ تاہم جنوبی افریقہ کی وحشی جرمن رعایا۔ جزیرہ کیمرون اور چین کے نئے علاقہ کیوچو کے باشندوں کی سوشل زندگی کی ضروریات کو پورے طور پر دکھلایا گیا تھا۔ آج ایک گائڈ میرے ہمراہ تھا۔ جب ہوٹنٹ کے حبشیوں کے خس پوش جھونپڑوں میں دو تین مٹی کے برتن اور چند چمڑے اور کپڑے کی چیزیں نظر آئیں تو اس نے کہا کہ تمہارے ملک میں بھی تو اسی طرح کے گھر ہوتے ہیں۔ گو اس وقت تو میں نے اسے ٹال دیا۔ لیکن درحقیقت مجھے قائل ہونا پڑا کہ پنجاب کے دیہات میں بعض غریب کاشتکاروں کے جھونپڑوں اور نیز

سے اتنی ہی محتاجی کو ٹھنڈی ہوا کی ہے۔ اور ان میں اسی قدر دنیاوی سامان ہوتا ہے۔ گو وہ خس پوش نہیں ہوتے۔ لیکن ہندوستان کے بعض دوسرے حصوں میں کاشتکاروں کے جھونپڑے خس پوش ہی ہوتے ہیں۔ یہاں فی کس نصف مارک داخلہ اور ۱۰ فینگ چھاتہ رکھنے کے لئے دئے گئے واضح رہے کہ جہاں گائڈ ساتھ ہو اسکا کرایہ اور داخلہ کا ٹکٹ بھی دینا پڑتا ہے اس گائڈ کی شرح ۱۰ مارک روزانہ یعنی ساڑھے سات روپے تھی۔ اور میں نے صرف ایک روز اسے ہمراہ رکھا۔ لیکن جہاں میں پیدل جا سکتا تھا وہاں بھی گائڈ صاحب کی خاطر مجھے گاڑی کرایہ کرنی پڑی۔

تصاویر اور بت دوسری نمائشگاہ جرمنی کی مصوری۔ سنگتراشی اور برنجی بت ڈھالنے کے فن کی تھی۔ جو "کنشٹ آؤشٹلنگ" یعنی آرٹ اگزبیشن کے نام سے مشہور تھی۔ یہ بہت بڑا عالیشان مکان تھا۔ جسکے سامنے پرنس بسمارک کا برنجی بت نصب تھا۔ مکان کے اندر اسکے پچاس کمروں میں بے حد وحساب تصاویر اور بت تھے کہ میرے جیسا کوڑھ مغز آدمی بھی بعض کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ یہاں دستور ہے کہ ہر نمائشگاہ کے دروازے پر اسکی اشیا کی تفصیل کی کتاب بکتی ہے۔ یہاں جسقدر تصاویر اور بت زیادہ تھے اتنی ہی زندہ لعبتان فرنگی اور جاندار بتان جرمنی کثرت سے تھے۔ بلا مبالغہ دس بارہ ہزار زن ومرد اسوقت ان کمروں میں پھر رہے تھے۔ اسلئے ہر قدم پر سنبھلکر چلنا پڑتا تھا کہ کسی لیڈی کا دامن پاؤں تلے نہ دب جائے۔ یا کسی سے ٹھوکر نہ لگ جائے کیونکہ بعض چلبلے مصوروں نے ایسی تصویریں بنا رکھی تھیں کہ لیڈیاں وہاں نقش دیوار ہو جاتی تھیں۔

یہاں بھی نصف مارک داخلہ اور ۱۰ فینگ چھاتہ رکھنے کی فیس دینی پڑی۔ چھاتے

یا لاٹھیاں اندر تو لیجانے نہیں دیتے۔ اور باہر رکھوا لینے کی معقول اُجرت لے لیتے ہیں۔ صرف ویانا کے بڑے عجائب گاہ اور برلن کے اسلحہ خانہ اور لنڈن کے برٹش میوزیم میں چھاتے رکھنے کا کچھ دینا نہیں پڑا۔ ورنہ اور سب جگہ کم و بیش دینا پڑا ہے۔

عورتیں بمنزلہ مرد اور عورتیں

ان ممالک میں جب کسی ہجوم یا مجمع کا ذکر کیا جائے تو قدرتی طور پر سمجھ لینا چاہئے کہ اُس سے زن و مرد دونوں کی معجون مرکب مراد ہے۔ مرد کیا ہیں عورتوں کی شمع کے پروانے۔ گو بلحاظ خوبصورت اور شاندار لباس کے عورتوں کو پروانے بلکہ تیلیاں کہنا چاہئے۔ بظاہرا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یورپ کی عورتیں صرف کپڑے پہننے اور بناؤ سنگار کر کے اُسے دوسروں کو دکھلانے اور ناز و ادا اور لہو و لعب میں زندگی بسر کرنے کے لئے بنائی گئی ہیں۔ ان کی ہر آن میں بناوٹ اور ہر قدم میں ادا ہے۔ میں اتوار کے روز چڑیا گھر کے ہجوم کو ایک خاص تقریب کا نتیجہ سمجھا تھا۔ لیکن اس نمائش کے باہر جو ہزاروں کا مجمع سبزہ زار میں قہوہ پی رہا تھا اُس سے میرا پہلا خیال باطل ہو گیا۔ نمائش گاہ کے اندر بعض تصاویر صرف قدرتی لباس پہنے تھیں مگر ان کی عریانی معیوب نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ ہنر بیں نظر صرف اُن کے آرٹ کی تعریف کر سکتی تھی۔ بعض لوگ ان تصاویر کے دیکھنے میں اس قدر محو تھے کہ دنیا و مافیہا سے خبر نہ تھی۔ ان مجمعوں میں مَیں نے ایک اور دلچسپ بات یہ نوٹس کی کہ نوجوان مردوں کے ساتھ جو لڑکیاں ہوتی تھیں وہ ہر دوسری عمر کے مردوں کی بہ نسبت عورتوں کی نسبت اُن سے زیادہ گرویدہ بلکہ گلے کا ہار ہوتی تھیں۔ گویا محبت میں گداز تھیں۔ اور گویا کہ جوں جوں مدت مناکحت بڑھتی جاتی ہے

محبت کی سرگرمی کم ہوتی جاتی ہے۔ قہوہ خانوں اور ریسٹورنٹوں میں بھی ایسے جوڑے جیسے آملے بیٹھ کر دیر تک باتیں کرتے رہتے ہیں۔

برلن کا اسلحہ خانہ: برلن کا اسلحہ خانہ ایک ایسا مقام ہے کہ جس کا ثانی دنیا میں کم ہوگا۔ اس میں یوروپ کے پہلے جنگ کے قدیم زمانہ سے لیکر آجتک کے سب نمونے موجود ہیں۔ ارہ کی طرح کاٹنے والی تلواریں۔ پتھر کے توپوں کے گولے۔ پانچ پانچ سو سال کی پرانی توپیں سینکڑوں قسم کی چھوٹی بڑی موجود ہیں۔ لیکن غرض اس نمایش سے جرمن کی جنگی تاریخ کے دکھلانے اور اہل جرمنی کے دلوں میں جنگی جوش تازہ رکھنے کی ہے۔ کیونکہ جرمنی نے جو اسلحہ فرانس یا کسی دوسری قوم سے کبھی جنگ میں حاصل کئے ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں۔ ہزاروں قسم کی تلواریں۔ نیزے۔ بندوقیں۔ توپیں۔ ڈھالیں۔ تبر دار نیزے۔ کلہاڑے۔ قدیم زمانہ کی نائیٹوں اور ان کے گھوڑوں کے بھاری زرہ بکتر۔ توپوں کے گھوڑوں کے ساز۔ سپاہیوں کی وردیاں۔ جنگی علم۔ مفتوحہ قلعوں کی چابیاں اور آلات و متعلقات جنگ از قسم اصطرلاب وغیرہ اور نپولین اول کے دیئے ہوئے تحفے موجود ہیں۔ ایک جگہ قلعہ ایڈریانوپل کی چابی اور علم موجود ہے۔ جو جرمنی نے ۱۸۱۵ء میں فتح کیا تھا میرے خیال میں وہ شمشیر یہاں نہیں رکھی ہوگی۔ جو سلطان عبدالمجید خاں نے قیصر ولیم دوم کو ان کی پہلی ملاقات پر قسطنطنیہ میں دی تھی اور جو ان کے دادا سے ترکوں نے چھینی ہوئی تھی۔ نہ یہ دکھلایا گیا ہے کہ نپولین نے برلن پر کیا تباہی برپا کی تھی۔ اور کس طرح برلن کے وہ چار مرمریں گھوڑے پیرس کو ہمراہ لیگیا تھا جو اب جرمنی نے واپس لے کر برینڈنبرگ کے دروازے پر نصب کئے ہوئے ہیں۔ اس اسلحہ خانہ میں بہت سے ایرانی اسلحہ بھی ہیں جو غالباً خرید کر رکھے گئے ہونگے۔ ان میں سے اکثر و بیشتر مرثیے

کھودے ہوئے ہیں ایک زرہ کے سینے پر نصر من اللہ و فتح قریب۔
اور ایک شمشیر کے پھل پر "لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار لکھا ہوا ہے
اور سوائے بیل بوٹوں کے کوئی خوبی نہ تھی بمقابلہ یورپین سادہ اسلحہ کے ایرانی
اسلحہ کا بناؤ سنگار زنانہ معلوم ہوتا تھا۔ فرانسیسی فوج کے بعض ستراسی
اور سو سال کے پرانے کوٹ اور سامان جنگ ایسے بھدے تھے جیسے کہ
آجکل پنجاب میں چوکیدار پہنتے ہیں لیکن سب کی جدوجہد تاہم یا سب گزشتہ صدی
کا نتیجہ ہے۔ اس عمارت کے ایک بازو میں دس دس بیس بیس گز لمبی
اور اسی نسبت سے چوڑی میزوں پر ان تمام جنگوں کے میدانوں کو نقشے
بنے ہوئے فراز و نشیب میں بنائے گئے ہیں۔ کہ جن سے فن جنگ
کے ماہر بہت سے سبق حاصل کرسکتے ہیں۔ ان میں جرمنی اور غنیم کی فوجوں
کے ننھے ننھے سپاہی مٹی یا لکڑی کے بنا کر دکھلائے گئے ہیں۔ ان سے
بہتر سمجھ کسی میدان جنگ کی پوزیشن کی اور کسی طرح نہیں آسکتی لیکن سب
سے دلچسپ بات اس اسلحہ خانہ میں ناموروں کا کمرہ ہے۔ جس میں جرمنی
کے تمام بادشاہوں اور اکثر بڑے بڑے امراء کی برنجی اور سنگ مرمر کی قد
آدم سے بڑی نیم قد لعبتیں موجود ہیں۔ اور دیواروں پر جرمنی کے تمام
جنگوں کے نظارے اعلیٰ درجہ کے استادان فن نے کھینچے
ہیں۔ کہ جنہیں دیکھ کر اصلی میدانوں کے نظارے آنکھوں کے سامنے
پھر جاتے ہیں۔ چھت پر چار تصاویر بادشاہوں کے عدل۔ انصاف۔ بہادری
اور تدبر کی بصورت تمثیل دکھلائی ہیں۔ مگر برلن کی تمثیلی تصویروں میں مجھے
وہ عالیشان بت شہنشاہ ولیم اول کا بہت پسند آیا جو اسکے قیصر کو سامنے
سنہ ۱۸۷۰ء کی جنگ کے بعد نصب کیا گیا ہے۔ اور جس میں سامان جنگ و

بدل کر فراموش کر کے انگوری کی صورت میں صنعت و حرفت و زراعت و تجارت کی رونق بڑھانے کی طرف توجہ دکھلائی گئی ہے۔ یہ سب مضمون چند بتوں کی صورت میں بڑی خوبی سے ادا کیا گیا ہے۔ اہل جرمنی نے تصویر اور مُبت کے کام میں بڑی ترقی کی ہے اور اسکے اچھی طرح سمجھنے کے لیئے بھی کسی ماہر آرٹسٹ کی نظر درکار ہے۔ ہاں اسلحہ خانہ کو دیکھ کر ممکن نہیں کہ کسی مُردہ سے مُردہ جرمن کے بدن میں بھی اپنے باپ دادوں کے کارناموں کو دیکھ کر جنگی روح جوشزن نہ ہو۔ یہ اتنا بڑا مجموعہ اسلحہ کا صدیوں کی جانبازیوں اور کوششوں اور ہزاروں جانوں کے نقصان سے حاصل ہُوا ہے۔ لیکن جو لوگ یہ کام کر گئے ہیں اپنی آئندہ نسل کے لیئے ایک ایسی میراث چھوڑ گئے ہیں کہ جس کی وجہ سے وہ عزت کی زندگی بسر کر سکیں اور باپ دادوں کے نام پر فخر کر سکیں۔ بیشک اس مجموعہ کو دیکھ کے قوم کی عظمت ثابت ہوتی ہے۔

صنعت و حرفت کے کارخانے

میں نے یہاں بعض کارخانے دیکھے۔ جو اپنی قسم کے اول درجے کے ہیں۔ مثلاً رنگین تصویریں چھاپنا یا شیشہ اور برنج کا سامان آرایش اور قلمیں پنسلیں بنانے کے کام کرنے اور ان میں سے ہر ایک کی وسعت اور عظمت کو دیکھ کر مجھے خیال ہُوا ہے کہ اس سے بڑا کارخانہ کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن دوسری جگہ اُس سے بھی بڑا دیکھ کر مجھے حیرت پر حیرت ہوتی۔ ایک ہمارا ملک ہے کہ ہم سوئی دھاگے قلم دوات کاغذ۔ بٹن وغیرہ ہر چیز کے لیئے دوسروں کے محتاج ہیں۔ اور ایک یہ ملک ہے کہ دُنیا کی ضروریات کی چیزیں بہم پہنچاتا ہے۔ مجھے ایک جرمن

تعلیم کا نتیجہ

ملاقاتی نے بتلایا کہ ہماری ترقی کا راز صرف تعلیم اور محنت ہے

تعلیم یہاں جبری دی جاتی ہے۔ یعنی ہر آٹھ سال کا بچہ قانوناً مجبور ہے کہ بارہ سال تک مدرسے میں پڑھے۔ اگر ہمارے لوگ اسی طرح محنت کرتے رہے تو ایک روز دنیا میں ہم اول درجے کی قوم ہونگے۔ ہمیں ملک فتح کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ ہنر اور صنعت و حرفت کے مُلک سائنس کے زور سے ہم فتح کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس میں اب بھی ہم تمام دنیا کی قوموں سے آگے بڑھے ہیں"۔ ایک دوسرے شخص نے بتلایا کہ ۱۸۷۱ء سے جرمنی کی نئی زندگی کی بنیاد پڑی ہے جبکہ قیصر ولیم اول نے فرانس پر فتح حاصل کرکے قوم جرمن کے منتشر اور متفرق اجزا کو ایک کر لیا اور صنعت و حرفت اور علوم و فنون کی ترقی کی جانب بلیغ توجہ کی۔ اس وقت سے اس ملک میں شب و روز ترقی ہو رہی ہے۔ اور جس قدر مال تجارت جرمنی سے دیگر ممالک کے استعمال کے لیے جاتا ہے۔ یہاں تک کہ خاص انگلستان میں جرمنی کا بنا ہوا بہت سامال کھپتا ہے۔ وہ سب اسی تیس سال کی مدت میں بننے لگا ہے۔

جرمنوں اور انگریزوں کی سوشل زندگی کا مقابلہ

جرمن سوسائٹی میں بڑی خوبی مجھے یہہ بتلائی گئی کہ بخلاف انگلستان کے غریب اور متوسط درجہ کے لوگ بھی امرا کی طرح زندگی مزے سے بسر کرتے ہیں۔ اور سیر و تماشے سے دل بہلاتے ہیں۔ بڑے بڑے مجمعوں میں یا سڑک کوئی جرمن بدمست نہیں دیکھا گیا۔ بخلاف انگلستان کے کہ جہاں غریب و غربا کی بڑی تفریح یہی ہے کہ شراب پی کر دل بہلائیں۔ میرے مخاطب نے یہہ بھی رائے دی کہ جرمنی آئندہ زمانہ میں بڑی قوم ہوگی اگر اہل جرمنی اسیطرح محنت و مشقت میں سرگرم رہے۔ ان کے دماغ صاف ہیں۔ انکی طبائع میں آمادگی اور سکنت ہے۔ اور انگریزوں کی نسبت کہا کہ وہ مغرور زیادہ ہوگئے

ہیں۔ اور سوائے روپیہ کمانے کے اور انہیں کچھ کام نہیں۔ اگر انگریزوں نے یورپ کی بعض دوسری قوموں کی طرح فوجی خدمت اپنے ملک میں لازمی نہ کردی تو یہ زیادہ مدت دُنیا میں بڑی قوم نہیں رہ سکیں گے۔

جرمن عورتیں

جرمن عورتوں کی نسبت کہا کہ بہت اچھی بیویاں ہوتی ہیں۔ انگلستان کی عورتوں کی طرح ہر وقت ناز نخرے ہی میں محو نہیں رہتیں گھر کا کاروبار سب خود کرتی ہیں۔ انہیں اچھی تعلیم دی جاتی ہے۔ جو اپنی باری سے اپنے بچوں کو اچھی تعلیم دیتی ہیں۔ میرے مخاطب کی لڑکی کی عمر سترہ سال کی ہے جو جرمن میں اچھی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انگریزی گفتگو صاف کرنے کے لیئے انگلستان کے ایک مدرسہ میں بھیجی گئی تھی۔ اور اب پیرس کے ایک مدرسہ میں تعلیم پاتی ہے۔ اِسکے بعد اگر اُس نے پسند کیا تو وہ اطالی زبان بھی سیکھ لیگی۔ ورنہ یہی تین زبانیں جرمنی انگریزی فرنسیسی کافی ہونگی۔ واضح رہے کہ یورپ میں لڑکیوں کے مدرسے سب جگہ ریذیڈنشل سسٹم پر قائم ہیں۔ یعنی اُن کے ساتھ بورڈنگ ضرور ہوتے ہیں۔

دکانوں کی روشنی سے اشتہار کا کام لینا

فرائڈریش شتراسے یعنی کوچہ فریڈرک نامی برلن کی اُس بڑے بازار کا سماں کہ جس میں میں مقیم تھا۔ رات کے وقت نہایت دلکش ہوتا تھا۔ سرِشام دوکانیں برق اور گاس کی روشنی سے جگمگا اُٹھتیں۔ اور شیشوں کے پیچھے جو لاکھوں روپیہ کا مال سجا ہوا ہوتا تھا روشنی اُسے دن کی نسبت بہت زیادہ دلکش بنا دیتی تھی۔ ایک نئی ترکیب برقی روشنی کی پہلے پہل یہ دیکھی کہ بعض دُکانوں کے نام کے حروف جو دن کو سفید اور سادہ معلوم ہوتے تھے دراصل ہر حرف کئی ایک ننھی لیمپوں سے مرکب تھا۔ ایکدم دوران میں یہ سب لیمپ روشن ہو جاتے اور دکان

کا نام نور کے حرفوں میں دیکھنے والوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتا۔ اور دوسرے لمحہ میں وہ روشنی معدوم ہو جاتی۔ اور لمحہ کے بعد پھر اسی طرح نمودار ہو جاتی۔ لیکن بعض دوسری دوکانوں پر اس سے بھی زیادہ حیرت بخش عمل برقی روشنی کا دکھلایا جاتا تھا۔ مثلاً دوکان کا نام دو سطروں میں ہے۔ تو ہر آن واحد میں ان میں سے ایک سطر کے حرف سرخ اور دوسری کے سبز برقی روشنی سے منور ہو جاتے یا ایک کے اسم سفید اور دوسرے کے سبز اور دوسرے لمحہ میں وہی سفید سرخ اور سبز سفید ہو جاتے۔ غرض ایک اجنبی کو پہلے پہل یہ نظارہ عالم طلسمات سے کچھ کم حیرت افزا نہیں معلوم ہوتا۔ بجالیکہ سوائے مال کا اشتہار دینے کے اس تجربہ سے اور کچھ مقصود نہ تھا۔ اس کثرت سے قیمتی اور عجیب و غریب مال سے بھری ہوئی دکانیں دیکھ کر مجھے تعجب ہوتا تھا کہ اس کا خریدار کون ہوگا۔

تمام شب پوری تاریکی نہ ہوئی

یہاں بازاروں میں پھول بیچنے کا بہت رواج ہے۔ یہاں شام کو ساڑھے ۹ بجے تک دن کی روشنی میں خط لکھ پڑھ سکتا تھا۔ ۷ جولائی کو ہیمبرگ سے مسٹر تولا کا خط آیا تھا جس میں رات کی روشنی کے متعلق وہاں کا یہ تجربہ درج تھا۔ آپ کو برلن کے راستہ میں بوجہ تین بجے صبح ہو جانے کے اس روز تعجب ہوا تھا۔ یہاں پرسوں بوجہ صاف رہنے مطلع کے ساحل بحر سے ہیمبرگ تک تمام راستہ اس کا پورا پورا مشاہدہ ہو گیا۔ یعنی ۱۱ بجے تک تو بجانب جنوب روشنی مثل ہندوستان کے وقت مغرب کے دکھتا آیا۔ اس کے بعد کسی قدر دھندلی ہو گئی تھی۔ تو گویا تمام شب میں ذرا بھی تاریکی مثل ہمارے یہاں کی معمولی شب کے نہیں ہوتی۔"

میں جس ہوٹل میں مقیم تھا۔ یہ شہر کے نہایت پر رونق کوچہ فریڈریش سٹراسے میں واقع ہے۔ یہ بازار اسقدر چلتا ہے کہ میں نے رات کے دو دو بجے تک

جاگ کر بھی انتظار کیا کہ دیکھوں اس میں کب آمد و رفت بند ہوتی ہے۔ مگر مجھے پتہ نہیں ملا۔ دُخانی اور گھوڑے کی ٹریموے کے علاوہ آمنی بس گاڑیاں شب و روز بکثرت چلتی ہیں۔ شاید کوئی شخص دو تین سال یہاں رہے تو اسے پتہ لگ جاوے کہ ٹریم اور آمنی بس کی لائنیں کس کس طرف جاتی ہیں۔ گھوڑا گاڑیوں پر میں نے ساڑھے آٹھ ہزار سے زیادہ نمبر دیکھا کیونکہ خاص خاص اطراف کو جانے والی الگ الگ گاڑیاں ہوتی ہیں۔

اندرون شہر کی ریل کی سڑک

شہر کے اندرونی حصہ کے گرد اور عام طور پر شہر کے اندر ایک حلقہ ریل کا گذرتا ہے جس کی سڑک کہیں تو مکانات کی چھتوں کے برابر یا بیس فیٹ بلند ہے۔ اور اس سڑک کے نیچے ۲۲ میل شہر کے اندر ہیں۔ جرمن اسکوٹسٹا ڈبان یعنی شہری ریل کہتے ہیں۔ اس کے اسٹیشن دو دو میل کے فاصلہ پر ہیں۔ اور گاڑی ہر پانچ منٹ کے بعد ہر اسٹیشن سے دونو طرف روانہ ہوتی رہتی ہے۔ اور نصف منٹ سے زیادہ کسی اسٹیشن پر ٹھہرتی نہیں ہوتی۔ اس ریل کے ذریعے سے کہ جسے پرنس بسمارک نے تجویز کیا تھا شہر برلن کے اندر لوگوں کی جلد آمد و رفت جاری رہتی ہے۔ اور اکثر کاروباری لوگوں نے اس کے سیزن ٹکٹ لے رکھے ہیں۔ ٹکٹ دینے کے لیے کوئی شخص نوکر نہیں۔ البتہ چند مشینیں لمبے لمبے بکس (چٹھی ڈالنے کے بڑے صندوقوں) کی برابر ہر جگہ کھڑی ہیں۔ جب کوئی شخص ان میں دس فینی کا سکہ جو ایک آنہ کے برابر ہوتا ہے ڈالتا ہے تو جھٹ ایک ٹکٹ تیسرے درجے کا ان کے ایک منہ سے گر پڑتا ہے۔ اسی طرح دوسرے درجے کا ٹکٹ دو آنی کا سکہ ڈالنے سے نکلتا ہے۔ البتہ ایک شخص ٹکٹ کو چیک کرتا ہے سا ریل کا ہر پانچ منٹ کے بعد اس حلقہ میں بالمقابل دونوں طرف گھومتے رہنا

اور کسی اسٹیشن پر نصف منٹ سے زیادہ نہ ٹھیرنا وہاں کی زندگی میں ایک عجیب مقوی اور سریع الاثر دوائی کا کام دیتا ہے۔ چونکہ ریل کی دونو طرف شہر کے مکانات ہیں اُن کی دیواروں پر مختلف ادویات اور مال اسباب کے اشتہار بڑے بڑے حروف میں نقش کر دیئے گئے ہیں کہ جنکے لیئے دیواروں کے مالکوں کو کرایہ دینا پڑتا ہے۔ یہ حروف اور نقشے اسقدر اتنے موٹے اور واضح ہوتے ہیں کہ چلتی ریل میں بآسانی پڑھے جا سکتے ہیں۔

جرمنی کا جنگی عنصر کس قدر نمایاں ہے۔

برلن میں نوارد شخص فوجی اور جنگی عنصر اسقدر زیادہ پاتا ہے کہ خواہ مخواہ اُسکے خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں غیر معمولی سرگرمی فوجی امور میں ظاہر کی جاتی ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جرمنی کا مدار ہی ایک بہت بڑی فوجی جمعیت پر ہے۔ خصوصاً اسکے ہمسایہ فرانس سے ہمیشہ کی عداوت اور پرخاش کی وجہ سے۔ اسلیئے جرمنی میں کانسکرپشن کا رواج ہے۔ یعنی ہر جوان آدمی کو قانوناً بیس برس کی عمر کے بعد فوج میں بھرتی ہونا پڑتا ہے۔ اور پیدل فوج میں دو سال یا سوار فوج میں تین سال تک فن جنگ سیکھنے کے لیئے خدمت کرنی پڑتی ہے۔ البتہ بیس سال کی عمر میں اگر کسی طالب علم کا امتحان قریب ہو یا اُس کی تعلیم میں ہرج ہوتا ہو تو حکام وقت کی اجازت سے اُسے اور ایک دو سال تک فوجی خدمت میں شریک ہونے سے معاف کیا جاتا ہے۔ فوجی خدمت کے زمانہ میں پہلا سال جبکہ لوگ کام سیکھتے ہیں انہیں اپنے گھر سے اپنا خرچ چلانا پڑتا ہے۔ لیکن اسکے بعد وردی کپڑا اور تھوڑا سا جیب خرچ جو چھ سات روپے سے زیادہ نہیں ہوتا انہیں سرکار سے ملتا ہے۔ جو لوگ فوج میں داخل ہونے سے پہلے اچھی تعلیم حاصل کر چکتے ہیں اُن سے پیدل میں صرف ایک اور سواروں

میں صرف دو سال خدمت لی جاتی ہے۔ اسکے بعد یہ لوگ ریزرو میں چلے جاتے ہیں۔ اور اپنی زندگی کے کاروبار میں لگ جاتے ہیں۔ اور جب ضرورت ہو ملک کی خدمت کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں۔ ان دو تین سال کی خدمت کے بعد ریزرو میں آجانے والوں کو اگلے سال سات آٹھ ہفتہ اور اس سے اگلے سال چار پانچ ہفتہ اکثر خدمت کرنی پڑتی ہے۔ اس طرح سے سینہ سارا ملک سپاہیوں کا ہو گیا ہے۔ اور بقول ایک جرمن کے اب کوئی غنیم کبھی جرمنی پر حملہ آور نہ ہو گا۔ جو لوگ بارہ سال تک فوج کی ملازمت کر چکتے ہیں ان میں سے بعض کو انتخاب کر کے سول کی ملازمت مثل ڈاکخانہ ریلوے جنگلات وغیرہ میں نوکری دی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکخانہ اور ریل کے ملازموں اور کلرکوں تک کی فوجی وردیاں ہوتی ہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ ابھی فوجی سپاہیوں اور افسروں نے ڈاکخانہ یا ریل پر قبضہ کر لیا ہے۔

برلن کے عجائب خانے

گو میں نے اپنا تمام وقت شہر کے قابل دید مقامات عجائب اشیا اور تجارتی کارخانوں کے دیکھنے میں صرف کیا تاہم میں دیکھتا ہوں کہ میں نے برلن کو بہت کم دیکھا ہے۔ عجائب خانے یہاں ایک درجن کے قریب ہیں۔ جو اپنے اپنے رنگ میں سب بےنظیر ہیں۔ ایک میں اقوام دنیا کی تاریخی و معاشرتی زندگی کے سامان ہی ہیں۔ اسکو فولکر کنڈے میوزیم کہتے ہیں۔ ایک میں قدیم زمانے کے رومن لوگوں کے مجسمے اور سامان۔ قدیم یونانیوں۔ مصریوں وغیرہ وغیرہ اقوام کے بت۔ قبریں اور آثار موجود ہیں۔ ایک زراعتی عجائب خانہ ہے جس میں آلات زراعت۔ تخم و ترقی زراعت کی تاریخ کے تمام مدارج دکھلائے

گئے ہیں۔ ایک میں شاہان جرمنی کی یادگاریں اور تاریخی سامان جمع کئے گئے ہیں۔ ایک کا نام پوسٹ آفس میوزیم ہے۔ اس میں ڈاکخانہ کی ترقی کی تاریخ کے مختلف سامان جمع کرکے دکھلائے گئے ہیں۔ ایک میں مذہب عیسوی کی ترقی کی تاریخ ہے۔ عجائب خانوں کے متعلق مجھے دیکھ کر تعجب ہوا کہ فولکرکنڈے میوزیم میں جہاں دنیا کے ہر ملک کے لوگوں کے سامان کافی اور کافی سے زیادہ موجود ہیں۔ عرب۔ ایران اور ہند کا ایک تنکا نہیں دکھلایا گیا۔ البتہ چین کے بہت سے سامان جمع تھے۔ اور آجکل چین میں شورش برپا ہونے کی وجہ سے لوگ بڑے شوق سے ان حالات کو دیکھتے تھے۔ ہندوستان کے حصہ میں اتنی دلچسپ چیزیں تھیں کہ کلکتہ کے بڑے عجائب خانہ میں لوگوں کی سوشل زندگی کی ضروریات کی نمایش اس سے بڑی نہ ہوگی۔ جس عجائب گاہ میں قدیم زمانہ کے بُت اور تصاویر جمع کئے گئے ہیں۔ سے قدیم و جدید عجائب گاہ اور پکچر گیلری کہتے ہیں ہیئت عالیشان دو منزلہ عمارت ہے۔ جسکے وسط میں ایک عظیم الشان گول ہال ہے جسکی دیواروں اور چھت پر دلکش مرقعے کھینچے گئے ہیں۔ اس عجائب گاہ میں یونانی چیزوں کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ یونانیوں کے بتوں میں سقراط اور افلاطون ارسطو اور دیگر نامور لوگوں کے بُت موجود تھے۔ جن میں سے بعض اصلی قدیم زمانہ کے بنائے ہوئے اور باقی یورپ کے دیگر عجائب خانوں کے اصلی بتوں کی نقلیں تھیں۔ اسی طرح رومیوں کے بُت بھی بہت تھے۔ ایک حصہ صرف حضرت مسیح و مریم کے انواع و اقسام کے بتوں اور تصویروں کے لئے مخصوص تھا۔ جن میں مٹی دھات پتھر غرض ہر چیز کے بنے ہوئے بُت پڑے تھے۔ ایک حصہ میں قدیم مصریوں کے میان یعنی مصالحہ لگی ہوئی

لاشیں اور بادشاہوں اور دیوتاؤں کے بُت اور زمانۂ کی چیزیں تھیں۔ ایک
حصہ میں یونانیوں کے قدیم زمانہ کی آرٹ کی چیزیں بے شمار تھیں یہاں کے
عجائب خانوں میں عورتیں مردوں سے کم نہیں آتیں خواہ مضمون کیسا خشک
ہو۔ ایک عورت ایک دیوی کی تصویر نقل کر رہی تھی۔ بعض کمروں کی دیواروں
پر قدیم زمانہ کے تاریخی اور قیاسی مضامین کی تصویریں بنائی گئی تھیں۔ اور
بعض دیواروں پر اسی مطلب کی فریزہ آویزاں کی گئی تھی۔

تعلیم کا چرچا

یہاں تعلیم جبری دی جاتی ہے۔ ہر شخص قانوناً پابند ہے
کہ اس کے گھر میں جو بچہ آٹھ سال کا ہو اسے بارہ
سال تک پڑھنے کو مدرسہ میں بھیجتا رہے۔ یہی وجہ ہے کہ گاڑیبان مزدور
پولیس کانسٹبل اور دوکاندار سب خواندہ ہیں۔ تعلیم کا خرچ بھی زیادہ نہیں
ہے۔ جو لوگوں کو ناگوار معلوم ہو۔ لیکن جو تعلیم یہاں کی زیادہ دلچسپ ہے
وہ صنعت و حرفت کی تعلیم ہے۔ یہاں پرائمری سکولوں کو بیشور کہتے ہیں جو
شہر میں ہوتے ہیں۔ لوئر سکولوں کو ریال سکول اور مڈل اور ہائی سکولوں کو
گمنازیم کہتے ہیں۔ اور پیشے اور حرفے مثل نجاری و آہنگری وغیرہ سکھانے
کے مدرسے گیوربن سکول کہلاتے ہیں۔ اکثر غریب غربا لوگ تو بچوں کو
ابتدائی سکولوں سے نکال کر پیشے سکھلا لیتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اعلیٰ تعلیم
اپنی اولاد کو دینا چاہتے ہیں یا اعلیٰ اور علمی پیشے سکھلانا چاہتے ہیں تو وہ
گمنازیم میں طلباء کی تعلیم ختم ہو چکنے پر انہیں یا تو یونیورسٹی میں بھیجتے ہیں اور
یا ٹکنیش ہوخ شولے یعنی ٹکنیکل ہائی سکول میں۔ ہرچند کہ جرمنی کی یونیورسٹیاں
عرصہ سے مشہور چلی آتی ہیں۔ اور یورپ کے علمی معیار کے بلند کرنے میں اور اہل یورپ کے خیالات
پر جرمن یونیورسٹیوں کا بڑا اثر ہوا ہے مگر یونیورسٹی کی تعلیم پر ٹکنیکل تعلیم کو ترجیح دی جاتی ہے۔ یونیورسٹی

کی ڈگریاں حاصل کرنے والے لٹن اور گریک علاوہ دیگر دینی علوم کے پڑھتے ہیں اور پادری بننے کے لئے عبرانی ضرور سیکھتے ہیں۔ لیکن مشرقی زبانوں کا مدرسہ علٰحدہ ہے۔ جہاں چینی جاپانی عربی فارسی سنسکرت سکھلائی جاتی ہے۔ اسکے دروازہ پر لکھا ہوا ہے کہ اس کے اندر مشرقی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ گورنمنٹ جرمنی صنعت و حرفت کے مدارس کے علاوہ فن زراعت باغبانی علاج المویشی مرغیاں پالنے اور دودھ دہی مکھن اور میوہ جات پیدا کرنے کے مدرسوں پر بہت روپیہ خرچ کرتی ہے جو ملک میں بکثرت جاری ہیں۔

دنیا میں سب سے بڑا ٹکنیکل سکول۔

لیکن جس چیز نے اس زمانے میں جرمنی کو بہت بڑی شہرت اور عزت دی ہے۔ وہ یہاں کا پالی ٹکنی کم یعنی ٹکنیکل ہائی سکول ہے۔ یہ مدرسہ اب ایک سو ایک سال سے جاری ہے۔ پچھلے سال اسکے صد سالہ سالگرہ کا جلسہ بھی ہوا تھا۔ مجھے اسکے دیکھنے کا جتنا زیادہ شوق تھا۔ اتنا ہی اسکے دیکھنے کا سامان عسیر الحصول تھا۔ آخر ایک صاحب سے پروفیسر ڈاکٹر سٹیون ہاگن کے پاس سفارش کرائی۔ اوس اس نے پرنسپل سے اجازت حاصل کر دی۔ اور میں ساڑھے پانچ گھنٹے برابر اس عالی شان تعلیمگاہ کی مختلف منزلوں اور درجوں کا طواف کرتا رہا پہلے پہل کیمسٹری کا حصہ دیکھا جس میں مختلف کمرے اجزائے کیمسٹری کے نزول تجربات اور لیکچر دینے کے لئے مختص تھے۔ ایک پروفیسر نے اپنے کمرے میں لیجا کر تاریکی کر دی۔ اور پھر برقی روشنی سے سامنے ایک چادر پر رنگین تصویریں بنا کر دکھلائیں۔ اور اور بھی چند تجربات دکھلائے۔ یہ حصہ کہ جس میں آرگینک ان آرگینک کیمسٹری اور فوٹو گرافی سکھلائی جاتی ہے اصل سکول کی عمارت سے علٰحدہ ہے۔ گو سکول کی اصل عمارت جو پانچ

چھ منزلوں کی بڑی وسیع ہے اور سات آٹھ سال میں ختم ہوئی تھی مگر وہ اب
اتنی غیر مکتفی معلوم ہوتی ہے کہ اتنی ہی ایک اور وسیع عمارت اسکے ساتھ
زیر تعمیر ہے۔ دن بدن طالب علم اور سکول کے عجائب خانوں کا سامان اتنا
بڑھ رہا ہے کہ مکان وسیع کرنے کے سوا ہے چارہ نہ تھا۔ آجکل تین ہزار
طالب علم یورپ کے ہر ملک اور قوم کے یہاں تعلیم پاتے ہیں۔ بیچ کا صحن
اور ہال کمرہ کہ جسے اوا لکھتے تھے نہایت پرتکلف ہیں جو کسی شہنشاہ کے
قصر میں موجب زینت ہو سکتے ہیں۔ کئی پروفیسروں اور سائنس کے
عالموں کے بُت اور تصاویر تمام عمارت میں جا بجا رکھے ہوئے ہیں بڑے
کمرہ میں قیصر ولیم اول کا رومیں بُت ہے۔ ایک عجائب خانہ میں ہر قسم
کی مشین کا چھوٹا سا نمونہ طالب علموں کے سمجھانے کے لئے رکھا ہوا ہے
لیکن ایک دوسری جگہ ایک مکان میں مشینوں کے ہر پرزہ کو اس کا عمل
ذہن نشین کرانے کے لئے علیحدہ علیحدہ کر کے رکھا گیا ہے۔ بلکہ ایک
ایک پرزہ کے مختلف عمل اسکے مختلف حصوں سے دکھلاتے گئے ہیں۔
ہر فنی تعلیم کا کمرہ اور کئی کلاس روم۔ مطالعہ کے کمرے۔ اور کتب خانہ
مشہور مصور اور آرٹسٹ شنکل کا عجائب خانہ۔ پلوں کی تعمیر کے سامان۔
اور پلاسٹر آف پیرس کے بتوں کا کمرے۔ عالی شان گرجوں اور دیگر عمارت
کے چھوٹے ماڈلوں (نمونوں) اور نقشوں کے کمرے۔ دخانی جہازوں کے
نمونوں کے کمرے۔ نقشہ کشی۔ نجاری اور علم رنگ کے لکچر کے کمرے
اور جدا جانے اور کتنے کمرے اور لکچر روم تھے۔ خلاصہ یہ کہ بارہ بجے
دوپہر سے ساڑھے پانچ بجے شام تک تمام مکان کو دیکھا۔ مگر دکھلانے
والا شخص جو یہیں کا ایک ملازم تھا کہتا تھا کہ ابھی آدھا مدرسہ بھی نہیں دیکھا

گو یہ مدرسہ سو سال سے برلن میں جاری ہے۔ اور اہل جرمنی کی موجب فخر ہے لیکن صرف گذشتہ پچیس تیس سال سے غیر معمولی ناموری حاصل ہوئی ہے جب سے کہ جرمنی کی دستکاریوں نے غیر ملکوں میں رواج پایا ہے۔ انگلستان تک سے لوگ بچوں کو جرمنی میں تعلیم حرفت کے لئے بھیجتے ہیں۔ پہلے ہر قوم کے طالب علم انگریز امریکن روسی اطالی یہاں اس قدر داخل ہو جاتے تھے۔ کہ جرمنوں کی حق تلفی ہوتی تھی۔ لیکن اب دو تین سال سے پہلے جرمن طلبا داخل کئے جاتے ہیں اور اگر گنجایش ہو تو باقی قوموں کے طالب علم لئے جاتے ہیں۔ سوائے ٹرکی اور یورپ کے ہر چھوٹے بڑے ملک کے طالب علم یہاں موجود تھے۔ ایک جگہ اس سکول کے اُن بہت سے طلبا کے نام سنہری حروف میں کندہ ہیں جو جرمنی کے گذشتہ جنگ فرانس میں مارے گئے تھے۔ سکول کے عقب میں برقی روشنی حاصل کرنے اور سرما میں مدرسہ کے کمرے گرم رکھنے کے لئے بڑی بڑی برقی کلیں دو مکانوں میں لگی ہوئی ہیں۔ جرمنوں کا یہ کہنا ذرہ بھی بیجا نہیں کہ اتنا بڑا مدرسہ اس فن کا دنیا میں کوئی دوسرا نہیں۔ مسلمان بڑے ناز سے اب تک کہہ دیا کرتے ہیں کہ قاہرہ کی الازہر یونیورسٹی میں ایک وقت میں دس ہزار طالب علم پڑھتے ہیں۔ اور مراکو کے فیض کے دارالعلوم میں بھی کئی ہزار طالب علم پڑھتے ہیں۔ مگر بھلے آدمیو دیکھو تو سہی کہ وہ کیا پڑھتے ہیں۔ اور یہ کیا پڑھتے ہیں۔ جن علوم کو الازہر اور فیض میں پڑھایا جاتا ہے وہ اب بوسیدہ ہڈیاں ہو چکی ہیں۔ کوئی ہیئتی پڑھنے والے کو ذرہ امریکہ کی مشہور لک یونیورسٹی کی رصدگاہ میں۔ یا گرینچ (انگلستان) کی رصدگاہ میں لیجا کر مقابلہ تو کرے کہ وہ فرضی علم ہیئت صحیح ہے یا یہ

یعنی مشاہدہ ستاروں کا عظیم الشان دوربینوں سے جو لوگ اس قسم کی تماشا لیک
کو پسند نہیں کرتے۔ وہ مجھے معاف کریں سے تو طولِ پلی و ما و قامت یار۔ فکر
ہر کس بقدرِ ہمت اوست ۔ اس ٹکنیکل سکول کی لائبریری میں ستر ہزار کتابیں
صرف صنعت و حرفت و علوم فنون پر جرمنی فرانسیسی۔ انگریزی اور دوسری
یورپین السنہ میں ہیں۔ میں نے منتظم کتب خانہ سے | آثار مستادیہ اسلام |
دریافت کیا کہ کوئی مشرقی ملکوں کی کتاب بھی ہے۔ تو اس نے تلاش کر کے
ایک پون گز کی لمبی چوڑی کتاب کی تین جلدیں میرے سامنے لا رکھیں۔ اس
کتاب کا نام فرانسیسی زبان میں یہ ہے ۔

اس کتاب میں مسلمانوں کی دوسری صدی ہجری سے گیارھویں صدی تک
قاہرہ کی نہایت خوبصورت عمارات۔ مساجد اور آرٹ کی دوسری چیزوں کی
نہایت عمدہ تصاویر اور نقشے تھے۔ اس کتاب پر جو پیرس میں چھپی ہے اس
کتب خانہ کے چار پانچ سو مارک (مارک = ۱۲ /) خرچ آئے ہیں۔ مجھے اُمید
ہے کہ ہندوستان کے ۷ کروڑ مسلمانوں میں سے ایک کے پاس بھی اس
کتاب کی کاپی نہ ہوگی۔ ایسی عالی شان اور خوبصورت مساجد اور مقابر کے نقشے
اس میں موجود ہیں کہ میرا مخاطب مجھے کہنے لگا کہ مسلمان اس پر جس قدر فخر
کریں بجا ہے سے این سطر جادہ ہا کہ بصحرا نوشتہ اند۔ یاران رفتہ از نقش پا نوشتہ اند
مگر میں نے کہا کہ ساتھ ہی مسلمان جس قدر ماتم کریں وہ بھی بجا ہے کیونکہ اب
اُن کے پاس یہ فن بھی نہیں رہا ہے۔ برلن کا ٹکنیکل ہائی سکول یہاں کی
یونیورسٹی سے بھی زیادہ مرغوب اور زیادہ بڑا ہے۔ اس ٹکنیکل ہائی سکول کے
معائنہ کے دوران میں اس کی عظمت اور سامان کو دیکھ کر مجھے اپنا آپ نہایت

حقیر معلوم ہوتا تھا۔ اور مایوسی ہمت کو ایسا پست کر رہی تھی کہ دل میں خیال گذرتا کہ اس زندگی کا تو خودکشی سے خاتمہ کر دینا چاہئے جو ایسی ناکارہ ہے۔ یہ ایک ایسے سلسلہ خیالات کا نتیجہ تھا کہ جسکے یہاں درج کرنے کی ضرورت نہیں لیکن یہہ تو روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ ہندوستان میں مسلمانونکی ایسی تعلیم گاہ ابھی دو صدیاں بعد تک قائم نہیں ہوگی۔ سکول کے سامنے میدان میں ایک طرف جرمنی کے مشہور توپ ساز کارخانہ کرپ کے بانی کرپ کی اور دوسری طرف ایک نامور برقی انجنیری کے کارخانہ والے سمن کے رو مُیں بُت نصب ہیں ٹکنیکل سکول دیکھ کر میں اس قدر محو حیرت تھا کہ میرے رفیق نے دونوں گائیڈ نکو اپنی گرہ سے دو مارک (ایک روپیہ) دیدئے جو مجھے دینے چاہئے تھے۔ لیکن مجھے خبر نہیں ہوئی

عظیم الشان دوربین کی سیر

برلن کی قابل دید چیزوں میں جو میں نے دیکھیں میں ٹریپٹو کی دوربین کا بھی ذکر کرنا چاہئے۔ ٹریپٹو ایک مقام مضافات برلن میں شہر سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ایک خوشنما باغ اور تفریح گاہ ہے جہاں ہر روز ہزاروں لوگ سیر کے لئے آتے ہیں۔ یہ دوربین بوجہ اپنی جسامت اور اسکے چلنے کی مشین کے جو برقی طاقت سے چلتی ہے ایک عجیب چیز ہے۔ جو کل اڑہائی لاکھ مارک کے خرچ سے ستر آدمیوں کے چندہ سے ۹۷ء میں پروفیسر آرخن ہولڈ کی ڈیزائن پر بنائی گئی تھی۔ اسکا طول ۲۱ میٹر یعنی ۷۰ فیٹ سے زیادہ ہے۔ اور آجتک یورپ اور امریکہ میں لمبی سے لمبی دوربین ۱۸ میٹر کی موجود ہے۔ پیرس کی نمائشگاہ میں جو سب سے بڑی دوربین بنی تھی۔ وہ نامکمل رہی تھی۔ اسلئے اسوقت یہی دنیا میں بڑی لمبی دوربین ہے اس کے ڈائرکٹر پروفیسر آرخن ہولڈ سے ایک موقع پر میری اچھی ملاقات ہوگئی تھی۔ اور اُنہوں نے مجھے دوربین سے بعض ستارے اور چاند دکھلانے

کی دعوت کی تھی۔ چنانچہ میں نے چاند زحل زہرہ مریخ وغیرہ ستاروں کو اس میں سے بہت عمدگی سے دیکھا۔ چاند بہت صفائی سے ایک جلتی سُنہری برتن کی طرح بہت قریب معلوم ہوتا تھا کہ جسے دیکھ کر نظر خیرہ ہوتی تھی۔ اور جس کی سطح پر کئی چتیاں چھوٹی بڑی موجود تھیں۔ یہ چاند کے پہاڑ اور گھاٹیاں تھیں پروفیسر کہتا تھا کہ بیچ کی گہرائی ضرور چاند کا سمندر ہوگی جو اب خشک پڑا ہے۔ کہیں کہیں ایسے پتھر کے چٹان اور ٹکڑے نظر آتے تھے جیسے کسی ٹوٹے ہوئے پہاڑ کے پہلو میں گرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ زہرہ ایک اعلیٰ درجے کے ہیرے کی طرح جھلملاتا ہوا چھوٹا سا ستارہ نظر آیا۔ پروفیسر کہتا تھا کہ روشنی کی رفتار فی گھنٹہ ۲۰ ہزار میل ہے اور اندازہ کیا گیا ہے کہ اس رفتار سے ۱۸ سال چلکر ویگا کی روشنی ہم تک پہنچتی ہے۔ العظمت للہ۔ دوربین کا ڈھانچ کہ جس پر یہ قائم ہے اور جس کے ذریعے سے یہ سینکڑوں من لوہا ذرہ سے اشارہ سے جدہر چاہو ایک ملی میٹر کے دسویں حصہ تک بڑی طاقت سے بڑی آسانی کے ساتھ مڑ سکتا ہے۔ چونکہ ستارے ہمیشہ آگے یا پیچھے کو حرکت کرتے رہتے ہیں اسلئے دوربین کو بھی ہر دم اُسی سمت میں چلنا چاہیے۔ یہی آسکے پھرانے کا سامان نہایت عجیب اور دلچسپ ہے۔ تم وسط میں دوربین کے مُنہ کے قریب کھڑے ہو۔ اور ایک بٹن کے دبانے سے یہ تمام وہ بہت وسیع مینار سے تمہارے گرد گھوم رہا ہے۔ امید کی جاتی تھی کہ یہاں کی گورنمنٹ جلد اس دوربین کو خرید لے گی۔ بہت لوگ زر داخلہ دے کر ہر شام اس میں سے اجرام فلکی دیکھنے آتے ہیں۔ پروفیسر صاحب نے مجھے نہایت مہربانی سے بہت دیر تک دوربین کے ذریعے سے ستارے دکھلا کر پھر اپنا علم ہیئت کا عجائب خانہ دکھلایا۔ جس میں ہیئت کے دیوانوں کیلئے

بہت سا مصالحہ اجسام فلکی کے نقشوں اور فوٹو گرافوں وغیرہ کا موجود تھا۔ اسمیں چاند اور سورج کی مختلف زمانوں کے چارٹ موجود تھے کہ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اجرام فلکی کے علم نے کن مدارج سے ترقی کی ہے۔ کئی کلیں ستاروں کی رفتار سمجھانے کے لیے موجود تھیں۔ ایک لکچر روم تھا کہ جو ایک دم میں بڑی روشنی سے منور ہو جاتا تھا۔ سب سے دلچسپ بات یہاں یہہ پیش آئی کہ جب سے یعنی چار سال سے یہہ دوربین بنی ہے۔ اسکے ملاحظہ کرنے والوں کی تعداد اب ایک لاکھ تک پہنچی ہے

لاکھواں تماشائی میں تھا

اور لطف یہ ہوا کہ اتفاقاً یہ لاکھواں نام میرا درج رجسٹر وزیٹران ہوا تھا۔ پروفیسر آرخن ہولڈ یہہ دیکھ کر بہت خوش تھا اور سب لوگوں سے کہتا تھا کہ ہمارا ہندوستانی دوست لاکھواں وزیٹر ہے۔ پروفیسر نے دوسرے روز برلن کے کل اخبارات میں یہ بات چھپوا دی۔ کہ ٹریپٹو کی دوربین کا لاکھواں وزیٹر فلاں ہندوستانی ہے اور جبکہ میں پیرس میں تھا تو مجھے کئی ایک جرمن اخبارات کے ٹکڑے کاٹ کر بھیجے۔ جن میں میرے دوربین کے دیکھنے کا قصہ درج تھا۔ مجھ پر تو اس امتیاز کا کچھ اثر نہ ہوا۔ لیکن یہ لوگ ایسی باتوں پر مرتے ہیں برلن کی بہت سی لیڈیاں اور جنٹلمین مجھے اُس شام کو بنظر حسرت دیکھتے تھے کہ لاکھواں وزیٹر ہونے کی انہیں عزت کیوں نہ ملی۔

پروفیسر آرخن ہولڈ علم ہیئت کا بڑا استاد ہے۔ گذشتہ سال کے ماہ مئی میں آفتاب کا کامل گرہن دیکھنے کے لئے یہ گورنمنٹ کی طرف سے الجیریا کو بھیجا گیا تھا۔ اور اب ایران اور سماٹرا کو بھی علم ہیئت کی تحقیقات کے لئے سفر کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ دُوربین دکھلانے کے بعد پروفیسر صاحب اور اُن کی بیوی نے مجھے دعوت دی۔ یہاں دعوت دینا کوئی مشکل بات نہیں۔

کسی رسٹارنٹ یا ہوٹل میں جا کر جو کھانا مطلوب ہو مانگ لو اور اسکے دام دیدو۔
یہ شام کا وقت اور پانی کا کنارہ تھا۔جہاں ہزار ہا لوگ کھانا کھا رہے تھے۔
ایک چھوٹی سی برقی طاقت سے چلنے والی کشتی پر سوار ہو کر لوگ ایک جزیرے

جولائی میں سردی کی شدت

میں پہنچتے تھے جسمیں ٹریپٹو کا رسٹارنٹ تھا۔میں اس شام کو ہمیشہ یاد رکھونگا۔نہ اسلئے کہ ٹریپٹو کی دوربین میں چاند کو تھوڑے فاصلے سے دیکھ لیا تھا۔بلکہ اسوجہ سے کہ آج ۹ جولائی کو اس قدر سردی تھی (شاید بارش کی وجہ سے آج غیر معمولی سردی تھی) کہ میری ہڈیوں میں مغز سکڑا جاتا تھا۔اور میرے کندھے درد کرنے لگے تھے حالانکہ میں نے سولے اوورکوٹ کے باقی سب کپڑے موسم سرما کے پہنے ہوئے تھے۔اس پر بھی پروفیسر آرخن ہولڈ کی ایک بات پر مجھے ہنسی آجاتی تھی۔پروفیسر صاحب تھوڑی سی انگریزی جانتے تھے۔اور شاید اس روز ان کے ذہن سے وائف (بیوی) کا لفظ اُتر گیا تھا۔اسلئے جا بجا گفتگو میں اپنی بیوی کے ذکر کے متعلق ہسبنڈ (شوہر) کا لفظ استعمال کرتے۔پروفیسر نے آج شام کو کسی قدر دیر سے وہاں پہنچنے کی یہ وجہ بیان کی کہ چونکہ جرمنی سے آج چین کو فوج روانہ ہونے والی ہے مجھے گورنمنٹ نے اسلئے بلایا تھا کہ میں فوجی افسروں کو وہ قاعدے سمجھادوں جن سے وہ برلن اور چین کے وقت کا فرق معلوم کر سکیں۔ اسلئے میں نے اپنی ہسبنڈ (شوہر) کو ٹیلیفون کے ذریعے سے خبر کر دی تھی کہ وہ مہمان

ٹیلیفون کا آرام

کے ساتھ کھانا کھانے کے لئے جلدی پہنچ جائے۔ان ملکوں میں ٹیلیفون بڑے آرام کی چیز ہے۔شہر کے جس حصہ میں کوئی شخص ہو ایک دم میں ہر دوسرے حصہ کے لوگوں سے بات چیت کر سکتا ہے۔میں اخبار لوکال انسائیگر کے دفتر سے جب بذریعہ ٹیلیفون پروفیسر کو اپنے آنے

کی اطلاع بھیجی تھی تو پروفیسر رصد گاہ میں نہ تھا۔ وہاں سے اسکے کلرک نے اپنی ٹیلیفون سے کسی دوسری جگہ اطلاع دی۔ اور پروفیسر نے کہلا بھیجا کہ میں تھوڑی دیر میں رصد گاہ میں پہنچ جاؤں گا۔ اگر کوئی شخص مکان سے جائے تو پہلے اپنا پتہ بتلا جائے تو بذریعہ ٹیلیفون ہر جگہ اُس سے بات چیت ہو سکتی ہے۔ پروفیسر کی بیوی کے علاوہ اُن کے ساس اور سسر اور ایک اَور دوست اور اسکی بیوی تھے جن کی نئی شادی ہوئی تھی اور انگلستان سے یہاں ہنی مون منانے آئے تھے۔ لیڈیاں مجھ سے تعجب سے پوچھتیں کہ کیوں ہندوستان میں خاتونیں پردہ میں رکھی جاتی ہیں۔ اور کہتیں کہ پھر گھر کا سودا سلف کون خریدتا ہوگا اور انتظام امور خانہ داری کون کرتا ہوگا۔ ایک جنٹلمین نے تعجب سے پوچھا کہ کیا وہ اچھے کپڑے اور خرچ کرنے کو روپے بھی نہیں مانگتیں۔

برلن کے اخبارات

ہاں یہاں کے اخبارات کا بھی تھوڑا سا حال سنانا مناسب ہے۔ مَیں اوّل درجے کے چند اخبارات کے ایڈیٹروں سے ملا ہوں اور چند دوسروں سے بوجہ عدیم الفرصتی نہیں مل سکا کہ جنہوں نے مہربانی کر کے مجھ سے ملنا منظور کیا تھا۔ مَیں نے ایک روز اوّل درجے کے پانچ چار اخبارات کے ایڈیٹروں کو ملاقات کے خط لکھ دئیے تھے قریب قریب سب کے جوابات دوسرے دن تک پہنچ گئے۔ یہاں کا سب سے بڑا اخبار "لوکال انسائگر" ہے۔ افسوس ہے کہ میں اسکے اِنٹرپائزنگ مالک مسٹر آگسٹ شیرل سے تو نہ مل سکا کہ جس نے اپنی طبّاعی اور لیاقت سے ایک چھوٹا سا اخبار نکال کر آج اُسکو برلن کے اخبارات میں سب سے ممتاز بنا لیا ہے۔ کیونکہ وہ شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ تاہم مسٹر فونڈیک نے اپنے چیف کی غیر حاضری میں مجھے اپنا سارا کارخانہ جس کی پانچ منزلیں زمین سے اوپر اور ایک

زیر زمین بھی دکھلایا۔ شاید اس سے بعد مجھے اس سے بڑے کارخانے اخبارات کے دیکھنے کا اتفاق ہو۔ لیکن اس وقت تک یہ کارخانہ سب سے بڑا ہے جو میں نے دیکھا ہے۔ علاوہ لوکال انسائگر کے صبح شام کے اڈیشنل کے "خلاصہ لٹ پوسٹ" روزانہ "۔ ربانگ رجسٹر" تمام شہر کے کرایوں کا رجسٹر ہفتہ وارہ "دوخے" باتصویر ہفتہ وار اسی کارخانہ سے نکلتے ہیں۔ شہر برلن کی ڈائرکٹری بھی یہیں چھپتی ہے جسکے صفحے سال بھر سٹینڈنگ الماریوں میں پڑے رہتے ہیں۔ اور تھوڑی بہت اصلاح ہوکر ہر سال چھپتے ہیں۔ یہ سات چھوٹی اور بارہ بڑی مشینیں چھاپتی ہیں۔ ہر بڑی مشین آٹھ صفحہ کے اخبار لوکال انسائگر کو ۲۵ ہزار فی گھنٹہ کے حساب سے چھاپتی۔ کاٹتی اور توڑتی ہے۔ لوکال انسائگر ہر روز سوا دو لاکھ چھپتا ہے۔ صرف اُن عورتوں اور مردوں کی ایک چھوٹی سی فوج کام کر رہی تھی۔ جو اخبار گن گن کر بیچنے کو لیجا رہے تھے۔ ایک سو کے قریب وردی پوش کلرک دفتر میں تھے۔ وذلین کلرک صرف روپیہ کا کام کر رہے تھے۔ اُن کے سامنے پانچ چھ ہزار روپیہ کی اشرفیاں اور چاندی کے سکے رکھے تھے جو عجب نہیں کہ آج کی اخبارات کی فروخت کا نتیجہ ہو۔ یہ لوگ مجھے مختلف صیغے دکھلاتے ہوئے اُس جگہ لے گئے جہاں تصویریں بنتی تھیں۔ اور مجھے کہنے لگے کہ ہم بہت جلد تصویر بنا سکتے ہیں۔ تمکو دکھاتے ہیں ذرہ ٹھیرے رہو۔ ایک دم میں کیمرہ لاکر اُنہوں نے میری تصویر کی سہ پہر کا وقت تھا۔ شام کو تصویر تیار کر کے میرے پاس ہوٹل میں بھیجدی۔ اور پشت پر لکھ دیا کہ بیادگار تمہارے اس کارخانے کو دیکھنے کے یہ تصویر ہدیہ کی جاتی ہے۔ اتنی جلدی فوٹوگراف لینا۔ ڈیولاپ کرنا۔ اور چھاپ کر بورڈ پر لگا کر حوالہ کر دینا بہت عجلت کا کام ہے۔ ان کے اخبارات میں تمبیر

کچھ کچھ حالات چھپے تھے۔ جو مجھے بعد میں ملے۔

دم کشی کی ڈاک

برلینرٹاگ بلاٹ جو یہاں کا اول درجہ کا آزاد اور انٹرنیشنل اخبار سمجھا جاتا ہے اسکے ایڈیٹر ڈاکٹر لیوی سن نے میرے خط کا جواب بذریعۂ اوررہ پوسٹ" دم کشی کی ڈاک کے اسی روز سہ پہر کو بھیجدیا تھا۔ یہ طریقہ خط بھیجنے کا بھی برلن میں عجیب ہے۔ جس خط کو بہت جلد شہر کے دوسرے حصے میں بھیجنا مطلوب ہو۔ اسپر معمولی ڈاک سے دو چند محصول کا ٹکٹ چسپاں کیا جاتا ہے۔ گو ڈاک دن میں بارہ دفعہ تقسیم ہوتی ہے۔ لیکن اوررہ پوسٹ کے خط اس سے بھی پہلے ایک نلکوں کے سلسلہ کے اندر سے بذریعۂ ہوا کے زور کے پہنچائے جاتے ہیں۔ ایسے خطوں کو نلکہ میں ڈالکر پیچھے مشین کی ہوا سے دھکا دیا۔ اور دم زدن میں منزل مقصود کے قریب پہنچ گئے۔ جہاں سے تار کی طرح جلدی تقسیم کردیے گئے۔ مجھے معلوم ہوا کہ لنڈن میں بھی یہ طریق ڈاک کا جاری ہوگیا ہے۔ اور پیرس میں بھی۔ "پیٹی بلو" (نیلا چھوٹا) کے نام سے ایک نیلے رنگ کا خط شہر کے اندر سی سُرعت سے جا سکتا ہے۔ غرض چٹھی پاتے ہی میں ۷ جولائی کو ۵ بجے

برلینرٹاگ بلاٹ کے ایڈیٹر سے ملاقات

شام کے مقررہ وقت پر برلینرٹاگ بلاٹ کے دفتر میں پہنچا۔ یہاں اخبارات کے دفتروں کے باہر لوگوں کا ہجوم دیکھا جاتا ہے۔ کیونکہ جو تاربرقی خبریں دمبدم ان دفتروں میں پہنچتی رہتی ہیں انہیں فوراً چھاپ چھاپ کر دفتر کے باہر بازار میں آویزاں کیا جاتا ہے۔ اور لوگ ان کے پڑھنے کے لئے ہر وقت جمع رہتے ہیں۔ دفتر کے اندر ایک شخص جو غالباً لوگوں کو ہر قسم کی اطلاع دینے کے لئے ملازم ہوتا ہے اُس نے مجھے ایک کوچ پر بٹھلایا۔ اور میرا مطلب پوچھکر

چیف ایڈیٹر صاحب کو بتلانے گیا۔ ڈاکٹر لیوی سن اپنے کمرے سے باہر نکل کر
مجھے اندر اپنے ساتھ لے گیا۔ وہ انگریزی کسی قدر تکلف سے اور فرانسیسی
سہولیت سے بول سکتا تھا۔ اس وقت اسکے سامنے پروف پڑا ہوا تھا جسے
وہ دیکھ رہا تھا۔ مگر اسکے ماتحت نصف درجن سے زیادہ نائب ایڈیٹر تھے۔ اور
دائیں ہاتھ کی طرف میز پر ٹیلیفون لگا ہوا تھا۔ کچھ اور کاغذات بھی میز پر بکھرے
پڑے تھے۔ میں نے معذرت کی کہ بلا کسی خاص کام کے میں نے آپ کا
ہرج کیا ہے۔ کیونکہ میں روزانہ اخبار نویسی کی مصروفیت سے کسی قدر واقف
ہوں۔ ڈاکٹر لیوی سن نے مجھ سے ہندوستان کی سوشل اور پولیٹیکل امور کے
متعلق کئی سوالات کیئے۔ اور جب اُسے معلوم ہوا کہ پنجاب افغانستان کی
سرحد سے ملحق ہے تو پوچھا کہ کیا میری رائے میں ہندوستان کو روس کے حملہ
کا اندیشہ تو نہیں۔ اور امیر کا میلان کدھر ہے۔ میں نے کہا روس کے لئے
افغانستان سے ہندوستان تک پہنچنا آسان کام نہیں۔ اور چونکہ افغانوں کو
روسیوں سے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے وہ اُن کے طرفدار نہیں ہو سکتے
پھر ہندو مسلمانوں کی آبادی اور گورنمنٹ سے رعایا کے تعلقات پر گفتگو کی اور
جب میں نے سمجھایا کہ کانگرس والے وہی خدمات انجام دینا چاہتے ہیں جو کسی
سلطنت میں فریق مقابل گورنمنٹ (opposition) ادا کرتا ہے تو اُسکا ظن
رفع ہوا کہ رعایا سرکار سے ناراض نہیں۔ میرے پاس پیسہ اخبار کا نمونہ موجود

پیسہ اخبار کی قیمت کی ارزانی

تھا۔ چیف ایڈیٹر اُسے دیکھ کر خوش ہوا۔ اور اُس کی
قیمت کی ارزانی اور تعداد اشاعت دونوں باتوں کو پسند
کیا۔ بلکہ مجھ سے روپیہ لے لیا۔ اور اپنے دوسرے روز کے اخبار میں میری
ملاقات کی کیفیت مع پیسہ اخبار کے ایک کالم کے فوٹوگراف کے چھاپدی۔

اثنائے گفتگو میں جب میں نے اُس کے سوال کے جواب میں کہا کہ برلن
عمدہ شہر ہے اور قوم جرمن میں بسمارک ہمبولڈٹ اور شاتن جیسے لوگ گذرے
ہیں کہ جن کے بت شہر میں جابجا نصب ہیں تو اُس نے کہا کہ جب تم لندن
کو دیکھو گے تو اس سے زیادہ پسند کرو گے کیونکہ انگریزوں کی شائستگی زیادہ قدیم
ہے اور ان کے عجائبات کے ذخیرے بڑے بڑے ہیں۔ مگر ان تک پہنچنے میں
تو میرا کارڈ کئی ناشیوں اور دوسرے آدمیوں کے ہاتھوں میں پھرتا رہا تھا
لیکن جب میں ان کے سیٹنگ روم میں پہنچ گیا اور ان سے ہر قسم کی باتیں
ہوتی رہیں۔ تو پھر یہ دروازے تک چھوڑنے آئے۔ بلکہ اس سے بھی باہر
آ کر باہر کے دروازے تک اڈیو کہہ کر چھوڑ گئے۔ اڈیو بمنزلہ خدا حافظ جرمنی
اور فرانس میں یکساں مروج ہے۔ اور قسطنطنیہ میں بھی اسکا عام رواج ہو گیا ہے
میں نے اکثر اہل اخبارات کو آسٹریا و جرمنی میں خلیق پایا ہے۔ اخبارات یہاں
کے بڑا رسوخ رکھتے ہیں۔ بلحاظ دولت کے بھی بڑے بڑے تجارتی کارخانے
ہوتے ہیں۔ ہر کارخانہ میں روزانہ قیمتوں کے روپیوں اور اشرفیوں کے
ڈھیر لگ جاتے ہیں۔ اسلئے ان کی کاؤنٹنگ ہوسوں پر بنکوں کا شبہ ہوتا
ہے۔ روزانہ اخبارات کے دفتروں کے باہر دم بدم تازہ تار برقیاں چسپاں
ہوتی رہتی ہیں جیسا کہ پہلے لکھ چکا ہوں جنہیں عام لوگ آ کر پڑھتے ہیں اسلئے اخبارات
کے دفتروں کے دروازوں کے آگے لوگوں کا ہجوم لگا رہتا ہے۔ مزدور گاڑیبان۔
چھابڑی فروش کوچے صاف کرنے والے غرض سب لوگ لکھے پڑھے ہیں۔ اسلئے
شائستگی کا لوگوں کی طبائع پر بہت بڑا اثر معلوم ہوتا ہے۔ تعلیم نے تعصبات اور جہالت
کے عیوب کو دور کر دیا ہے۔ لوگ ہر دم ترقی کرنے کیلئے محنت کرتے ہیں اور چونکہ علوم سے بہرہ یاب ہوتے
ہیں یہ روز نئی نئی کلیں اور نئی نئی چیزیں ایجاد کرتے ہیں۔ ایسی کلیں کہ جنہیں کام کرتے دیکھ کر

تعجب آتا ہے یہ سبکت کا جو ہے بلا محنت اور کوشش کے کبھی عزت نہیں مل سکتی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے ~

بقدر الکد تکتسب المعالی ۔۔۔ ومن طلب العلیٰ سہر اللیالی
یغوص البحر من طلب اللآلی ۔۔۔ ویحظی بالسیادۃ والنوال
ومن طلب العلیٰ من غیر کد ۔۔۔ اضاع العمر فی طلب المحال

برلن کی دکانوں میں مال تجارت

بڑی بڑی میز کچہریاں گو شہر سے کسی قدر فاصلے پر ہیں لیکن ان کے شو روم شہر میں جا بجا واقع ہیں جو نہایت دلکش اور کارآمد مال و اسباب کے ذخیروں سے لبریز ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ انہیں دیکھکر تعجب ہوتا تھا کہ موجودہ ترقی اور شائستگی نے انکی ضروریات کس قدر بڑھا دی ہیں کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں چیزوں تک ان کا حصر نہیں ہو سکتا۔ صرف بچوں کے کھلونے سینکڑوں بلکہ ہزاروں قسم کے ہوتے ہوں گے اور چونکہ ان ملکوں میں دولت بہت زیادہ ہے یہ کھلونے بھی بڑا بڑا دام پاتے ہیں۔ جست اور نکل چاندی کا ایک تیار کیا ہوا مال بھی نکلا ہے جسے سلور پلیٹ کہتے ہیں۔ اس کے کھلونے بہت خوبصورت تھے۔ ایسی ہی بعض چیزیں سونے کی معلوم ہوتی ہیں۔ ہر قسم کی چیزوں کے انواع و اقسام کے نمونے بنائے جاتے ہیں تاکہ نئے سمجھ کر لوگ انہیں بھی خریدیں جسکے پاس ایک ڈیزائن کا لیمپ یا تھرمامیٹر ہو وہ دوسرے نئی ڈیزائن کا بھی دلکش سمجھ کر خریدتا ہے۔ یورپ اور امریکہ میں دولت اور تجارت کی ترقی نے ایک نئی قسم کی دوکانیں پیدا کی ہیں جنہیں سٹور کہتے ہیں اور جن میں دنیا کی ہر چیز ایک جگہ فراہم کرکے بیچنے کی کوشش کی جاتی ہے اور لنڈن میں وائٹلی کی اسی قسم کی دوکان ہے کہ جو یونیورسل پرووائیڈر کہلاتا ہے اور جس کا زیادہ حال اپنے موقع پر آئے گا۔ پیرس میں لوور اسی قسم کی دوکان ہے کہ جس میں تمام دنیا کی چیزیں بھری پڑی ہیں۔ امریکہ میں ایسی

بھی دکانیں ہیں ۔

برلن کی سب سے بڑی دکان — اسی قسم کی ایک دکان برلن میں بازار لیپزگ میں بھی میں نے دیکھی۔ اس کا نام ویٹرہوس اے ویسٹ ہائم ہے یہاں جس جس قسم کا مال تھا اس کی تفصیل لکھنا محال ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اہل برلن کی روزمرہ ضرورت کی کوئی چیز نہ ہوگی جو یہاں نہ تھی۔ گو یہ مکان بڑا وسیع تھا۔ لیکن ابھی ساتھ کے مکانات اس کے ساتھ ملا کر اسے اور وسیع کر رہے تھے۔ اور اس مکان کی چھت آئینوں کی تھی۔ بیچ میں ایک بہت بڑا صحن تھا اور دونوں طرف مکان تین تین منزلیں مال و اسباب سے پٹا ہوا تھا۔ گو اس میں تین چار جگہ سیڑھیاں تھیں مگر دونوں پہلوؤں پر دو لفٹ لگے ہوتے تھے۔ جو ہر وقت گاہک عورتوں کو اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر لانے لیجانے اُڑتے رہتے تھے۔ گاہک زیادہ تر بلکہ قریب قریب سب عورتیں تھیں۔ اور اسی لئے دکان کے ملازم بھی تمام عورتیں تھیں۔ جو دو تین سو سے کم نہ ہونگی۔ میں اپنے ایک رفیق تمام دکان کے تینوں منزلوں میں ہر طرف پھرے مگر کسی نے نہیں ٹوکا کہ کیا خریدنا ہے۔ ہر قسم کے سامان کا جدا صیغہ تھا اور ہر صیغہ میں اس قسم کا مال بکثرت تھا ہر صیغہ میں ایک یا زیادہ بیچنے والی عورتیں بڑی مستعدی سے مال بیچ رہی تھیں۔ یہاں درستی دو بلاؤں سے ہے۔ اس وجہ سے مال ارزاں بیچا جاتا تھا کہ یہاں ہر قسم کا مال بڑی مقدار میں خریدا جاتا تھا دکان کے مالک ورتھیم کی ایک بہت بڑی تجارت خرید فروخت کا طریقہ دیکھنے کے لئے میں نے برلن کے قابل دیدنی کی ایک البم خریدی۔ جس کی قیمت ایک مارک دو آنہ تھی۔ پہلے بیچنے والی عورت نے بڑے اخلاق سے اس کی آخر تصویریں الٹ کر دکھلائیں۔ لیکن جب میں نے اس کی قیمت اُسے دینی چاہی تو اُس نے نہ لی۔ بلکہ قریب ہی ایک دوسری میز تک ہمیں لے گئی۔ جہاں ایک دوسری لڑکی نے ایک فارم پر کیا اور ایک تیسری لڑکی کے

کتاب میں چڑھا کر قیمت وصول کی۔ اور چھٹی نے اس البم کو ایک کاغذ میں اچھی طرح پیکٹ باندھ کر ہاتھ میں لٹکا لے جانے کے لئے ڈوری باندھ دیا۔ جبکہ میں وہاں تھا تخمیناً دو اڑھائی ہزار کے ایمن ایک وقت کا گاہک اس دوکان میں ہونگے اسی سے اس دوکان کے روزمرہ سود کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

لاہور کے ریشم کی قیمت

لاہور میں کئی سو کا گاؤ ریشم کا کپڑا بننے والوں کے ہیں کسی زمانہ میں ان کے بنے ہوئے کپڑے کی بڑی قدر تھی اور ان کے گلبدن اور دریائی کو بہت پسند کیا جاتا تھا۔ لیکن جب سے مشین کا بنا ہوا ریشم کا سستا اور ظاہر میں خوبصورت ولایتی کپڑا بکنے لگا ہے۔ ان لوگوں کی کساد بازاری ہو گئی ہے۔ ہرچند کہ اب بھی ہندوستان میں دور دور تک لاہور کا ریشم تحفہ سمجھا جاتا ہے اور قدر و قیمت بھی بہت زیادہ ہے میں ان ریشم بننے والوں کی ہمدردی کے خیال سے اس ریشم کے کچھ نمونے بھی ساتھ لے گیا تھا۔ اور میں لندن میں ان کے لئے بازار ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ اور ایک ایجنٹ کے ساتھ ریشم کا کپڑا بیچنے والے کا نمونہ پر گیا۔ مگر افسوس ہے کہ مجھے برلن میں ذرا بھی اس بازار میں کامیابی نہ ہوئی بلکہ ان لوگوں نے لاہور کے ریشم کے ارزاں نمونوں کی نسبت کہا کہ یہ صاف بنے ہوئے نہیں ہیں اور زیادہ قیمت کے نمونے جو اچھے بنے ہوئے ہیں۔ وہ گراں ہیں۔ اور جب بمبئی میں لوگ ارزاں ریشم خریدنے کے عادی ہیں۔ جو جرمنی یا دیگر ممالک کے ملوں سے آتا ہے بلکہ معلوم ہوا کہ بہت سستا ریشم جرمنی میں آتا ہے جس کے چند سال قبل ایک جرمن سوداگر نے ہزار ہا تھان بمبئی کو بھی روانہ کئے تھے اور انگریزی۔ مجھے معلوم ہوا کہ جرمنی میں اب تک دستور ہے کہ غریب دہقان گرمیوں میں تو کھیتی باڑی کرتے ہیں اور جاڑوں میں چونکہ بوجہ سردی کی شدت کے بیکار رہتے ہیں۔ گھر بیٹھے ریشم کا کپڑا بنا کرتے ہیں۔ تاہم ان لوگوں نے لاہور کے ریشمی کپڑے کی مضبوطی کو پسند کیا۔ مگر کہا کہ گاہک

انداں کپڑا خرید نے کے عادی ہیں۔ میں سال پہلے برلن میں ایسا بھدا ریشم پہنا جاتا تھا۔ اب لوگ زیادہ نزاکت پسند ہو گئے ہیں۔ پردوں کے لئے بھی زیادہ گراں تھا۔ ایک شخص نے صلاح دی کہ اگر قیصرہ جرمنی ایک لباس اس ریشم کے کپڑے کا پہن لے تو تمام فیشن ایبل سوسائٹی میں اس کا رواج ہو جائے۔ ایک شخص نے اس بات پر تعجب کیا کہ ایک ہندوستانی اپنے ملک سے مال کے نمونے جرمنی میں لایا ہے۔ جو بڑی تعجب کی بات ہے ؎

گل آورد سعدی سوئے بوستاں
بشوخی فلفل ہندوستاں

چونکہ فرانس میں اب تک بکثرت ریشم دستی کارگاہوں میں بُنا جاتا ہے۔ اور لاہور کے ریشم سے سستا ہوتا ہے اسلئے اورکسی جگہ یورپ میں لاہور کے ریشم کے بکنے کی صورت نہ پیدا ہوئی۔ البتہ قسطنطنیہ اور بیروت میں اسے بہت پسند کیا گیا۔ اور بعض سوداگروں نے کچھ نمونہ کے تھان لینے بھی منظور کئے۔ بصرف رنگ اور کپڑے کے عرض میں کچھ اصلاح چاہتے تھے۔ گو لاہور کے ریشم بننے والوں کو میری محنت سے اب تک تو کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ مگر اتنی بات کا مجھے یقین ہو گیا کہ اگر کوئی شخص جو مجھ سے زیادہ وقت اس کام پر یورپ کے سوداگروں میں صرف کر سکتا ہو وہ ضرور لاہور کا ریشم بکثرت فروخت کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ ہندوستان آج کل بجز ی کے ذرہ کی جیسا کہ ہوشیارپور وغیرہ مقامات میں بنتا ہے۔ یہاں ضرور مانگ تھی۔ اور ایک سوداگر نے بڑی خواہش سے مجھے اس کا پتہ پوچھا تھا۔

برلن کے قہوہ خانے برلن کی زندگی ہرگز مکمل نہیں ہو سکتی۔ جب تک وہاں کے قہوہ خانوں کا ذکر نہ کیا جائے۔ نیسکر ہوف کے نیچے کی منزل میں ایک عظیم الشان قہوہ خانہ تھا جس میں صبح ۹ بجے سے رات کے ایک دو بجے تک ہر وقت لوگوں کا ہجوم رہتا تھا اور بیٹھنے کو کسی وقت بھی ہم لینے کی نعمت

دلچسپ تھی۔ یہی حال اور قہوہ خانوں کا میں نے دیکھا جہاں کہیں کہ میں گیا۔ شہر کے اندر اور نواح شہر میں ہزاروں قہوہ خانے تھے اور یہاں کے لوگ کچھ ایسے با خبر ہیں کہ کسی وقت قہوہ خانے والے فارغ نہیں ہو سکتے تھے۔ ایک وزیر ایک صاحب ۔ بیور Baoe قہوہ خانہ میں مجھے لے گئے۔ برلن میں یہ قہوہ خانہ بڑا تاریخی مکان مشہور ہے۔ یورپ اور جرمنی کے بڑے بڑے نامور لوگ یہاں قہوہ پینے آتے ہیں۔ اور یورپ میں اس کا نام خود برلن کی طرح مشہور ہو گیا ہے۔ دنیا کے ہر ملک کا اخبار اس قہوہ خانہ میں منگوایا جاتا ہے جو اخبار برلن میں اور کسی جگہ نہ آتا ہوگا وہ یہاں ملے گا۔ یہ قہوہ خانہ تمام رات کھلا رہتا ہے اور مالک اس سے لاکھوں روپے پیدا کر چکا ہے۔

برلن میں ٹپ کا رواج اور ٹپ کا ان میں اس قدر رواج ہے کہ ان میں سے بہت سے بلا تنخواہ صرف اسی کے بھروسہ پر کام کرتے ہیں۔ نواح شہر کے ایک قہوہ خانہ میں میرے ایک جرمن رفیق نے قہوہ پینے کے بعد جب ویٹر کو ٹپ دیا تو میں نے اسے کہا کہ یہ تو بڑی قبیح رسم ہے۔ بہتر ہو اگر قہوہ خانوں کے مالک چیزوں کی قیمتیں بڑھا دیں جو پہلے بھی کچھ کم نہیں۔ اور اپنے ملازموں ویٹروں وغیرہ کو اپنی گرہ سے تنخواہ دیا کریں۔ اس نے کہا یہ تمہارا ہی خیال نہیں۔ یہاں کے اخبارات نے بھی اس بارہ میں بہت کچھ لکھا ہے اور کئی لوگوں نے اس طریقہ کو برا کہا ہے۔ بلکہ دو برس ہوئے ہیں خود ویٹروں نے برلن میں ایک کانفرنس کی تھی اور اس میں اس مطلب کے ریزولیوشن پاس کئے تھے کہ ہمیں یہ طریقہ تنخواہ کا پسند نہیں کیونکہ اس سے ... طریقہ دنیا میں اچھا نہیں ہوا [illegible] کوئی ایسا نہیں۔ میرے دوست نے کہا پیرس میں ٹپ کا طریق اور بھی زیادہ مروج ہے کہ جہاں سے برلن میں آیا ہے اور کسی کا منشا یہ ہے کہ کھانے کی قیمت کا دسواں حصہ دیا کر دیا جائے لیکن پیرس میں ویٹر اس پر بھی خوش نہیں ہوتے۔ ویٹروں کے قیمیں اور کالر

ایسے ہی صاف اور کوٹ ایسے ہی مقرر سے سیاہ ہوتے ہیں کہ جیسے شلیپوں
کے ہوتے ہیں۔ لیکن بعض ان پر سفید کوٹ اور اوپر سفید تہ بند باندھ لیتے ہیں
تاکہ دوسرے لوگوں کی بھیڑ میں تمیز رہے۔ ایک ترکی نیرین ریسٹورانٹ میں ٹپ
منع تھا لیکن یہاں بھی جب بہت رفیق نے دیا تو خادمہ نے بلا تامل لے لیا۔

عورتوں کا کام | برلن کے کارخانوں اور دکانوں میں اس قدر عورتیں نوکر دیکھ کر
مجھے خیال ہوا کہ ہندوستان کی آبادی تو اس لحاظ سے آدھی کام کرتی ہے
کیونکہ سب عورتیں گھروں کے اندر بیکار رہتی ہیں۔ سوائے ان معدودے چند
کے جو کھیت کیاری کے کام میں اپنے شوہروں کو مدد دیتی ہیں۔ حالانکہ یہاں
کے کاموں سے اگر سب عورتیں نکال لی جائیں۔ تو سب کام بند ہو جائیں
گو دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ صرف کنواری یا بیوہ عورتیں ہی ملازمت کرتی
ہیں۔ متاہل عورتیں گھروں میں رہتی ہیں۔ اور یہی وہ عورتیں ہوتی ہیں جو بازار
یا تفریح کے مقامات میں مردوں کے ساتھ چلتی پھرتی دکھائی دیتی ہیں۔

بے مزہ کھانے | اتنی متعلق سمجھ کے ایک اچھے ریسٹورانٹ میں ہر روز
یہ سمجھ کر کہ یہ یہودیوں کے کاسٹرانٹ ہے کھانا کھانے جایا کرتا تھا۔ لیکن
چھ سات روز کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ یہودیوں کا نہیں ہے۔ بلکہ جیسا ہوں
سکا ہے تو مجھے اپنی غلط فہمی پر بڑا افسوس ہوا۔ اسفورویشن بیجان ابدیق
ویٹروں کو کچھ ہدایت کر کے خاموش ہو گیا۔ سب سے یورپ میں پہنچ کر جو تکلیف
ہوئی وہ صرف کھانے کے متعلق تھی۔ ہمارے اور اہل یورپ کے
کھانوں میں اس سے زیادہ فرق ہے۔ جس قدر کہ خود ہمارے اور اہل
یورپ میں ہے۔ عجیب طرح کے بے مزہ اور بے رنگ اور بے نمک
گوشت اور ترکاریاں پکاتے ہیں کہ جنہیں پھینک دینے کو جی چاہتا ہے
نہیں بلکہ کھانا دیکھ کر رونا آتا ہے۔ گوشت کھانے کی نسبت سے اپنے
ملک میں بھی پہلے خیالات نرالے ہیں۔ میں سب دھن سے سادہ

کھانا کھا سکتا ہوں۔ لیکن زیادہ مرغن یا چربی والے یا ٹھنڈے گوشت
نہیں کھا سکتا۔ لیکن یہ سب جیسے ہیں اضطراراً مجھے کھانی پڑیں کبھی
سوڈا منگواتا تو وہ شکر کی طرح میٹھے نکلتے۔ بلکہ ساگ شکر میں پکا ہوا میں نے
کھایا ہے۔ شوربوں میں آٹا اور شکر کیا کیا ملاتے کہ حریرہ سے بڑا ہو جاتا چنے
کسی وقت مستثنےٰ اسلئے کا ذکر کیا کہ کھانا مرغوب نہیں ملتا تھا۔ غرض یہ سارا
کھانے کا مسالہ کچھ سے لئے مشکل اور کچھ عادت کی بات تھی تو دلیلوں سے نہیں
بدل سکتی تھی۔

یہودیوں کا ذبیحہ

یوں تو یہودیوں کے یہاں بھی کھانے ویسے ہی بے رنگ
اور بے نمک ہوتے ہیں لیکن وہاں کھانے کی ترغیب یہ تھی کہ ان کے
یہاں مسلمانوں کیطرح سور کا گوشت حرام سمجھا جاتا ہے اور ذبیحہ وہ مسلمانوں سے
بھی زیادہ احتیاط کرتے ہیں۔ اسلئے یہودیوں کے ریسٹورنٹوں اور
ذبیحہ کا تھوڑا سا بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ تمام یورپ کے جس ملک میں
یہودی رہتے ہیں۔ خواہ بود و باش زبان اور لباس کی ہر ایک ظاہری طرز
میں وہ اپنے ہمسایہ عیسائیوں کے مشابہ ہو گئے ہوں لیکن ذبیحہ کھانے
کے وہ سختی سے پابند ہیں ان کے دوکانوں اور ریسٹورنٹوں پر عبرانی زبان
کے یہ حروف כשר لکھے ہوتے ہیں جن کا تلفظ کوشر یعنے
ذبیحہ ہے۔ صرف شہر لنڈن کے ویسٹ اینڈ کوچہ میں ڈیڑھ سو کوشر
قصابوں کی دوکانیں ہیں۔ یہودیوں میں ذبیحہ کی اس قدر احتیاط کیجاتی
ہے کہ ان کا ذبح کرنے والا عالم یا امام کئی سال تک ذبح کرنے کے
علم اور فن کو سیکھ کر امتحان دینے کے بعد تشخیص شدہ جانوروں کے
کاٹنے کی اجازت پاتا ہے۔ پھر ذبح کرنے والی چھری کی دھار کو بڑی صفائی
سے تیز رکھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ہفتہ میں دو چار مرتبہ ربائی یعنی بڑے
مذہبی افسر آکر اس کی نگرانی کرتے ہیں۔ اور اگر چھریاں ذرا بھی کند ہوں تو ذبح

کرنے والے عمل کو سزا دی جاتی ہے۔ غرض یہ ہوتی ہے کہ کم از کم تکلیف سے جانور کی روح فنا ہو۔ ذبح کرنے سے پہلے ایک دعا پڑھی جاتی ہے اور ذبح ہو چکنے کے بعد بھی گوشت کو بڑے غور سے دیکھا جاتا ہے۔ حضور جانور کے شش کو اگر اس میں کوئی قصور ہو یا عام صحت میں کوئی نقص پایا جاوے تو ذبح ہوا ہوا جانور یہودیوں کو کھانے کی ممانعت کی جاتی ہے۔ مثلاً سنہ [illegible] کی آخری ششماہی میں صرف لندن میں ۱۱ ہزار بھیڑیں یہودیوں نے ذبح کی تھیں اور ان میں سے ۵ ہزار رد کی گئیں جو عیسائیوں نے کھائیں۔ غرض یہودی ذبیحہ کھانے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے ہیں اور سوئٹزرلینڈ میں جہاں کے قانون کے مطابق وہ اپنے رسم کے ساتھ ذبح نہیں کر سکتے، وہاں وہ دوسرے ملکوں سے ذبح ہوا ہوا گوشت جس پر ذبیحہ کی مہر لگی ہو منگوا لیتے ہیں۔

ٹوپی اور پگڑی کا اثر میں سفر یورپ کے تمام مدت میں ترکی ٹوپی ہی پہنے رہا ہوں گو لندن وغیرہ شہروں میں بعض اوقات مجھے لوگوں نے صلاح دی کہ ایک انگریزی ٹوپی خرید کر پہن لوں۔ لیکن مجھے ضرورت معلوم نہ ہوئی۔ البتہ کبھی کبھی جب زیادہ سردی معلوم ہوتی تو میں پگڑی باندھ لیتا۔ چنانچہ برلن میں پانچ چار روز میں نے پگڑی بھی باندھی۔ جو کچھ تو سردی کی وجہ سے تھی اور کچھ اس خیال سے کر دیا اور برلن میں دو تین دفعہ بعض لوگوں نے مجھ سے ترکی زبان میں گفتگو کرنا چاہی اور مایوس ہوئے۔ بعض لوگ عربی میں بھی مجھے مخاطب کرتے۔ کارل سٹاینگن پینجر ایجنٹ کا کلرک عربی میں گفتگو کرتا تھا۔ میرے دل میں تھوڑا سا یہ بھی خیال گذرا تھا کہ کسی جاننے والے کو شاید اتنی بات یاد ہے کہ کوئی ہندوستانی بھی گھر سے باہر نکلنے لگے ہیں۔ یا کوئی اور بھولا بھٹکا ہندوستانی کہیں سے مجھے دیکھ لے تو پہچان سکے۔ گو وہاں کے لوگ خصوصاً عورتیں اور بچے تو پگڑی کو عجیب لباس خیال کرتے تھے اور کبھی راہ چلتے اشارے کرتے جاتے تھے۔ اس ٹوپی اور پگڑی سے مجھے کسی قدر نقصان بھی ہوا کہ کئی

لوگوں کا لالچی ملاؤں اور مزدوروں وغیرہ نے مجھے نیم وحشی سمجھ کر مجھ سے اپنے حق سے زیادہ پیسہ تقاضا کر کے لیا۔

دستکاری کا عجائب گھر۔ ذکر کردہ سے عجائب گھر کو جسے اتھنالوجیکل میوزیم بھی کہتے ہیں۔ برلن کا نہایت دلچسپ عجائب گھر ہے۔ ۸۔ جولائی بروز یکشنبہ میں مسٹر ایک جرمن دوست کے ساتھ اسے دیکھنے گیا۔ جو آج سے مجھے فراخ برلن میں اپنے گھر پہچاننے کے لئے لینے آیا تھا۔ آج ۱۲ سے دو بجے تک عجائب گھر کھلا تھا۔ یہاں داخلہ کی کوئی فیس نہیں لیتے اور نہ چھاتوں کی اجرت دینا لازمی ہے۔ گو میرے رفیق نے جاتے ہوئے ایک آنہ دے دیا۔ مکان کے وسطی ہال میں مختلف قوموں کے مذہبی عادات کے بت اور دیوتا موجود تھے۔ یہیں جگن ناتھ پوری کی مشہور رتھ کی نقل اصل رتھ کے حجم کی رکھی ہوئی تھی۔ کہ جس کے پہیوں کے نیچے قدیم زمانہ میں اہل ہنود کچل کر مرجانا موجب ثواب سمجھتے تھے۔ میکسیکو کا ایک بہت بڑا گول پتھر جس پر وہاں کے دیوتاؤں کی تصویریں کھدی ہوئی تھیں پڑا تھا جس کی نسبت خیال ہوا کہ اسے یہاں تک لانے میں کس طرح ہوں گے۔ ایک ترکی لیڈی کا موم کا بُت زیورات میں کھڑا تھا جس کے ایک ہاتھ میں قیچوان اور سامنے رحل پر قرآن کھلا پڑا تھا۔ عجائب گھر کی پہلی منزل پر یونانیوں کے برتن اور کھلونے۔ اہل سائبیریا ترکستان اور قدیم اہل حبشی کے قدیم وجدید شکل ضروریات پوشاکیں اور آثار تھے جس سے معلوم ہوا کہ قدیم زمانہ میں اہل جرمن لاشیں جلاتے تھے بعض لاشیں محفوظ کر کے مثل ممی کی محفوظ بھی رکھی جاتی تھیں۔ اہل جرمنی و سویڈن ناروے کے قدیم زمانہ کی زیورات میں بالکل اسی قسم کے ہنسلیاں (گلے میں پہننے کی) اور چوڑیاں بل دار جیسی آجکل پنجاب کے دیہات میں پہنی جاتی ہیں اور جنہیں مول ٹا کہتے ہیں رکھی گئیں۔ ایک قسم کی ہنسلیاں چاندی کے تاروں کو رسی کی طرح بٹنے سے بنائی گئی تھیں۔ جو

بیچ میں زیادہ اور کسی دن پر کم ہو کر ایک ہو گئی تھیں۔ اور پنجاب میں بچوں کے گلے میں چاندی کے تو دھاوے پہنائے جاتے ہیں ویسے معلوم ہوتی تھیں۔ ایک جگہ بحیرہ بالٹک کے عربوں کے زیور تھے۔ لیکن بالٹک میں عرب گھر بنا کر کب رہے تھے؟۔

ان سب چیزوں کے دیکھنے سے خیال ہوتا تھا کہ انسان کی ابتدائی نسلیں اپنے سامانوں اور صنعتوں میں کس قدر ایک دوسرے کے مشابہ تھیں۔ اسی سے واقفان علم انضا لوجی نتیجہ نکالتے ہیں کہ ان قوموں میں کسی زمانہ میں بڑا تعلق اور ربط ضبط تھا۔ جبھی ان کے حالات اس قدر مشابہ ہیں۔ دوسری منزل پر وحشی افریقہ کے مختلف اقوام کی ضروریات ان کی مختلف شکلوں اور قومی دیوتاؤں کے متعلق سامان کا بھاری مجموعہ تھا افریقہ کے بے شمار مختلف ترین آپس میں ایک دوسرے سے نہ بلحاظ شکل ہی مختلف ہیں۔ بلکہ بلحاظ خیالات و عادات اس قدر متفاوت ہیں کہ گویا ایک دوسرے سے بڑے فاصلہ پر رہتے ہیں۔ بعض قدیم قومیں جو افریقہ اور نیز امریکہ کے ہیں۔ مردوں کی لاشوں کو محفوظ کر کے رکھنے کا رواج پایا جاتا ہے اور ان کے مردوں کی بیسیوں لاشیں موجود ہیں۔ ایسی وسیع نمائش گاہ پر جیسی کہ لاکھوں روپے خرچ کرنا پڑے ہونگے۔ حق تو یہ ہے کہ ہر صیغہ میں کافی سامان اس ملک کے لوگوں کی ضروریات اور حالات کا ہے۔ وحشیان افریقہ کی ایک بہت بڑی لکڑی کے تنے کو کھوکھلا کر کے بنائی ہوئی کشتی بھی رکھی ہوئی تھی اور کئی ایک پورے قد کے جھونپڑے سرکنڈوں اور پھوس سے بنا کر رکھے ہوئے تھے تیسرے منزل میں سیلون۔ ہندوستان۔ کشمیر۔ ہمالیہ۔ برہما۔ تبت۔ سیام چین۔ جاپان کے ذخیرے تھے۔ گو عرب و ایران کے سامان بالکل تھے میرے ساتھی کو ہندوستان کی مختلف اقوام کے بتوں کی شکل و شباہت ۔۔

میں اس قدر بتائن دیکھ کر تعجب ہوا۔

پنجاب کا ذخیرہ پنجاب کے متعلق ذخیرہ کافی نہ تھا۔ گو لاہور کے کیپ بازار کی آٹھ آنے والی ایک چارپائی بھی پڑی تھی لیکن اس سے لوگ یہی نتیجہ نکالتے ہوں گے کہ ہندوستانی صرف ایسی ہی چارپائیاں استعمال کرتے ہوں گے۔ ایک صادق الاخبار بہاولپور کا نمونہ سیالکوٹی کاغذ پر چھپا ہوا رکھا تھا۔ میں نے وہاں رکھنے کے لئے پیسہ اخبار اور انتخاب لاجواب کے نمونے مع ایک سنہری تکمے ہوئے مراسلہ کے جو اتفاقاً میرے پاس تھا عجائب گاہ کے اعلیٰ افسر کے پاس بھجوا دیئے جس نے مجھے بعد میں شکریہ کا خط بھیجا چین اور جاپان کے زندگی کے بہت بڑے سامان جمع کئے گئے تھے اور چینیوں کے فنون اور رنگ کے مرقعات پوری طرح پر دکھلائی گئی تھیں اور آج کل بوجہ شورش چین کے انہیں ہی لوگ زیادہ توجہ سے دیکھتے تھے۔ بعض چینی کتنے پورے قد کے بنا رکھے تھے۔ ایک جگہ ایک ماہی گیری کی کشتی اور اس کے ساتھ کئی بگلے رکھے ہوئے تھے۔ یہ بگلے چینیوں کے لئے مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ لیکن اس لئے کہ خود ہی مچھلی نہ نگل جائیں ان کے گلوں میں چھلے ڈال رکھے تھے۔ چینیوں کا کشیدہ اور دیگر دستکاریاں ان کے غضب کی لیاقت ظاہر کرتی ہیں۔ ایک جگہ ہاتھی دانت کے گولے تھے جو ایک دوسرے پر غلاف کی طرح چڑھے ہوئے تھے یعنی کہ ایک ہی بڑے ٹکڑے کو کاٹ کاٹ کر اسی میں سے یہ سب گولے نکالے گئے تھے جو ایک دوسرے کے اندر موجود تھے۔ چوتھی منزل پر بھی چینیوں کی چیزیں اور جاپانیوں کی تصاویر اور اسلحہ جنگ وغیرہ تھے۔ عجائب خانوں میں جو محافظ ہوتے ہیں کیسے معقول اشخاص تعلیم یافتہ ہوتے ہیں ۔

عجائب گاہ سے فارغ ہو کر ہم نے ایک ریسٹورنٹ میں کھانا کھایا اور پھر پاٹسڈم ریلوے سٹیشن سے ہم گرونا والڈ کی آبادی کو گئے۔ جہاں قریب ہی

قیصر جرمنی کے ہرنوں کا خوبصورت جنگل کئی میل کا ہے اور جہاں عین آبادی کے وسط میں پرنس بسمارک کا روئیں بُت مع ایک بڑے کتے کے نصب تھا کیونکہ وہ یہیں رہنا پسند کرتا تھا۔ جرمنی کے بڑے کتے شیر کے ہم قد ہوتے ہیں۔ ریل کے سٹیشنوں پر بوجہ اتوار کے بڑی رونق تھی۔ اتوار کے دن ہر زن و مرد تفریح اور سیر میں صرف کرنا چاہتا ہے اور بہت لوگ شہر سے باہر بھاگ جاتے ہیں۔ جو لوگ دن بھر شہر میں کام کرتے ہیں اور رات کو مضافات شہر میں اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ انہوں نے سیزن ٹکٹ لے رکھے ہیں۔ مزدوروں کے سیزن ٹکٹ جو چھ سات میل کے حلقے کے اندر رہنے والے ہیں روپیہ سوا روپیہ ماہوار سے زیادہ قیمت کے نہیں ہوتے۔ جو در اصل برائے نام کرایہ ہے۔ غرض یہ ہے کہ غریب لوگوں اور مزدوروں کو ہر طرح سے سہولیت بہم پہنچائی جائے۔

ایک ہی جگہ میں مختلف طرز تعمیر کے مکانات

اس آبادی میں بڑے بڑے امیروں نے شہر سے باہر گھر بنا رکھے ہیں اور ہر گھر کی طرز تعمیر نرالی رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کسی عمارت کی وضع رومن کسی کی گاتھک کسی کی گریک کسی کی اسلامی اور کسی کی مخلوط طرز اختیار کی ہے۔ بقول میرے رفیق کے معماروں نے اپنی عقل کو بے لگام چھوڑ کر مکانات کے نقشے بنائے تھے۔ برقی ٹرام یہاں بھی چند منٹ کے بعد گزرتی ہے۔

اطلاع کی گھنٹی

دستور ہے کہ یہاں دیوار میں ایک حلقہ یا بٹن ہوتا ہے کہ جسے دبانے سے مکان کے اندر گھنٹی بجتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص دروازہ کھلوانا چاہتا ہے۔ زور زور سے گھر والوں کو پکارنے اور چلانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ مسٹر ہوجیت [illegible] اطلاع دی۔ نوکرانی نے آکر دروازہ کھولا [illegible] ملاقات کرائی۔ اور پھر میاں بیوی نے اپنے گھر کے کمرے اور تمام سامان

گھر کا سامان

اور کھلونے مجھے دکھائے۔ یہ متوسط الحال لوگ ہیں لیکن گھر [illegible]

کا سامان ایسا ستھرا اور خوشنما ہے اور ایسے سلیقہ سے سجایا ہوا ہے کہ دیکھ کر طبیعت خوش ہوتی ہے۔ اِن کے کئی کھلونوں اور چھوٹے چھوٹے سامان تجملے کے چیزوں کی تاریخ ہے جو مجھے سنائی گئی۔ یہی کیفیت میں نے یورپ کے مختلف ملکوں انگلستان وغیرہ میں بھی دیکھی ہے جس گھر میں میں گیا ہوں وہیں گھر کی خانم نے مجھے کئی چینی کے برتن یا کھلونے یا اور سامان جو اُسے یا اس کے بیٹوں یا شوہر کو کبھی تحفہ ملا ہو یا شاید پچاس سو سال سے اُن کے کنبے کے پاس چلا آتا ہو یا کسی رشتہ دار نے کسی دوسرے ملک سے تحفہ بھیجا ہو۔ دکھلایا ہے۔ ایسی چیزوں سے ان لوگوں کو بڑی دلبستگی ہوتی ہے۔ لنڈن میں ایک سالخوردہ لیڈی نے مجھے وہ کھلونے دکھلائے تھے جو اُسی چار پانچ سال کی عمر میں اُسکی سالگرہوں کے موقع پر اُسے عزیزوں نے بطور تحفہ دیئے تھے۔ ہمارے ملک میں ان باتوں کا رواج نہیں

ایک گھر میں کھانا تھوڑی دیر کے بعد صاحب خانہ نے مجھے کھانے کے کمرہ میں طلب کیا۔ جو خوب آراستہ تھا۔ کھانے پر بیٹھے تو پہلے پہل شوربا آیا۔ جو دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ٹرٹل یعنی کچھوے کا ہے۔ میں نے کھانے سے عذر کیا۔ میزبان اور اُسکی بی بی نے بھی عذر کیا کہ انہیں معلوم نہیں تھا کہ میں اسے نہیں کھاؤں گا۔ کیونکہ یہ بڑے تکلف کا لذیذ اور اسی لئے گراں قیمت کھانا ہوتا ہے۔ پھر جھینگا مچھلی کا دور آیا۔ میں نے اس کے کھانے سے بھی عذر کیا۔ اور انڈے لے لئے۔ دو تین قسم کا گوشت اورچہ لیا۔ روٹی مکھن چائے چیری کا شربت پنیر پڈنگ وغیرہ میوہ جات تازہ۔ مثل چیری راسپبیری۔ اخروٹ سیب۔ اور شفتالو باری باری کھاتے معلوم ہوتا تھا کہ میرے لئے ایک پرتکلف دعوت کی تیاری کی گئی تھی۔ ایک شفتالو کی قیمت پچیس پینی۔ یعنی ۲ روپئے جو کاغذ کے کپوں میں ایک ایک خانہ میں ایک ایک بند کرکے اٹلی سے لائے جاتے ہیں۔ پڈنگ پر سے ہوتے ہوئے آرام

پڑے رہتے تھے پستہ قد تھے یہ لوگ ناواقف تھے اور نام کو بھی نہیں جانتے تھے۔ جب میز پر دوسرا کھانا منگوانا منظور ہوتا تو دیوار میں ایک بٹن دبانے سے باورچی خانہ میں گھنٹی بجتی اور خادمہ خود بخود دوسرا کھانا لے کر حاضر ہو جاتی۔ مدتین گھنٹہ تک کھانے پر بیٹھے رہے۔ مجھے میوہ جات اور کھانے کا بار بار اصرار کیا جاتا تھا۔ آپس میں میاں بیوی ایسا برتاؤ کرتے تھے جو بالکل تکلف کا معلوم ہوتا تھا۔ جب بیوی کوئی چیز دیتی تو میاں تھینکس کہہ کر لے لیتا۔ اثنائے گفتگو میں مسز ہوجر نے کئی ایسی باتیں کیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ بڑی باخبر عورت ہے اور کثرت سے اخبار پڑھتی ہے۔ مسز ہوجر کا قول تھا کہ جرمن عورتیں پالٹکس میں دخل دینا پسند نہیں کرتیں۔ اور بہت عمدہ بیویاں ہوتی ہیں۔ البتہ اپنے شوہروں سے باتیں کر سکنے اور انہیں بہلانے کے لئے پالٹکس سے باخبر رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ موجودہ قیصر بیگم بھی اپنے شوہر کے پالٹکس میں دخل نہیں دیتی۔ گو قیصر ہر امر میں اس سے مشورہ لیتا ہے۔ لیکن وہ مشورہ سے آگے ایک قدم نہیں رکھتی اور اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت میں بذات خود مصروف رہتی ہے۔

تصویر والے کارڈ جمع کرنے کا شوق

کھانے کے بعد ہم لوگ ڈرائنگ روم میں گئے اور یہاں میاں بیوی نے مجھے اچھی تصویروں اور تصویر والے کارڈوں کے البم دکھلائے۔ تصویر والے کارڈوں کے جمع کرنے کا رواج دو تین سال سے برلن اور عموماً تمام یورپ میں بطور مرض متعدی کے پھیلا ہوا ہے۔ سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں نئے نئے ڈیزائن کے کارڈ چھاپے جاتے ہیں۔ ہر تاریخی واقعہ مثلاً قیصر کے بیت المقدس کی زیارت کو جانے۔ یا جنگ چین پر جرمن فوجیں بھیجے۔ یا کسی تاریخی مقام یا خوبصورت منظر اور دلچسپ خیال کا کارڈ چھاپ دیا جاتا ہے بلکہ کرسمس کارڈ بھی اب پوسٹ کارڈوں پر چھاپے جاتے ہیں۔ پیچھے کی جانب ذرا سی جگہ خالی

ہوتی ہے ۔ دوسری طرف بعض پر تو مضمون کے دو لفظ لکھنے کی بھی گنجایش نہیں ہوتی ۔ لوگ ان کے مختلف نمونوں کو بڑی شوق سے جمع کرتے ہیں کہ جس سے ڈاک کے پرانے ٹکٹ جمع ہوتے ہیں ۔ بعض کارڈ ایسے پُرتکلف ہوتے ہیں کہ دو دو شلنگ قیمت پاتے ہیں ۔ لوگ اپنے دوستوں کو وقت سیر میں کرتے ہیں کہ جس شہر سے گذر ہو وہاں سے با تصویر کارڈ ضرور ڈاک میں بھیجنا ۔ ابھی اثنا میں رات کے گیارہ بج گئے ۔ اور ان لوگوں نے مجھے بڑے تپاک اور مہربانی کے ساتھ رخصت کیا ۔ میں نے اظہار شکر گذاری پر صاحب خانہ کی بیوی نے کہا کہ چونکہ مسافر کا وقت مقیم کی نسبت زیادہ عزیز ہوتا ہے ۔ اس لیے ازدوستی ہم تمہارے قدم رنجہ کرنے کے زیادہ شکر گذار ہیں ۔ یہاں سے ایک میل پر مدسرا ریلوے سٹیشن تھا ۔ یہاں سے مجھے بسبب رفیق ریل میں سوار کر دیا ۔ اور بتلایا کہ آٹھویں سٹیشن پر ریل سے اتر پڑنا ۔ چنانچہ میں بارہ بجے اپنے ہوٹل میں بھیڑ کو چیرتا ہوا پہنچ گیا ۔ گو رات کے بارہ بج چکے تھے لیکن بازاروں میں بھیڑ ایسی تھی ۔ کہ گویا ابھی سرشام کا وقت ہے ۔

ہندستانی خدمتگار ۔ برلن میں اثنائے گفتگو میں آج میزبان کی بیوی نے کہا کہ جب ہندوستان میں مزدوری کی شرح اتنی کم ہے تو کیوں نہیں وہاں سے بہت سے لوگ خدمتگاری کی نوکری اور دوسری مزدوریاں کے لیے یہاں آجاتے ۔ یہاں مزدوری بہت گراں ہے ۔ یہاں گھروں میں نوکرانیاں بڑے نخرے سے نوکری کرتی ہیں ۔ نوکر ہونے سے پہلے پوچھ لیتی ہیں کہ کام کیا کیا کرنا ہوگا ۔ کھانا کتنا ملے گا ۔ اس میں پڈنگ کتنا ہوگا ۔ اور فلاں فلاں کام تو مجھ سے نہیں ہو سکے گا ۔ اگر نوکرانی نے دس شلنگ کا گلاس توڑ دیا اور اسے ذرا بھی چشم نمائی کی گئی ۔

تو وہ جھٹ کہنے لگی کہ تمہارا کام ہم سے نہیں ہو سکتا۔ تم اپنا کام سنبھالو
ہم جاتے ہیں۔ میں نے کہا ہندوستان کے نوکر بہت جفاکش اور خدمتگذار
ہوتے ہیں لیکن زبان اور رسم و رواج کی ناواقفیت اور یہاں کے نوکروں
کی ناراضگی کی وجہ سے وہ شاید یہاں نہ ٹھیر سکیں۔ علاوہ اس کے ہندوستانی
ابھی گھروں سے باہر جانا نہیں سیکھے۔ اس نے کہا کہ ۱۸۹۶ء میں جو
برلن میں ہندوستان کے متعلق نمائش ہوئی تھی تو اس میں چند
ہندوستانی لڑکے بھی آئے تھے۔ اور نمائش کے خاتمہ پر کئی
اہل برلن نے چاہا تھا کہ ان لڑکوں کو رکھ لیں اور انہیں اپنے گھروں
میں بچوں کی طرح پرورش کریں۔ لڑکے بھی یہاں رہنے کو خوش تھے
لیکن ان کے والدین انہیں یہاں چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ اب بھی
اگر کبھی ہندوستانی لڑکے یہاں آئیں تو لوگ بخوشی انہیں پرورش
کرنے کو اپنے پاس رکھ لیں۔ کیونکہ کئی لوگوں نے برلن میں حبشی بچے
رکھے ہوئے ہیں۔ جن کو انہیں حسب قانون ملک مدرسہ میں بھی
بھیجنا پڑتا ہے۔ آخر اس نے کہا کہ مجھے اگر ایک بچہ ہندوستان سے
گھر میں رکھنے کے لیے منگا دو تو میں نوکروں کی طرح نہیں۔ بلکہ
اچھی طرح رکھوں گی۔

ستھرے اور پاکیزہ مکانات

یہاں کے رہنے کے مکانات بڑے پُرتکلف اور
صاف ستھرے ہوتے ہیں۔ اور یہی حال سارے
یورپ کے شہروں کا ہے۔ چھتوں میں کڑیاں کہیں نظر نہیں
آتیں۔ بلکہ صاف لکڑی یا گچ کے چھت پر خوشنما بیل بوٹے بنائے
جاتے ہیں۔ بمبئی کلکتہ میں بھی کئی مکانوں کے چھت اسی قسم کے ہیں
دیواروں پر بیل بوٹے والا کاغذ اور کہیں کہیں کپڑا چسپاں کیا جاتا ہے۔ اسلئے
مکانات میں گرد کہیں سے نہیں آتا۔ ان ملکوں میں آندھیاں بھی آتی ہیں

پردے نہایت تکلف ریشمی۔ طلاوار۔ یا قیمتی کانچ وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ سامان اور فرنیچر لکڑی۔ پیتل۔ تانبے۔ چینی اور ماربل کا ہوتا ہے۔ چارپایاں اور بستر ایسے ہی تکلف اور آرام دہ۔ ہوٹلوں میں چادریں اور تکیوں وغیرہ کے غلاف بہت جلد جلد بدلے جاتے ہیں۔ ہاتھ منہ دھونے کے سفید تولئے ہر روز بدلے جاتے ہیں۔ ہوٹلوں اور رسٹارنٹوں میں کھانے پر صاف دھوئے ہوئے تولئے ملتے ہیں۔ ایک ویجی ٹیرین رسٹارنٹ میں کاغذ کا رومال ملتا تھا جسکو ہاتھ منہ پونچھ کر پھینک دیا۔ گویا اس کی قیمت دوسرے رومال کی دھلائی کی قیمت سے بھی کم تھی

مضافات شہر کے کھیتوں میں جہاں سبزی ترکاری بوئی جاتی ہے کسانوں نے مختلف کیاریوں میں لکڑیاں گاڑ کر ان پر ناموں یا نمبروں کے بورڈ لگا رکھے ہیں۔ اور یہیں چھوٹے چھوٹے لکڑی کے گھر جیسے کہ ریل کے سٹیشنوں میں سگنل دینے والوں کے لئے ہوتے ہیں بنا رکھے ہیں۔ غریبوں کے بچے یہاں بھی پابرہنہ پھرتے دیکھے۔

بلجیم وغیرہ

جہاں بگشتم و دردا بہیچ شہر و دیار
نیافتم کہ فروشند بخت در بازار

۱۱ر جولائی کو علی الصباح اٹھ کر میں نے چند خطوط شکریہ کے اُن اہل لندن کو لکھے کہ جنہوں نے مجھ سے مسافر نوازی کا برتاؤ کیا تھا۔ اور مختلف مقامات کے دیکھنے اور واقفیت بہم پہنچانے میں میری مدد کی تھی۔ یورپ میں میں نے دیکھا ہے کہ گویا صبح ساڑھے تین بجے طلوع ہو جاتی ہے تاہم عام لوگ ساڑھے سات سے آٹھ نو بجے تک سوتے رہتے ہیں۔ اور اسی لئے پانچ چھ بجے اٹھنا یہاں بہت سویرا کہلاتا ہے۔

ٹپ کا سب کو شاکی پایا

اب سوائے اسباب باندھنے اور ہوٹل کا بل ادا کر چکا دینے کے اور مجھے کوئی کام نہیں تھا۔ تاہم مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بہت سر پر ابھی کام کا بھاری بوجھ لدا ہوا ہے۔ کیونکہ چلنے سے پہلے ہوٹل کے کئی ملازموں کو مجھے انعام دینا چاہئے تھا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ یہ انعام یا ٹپ کا سلسلہ میرے لئے تو سفر کی ایک بہت بڑی مصیبت تھی۔ بلکہ میں نے جس اجنبی یا اہل یورپ سے اس مشکل میں مدد مانگی ہے سب کو اس سے نالاں پایا ہے۔ کیونکہ سفر میں ذرا سی ہر نقل و حرکت کے لئے تمہیں ٹپ دینا چاہئے۔ خصوصاً ہوٹلوں کے کئی ملازموں کو جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں مالکان ہوٹل تنخواہ نہیں دیتے اور صرف مسافروں کے انعام پر ان کا گذارہ ہوتا ہے۔ اسلئے اب یہ رسم قرار

پالیسی ہے کہ مسافر ہوٹل سے رخصت ہونے سے پہلے فلاں فلاں نوکروں
کو حسب حیثیت کچھ دے کر جائے۔

رخصت ہوتے وقت کس کس کو کیا کیا دینا چاہئے

پورٹر جو ہوٹل کے دروازے پر رہتا ہے۔ یہ تمہیں
ہر قسم کی اطلاع دیتا ہے۔ اگر تمہیں گاڑی چاہئے
تو دروازے پر کھڑے ہو کر سیٹی بجاتا ہے تو گاڑی والا آ جاتا ہے۔ اگر تم نے
شہر میں ٹیلیفون میں کسی شخص سے بات چیت کرنی ہو تو یہ تمہارے لئے
بات کر دیتا ہے۔ اسکے پاس ڈاک کے ٹکٹ موجود رہتے ہیں قیمت لیکر
تمہارے خطوں پر چسپاں کر دیتا ہے۔ تمہیں بتلا دیتا ہے کہ کس کمرے کا
کیا کرایہ لیگا۔ جب تم ہوٹل میں ٹھہرے تو آٹو ٹیکسیوں یا گاڑیبان کو کرایہ اپنی
گرہ سے دے کر تمہارے حساب میں لکھ لیتا ہے۔ اور جب تمہارے خط
ڈاک میں آئیں تو فوراً تمہارے کمرے میں ایک لڑکے کے ہاتھ تمہارے
پاس پہنچا دیتا ہے۔ یہ شخص سب سے زیادہ انعام کا مستحق ہوتا ہے۔ کیونکہ
ہر چند کہ یہ ہوٹل کا ناک منہ ہوتا ہے لیکن اسے ایک حبہ تنخواہ نہیں ملتی
بلکہ یہ اپنی انعام کی آمدنی سے درجنوں ملازم ہوٹل کے لئے نوکر رکھتا ہے
لیکن تمہاری چیمبر میڈ یعنی وہ خادمہ جو ہر روز جب تم کمرہ سے باہر جاتے ہو۔
دوسری چابی سے جو اس کے پاس رہتی ہے تمہارا کمرہ کھول کر صفا
کرتی ہے۔ منہ ہاتھ دھونے اور پینے کا پانی بھرتی ہے۔ ہر روز رومال بدلتی ہے
میلا پانی پھینکتی ہے۔ تمہارا بستر ہر روز بچھاتی ہے۔ اگر ضرورت ہو تو تمہارے
کپڑے پر بٹن بھی ٹانک دیتی ہے کسی دوسرے سے انعام کی کم مستحق نہیں۔
اسکے علاوہ وہ مزدور جس نے تمہارا اسباب گاڑی سے نکال کر تمہارے
کمرے میں لا رکھا تھا۔ اور اب تمہارے چلتے وقت گاڑی میں لے جا رکھیگا
وہی شخص ہے جو ہر روز تمہارے بوٹ روغن کرتا ہے۔ جو تم سونے سے پہلے اپنے
کمرے کے دروازے کے باہر رکھ دیتے ہو۔ اور اگر تم اپنا کوٹ اور پاجامہ

بھی دروازے کے باہر کی کھونٹی پر شب کو لٹکا دو گے تو اسے ان کے برش
کر دینے میں بھی عذر نہیں۔ اسلئے یہ سب سے زیادہ انعام بلکہ حق المحنت کا
مستحق ہے۔ اس طرح چھوٹا لڑکا جو تمہارے خطوط تین مرتبہ ڈاک میں ڈال آیا
ہے۔ لفٹ والا جو تمہیں ہر روز دوسری۔ تیسری۔ چوتھی۔ پانچویں بلکہ چھٹی
منزل پر لفٹ کے ذریعے سے پہنچاتا ہے۔ گو تنخواہ دار ہے۔ لیکن انعام
کا منتظر ہے۔ کھانے کے کمرے میں ہیڈ ویٹر ہر کھانے پر کھلانے کی قیمت کے
دسویں حصہ کے برابر انعام کا امیدوار ہے۔ المختصر ہر در و دیوار تم سے انعام
چاہتا ہے خصوصاً جس روز تم ہوٹل سے رخصت ہونے لگو۔ اس لئے ناتجربہ کار
اور نو آموز مسافر کے لئے اگر وہ خرچ میں بھی زیادہ ہو تو یہ بڑے امتحان کا وقت
ہوتا ہے۔ ابھی تم ان سب کو ان کے حق سے زیادہ دے کر سٹیشن کو جاتے
ہو۔ اور اپنا اسباب بک کرانا چاہتے ہو۔ تو ہوٹل سے ایک شخص کو ساتھ
لیجاؤ گے۔ جو زبان اور دستور سے آگاہ ہے۔ سٹیشن پر پورٹر (قلی) موجود ہوتے
ہیں۔ جو اسباب گاڑی سے اٹھا کر تولنے کے مقام تک لیجاتے ہیں۔ وہاں
ایک ثالث شخص اسباب تولتا ہے اور بکنگ کلرک کو وزن بتلاتا ہے لیکن
اجرت کا تم سے مستحق ہے۔ قلی گاڑی میں اسباب رکھ کر اجرت مانگے گا۔
اور جو منہ سے مانگیگا لیگا۔ کیونکہ وہ جنٹلمین ہے۔ لکھا پڑھا ہے۔ جھوٹ
تھوڑا ہی بولیگا۔ اور تمہیں دھوکا تھوڑا ہی دیگا بلکہ بعض اوقات قلی سے
پوچھا جاتا ہے تمہارا حق المحنت کیا ہے۔ جو وہ بتلاتا ہے جبراً و قہراً اسے
دینا پڑتا ہے۔ ہوٹل کے ملازم کو بھی جسے تم ساتھ لائے تھے کچھ دینا چاہئے
کیونکہ اس نے تمہارا کوئی کام نہیں کیا۔ کیا وہ انعام کا مستحق نہیں؟ کیا
اس صورت میں ہندوستانی مسافر بشرطیکہ وہ بہت زیادہ دولتمند نہ ہو اگر
کسی شہر سے رخصت ہونے کے وقت عارضی دیوانگی میں مبتلا ہو جائے
تو تم اسے معذور نہیں سمجھو گے؟ مجھے ایسے وقتوں میں ہندوستان کے

روپیہ پر جسم آتا تھا جو تھوک کی طرح یورپ میں پھینک دیا جاتا ہے اور
ہندوستان میں فقیر کو دو پیسے دینے میں تامل کیا جاتا ہے۔ بہر حال یہ سب
مرحلے طے کر کے میں ۱۱ جولائی کو برلن سے پایۂ تخت بلجیم کو روانہ ہوا۔
بڑے بڑے شہروں سے روانہ ہونے کے لئے نو وارد مسافر کے لئے ایک
بڑی دقت یہ ہوتی ہے کہ وہ معلوم کرے کہ فلاں طرف کو جانے کے لئے کس
سٹیشن سے کس ریل پر سوار ہوتا ہے۔ اور پھر فلاں شہر تک کونسی گاڑی مقرر
ہے۔ بہر حال میں جس بارونق بازار فریڈرش سٹراسے میں مقیم تھا۔ اسی نام کے

برسلز کا سفر سٹیشن سے برسلز کی طرف سوار ہوا۔ یہاں مجھے ایک جرمن مل گیا۔ جس
نے مجھ سے پہلی بات بمبئی کی ٹوٹی پھوٹی اردو میں کی۔ میں اسکو دیکھ کر بہت
خوش ہوا۔ معلوم ہوا کہ یہ شخص بیس سال تک بمبئی میں ریل پر انجنیئر رہا ہے۔ اور
اب پنشن لے کر وطن میں آیا ہے۔ عمر بھر مجرد رہا ہے۔ اور اب باسٹھ سال کی
عمر میں ایک بائیس سال کی لڑکی سے شادی کی ہے۔ مجھ سے کہتا تھا کہ ہندوستان
میں سب سے بڑا عیب بچپن کی شادی ہے۔ میں نے کہا کہ تم نے تو اس سے
خوب عبرت حاصل کی ہے۔ تاہم یہ شخص اہل ہند کی مسکنت اور شرافت کو بہت
پسند کرتا تھا اور کہتا تھا کہ جس قدر ہندوستانیوں کی قدر کرنی چاہئے انگلشمین
نہیں کرتے۔ اسکی رائے میں ہندوستان کے افلاس کا بڑا باعث ہر سال بہت
سا روپیہ انگلستان کو چلا جاتا ہے۔ اسی کمرے میں ایک انگریز عورت تھی جو پولینڈ
سے آ رہی تھی اور جو کولون تک میری ہمسفر رہی۔ یورپ میں عموماً لوگ ایک
سے زیادہ زبانیں جانتے ہیں کہ جن میں انٹرنیشنل طور پر فرانسیسی کا درجہ اول
اور انگریزی کا دوم ہے۔

ہیمبرگ ایجنٹس میں نے بمبئی سے ہی جہاز کے ٹکٹ کے ساتھ ریل کا ٹکٹ
بھی ہیمبرگ تک خرید لیا تھا۔ لیکن جینوا میں آ کر میں نے برلن تک کا ٹکٹ رکھا
اور باقی کے دام ٹکٹ کے دفتر سے واپس لے لئے۔ کیونکہ مجھے یقین ہو گیا کہ

برلن دیکھ لینے کے بعد ہمبرگ کا دیکھنا ضروری نہیں رہتا۔ جس طرح ہندوستان اور یورپ کے اکثر مقامات میں طامس کُک کا دفتر مسافروں کے آرام و سہولیت کے لیئے قائم ہے۔ یورپ کے مختلف ممالک میں ایسے کئی اور کارخانے ہیں جو ٹیورسٹ ایجنٹ کہلاتے ہیں۔ ان کا فرض یہ ہوتا ہے کہ مسافرونکو ہر ریلوے لائن اور ہر جہاز کی لائن کا ہر مقام کے لیئے ٹکٹ دے سکیں۔ مسافروں کو بتلا سکیں کہ فلاں مقام کو فلاں راستہ سے جانا چاہیئے۔ جن مسافروں کو پاس ان کے ٹکٹ ہوں۔ خاص خاص مقامات میں ان کے ایجنٹ ان مسافروں کی رہنمائی اور مدد کرتے ہیں اُن کو ٹھگا جانے سے بچاتے ہیں۔ مختلف ممالک کے سکّے تبدیل کر دیتے ہیں۔ مسافروں کے خطوط جو اُن کے پتہ سے آتے ہیں اُنہیں دیتے ہیں۔ غرض تمام ایسے کام کرتے ہیں کہ جن سے مسافرونکو آرام ملے۔ لیکن اکثر کاموں کا معاوضہ ان سے کچھ نہیں لیتے۔ بلکہ اُن ریلوں اور جہاز کی کمپنیوں سے کمیشن لیتے ہیں کہ جنکے ٹکٹ بیچتے ہیں۔ برلن میں اسی قسم کا ایک کارخانہ "کارل شاٹگن" کا بڑا مشہور ہے۔ جس کے مسافروں کی سہولیت کے لیئے بہت سے مقامات کی سیاحت کے حالات چھاپ رکھے ہیں میں نے اس کارخانہ سے برلن سے کولون و کولون سے برسلز پایۂ تخت بلجیم اور برسلز سے پیرس کا ٹکٹ دوم درجے کا قریب ساٹھ روپے کو خریدا تھا۔ لیکن جس گاڑی پر میں اب سوار ہوا تھا یہ ایکسپریس (تیز رفتار) تھی۔ اسلیئے مجھے دو مارک کا ایک اَور ٹکٹ تیز رفتاری کی خاطر خریدنا پڑا۔

اب میں تھوڑا سا اُس گاڑی کا ذکر کرتا ہوں کہ جس میں ہم نے یہ سفر کیا۔ یہ گاڑی ۹۶ میٹر یا ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی تھی۔ ہر گاڑی کے ایک طرف ایک برآمدہ تھا۔ جس میں سے تمام ٹرین کی گاڑیوں کے مسافروں کی آپس میں آمد و رفت ہو سکتی تھی۔ ہر کمرہ جدا تھا۔ جس میں چھ نشستیں تھیں۔ گدیلے بڑے پُرتکلف اور سپرنگ دار تھے اور سامانوں کے رکھنے کے لیئے بھی

جگہ بنائی گئی تھی۔ جو نشستوں کو الگ الگ کرتی تھی۔ ان سب نشستوں کا نمبر سلسلہ وار تھا۔ جو تمہارے ٹکٹ پر گارڈ لکھ دیتا تھا۔ اور اسی طرح کمرے کے باہر دروازے پر ایک پلیٹ میں چھ نمبر لگے ہوئے تھے۔ جن سے معلوم ہوسکتا تھا کہ ان کون سی نشست پر ہے۔ ریل کے ہر کمپارٹمنٹ کے باہر اسی تختیاں دیوار پر آویزاں ہوتی ہیں کہ جتنے آدمی

> **گاڑی میں خالی جگہوں کا حساب**

اُس کمرے میں بیٹھ سکتے ہیں۔ پس جو سیٹ رُک جاتی ہے۔ اُس کی تختی کو گارڈ اُلٹ دیتا ہے۔ اور ہر نئے سٹیشن پر جب ریل پہنچتی ہے تو گاڑی کے برآمدہ میں جاکر بلا مسافروں کو جھانکنے کے باہر سے ہی گارڈ معلوم کر سکتا ہے کہ اس درجہ میں کتنی جگہیں خالی ہیں۔ اور جو جگہ خالی ہے اسپر اس سٹیشن کے مسافروں کو گارڈ بٹھلا دیتا تھا۔ اول اور دوم درجہ کی گاڑیوں میں آرام کے لحاظ سے زیادہ فرق نہیں تھا سوائے اسکے کہ دوم درجہ کے ایک کمپارٹمنٹ میں چھ اور اول درجہ کے کمپارٹمنٹ میں چار آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ اور بقول ایک ہمسفر کے اول درجہ میں صرف لارڈ یا بیوقوف ہی زیادہ روپیہ خرچ کرکے بیٹھتے ہونگے۔ ان گاڑیوں کے پاخانوں میں آرام زیادہ تھا۔ ایک تولیا بھی پاخانہ جانے کے وقت ہاتھ پونچھنے کے لئے ملتا تھا۔ ایک گاڑی کے پاخانہ کے کمرے میں "پینی ان دی سلاٹ مشین" میں دس کراؤنز کا ایک سکہ ڈالنے سے مشین ایک چھوٹا سا پیکٹ پھینک دیتی تھی۔ اس میں تھوڑا سا صابن کا برادہ۔ ایک چھوٹا سا رومال۔ اور پاخانہ پونچھنے کا تھوڑا سا لپٹا ہوا کاغذ ہوتا تھا۔ اگر دس کراؤن سے کم سکہ اس میں ڈالو تو یہ واپس پھینک دیتی تھی۔ یہاں عورتیں کیسی بے باکی اور الہڑ پنے کے ساتھ چلتی پھرتی ہیں۔ بلکہ بیگانہ مردوں کے ساتھ بھی تنہا بے فکری سے سفر کرتی ہیں عورتوں کی بے پردگی اور آزادی عام اور معمولی بات ہونے کی وجہ سے مردوں کو بھی ہر عورت کو دیکھ کر بُرا خیال نہیں گذرتا۔ مگر جن ملکوں میں پردہ کی رسم ہے

وہاں بے پردگی کے ساتھ ہی حب شہوت کا خیال مردوں کے دل میں گذر جانا ایک سیدھی بات ہے کیونکہ الانسان حریصٌ الیٰ ما منع ایک قدرتی نتیجہ انسانی طبیعت کا ہے ۔

چلتی گاڑی میں کھانا کھانا

ریل گاڑی کے ہر کمرے میں ایک آلارم خوف یا حادثہ کا لگا تھا۔ جو صرف خوف یا حادثہ کے وقت بلانا چاہیئے۔ لیکن اس گاڑی کے ساتھ کھانے کا کمرہ بھی تھا۔ میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ میں نے ایک بٹن دبایا تو خدمتگار آگیا۔ اس سے ناشتہ طلب کیا۔ وہ دو انڈے نمک و سیاہ مرچ (سرخ مرچ یورپ میں کوئی نہیں کھاتا) قہوہ کی پیالی۔ چینی۔ دودھ۔ ڈبل روٹی کے چھوٹے ٹوسٹ دو تین قسم کے دو دو لے آیا۔ اور ایک چھوٹی سی میز پر سب کچھ لاکر رکھ دیا۔ جب میں کھا چکا تو وہ سب برتن اور میز اٹھا کر لے گیا اور ڈیڑھ مارک یعنی ۱۴ اسکے دام اور دو پینی ادھ پائی انعام لے گیا۔ آج گاڑی کے دونوں جانب کا ملک نہایت سرسبز وشاداب تھا۔ حد نگاہ تک سرسبز اور خوشنما کھیت چلے گئے جن کی ہم آہنگی کہیں کہیں سرخ رنگ بستیوں اور کھپریل کے مکانات سے ٹوٹتی تھی کاشتکاروں کے مکانات کا یہاں عجیب طریقہ ہے۔ اکثر کھیتوں پر مکانات بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ جنکے گرد تھوڑی سی پھلواڑی اور میوہ دار درخت بھی ہوتے ہیں آج کئی پون چکیاں بھی دیکھیں۔ مجھے اس سے پہلے آسٹریا میں سے گذرتے ہوئے بھی خیال ہو چکا ہے کہ پیچیدہ مشینیں تو درکنار سہی۔ لیکن پون کیوں ہندستانی زمیندار اور کاشتکار استعمال نہیں کرتے۔ صرف ایک مرتبہ پون چکی کا مکان اور اسکے پنکھے جڑوالو۔ پھر اس سے مدت تک گہرائی سے پانی کھینچا کرو۔ کوئی زیادہ خرچ یا محنت درکار نہیں ہوگی۔ میرا قصد ہے کہ کسی وقت لاہور میں پون چکی تو ضرور تجربہ کے خیال سے کھڑی کروں گا۔ مگر ایک انجنیر دوست نے مجھے یہی کہا ہے کہ یہاں اس قدر ہوا نہیں ہے جو لگاتار پنکھوں کو گھما سکے۔

کارخانوں کے دودکشوں کا جنگل

سہ پہر کے قریب ریل ایسے علاقہ سے گذری - جس میں ہزاروں معدنی کارخانے لوہے اور فولاد کی مشینوں - توپوں - بندوقوں - کوئلہ نکالنے اور اسی قسم کی صنعتوں کے ہیں - ایک مقام ایسن سے گذر ہوا جہاں کارخانوں کی چمنیوں کا بلا مبالغہ ایک جنگل تھا - یہ ہزارہا چمنیاں کتنا مال تیار کر کے دنیا کا روپیہ کھینچتی ہونگی - یہیں جرمنی کی مشہور توپیں اور بندوقیں بنانے کا کرپ کا کارخانہ ہے کہ جسکے آتشبار اسلحہ کے لئے یوروپ کی تمام سلطنتیں اُس کی مشکور ہیں - اور وہ یوروپ میں اول درجہ کا آدمی ہے - اس وقت جو شخص اس کارخانے کا مالک ہے - اُس کی دولتمندی کی تفصیل بیان کرنا لاحاصل ہے - قصہ کوتاہ جرمنی میں یہ سب سے دولتمند شخص ہے لیکن یہ اُس شخص کا بیٹا ہے کہ جس نے اس کارخانے کی بنیاد رکھی اور اسکو کامیاب کیا - اس شخص کا بُت برلن کے ٹکنیکل ہائی سکول کے سامنے نصب ہے - کہتے ہیں اپنے کارخانے سے بیس سال تک اسکو کامیابی نہ ہوئی - اور باوجودیکہ وہ مستقل مزاج آدمی تھا - تاہم اُس کی ہمت پست ہوگئی - مگر بیس سال کے انتظار کے بعد قسمت نے ہنس کر اُسکی طرف دیکھا اور یہ امیر کبیر ہوگیا - اسکا کارخانہ میلوں میں پھیلا ہوا ہے - جس کے اندر ہی لوہے اور کوئلے کی کانیں ہیں - قیصر ولیم اول شہنشاہ جرمنی نے اسکا کارخانہ دیکھ کر کہا تھا کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ میری سلطنت کے اندر ایک اور چھوٹی سلطنت ہے - بہرحال اس وقت تک پہلے کرپ کا وہ غریبانہ جھونپڑا بجنسہٖ اُسکے کارخانہ میں محفوظ رکھا ہوا ہے - کہ جس میں وہ اپنی مفلسی کے زمانے میں رہا کرتا تھا - تاکہ اُسکے مزدور دیکھیں اور باور کریں کہ وہ بھی اپنی موجودہ حالت سے ترقی کر کے اتنے اعلیٰ درجے تک پہنچ سکتے ہیں -

مویشی کے لئے گھاس کا ذخیرہ جمع کرنا

برلن سے لیکر کولون تک تمام راستہ ایسا سرسبز تھا کہ گویا صدہا میل کا ایک مسلسل باغ تھا - گھاس کٹوائی - اور

چھتنددرختوں کے کھیتوں کی اُن کے رنگوں سے تمیز ہو سکتی تھی۔ جہاں تک نظر جاتی تھی
سبز کھیتوں اور درختوں کے جھنڈوں کے مابین سرخ اینٹوں اور کھپریلوں
کے مکانات نظر آتے تھے۔ اکثر مکانات کے ساتھ خواہ تھوڑی جگہ ہو لیکن
پھلواڑی اور ترکاری کے لئے بغیچے ہوتے تھے۔ میلوں میں گھاس کے کھیت
پھیلے ہوئے تھے۔ اور ہزاروں عورتیں اور مرد لمبی درانتیوں سے کھڑے ہو کر
گھاس کاٹنے اور اُسکے خشک کرنے میں مصروف پائے۔ قدرتاً مجھے توجہ
ہوئی کہ کیوں اس قدر گھاس جمع کیا جاتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ان ممالک میں
صرف موسم گرما کے چھ مہینے ہی یہ سرسبزی اور فصلیں اور درختوں کا رنگ روپ
رہتا ہے۔ سرما میں نہ صرف درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ بلکہ
زمین پر ایک برف کا فرش سا لگ جاتا ہے۔ زمین پہ مہینوں برف پڑی رہتی ہے
زمینداروں کے مویشی اور گھوڑے مہینوں اصطبلوں کے اندر بند ہو رہتے
ہیں۔ اور سورج کی شعاع نہیں دیکھتے۔ اس لمبے زمانے کے لئے جانوروں
کو کس قدر چارہ چاہئے کہ جس کا ابھی سے انتظام کیا جاتا ہے۔ اور جس توجہ
سے کسان اپنے لئے غلہ بوتا ہے۔ اسی سے اپنے جانوروں کے لئے چارہ
بوتا ہے کہ جسے ہے (Hay) یعنی گھاس کہتے ہیں۔ اسے کاٹ کر خشک
کیا جاتا ہے۔ اور انباروں میں بھر کر رکھا جاتا ہے۔ چونکہ سورج یہاں ہمیشہ
نہیں نکلا رہتا۔ اسلئے انگلستان میں ایک مثل ہے :۔
Makehay while the sun shin یعنی جب تک آفتاب
چمکتا رہے گھاس خشک کر لو۔ یعنی موقع کو ہاتھ سے نہ دو۔ ہندوستانی
اس موقع پر کہا کرتے ہیں "بہتی گنگا میں ہاتھ دھو لو" گھاس جمع کر رکھنا
یہاں انہیں ضروری ہے۔ ہندوستان میں لاکھوں مویشی اس قحط سالی میں
مر گئے اور مر رہے ہیں۔ اگر وہاں بھی گھاس پیدا کرنے اور اسکو انباروں
میں جمع رکھنے کا دستور جاری ہوتا۔ تو اس سے تکلیف کم ہوتی۔ گو بارش

نہ ہونے سے بڑی تکلیف پیدا ہوتی ہے۔ تاہم چونکہ ہندوستان میں سال کے ہر فصل میں کچھ پیدا ہو سکتا ہے۔ اسلئے بخلاف ان ممالک کے یہاں کے باشندوں میں وقت ضرورت کے لئے پس انداز کر رکھنے کی عادت بھی نہیں۔ حالانکہ ان کے ملک میں یہ بہت بڑی خوبی اور خدا کی ان پر بہت بڑی مہربانی ہے۔ مگر انہوں نے اسکو بقول ع اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی۔ اپنے حق میں زحمت بنا رکھا ہے۔ یہاں میں نے جتنے گھوڑے ہر قسم کی گاڑیوں کے آگے جتے ہوئے دیکھے ہیں۔ اور جتنے بیل اور گائیں کھیتوں میں دیکھی ہیں۔ نہ صرف قدوقامت میں بڑے ہیں بلکہ بہت موٹے تازے اور پلے ہوئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں چارہ کی کبھی کمی نہیں ہوتی ہے۔ گھاس کا بیج مل سکتا ہے میں ہندوستان کے انٹرپرائزنگ کسانوں کو تاکید کرتا ہوں کہ وہ بیج گھاس بونے اور خشک کر کے رکھنے کا ایک دفعہ ضرور تجربہ کریں۔ گنی گھاس یا سارگون جری یا اور کئی قسم کے گھاس ہیں جو تخم سے بونے جاتے ہیں اور خوب پھیلتے ہیں۔ انہیں کاٹ کر کھیتے میں دبا کر یا خشک کر کے رکھا جائے تو جانوروں کو بڑا آرام رہیگا۔

گرم اور سرد ملکوں کی قسمت نصیبی کا مقابلہ

مجھے یورپ کی سرسبزی اور دولتمندی۔ باشندوں کے انکے رنگ کی سپیدی اور ذہانت کی ترقی دیکھ کر بار بار خیال ہوتا تھا کہ معلوم نہیں اس میں خدا تبارک وتعالیٰ کی کیا مصلحت ہے کہ وہ ان لوگوں پر ہم لوگوں سے زیادہ مہربان ہے۔ لیکن جب مجھے ان ملکوں کے موسم سرما کی کیفیت معلوم ہوئی کہ تمام کھیتوں اور جنگلوں اور شہروں اور کارخانوں پر یکساں برف کی تہیں جم جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ کھیتوں میں ایک تنکا پیدا نہیں ہو سکتا۔ انسان اور جانور مکانوں کے اندر دبکے پڑے رہتے ہیں۔ صرف شہر برلن کے بازاروں سے فی سال برف صاف کرنے کا خرچ گورنمنٹ کو کئی لاکھ مارک ہوا تھا۔ لنڈن میں نومبر کو

گھر کی تاریکی کی وجہ سے چراغ روشن کرنے پڑتے ہیں۔ اور لوگ گرمی کی کمی ان
سورج دیتا ہے اور روشنی کو ترس جاتے ہیں۔ اب مجھے معلوم ہونے لگا ہے
کہ ہندوستان پر خداوند تعالیٰ کسی دوسرے ملک سے کم مہربان نہیں۔ گو
میرے ایک عالم دوست کا قول ہے کہ ہندوستان کی گرمی کا موسم ہندوستانی
طبائع پر بُرا اثر ڈالتا ہے اور اُن کی تیزی اور عقل کی روشنی کم کر دیتا ہے۔
اسلئے ہندوستان میں گذشتہ میں چار سو سال میں کوئی لائق آدمی پیدا
نہیں ہوئے۔ لیکن میں اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ اور نہ اس طویل بحث
کی یہاں درج کرنے کی گنجائش دیکھتا ہوں۔ تاہم میں یورپ کے موسم سرما
سے ہندوستان کے موسم گرما میں بہت زیادہ مہربان اور بنی نوع انسان کے
حق میں مفید پاتا ہوں۔ اگر ہندوستان کی تعلیم یافتہ جماعت جون جولائی کی
دوپہر کی دھوپ ننگی آنکھ سے دیکھ نہیں سکتی تو وہ اپنے اُن جاہل بھائیوں
کی طرف دیکھے جو جون جولائی میں عین دوپہر کے وقت کھلیانوں سے
غلہ نکالتے ہیں۔ اور جب ماہ رمضان گرمیوں میں آتا ہے تو روزہ رکھ کر
بھی یہ لوگ دن بھر دھوپ میں کام کر سکتے ہیں۔ اور ان لوگوں سے جو
پنکھوں کے نیچے بھی اُف اُف کرتے رہتے ہیں زیادہ مطمئن اور خوش
رہتے ہیں۔

کولون کا عظیم گرجا اور اسکے بے شائب

برلن سے ۹ گھنٹے میں گاڑی کولون پہنچی۔ یہ مقام ایک
بہت بڑے گرجے کے لئے مشہور ہے کہ جسکی بنیاد
۱۲۴۸ء میں رکھی گئی تھی۔ اور جسکی تعمیر صرف حال میں یعنی ۱۸۸۰ء میں ختم
ہوئی ہے جبکہ نیچے کی عمارت بالکل پرانی ہو گئی ہے تو اوپر کا حصہ ختم
ہوا ہے۔ یہ گرجا (۵۰۰) فیٹ بلند اور اتنا ہی لمبا ہے۔ بڑا کمرہ (۱۶۰) فیٹ
بلند ہے اور اس میں تیس ہزار آدمی کرسیوں پر سما سکتے ہیں۔
یورپ بھر میں صرف میلان اور روم کے دو گرجے اس سے بڑے ہیں۔ ایک

گرجا کی پانچ ہزار چوٹیاں اور مجسّمے ہیں۔ ۱۰۴ رنگین شیشہ کے دریچے ہیں
جو مختلف لوگوں اور تاجروں کی کمپنیوں نے نذر کئے ہیں۔ صرف ایک رنگین
دریچہ جو داخلہ کے دروازے کے اوپر ہے۔ اور قیصر ولیم دوم کے باپ
قیصر فریڈرک نے اس گرجا کو نذر کیا تھا۔ نوے ہزار مارک قیمت کا ہے۔
اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ باقی دریچوں پر کیا لاگت آئی ہوگی۔ اس گرجا
میں علاوہ صدہا تصاویر کے سات سو قد آدم بُت حواریوں، ولیوں اور
حضرت مسیح و مریم کے ہیں جنہیں دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ جس قدر بُت تراشی اور
بُت پرستی کے دنیا میں رومن کیتھلک عیسائی ذمہ دار ہیں۔ اس قدر تمام
ہندو اور چینی اور جاپانی اور افریقہ کے فیٹش (Fetish) پرست ہوں گے۔
اس شہر میں بیس رومن کیتھلک اور صرف تین پراٹسٹنٹ گرجے ہیں۔ یہ
وہ ملک ہے کہ جس میں مارٹن لوتھر پراٹسٹنٹ مذہب کا بانی گذرا ہے۔
اور اس نے عیسائیوں کو بُت پرستی سے روکا ہے۔ تاہم کوئی شخص جب کسی
رومن کیتھلک گرجے کو دیکھے تو اسے ذرا بھی شک اس امر کو تسلیم کر لینے میں
باقی نہیں رہ جاتا کہ عیسائی کس قدر بُت پرستی میں منہمک ہیں۔ یہاں کئی
لوگ مریم مقدس کے بُت کے سامنے گھٹنے ٹیکے سجدے کر رہے تھے
بعض موم بتیاں بتوں کے سامنے جلا کر تسبیح پھیرنے میں مصروف تھے۔
معلوم نہیں کہ مسلمانوں سے پہلے بھی تسبیح عیسائیوں میں مروج تھی یا نہ۔
اس شہر میں کبھی نہ کبھی کوئی پراٹسٹنٹ عیسائی رومن کیتھلک بنتا رہتا
ہے۔ اور اسے اسی طرح دوبارہ اصطباغ دے کر رومن کیتھلک جماعت
میں شامل کیا جاتا ہے جس طرح کوئی غیر عیسائی شخص عیسائی بنایا جاتا ہے۔
اس گرجا کا بڑا گھنٹہ اُن توپوں سے بنایا گیا ہے جو گذشتہ جنگ میں
فرانس سے چھینی گئی تھیں۔ اور یہ اتنا بڑا ہے کہ اسے بوقت ضرورت
اٹھائیس آدمی کھینچ کر بجاتے ہیں۔

جبکہ فرانس کے پریسیڈنٹ نے ساٹھ ہزار فوج کا ریویو کیا تھا۔ اور شہر رات کو تین رنگوں کے رنگین برقی اور جاپانی لالٹینوں کی روشنی سے دلہن بنا دیا گیا تھا۔ تاہم وہ اسی شب کو بھی ہم نے اس روشنی کا بہت سا نمونہ پیرس کے دو بڑے بازاروں شانز لیزی۔ اور بولوار میں دیکھ لیا۔ اور لاکھوں سہ رنگی سُرخ سپید نیلگون جھنڈیوں کو بھی دیکھا۔ جو تمام فرانس میں اس روز اس تیوہار کی تقریب سے دروازوں اور مکانوں پر نصب کی گئی تھی۔ واضح رہے کہ فرانس کا قومی جھنڈا انہیں تین رنگوں کا ہے۔ اسی مناسبت سے برقی روشنی بھی انہیں تین رنگوں کی استعمال کی گئی تھی۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ پیرس پہلے ہی تمام دنیا میں اول درجے کا خوبصورت شہر ہے کہ جس پر تمام عالم متفق ہے۔ اور اب اس میں بوجہ عالمگیر نمائش ہونے کے اس قدر دلچسپیاں پیدا ہو رہی ہیں کہ میرے جیسے مردہ دل بھی دن بھر دیکھتے پھرنے اور پاؤں پر کھڑے رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ نہایت نازک مزاج اور گلبدن لیڈیاں صبح سے کھڑی ہوئی شام تک نمائشگاہ کے مختلف سکشنوں کو دیکھتی پھرتی ہیں۔ اور تھک کر کسی کوچ یا کرسی پر ایک دم بیٹھ جاتی ہیں۔ اور پھر آگے بڑھنے کو مستعد ہیں۔ خیر نمائشگاہ پیرس کا قصہ تو آگے لکھوں گا جو طویل ہوگا۔ بالفعل اپنی برسلز کی رام کہانی سناتا ہوں۔

برسلز کا تصویر خانہ

برسلز میں ایک شب و روز کے بخار کے بعد مجھے آرام ہو گیا تھا۔ میں نے گاڑی میں تو شہر کے مختلف اور مشہور مقامات دیکھے اور عجائب خانہ اور پکچر گیلری وغیرہ مقامات پیدل دیکھے۔ اب نمائشگاہ پیرس کو دیکھ چکنے کے بعد برسلز کی پکچر گیلری کی زیادہ قدر و وقعت میری نظر میں نہیں رہی۔ تاہم اس میں بہت سی بیش قیمت تصاویر ہیں۔ ان میں سے صرف ایک تصویر حضرت آدم و حوا کی لنڈن کے ایک نیلام سے سات لاکھ بیس ہزار فرانک کو خریدی گئی تھی۔ اس سے اندازہ ان لوگوں کی تصویروں کے قدر کا ہو سکتا ہے۔

ایک دوسری تصویر Vantas (بطالت) نامی دیکھ کر مجھ پر رقت طاری ہوئی۔ جس میں انسان کا انجام ایک کھوپڑی اور چند اعضا کی ہڈیاں رہ جاتی ہیں۔ عورتوں اور مردوں کا بوس و کنار اور عورتوں کی بے پردگی تو بیشمار تصاویر سے نمایاں تھی۔ ایک وارڈر (غلام) نے مجھے ساتھ پھر کر کئی تصاویر دکھلائیں۔ لیکن میری طبیعت ایسی کبیدہ تھی کہ میں نے اُسے کچھ نہ دیا۔ گو کچھ لینے کی امید پر اُس نے مجھے دکھلائی تہیں۔

زیادہ ستانی مجھے تجربہ سے معلوم ہوا کہ خواہ اہل یورپ کتنے مہذب ہیں۔ لیکن ناواقف مسافر سے زیادہ ستانی میں انہیں ذرا بھی تامل نہیں ہوتا۔ مثلاً ہوٹل والوں نے پانچ فرانک روزانہ کا مجھے کمرہ دیا تھا۔ اس پر نصف فرانک موم بتی کا زائد مانگتے تھے۔ بعض دوسرے ہوٹلوں میں بھی روشنی کی قیمت علاوہ مانگا کرتے ہیں۔ میں نے اصرار کیا کہ روشنی ہمیشہ کمرہ کے کرایہ میں محسوب ہوتی ہے تو انہوں نے نصف فرانک کا دعوے چھوڑ دیا۔ سٹیشن کو جانے کے وقت گاڑیبان سے صاف صاف کہدیا تھا۔ ڈیڑھ فرانک جو تمہارا کرایہ مقرر ہے وہی دونگا۔ لیکن وہاں پہنچکر زیادہ مانگنے لگا۔ اور کہنے لگا کہ یہ تمہارے ٹرنک کا کرایہ زیادہ مانگتا ہوں۔ لیکن جب میں ذرا بگڑا تو وہی ڈیڑھ فرانک لیکر چلا گیا۔ اسی طرح ایک ہی چیز کی قیمت مختلف مقامات میں مختلف دینی پڑتی ہے۔ بوجہ بخار کے کئی مرتبہ میں نے یہاں سکنجبین پی۔ ہوٹل والوں نے ایک گلاس کی قیمت ۵ سو لگائی۔ رسٹارنٹ والوں نے ساڑھے تین آنے۔ اور ایک غریب میوہ بیچنے والی عورت نے ۱۵ سینٹم یعنے ڈیڑھ آنہ۔ فرق ان میں صرف اتنا تھا کہ اس بڑھیا نے لیموں کاٹ کر ہاتھ سے پانی میں نچوڑ دیا تھا اور ہوٹل والوں نے لیموں نچوڑنے کے آلہ سے لیموں نچوڑا تھا

شام کو یہاں کا زوالاجیکل پارک دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ کیسے خوشنما زینت

اور پھول اور پودے اور صاف ستھری روشیں ہیں۔ کھلے تختے بلندی سے نشیب میں چلے گئے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک ڈھلوان پر واقع ہے۔ اس پارک میں کئی روشیں بہت گلکاری۔ ضعف۔ جوانی۔ پیری۔ طفولیت وغیرہ حالتوں کو زنانہ لباس میں ظاہر کرتے ہیں۔ یہ پارک اور قصر شاہی کے قریب کا پارک تمام یورپ میں بے نظیر مشہور ہیں۔ شہر کا ایک حصہ ایک پہاڑی پر اور دوسرا نشیب میں واقع ہے اسلئے بلند حصہ پر کھڑے ہونے سے دوسرا حصہ جو قدیم شہر ہے بہت پستی میں نظر آتا ہے۔ ٹاؤن ہال جو شہر کے وسیع مارکٹ میں واقع ہے۔ اسکی چوٹی (۳۱۴) فٹ بلند ہے۔ اور اسکے اوپر پھر ایک ستر فٹ بلند تانبے کا سینٹ مچل کا بت نصب ہے شہر میں کئی ایک پبلک فونٹین (پانی کے فوارے) ہیں جنکو پر تکلف وصات کے فرشتی اور قیاسی عالی شان بتوں سے آراستہ کیا گیا ہے۔

برسلز کے ایک اخبار کا دفتر دیکھا

میں نے یہاں کے سب سے بڑے اخبار پیٹی بلژ کا دفتر بھی دیکھا کہ جسکے لیئے برلن سے معرفت کا خط لایا تھا اور اس میں عکسی تصاویر کی پلیٹ بنانے کے پراسیس (طریق عمل) کو دیر تک سمجھتا رہا۔ برقی روشنی اور برقی طاقت سے اس قدر زیادہ ان ملکوں میں کام لیا جاتا ہے کہ جس کی حد نہیں دفتر کا ہر کمرہ برقی روشنی سے روشن ہے۔ فوراً اندر جا کر ایک بٹن دبا دو تو کمرہ روشن ہو جائیگا عکسی تصویر لینی ہو۔ تو برقی روشنی دن کی طرح کمرے کے اندر کر لو۔ ان لوگوں نے تعجب کیا کہ بلا برقی روشنی کے میرا ارادہ فوٹو زنکو پراسس سے تصویریں بنانے کا ہے۔ یہ شہر چھوٹا ہے اور اس اخبار کی اشاعت بھی ستر ہزار روزانہ سے زیادہ نہیں تاہم پانچ سو اور سات سو فرانک ماہوار کے دو فوٹو زنکو بنانے والے علاوہ ڈرافٹسمن اور دوسرے لوگوں کے صرف تصویر کے سیکشن میں ملازم ہیں۔ معلوم نہیں سبب یہ لوگ اخلاق سے پیش آتے ہیں۔

پا سکیں۔ مگر مجھے اخبار نویس سمجھ کر ہر شہر کے اخبار والوں نے نہایت خلاق سے اپنے کارخانے اور دفتر دکھلائے ہیں۔ برسلز کی عمارات بھی دوسرے یورپین شہروں کی طرح خوبصورت ہیں۔ بلکہ یوروپ میں اس شہر کو چھوٹا پیرس کہتے ہیں۔ لیکن میں نے ایک دلچسپ بات یہ دیکھی کہ جس طرح یہ سلطنت چھوٹی ہے اسکے باشندے بھی قد و قامت میں چھوٹے ہیں صرف دو تین روز میں اس قدر پست قامت آدمی مجھے یہاں ملے کہ میں حیران ہو گیا۔ برقی اور دُخانی ٹریم سے زیادہ اور گھوڑے کی ٹریم سے کم ہے۔ موٹر کار یعنی برقی یا دُخانی طاقت سے چلنے والی چھوٹی سی گاڑی کا یہاں برلن سے زیادہ رواج ہے۔ ایک شام کو ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ ایک شخص ایک ایسی گاڑی دوڑائے لئے جا رہا تھا۔ کہ ایک عورت اس کی رفتار کی جھپٹ سے گر گئی۔ گاڑی والا گاڑی دوڑا کر لے گیا۔ ایک دم میں دس بیس پچاس شخص اسکے پیچھے دوڑ گئے۔ کہ اسے پکڑ لائیں۔ کیونکہ عورت کو اس نے گرا دیا تھا۔ مگر وہ ہاتھ نہ آیا۔ بھلا انسان کی کیا مجال ہے کہ موٹر کار کو دوڑ کر پکڑ سکے۔ لیکن وہ لیڈی بھی اتنے میں اُٹھ کھڑی ہوئی اُسے چوٹ نہیں آئی تھی۔ مجھے بائیسکل کے بعد یہ خود بخود چلنے والی گاڑیاں بہت پسند آئیں۔ لیکن ان کی قیمت ابھی بہت زیادہ ہے۔ اسلئے اُمید نہیں کہ ہندوستان ایسے غریب ملک میں زیادہ رواج پائیں۔ اہل بلجئم گو پست قامت ہیں۔ لیکن پست ہمت نہیں صنعت و حرفت میں یوروپ کی سب قوموں کے برابر ہیں۔ ناظرین نے کئی دفعہ اخبارات میں دیکھا ہوگا کہ بلجئم کے انجنیروں کی کمپنیاں ترکی شام اور ایران میں جرمنی۔ انگلستان۔ فرانس اور روس کے پہلو بہ پہلو ریلوں اور سڑکوں اور تجارتی کارخانوں کی رعایتیں حاصل کرنے میں مصروف ہیں بلکہ ابھی تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ خلیج فارس کے بندروں کا ٹھیکہ

ایران نے بلجیئم کی کمپنیوں کو دیا ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ بڑے ڈیل ڈول اور بڑی جسامت پر بھی انسان کی عظمت کا حصر نہیں۔ بلجیئم کے باشندے تو مجھے زیادہ ہی پست قامت اور منحنی نظر آئے ہیں۔ لیکن اٹلی اور فرانس کے عام باشندے بھی معمولی قد کے لوگ ہیں۔ جو ہم لوگوں سے تناور نہیں۔ لیکن ان لوگوں میں آدمیت۔ لیاقت اور ہمت ہم لوگوں سے بہت زیادہ ہے ؎

آدمیت سے ہے بالا آدمی کا مرتبہ　　　پست ہمت یہ نہ ہووے پست قامت ہو تو ہو

بوجہ طبیعت ناساز ہونے کے کھانا دو دن تک نہ کھایا۔ لیکن ایک روز بازار سے گذرتے ہوئے ایک دوکان پر چیریاں دیکھ کر رغبت معلوم ہوئی۔ مگر خیال ہوا کہ خود بازار سے چیریاں خریدنے میں سُبکی ہوگی۔ لیکن میں نے کہا مجھے یہاں کون جانتا ہے۔ چیریاں بیچنے والی بڑھیا نے مجھے ایک کاغذ کے لفافہ میں چیریاں لپیٹ دیں۔ جسے دیکھ کر ذرہ بھی شک نہیں ہوتا تھا کہ اس میں چیریاں ہونگی۔ اسکے بعد انگلستان میں جا کر دیکھا تو کئی بھلے مانس جنٹلمین بازار سے ایسی چیزیں خرید لیتے ہیں اور یہ بات داخل عیب نہیں۔

اسی شام کو پیاس لگی تو ایک قہوہ خانہ میں جا کر خادمہ سے لیمونیڈ مانگا مگر وہ نہیں سمجھی اور کمبخت دوڑی ہوئی گئی اور میرے سامنے ایک لبالب گلاس بئیر کا لا کر رکھ دیا۔ اور بھی بہت لوگ یہاں بئیر پینے میں مصروف تھے۔ میں نے کہا میں اسے نہیں پیتا۔ مگر وہ میرا مطلب نہ سمجھی اور بھاگ گئی۔ میں نے اُسے پھر بلوایا اور لیمونیڈ اور لیمن سکویش کہتا رہا۔ مگر بندہ درگاہ کو اس وقت "سٹرن" یا "سٹرونیڈ" کا لفظ یاد نہ آیا نہیں تو لیموں کی شکنجبین مل جاتی۔ آخر دس سنیٹم (سوا آنہ) دیکر بئیر بھی رہنے دی اور چلا آیا۔ یورپ میں لیمونیڈ کا بالکل رواج نہیں مگر سوڈا واٹر

روزنامچوں کا رواج

اکثر پایا جاتا ہے - زبان یہاں کی فرانسیسی ہے لیکن چونکہ سرحد جرمنی سے ملحق ہے اور ملک چھوٹا سا ہے اور آبادی اسی لاکھ سے زیادہ نہیں - سرکاری کاغذات اور ریلوے اور ٹریموے کے نوٹس بورڈ فرانسیسی اور جرمنی دونوں زبانوں میں ہوتے ہیں - جیسے مثلاً اضلاع مغربی و شمالی (ہند) کی عدالتی کاغذوں کی حالت یا د آگئی جو آئندہ اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں ہوا کرینگے -

کتا گاڑی کے نیچے جوتا جاتا ہے -

یہاں کی چھوٹی چھوٹی دستی گاڑیوں میں آسٹریا اور جرمنی کی طرح کتا آگے جوتا ہوا نہیں ہوتا - بلکہ گاڑی اتنی اونچی ہوتی ہے کہ کتا اسکے نیچے کھڑا ہو سکتا ہے - اور اسے ایسی طرح جوڑ دیا جاتا ہے کہ اسکے چلنے سے اسکے اوپر گاڑی خود بخود آگے چلی جاتی ہے - اور زیادہ جگہ بازار میں نہیں روکتی - ہوٹل میں جو موم بتیاں ملتی تھیں - ان کے اندر تین سوراخ ہوتے تھے - اسلئے جو موم پگھل کر بتی کے باہر گرتا ہے وہ ان کے اندر کو گرتا تھا اور تلف نہ ہوتا تھا - یہی طریقہ پیرس کی موم بتیوں کا ہے -

ہوٹل کا بل

مجھے بند یکر کی گائیڈ بک کا مشکور ہونا چاہئیے جس نے صاف لکھ دیا ہے کہ مسافروں کو ہر دوسرے تیسرے اپنا ہوٹل کا بل دیکھتے رہنا چاہئیے - کیونکہ ہوٹلوں کے منیجروں کا حساب اکثر ٹھیک نہیں ہوتا اور وہ اپنے مطالب کی غلطیاں کرتے رہتے ہیں - چنانچہ برسلز کے ہوٹل کی مالک کے بل میں پڑتال کرنے پر غلطی نکلی - اور جو کھانے میں نے نہیں کھائے تھے میرے نام سے کاٹے گئے - جب میں ویٹر چیمبرمیڈ اور پورٹر کو تین فرانک انعام دے کر گاڑی میں سوار ہوا تو میں نے گاڑی والے کو صاف صاف کہدیا کہ تمہیں سٹیشن تک ڈیڑھ فرانک سے زیادہ کرایہ نہ دونگا - وہاں سے تو خاموش ہو کر چلدیا لیکن سٹیشن پر پہنچکر جھگڑا کر ڈالا

اور کہنے لگا کہ تمہارا تو ڈیڑھ فرانک کرایہ ٹھیک ہے۔ لیکن تمہارے بوجھ کا کرایہ اسکے علاوہ ہے۔ لیکن میں نے ذرا اصرار کیا اور تکرار کیا تو وہ ڈیڑھ فرانک ہی لیکر چلتا ہوا۔ بیچارا لیکہ برلن کے سٹیشن پر لانے والے گاڑیبان نے جھگڑا کر کے پونے مارک (شلنگ) کی بجائے سوا شلنگ لے لیا تھا۔

پیرس کو روانگی

باوجودیکہ میرے دوست نے پیرس سے تار دیا تھا اور خط بھی لکھا تھا کہ دو روز کے بعد پیرس آنا۔ کیونکہ ۱۴ جولائی کو فرانس کی آزادی کی یادگار میں بہت بڑا تیوہار تھا کہ مسافروں کو سٹیشن تک گاڑی تک نہیں مل سکتی تھی اور علاوہ اسکے وہ اپنے کنبے سمیت خود بھی تعطیل کے باعث شہر سے باہر کسی سیرحاصل خوشسواد مقام میں آرام سے لئے چلا گیا تھا۔ مگر ایک دوست کو ہدایت کر گیا تھا کہ وہ میرا تار پہنچنے پر مجھے سٹیشن سے جا کر کسی ہوٹل میں ٹھیرا دے۔ مگر ۱۳ جولائی کو تار دے کر میں برسلز سے پیرس کو روانہ ہو گیا۔ برسلز کے سٹیشن پر ویٹنگ روم میں عام مسافروں کے لئے نہایت پرتکلف گدیلوں والے کاؤچ پڑے ہوئے تھے لیکن سیکنڈ کلاس گاڑی بہت گھٹیا تھی۔ ۹ بجے چلکر

پیاس کی شدت

۴ بجے شام کو گاڑی پیرس پہنچی۔ مجھے راستہ میں پیاس سخت لگی۔ لیکن جب ایک آدھ منٹ کے لئے راستہ میں کسی سٹیشن پر گاڑی ٹھیرتی۔ تو لوگ دوڑ کر اترتے سٹیشن پر پہنچتے ہی بفٹ Buffet پر بیئر شراب کے لبریز گلاسوں کی قطار سجی ہوئی ہوتی۔ ایک ایک پینی رکھکر ہر شخص بلا پوچھے کے ایک گلاس پی لیتا۔ اور روٹی کا ٹکڑا لیکر بھی کوئی کوئی کھا لیتا۔ پانی پینے کا یہاں رواج ہی نہیں ہے۔ میں نے ایک دو جگہ پانی مانگا بھی لیکن جلدی میں نہ ملا۔ اور ریل روانہ ہو گئی پیاس سے میری زبان خشک ہو گئی۔ اس بیئر شراب کو جس سے مستی نہیں ہوتی۔ یہ لوگ پانی کی طرح پیتے ہیں۔ جہاں سے ریل فرانس کے علاقہ میں

داخل ہوئی تھی تمام سٹیشنوں اور راستہ کے مکانوں پر تین رنگوں کی جھنڈیاں بکثرت آویزاں نظر آتی تھیں کہ جنکے موجب کا ذکر پہلے آ چکا ہے

ہوٹلوں کی گرانی

پیرس کے سٹیشن پر پہنچا تو میرے دوست کا ایک دوست میرا منتظر تھا۔ اس نے فوراً اس ٹرنک کے حاصل کرنے میں مدد دی جو میں نے برلن سے سیدھا پیرس کو بھیجا تھا۔ اور کیپان بردو نامی ایک ہوٹل میں ٹھیرایا جس کی چوتھی منزل پر ایک چھوٹے سے کمرے کا کرایہ ایک شب کا بلا کھانے کے خرچ کے دس فرانک تھا جو مجھے دوسرے روز کرایہ دینے کے وقت خیال گذرا کہ میرے وطن کے اس سے بہت بڑے مکان کے مہینہ بھر کا کرایہ ہے۔ چونکہ بوجہ نمایش ایک دنیا پیرس میں امڈی ہوئی تھی۔ اسلئے کرایہ کا نرخ خصوصاً نمایش کے قریب کے مکانات میں بہت گراں تھا۔ بیس پچیس فرانک ہوٹل

ایک لاجنگ ہوس میں قیام

کے ایک اچھے کمرے کا معمولی کرایہ تھا۔ چونکہ ہوٹلوں کی نسبت لاجنگ ہوس ارزاں ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ زیادہ مدت ٹھیرنا چاہیں انہیں انہیں مکانات میں ٹھیرنا چاہئے پیرس کے اخبارات میں ان مکانات کے خالی کمروں کے اعلان بکثرت چھپتے تھے۔ دوسرے روز اسی دوست کے ہمراہ گاڑی پر سوار ہو کر دن بھر ہم کرایہ کے مکانات دیکھتے پھرے۔ اور صرف گاڑی کے کرایہ اور ہوٹل کے آج بیالیس فرانک خرچ ہوئے تھے۔ لیکن آخر نمایش کے قریب ایک لاجنگ ہوس میں ایک کمرہ مل گیا۔ جو کہ بہت سادہ تھا اور پانچویں منزل پر تھا تاہم بوجہ ارزانی اور نمایش سے قریب ہونے کے غنیمت سمجھا گیا۔ بعض مکانات سے نمایش تک آنے جانے کا کرایہ ہر روز دو تین فرانک خرچ ہو جاتا۔ لیکن یہاں سے مجھے کبھی ایک پیسہ نمایش تک جانے کے لئے خرچ نہ پڑا۔ گو یہ کمرہ بہت ہی سادہ تھا لیکن ایسی

بستر گدیلا تکیہ سفید چادریں۔ پا انداز کو قالین۔ ہاتھ منہ دھونے کی چھوٹی سنگ مرمر کی میز۔ لکھنے کی چھوٹی سی میز اور دو سادہ کرسیاں مثل پیس معمولی چھت کا۔ کپڑوں کی الماری پر سنگ سیاہ کا تختہ اور چند چھوٹی چھوٹی آرائش کی چیزیں مثل گھونگھوں جاپانی پنکھوں اور سستی تصویروں کی تھیں۔ اس تفصیل سے میری غرض یہ بتلانے کی ہے کہ ان ملکوں میں غریب لوگ بھی کیسا ستھرا مذاق رکھتے ہیں اور کیسی آسایش اور صفائی سے بسر کر سکتے ہیں۔

آج مکان تلاش کرنے کے دوران میں ایک مالک مکان عورت نے بتلایا تھا کہ اس وقت پیرس میں صرف اہل امریکہ ساٹھ ہزار کے قریب آئے ہوئے تھے۔ اور عموماً یہ لوگ اخبارات کے اشتہار دیکھ کر بذریعہ تار آنے سے پہلے ہی مکان ٹھہرا لیتے تھے اور اس طرح خالی مکانات کے کرائے دے رہتے تھے مکان کی تلاش سے سبکدوش ہو کر میں نے ۲ جولائی سے بالالتزام نمایش کی حاضری شروع کر دی۔

سنہ ۱۹۰۰ء کی عالمگیر نمائش پیرس

آئینۂ سکندر جام جم است بنگر
تا بر تو عرضہ دارد احوال ملک دارا



بے نظیر عالمگیر نمائش اور پیرس کا سلیقہ

آج تک دنیا میں کئی عظیم الشان عالمگیر نمائشیں ہو چکی ہیں۔ لیکن پیرس کی سنہ ۱۹۰۰ء کی نمائش سے اُن سب کو وہی نسبت ہے جو ہاتھی کے پاؤں سے دوسرے جانوروں کے پاؤں کو ہے۔ نہ صرف اسلئے کہ پیرس کی نمائشگاہ سب سے آخر میں ہوئی ہے اور جب تک کہ کسی دوسرے ملک میں پھر انٹرنیشنل اگزبیشن یا بقول اہل امریکہ کے والڈس فیئر (Worlds fair) یا بقول اہل فرانس کے ایکسپوزیشون یونی ورسال (Exposition Universelle) یا بقول اہل جرمنی کے ویلٹ اوسٹلانگ (Weltausstellung) نہ ہو فرانس کی آخری نمائش سے گوئے سبقت لیجانا محال ہے بلکہ اسلئے بھی کہ اس قسم کی عالمگیر نمائشگاہوں کے قایم کرنے اور انہیں کامیاب اور دلکش بنانے میں جو سلیقہ اہل فرانس کو حاصل ہے کسی دوسرے یورپین یا امریکن قوم کو حاصل نہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلے عالمگیر نمائشگاہوں کا خیال ہی پیرس سے پیدا ہوا۔ کیونکہ سنہ ۱۷۹۸ء میں پہلے فرانس کی حکومت ڈائرکٹری کے تاریک زمانہ میں پیرس میں چھوٹے پیمانے پر ایک انٹرنیشنل نمائش قائم ہوئی تھی۔ سلطنت اضلاع متحدہ امریکہ جہاں سنہ ۱۸۹۳ کی شکاگو کی عالمگیر نمائش کھلی تھی ابھی وجود میں بھی نہیں

آئی تھی۔ بلکہ خود انگلستان میں پرنس کانسرٹ مرحوم والد بزرگوار شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کی مساعی جمیلہ سے پہلے پہل ۱۸۵۱ء میں عرفت دستکاری اور علوم وفنون کی ترقی کے لیئے عالمگیر نمائشگاہ کھولی گئی تھی۔ مگر اس کے بعد انگلستان میں کوئی دوسری اس قسم کی نمائش آج تک قایم نہیں ہوئی بحالیکہ اس زمانہ سے آجتک صنعت وحرفت اور علوم وفنون میں صدہا بیش قیمت ایجادیں اور اختراعیں عمل میں آچکی ہیں۔ غرض تمام یورپ اور امریکہ اس بات کے تسلیم کرنے میں متفق ہے کہ عالمگیر نمائش گاہیں قایم کرنے کا سلیقہ جیسا کچھ کہ اہل پیرس جانتے ہیں اور کوئی قوم نہیں جان سکتی۔ میں اپنی تائید میں اس نمائش گاہ کے اینگلو سکسن گائیڈ کی تمہید سے چند سطور کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔ یہ گائیڈ محض اینگلو سکسن قوم کی رہنمائی کے لیئے لکھا گیا تھا اس لیئے فرانسیسی میلان کا اس پر شبہ نہیں ہوسکتا۔ وہ لکھتا ہے :-

"ایک دفعہ پھر اس دُنیا کے پرستان شہر پیرس نے سُنہری آگ سے روشن کی ہوئی جادو کی چھڑی اپنی انگلیوں میں گھمائی ہے۔ ایک دفعہ پھر اسکے تم بادنی کے اشارہ سے عیش و عشرت حسن لفریب۔ نور اور بشاشت کے محلات کہ جن کی نظیر دُنیا کے باشندوں نے اس سے پیشتر نہیں دیکھی دم زدن میں عدم سے وجود میں آگئے ہیں۔ اور ایک دفعہ پھر اس آزادی کی ملکہ پری نے اپنی انگلیوں کے پوروں کے بوسے تمام دنیا کو اپنے اوپر شیدائی بنانے کو بڑھایا ہے۔ اس کی دعوت کا پیام تمام دُنیا میں ہوا کے ساتھ پھیل گیا ہے اور دُنیا کے ہر گوشہ سے زن و مرد اور برنا و پیر اس کی خوشی کو امرحبا کہنے اور اُس کی خوشی میں شریک ہونیکو آگئے ہیں..... کیونکہ دُنیا کے چپے نہایت خوشی سے اس خوش خلق گوشے د پیرس کی سریلی آواز سنکر تھوڑی دیر کے لیئے از خود رفتہ ہونے کے

واسطے اسکی چاردیواری میں جمع ہوجاتے ہیں۔ فرانس ہی تمام قوموں میں
اور تنہا پیرس تمام دنیا کے شہروں میں اچھی طرح جانتا ہے کہ تمام قوموں
کو کس طرح یکجا جمع کرنا چاہئے۔ ہر چند کہ اُن کے مذاق ایک دوسرے سے
کتنے ہی متناقض ہوں۔ پیرس بخوبی سمجھتا ہے کہ ان میں سے ہر فرد واحد
کو کچھ دیر کے لئے کس طرح شادمان اور مطمئن کرسکتا ہے۔ تاکہ وہ اسکے
صدر مقام کے حدود کے اندر بھیڑ جائیں۔ پیرس شادمانی کے لئے مخلوق
ہوا ہے۔ اسکا دلفریب چہرہ بجائے خود ایک دعوت ہے۔ اسکا بانکپن
اور حسن طناز فریب کئے بغیر نہیں رہتے۔ اور اسکے حرکات و
سکنات ایسی دل لبھانے والی ہیں کہ ہر مرتبہ جو وہ اپنے شاندار جشنوں
میں شریک ہونے کے رقعے تقسیم کرتا ہے تو کسی کو سوائے انہیں قبول
کرنے کے چارہ نہیں ہوتا۔ ہر متواتر جشن پہلے سے وسیع اور شاندار
ہوتا ہے اور جوں جوں مدت گذرتی جاتی ہے پیرس پر نیا جوبن آتا ہے۔
اور ہم میں سے ترش رو سے ترش رو بھی اس کی خندہ پیشانی کو دیکھ کر
مسکرائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ غرض یہ ۱۸۸۹ء کی عالمگیر نمائش ان سب
چیزوں سے جو دنیا دیکھ چکی ہے بہت بڑھی چڑھی ہے۔ لاریب پیرس
نے اپنے فن کا کمال دکھلا دیا ہے۔ اور دنیا میں اور کسی شہر کو ایسا کمال
حاصل نہیں جو اسکے مقابلے میں پیش کیا جا سکے۔ اور اُداس اور بھدے لنڈن
پر جوش سرگرم اور گرد آلود نیویارک۔ خاموش اور معمولی برلن یا دنیا بھر کا
اور کوئی شہر کہ جسکا نام لیا جاسکتا ہے۔ وہ بین الاقوام نمائش کیا ہوں
کو کیا جانے؟ ان میں سے ایک میں بھی ایسے دلکش اور دلفریب سامان
بہم پہنچانے کی لیاقت نہیں۔ ان میں سے کسی میں بھی یہ شوخی یہ بانکپن
اور یہ البیلے ناز و ادا نہیں۔ یہ خوشنما چہرہ نکھرا ہوا جوبن اور یہ جدا ہی حالت
نہیں کہ جس کی کسی نمائش کی تکمیل کیلئے ضرورت ہے۔ کہ جہاں کہ ہر مذاق

ہر طبیعت اور ہر رسم و رواج کے لوگ دنیا کے روزمرہ دھندوں سے تھوڑی سی دیر کے لئے آزاد ہوکر اپنے آپ کو بھول جائیں۔ یہاں پیرس میں کیسا خوشنما اور طبیعت میں انبساط پیدا کرنیوالا موسم ہے۔ کیسے شاندار اور کشادہ بازار اور سڑکیں ہیں کہ جنکے دونو طرف سر بفلک و خوشنما کی قطاریں چلی گئی ہیں۔ ہر طرف سے سوائے خوشی کی صداؤں۔ خوبصورت چیزوں اور دل لبھانے کے سامانوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ اور ہر وقت تیوہار کی سی فرحت چاروں طرف نمودار ہے۔ پیرس عیش اور انبساط سے زندگی گذارنے کا فن جانتا ہے۔ وہ زندہ دلی کی تمام تدابیر سے واقف ہے۔ اور زیادہ متین اور شاید غمگین قوموں کے بہلانے کے فن میں ماہر ہے۔ یہ تہذیب اور خوش اخلاقی۔ اور ناچ رنگ اور خوبصورت عورتوں کی سرزمین جو کیا لحاظ تاریخ کی دولت اور کیا دولت علم و فن اور خوش اسلوبی سے زندگی بسر کرنے کی لیاقت کے ایک دفعہ پھر تمام دنیا کی قوموں کو اپنے خوان نعمت پر مدعو کرتی ہے۔ کہ کم از کم مختصر سے زمانہ کے لئے تو آپس کی رقابتیں اور کشمکشیں بھول جائیں اور ایک عالمگیر نمائش کی دل لگی میں محو ہو جائیں۔ امسال ملک اب پیرس آمادہ ہوا ہے کہ خوشی کرنے والونکے ساتھ ملکر خوش ہولے۔ تمہیں اسکا ثبوت ہر بشرہ سے ملیگا۔ پیرس نے اپنے آپ کو سب کا دوست بنا لیا۔ وہ سب کے لئے خوشش آمدید کا ہاتھ بڑھائیگا خواہ وہ کسی حالت میں آئیں۔ اور اُسے بھروسہ ہے کہ جب رخصت کا وقت آئیگا تو وہ لوگ آخر عمر تک اسکے یہاں سنہ ۱۹۰۰ء میں زمانہ تعطیل جنسی خوشی میں گذار جانے اور عموماً قوم فرانس اور خصوصاً اہل پیرس کی دلچسپ مہمان نوازی کو یاد کیا کرینگے۔"

یہ ہے نمائش پیرس اور پیرس کی تعریف جو ایک انگریز مصنف لکھتا ہے۔ جو لا ریب فرانسیسیوں کو رقابت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ میں پیرس

اور اس کی نمایش کی تعریف اس قدر سے نہیں کرتا کہ کہیں میرا بیان مشرقی مبالغہ نہ سمجھا جائے۔ مندرجہ بالا سطور سے روشن ہے کہ پیرس نے اپنے سنہ ۱۹۰۰ء کی عالمگیر نمایش کو کس قدر دلفریب اور مفید بنایا تھا کہ دنیا کا اور کوئی شہر اس سے پہلے کوئی ایسی نمایش نہیں دکھلا سکا۔ وہی مصنف لکھتا ہے کہ صرف اس قدر کہہ دینا کہ سنہ ۱۹۰۰ء کی نمایش پیرس سے دنیا بھر کی تعلیم اور دل بہلاؤ کا اس قدر سامان بہم پہنچایا ہے کہ کبھی پہلے جمع نہیں ہوا اس کی سخت حق تلفی ہوگی۔ کیونکہ اس سے اسکی عظمت اور کوشش و کاوش کا کچھ اندازہ نہیں ہوسکتا۔ سرسری نظر سے معلوم ہوجاتا ہے کہ نمایش پیرس بجائے خود ایک وسیع شہر ہے۔ اور نہ صرف بلحاظ عالیشان عمارتوں اور وسیع باغوں اور راستوں کے قابل عزت ہے۔ بلکہ اپنے متنوع اور متفرق مطالب اور دلچسپیوں کے لحاظ سے بھی قابل قدر ہے نکتہ چینوں اور رقیبوں نے بھی اگر اس نمایش پر کوئی الزام لگایا تھا۔ تو وہ یہی تھا کہ یہ بہت بڑی تھی۔

نمایش دیکھنا یہ بتلانے کی کیا ضرورت ہے کہ مجھے پیرس میں پہنچکر اس نمایشگاہ کو ایک نظر دیکھ لینے کا کس قدر شوق تھا کہ جس کی تعریف میں تمام یورپ اور امریکہ کے اخبارات رطب اللسان تھے۔ اور میری حالت اس اعرابی سے مشابہ تھی جو خلیفہ کے دسترخوان کی ہر ایک نعمت پر بے محابا پیاسے حملے کر رہا تھا۔ اور خلیفہ کی حضوری کے آداب تھوڑی دیر کے لئے فراموش کر بیٹھا تھا۔ میں فیصلہ نہیں کرسکتا تھا کہ پہلے شہر پیرس کے عجائبات دیکھوں یا نمایش پیرس۔ اور کہاں سے شروع کرکے کہاں ختم کروں۔ بہرحال پہلے کچھ روز تو میں بہت بے قاعدگی سے نمایش کو دیکھتا رہا۔ میرے خیال میں اگر کوئی شخص اس دنیا کی سب سے بڑی نمایشگاہ کو کما حقہ دیکھنا چاہتا تو اُسے چھ ماہ یا

کرانا کہ تین ماہ دیکھنے میں لگانے پڑتے۔ ورنہ یوں تو بعض ممالک یورپ کے لوگ یہاں ایک ہفتہ اور تین دن کے لئے بھی آتے تھے۔ اور چاروں طرف نمایشگاہ میں چکر لگا۔ کہیں کہیں تماشے دیکھ اور کھا پی آرام دیتے تھے۔ اور دل کو اطمینان دے لیتے تھے کہ انہوں نے پیرس کی سب سے بڑی اور سب سے آخری نمایشگاہ دیکھ لی۔ بلکہ انگلستان کی بعض ٹورسٹ کمپنیوں نے غیر مستطیع اور مصروف لوگوں کے لئے یہ انتظام کیا تھا کہ ہفتہ کی دوپہر کو انگلستان سے روانہ ہوں اور اتوار کو نمایش پیرس دیکھ کر۔ اتوار کی شام کو لنڈن کو روانہ ہو جائیں جو لوگ اور کسی طرح نمایش دیکھنے سے بالکل محروم رہ جاتے۔ اُن کے لئے یہ اچھا طریق تھا۔ ایں ہمہ میں اہل یورپ کے شوق دید نمایش کی تعریف کرنے پر مجبور ہوں۔ ہر روز یورپ کے ہر ملک اور امریکہ کے اکثر حصوں کے ہزاروں بلکہ لاکھوں زن و مرد نمایش دیکھنے کے شوق میں سب بت صبح سے شام تک نمایش کی مختلف عالی شان عمارات میں پھر رہے تھے۔ ایسی ایسی نازک اندام لیڈیاں جو دو قدم پیدل آہستہ چلنا گوارا نہ کریں۔ گھنٹوں نمایش گاہ میں پیدل پھر تیں تھک جائیں۔ تو تھوڑی دیر ستانے کو بیٹھ جاتیں۔ کیونکہ نمایشگاہ میں جابجا عمارات کے اندر اور باہر کرسیاں۔ بنچیں اور پرتکلف کاؤچ پڑے ہوتے تھے۔ جن پر تھکے ہوئے شائقین بیٹھ کر دم لے لیتے۔ نمایشگاہ کے احاطے کے اندر کوئی گاڑی نہیں داخل ہو سکتی۔ اسلئے ایک قسم کی پارمبولیٹر گاڑیاں جیسی کہ ہسپتالوں میں مریضوں کے پھرانے کے واسطے استعمال کی جاتی ہیں۔ بہت سے مزدور لئے پھرتے تھے۔ اور ان پر بعض تھکی ہوئی لیڈیاں اور جنٹلمین کچھ مزدوری دیکر بیٹھ جاتے تھے۔ اور مزدور انہیں جابجا کمروں کے اندر اور باہر لئے پھرتے تھے۔ چونکہ میں اس پر سوار نہیں ہوا

مجھے ان کا کرایہ معلوم نہیں *

مقام نمائش　یوں کہنے کو تو نمائشگاہ پیرس صرف (۲۶۷) ایکڑ اراضی میں محدود تھی لیکن صرف دیکھنے ہی سے معلوم ہو سکتا تھا کہ یہ جگہ بہت بڑی ہے۔ جبکہ اس میں تین تین چار چار منزل کی اکثر عمارات اشیائے نمائش کے لیئے تعمیر کی گئی تھیں۔ یہ مقام دریائے سین کے دونوں طرف شہر پیرس کے درمیان واقع ہے۔ اور سب پہلا ٹاڈوا ا نولیڈ۔ شانڈا مار اور ٹراکوڈیرو نامی تین مقامات دریائے سین کے کناروں پر پھیلے ہوئے تھے چونکہ شہر کے اندر ایک جگہ اتنی بڑی نہیں مل سکتی تھی۔ اس لیئے نمائش کو تین چار مختلف مقامات پر پھیلا دیا تھا۔ اور سب کو آپس میں ملا دیا گیا تھا۔ ایسے طور پر کہ کہیں کہیں شہر کی سڑکیں نمائشگاہ کے بیچ سے گذر جائیں۔ لیکن نمائشگاہ والوں کے لیئے لکڑی کے پل اوپر سے گذرنے کے لیئے بنا دیے گئے تھے۔ اور دوسرے لوگوں کو ادھر آنے سے روکنے کے لیئے لکڑی کا پردہ لگا دیا گیا تھا۔ ہر شخص ہر روز ایک فرانک (دس آنہ) کا ٹکٹ دے کر نمائش کے اندر داخل ہو سکتا تھا۔

نمائش کے ٹکٹ　البتہ صبح آٹھ سے دس بجے تک اور شام کو چھ سے دس بجے تک نمائشگاہ میں داخل ہونے کے لیئے فرانک کے دو ٹکٹ اسے لینے پڑتے۔ ٹکٹ گو نام کو ایک فرانک کے تھے۔ لیکن دراصل فرانک کے دو دو اور کبھی تین تین بھی بک جاتے تھے۔ نمائشگاہ کے باہر سینکڑوں نیچ مرد اور عورتیں ہاتھوں میں یہ ٹکٹ لیئے ہوئے آنے جانے والے آدمیوں کے سامنے لاتے اور جو خریدنا چاہتے خرید لیتے۔ بعض لوگوں نے بیس فرانک کا ایک ہی بانڈ خرید رکھا تھا۔ انہیں روزمرہ نیا ٹکٹ نہیں خریدنا پڑتا تھا۔ ان ٹکٹوں سے بہت بڑی آمدنی نمائش کرنے والوں کو ہوئی ہوگی تاہم خیال تھا کہ بمقابلہ ان کے خرچ اور محنت کے خسارا رہیگا

* کھیل کود اور ورزش اور دریاؤں کے سامان وغیرہ بڑی چیزوں کی نمائش شہر کے قریب ایک کھلے میدان میں

کیونکہ نمایش گاہ اتنے وسیع پیمانے پر بنائی گئی تھی کہ اسکے تمام پورے طور سے نمایشگاہ کے داخلے کے کئی دروازے تھے۔ جو لوگ ٹکٹ دے کر نمایش کے احاطے کے اندر داخل ہو جاتے وہ نمایشگاہ کے سارے مکانات اور اشیائے نمایش کے دیکھنے کا حق رکھتے تھے۔ لیکن جو مکانات عجیب اور قابل دید تماشے پرائیویٹ لوگوں نے نمایش کے اندر قایم کئے تھے اُن کے لئے الگ الگ ٹکٹ فرانک یا دو فرانک یا اس سے کم و بیش قیمت کے لینے پڑتے۔ مثلاً اگر تم کوئی پانوراما یا ڈایوراما دیکھنا چاہو یا سب سے بڑی دوربین دیکھو۔ یا زیرزمین کان میں جاؤ۔ یا ایفل ٹاور پر چڑھو۔ تو تمہیں الگ الگ ٹکٹ داخلہ کے لینے ہونگے۔ یہ لوگ بھی لاکھوں روپے کمارہے تھے۔ لیکن مجھے ایک اطالین جنٹلمین نے (کہ جس کی نمایش کے بہت بڑے وصیل یعنے ہنڈولے میں شراکت تھی) بتلایا کہ اکثر نمایش کرنے والے سوائے معدودے چند کے خسارہ اٹھارہے تھے۔ کیونکہ جس قدر لوگوں سے شریک نمایش ہونے کی توقع تھی اُس قدر نہیں ہوئے تھے۔

انگریزوں کی شرکت

خصوصاً انگلستان سے بہت کم لوگ آئے تھے شاید اسلئے کہ بوجہ اخراجات جنگ ٹرنسوال کئی لوگ زیادہ خرچ نہیں کرسکتے تھے۔ شاید اس لئے کہ بہت لوگ جنوبی افریقہ کو گئے ہوئے تھے۔ شائد اسلئے کہ بہت سے لوگ افریقہ میں عزیزوں کے مارے جانے کی وجہ سے ماتم میں تھے۔ لیکن بقول چور کی ڈاڑھی میں تنکا" فرانسیسی سمجھتے تھے کہ چونکہ فرانسیسی اخبارات نے جنگ ٹرنسوال کے متعلق انگلستان کے خلاف ناگوار تحریرات شائع کی ہیں۔ اسلئے اہل انگلستان ان سے خفا ہیں اور بہت کم نمایش میں شریک ہوتے ہیں۔ یہی حال انگلستان کی اشیاء نمایش کا تھا۔ گو جابجا انگلستان کی ساختہ چیزیں اور کلیں نمایش کی گئی تھیں۔ اور کئی یورپ کے ملکوں سے اچھی تھیں۔ لیکن

نمائش کے بڑے ممالک

انگلستان کے اول درجہ کی سلطنت ہونے کی وجہ سے اُس سے اِس سے بہت زیادہ شرکت کرنے کی توقع کی جاتی تھی۔ اس وقت مختلف مقامات نمائش کو دیکھ کر جو ہمیں اندازہ اسباب نمائش کے متعلق لگا سکا تھا اُس سے معلوم ہوتا تھا کہ فرانس کی اشیاے صنعت و حرفت اور کلیں وغیرہ سب ملکوں سے زیادہ تھیں۔ اور یہ قدرتی بات تھی کہ فرانس کی چیزیں زیادہ ہوتیں* اس کے بعد دوسرا درجہ جرمنی کا تھا۔ جرمنی نے ہر بات میں بڑھ کر قدم مارا تھا۔ مکانات تھے تو نرالے ڈھنگ کے بنائے تھے نمائش میں چیزیں بھی عمدہ اور زیادہ رکھی تھیں۔ تیسرا درجہ اضلاع متحدہ امریکہ کا تھا پھر آسٹریا ہنگری۔ انگلستان۔ اٹلی۔ روس۔ جاپان۔ بلجیم۔ ہالینڈ۔ سوئٹزرلینڈ پرتگال و یونان وغیرہ کا درجہ تھا۔ یہ بات بہت دلچسپ تھی کہ جاپان نے اس نمائشگاہ کے اکثر شعبوں میں خاصہ حصہ لیا تھا۔ یہ پہلی دفعہ تھی کہ ایک ایشیائی قوم یورپین اقوام کے پہلو بہ پہلو ہی صنعت و حرفت کی اشیا کا مقابلہ کر رہی تھی۔

ترکی کی بے توجہی!

افسوس ہے کہ سلطنت ترکی نے باوجود یورپ میں واقع ہونے کے اشیا سے نمائش میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ البتہ اقوام کے مکانات کی قطار میں سلطنت عثمانیہ کا ایک عالی شان مکان مسلمانی طرز تعمیر کا بنا ہوا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اس میں ضرور کچھ ترکی ساخت کی چیزیں اور کچھ مسلمانوں کی صورتیں ملیں گی۔ لیکن دونوں امیدیں بے اصل ہوئیں۔ اس مکان کی دو تین منزلوں میں چھوٹے چھوٹے زیورات اور بعض کپڑوں مثل رومال وغیرہ اور قالینوں کے بیچنے کی دوکانیں یہودیوں نے کھول رکھی تھیں۔ ان پچاس ساٹھ چھوٹی چھوٹی دوکانوں میں صرف ایک شخص مسلمان تھا۔ مزہ تو یہ ہے کہ یہ یہودی بھی زیادہ تر شامی تھے۔ قسطنطنیہ

* (۲۲۹۱۰۰۰) مربع فیٹ زمین پر صرف فرانس اور اسکی نوآبادیوں کی نمائش تھی اور باقی (۱۵۲۹۰۰۰) مربع فیٹ پر تمام ممالک غیر کی۔

سکے نہیں تھے۔ مجھے ترکوں کی یہ بے پروائی دیکھ کر افسوس ہوا۔ یہ مسلمان محمد جنید شاہ آٹھ دس سال انگلستان میں طبابت ختم کر چکا ہے۔ اور اس کی بیوی بھی انگریزن ہے۔ اس سے میں نے ترکوں کی اس بے اعتنائی کی وجہ پوچھی۔ تو اس نے کہا ترک سمجھتے ہیں کہ وہ یورپ میں آکر بے دین ہو جاتے ہیں۔ اس لئے وہ گھر میں ہی رہنا پسند کرتے ہیں۔ مجھے خیال ہوا کہ ابتدا سے اسلام میں تو مسلمان چین۔ ہندوستان اور ہسپانیہ تک جا کر بیدین نہیں ہوتے تھے۔ جبکہ راستہ سالوں میں طے ہوتا تھا۔ اور اب جب کہ راستہ گھنٹوں میں طے ہو سکتا ہے۔ اور ترک خاص یورپ میں رہتے ہیں۔ قسطنطنیہ سے پیرس تک صرف دو شب و روز صرف ہوتے ہیں۔ لیکن وہ بے دین ہو جانے کے ڈر سے گھر سے باہر نہیں نکلتے۔ دوسری طرف کمبخت جاپانی ہزار ہا میل گھر سے دور سیکڑوں پیرس میں ملتے ہیں۔ اور یورپ اور امریکہ کے ہر بڑے شہر میں کسب فن اور تحصیل تعلیم کے لئے جاتے ہیں۔

یہودیوں کی کثرت ترکی کے مکان سے مایوس ہو کر مجھے خیال ہوا کہ مصر اور الجیریا اور ٹیونس اور طرابلس کے مکانات بھی تو نمائش میں ہیں۔ وہاں مسلمان ضرور ملیں گے۔ میں نے جا کر دیکھا کہ یہودی اور صرف یہودی ہر مکان میں ان ممالک کی اشیاء کی دوکانیں کر رہے تھے۔ انہوں نے ترکی ٹوپیاں اور مصری۔ بدوی۔ الجیری اور مراکشی جبے اور عمامے پہنے ہوئے تھے۔ صرف اپنے لباس کی بدولت یورپ میں روٹیاں کما رہے تھے۔ الجیری مکان نمایش میں مجھے دو تین مسلمان محافظ نمایش ملے۔ اور ٹیونس یعنی طنجہ کے مکان میں صرف باورچی مسلمان تھے۔ کہ جن کے یہاں میں ہر روز شام کا کھانا کھاتا تھا۔ اور اس سے مجھے بڑا آرام ملا تھا

یہودی عورتوں کا ناچ یہودی عورتیں جو بالکل گوری چٹی اور حسین ہوتی ہیں۔ یہ کمبخت

عربی اور مسلمانی عورتوں کا لباس پہن کر ٹرکی ۔ مصر ۔ ٹیونس اور مراکش چار دیگر مقامات کے تھیٹروں میں ناچتی تھیں ۔ ہندوستان کی رنڈیوں کا ناچ اِن کے مقابلہ میں نہایت شریفانہ اور مہذبانہ ہوتا ہے ۔ یہودنوں کا لباس اور ناچ خاصہ مخصوص ہوتا ۔ اور اہل یوروپ تماشبین قدشاید سمجھتے تھے کہ وہ محمڈن عورتوں کا ناچ اور تماشا دیکھ رہے تھے ۔ مجھے یہ باتیں دیکھ کر افسوس ہوا ۔ لیکن اس کی تلافی از کسی طرح سے نہیں ہو سکتی کہ ہزارہا مسلمان یوروپ میں جائیں اور اپنے کھرے چال چلن اور لیاقت سے اپنا سکہ ان ممالک میں جما دیں ۔ اس وقت روئے زمین پر کم از کم حساب سے ۲۰ کروڑ سے زیادہ مسلمان آباد ہیں ۔ جو دنیا کی آبادی کا آٹھواں حصہ ہیں ۔ بقول دیگرے ۱۰* کروڑ سے کم مسلمان دنیا میں آباد ہیں ۔ جو دنیا میں ہر

دنیا میں مسلمانوں کی آبادی

* دنیا میں مسلمانوں کی آبادی کی مقدار کے متعلق مختلف لوگوں کی مختلف رائیں ہیں ۔ یہ بات قرین قیاس ہے کہ ممالک اسلامیہ خصوصاً افریقہ کی مسلمان آبادی کا صحیح اندازہ یورپین جغرافیہ دان نہ کر سکے ہوں ۔ عام جغرافیوں میں کل دنیا میں ۱۰ کروڑ مسلمان بتلائے جاتے ہیں ۔ اور ایک حال کے انگریزی اخبار میں ان کی تعداد حسب ذیل ہونے بیس کروڑ کے قریب بتلائی گئی ہے ۔ کل دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ۱۹ کروڑ ۶۵ لاکھ ہے ۔ ایک کروڑ ۸۰ لاکھ سلطان ٹرکی کی حکومت میں ہیں ۔ ۲ کروڑ ۳۰ لاکھ دیگر مسلمان فرمانرواؤں (مثلاً شاہ فارس ۔ امیر کابل وغیرہ) کے ماتحت ہیں ۔ ۳ کروڑ ۶۵ لاکھ افریقی ریاستوں کے زیر حکومت ہیں ۔ چین میں مسلمانوں کی تعداد ۳ کروڑ ہے ۔ عیسائی سلطنتوں کی مسلمان رعایا کی تعداد ۹ کروڑ ۹۰ لاکھ ہے ۔ اس تعداد میں سے ۶ کروڑ ۲۰ لاکھ مسلمان انگلش گورنمنٹ کی رعایا ہیں ۔ قاہرہ کے عربی اخبار المؤید نے حسب ذیل تعداد دنیا کے مسلمانوں کی نقل کی ہے :- دولت عثمانیہ اور یورپ میں ۲ کروڑ ۳۰ لاکھ ۔ سلطنت ایران ۹۰ لاکھ ۔ طیبار ۱۰ لاکھ ۔ دولت افغانستان ۴۰ لاکھ ۔ دولت مصر ۶۰ لاکھ ۔ حکومت جاوا ۵۰ لاکھ ۔ ۸۰ ہزار ۔ سوڈان ۔ حبش مشرقی (ایک کروڑ ۵۰ لاکھ) ۔ خیوا ۸۰ لاکھ ۔ اوگنڈا ۵۰ لاکھ ۔ سلطنت روس ۲۰ لاکھ ۔ سلطنت زنجبار ۳۰ لاکھ ۔ چینی تاتار ۲۰ لاکھ

ہر چھٹا شخص شمار ہو سکتے ہیں۔ مگر یہاں مجھے تلاش سے صرف چند شخص انگلیوں پر گننے کے لائق نظر آئے اور وہ بھی بجز ایک آدھ دستکار کے نہ شوق دید نمائش سے آئے تھے اور نہ اسباب نمائش لائے تھے۔ بلکہ معمولی اور ادنےٰ خدمات پر ملازم ہو کر آئے تھے۔

ہندستانی تماشائی کمپنی

یہ تو مسلمانوں کا حال تھا۔ عام طور پر اہل ہند کا قصہ سنئیے۔ ہندوستانی ہندو یا مسلمان یہاں عنقا تھے۔ البتہ لکھنؤ اور الہ آباد کے چند ہندو وکیلوں کا بھلا ہو کر اُنہوں نے اپنے ملک کے تماشے اور کرتب یورپ میں دکھلانے کے لئے ایک پرفارمنگ کمپنی بنائی تھی اور ساٹھ کس ہندوستانی ہندو مسلمان ملازم رکھ کر ساتھ لے گئے تھے۔ انہیں میں مشہور پہلوان غلام محمد مرحوم امرت سری۔ اور اُسکا بھائی کلو بھی مع چار دوسرے لاہور اور امرت سر کے پہلوانوں کے تھے۔ ایک رنڈی اور کچھ بھانڈ پنجابی ایک رنڈی اودھ کی۔ اضلاع مغربی و شمالی کے کئی سارنگی۔ ستار وغیرہ بجانے والے۔ دو رکھان ستی۔ ایک بنگالی لٹو گھمانے کا کرتب کرنے والا ایک جمناسٹک والے۔ ایک دہلی کا مصور نذیر حسین۔ ایک سپیرا۔ ایک کپڑا کھانیوالا۔ ایک

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۵:- سلطنت چین خاص ۲ کروڑ ۵۰ لاکھ۔ جرمن واقع مشرقی افریقہ ۱۰ لاکھ۔ بلوچستان ۸ لاکھ۔ سوزنبیق ۸۰ لاکھ ۵۰ ہزار۔ ہندوستان ۶ کروڑ ۵۰ لاکھ۔ سلطنت مراکو ۹۰ لاکھ۔ سلطنت لیبریا ۲۰ لاکھ۔ سلطنت ترکی ۱۳ لاکھ۔ سلطنت ٹونس ۱۵ لاکھ۔ طرابلس ۱۰ لاکھ۔ صحرائے افریقہ ۵۰ لاکھ۔ سلطنت وادی ۳۰ لاکھ۔ جزیرہ بورنیو ۱۰ لاکھ۔ میزان کل اہل اسلام دنیا ۲۰ کروڑ ۱۰ لاکھ ۶ ہزار ہے اور میزان کل اقوام عیسائی ۳۰ کروڑ ۲۰ لاکھ اور اہل یہود ۵۰ کروڑ ۲۰ لاکھ اور غیر اہل کتاب ۸۰ کروڑ ۲۰ لاکھ ۵۰ ہزار۔ ایک فرانسیسی فاضل ایم برنا نے اپنی کتاب سیر الاسلام میں مفصلہ ذیل تعداد اہل اسلام کی صحیح کی ہے۔ یورپ میں ایک کروڑ ۱۰ لاکھ ۹ ہزار ۲ سو ۹۸۔ ایشیا میں ایک کروڑ ۲۰ لاکھ ۸۰ ہزار ۳ سو ۹۹۔ افریقہ میں ۱۰ کروڑ ۱۱ لاکھ ۸۱ ہزار۔ آسٹریلیا اور اسکے جزائر میں ۲۰ لاکھ ۵۰ ہزار۔ برٹش انڈیا میں ۶ کروڑ ۸۰ لاکھ ۸۵ ہزار۔ شمالی افریقہ میں ۲ کروڑ ۸۰ لاکھ ۳۰۔ جزائر ہند میں ۲ کروڑ ۲۰ لاکھ ۸۰ ہزار۔ عیسائیا میں ۲ کروڑ ۸۰ ہزار۔ میزان کل ۲۵۶۰۰۰۰۰۰ کل تفصیل اعداد مختلف ہندوستان کے مسلمانوں کی تعداد اہل علم کے واسطے اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں

حلوائی - ایک سات فیٹ لمبا آدمی - دو لکھنؤ کے مٹی کے کھلونے بنانے والے اور کچھ اور ملازم تھے - غلام پہلوان کے مقابلہ کے لئے پہلے خیال تھا کہ انگلستان کا نامور پہلوان سینڈو نامی نکلیگا - لیکن وہ اس قسم کی کشتی کرنے سے بچتا تھا کہ جس کا ہندوستان میں رواج ہے - وہ بوجھ بہت اٹھا سکتا ہے اور گھوں سے لڑ سکتا ہے کیونکہ یورپ اور امریکہ میں یہی شہ زوری کی علامت سمجھی جاتی ہے لیکن کشتی نہیں کرتا - اسلئے ایک ترک پہلوان قارا آحد نامی نے غلام سے کشتی کرنا منظور کیا - افسوس ہے کہ پورے تین ماہ یہ لوگ بیکار رہے - پہلے اس کمپنی میں کچھ فرانس کے لوگ بھی شریک تھے - جو کسی وجہ سے الگ ہو گئے - مقدمہ بازیاں ہوئیں - آخر بیچارے ہندوستانیوں کے سر پر سارا بوجھ پڑ گیا - لکھنؤ کے وکیل پنڈت موتی لال جو اسکے بانی تھے - کل کام کے ذمہ وار تھے - میرے پہنچنے کے بعد ان کا تھیٹر بنکر تیار ہوا - اور انہوں نے بہت دیر کے بعد کام شروع کیا - لوگ ان کے تماشوں کو پسند کرتے تھے - لیکن تین ماہ تک کام نہ شروع کر سکنے سے ان کا سنا گیا تھا کہ دو لاکھ روپیہ خرچ ہو گیا تھا - میں پنڈت موتی لال اور ان کے شرکا کی ہمت کی تعریف کرتا تھا - اور ان کی کامیابی کے لئے دعا کرتا تھا لیکن ان لوگوں کے دیر سے کام شروع کرنے اور خرچ بڑھے ہوئے ہونے نے انہیں فائدہ نہ ہونے دیا - ورنہ جو تماشے انہوں نے پہلی پہل کئے تھے انہیں لوگ بہت پسند کرتے تھے - جب میں لنڈن سے لوٹ کر آیا تو مجھے ایک ہندوستانی نے بتلایا کہ کمپنی کے تماشوں میں بہت کم آدمی جاتے ہیں - اور کمپنی نے پہلوان وغیرہ کئی آدمی ہندوستان کو لوٹا دیئے ہیں - شاید بانیان کمپنی کو یہ اس بات کی سزا ملی ہوگی کہ ہندوستانی ہو کر انہوں نے سرزمین یورپ سے بجائے خرچ کرنے کے کچھ کمانے کا ارادہ کیا تھا - بھلا ان کے چلائے

ہندوستانی یورپ سے کما کر لائیں

یہ الٹی گنگا تھوڑا ہی چلنے لگی تھی۔ وہ تو خیر گذری کہ انہیں خسارہ ہؤا ورنہ آئندہ ہمیشہ ہندوستانی یورپ میں جاکر کمانے کھانے کی راہ ہی نکال لیتے۔ امید ہے کہ اہل یورپ کی طرح ہندوستانی اس ایک شکست سے پست ہمت نہیں ہو جائینگے۔ یہ فارمنگ کمپنی میں کامیابی نہیں ہوئی تو کچھ تو انتظام کی غلطی یا اور وجوہات ہونگی۔ ہندوستان کی دستکاریوں کو یورپ اور امریکہ میں شہرت دینے اور کھپانے کے لیئے اور یورپ کے مختلف ممالک کے مال کو جو یہاں آتا ہے خوب سٹڈی کر کے ہندوستان پہنچنے کے لیئے ہزار پانچ سو ہندوستانیوں کی کھپت ہو سکتی ہے۔ جو کاروبار سے کچھ مس رکھتے ہوں۔ اور شروع میں کام چلانے کے لیئے کچھ روپیہ بھی خرچ سکیں۔ ان میں سے ممکن ہے بعض تو لکھ پتی ہو جائیں۔ مگر باقی بھی کام سمجھ جانے کے بعد تین چار سو روپیہ ماہوار سے کم نہیں کمایا کرینگے۔ مجھے وہ ہندوستانی بہت پیارے معلوم ہوتے ہیں جو ہندوستان سے باہر جاکر کمائیں اور اگر ہو سکے تو اس کمائی کو ہندوستان میں لاکر کھائیں۔ اہل یورپ کروڑوں روپئے ہندوستان سے کما کر یورپ میں لے جاتے ہیں۔ سو آئندہ ہندوستان کے سب سے بہتر فرزند وہ ہونگے جو یورپ امریکہ وغیرہ میں جاکر کسی نہ کسی طرح سے محنت مزدوری یا تجارت سے کمائیں ہر چند کہ میں نے بہت غور کیا مگر ہندوستانیوں کے یورپ میں آکر کمانے کے سب راستے ظاہراً نہ پا سکے۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ اگر ہندوستان کے کئی ہونہار نوجوان عزم کر لیں تو وہ یورپ میں جاکر اپنے لیئے راستے خود کھول سکتے ہیں۔ کیا وہ چینیوں سے بھی گئے گذرے ہیں۔ اگر ہندوستانی یہاں کی طرح طرح کی مشینوں اور دوسرے کارخانوں سے مزدور بنکر سینکڑوں ہزاروں فن سیکھ جائینگے تو اپنے ملک میں جاکر انہیں رواج دے سکیں گے اب تو یہ وقت ہے کہ اگر کوئی ہندوستانی یورپ سے کوئی مشین بھی خریدتا ہے

تو اکثر اوقات اُس کے پُرزے نہ جوڑ سکنے کی وجہ سے مشین کام میں نہیں لا سکتا۔ ہرچند کہ انگریز سو سال سے زیادہ سے ہندوستان میں حکومت کرتے ہیں۔ لیکن اُن کے تعلق سے ہندوستانیوں پر یورپ کی اچھی باتوں کا اتنا اثر نہیں پڑا۔ جتنا کہ ایک ہزار ہندوستانیوں کے دو تین سال یورپ و امریکہ میں رہ کر واپس جانے سے پڑ سکتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ یہ ہندوستانی کچھ لکھے پڑھے ضرور ہوں۔ یہاں تو مَیں نے دیکھا ہے کہ صرف گھوڑے اور بیل اور سگتے تو پڑھے ہوئے نہیں ہیں۔ باقی اللہ کی سب مخلوقات خواندہ ہے۔ بعض اوقات کسی میلے کپڑوں والے یا غریب شخص کی طرف دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ وہ پڑھا ہُوا نہیں ہے۔ لیکن وہ کم و بیش خواندہ نکلتا ہے ٭

پیشوں اور حرفتوں کے راز نمایش گاہ پیرس میں اور اس سے باہر مجھے اکثر اوقات خیال رہتا تھا کہ کوئی ایسے مفید اور کارآمد پیشے اور چھوٹی چھوٹی تلاش کروں کہ جن سے ہندوستان کے غریب لوگ معمولی استطاعت کے ساتھ کام کر سکیں۔ چنانچہ مَیں نے اس بارہ میں جو چند نوٹ کئے تھے انہیں کتاب کے اخیر میں درج کرتا ہوں۔ ایک روز مَیں نے نمائشگاہ میں ایک امریکہ کے میوہ جات "پریزرو" (Preserve) کرنے والے جنٹلمین سے مُلاقات کی اور اُس کی خوش اخلاقی نے مجھے جرأت دلائی تو مَیں نے اُس سے میوہ جات کو سڑنے سے محفوظ رکھنے کا حال معلوم کیا اُس نے مجھے یہ تو بتلا دیا کہ نمایش کرنے کے لئے میوہ جات کی بغرض نمایش اصلی شکل و صورت قائم رکھنے کے واسطے کیا تدبیر کرنی چاہئے۔ مگر عام طور پر کھانے کے میوہ جات کو کچھ مدت تک محفوظ رکھنے کا طریقہ نہ بتلایا۔ تاہم ایک طریقہ جو مجھے معلوم ہوا تھا وہ اسی کتاب میں کسی دوسری جگہ لکھتا ہوں۔ اگر ہندوستانی کم و بیش تنخواہ پر تھوڑا عرصہ یورپ ...

کارخانوں میں مزدوریاں کریں تو وہ سب کچھ معلوم کر سکتے ہیں۔

یورپ کے میوہ جات یورپ کے سرد ملکوں میں میوہ جات بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔ بعض میوے یہ لوگ بڑی مشکل سے شیشہ کے مکانات میں پیدا کرتے ہیں۔ خربزہ جیسی عام چیز کو شیشہ کے چوکھٹوں میں پالتے ہیں۔ اسی سے قیاس ہو سکتا ہے کہ ان کے دام یہاں کتنے ہونگے۔ سالم خربزہ خرید کر یہاں کھانے کا رواج نہیں۔ کیونکہ لوگ اتنے دام نہیں دے سکتے اسلئے بعض ریسٹورنٹوں میں کھانے سے پہلے ایک پھانک خربوزہ کی بھی دیتے ہیں جس کے دام دس بارہ آنے یا اسکے قریب لگا لیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں یہاں سردے کیوں نہیں بھیجے جاتے۔ شفتالو ڈبوں میں روئی میں بند ہو کر اٹلی سے دیگر بلاد یورپ میں جاتے ہیں۔ اسلئے ایک ایک شفتالو کی قیمت تین تین چار چار آنے ہے۔ ایسے شفتالو لاہور میں پیسے کے آدھ سیر اور سیر بھر بکتے ہیں۔ میرے لاہور کے دوست جانتے ہیں کہ مجھے شفتالو سے بہت رغبت ہے۔ لیکن یہاں میرے پاس اتنے دام نہیں تھے کہ ہر روز جتنے چاہتا کھاتا۔ علاوہ اسکے یہ ایسے لذیذ بھی نہیں تھے کہ جیسے لاہور میں ہوتے ہیں۔ آم کا یہاں کے لوگ نام بھی نہیں جانتے پس ہندوستان سے لاکھوں روپیہ سالانہ کی تجارت میوہ جات کی یورپ سے جاری ہو سکتی ہے۔ یہ لوگ پیسہ والے ہیں۔ اور کھانے پینے پر خوب خرچ کرتے ہیں۔ اگر کوئی صاحب ہندوستان میں میوہ جات ایک دو ماہ محفوظ رکھنے کی سستی اور سہل ترکیب جانتے ہوں تو وہ اپنے ہموطنوں کے فائدے کے لئے مشتہر کر دیں کیونکہ صرف اسی لائن میں لاکھوں روپیہ سالانہ کی تجارت یورپ سے چل سکتی ہے۔

کچھ اور ہندوستانی علاوہ ان ہندوستانیوں کے جن کا میں ذکر کر چکا ہوں دو بنگالی۔ دو مکین پارسی۔ ایک مرہٹہ۔ ایک سرحدی پٹھان۔ گلاب شاہ ونامی

جو ۹ سال سے یورپ میں رہتا ہے اور گو ناخواندہ ہے مگر فرانسیسی اور انگریزی بلا تکلف بول سکتا ہے اور یورپ سے ہر طرح اپنی روٹی کما لینے میں بڑا ہوشیار ہے۔ اور ایک لاہور کا بابو محمد بخش مجھے یہاں ملے شاید کوئی بھولا بھٹکا اور بھی پہن لباس میں ہو

یورپ کے غریب لوگ

ہر چند کہ نمائش گاہ میں تمام یورپ اور امریکہ کے دولتمند اور فیشن ایبل لوگ جمع تھے۔ تاہم بہت سے غریب یورپین کنبے بھی ہر طرف نظر آتے تھے۔ اور جس طرح دولتمند لوگ ہوٹلوں اور ریسٹورنٹوں میں پر تکلف اور بیش قیمت کھانے کھاتے تھے اسی طرح یہ غریب کنبے اپنی بیگوں اور تھیلیوں سے روٹیاں نکال لیتے اور نمائش گاہ کے کسی باغیچہ یا کونہ میں بیٹھ کر بیئر شراب یا پانی کے ساتھ خشک روٹی کو حلق سے اتار لیتے۔ جس طرح ہمارے ملک میں دیہاتی میلوں کے موقعوں پر غریب لوگ روٹیاں پکوا کر پلے باندھ لاتے ہیں ویسا ہی ان کا حال تھا۔ مگر یہ لوگ کچھ شربت یا شراب وغیرہ خرید لیتے تھے۔ کیونکہ یہاں پانی مفت ملنے کا کوئی مقام نہ تھا۔ صرف دو چار جگہ میں نے پانی کے نلکے بھی دیکھے جہاں سے لوگ مفت پانی کے گلاس اور بوتلیں بھر لیتے تھے۔

نمائش کے گائیڈ

نمائشگاہ پیرس کے حالات کے لئے فرانسیسی و انگریزی میں کئی گائیڈ بکیں چھپی ہوئی ملتی تھیں۔ لیکن سب سے اعلےٰ گائیڈ وہ آفیشل ہینڈ بک تھی جو سولہ یا اس سے زیادہ جلدوں میں منتظمان نمائش کی جانب سے فرانسیسی زبان میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں کل اشیا کی تفصیل درج تھی جو نمائش میں رکھی گئی تھیں۔ میں نے پانچ روز مختلف اوقات میں بعض پیرس کے ملاقاتیوں کی مدد سے نمائش وغیرہ کے مقامات دیکھے۔ اسلئے یہاں مجھے کسی تنخواہ دار گائیڈ کے رکھنے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔

اس عظیم الشان نمائش کو میں ناظرین کے تفہیم کے خیال سے پہلے دو حصوں پر تقسیم کرتا ہوں۔ ایک حصہ میں وہ تمام اشیاء ہیں جو صنعت و حرفت و ساختہ ممالک دنیا ہیں جو بغرض تعلیم جمع کی گئی ہیں۔ اور دوسرے میں وہ

تمام دل بہلاؤ کے سامان مثل اتھل تھا ور پر چڑھنے یا غبارہ چہاوٹ نے۔ یا زیر زمین جانے۔ یا تھیٹر اور بیوڑا سے وغیرہ دیکھنے کے تھے۔ دیکھنے کو سوا ہے ایک بڑا حصہ نمایش میں کھانے پینے کا شامل تھا۔ چپہ چپہ پر بیئر شراب۔ دیگر شرابوں۔ قہوہ اور چاہے اور لیمونیڈ پینے کی دکانیں اور کھانے کے رسٹارنٹ تھے۔ یہ لوگ خوب روپیہ کما رہے تھے۔ یہاں پانی پینے کا تو رواج ہی نہیں تھا۔ مجھے عجب عجب تجربے اثنائے سفر میں ہوئے۔ یہ لوگ بڑے کھانے اور پینے والے ہیں۔ اور اکثر وقت فرصت میں کھاتے پیتے نظر آتے ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا میں بھوک بھی زیادہ لگتی ہے۔

نمایش میں فن تعمیر کی قدر — نمایشگاہ کی بڑی ترکیب اس طرح ہے کہ پیرس کے مشہور "بولوارڈ (لمبا اور کشادہ بازار جس کے دونوں طرف سایہ دار درخت ہیں)۔ اور شانزلائزی" (سڑک) کے قریب اور "پلاس ڈالاکونکارڈ" (وسیع چوک) کے محاذی نمایش کا بڑا دروازہ تھا جس ۲۲-۲۲ فیٹ محرابوں کا ایک مثلث (۸۰۸) گز زمین پر بڑے تکلف سے تعمیر کیا گیا تھا۔ اسکے گنبد کے نیچے دو ہزار آدمی کھڑے ہو سکتے تھے گویا یہ مثلث عمارت تھی کہ جسکے تینوں پہلوؤں میں تین دروازے تھے۔ اور اٹھارہ جنگلے آدمیوں کے اندر گذرنے کے تھے کہ جنسے ایک گھنٹہ میں ۔ ہزار آدمی داخل ہو سکتے تھے۔ یہ دروازہ ہزار ہا رنگین برقی لیمپوں سے رات کو خود بخود روشن ہو جاتا تھا اور عجیب دلکش نظارہ ہوتا تھا۔ یہ پُر تکلف صنعت کاری اور بتوں اور تصویروں کے کام سے آراستہ تھا۔ تصویروں۔ بتوں اور دیواروں کے "فریز" میں پتھر اور چونے کے بیل بوٹے بنانے کے کام کی یہاں اسقدر عزت ہے۔ اور اس کام کو نمایش کی عالیشان عمارات میں جا بیجا اس قدر صرف کیا گیا تھا کہ میرے خیال میں جسقدر لاگت کل عمارتوں کی تعمیر پر آئی ہوگی اُس سے بہت زیادہ ان کی ایسی آراستگی پر آئی ہوگی کہ جنپر خاص خاص نامی آرٹسٹ اور مصور لگائے گئے تھے

اور انہوں نے جو کام کئے تھے اُن سے عمر بھر کے لئے اُن کے نام روشن ہوگئے۔ افسوس ہے کہ ہم لوگ ان لوگوں کی اس جانفشانی کو سمجھ بھی نہیں سکتے۔ لیکن مندرجہ ذیل بیان سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ فرانس میں اس خاص آرٹ کی کس قدر قدردانی ہوتی ہے۔ فرانس کے تمام ملک میں مختلف مدارس آرٹ کے قائم ہیں۔ اور سرکار فرانس کا فرض ہے کہ ان سب پرائیویٹ سکولوں کی مالی امداد کرے۔ پیرس کے نیشنل سکول آف فائن آرٹس میں نقاش مصور۔ بت بنانے والے۔ پتھر کندہ کرنے والے اور معمار وغیرہ تعلیم پاتے ہیں۔ جنکو گورنمنٹ سے وظائف ملتے ہیں۔ اور اسی سکول کی بدولت فرانس کے آرٹ کا رتبہ یوروپ بھر میں اعلیٰ تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہاں سے یہ لوگ تعلیم ختم کرکے اکاڈیمی آف فرانس واقع روم (اٹلی) میں اس فن کی تعلیم کی تکمیل کے لئے جاتے ہیں۔ اسکے علاوہ گورنمنٹ فرانس چینی اور مٹی کے برتن بنانے اور ٹیپسٹری کی قسم کے قالین بننے کے مدارس پر روپیہ خرچ کرتی ہے۔ چینی تو مٹی کے برتن سونے کی قیمت سے خریدنے کو جی چاہتا ہے۔ اور ان پر ایسا اعلیٰ آرٹ کا کام کیا ہوا ہوتا ہے۔ کہ انسان دنگ ہوجاتا ہے۔ ان کے بہت سے نمونے نمائش میں میں نے دیکھے۔

فن تعمیر میں قومی خصوصیت اس کے علاوہ نمائش کے مکانات میں یہ بات ملحوظ رکھی گئی تھی کہ وہ بڑے عالیشان ہوں اور خاص خاص حالتوں کے لئے اُن کی صورتیں موزون ہوں۔ اور یہ واقعی بہت بڑا کمال یہاں کے معماروں نے کیا تھا کہ شکل سے دیکھ کر پہچان جاؤ کہ یہ عمارت ٹرکی کی ہے یہ ایران کی ہے۔ یہ مصر کی ہے۔ یہ چین کی ہے۔ یہ جاپان کی ہے۔ یہ روس کی۔ اور یہ افریقہ کی کسی وحشی قوم کا بھدا سا گارے سے لیپا ہوا جھونپڑا یا چھپر کا سکان ہے۔ یہ بہت بڑا کمال ہے۔ اور اس سے بھی بڑا کمال یہ ہے کہ سیام اور انام کے بعض پہاڑوں میں کھودے ہوئے مندر اور غاریں بنا کر دکھلائی

گئی تھیں۔ جو بالکل پہاڑی کھوہ معلوم ہوتے تھے۔ لیکن دراصل کاریگروں نے چونے سے یہ کام بنایا تھا۔ انام اور جاوا کے مکانات پر بدھ مت کی تبت عمارت میں بنائے گئے تھے۔ الجیریا اور مراکو اور ٹیونس کے مکانات اپنی اپنی شان کے فن عمارت میں بنائے گئے ہیں۔ ایسے ہی یورپ کے مختلف ممالک جرمنی۔ آسٹریا۔ اٹلی۔ یونان۔ بلجیئم۔ ہالینڈ۔ ہسپانیہ۔ انگلستان سویڈن۔ ناروے وغیرہ کے مکانات میں وہ امتیاز تھا۔ جو ان ملکوں کی تعمیرات میں ہے۔ اور ہر واقف باہر سے ہی دیکھ کر کہہ سکتا تھا کہ یہ اٹلی یا ہالینڈ کا مکان ہے۔ مجھے بار بار ان مکانات کو دیکھ کر اس خیال سے افسوس ہوتا تھا کہ آج سے تین ماہ بعد ایسے عالی شان مکانات گرا دیئے جائیں گے اور اتنی جلدی گرا دیئے جانے والے مکانات پر معماروں اور محنت کاروں اور سنگتراشوں نے ایسی محنتیں اور لیاقتیں صرف کی ہیں۔ قوموں کے مکانات میں تو صرف بعض قومی پوشش اور روزمرہ زندگی کی ضروریات۔ بعض ساخت اور صنعت وحرفت کا سامان اور سامان تعلیم اور پیداوار ملکی رکھی گئی تھی لیکن سب ملکوں کی اصل نمایش کی تجارتی چیزیں مثلاً کلیں یا دیگر سامان صنعت وحرفت خاص خاص حصوں میں تقسیم ہو کر بڑے بڑے نمایش کے محلات میں رکھے گئے تھے۔ مثلاً تم زراعت کی نمایش دیکھنے جاتے ہو تو وہاں ہر ملک کی زراعت کی کلیں اور پیداواریں یہاں تک کہ غلہ کے خوشے اور روٹیاں تک پکی ہوئی پڑی تھیں۔ اور شیشوں میں ہر قسم کے دانے اور فن زراعت کی کل کتابیں مکھن اور پنیر تیار کرنے اور باغبانی اور نخلبندی کی کلیں۔ غرض فن زراعت اور اسکے سب متعلقات کے سامان ہر ملک کے الگ الگ حلقوں میں موجود تھے ۔

ہوا حقے منتظمان نمایش نے اشیائے موجودہ کے کسی ترکیب سے رکھنے میں بڑی کوشش کی تھی۔ کیونکہ سب چیزوں کے بعض پہلو دوسری چیزوں

سے ملتے تھے۔ مثلاً زراعت کی کلیں دوسری کلوں سے ملتی تھیں۔ اور کپڑے اون اور روئی اور دیگر ریشہ دار چیزیں زراعت سے متعلق تھیں۔ اسلئے اِن لوگوں نے بڑی کوشش سے تمام نمایش کی اشیا کو ۱۸ حصوں اور ۱۲۱ شاخوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اُن ۱۸ حصوں کی تفصیل یہ ہے :۔ حصہ اول تعلیم و طریقہ تعلیم۔ دوم مصوری۔ نقاشی۔ تعمیر۔ سوم لٹریچر۔ سائنس اور آرٹس۔ چہارم کلیں۔ پنجم برقی۔ ششم سول انجنیری اور ٹرنسپورٹ۔ ہفتم زراعت۔ ہشتم باغبانی و گلبندی۔ نہم جنگلات۔ شکار۔ ماہی گیری۔ دہم خوراک۔ یازدہم معدنیات و فلزات۔ دوازدہم سامان آرایش و فرنیچر۔ سیزدہم پوشش و ریشے۔ چہاردہم کیمیاوی صنعتیں۔ پانزدہم متفرق صنعتیں۔ شانزدہم صحت۔ حفظ صحت اور مزدوروں کے مکانات۔ ہفدہم نو آبادیاں۔ ہژدہم فوجی اور بحری نمایش۔

| ۱۲۱ شاخیں |

اور ان ۱۸ حصوں کی ۱۲۱ شاخوں کی فہرست گو بہت لمبی ہے تاہم نمایش گاہ کی پوری کیفیت ذہن نشین کرنے کے لئے اسکا درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے :۔

| حصہ ۱۔ تعلیم و تربیت |

شاخ ۱۔ بچوں کی تعلیم۔ پرائمری تعلیم۔ نوجوانوں کی تعلیم۔ شاخ ۲ (سکنڈری تعلیم) ۳ (اعلیٰ تعلیم۔ سائنس کے مدارس) ۴ (خاص فنون نفیسہ (فائن آرٹس) کی تعلیم۔ مع موسیقی) ۵ (خاص تعلیم زراعت) ۶ (خاص تجارتی اور حرفتی تعلیم)۔

| حصہ دوم۔ آرٹس کے کام (صرف فنون نفیسہ) |

۷ (نقاشی۔ نقشہ کشی۔ کارٹون)۔ ۸ (چھاپنے کی تصویریں کھودنا۔ پتھر کا چھاپا) ۹ (تمغوں اور قیمتی پتھروں پر کندہ کرنا۔ اور بت بنانا) ۱۰ (تعمیر عمارت)

| حصہ سوم۔ لٹریچر۔ سائنس اور آرایش کے متعلق آلات و کتب |

۱۱ (ٹائپو گرافی۔ مختلف قسم کی چھاپنے کی تدبیریں) ۱۲ (فوٹو گرافی) ۱۳ (کتابیں۔ فن موسیقی کے مطبوعات۔ جلد بندی۔ اخبارات۔ پوسٹر) ۱۴ (نقشے اور جغرافیہ اور

کاسموگرافی (علم الارض) کے سامان۔ ٹاپوگریفی) ۱۵ (ریاضی اور سائینس کے متعلق آلات۔ سکے اور تمغے) ۱۶ (طب اور جراحی)۔ ۱۷ (آلات موسیقی) ۱۸ (تعمیر کے متعلق اشیا اور سامان)۔

حصہ چہارم۔ مکینیکل انجنیرنگ

۱۹ (دودخانی انجن)۔ ۲۰ (مختلف قسم کے انجن) ۲۱ (عام کلیں)۔ ۲۲ (مشین ٹول)

حصہ پنجم۔ برق

۲۳ (بجلی کا مکینیکل وسائل سے پیدا کرنا اور کام میں لانا)۔ ۲۴ (الکٹرو کمسٹری)۔ ۲۵ (برقی روشنی)۔ ۲۶ (ٹیلیگرافی اور ٹیلیفونی)۔ ۲۷ (برقی طاقت کے مختلف استعمال)۔

حصہ ششم۔ سول انجنیری۔ باربرداری

۲۸ (سامان اسباب اور تراکیب متعلق سول انجنیری) ۲۹ (پبلک ورکس کے متعلق نمونے اور نقشے)۔ ۳۰ (گاڑیوں اور پہیوں کے بنانے کے کام) (علاوہ ریلوں کے)۔ ۳۱ (زینیں اور ساز)۔ ۳۲ (ریل اور ٹراموے کا سامان)۔ ۳۳ (تجارتی جہاز رانی کے متعلق سامان اور اسباب)۔ ۳۴ (غبارہ بازی کے متعلق سامان۔

حصہ ہفتم۔ زراعت

۳۵ (آلات اور تراکیب جو کشتکاری میں مستعمل ہوتی ہیں۔) ۳۶ (کاشت انگور کے متعلق سامان اور ترکیبیں)۔ ۳۷ (دیگر اشیا کی کاشت کے متعلق سامان اور ترکیبیں)۔ ۳۸ (اگرانومی (کاشتکاری کے اصول) زراعت کے شمار و اعداد)۔ ۳۹ (پیداوار از زراعت متعلق بہ غذا)۔ ۴۰ (پیداوار حیوانی متعلق بہ غذا)۔ ۴۱ (زراعتی پیداوار جو قابل خوراک نہ ہوں۔ ۴۲ (مفید کیڑے اور اُن کی پیداوار۔ مضر کیڑے اور اُن کے قاتل پودے)

حصہ ہشتم۔ فن باغبانی و نخلبندی

۴۳ (سامان اور تراکیب جو باغبانی اور نخلبندی میں کام آتے ہیں)۔ ۴۴ (خانہ باغ کے پودے)۔

۴۵م (میوہ جات۔ اور میوہ دار درخت اور پودے)۔ ۴۶م (درخت جھاڑیاں آرائشی پودے اور پھول)۔ ۴۷م (گرین ہاؤس اور ہاٹ ہاؤس کے پودے۔ (یعنی شیشہ گھروں کے پودے))۔ ۴۸م باغبانی اور ذخیرہ کے تخم اور پود)

حصہ نہم جنگلات۔ شکار ماہی گیری۔ اور جنگلی خودرو پیداوار

۴۹م (محکمہ جنگلات کے متعلق سامان و تدابیر) ۵۰ھ (جنگلات کی کاشت اور جنگلاتی حرفتوں کی پیداوار)۔ ۵۱ھ (شکاری سامان اور ضروریات) ۵۲ھ (شکار کی پیداوار اور حاصلات)۔ ۵۳ھ (ماہی گیری کا سامان۔ کانٹے جنسیاں اور پیداوار)۔ ۵۴ھ (خودرو جنگلی فصلوں کے جمع کرنے کے آلات اور سامان)۔

حصہ دہم خوراک کی پیداوار

۵۵ھ (سامان و تدابیر جو خوراک کی پیداوار کی تیاری میں استعمال ہوتے ہیں)۔ ۵۶ھ (پھلوں سے متعلق پیداوار اور اس کے خلاصے) ۵۷ھ (روٹی اور حلوے)، ۵۸ھ گوشت مچھلی ترکاریاں اور میوہ جات جو ٹین میں بند کر کے رکھے جاتے ہیں)۔ ۵۹ھ (شکر اور مٹھائی کے اقسام اور انواع و اقسام کے مصالحے اور اچار و چٹنیاں)۔ ۶۰ مختلف اقسام کی انگوری شرابیں)۔ ۶۱ (شربت اور شرابیں مختلف قسم کے الکحال والی تجارتی شرابیں)۔ ۶۲ (مختلف قسم کی پینے کی چیزیں)۔

حصہ یازدہم کان کنی معدنیات۔

۶۳ (کانوں کا کھودنا)۔ ۶۴ (فلزات و معدنیات) ۶۵ (دھاتوں کے مختلف قسم کے کام)۔

حصہ دوازدہم پبلک عمارات اور پرائیویٹ مکانات کی آرائش کے سامان اور فرنیچر

۶۶ (سرکاری عمارات اور سکونتی مکانات کی مستقل آرائش)۔ ۶۷ (رنگین شیشہ)۔ ۶۸ (دیواروں پر چسپاں کرنے کے کاغذ کی اقسام اور کاغذ کو چسپاں کرنے کی تدابیر)۔ ۶۹ (خانگی اور آرائشی (آرٹ) فرنیچر۔

۷۱ (قالین ٹیپسٹری اور دیگر اقسام فرش و آرایش دیوار ہا)۔ ۷۲ (عارضی آرایش اور سامان خانہ داری کی تجارت)۔ ۷۳ (چینی اور ولایتی ظروف)۔ ۷۴ (شیشہ۔ بلور)۔ ۷۵ (مکانات میں حرارت۔ روشنی اور ہواداری پیدا کرنے کے سامان اور وسائل)۔ ۷۶ (برقی روشنی کے علاوہ دیگر قسم کی روشنیوں اور ان کے سامان و تدابیر)۔

حصہ سیزدہم۔ سوت تاگا۔ کپڑا۔

۷۷ (کاتنے اور رستے بٹنے کے سامان اور تدابیر)
۷۸ (کپڑا بننے کے کارخانوں کا سامان اور طریقے)
۷۹ (کپڑے کے مصالح کو مختلف حالتوں میں دھونے رنگنے چھاپنے اور تیار کرنے کے طریقے اور سامان)۔ ۸۰ (لباس سینے اور تیار کرنے کے لئے ضروری سامان اور طریقے)۔ ۸۱ (روئی کا دھاگہ اور کپڑا) ۸۲ (سن اور السی وغیرہ کا تاگا اور کپڑا)۔ ۸۳ (اون کا تاگا اور کپڑا)۔ ۸۴ (ریشم اور ریشم کا کپڑا)۔ ۸۵ (لیس۔ زردوزی اور گوٹ اور حاشیے جھالردار)۔ ۸۶ (خیاطی اور عورتوں مردوں اور بچوں کے لباس تیار کرنا)۔ ۸۷ (کپڑے سے متعلق مختلف پیشے)۔

حصہ چہاردہم۔ کیمسٹری کے متعلق پیشے

۸۸ (عملی کیمسٹری اور دواسازی)۔ ۸۹ (کاغذسازی)۔ ۹۰ (چمڑے اور کھالیں)۔ ۹۱ (خوشبوئیں تیار کرنا) (عطاری)۔ ۹۲ (تمباکو اور دیاسلائی بنانا)۔

حصہ پانزدہم۔ مختلف پیشے

۹۳ (سٹیشنری)۔ ۹۴ (کٹلری۔ چھریاں۔ چاقو قینچیاں)۔ ۹۵ (سنار کے سونے اور چاندی کے سامان)۔ ۹۶ (زیورات اور جواہرات)۔ ۹۷ (کلاک۔ جیبی گھڑیاں۔ ٹایم پیس) ۹۸ (برنج اور لوہے کے ڈھالے ہوئے اور گھڑے ہوئے سامان)۔ ۹۹ (برش۔ چمڑے کی چیزیں۔ فینسی آرٹیکل اور باسکٹ ورک) ۱۰۰ (انڈیا ربڑ اور گٹاپرچا کی حرفتیں۔ سفر اور دورہ کے سامان)۔ ۱۰۱ (کھلونے)

حصہ شانزدہم سوشل اکانومی حفظان صحت بینک امداد باہمی ادارے

۱۰۱ (امیدواری و شاگردی - نوعمر مزدوروں کی حفاظت)
۱۰۲ (محنت اور مزدوری تقسیم منافع تجارت مشترکہ)
۱۰۳ (بڑی اور چھوٹی حرفتیں - کواپریٹو ایسوسی ایشنس - پروفیشنل
اور ٹریڈ ایسوسی ایشنس -) ۱۰۴ (بڑے چھوٹے پیمانہ پر کاشتکاری کرنا -
جس میں دودھ اور مکھن اور انڈے اور گوشت تیار کرنا شامل ہے - زراعتی
بینک یا قرضے - زراعتی انجمنیں) ۱۰۵ (صرفی کارخانوں میں مزدوروں
کی حفاظت اور صفائی - کام کے متعلق قواعد و ہدایات) ۱۰۶ (مزدوروں
کے مکانات) - ۱۰۷ (کوآپریٹو اور پراویڈنٹ سٹور) - ۱۰۸ (مزدور
زن و مرد کی ذہنی اور اخلاقی ترقی کے متعلق انسٹی ٹیوشن) - ۱۰۹
پراویڈنٹ انسٹی ٹیوشنس -) ۱۱۰ (لوگوں کی بہتری کے لئے سرکاری اور
پرائیویٹ تحریکیں) - ۱۱۱ (حفظان صحت) - ۱۱۲ (پبلک خیراتی امداد) -

حصہ ہفدہم نوآبادیاں بسانا

۱۱۳ (نوآبادیوں کے بسانے کے طریقے) - ۱۱۴ (نوآبادیوں کی عمارات اور سامان) - ۱۱۵ (خاص
اشیا جو نوآبادیوں کو بھیجی جاتی ہیں)

حصہ ہژدہم بری اور بحری جنگی فوجیں

۱۱۶ (توپخانہ کے سامان) - ۱۱۷ (فوجی انجنیری اور
متعلقہ صنعات) - ۱۱۸ (بحری تعمیرات - ہائیڈرالکس
تارپیڈو کشتیاں) - ۱۱۹ (نقشہ کشی - ہائیڈروگرافی - مختلف آبی آلات)
۱۲۰ (مستقل سینجات) - ۱۲۱ (حفظان صحت اور حفظ ماتقدم کے سامان)

لیکن اس قدر دلچسپ اور عظیم نمائش کو دیکھ کر مجھے بہت خوشی نہیں
ہوئی تھی - بلکہ بعض اوقات ایک ایک قدم پر درد محسوس ہوتا تھا - نہ اسلئے
کہ یہاں مجھے کوئی تکلیف ہے - نہیں یہ تو نہایت خوبصورت شہر ہے -
دنیا میں اسکا ثانی خوبصورتی میں نہیں - نہ اسلئے کہ یہاں کے باشندے
تند خو اور بدمزاج ہیں - فرانسیسی نہایت متواضع اور پرلے درجہ کے پولائٹ

میرے خیالات

ہوئے ہیں۔ ان کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو میں نے
نہایت ستوا منع اور شوب پایا ہے۔ اسلئے کہ مجھے اچھی چیزیں دیکھنے کو
نہیں ملتیں۔ دنیا بھر کے جانت جانت کے لوگ یہاں نظر آتے ہیں۔
دنیا بھر کی عجیب عجیب چیزیں نمائش میں ہر روز دیکھتا ہوں۔ خوبصورت
لیڈیاں اور بانکے منچلے ہر روز پیش و پس پھرتے رہتے ہیں۔ مگر ان میں
سے ہر ایک چیز میرے درد و افسوس کو بڑھاتی ہے۔ جبکہ میں دیکھتا
ہوں کہ میرے ہموطن کیوں ان خوشیوں سے محروم ہیں۔ وہ کیوں قحط اور
افلاس کی مصیبتیں جھیل رہے ہیں۔ جبکہ یہ ایک ہی خدا کے بندے
ہیں۔ بلکہ ہمارا ملک زیادہ درخیز ہے۔ وہاں ارزانی زیادہ ہے۔ وہاں
باشندے بہت زیادہ ہیں۔ ان کے آبا و اجداد اہل یوروپ سے پہلے
مہذب تھے۔ ان سب خرابیوں کی جڑ مجھے جہالت اور بے علمی نظر آتی
ہے۔ سر سید احمد خاں مرحوم و مغفور نے آج سے بیس برس پہلے یوروپ
میں آکر جو نتیجہ نکالا تھا۔ ہر شخص ضرور اسی نتیجہ پر پہنچے گا۔ اگر ذرہ بھی آنکھیں
کھول کر دیکھے۔ مگر اولیت کا تاج ضرور اسی بزرگ سید کے سر پر رہیگا۔
آج یوروپ بیس سال پہلے کے یوروپ سے بعید ترقی کر گیا ہے۔ فرانس
کی نمائش کے منتظم کہتے ہیں کہ ان کی ۱۸۸۹ء کی نمائشگاہ میں اور حال کی
نمائشگاہ میں ترقی صنعت کے لحاظ سے صدہا کوس کا فرق ہے۔ جرمنی
کی ترقی صنعت و حرفت کی کائنات بیس سال کی عمر رکھتی ہے۔ یعنی ۱۸۷۱ء
کی جنگ فرانس و جرمنی کے بعد اسکی بنیاد پڑی۔ مجھے یقین ہے کہ سر سید
مرحوم اگر آج کل یوروپ میں آتے تو اپنی تعلیم کی سکیم کے ساتھ صنعت و
حرفت کی تعلیم کا جزو ضروری سمجھتے۔ یہاں صناع اور کاریگر اور سوداگر راجہ
اور شہزادوں کے درجے حاصل کرتے ہیں لیکن ابنائے وطن سے جو
میرے خیال کی تائید کرتے ہیں مدد کا مستدعی ہوں۔ وہ اس خیال کی اشاعت

میں کوشش کریں۔ تاکہ ایک عظیم قومی ٹیکنیکل سکول کی بنیاد رکھی جائے

نمایش کا پہلا حصہ

حکمت طلب وبزرگی آموز
تا بنگرند روزنت از روز

میں قریب ایک ماہ کے پیرس میں رہا۔ اور سوائے تین یا چار روز کے میں بلاناغہ نمایشگاہ میں جاتا رہا اور اکثر اوقات صبح سے شام تک اشیائے نمایش کے دیکھنے میں مصروف رہا۔ اسلئے اتنے دنوں میں میں نے بہت کچھ دیکھ لیا تھا۔ ہرچند کہ اکثر حصے نہایت سرسری دیکھے تھے۔ کیونکہ نمایش کو نظر غور و تعمق سے دیکھنے کے لئے چھ ماہ بھی کافی نہیں ہوسکتے۔ یورپ اور امریکہ کی تمام سائنس اور شائستگی نے انیسویں صدی مسیحی کے اس آخری سال تک جو کچھ بھی ترقی کی ہے۔ اُس سب کا خلاصہ اور انتخاب یہاں پیش کیا گیا تھا۔ غرض دنیا کے ہر ایک صنف کی چوٹی کی عجیب۔ نرالی۔ کالی اور سفید چیزیاں موجود تھی۔ پھر اگر ان چیزوں کے دیکھنے میں بہت سا وقت صرف ہوجائے تو بالکل معمولی بات تھی۔ عمارات کہ جن میں یہ چیزیں رکھی گئی ہیں بجائے خود بڑے بڑے عظیم اور انواع و اقسام کی طرز تعمیر کے نمونے تھیں۔ میں تو جس چیز کی طرف دیکھتا تھا اور جہاں دیکھتا تھا محو تماشا رہ جاتا تھا۔ اشیائے نمایش کا یہ عالم تھا ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم — کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

عمارات کی یہ حالت تھی ؎

زہے صفات عمارت کہ در تماشایش — بدیدہ باز نگردد نگاہ از دیوار

دستور تھا کہ صبح ۸ بجے نمایش کھلتی تھی۔ اور جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں ۱۰ بجے تک خزانہ کے دو ٹکٹ لیکر داخل ہونے کی اجازت تھی

آٹھ بجے سے پہلے نمائش میں صدہا گھوڑا گاڑیاں صفائی کرنے اور کھانے پینے کا سامان اور ایندھن بہم پہنچانے کو ادھر اُدھر گھومتی پائی جاتیں۔ مگر بیچ دن بھر میں نمائش کے احاطے کے اندر کسی گاڑی کا گذر نہ ہوتا۔ ۱۰ بجے سے ۶ بجے شام تک ایک ٹکٹ داخلے کے لئے کافی تھا۔ لیکن شام کے ۶ بجے سے ۱۱ بجے تک۔ جب پیرس کے اکثر امرا اور رنگین مزاج شوقین خنکی کے وقت آنا چاہتے تھے۔ دو ٹکٹ داخلہ پر دینے پڑتے تھے

تماشائیوں کی تعداد

۱۰ اگست ۱۹۰۰ء کے پیرس کے اخبار "لا پیٹری" سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲ اگست کو حسب ذیل تعداد کے لوگ نمائش میں داخل ہوئے تھے :- ۸ سے ۱۰ بجے صبح تک ۵۲۳۴ - ۱۰ بجے سے ۶ بجے شام تک ۹۶۱۰۸ - اور شام کے ۶ بجے کے بعد ۱۱۰۵۴ - سیزن ٹکٹ والے ۳۰۹۷۴ - ملازمت کے ٹکٹ والے (یعنی جو نمائش گاہ کے اندر ملازم تھے) ۸۹۰۱ - مفت ۸۱۳ - کل ۴۵۰۸۷ - اور جو حصہ نمائشگاہ کے کھیلوں اور ریلوے سامان کی نمائش کا علیحدہ تھا - اس میں ۵۱۱۵ لوگ داخل ہوئے - میزان کل ۱۷۰۲۰۲ - لیکن اس روز تعطل ہو رہا تھا ۔ اسلئے اتنے لوگ داخل نہیں ہوئے جتنے کہ ہر روز داخل ہوتے تھے کبھی کبھی تین لاکھ سے بھی زیادہ لوگ نمائش گاہ میں داخل ہوتے تھے - چونکہ یہ میلہ ایک دو روز کا نہیں تھا - بلکہ چھ ماہ کا تھا - اسلئے اتنے لوگوں کا ہر روز داخل ہونا بھی بڑی بات تھی ۔

تقسیم نمائش

نمائشگاہ بلحاظ مقام وقوع چار بڑے حصوں پر مشتمل تھی اور اگر کھیلوں کے ضمیمہ کو الگ کر دیا جائے تو تین حصوں پر واقع تھی - جو دریائے سین کے دونوں طرف شہر پیرس کے وسط میں واقع ہیں - اور دریا ان تین حصوں کو چھ حصے کر دیتا ہے - میں سب سے پہلے پلیس ڈلا کنکارڈی دکھلانے کے لئے نمائش کے بڑے دروازے کی طرف کہ جسکی کیفیت اوپر درج ہو چکی ہے آپ کو اس میں داخل کرنا چاہتا ہوں - گو داخل ہونے کے

سکتے اور بھی ۔ [illegible] چھوٹے دروازے تھے ۔ اندر جاکر بائیں طرف بائیسکل یا آٹوموبیل (خود بخود چلنے والی گاڑیاں) جن کا پیرس میں بڑا رواج ہے ۔ تھوڑی سی فیس دے کر رکھی جاتی تھیں ۔ اور راستہ کی دونوں طرف پودوں اور پھولوں کی نمائش شروع ہو جاتی تھی ۔ جو کیاریوں میں انواع و اقسام کے پھول اور پودے تھے ۔ میں ان کا ذکر نہیں کرتا ۔ لیکن جو شیشہ کے مکانات میں عجیب و غریب پودے اور پھول محفوظ تھے ۔ وہ تمام دنیا کے عجائبات علم نباتات کا انتخاب تھے

گوشت خور پودہ

میں نے یہاں گوشت خور پودہ (پیچر پلانٹ) کے کئی قسم کے دیکھے ۔ اِسکے پھولوں کے اندر مکھیاں اور چیونٹیاں داخل ہو جاتی ہیں ۔ اور ایک طرح کے لیسدار شیریں لعاب سے لپٹ جاتی ہیں اور پودہ انہیں ہضم کر لیتا ہے ۔ اِسکے علاوہ جاپان کے پست قامت درخت دیکھے ۔ بڑے بڑے درخت مثل بلوط اور سرو اور شیشم کے جاپانی باغبان کسی طرح کے پیوندوں سے بہت پست قامت بنا سکتے ہیں ۔ چنانچہ میں نے بڑے بڑے درخت ایک ایک بالشت کے پودوں کی صورت میں دیکھے جنکے

نمائش باغبانی وغیرہ

تنے ویسے ہی موٹے اور سالخوردہ ہوتے ہیں ۔ اور شاخیں ویسی ہی معلوم ہوتی ہیں جو کئی سال میں بنتی ہیں ۔ لیکن حجم میں بہت چھوٹے ہوتے ہیں ۔ ان عجائبات کا ذکر کرنے کی لئے کسی علم نباتات کے ماہر کی ضرورت ہے ۔ اور ایسے ہی لوگوں نے ان سے اصلی لطف بھی حاصل کیا ہوگا ۔

ہر چند کہ دریا کے دونوں طرف باغبانی اور زراعت کی نمائش تھی ۔ لیکن دائیں طرف کہ جدھر بڑا دروازہ تھا ۔ تین بڑے بڑے قصر شیشہ کی چھتوں اور دیواروں کے اس نمائش کے لئے مخصوص کئے گئے تھے ۔ ان میں مختلف ممالک کے پھول ۔ پودے اور میوہ جات دکھلائے گئے تھے ۔ امریکہ تک کے میوہ جات سیب ۔ ناسپاتیاں ۔ انگور اور سنگترے نمائش کے لئے لائے گئے تھے اور جو میوہ جات زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتے ۔ ان کو مربہ وغیرہ مرکبات

میں Preserve (پریزرو) کیا گیا تھا۔ تاکہ ان کی اصلی حیثیت اور جسم میں فرق نہ آجائے۔ ایک مکان میں تمام غلّوں اور پودوں اور ترکاریوں اور میوجات کے درختوں کے تخموں کے صدہا نمونے تھے۔ جو دو کاغذ اوڑھ لینے رکھے ہوئے تھے۔ یہیں باغبانی کے تمام آلات اور زراعت و باغبانی کی تمام کتابیں اور رسالے جو فرانس میں چھپے تھے رکھے ہوئے تھے ایک جگہ بہت سے پودے سفید شیشہ کے گُلِ فِشَن کی بوتلوں میں تھے۔ اور میزوں پر سفید کپڑا بچھا کر انہیں رکھا گیا تھا۔ اس سے بڑھ کر صفائی اور کیا ہو سکتی ہے۔ ایک جگہ مخمل کے اوپر روئی میں لپٹے ہوئے چند پھل سجائے گئے تھے۔ ایک مکان کے اندر ایک بہت بڑا قالین رنگ برنگ کے پھولوں کا اُگایا گیا تھا۔ اور اسی جگہ دوران نمایش میں اور بھی کئی پھولوں کے مالیوں نے اپنے اپنے قالین اُگا کر مقابلہ کرنا تھا۔ ایک طرف پودوں کو پانی دینے کے آلات اور ہتھیاروں کے نمونے رکھے ہوئے تھے۔ ایک سے چالیس برس تک عمر کے ذخیرے لگا لینے کے پودوں کی بھی نمایش کی گئی تھی۔ اور دوران نمایش میں تین مرتبہ ترکاریاں بونے کا مقابلہ پیرس کے کنجڑوں سے آپس میں کرنا تھا۔ ان کنجڑوں اور مالیوں کا جوان پودوں کے گرد و پیش پھر رہے تھے اور بعض پرائیویٹ نمایشوں کے محافظ تھے کچھ پوچھو یہ بھی پورے خوش پوشاک اور تعلیم یافتہ جنٹلمین تھے۔ یہاں سے دریا کی طرف زینہ میں ایک راستہ تھا۔ جہاں امریکہ کی بہت سی کلیں زراعت کے متعلق رکھی تھیں اور بعض کلیں چلا کر دکھلائی جاتی تھیں لیکن ان کلوں کا بہت بڑا مجموعہ شان دار Champ de Mars کی ایک عمارت میں تھا۔ اس سے بھی نیچے زیر زمین دریا کی سطح سے کسی قدر نیچے شہر پیرس کا Aequairaum (اکوئریم) یعنی پانی کے جانوروں۔ پودوں اور پتھروں وغیرہ کے دکھلانے کا عجائب خانہ تھا۔ یہاں علیحدہ ایک فرانک

داخلہ تھا۔ جس میں اِنچ اِنچ بھر کے موٹے شیشے کے تختوں کے پیچھے پانی پانی میں مچھلیوں کے مختلف نمونے جن میں۔ سرطان اور دوسرے چھوٹے چھوٹے دریائی جانور مع سمندر کی تہ کی سیپیوں۔ گھونگوں اور مونگے وغیرہ کے درختوں کے ٹھیک اصل حالت میں دکھلائے گئے تھے۔ معلوم ہوا کہ اس شیشے کے پیچھے پانی کے اندر مصنوعی وسائل سے ہوا اور روشنی پہنچائی گئی تھی۔ ایک جگہ سمندر کی تہ میں غوطہ زن مع غواصی کے آلات وسامان کے کھڑا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ غوطہ زن سمندر کی تہ میں کس قسم کا لباس پہنکر اور تنفس کی ہوا کے لئے کیا انتظام کرکے نیچے جاتے ہیں۔ بلکہ وہ بھی بحری جانور سمندر کی عورت یعنی جسکو Mar maid بھی پانی کے اندر گھومتی نظر آتی تھی۔ اسکا نصف بالائی جسم ایک خوبصورت جوان عورت کا اور نصف زیرین مچھلی کا تھا جیسا کہ تصاویر میں ناظرین نے دیکھا ہوگا۔ ایسی صفائی سے مچھلیوں کے ساتھ ساتھ انسانی شکل کا پانی کے اندر نظر آنا نہایت حیران کرنے والا نظارہ تھا۔ اسکے چھت اور پہلوؤں پر پتھر وغیرہ کی نوکیں (Icicles) ایسی خوبصورتی سے بنائی تھیں کہ یہ مکان ایک پرانی غار معلوم ہوتا تھا۔

اس سے آگے دریا کے اسی طرف دو عالیشان عمارات تعمیر کی گئی تھیں جن کے کاریگروں نے اپنی لیاقت تعمیر سے بہت بڑا امتیاز حاصل کیا تھا۔

فنون لطیفہ کا بڑا قصر یہ دونوں عمارات بالمقابل واقع تھیں۔ ایک کا نام فنون لطیفہ کا بڑا قصر" اور دوسری کا نام فنون لطیفہ کا چھوٹا قصر" تھا۔ بڑے قصر میں فرانس اور یوروپ کے تمام ممالک۔ امریکہ اور جاپان کے اعلیٰ مصوروں کی تصاویر آئل کلر اور واٹر کلر دکھلائی گئی تھیں۔ استادان فن نے مورتوں میں گویا جان ڈال دی تھی۔ پینٹنگ۔ انگریونگ۔ سکلپچر اور آرٹ کی بہترین چیزوں کا اس سے بہتر مجموعہ دنیا نے کم دیکھا ہوگا۔ یورپ کے بڑے ملکوں کے قطع نظر

چھوٹے چھوٹے ممالک بلجیم اور ہالینڈ اور ریاستہائے بلقان تک کی تصویروں کے الگ الگ کمرے تھے۔ ایشیا میں سے جاپان نے پہلی دفعہ اس قسم کی نمائش کی تھی۔ عمارت کے وسط کے بڑے صحن میں اسی طرح یوروپ کے تمام ممالک اور اضلاع متحدہ امریکہ کے صناعوں کے برنج اور پلاسٹر آف پیرس کے بنائے ہوئے عجیب و غریب بُت رکھے ہوئے تھے۔ جن میں سے بعض کے ذریعے سے نہایت نازک خیالات اور انسانی جذبات کو ظاہر کیا گیا تھا۔ یوروپین مصوروں اور بُت گروں کے نیچرل مذاق کے مطابق ان تصاویر میں سے اکثر میں مردوں اور عورتوں کے ستر کو کھولنے۔ ان کی رانیں اور چھاتیاں وغیرہ مقامات برہنہ دکھلانے میں مصوروں اور بُت تراشوں نے بڑے بڑے زور مارے تھے۔ میں نے ایک یوروپین دوست سے ذکر کیا کہ کیا اس سے بے تہذیبی اور ناپاکی کے خیالات کو ترقی نہیں ہوتی۔ تو اس نے کہا کہ انہیں اسی نظر سے دیکھنا چاہئے کہ جس سے وہ بنائی گئی ہیں۔ یعنی نیچر کی اپنی سادگی اور اصلی خوبصورتی کے اظہار کے لئے نہیں وضع کیا گیا ہے۔ عورتوں کی چھاتیوں کے اُبھار اور گدرائے ہوئے بدن سے وہ دیکھو نیچر پھوٹ پھوٹ کر برس رہی ہے۔ لیکن گو وہ میری نظروں میں اول اول یہ بات نرالی معلوم ہوتی تھی میں نے کسی یوروپین مرد اور عورت کو اس برہنگی کی طرف ذرا بھی ملتفت ہوتے نہیں دیکھا بلکہ وہ صرف مصور کی اظہار خیالات کی قابلیت اسکے کام میں تلاش کرتے تھے۔ میں خود کبھی کبھی ان بتوں اور تصویروں کے دیکھنے میں اس قدر محو ہو جاتا تھا کہ ہندوستانی ہونے کا خیال ہی میرے دل سے محو ہو جاتا تھا کیونکہ کئی کئی دن تک کوئی ہندوستانی نظر نہ آتا۔ لیکن جب کبھی یہ خیال گذرتا کہ وہ سب دستکاریاں اور عجائبات جو میں دیکھتا ہوں ان میں ہندوستانیوں کا کوئی حصہ نہیں ہے تو تھوڑی دیر کے لئے ہندوستانی ہونے کی ذلت کی

حس تیز ہوجاتی - میں چونکہ اپنا محدود وقت زیادہ کفایت سے استعمال کرنا چاہتا تھا - میں پہلے روز دن بھر کھڑا رہنے کے بعد ایک جگہ سستانے کو بیٹھ گیا - اتنے میں میں نے دیکھا کہ ایک شخص جس کی دونوں بغلوں میں لکڑیاں تھیں اور جو چلنے سے معذور تھا وہ بھی نگار خانہ دیکھنے میں مصروف ہے جسے اسے دیکھ کر خدا کا شکر کیا اور اٹھ کھڑا ہوا - بس قدر نامواران یورپ کی تصویریں اور بُت اس مجموعہ میں موجود تھے کہ یہاں ان کی ایک چھوٹی سی لغات تیار ہو سکتی تھی -

چھوٹا قصر چھوٹے محل میں پرانی چیزیں فنون نفیسہ کے متعلق دکھلائی گئی تھیں - اس میں نئے پشتری (یعنی قدیم زمانہ کے قالینوں کو کہ جن پر تصاویر بنائی جاتی تھیں) اعلیٰ نمونے دیوار وں پر آویزاں تھے - اور ان پر کیسی نازک اور خوبصورت تصویریں تھیں - پیتل کے برتن شمعدان اور آرائش کے سامان - لوہے کے آرائش کے سامان - قفل اور عجیب وغریب چابیاں - لکڑی کے پرانے عمدہ کام فرنیچر کی قسم سے - ہاتھی دانت اور ہڈی کے عمدہ کام کے نمونے - چینی اور مٹی کے پرانے نفیس برتن - مزردوزی کا کام - چمڑے کے کام - چاندی اور سونے کے قدیم زیورات وسامان آرائش - پرانی گھڑیاں - شیشہ اور موزائک کے کام - پرانے سکے پرانی کتابیں اور مسودے - اس عجائب گاہ فنون میں صرف پرانی چیزیں جمع کر کے دکھلائی گئی تھیں جس سے معلوم ہو کہ فرانس میں زمانہ قدیم میں صنعت و کمال فن کی کیا حالت تھی - ان چیزوں کے صناعوں کے نام ملک میں مشہور ہیں - فرانس کے ہر شہر میں عجائب خانے اور تصویر خانے ہیں - ان سب نے اپنے یہاں کے استادوں کے کام اس نمایش گاہ کو مستعار دیے تھے - مجھے خیال ہوا کہ اگر ہندوستان میں وہاں کے استادان فن کے کمال کے نمونے تلاش کئے جائینگے تو نہیں ملیں گے

کیونکہ اہل یورپ وہاں سے سب چیزیں کھینچکر یورپ میں لا رہے ہیں
وہ سب قدر ہیں اور دولتمند بھی ہیں۔ اور اُتنے دام دے سکتے ہیں کہ ہندستانی
نہیں دے سکتے۔ اور حاجتمند ہندوستانی جنکے آباؤاجداد اچھے وقت
میں آسودہ تھے۔ اپنی سب چیزیں فروخت کر رہے ہیں۔ گورنمنٹ ہند
ہندوستان کے عجائب خانوں میں رکھنے کے لئے اتنا روپیہ ان چیزوں
پر خرچ نہیں کر سکتی۔ جتنا روپیہ کہ یورپین سیاح خرچ کرتے ہیں۔ ہمارے
اہل ملک یہ بات ہی نہیں سمجھتے کہ ملکی عجائب خانوں کو چیزیں تحفہ بھی
دی جاتی ہیں۔ یورپ کے ملکوں میں اکثر علم و فن کے قدردان اپنی
حمیت سے اپنے ملک کے عجائب گاہوں کو نادر چیزیں تحفۃً دیا کرتے
ہیں۔ نمائش سنہ ۱۹۰۰ء کے لئے جس قدر عمارات تعمیر ہوئی ہیں۔ نمائش
کے بعد وہ سب گرا دی جائیں گی مگر یہ دونوں عمارتیں فائن آرٹس کی قائم
رہیں گی۔ اور عجائب گاہوں کے کام آئیں گی۔ پہلے ہی پیرس میں ادنیٰ
درجن اعلےٰ سے اعلےٰ قسموں اور مقصدوں کے عجائب گاہ ہیں +

خوبصورت پل

لوگ یہاں سے فارغ ہو کر اور پُل سے گذر کر دریا کے
دوسرے کنارے پر چلے جاتے تھے۔ یہ پُل الگزنڈر سوم زار روس
کے نام پر نامزد کیا گیا تھا اور اُسی نے اُس کا بنیادی پتھر ۱۸۹۶ء میں رکھا تھا۔
جو روس و فرانس کے حال کی پولیٹکل دوستی کی یادگار ہے۔ یہ اسی نمائش
کے لئے تعمیر کیا گیا تھا۔ جو پیرس کے دریائے سین کے سب پلوں سے
عمدہ اور خوبصورت ہے۔ اس پر بہت سا کام بُت بنانے اور تعمیر اور
سکلپچر کی خوبی کا کیا گیا ہے۔ جس سے یہ نہایت نفیس تعمیر شمار ہوتا ہے۔ یہ لوگ
ایسی عمارات پر بُت ایسی صنعت سے بناتے ہیں۔ جو واقعات تاریخ کو ظاہر
کرتے ہیں اور انسانی خیالات اور حالات وقت کے اظہار کا ذریعہ ہوتے
ہیں۔ اس پُل سے گذر کر سامنے "اسپلانانڈ ڈے انوالیڈ" کا چوک آتا ہے۔ یہ

بڑی عالی شان تین تین چار چار منزل کی عمارات مقابل تعمیر کی گئی تھیں۔ ان عمارات میں فرانس کی اور تمام ممالک دنیا کی ساختہ اشیا کی تجارت بطور نمونہ رکھی گئی ہیں۔ ان اشیا سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ کس ملک میں صنعت و حرفت کیسی ترقی پر ہے۔ کس ملک میں کیا کیا چیز زیادہ بنتی ہے۔ اور کیسی بنتی ہے۔ حتے الوسع ہر ملک کے کاریگروں اور کارخانہ داروں نے اپنی حرفت کے بہترین نمونے دکھلانے کی کوشش کی تھی۔ مگر افسوس ہے کہ ان ملکوں میں ہندوستان کی ساختہ کسی چیز کا نام و نشان بھی نہیں تھا اور نہ چین کا تھا۔ البتہ جاپان کی اشیا نے صنعت و دستکاری نے بہت سی جگہ گھیری ہوئی تھی۔ ہندوستان کی اشیاء حرفت کی نمایش ایک الگ مکان میں سیلون کے ساتھ یورپ کی نوآبادیوں کے حلقے میں تھی۔ جہاں کہ چین و مراکو و الجیریا و ٹیونس و سوڈان سینیگال و جاوا وغیرہ ممالک کی تھی۔ یہاں کوئی ایسی چیزیں تو بنتی ہی نہیں جو ملک یورپ میں جا کر وہاں کے استعمال کے لئے کھپتی ہوں۔ بلکہ اہل ہند کی سوشل زندگی کے لئے جو اشیا درکار ہوتی ہیں۔ اور وہ ہندوستان میں بنتی ہیں۔ وہی ہندوستان کی خام پیداوار کے ساتھ اس مقام میں رکھی گئی تھیں۔ میں جو تفصیل دنیا کی صنعت و حرفت کی عجیب و غریب چیزوں اور بے نظیر اور حیران کر دینے والی کلوں اور کاریگریوں کی اس نمایش کے متعلق لکھونگا۔ اُن سے اہل ہند اندازہ کر سکتے ہیں کہ دوسری قومیں دنیا میں کیا کر رہی ہیں۔ اور وہ خود کس خواب خرگوش میں پڑے ہیں۔

تعلیم ہی ترقی کا ذریعہ ہے

میں جہاں تک غور کرتا ہوں اور جہاں تک دیکھتا ہوں مجھ یورپ اور امریکہ کی ترقی کا باعث سوائے اُن کی تعلیم کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ لیکن تعلیم سے میری غرض صرف اعلیٰ تعلیم پانے اور ڈگریاں حاصل کرنے کی نہیں ہے۔ اعلیٰ تعلیم بجائے خود بہت عمدہ بات ہے۔ لیکن

پھر بھی ہر شخص کی قسمت میں اس سے فائدہ اٹھانا نہیں لکھا ہے۔ لاسکتے جو تعلیم دنیا میں زیادہ لوگ پاتے ہیں وہ ضروریات زندگی حاصل کرنے کے لائق بننے کی تعلیم ہے۔ ہندوستان میں کتنی لوگ ہیں جنہوں نے کالجوں میں فزک اور کیمسٹری اور جیالوجی پڑھی ہے۔ لیکن کسی نے بھی کوئی نیا طبعی عنصر دریافت نہیں کیا۔ کوئی نیا مرکب کیمیاوی ایجاد نہیں کیا۔ نہ کوئی کان ہی دریافت کی ہے نہ کوئی عمدہ کل ہی بنائی ہے یہاں لوگ صرف کتابیں ہی نہیں پڑھتے۔ بلکہ زیادہ لوگ نوشت وخواند سیکھکر کارخانوں میں عملی کام سیکھتے ہیں۔ فرانس کا سب سے بڑا علم جراثیم کا ماہر اور بیکٹیریالوجی کا استاد بلکہ دریافت کرنے والا پاسٹیور ہرگز گریجوایٹ یا اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص نہیں تھا۔ صرف ایک عام کیمسٹ تھا۔ اس نے ادھر توجہ کی اور آج بیکٹیریالوجی نے دنیا کے علوم صحت کی صورت بدل دی ہے۔ پاسٹیور کے سگ دیوانہ کے علاج نے دنیا کو حیران کر دیا ہے۔ فرانس نے بڑے ناز سے نمائشگاہ کے حفظ صحت سکشن میں پاسٹیور کا بت رکھا ہوا ہے۔ اسی طرح امریکہ کا نامور برقی موجد اڈیسن اور بلا تار کے برقی خبر رسانی کا موجد مارکونی کبھی باقاعدہ تعلیم سے بہرہ یاب نہیں ہوئی۔ ایسی صدہا مثالیں ہیں۔ علم بہت ضروری ہے۔ لیکن عمل اس سے ضروری ہے ؎

علم چنداں کہ بیشتر خوانی   چوں عمل در تو نیست نادانی
نہ محقق بود نہ دانشمند   چارپائے برو کتابے چند

یہاں عمل سے مراد میری علم کے ذریعے سے صنعت وحرفت کی تعلیم میں ترقی کرنے کی ہے۔ یورپ میں یہی بڑی خوبی ہے کہ یہاں کے لوگ فوراً علم کو عمل کی کسوٹی پر کستے ہیں اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں میرے خیال میں تو یہی راستہ منزل مقصود ہے ؎

کس نہ دانست کہ منزل گہ مقصود کجاست   ایں قدر ہست کہ بانگ جرسے مے آید

نمایش کا دوسرا حصہ

انولیڈ تعمیرات پل الگزینڈر سوم کے عین سامنے یہ دو عالی شان دو منزلہ عمارات تعمیر کی گئی تھیں۔ جنکے بیچ سے ایک ۲۰۰ فیٹ کھلا راستہ چھوڑا گیا تھا۔ ان میں فرانس اور دیگر ممالک کے صنعت و حرفت کی عام اشیا تھیں۔ مگر خصوصاً پرائیویٹ اور سرکاری مکانات اور عبادت گاہوں کی زیبائش کا فرنیچر اور سامان رکھا گیا تھا۔ اس ذیل میں ہر قسم کے قالین۔ شیشہ۔ لوہے۔ لکڑی۔ چینی۔ مٹی۔ چمڑے کپڑے۔ ربڑ۔ جواہرات۔ چاندی سونے گھڑی سازی وغیرہ کا سامان آجاتا ہے۔ حفظ صحت اور ضروریات زندگی کی سب چیزیں یہاں تھیں۔ بٹوے۔ برش۔ پروں کی چیزیں۔ ہاتھی دانت۔ سینگ اور ربڑ کا کام۔ گھڑیاں۔ کیسے بڑے بڑے مجسمے۔ بڑی بڑی کلاکوں کی کلیں اور کھلونے وغیرہ بے اندازہ تھے۔ پل کی طرف سے ان عمارت کو جاتے ہوئے ایک دائیں اور ایک بائیں ہاتھ تھی۔ بائیں طرف کی عمارت کے نیچے ایک بڑے حصہ میں مکانات اور سرکاری عمارات کے سجانے کے لکڑی قالین اور کپڑے کی قسم کا سامان تھا۔ ناظرین تعجب کریں گے کہ صرف مکانات کے سجانے کے لئے اتنا کونسا سامان درکار ہوتا ہے کہ جس کی اتنے بڑے عالی شان مکانات میں نمایش کی گئی تھی حقیقت یہ ہے کہ میں خود بھی ان مکانات کو دیکھنے سے پہلے نہیں سمجھ سکتا تھا کہ اس ضرورت کے لئے کونسا اتنا بڑا سامان درکار ہوگا۔ لیکن اہل یورپ کی تہذیب نے اپنے مکانات کو بلحاظ آسایش و خصوصاً بلحاظ آرایش ہمارے مکانات سے بالکل نرالی قسم کی چیز بنا دیا ہے۔ ان کے فرنیچر اور سجاوٹ کے

سامان اتنے زیادہ اور ایسے نفیس ہیں کہ وہ بجائے خود ایک علم ہوگئی ہیں۔ یہاں میں اس امر سے بحث نہیں کروں گا کہ ایسی آرائش و آسائش ضروری ہے یا نہیں۔ البتہ میں یہ بتلانے سے خاموش نہیں رہ سکتا کہ یورپ نے گذشتہ تین چار صدیوں میں آرائش کے بارہ میں بڑی ترقی کی ہے۔ اور چینی اور شیشے اور کپڑے اور مختلف فلزات سے آج یہ لوگ ایسی عجیب و غریب چیزیں تیار کر سکتے ہیں کہ کوئی زاہد خشک مغز بھی انہیں دیکھ کر گرویدہ ہونے کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ شیشہ یا کانچ یا بلور

شیشہ یا کانچ کا استعمال

اس نے جو تمام دو یورپ میں اس سے بہت زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ کہ جسقدر ہم ہندوستان میں اندازہ کر سکتے ہیں۔ ہزاروں مکانات کی چھتیں صرف شیشہ کی بنی ہوئی ہیں۔ کہ جن میں اور کسی طرف سے روشنی نہیں آسکتی تھی سوہ چھت میں سے آتی ہے۔ سینکڑوں جگہوں میں بازاروں میں اور مکانوں کے اندر کہ جہاں سے صرف آدمی گذرتے ہیں مگر گاڑیاں نہیں گذر سکتیں۔ تم شیشہ کے فرش چھوٹے بڑے دیکھو گے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ بوجہ زمین کی قلت کے اس جگہ کے نیچے جو مکان ہیں ان میں اور کہیں سے روشنی نہیں آسکتی۔ مگر اس شیشہ کی چھت سے آسکتی ہے۔ یہ چھت میلے رنگ کے شیشے کی مکعب شکل کی اینٹوں کو آہنی فریموں میں جڑ دینے سے بنتا ہے کہ جن اینٹوں کا ہر پہلو ایک فیٹ لمبا ہوتا ہے۔ مکانات کی تنگی کی وجہ سے پیرس اور لنڈن میں زیر زمین ریلیں موجود ہیں۔ جو میلوں بازاروں اور مکانوں کے نیچے نیچے چلی جاتی ہیں۔ برلن اور پیرس میں ایسی ریلیں ہیں جو سطح زمین سے بلند مکانات یک منزلہ کے برابر ستونوں اور پلوں پر چلتی ہیں۔ خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔ میں شیشہ کے استعمال بتلا رہا ہوں۔ علاوہ چھتوں کے گز گز بھر کے لمبے چوڑے شیشے تو عام مکانات کے دروازوں اور کھڑکیوں میں لگے ہوتے ہیں۔ لیکن تمام بڑے بڑے شہروں کی دکانوں کے

بیرونی دروازوں میں اڑھائی تین گز لمبے اور دو دو گز تک چوڑے شیشے میں
نے دیکھے ہیں کہ جس کے اندر دکان کا سامان نمائش سجایا جاتا ہے۔ دکان
کے سامنے کی تمام جگہ سوائے دو اڑھائی فیٹ کے داخلے کے راستہ کے
اسی کام میں صرف ہوتی ہے۔ ہر قسم کے رنگین بیل بوٹے دار عجیب شیشے
تیار ہوتے ہیں جو کھڑکیوں میں لگائے جاتے ہیں۔ لیکن جہاں منظور ہو
کہ باہر سے اندر نظر نہ آسکے۔ وہاں ایک نئی قسم کا شیشہ لگایا جاتا ہے۔
جس میں کھردرے کپڑے کی طرح شکن پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک دو
گز اونچی اور دو گز دور کی بوتل شیشہ کے ان مکانات میں دیکھی۔ ایک بڑی
شیشہ کی گز بھر لمبی کشتی مع متلاطم سمندر کے پانی کے نقشہ کے دیکھی جو شیشہ
کے فن کا اوج کمال پہنچنا ظاہر کرتی تھی۔ میں نے وینس میں شیشہ کے
بالوں کو دیکھا تھا۔ جو انسان کے سر کے بالوں کی طرح شیشہ کی باریک تاریں
تھیں۔ یہاں کی ایک دوسری نمائش میں ایک دوربین کا سب سے بڑا
شیشہ دیکھا جسکا وزن پانچ ٹن یعنی ایک سو چالیس من سے زیادہ تھا۔ یہ
ڈیڑھ بالشت موٹا اور تین گز قطر کا تھا۔ اِسکے علاوہ اور بہت سے شیشے
کے عجائبات دیکھے۔ اسی طرح چینی اور مٹی کے برتنوں کی نسبت قیاس

چینی اور مٹی کے برتن

کر لیجئے۔ یہاں چینی کی انگیٹھیاں اور فینل پیس اور دوسرے
گھروں کے سجانے کے سامان علاوہ برتنوں اور بتوں کی عام بات ہے۔ مگر
مٹی سے جو نفیس برتن اور بُت بنائے جاتے ہیں۔ اور انہیں انواع و اقسام
کے روغنوں سے سجایا جاتا ہے۔ وہ غضب کا دلکش فن ہے۔ ان مکانات
میں مٹی اور چینی کے برتنوں کی بڑی نمائش ہے۔ وہ کمہار جو ہمارے یہاں
ایک بڑا غریب اور مسکین مزدور ہے۔ اور جسکے بنائے ہوئے پیالے
صحنکیں ہانڈیاں اور کونڈے دو دو چار چار پیسے کو بکتے ہیں۔ یہاں اُس نے
ایسی جون بدلی ہے کہ کسی دوسرے سوداگر سے کم نفع نہیں کماتا۔ بعض

مٹی کے بت ایسے نفیس بنائے جاتے ہیں اور بعض برتنوں پر ایسے خوشنما بیل بوٹے اور بارِیک تصویریں دیکھی ہیں کہ اُستادان فن اس صنعت کو دیکھ کر حیران ہوتے ہیں۔ درحقیقت فرانس نے مٹی اور چینی کے کام میں فی زمانہ نام حاصل کیا ہے۔ گورنمنٹ فرانس اس فن کی ترقی کے لئے بعض مدارس اور کارخانوں کو زرِ نقد سے مدد دیتی ہے۔ شاہ کجکلاہ ایران میرزا مظفرالدین فرانس کے مٹی کے کام کو دیکھ کر ایسے ریجھے تھے کہ فوراً اپنا ایک مٹی کا بُت بنانیکا حکم دیدیا۔ چنانچہ جب کاریگر نے بت کو بنانا شروع کیا تو کبھی کبھی شاہ کجکلاہ اُسکے سامنے ایک ایک گھنٹہ بیٹھتے رہے تاکہ نقل مطابق اصل بنجائے ان مٹی کے برتنوں کی دوکانوں کے ملازم دیکھنے میں ایسے صاف ستھرے اور معقول معلوم ہوتے تھے۔ جیسے کہ ہمارے یہاں بڑے بڑے صاحب لوگ نظر آتے ہیں۔ مٹی کا سونا بنانا اسکو کہتے ہیں۔ حقیقت میں دستکاری کیمیا ہے۔ اور مٹی کے برتنوں پر پتھر کا روغن کرنا بھی شائستگی کیلئے ضروری جزو ہے۔ ملتان اور گوجرانوالہ وغیرہ مقامات پنجاب میں جو اینٹوں اور برتنوں پر پتھر کا روغن کیا جاتا ہے وہ اسکے سامنے نہ ہونے کے برابر ہے۔ بہرحال مٹی کے کام کی یہاں بڑی وسیع صنعت و حرفت ہے۔ جو مٹی کر اینٹوں سے لے کر مٹی کے منقش برتنوں تک پھیلی ہوئی ہے۔ اور بجائے ہمارے یہاں کے کمہار کے ایک بھدے چاک اور اینٹیں بنانے کے لکڑی کے سادہ سانچے کی یہاں کئی کلیں اس کام میں آتی ہیں۔ اور اُن کی بھی یہاں نمائش کی گئی تھی۔

لکڑی اور لوہے کا فرنیچر ایک اور بڑا حصہ لکڑی اور لوہے کے کام کی نمائش کا تھا۔ لکڑی پر سنہری روپہلی رنگ و روغن اور وارنش اور لوہے وغیرہ دھاتوں پر انامل یعنی چینی چڑھانے کا فن بھی ہندوستان کے لئے نہایت ضروری ہے۔ میں نے آسٹریا اور جرمنی میں برتنوں پر چینی روغن چڑھانے کے کارخانے

میں جانے کی کوشش کی۔ مگر ناکام رہا۔ کیونکہ ایسے کاموں کو جن میں نفع کافی ہو اور خرچ زیادہ نہ ہو یہ لوگ مخفی رکھنا چاہتے ہیں۔ لوہے کے پھول پتے پنانے جنگلے اور دیگر آرایش کے سامان تیار کرنے میں یہ لوگ ایسے ہی استاد ہیں جیسے کہ مٹی کے برتن تیار کرنے میں ہیں۔ تالے اور چھکے پیچ وغیرہ کیل کانٹے بھی مختلف اقسام کے موجود تھے۔ لکڑی کے فن میں ہر قسم کا فرنیچر عجیب عجیب قسم کی کرسیاں میزیں اور الماریاں دکھلائی گئی تھیں۔ جن کے گدیوں کی ساخت اور رنگ روپ کے مذاق پر لیڈیاں یکتے ہی مفتون ہوجاتی تھیں ٭

سجے ہوئے کمرے بہت سے کمرے نمایشگاہ میں صرف مختلف وضعوں سے سجا کر رکھے گئے ہیں کہ لوگ دیکھیں اور پھر ان کارخانوں سے اسی سامان سے اور اسی وضع پر کمرے سجوائیں۔ ایک کمرے میں زمین سے چھت تک صرف نیلگوں فرنیچر تھا۔ یہ کمرے کیا تھے۔ ان کو دیکھ کر طبیعت خوش ہوجاتی تھی۔ مگر ان کی حد سے زیادہ نفاست اور نزاکت دیکھ کر مجھے یہ بھی خیال آیا تھا کہ یہ شاید کام میں لانے کے لئے نہیں بلکہ صرف دکھلانے کے لئے ہوں۔ لیکن ان سے بھی زیادہ مذاق سلیقہ اور عقل آبدار خانہ کے کمروں کے سجانے میں صرف کی گئی تھی۔ ان سے میری مراد ان کمروں سے ہے۔ جن میں غسل خانہ کا سامان رکھا جاتا ہے۔ ان میں ہاتھ منہ دھونے کے چینی سنگ مرمر اور شیشہ کے برتن موجود تھے۔ نہانے کے ٹب سنگ مرمر چینی یا پیتل تانبے وغیرہ کے تھے۔ جن میں پانی پیچیدہ نالیوں سے آتا تھا۔ میں نے کئی ایسے نہانے کے سامان دیکھے کہ جن میں ایک جگہ ایک دیا سلائی سلگا کر لگانے سے گیس کے ذریعہ سے پانی ساتھ ساتھ

گرم ہو کر ٹب میں گرتا جاتا تھا۔ گویا آپ ایک منٹ میں گرم پانی سے غسل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ پیرس میں میں نے ایک دوست کے مکان میں ایسے ٹب میں غسل بھی کیا ہے۔ لیکن غسلخانے کے سامان کا ذکر کرنے سے میری یہ غرض ہرگز نہیں ہے کہ ہندوستان کے شائقین کو ایسے عیش و آسایش کے سامانوں سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دوں۔ کیونکہ ان کے لئے ان کی قیمتیں ان کے فواید سے زیادہ سنگین ہیں۔ تاہم وہ ان بیانات سے یہ علم حاصل کر سکتے ہیں کہ مہذب دنیا کن باتوں میں اپنی عقل صرف کر رہی ہے اور کس دھن میں مصروف ہے ۔

ونٹی لیٹر پنکھے

نمایش کے اسی حصہ میں بہت سے ونٹی لیٹر Ventilator یعنے گھومنے والے دیواروں پر لگے ہوئے پنکھے ایسی تیزی سے گھوم رہے تھے کہ ان کے پاس کھڑے ہونے سے خوب ہوا لگتی تھی۔ ایسے پنکھے میں نے پہلے بھی یورپ کے ہر ملک کے دفتروں اور کارخانوں میں کام کرتے دیکھے تھے۔ انہیں لوگ کام کرنے کے میز یا سامنے کی دیوار پر لگا رکھتے ہیں۔ اور یہ برقی باٹری یا موٹر کے ذریعے سے ہر وقت بڑی تیزی سے گھومتے رہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ امریکہ میں بنتے ہیں۔ اور ہر ایک کی قیمت مع باٹری کے سو شلنگ کے قریب ہوگی۔

حفظ صحت کی عمارت

ان وسیع عالیشان عمارتوں کے علاوہ ایک حفظ صحت کی عمارت ہے۔ جس میں تا مبالغہ ایک ہزار قسم کے کھانا پکانے اور پانی گرم کرنے کی انگیٹھیاں مٹی لوہے کلٹ۔ چینی پیتل اور خدا جانے کس کس چیز کی موجود ہیں۔ اہل یورپ علم کو حاصل کر کے جب عمل میں لاتے ہیں تو اس کے ذریعے سے وہ ایسی نفیس چیزیں

تیار کر سکتے ہیں کہ جن سے بنی نوع انسان کو روزانہ زندگی بسر کرنے میں آسائش حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ اپنی لیاقت سے خود بھی نفع حاصل کرتے ہیں۔ بخلاف علم کے ایشیائی خیال کے کہ جہاں علم صرف ترکیب نفس کے لئے سیکھا جاتا ہے اور اس پر بھی عمل نہیں کیا جاتا۔ ایسے لوگ "چارپایہ بر و کتابے چند" کی مثال ہیں۔ مگر اب بقول ایک فلاسفر کے علم کو آسمان سے اتار کر باورچیخانہ میں لایا گیا ہے۔ تاکہ وہ زندگی کی ضرورتوں میں خدمت کر سکے۔

کاغذ کے صید کی چھوٹی کلیں وغیرہ

ان دونوں عمارات میں سے بائیں جانب کی عمارت میں صرف فرانس کے مختلف پیشہ وروں کی نمائشیں تھیں۔ اور دائیں میں اوپر کی چھت میں بترتیب بلجیم۔ روس۔ جرمنی سوئیڈن۔ انگلستان۔ ہسپانیہ۔ اٹلی۔ ناروے۔ آسٹریا۔ ہالینڈ۔ فرانس کا چینی کا کام۔ اور پرتگال کے کاریگروں کی نمائشیں تھیں۔ ہر ملک نے وہ چیز نمایاں کر رکھی تھی کہ جس کی صنعت پر اسے ناز تھا۔ یہاں میں نے بہت سی عجیب و غریب کلیں اور سامان دیکھے۔ مثلاً ایک جگہ ایک چھوٹی سی کل کاغذ کی ڈبیاں تیار کر رہی تھی صرف کاغذ اور لئی اس میں رکھ دیتے تھے۔ کل خود کاغذ کو کاٹ کر ایک خاص مجسم کی ڈبیا بنا کر پھینکتی جاتی تھی۔ ان پر لیبل چسپاں ہوتے تھے۔ یہیں ایک مشین دیاسلائی بنانے کی دیکھی۔ یہ کل مشین کا حصہ تھی جس میں کالی ہوئی تیلیوں کے گٹھے ایک بڑھیا عورت ڈالتی جاتی تھی۔ تیلیاں خود بخود بعض سوراخوں میں پھنسکر جو اس مطلب کے لئے ہوتے تھے آتش زان مرکب سے چھو جاتیں اور تھوڑی دیر میں (ساتھ ہی ساتھ خشک ہو کر) ایک کرتے

میں گر جائیں۔ ایک مشین سگرٹ کے کاغذ بلا مدد ہاتھ کے چھوٹی چھوٹی کتابوں کی صورت میں سی کر خود بخود پیکٹ لپیٹتی جاتی ۔ ایک عورت ایک چھوٹی سی مشین سے ٹب بنا رہی تھی۔ ایک عورت ایک چھوٹی سی مشین سے ایک ہی دباب میں ایک خوبصورت ابھری ہوئی تصویر نقش کر دیتی ایک جگہ لویاں اور جھنڈیں چھاپنے کے گول رولر اور چپٹی پلیٹیں تھیں۔ جن میں میل میں ابھرے ہوئے بیل بوٹے تھے ۔ یہ صیغہ مکان سجانے کے لئے کاغذ کی چیزیں بنانے کا تھا کہ جہاں کاغذ کے سینکڑوں استعمال دکھلائے جاتے تھے ۔ ان مشینوں کے مرتب کرنے میں یہ بات مدنظر رکھی جاتی ہے کہ جہاں تک ہو سکے انسان کے ہاتھ سے کرنے کا کام باقی نہ رہے ۔ اور کئی آدمیوں کا کام مشین تھوڑے وقت میں کر سکے جھنڈیں چھاپنے۔ اور رولر اور دیوار پر چسپاں کرنے والے کاغذوں کے بیل بوٹوں کے سانچے ۔ جلد بندی کی اوزاریں اور ہر قسم کے کاغذات کے سامان کی الگ نمائش تھی۔ صرف کاغذ کے سودا بیچنے کے لفافے اور تھال تجارت ۔ شوربے لینے کے ڈبے بنانا۔ نمک کی تجارت یورپ میں بجد ہے۔ اور ان کاموں کے لئے خاص کلیں بنائی گئی ہیں ۔ ذرہ بازار سے دو پیسے کی چیزیں خرید ۔ یا شفتالو چند پیسے کے لو تو دوکاندار یہ سودا ایک مضبوط کاغذ کے لفافے میں ڈال کر تمہیں دے گا ۔ اور وہ ہاتھ گاڑی والا دوکاندار نہیں دکیونکہ ہمارے ملک کے چھابڑی والے دوکانداروں کی طرح یہاں بھی ہاتھ کی گاڑی والے دوکاندار عورتیں یا مرد ترکاری اور میوجات بیچتے ہیں) تو اسکے لفافے پر اس کی دکان کا نام چھپا ہوا ہوگا۔ کوئی دو چار پیسے کی خشک کوئی خریدے تو وہ بھی لفافے میں ملیگی ۔

ان عمارات میں ربڑ کی مختلف چیزوں مثل کھلونوں بائسکلوں کے ٹائروں اور سینکڑوں دوسری چیزوں کے بھی کہ جن کا حصر کرنا مشکل ہے ۔ نمایش کی گئی تھیں

زیورات

چاندی سونے کی چیزیں زیادہ تر عورتیں یورپ میں بطور زیورات کے نہیں پہنتیں سوائے انگوٹھی یا بروچ کے گو سوئٹزرلینڈ کی عورتوں) کے کانوں میں انگلی کے برابر لمبے اور موٹے سونے کے زیور دیکھے ہیں جو اُسی شکل کے ہیں ۔ جیسے کہ پنجاب میں دُر ہوتے ہیں) یہاں سنار کا کام زیادہ تر آرایشی سامان مثل چاندی سونے کے برتن بنانا ہے ۔ چنانچہ ایک صیغہ میں کھانے کے برتن صراحیاں ۔ جواہرات کے صندوقچے آرایشی پیالے اور قدیم زمانہ کی رومیوں اور یونانیوں کے ڈیزائنوں کے برتن موجود تھے ۔ کہ جن پر یورپ کے سناروں نے اپنی عقل خرچ کی ہوئی تھی ۔ ایک جگہ فرانس

گھڑیاں اور کھلونے

کی گھڑیاں (کلاک اور جیبی) اور ہر قسم کے کلاک ورک کے کھلونے موجود تھے ۔ جو خود بخود چل رہے تھے ۔ لیکن کھلونوں کے صیغہ میں ایسی عجائبات تھیں کہ جہاں سے نہ بچے ہی گذرتے ہوئے خوش ہو جاتے تھے ۔ بلکہ بڑے بوڑھوں کے لب بھی مسکرائے بغیر نہ رہتے تھے ۔ اور دیر تک پاس کھڑے ہو کر انہیں دیکھتے تھے ۔ گھڑیوں کے صیغے میں گذشتہ سو ڈیڑھ سو سال کی پرانی گھڑیوں کا ایک نہایت عمدہ ذخیرہ فرانس نے دکھلایا تھا ۔ سوئٹزرلینڈ کی مشہور گھڑیاں اور زیورات موجود تھے ۔ اس حصہ میں روس کی نمایش میں میں نے ایسی چیزیں دیکھیں (خصوصاً ایک مٹی یا رنگین لوہے کے گرجا کا ماڈل) جو دیکھنے کی مجھے توقع نہ تھی ۔ میرا خیال تھا کہ صنعت و حرفت کے بارے میں روس بالکل وحشی ملک ہے ۔ لیکن یہاں آ کر یہ خیال بالکل بدل گیا ۔ جس طرح یورپ کے دیگر

مختلف ممالک کی صنعتیں

ممالک صنعت و حرفت میں ترقی کر رہے ہیں اور نفیس اور نازک چیزیں کلوں کی مدد سے بناتے ہیں۔ ایسی ہی روش بھی بناتا ہے۔ جو اس نے اس صیغہ میں نمائش کے لیے رکھی ہیں۔ روس میں بھی مانچسٹر کی طرح چھینٹیں اور دوسری قسم کے سوتی کپڑے بنتے ہیں جو وسط ایشیا میں کھپتے ہیں۔ جرمنی اور آسٹریا کی تو تعریف کرنا فضول ہے۔ کیونکہ دنیا جانتی ہے کہ یہ دونوں ملک کیا کچھ کر رہے ہیں۔ البتہ فرانس کی نسبت مجھے یہ علم نہیں تھا کہ فرانس ہر قسم کی صنعت و حرفت کلوں اور فنون نفیسہ میں اس قدر ترقی کر چکا ہے۔ کیونکہ فرانس کی بنائی ہوئی چیزیں ہندوستان کے بازاروں میں نام کو نظر نہیں آتیں۔ جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ فرانس انگلستان کی طرح جرمنی اور امریکہ کا مقابلہ سستی چیزیں بنانے میں نہیں کر سکتا۔ امریکہ اور جرمنی سستی چیزیں بنا کر انگلستان اور فرانس میں بیچتے ہیں۔ امریکہ کی نمائش کی چیزیں بھی بہت نفیس تھیں اور وہاں کی ذہانت کا پتہ دیتی تھیں۔ لیکن انگلستان کی نمائش بہت اچھی نہ تھی۔ نہ اس لحاظ سے کہ یہاں کی چیزیں عمدہ نہیں تھیں۔ چیزیں تو بہت اعلیٰ تھیں لیکن بہت تھوڑی چیزیں اس صیغہ اور دوسرے صیغوں میں دکھائی گئی تھیں۔ لیکن اس کے بعد مجھے ایک اخبار سے معلوم ہوا کہ خود نمائش پیرس کے انگلستان کی کمیٹی نے تسلیم کیا تھا کہ انگلستان نے بہت نامکمل نمائش دکھلائی ہے۔ جس کی اس سے توقع نہ تھی خواہ وجہ اسکی کوئی ہو۔

جاپان نے بہت سی جگہ سامان "لیکر" (یہ جاپانی مشہور روغن ہے) اور چینی کے برتنوں سے روک رکھی تھی۔ واقعی اس کے سامان کی شان نرالی تھی شاید یورپ کبھی اس کی نقل کرے۔ لیکن ابھی تو جاپان کی شان نرالی ہے

پاؤں کا پنکھا ۔ اور وہاں کو انہیں عمارات میں ہم نے ایک نرالی قسم کا پاؤں سے چلنے والا پنکھا دیکھا ۔ ایک لیڈی نمایش کے ایک کمرہ کی محافظ کتاب پڑھ رہی تھی اور پاؤں سے اسے آہستہ آہستہ ہلا رہی تھی ۔ میں نے جھٹ اسکا بھدا سا سکیچ لے لیا ۔ ایک سادہ فریم میں ایک لکڑی سرے پر لگی ہوئی ہے جس کے دونوں طرف چول ہے ۔ اس میں دو سوراخوں میں دو ڈورے پڑے ہیں جو نیچے پاؤں کی لکڑیوں سے بندھے ہیں ۔ اسی لکڑی میں ایک چھوٹا سا پنکھا لگا ہے جس کی پچھلی طرف تھوڑا سا بوجھ ہے ۔ باری باری بہت آہستہ پاؤں ہلانے سے یہ بخوبی چلتا ہے ۔ اور ایک آدمی کے لئے کافی ہوا پہنچاتا ہے ۔ میں ۔ نے لاہور پہنچکر اسکے ایک دو نمونے بنوائے تھے ان میں پوری کامیابی ہوئی ہے ۔

یہاں ایک مشین لیس یعنی ریشم کی کناری بن رہی تھی ۔ مشین بیشک بہت پیچیدہ تھی ۔ لیکن کناری میں بیل بوٹے اور انگریزی حروف خودبخود بنتے جارہے تھے صرف ایک آدمی کھڑا ہوا کہیں کہیں تاگا گانٹھ دیتا تھا ۔ ایک دوسری مشین پر لیس کی پانچ چھ پٹیاں بُنی جاتی تھیں ۔ میز پوشوں اور بستروں کے غلافوں میں انواع و اقسام کی تصویریں اور بیل بوٹے بنتے ہوئے دیکھے ۔ اور ہزاروں مختلف قسم کی چیزیں ان عمارتوں میں دیکھی گئیں ۔ لیکن ان کی تفصیل بیان کو طول کردے گی ۔

اضلاع متحدہ امریکہ کی نمائش میں ایک قسم کے گول سے برقی پنکھے بکثرت خودبخود چل رہے تھے ۔ یہ ایک دو فٹ قطر کے چار پروں والی گول سی مشین ہے پر ترچھے ہیں اور تیزی سے گھومنے سے ہوا کو خوب حرکت دیتے ہیں ۔ علاوہ نمائشی اشیا کے ایک بہت بڑا جزو تجارت کا بھی نمائش کے مکانات

میں موجود تھا۔ جو چیزیں نمایش کے لئے لائی گئی تھیں انہیں تو بیچنے کا حکم نہیں تھا۔ البتہ جو لوگ انہیں خریدتے وہ مالکوں سے سودا کر کے نوشت خواند کر لیتے تھے۔ اور چیز پر ایک کاغذ چسپاں کر دیا جاتا تھا کہ یہ ایک مرتبہ یا دو چار یا دس یا بیس مرتبہ فروخت ہو چکی ہے۔ لیکن نمایش کے ختم ہونے تک وہاں سے اٹھائی نہیں جائیگی۔ مگر جا بجا چھوٹی چھوٹی دکانوں پر عورتیں

خوانچے والی عورتیں

کھڑی چھوٹی چھوٹی چیزیں عموماً اسی ملک یا اسی قسم کی کہ جنکا ویلتن سے ہے بیچتی تھیں۔ اور آنے جانے والوں کو بلا کر اپنا مال دکھلاتی تھیں یہی نمایش کے گائیڈ اور کارڈ اور فوٹو گراف اور نمایش کی یادگار کی قسم کی دوسری چیزیں بیچتی تھیں۔ مثلاً ایک قسم کے چمچوں پر ایفل ٹاور یا نمایش کے بڑے دروازے کی تصویر نقش کی گئی تھی۔ ایفل ٹاور نامی بڑے مینار کی شکل کے لوہے اور پیتل کے کھلونے بنائے گئے تھے۔ جنہیں لوگ ہزاروں خریدتے اور اپنے گھروں کو سفر کی یادگار کے طور پر لے جاتے تھے۔ رومالوں پر ایفل ٹاور کی نقل چھاپی گئی تھی۔ ان کے علاوہ مختلف ملکوں کی نمایشوں میں وہاں کی انگوٹھیاں یا کھلونے یا زیورات شیشے وغیرہ ہزاروں چیزیں یہ عورتیں بیچتی تھیں۔ اور چونکہ یہ ہر پاس سے گذرنے والے سے ہر وقت خریداری کی درخواست کرتی تھیں۔ مجھے تو اب زہر معلوم ہونے لگی تھیں کیونکہ میں کچھ خریدنا نہیں چاہتا تھا۔ اور یہ ہر چیز بیچنے پر مستعد ہوتی تھیں۔ میں نے بعض وقت چیزیں نمایش کے قریب جا کر اسی لئے نہیں دیکھیں۔ کہ وہ خوبصورت عورت جو میز پر دکان لگائے کھڑی ہے ضرور ٹوکے گی ڈسل وو پلے موسیو (صاحب مہربانی کر کے) یہ چیز تو ضرور خریدیئے۔ میں نے بارہا زبان نہ سمجھنے کا بہانہ کیا اور پاس سے کھسکتا چلا گیا۔ تاہم دن میں

روپے کسی کسی چیز پر داغنے ہی پڑے ۔ چینی کی عورتیں تو دکانداری کا بہت اچھا سلیقہ رکھتی ہیں۔ اور اکثر عورتیں نہ صرف تنہا دکانیں کرتی ہیں بلکہ اپنے شوہروں کا دوکان میں ہاتھ بٹاتی ہیں۔

عینکیں بیچنے والے نمایش گاہ کے اسی حصہ میں اور بعض بعض دوسرے حصوں میں بھی بہت سی عینکیں بیچنے والے بھی ہر وقت شکار کے منتظر رہتے تھے۔ یہ لوگ سب کے سب امریکن تھے ۔ اور ہر گذرنے والے سے درخواست کرتے تھے کہ تمہاری آنکھوں کا مفت بلا معاوضہ امتحان کرینگے۔ میں نے پانچ سات کو تو ٹالا۔ ایک دو سے آنکھیں امتحان بھی کرائیں مگر ان سے عینک نہیں خریدی۔ لیکن ایک روز ایک کمبخت نے ادویات کے سیکشن کے قریب مجھے ایسا سبز باغ دکھلایا۔ کہ میں نے ایک عینک اس سے ایک پونڈ کو خرید لی۔ اور جب میں رات کو مکان پر پہنچا تو میرے دوست نے کہ جس کے مکان پر میں ان دنوں فروکش تھا مجھے بتلایا کہ وہ فراڈ کا مال تم نے بیس فراڈ کو خریدا ہے۔

امریکن اخبارات ہر چند کہ اخبارات اور چھاپنے کے فن کی نمایش کا حصہ بالکل الگ تھا جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔ لیکن امریکہ والوں نے اپنے اخبارات اور چھاپنے اور حروف جوڑنے کی کلوں کی نمایش یہیں کی تھی۔ ایک کمرہ میں ہر روز سینکڑوں امریکہ کے اخبارات اور رسالے کھول کر رکھے جاتے تھے۔ اور جو چاہتا انہیں پڑھتا۔ امریکہ کے عجیب و غریب اخبارات اور رسالوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کس قدر عقل و دانش خرچ کی جاتی ہے۔ مجھے امریکہ کے اخبارات اور رسالے انگلستان کے اخبارات اور رسالوں سے بہت زیادہ دلچسپ معلوم ہوتے ہیں۔ میں کئی

گھنٹے ان اخبارات کے مطالعہ میں محو رہا۔ اس کمرہ کے پاس ہی امریکہ کی چھاپنے کی مشینوں - نیویارک لایف انشورنس کمپنی - فوٹوگرافوں اور ٹائپ رائٹروں کا دفتر تھا۔ امریکہ کے اخبار نیویارک ٹائمز کا پیرس کا ایڈیشن ہر روز یہیں چھاپا جاتا تھا۔ اور دیکھنے والوں کے سامنے مشین کے منہ سے نکلتا ہی مفت بٹ جاتا تھا۔ یہ کتنی بڑی انٹرپرائز تھی۔ یہ بہت بڑی تین منزلوں کی مشین تھی۔ جس میں تین رول کاغذ کی چڑھی ہوئی تھیں۔ اور ایک ہی پیچ میں آن واحد میں تین پرچے اخبار کے چھپ جاتے تھے۔ واضح رہے کہ امریکہ کے اخبار نیویارک ہیرلڈ اور نیویارک ٹائمز دونوں کے یوروپین ایڈیشن انگریزی زبان میں ہر روز پیرس سے شائع ہوتے ہیں۔

فرانسیسی بولی تحریری اور تقریری

نمایش کرنے والے لوگ اپنے اپنے سامان کی فروخت کرنے کے لئے ہزار ہا قسم کے دلچسپ اشتہار اور چٹھا دول فہرستیں چھاپ کرلاتے تھے جو عموماً فرانسیسی زبان میں تھے اور تقسیم کرتے تھے۔ اتنا غنیمت تھا کہ میں اب کچھ کچھ ان کا مطلب سمجھنے لگا تھا۔ کیونکہ تھوڑی سی شُدبُد فرانسیسی زبان کی میں نے لاہور میں حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر مزہ یہ تھا کہ باوجود اس تمام جدوجہد کے کسی فرانسیسی کی باتیں سمجھ میں کم آتیں۔ جو لوگ فرانسیسی زبان کتابوں سے سیکھیں گے ان کا یہی حال ہوگا۔ اس زبان میں بہت سے حروف جو لکھے ہوئے ہوتے ہیں تلفظ میں نہیں آتے مثلاً نمایش کے ایک حصہ کا نام Champ de Mars یعنے مرتیج کا کھیت ہے۔ انگریز تو اسکو "شامپ ڈے مارس" پڑھیں گے۔ لیکن فرانسیسی اسکا تلفظ "شان دو مار" کرتے ہیں۔ پیرس کے ایک مشہور بازار کا نام Champs de Elysees ہے۔ جسکو فرانسیسی "شانز لیزی" ...

کہتے ہیں۔ اسلئے اجنبی جس نے ان کے منہ سے سنکر زبان نہ سیکھی ہو ان کا تلفظ سمجھ نہیں سکتا۔

متحرک پلیٹ فارم کی سیر

میں نے تین دن میں اس حصہ نمائش کو سرسری دیکھا آخری روز دیکھا کہ دوسری منزل کے ایک دروازے سے اکثر لوگ باہر کو جا رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ ایک قسم کے پلیٹ فارم ریٹری پر کھڑے ہوتے ہیں جو خود بخود دکھائی جاتی ہے۔ نقشہ نمبر اول میں عمارات نمائش کے اندر شہر پیرس کا ایک حصہ گھرا ہوا ہے۔ جیبرتج کا نشان ہے۔ اس حصے کے گرد یہ پلیٹ فارم برقی طاقت سے دن بھر پہیوں کے اوپر پھرتا رہتا تھا۔ اور اسکا نام "پلیٹ فارم موبیل" یعنی متحرک پٹڑی تھا۔ یہ دراصل دو پلیٹ فارم تھے۔ ایک تو بالکل ساکن تھا۔ سیر کھڑے ہوکر لوگ دوسرے پلیٹ فارم پر قدم رکھتے تھے۔ جو چار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہا تھا۔ لیکن اس سے اگلا پلیٹ فارم جو اس سے چوڑا تھا وہ آٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتا تھا۔ چاروں طرف نمائش کے اندر اسکے کئی سٹیشن تھے۔ جہاں نصف فرانک (۵ھر) دینے پر اسکے اوپر سوار ہونے کی اجازت ملتی تھی۔ ہزاروں عورتیں۔ مرد۔ بچے ہر روز اس پر سوار ہوتے تھے۔ اور جبتک خود اکتا کر نہ اتر جائیں کوئی انہیں نہیں اتارتا تھا۔ ایک پلیٹ فارم سے دوسرے پر آسانی سے قدم رکھ سکتے تھے۔ بہر حال یہ پلیٹ فارم بھی نمائش کا ایک نہایت عجیب نمونہ تھا۔

متحرک سیڑھی

اسکے علاوہ ایک قسم کی متحرک سیڑھی نمائش گاہ کی اکثر دو منزلہ عمارات کے اوپر چڑھنے کے لئے لگی ہوئی تھی۔ جو ہر وقت چلتی رہتی تھی۔ گویا دو رولروں پر ایک آہنی جالی لپٹی ہوئی ہے۔ اور رولر

ہر وقت گردش میں رہتے تھے۔ جس سے وہ ہر دم نیچے سے اوپر کو جایا کرتے تھے۔ اسپر لوگ کھڑے ہوتے تو دم بھر میں دوسری چھت پر پہنچ جاتے تھے۔ دس سنٹیم یا ایک پینی اسکا ٹکٹ تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ سیڑھی کی لکڑی بھی حرکت کرتی رہتی تھی۔ کہ جسکو دونوں طرف تھام کر اوپر چڑھتے ہیں۔ غرض یہ بھی ایک دلچسپ اور نئی ایجاد تھی کہ سیڑھیاں چڑھنے کے لئے دو قدم بھی نہ ہلانے پڑیں۔

کرایہ کی کرسیاں نمائش میں جابجا تھکے ماندے مسافروں کے بیٹھنے کے لئے چند آہنی بنچیں پڑی تھیں۔ لیکن یہ سب لوگوں کے بیٹھنے کے لئے کافی نہ تھیں۔ اسلئے بڑے مینار کے نیچے اور عجائب گاہ کے سامنے ہزاروں ہلکی پھلکی آہنی کرسیاں پڑی رہتی تھیں۔ دن میں کسی وقت تھک کر یا شام کو عموماً قصر برق و قصر آب کی بہار دیکھنے کے لئے لوگ ان پہ بیٹھتے تھے۔ سیاہ پوش بڑھیا عورتیں ان سے کرسیوں کا کرایہ وصول کرنے کو موجود ہوتی تھیں۔ کرسیوں کا کرایہ دس سے تیس سنٹیم (دو سے چھ پیسے) تک ہر دفعہ بیٹھنے کے لئے مقرر تھا۔ خواہ تم دو منٹ بیٹھو یا دو گھنٹے۔ اور اسی طرح مشہور ٹھنڈی سڑک شانزلیزی پر دو رویہ کرسیاں پڑی تھیں جن کے بیٹھنے والوں سے عورتیں کرایہ وصول کرتی تھیں۔

حکمت کا راز حضرت سلیمان کا قول ہے کہ حکمت جواہرات سے بیش قیمت ہے۔ اور اس کی تصدیق نمائشگاہوں کو دیکھنے سے اچھی طرح ہوتی تھی وہاں جاکر معلوم ہو سکتا تھا کہ اہل یورپ کی بہبود و عظمت کا راز کیا ہے۔ جبکہ افریقہ کی بالکل وحشی قوموں یعنی سینی گال اور سینی گیمبیا کے قدیم متوطنوں کے نہایت ابتدائی اور وحشیانہ ساخت کی چیزوں کے پہلو بہ پہلو

یوروپ اور امریکہ کی آخری ساخت کے بیس بیس ہزار گھوڑوں کی طاقت کے کے بڑی تواپی نیم شور مچاتے ہوئے دیکھے جاتے تھے ۔ اہل یوروپ کے بڑے طبقہ میں مجھے کئی ایک اخلاقی قباحتیں نظر آتی تھیں ۔ لیکن ان میں بہت سی خوبیاں محنت و دماغ سوزی ایفائے وعدہ ۔ راست گوئی دیانت کی بھی بطور ایک جماعت کے مجھے نظر آئیں ۔ بقول الکاسب حبیب اللہ کے خدا ان کی محنت کا انہیں انعام دیتا ہے اور اپنے کسب میں کمال حاصل کرنے کی وجہ سے یہ لوگ عزت حاصل کرتے ہیں ؎

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی کس بے کمال ہیچ نیرزد عزیز من

نمائش کا تیسرا حصہ

انومیڈ کی دونوں عالی شان اسباب صنعت و حرفت کی عمارات دیکھ چکنے کے بعد ہمیں دریائے سین کی طرف لوٹ کر بائیں کنارہ پر چلنا پڑتا

اطالیہ کی قومی عمارت | جہاں اقوام یوروپ و امریکہ کی قومی عمارات تھیں ۔ ان میں سب سے پہلے اطالیہ کی قومی عمارت نہایت عالی شان تھی ۔ ان عمارات کی تعمیر میں خصوصیت سے اس امر کو مدنظر رکھا گیا تھا کہ جس قوم یا ملک کی عمارت تھی ۔ اس ملک کے خاص طرز تعمیر کے اعلیٰ نمونوں سے اسے یہاں نقل کیا گیا تھا ۔ اس لئے یہ حصہ نمائش کا ۔ اور ایک دوسرا حصہ جس میں فرانس و انگلستان کی نوآبادیوں اور ممالک مشرق کی تعمیرات تھیں نہایت دلچسپ تھے ۔ کیونکہ ان میں مختلف ممالک کے طرز پہلو بہ پہلو نظر پر نہایت عمدہ اثر پیدا کرتی تھی ۔ اور بعض عمارات

تھا ایسی خوبصورت اور عالی شان اور نرالی طرز کی تھیں کہ ان کے دیکھنے سے جی سیر نہیں ہوتا تھا اٹلی کی عمارات وینس کے مشہور گرجا سینٹ مارک کے نمونے پر بنائی گئی تھی کہ جس کی کیفیت میں سیر وینس کے حالات میں لکھ چکا ہوں۔ بظاہر یہ عمارت ایسی خوبصورت اور عالی شان معلوم ہوتی تھی۔ اور اس پر فن مصوری و نقاشی کہ جس میں اطالئین یورپ بھر میں استاد سمجھے جاتے ہیں۔ بیحد خرچ کیا گیا تھا اور اس خیال پر تعجب ہوتا تھا کہ عنقریب ختم نمایش کے بعد اسے گرا دیا جاویگا۔ اسکا گنبد طلائی تھا اور اس کی دو منزلوں میں اطالئین حرفت کے نمونے خصوصاً آرٹ کے نمونے دکھلائے گئے تھے۔

ترکی کی قومی عمارت اس کے بعد ترکی کی قومی عمارت تھی۔ یہ عربی اور شامی طرز تعمیر سے مرکب تھی۔ قسطنطنیہ کی چند بڑی بڑی پبلک عمارات کے حصے اور خصوصاً عجائب گاہ جینی سیرز کے نمونے پر بنائی گئی تھی۔ اس میں تین منزلیں تھیں۔ پہلی میں چھوٹے چھوٹے زیورات اور کشیدہ کے رومال۔ دوسری میں برتنوں و قالینوں کی قسم کی چیزیں۔ چھوٹی چھوٹی دکانوں میں یہودی زن و مرد بیچ رہے تھے۔ جیسا کہ قسطنطنیہ کے بازاروں کا حال ہو دوسری منزل میں جو دمشق کے ایک قہوہ خانہ اور سلطان احمد کے فوارہ کے نمونے پر تعمیر کی گئی تھی۔ ایک تھیٹر تھا جس میں یہودی اور یہودنیں عربوں اور مسلمانوں کے سوانگ بھر کر اور عربی گیت گا کر اور ناچ کر مسلمانوں کو بدنام کر رہی تھیں۔ مصر الجیریا ٹیونس اور ترکی سب کے مکانات کے ساتھ تھیٹر بھی لگائے گئے تھے۔ ان سب ملکوں میں عورتوں کے ناچنے کی طرز نرالی ہے۔ جس میں چھاتیاں اور کندے پھڑکائے جاتے ہیں۔

اور ناف کے حصے کو تمام جسم سے الگ عجیب طور سے حرکت دی جاتی ہے
جس میں ان عورتوں کو خاص مہارت ہوتی ہے۔ ہندوستان کی رنڈیوں
کا ناچ ان کے مقابلہ میں عین تہذیب کا نمونہ ہے۔ ناچنے والی عورتیں اور
ان کے مرد سب یہودی تھے۔ مگر یقیناً یورپ کے ناواقف لوگ انہیں
مسلمان سمجھتے تھے۔ اور کبھی کبھی جبکہ یہ بدوؤں کا لباس پہنکر رجز خوانی
کرتے تھے اور عربوں کے شادی بیاہ کی رسمیں اور عشرتی زندگی کے ایک
واقعہ کی نقل کرتے جو میں نے بھی دیکھی تھی تو کوئی شخص اُن میں اور مسلمانوں
میں بمشکل تمیز کر سکتا ہوگا۔ ٹرکی کے مکان میں صرف ایک مسلمان مجھے
ملا جو مدت تک انگلستان میں متوقف رہا ہے۔ اور ایک انگریز عورت
سے شادی بھی کی ہے۔ اُس نے کہا گورنمنٹ ٹرکی نے
نمائش میں خاص حصہ لینا پسند نہیں کیا۔ اور نہ کسی

ترکوں کے شریک نہ ہونے کا باعث

مسلمان نے یہاں آنا پسند کیا ہے۔ مسلمان نوجوان یورپ میں آکر
اہل یورپ کی بے حجاب لڑکیوں کو دیکھ کر فریفتہ ہو جاتے ہیں اور مسلمان
نہیں رہتے۔ مجھے یہ سنکر نہایت افسوس ہوا کہ ترک اب تک ایسے
نادان ہیں کہ باوجود کئی صدیوں سے یورپ میں رہنے کے انہیں اتنی عقل
نہیں آئی کہ اسلام ایسا کچا دھاگا نہیں جو ٹوٹ جائے۔ نہ کسی خاص
ملک اور قوم اور آب وہوا سے مخصوص ہے۔ اور بالفرض اگر یورپ
جاکر یہ اہل ہنود کے مذہب کی طرح خراب بھی ہو سکتا ہے۔ تو انہیں کی طرح
پراسچت کرنے سے پھر صحیح وسالم بھی ہو سکتا ہے۔ افسوس ہے کہ اسلام
کے معنے کیسے غلط سمجھے گئے ہیں ؎

زنہار ازاں قوم نباشی کہ فریبند حق را بسجودے و نبی را بدرودے

مگر اس کے بعد مجھے ایک معزز فرنچ لیڈی سے یہ سُنکر اطمینان ہوا کہ جس مدرسہ میں اُن کی جوان لڑکی پڑھتی ہے اس میں چند ترک نوجوان خواتین بھی تعلیم پاتی ہیں۔ جو قسطنطنیہ سے صرف پڑھنے کے لئے آئی ہوئی ہیں۔ اور نیز ایک اور شخص سے معلوم ہوا کہ پیرس کے مختلف مدرسوں اور کالجوں میں چند ترک نوجوان تعلیم پاتے ہیں۔ گو یہ اُن سے بہت کم ہیں۔ جتنے کہ جاپانی طالب علم ہیں۔ جو سات سمند رطے کر کے یورپ اور امریکہ میں ہنر سیکھنے جاتے ہیں۔

ٹرکی کے بعد اضلاع متحدہ امریکہ کا مکان واشنگٹن کے کیپی ٹول کی نقل پر بنایا گیا تھا۔ اس مکان کی زیرین سطح خالی تھی۔ جس میں اہل امریکہ کی آسائش کے لئے ڈاکخانہ تار اور اطلاعدہی وغیرہ کے دفتر تھے۔ مکان کے سامنے

امریکہ کی عمارت امریکہ کی نامور ریبار جارج واشنگٹن کا رنگین بُت گھوڑے پر سوار کھڑا تھا جس نے امریکہ کو انگلستان سے آزاد کرایا تھا مکان کی پیشانی پر آزادی کا فرضی بُت ترقی کی گاڑی میں سوار دکھلایا گیا تھا مکان کے بیچ میں ایک بڑا ہال تھا۔ اطراف کے کمرے اضلاع متحدہ میں سے ہر ایک ضلع کے نام کے الگ الگ تھے۔ اوپر جانے کے لئے دو لفٹ تھے اور سارا مکان برقی روشنی ہوتی تھی۔ اس مکان میں کوئی سامان نمایش نہیں تھا۔ کیونکہ امریکہ کے سامان سے نمایش گاہ کی مختلف عمارتیں بھری پڑی تھیں۔ اسکے اندر صرف اہل امریکہ کی شائستگی کے تمام پہلو دکھلانے گئے تھے۔

ڈنمارک ڈنمارک کا مکان ڈنمارک کے خاص طرز تعمیر میں بڑا دلچسپ معلوم ہوتا تھا۔ اسکے اندر اس ملک کی ساخت کی چیزیں سجائی گئی تھیں۔

آسٹریا	اسکے بعد آسٹریا کا قومی مکان دو منزلہ نہایت عالی شان تھا۔

اس میں نیچے دو تین کمرے صرف اعلیٰ درجہ کے فرنیچر سے سجا کر دکھلانے کے لئے مخصوص تھے۔ دوسری منزل میں کچھ اسباب نمائش ہر قسم کے نمونوں۔ تصاویر و بتوں کی قسم سے تھا۔ ایک بُت ایک مادر زاد برہنہ مرد کا تھا جس نے ایک ویسی ہی مادر زاد برہنہ عورت کو سر سے اونچا اٹھا رکھا تھا۔ اور اور بھی کئی برہنہ تصاویر تھیں۔ جنکے آرٹ کو بہت پسند کیا جاتا تھا۔ ایک کمرہ میں یہاں کے کل اخبارات اور رسالجات کے سرورق چسپاں تھے جو بجائے خود بہت دلچسپ نمائش تھے۔ اور نمونے اخبارات کے بھی موجود تھے۔ کچھ کتابیں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ جن میں سے ایک کتاب میں کہ جسکا نام یہ ہے The Grosse Industries Ostritshe 1848-1898 آسٹریا کی صنعت وحرفت کی ترقی کی کیفیت ۱۸۴۸ء سے ۱۸۹۸ء تک جرمنی زبان میں تفصیل بیان کی گئی تھی نمائش میں آسٹریا یا ہنگری کا جہاں جہاں سامان رکھا ہوا تھا۔ وہیں شہنشاہ فرانسس جوزف کا ایک سونے میں بُت بھی رکھا ہوا تھا۔

پرتگال	پرتگال کا مکان سادہ تھا۔ لیکن اپنی خاص مشرقی نما

طرز کا تھا۔

بوسینیا و ہرزی گووینا	بوسینیا اور ہرزی گووینا کو بھی صبر نہیں آیا کہ نمائش پیرس

میں حصہ نہ لیں۔ اس مکان میں ایک طرف عربی طرز کے ستون لگا دیے تھے اور محراب ایسے طور پر بنائے تھے کہ ایک عالی شان مسجد معلوم ہوتی تھی۔ اور ان ممالک سے ٹرکی کا تعلق یاد آجاتا تھا۔ مگر یہاں ٹرکی کے مکان میں اشیاء ساختہ کی کوئی نمائش نہیں تھی۔ یہاں کی اشیاء ساختہ

کی کوئی نمائش نہیں تھی۔ یہاں کی اشیاءے ساختہ کی خاصی دلچسپ نمائش اس مکان کے اندر موجود تھی۔

پیرو اسکے آگے ملک پیرو کی عمارت تھی۔ جو جنوبی امریکہ کی ایک جمہوری ریاست ہے۔ طرز تعمیر ہسپانیہ کی عمارات کی تھی۔ کیونکہ اس ملک میں پہلے ہسپانیہ کا ہی قبضہ و دخل تھا۔ اوپر دو میناکاری کے مینار تھے۔ دو منزلہ عمارت تھی جس میں پیرو کی ساختہ چیزیں اور عام پیداوار موجود تھی۔ بعض چیزیں یورپ کی اشیاءے ساختہ سے لگا کھاتی تھیں۔ (۳۰۰) مربع گز زمین پر مکان تعمیر کیا گیا تھا۔

ہنگری ہنگری ہر چند کہ سلطنت آسٹریا کا حصہ ہے۔ لیکن اس قوم نے جابجا نمائش میں آسٹریا سے علٰحدہ حصہ لیا۔ چنانچہ اسکا مکان بھی آسٹریا کے مکان سے علٰحدہ تھا۔ جو فن تعمیر کا عجوبہ شمار ہونے کے قابل تھا۔ گیارہ دیا بجار، قوم جتنی طرزیں تعمیر میں استعمال کرتی ہے وہ سب اس عمارت میں جمع تھیں جو جیسی باہر سے خوبصورت تھی ویسی ہی اندر سے۔ ہنگری کی فوجوں کی وردیوں تاریخی یادگاروں۔ اور خانگی زندگی کے سامانوں کے نمونوں اور تصویروں سے مکان نہایت دلچسپ بنایا گیا تھا۔ افسوس ہو کہ یہ چند فقرات اس اثر کا کوئی حصہ بھی پیدا نہیں کر سکتے جو مکان کے دیکھنے سے حاصل ہوتا تھا۔

انگلستان اسکے آگے برطانیہ عظمےٰ کا مکان تھا۔ نمائش کی تیاری کے ابتدائی زمانہ میں جو رایل کمیشن انگلستان نے نمائش پیرس میں حصہ لینے کے لئے مقرر کی تھی۔ حضور پرنس آف ویلیز (حال شاہ اڈورڈ ہفتم) اس کے سرپرست قرار پائے تھے۔ لیکن اس کے بعد وجوہات فرانس و انگلستان کے تعلقات ایسے دوستانہ نہ رہے۔ جس سے انگلستان نے اتنی دلچسپی

نمایش پیرس میں نہیں لی جتنی کہ اُسے لینی چاہیے تھی۔ تاہم بہت کچھ حصہ لیا ہے۔ انگلستان کی قومی عمارت ایک نامور انگریزی مکان ہنگٹن ہوس کے نمونہ پر تعمیر کی گئی تھی۔ نمایش کے طور پر اس میں بہت سا قیمتی اسباب سجایا گیا تھا۔ مثلاً نمونہ ہائے فنون نفیسہ۔ جواہرات۔ زیورات اسلحہ وغیرہ جو انگریزی ساخت کا خاصہ عجائب گھر ہے۔ کئی کمرے انگلستان کو مکان سجانے والے کارخانوں نے اپنے فرنیچر سے سجائے ہوئے تھے۔ داخلہ کے سامنے ہال میں خوبصورت ٹیپشریاں (قالین تصویردار) دیواروں پر سجائی گئی تھیں۔ دوسری منزل پر ایک لمبی گیلری میں انگلستان کی ماضیہ صدی کے مصوروں کے کمال کے نمونے جمع تھے۔ اور جینی کمرہ میں انگریزی ساخت کا بہترین سامان موجود تھا۔

ایران اس کے پچھلی طرف ایران کا مکان تھا۔ عمارت کو دیکھکر بیساختہ ماننا پڑتا تھا کہ ہم ایران کے کسی کوچہ میں تشریف لے آئے ہیں۔ اس عمارت میں اصفہان کے مدرسہ نادر شاہی کا خاکہ اُتارا گیا تھا۔ دونوں سروں پر دو مکانات دو منزلہ تھے۔ جن میں شیشے ایسے طرز سے لگائے گئے تھے کہ دن کو آفتاب اور رات کو برقی روشنی بہت اچھا اثر پیدا کرتی تھی۔ نمایش کے کمروں میں کرمان اور خراسان کے ایرانی قالین خلیج فارس کے بڑے بڑے موتی اور کچھ چینی کی قسم کے برتن تھے۔ شیراز کا عطر گلاب اور کچھ قدیم ایرانی اسلحہ اور دستکاری کے نمونے تھے۔ اِس کے علاوہ بیش قیمت زیورات جو شاہی خاندان کے سوا ایران میں کسی کو دیکھنے نصیب نہیں ہوتے موجود تھے۔ عمارت کے تینوں طرف کچھ نظم خوش خط فارسی نستعلیق میں کندہ تھی۔ اُس میں سے میں نے یہ شعر نقل کر لئے۔ جو ایرانیوں کے خیالات

کا خاصہ نمونہ ہیں۔ اور شہنشاہ مظفرالدین کی معارف پژوہی پر دلالت کرتی ہیں ؎

بگلشن ہنر و باغ معرفت پارس | فگندہ اند بساطے ز صنع دست بشر
زمانہ پرورش فضل می دہد ہر روز | درخت علم کنوں بیشتر گرفتہ ثمر
ہمیشہ تا بجہاں نام علم بودہ بلند | ازیں دیار ہمی نشر کردہ در دیگر
ز ہر دیار بہ ہر ملک خاصہ ایراں | کہ دولت است ہنر پیشہ و ہنر پرور
علی الخصوص بعہد خدیو صاحب جاہ | مظفرالدین شہنشاہ مالبند اختر

اور بڑے دروازے پر یہ شعر تھے ؎

ایں طرفہ بنا کہ دلکش شاہان است | در عرض ہنر ز دولت ایران است
تا ہست جہاں باد مظفر منصور | شاہنشہ ما موید یزدان است

واضح رہے کہ نمائش کی اور کسی عمارت پر کوئی نظم یا شعر نہیں دیکھے گئے البتہ اٹلی کی عمارت پر کچھ تاریخی عبارت تھی۔

بلجیم بلجیم کا مکان اس ملک کے ایک مشہور مکان ہوٹل الا ویل دٹاؤن ہال) کا نمونہ تھا۔ جو سولہویں صدی کا بنا ہوا تھا۔ اور چونکہ اس ملک میں "لیس" مشہور چیز ہے۔ اسلئے اسکی گیلری۔ ستون۔ محراب۔ اور ایک گنبد پر لیس ایسی خوبصورتی سے تعمیر میں دکھلائی گئی تھی۔ کہ فن تعمیر کی بڑی قابلیت ظاہر کرتی تھی۔ نیچے کے کمروں میں بلجیم کے مختلف شہروں کے اسباب کی نمائش تھی۔ اور ایک کمرہ وہاں کے اخبارات اور مطابع کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ دوسری منزل پر سٹیٹ روم اور دوسرے سجے ہوئے کمرے تھے لکسمبرگ کی گرینڈ ڈچی سے بھی ان اقوام عالی شان کے محلات میں اپنا گھر بنائے بغیر رہا نہیں گیا۔ جس میں اس چھوٹے سے علاقہ کی پیداوار اور ساخت کے نمونے تھے۔

ناروے ناروے کا مکان بالکل لکڑی کا بنا کر سُرخ سفید اور سبز رنگا گیا تھا۔ جیسا کہ ناروے کے دیہات کے مکانات ہوتے ہیں۔ چونکہ ناروے کا سمندر کا کنارہ بوجہ دندانہ دار ہونے کے بہت بڑا ہے۔ اور اندرون ملک میں بھی پانی بہت ہے۔ اسلئے ماہی گیری اس ملک کا پیشہ ہے۔ اس عمارت میں یہاں کی ماہی گیری کے قدیم سے لیکر حال تک مختلف سامانوں کا ایک عجائب گاہ موجود تھا۔ جو بڑا دلچسپ تھا۔ پہلو بہ پہلو ماہی گیر اور جنگل سے لکڑیاں کاٹنے والے کی زندگی دکھلائی گئی تھی۔ ایک بڑے چٹان پہ کئی سو پرند جس سے بھرے ہوئے دکھلائے گئے تھے۔ جو بڑا دلچسپ نظارہ تھا۔ ڈاکٹر نانسن جس جہاز میں دو تین سال پہلے قطب شمالی کی تحقیقات کے لئے گیا تھا اُسکا نمونہ اور سامان سفر دکھلایا گیا تھا۔ لیکن منجملہ کئی دیگر اشیا کے ناروے کے باشندوں کے بُت اور اُن کے مکانات کے نمونے تیرھویں سے انیسویں صدی تک وہاں کی زندگی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھینچ دیتے تھے۔

جرمنی جرمنی کا مکان ایک جرمنی کے آخری زمانہ کے طرز تعمیر کے گرجا کے نمونہ پر بنایا گیا تھا۔ جسکا مینار (۲۴۰) فیٹ بلند چلا گیا تھا۔ نیچے کی منزل میں جرمنی میں کاشت انگور کی نمایش بالتفصیل دکھلائی تھی۔ بیچ کے بڑے کمرے میں جو پچاس فیٹ بلند ہے۔ جرمنی کے اُستادانِ فن کی چھت کے آرایش کے نمونے تھے۔ اور جرمنی کی کتابیں چھاپنے اور فوٹوگرافی کے فن کے نمونے بھی یہاں دکھلائے گئے تھے۔ باقی نیچے اور اوپر کے کمروں میں فرنڈیرک اعظم سابق شہنشاہ جرمنی کا بیش قیمت مجموعہ عجائبات سامان آرایش اور محلات ما بُندم (قصر شہنشاہ حال) کا

جیش قیمت فرنیچر معہ دیگر سامان فرنیچر کے نمونوں کے دکھلایا گیا تھا لیکن جو ذی
کی موجودہ دستکاری اور حرفت کے نمونے نمایش گاہ کی عمارات میں قطع نظر
فرانس کے باقی سب ملکوں سے زیادہ تھے۔

بلگیریا | بلگیریا کی عمارت میں داخلہ کا دروازہ و صرف ترکی طرز تعمیر
کا تھا جو دو بلند مربع ستونوں پر قایم تھا۔ باقی عمارت عیسائی طرز کی تھی۔

ہسپانیہ | ہسپانیہ کا قومی محل ہسپانیہ کے زمانۂ "ری نیسنس" کے
طرز تعمیر میں بنا ہوا تھا۔ جس میں مسلمانی طرز عمارت کی بہت سی جھلک
نمایاں تھی۔ اس میں الکالا کی یونیورسٹی (۱۵۵۳ء) ٹولیڈو کے الکزار
(القصر) سالامانکا کی یونیورسٹی وغیرہ مکانات کے حصوں کی نقل اتار دی گئی
تھی۔ اندر ایک بڑے ہال کے گرد دو منزلہ گیلریاں تھیں۔ جن میں ملکی
تصاویر اور فنون لطیفہ کی تاریخی نمایش کی گئی تھی۔ ملکہ ہسپانیہ نے محلات
شاہی سے عجیب و غریب چیزیں نمایش کے لئے مستعاد دی تھیں۔
اور قومی اور پرائیویٹ عجائب خانوں نے بھی بعض چیزیں بھیجی تھیں۔ ہسپانیہ
کی ساختہ چیزیں نمایش کے مختلف حصوں میں موجود تھیں۔

رومانیا | رومانیا ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ لیکن اس کی عمارت میں
بھی اس ملک کے طرز تعمیر کا پورا خاکہ کھینچا گیا تھا۔ مکان کا وسطی ہال ہوریزد
کی خانقاہ سے نقل کیا گیا تھا۔ پہلوؤں کی بیرونی صورت آرکاش کے بڑے
گرجے اور دروازے شاور پپی لوس سے نقل کئے گئے تھے۔ اسلئے مکان کی عام
صورت رومانیا کی خاص تعمیر معلوم ہوتی تھی۔ جسکے اندر ہال کی مختلف پیداوار
اور تصویروں کے نمونے دکھلائے گئے تھے۔

سویڈن | سویڈن کا مکان بھی ناروے کی طرح چوبی تھا اور اس ملک کی

صنعت و حرفت اور تجارت کے نمونوں سے پُر تھا۔ مکان کی تعمیر میں جو لکڑی
خرچ ہوئی تھی وہ بھی سوئیڈن کی تھی۔ لکڑی پر کھودا ہوا کام اور سوئیڈن کی لیس
کے نمونے بہت دلچسپ تھے۔ آزمودہ کار پیشہ ور مانندِ بیٹھے ہوئے اپنے
ملک کی مختلف حرفتوں میں تماشا دیکھنے والوں کے سامنے مشغول تھے
لیس جو ہاتھ سے بنی جاتی تھی اور جو یورپ کی عورتوں کے لباس کا نہایت
قیمتی جزو ہے۔ مَیں نے بنی جاتی ہوئی دیکھی۔ بہت سی چھوٹی چھوٹی لکڑیاں
پر دھاگا لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ جو نیچے لٹکتی رہتی ہیں۔ اور بننے والی عورت ایک
اڈے کے سامنے بیٹھی ہوئی ایسی پھرتی سے اُن دھاگوں کو نیچے اوپر
کرتی ہے جیسے کہ لاہور میں ازاربند بننے والی عورتیں جلدی سے ریشم کی تاریں
انگلیوں سے نیچے اوپر کرتی ہیں۔ ہال کے سامنے پیچھے کی طرف ایک بڑا
کمرہ تکلف طور سے سجایا گیا تھا۔ جس میں ممتاز آدمی (کوئی بادشاہ یا عہدہ دار
جو یہاں آئے) بیٹھ سکتا تھا۔ اِسکے پردے اسی کمرے کے لئے بُنے گئے تھے
اِسکے دونوں پہلوؤں میں دو پینوراما نمایاں تھے۔ جن میں سے ایک
کا نام "شب زمستان" اور دوسرے کا نام شب تابستان" تھا۔ مَیں نے
سفر و اثنا کے حالات میں پینوراما کی کیفیت سمجھادی ہے۔ جو ایک لمبے چوڑے
کپڑے پر کسی مقام کی تصویر ایسی طور پر رنگوں سے کھینچی جاتی ہے اور کپڑے
کو ایسے طور پر ایک سٹیج کے گرد زمین سے چھت تک آویزاں کیا جاتا ہے
کہ دیکھنے والے باور کرتے ہیں کہ وہ کوئی اصلی قدرتی نظارہ دیکھ رہے ہیں
بحالیکہ وہ قدرت کی صرف نقل ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک پینوراما میں
قطب شمالی کے قریب کے ایک برف کے علاقہ کو دکھلایا گیا تھا۔ اور
دوسری میں رات کا رنگ ایسا بنایا گیا تھا۔ جو صبح صادق کی طرح ہو۔ کیونکہ اس

اس ملک میں گرمیوں میں آدھی رات کو بھی آفتاب افق کے قریب لٹکتا ہوا نظر آتا ہے۔ جسکو دیکھنے کو ہر سال ہزارہا لوگ جاتے ہیں۔ دو کمروں میں سویڈن کے اخبارات اور رسالے میزوں پر پڑے تھے جو چاہتا بیٹھکر پڑھتا

یونان

یونان کا مکان خالص بازنطین طرز تعمیر میں بنایا گیا تھا۔ اور چھت کے اوپر نیلگون روغن کی اینٹیں لگائی تھیں۔ ڈھانچ عمارت کا لوہے کا تھا۔ بخلاف دوسری عمارات کے لکڑی کے ڈھانچوں کے اس میں یونان کے زمانہ حال کی اشیائے ساختہ کے ساتھ قدیم یونان کے صنعت مصوری اور بُت تراشی کی حالت بھی دکھلائی گئی تھی۔ یونانی نمائش کرنے والوں نے زیادہ تر شراب۔ تمباکو۔ ریشم اور سوت کے کپڑے معدنیات اور چمڑا دکھلایا تھا۔ اور یونان کی تمام چیزیں اسی مکان میں تھیں جو (۹۵۰۰) مربع گز پر تعمیر کیا گیا تھا۔

سرویا

سرویا کا مکان سادہ شکل کا تین گنبدوں والا خالص اسلامی طرز تعمیر کا تھا۔ گو اِن ملکوں میں اب اسلامی حکومت نہیں رہی۔ لیکن طرز تعمیر پر مسلمانوں کا اثر ایسا نہیں تھا۔ جو اُن کی حکومت کے ساتھ ہی کم ہو جاتا۔ اس مکان کے اندر سرویا کے فن مصوری کے چیدہ نمونے نمایاں تھے۔ یہ مکان دوسری اقوام کے مکانات سے علحدہ جگہ پر واقع تھا۔

میکسیکو

اور اسی طرح میکسیکو کا دو منزلہ مکان علحدہ تھا۔ اس کی تعمیر میں بھی مسلمانی عمارات کی جھلک تھی۔ پیشانی کے ستونوں پر بنی ہوئی گیلری ہسپانیہ کی تعمیر کی نقل تھی۔ کیونکہ جنوبی افریقہ کی ان جمہوریوں پر پہلے پہل ہسپانیہ کا قبضہ تھا۔ جو مدت تک مسلمانوں کے قبضے میں رہ چکا تھا۔ اندر میکسیکو کی پیداوار اور دستکاری کی نمائش تھی۔ میکسیکو کی نوکدار نرالی ٹوپیاں جن میں سے بچوں

کی ٹوپیوں پر بھاری طلائی کام گوٹے اور کتون کا تھا۔ اور بالکل مشرقی لباس معلوم ہوتا تھا۔ گھوڑوں کی زینوں پر بھی طلا کا کام بنا ہوا تھا۔ تکیہ کو کے مکان میں کلیں تو بہت کم تھیں مگر قدرتی پیداوار کی قسم کا سامان بہت تھا۔

قہوہ خانے مندرجہ بالا قریب قریب کل اقوام کے مکانات کے ساتھ قہوہ خانے اور ریسٹورنٹ (کھانے کی دوکانیں) متعلق تھیں۔ جن میں اس ملک کے طرز مخصوص کا کھانا اور پینا مناسب قیمت پر مہیا کیا جاتا تھا کہیں کہیں قہوہ خانوں اور ریسٹورنٹوں میں گاہکوں کو اکٹھا کرنے کے لئے اسی ملک کی پوشش پہنکر یورپین زن و مرد گا اور بجا رہے تھے۔ اور لوگ سامنے کرسیوں اور میزوں پر بیٹھے کھا پی رہے تھے۔ بعض اوقات صرف یہ گانا اور بجانا سننے کے لئے لوگ ان کرسیوں پر جا بیٹھتے جو ہر قہوہ خانہ کے پاس بکثرت پڑی ہوتی تھیں۔ اور کرسی پر بیٹھتے ہی قہوہ خانہ کا ویٹر (خدمتگار) حاضر ہو کر سوال کرتا تھا کہ "کیا ارشاد ہے" یعنی کیا کھانا یا پینا لاؤں۔ مجھے ان ایام میں اکثر دن بھر نمایش میں پھرتے رہنے کے کوفت اور قہوہ خانوں میں کبھی مجبور ہو کر بیٹھ جانا اور شربت لیموں کی بار بار فرمایش کرنا ہمیشہ یادگار رہیگا۔ غریبانہ قہوہ خانوں میں جہاں لیموں کاٹ کر ہاتھ سے نچوڑا جاتا تھا دو تین آنہ کو تازہ شربت کا گلاس ملتا تھا۔ لیکن اچھے قہوہ خانوں میں جہاں سانچے سے نچوڑا جاتا تھا۔ چھ سات بلکہ آٹھ دس آنہ۔ ایک گلاس کی قیمت ہوتی تھی۔ جس میں گیہوں کے پودے کے دو دو ڈیڑھ ڈیڑھ بالشت کی نالیاں (جسے پنجابی میں ناڑ کہتے ہیں) پڑی ہوتی تھیں تاکہ ان کے بیچ سے شربت منہ میں کھینچ لیا جاتے۔ یہ نالیوں کا دستور میں نے آسٹریا جرمنی اٹلی اور پیرس کے قہوہ خانوں میں برابر دیکھا ہے۔ میرے خیال میں اسکی وجہ

یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان لوگوں کے دانت عموماً خراب ہوتے ہیں اور برفاب دانتوں کو تکلیف دیتا ہے۔ اسلئے آئیس ٹی (برفانی چائے) جو میں نے یورپ میں ہی آکر دیکھی ہے۔ جس میں چائے کے گلاس میں برف کا ٹکڑا ڈالا جاتا ہے۔ اور گلاس کے سرے پر دودھ کی جھاگ ایک انچ بلند نظر آتی ہے

قومی شربت

اور شربت برف ان ڈنٹھلوں کی نالیوں سے پیتے ہیں۔ لیکن قطع نظر کم و بیش چائے اور قہوہ کے یورپ کے ملکوں کا عام شربت کسی نہ کسی قسم کی شراب ہے۔ اور یورپ پر کیا منحصر ہے۔ مصر اور مراکو اور ٹیونس اور ٹرکی کے قہوہ خانوں میں ان ملکوں کی انگوری شراب زیادہ تر پی جاتی ہے چین کے قہوہ خانہ میں لوگ جانوروں کے گھونسلوں کا شوربہ اور ایک قسم کی خاص شراب۔ جاپان کے قہوہ خانہ میں جاپان کا قومی شربت ساکی (ایک قسم کی چاول کی شراب) روس کے قہوہ خانہ میں روس کا عام قومی شربت ووڈکا (نوعے از شراب) غرض ہر ملک کے مکان کے ساتھ نرالی قسم کا کھانا پینا موجود ہوتا تھا۔ یقیناً ہر شخص جو اس نمایش میں آیا ہوگا۔ اُس نے اپنے ملک کی طرز تعمیر ضرور دیکھی ہوگی۔ اور سوائے ہندوستانی کے) اپنے ملک کے کھانے پینے کی بھی شکل دیکھی ہوگی۔ میں نے بارہا دور دور سے آکر ٹیونس کے عربی رسٹارنٹ میں کھانا کھایا۔ گو وہ بالکل ہندوستانی طرز کا پکا ہوا نہیں ہوتا تھا تاہم ہندوستان سے بہت ملتا جلتا تھا اور یورپین بے نمک طعام سے جدا قسم کا ہوتا تھا۔ اور ساتھ ہی سستا بھی تمام پیرس میں یہی مکان تھا۔ اسی لئے نمایش گاہ کے تمام عربی ممالک کے باشندے جو بجز معدودے چند کے تمام یہودی تھے اور سینکڑوں سے کم نہ تھے۔ حبشی اور اکثر یورپین بھی یہاں آیا کرتے تھے۔ میں نے روغن زیتون اپنی عمر میں پہلی مرتبہ یہیں کے سلاد میں

کھایا ہے۔ اور صرف اسی خیال سے دل کو تسلی دیتا تھا کہ قرآن مجید میں زیتون کا اچھے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ روغن زیتون تمام یورپ میں کم و بیش کھایا جاتا ہے۔ مگر قسطنطنیہ اور شام میں پہنچکر تو زیتون کا اچار بھی بہت کھایا۔

حفظ صحت کی نمائش

انگلستان کی ساؤتھ کنسنگٹن کی نمائش گاہ سنہ ۱۸۸۴ء میں پہلے پہل حفظ صحت کی آلات اور سامان کی نمائش کا خیال پیدا ہوا تھا۔ مگر اس نمائش میں اسکو تکمیل کو پہنچا دیا گیا تھا۔ انسانی صحت کے متعلق جو کچھ ضروری ایجادیں اور ترقیاں ہو چکی تھیں وہ سب یہاں نمایاں کی گئی تھیں۔ سرد ممالک میں عمارتوں کو بھاپ گرم پانی اور گرم ہوا سے گرم کرنے کے ہر قسم کے سامان مکانوں کی وینٹی لیشن (ہوا دار بنانے) کے متعلق طرح طرح کی ایجادیں۔ کھانا پکانے کے لئے انواع و اقسام کے چولہے اور انگیٹھیاں جو فلزات مٹی اور چینی کی بنی ہوئی ہزاروں نمونوں کی تھیں۔ ان میں سے بعض تیل اور بعض گیس اور بعض برقی حرارت سے گرم کی جاتی تھیں۔ ایک سکشن میں بیسیوں نمونوں کے پانی چھاننے کے فلٹر اور ایک دوسرے میں غسل کرنے کے ٹب پانی کے حمام اور نلکے رکھے ہوئے تھے۔ سنگ مرمر چینی اور ٹائل کے دلکش حمام دیکھ کر طبیعت بغیر غسل کرنے کے ہی خوش ہو جاتی تھی۔ ایک حمام کا ایک پیچ گھماتے سے اس کی دس پندرہ گیس کی بتیاں روشن ہو گئیں اور فوراً اس میں سے گرم پانی نیچے بہنے لگا۔ ایک جگہ فرانس کے مشہور سگ گزیدہ کے علاج کے موجد پاسیٹور کا بُت رکھا ہوا تھا۔ اور اسکے قریب اسکے علاج کا اصول اور عمل دکھلایا گیا تھا۔ طاعون سِل اور دیگر اسی قسم کی بیماریوں کے "بیسلی" یعنے جرم بوتلوں میں بند کر کے رکھے گئے تھے۔ جو میگنی فائنگ شیشوں کے ذریعے بالکل ایسے ہی نظر آتے تھے جیسے کہ مریضوں کے جسم کے اندر

ہوتے ہیں۔ قریب ہی جرمنی کے بل کے مشہور معالج ڈاکٹر کوخ کا ثبت
بھی تھا۔ جسکے قریب اسکے بل اور ٹوبرکلوسس کے علاج اور حفظ ماتقدم
کے سامان تھے۔ جرمنی کے علاوہ انگلستان۔ سوئٹزرلینڈ اور اٹلی نے بھی
اس حصہ میں بہت چیزیں دکھلائی تھیں ۔

بحری و بری فوجی نمایش

دریائے سین کے اسی طرف ان عمارات سے آگے ایک
بہت لمبی چوڑی عمارت "پیلے ڈے سے آرمی ڈے ٹرا سے
ڈے مر تینے" قصر افواج بحر و بر کے نام سے موسوم تھی ۔ جو (۲۲۴۴) فیٹ
لمبی اور (۱۹۴) فیٹ بلند تھی۔ باہر سے یہ عمارت بالکل بھدی نظر آتی تھی لیکن
اسکا اندر عجائبات جنگی سے پُر تھا۔ عمارت زمانہ وسطی کے جنگی تعمیرات کی طرز
پر تعمیر کی گئی تھی۔ جس میں جنگی تعمیرات کے ہر پہلو کو مد نظر رکھا تھا کہیں ایسی
سیڑھیاں لگائی تھیں۔ جیسی کہ قلعوں میں ہوتی ہیں۔ کہیں ایسا تہ خانہ بنایا تھا
جیسا کہ قلعوں کے قید خانے ہوتے ہیں۔ لیکن اس سے قطع نظر جو نمایش
اس عظیم الشان و منزلہ عمارت میں کی گئی تھی۔ وہ نہایت دلچسپ تھی ایک
بڑے حصہ میں فرانس کے جنگی اسلحہ۔ جنگی سامان باربرداری کی گاڑیاں و جانوریاں
ہر قسم کی توپیں۔ بندوقوں۔ گولوں۔ گولیوں وغیرہ وغیرہ وسامان کی نمایش تھی
جو میرے جیسے ناواقف شخص کو بھی حیران کر دیتی تھی۔ یہاں میں نے تین مرتبہ
وغیرہ جان بوجھ کر لکھا ہے۔ کیونکہ فرانس نے جنگی ضروریات میں جدید چیزیں
دکھلائی تھیں۔ ہر قسم کا غلہ جو فوج میں انسان اور جانور کے کام آتا ہے دکھلایا
گیا تھا۔ ہر قسم کی روٹی۔ غلہ اور گوشت اور ترکاریوں کے ست جو سپاہی اپنی
توشہ دان میں تھوڑی جگہ میں لیجا سکتا ہے۔ فوجی روٹیاں اور کھانے پکانے
کی انگیٹھیوں اور چولھوں کی نمایش۔ انواع و اقسام کی شرابوں اور پانیوں کی نمایش تھا

جن سے سپاہیوں کی وردیاں بن سکتی ہیں اور جنگ کی ضرورتیں چل سکتی ہیں جنگی تمغے ہر عہد کے انواع واقسام کے برقی سامان جو جنگ کی خبر رسانی یا کسی دوسرے پہلو میں کام آسکتے ہیں۔ پورے قد کی نقلی کچہریاں اور گھوڑے گولی بارود کے صندوقوں سے لدے ہوئے ہر قسم کے چرمی سامان اور ساز جانوروں کا چارہ۔ اصلی قد کی خوفناک لمبی سے لمبی بحری و بری توپیں۔ جہازوں کے چھوٹے نمونے۔ زخمیوں کے معالجہ کے جراحی سامان زخم سینے کی سوئی تاگے تمک اور بیماروں کی ڈولیوں کی قسمیں۔ غرض جو چیز جنگ کے متعلق سمجھ میں آسکتی ہے وہ سب مع تار اور ڈاک خانہ کے سامان کی نذر کے ساتھ سرکار اور مختلف تجارتی دکانوں نے دکھلائی تھی۔ قریباً آدھے مکان میں دیگر تمام دول یورپ نے اپنے یہاں کے جنگی سامان دکھلائے تھے۔ سنہ ۱۸۰۰ سے سنہ ۱۹۰۰ء تک فرانسیسی فوج کے مختلف عہدہ داروں کی وردیوں اور فرانس کے بادشاہوں اور جنرلوں کی تصویروں اور بتوں کی نمائش علیحدہ کی گئی تھی۔ سینکڑوں مومی بت ہر عہد کے افسروں کی وردیاں پہنکر فوجی آن بان سے کھڑے تھے۔ ایک جگہ میدان جنگ کی شام کا منظر دکھلایا گیا تھا۔ سپاہیوں اور افسروں کے موی بت بنا کر اپنے اپنے کام میں مصروف دکھلائے گئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں خود فرانس کے کسی میدان جنگ میں کھڑا ہوا۔ سن دعن کیفیت دیکھ رہا ہوں فرانسیسی فوج میں جو الجیریا کے مسلمان سپاہی بھرتی ہیں وہ بھی ترکوں کی طرح سرخ ٹوپی پہنتے ہیں۔ الجیری ٹوپیاں ترکی ٹوپیوں سے زیادہ کشادہ اور پست ہوتی ہیں۔ اور ان کے ساتھ بہت بھاری پھندنے آویزاں ہوتے ہیں۔ گھوڑوں اور اونٹوں کے سوار الجیری سپاہی بھی دکھلائے گئے تھے۔ برقی طاقت کی آٹو موبیل گاڑیاں بھی جنگ میں کام آنے کے لئے وضع کی گئی ہیں۔

روس کے مکان میں وسط ایشیا کے تمام قبیلوں جرکس کرد ریگا سک سائبیرین سپاہیوں کے بُت اپنی اپنی وردیوں میں کھڑے تھے۔ مگر آگے چلکر ایک کمرہ میں ترکی فوج کی تمام قسم کی وردیاں پہنکر ترکی سپاہیوں کے فوجی بُت بھی استادہ تھے۔ جنکا محافظ ایک ترک تھا۔ یہ پہلی اور اکیلی ترکی نمائش منجانب گورنمنٹ عثمانیہ ہے جو یہاں موجود ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ترکی فوج ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جسکے سر پر ترکی سلطنت کا مدار ہے۔ اور جس پر ترک ناز کر سکتے ہیں۔ اس شخص نے میرے سر پر سرخ ٹوپی دیکھ کر مجھ سے ترکی میں بات کرنا چاہی مگر جلدی ہی اُسے معلوم ہو گیا کہ میں ترک نہیں تھا۔ تاہم اُس نے میرا مسلمان ہونا غنیمت سمجھا اور اُس نے کہا کہ تمہارے سوائے میں نے کوئی مسلمان پچھلے تین ماہ میں اس مکان میں نہیں دیکھا۔ ممکن ہے بعض مسلمان یورپین لباس اور یورپین ٹوپی میں وہاں گئے ہوں۔ لیکن عجب نہیں کہ کوئی بھی اس مکان میں نہ گیا ہو۔ کیونکہ میری طرح ہر شخص دیوانہ نہیں تھا جو ہر چیز دیکھتا پھرتا۔ باہر سے بھی یہ عمارت کچھ دلکش نہیں تھی۔ ترکی سپاہیوں کے موم کے بت ترکی وردیوں میں نہایت شاندار معلوم ہوتے تھے۔ مگر سوائے بتوں کے اور کسی قسم کے ترکی سامان جنگ کی نمائش نہیں کی گئی تھی۔ مجھے خیال ہوا کہ واقعی یہ ترکی کی اصل حالت کا مرقع ہے۔ اُنکے پاس سپاہی تو گھر کے ہیں مگر سامان جنگ مثل توپوں بندوقوں کے یوروپ سے لینا پڑتا ہے۔ ترکی میں بھی اب بندوقیں اور توپیں بنتی ہیں کہ جن کی مزید کیفیت قسطنطنیہ کے حالات میں درج ہے۔ جرمنی اور آسٹریا نے بھی سامان جنگ کی اچھی نمائش کی تھی۔ شروع میں اس مکان میں حفظ صحت اور جنگ کے سامان سے نمائش شروع ہوئی تھی۔ نیچے کی منزل میں بحری سامان اور تہذیب انگلستان غرض

اور جرمنی کے بڑے بڑے کارخانوں سے نمونے دکھلائی تھیں۔ جنگی جہازوں کے چھوٹے چھوٹے نمونے بہت سے موجود تھے۔ اس کام میں انگلستان سب سے بڑھا ہوا تھا۔ اسی مکان میں فرانس نے اپنی فوج کی گذشتہ صد سالہ حالت کی نمائش بھی کی تھی۔ جس میں گذشتہ سو سال کی وردیاں مومی بتوں کو پہنا کر اور اسلحہ اور ان کی ترقی دکھلائی تھی۔ اور تمام فرانسیسی زرہ بکتر اور فرانسیسی فوجی جھنڈے دکھلائے تھے۔ اس مکان کے بائیں جانب بہت سے مکانات میں جنگی سامان کے ضمیمے تھے۔ ایک مکان میں سب سے بڑی روسی توپ دیکھی۔ ایک مکان بلجیئم کی بندوقوں سے بھرا ہوا تھا۔ کسی میں فرانسیسی فوجی ہسپتال کے مجروحوں اور ڈاکٹروں کے بُت تھے۔ اور کئی اور مکانوں میں ہر قسم کی روشنی کے سامانوں اور کھانا پکانے کے متنوع انگیٹھیوں کی نمائش تھی۔ قریب ہی ایک علیحدہ مکان میں بحری و بری جنگی نمائش کا ضمیمہ ایک مکان میں تھا۔ جس میں روس بلجیم اور انگلستان کی توپیں اور بندوقیں نمایاں کی گئی تھیں۔ بندوقوں کے نمونوں میں بلجیئم بہت بڑھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ روس نے دو بہت بڑی توپیں دکھلائی تھیں جو پچیس پچیس گز سے کم نہ ہونگی۔ اور اسی اندازہ سے اُنکے گولے بھی بڑے تھے۔ آجکل فنون حرب و ضرب پر یورپ کی بہترین عقل صرف ہو رہی ہے۔ اسکے قریب ہی فرانس کی فوج کے روٹیاں پکانے کے تنوروں اور فرانسیسی جنگی ہسپتالوں کی اور نمائش تھی یہاں فرانسیسی سپاہیوں کے یتیم بچوں کے لئے چندہ جمع کرنے کا صندوق بھی پڑا ہوا تھا۔ اسکے قریب مختلف قسم کی روشنیاں مثل برقی۔ ایسے ٹیلین۔ الکحل۔ گیس وغیرہ کے مختلف سامان اور نمونے دکھلائے گئے تھے۔ نمائش سامان جنگ میں میری رائے میں فرانس

کے بعد جرمنی اور پھر روس اور انگلستان کا رتبہ تھا۔

میں نے نمائش کو چھ حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ جن میں سے تیسرے حصے کا بیان ختم ہو چکا۔ لیکن دریا کے داہنی جانب کے چوتھے حصے کا بیان کرنے سے پہلے میں چھٹے حصے کی ایک دو عمارات کا ذکر کر دیتا ہوں جو اقوام کے محلات کی قطار میں واقع ہیں۔ جنگی سامان کی عمارات سے آگے ایک مکان

تجارتی جہاز رانی

"پیلیے ڈالا نیوی گیسیون ڈ اکامرس" یعنی تجارتی جہاز رانی کے محل کے نام سے (۴۰۰) فیٹ لمبا دو منزلہ مکان واقع تھا۔ اس میں دو بڑے ہال اور ایک برآمدہ تھا۔ جو جہاز رانی کے متعلق ہر قسم کے سامان سے جو سمجھ میں آسکتا ہے پُر تھا۔ تمام دنیا کی جہاز رانی کی کمپنیوں نے جہازوں کے چھوٹے ماڈل اور جہاز تعمیر کرنے والے کارخانوں نے جہاز کے استعمال میں آنے والے مصالح ہر قسم لکڑی۔ لوہے۔ تار کے رسے۔ کپڑے۔ ٹاٹ۔ پال۔ کیل کانٹے غرض ہر چیز کے نمونے موجود تھے۔ کئی سو قسم کے آہنی تار اور سوت اور سن اور ناریل کے ریشے اور خدا جانے اور کس کس چیز کے رسے موجود تھے۔ جان بچانے کے لائف بوٹ (Life Boat) کشتیاں۔ لائف بوٹ تیرانے والے قسم کا سامان ربڑ اور کارک کا جسکو لپیٹ کر سمندر میں کود پڑتے ہیں۔ یا سمندر میں ڈوبتے ہوئے اسکے سہارے سے جانبر ہو سکتے ہیں۔ تمام بڑی بڑی جہازی کمپنیوں نے اس نمائش میں حصہ لیا تھا۔ نہر سویز کی کمپنی نے نہر کا نمونہ کئی گز لمبا چوڑا ایک چوبی تختہ پر بنا کر دکھلایا تھا۔ جس میں دونوں طرف کے سمندر نہر اور راستہ کی جھیلیں شیشہ سے دکھلائی گئی تھیں۔ خدیو اسماعیل اور خدیو اسمٰعیل دونوں کے بُت بھی یہاں موجود تھے۔ تمام جہازی کمپنیوں اور دنیا کی سلطنتوں کے جہازی جھنڈے اور جہازوں کے

نمایش کا چوتھا حصہ

اب نمایش کے چوتھے حصہ میں یعنی دریا کی دوسری جانب اقوام غیر کے محلات کے مقابل چلئے۔ جاپانی اور ہالینڈی کے تین شیشہ کے

سوشل اکانومی اور محتاجوں کی امداد

محلات کے قریب کہ جنکا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ ایک عالی شان عمارت محل کانگریس و سوشل اکانومی کے نام سے موسوم تھی۔ اس میں یورپ اور امریکہ کی تمام اقوام نے اپنے یہاں کے لائف اینشورنس کمپنیوں۔ غریب خانوں۔ یتیم خانوں۔ ہسپتالوں کے حالات سے نتائج مستنبط کرکے بتلائے تھے کہ انسان کی اوسط عمر صحت اور بیماری کی حالت میں کیا ہے۔ یعنی فلاں مدت میں فلاں ملک میں کتنے لوگ کہ جنکی جانوں کا بیمہ ہو چکا تھا اچھے بھلے مر گئے اور کتنے بیمار ہو کر مرے۔ کتنا روپیہ غریب خانوں پر خرچ ہوا۔ غریب مزدوروں کے بچوں اور یتیموں کی پرورش کا کیا انتظام کرنا چاہئے۔ مزدوروں کے مکانات بڑے شہروں میں کیسے ہوں۔ کانوں اور کارخانوں میں مزدوروں کی حفاظت اور اُن کے مکانات کے نمونے۔ غریبوں کو خیرات کس طرح پہنچائی جائے۔ چھوٹے چھوٹے پیشے جو غریب لوگ گھروں میں کرسکیں۔ غریب لوگوں کی باہمی امداد کو فنڈ کے جنہیں بلڈنگ سوسائٹیاں کہتے ہیں اور جنکا مقصد یہ ہوتا ہے کہ غریب مزدوری پیشہ لوگ اپنی آمدنی سے تھوڑا تھوڑا بچا کر ہفتہ وار یا ماہوار ان بلڈنگ سوسائٹیوں میں دیتے جائیں اور کام چھوٹ جانے یا بیمار ہوجانیکی حالت میں یہ سوسائٹیاں انہیں مقررہ رقمیں گذارہ کے لئے دیں۔ غریب خانوں کی معاونت کی کمیٹیاں۔ زراعتی قرضہ اور کاشتکاروں کو امداد۔ محنت پیشہ لوگوں کی ضروریات کی دکانیں۔ اُن کی اخلاقی اور دماغی ترقی کے سامان جنکا

غریب خانوں کی امداد کی کمیٹیاں۔ سیونگ بنکوں کے نتائج۔ کوآپریٹو اور مشترکہ سرمایہ کے کاموں کے نتائج۔ مویشی کی پرورش دودھ دہی اور زراعت کے کارخانوں کی حفاظت۔ غریبوں کی صحت کا خیال۔ بیکاروں کو مزدوری دلانے کی کمیٹیاں۔ مزدور عورتوں کے بچوں کی حفاظت۔ مزدوری پیشہ عورتوں اور مردوں کی حالت کی اصلاح۔ اُن کی اخلاقی اور ذہنی ترقی کا سامان پراوی ڈنٹ سوسائٹیاں۔ سامان حفظ صحت کی نمایش۔ غریبوں اور یتیموں کی پرورش کا سامان۔ غریب خانوں اور یتیم خانوں کے لیئے سستا لٹریچر اور تصویریں اِن اور بہت سے اسی قسم کے دوسرے سوشل امور کے متعلق واقفیت کتابوں اور چیزوں کے نمونوں اور ڈایا گراموں کی صورت میں اس وسیع مکان کے مختلف حصوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ سب سے پہلے جرمنی پھر امریکہ۔ انگلستان۔ فرانس۔ بلجیم۔ ہنگری۔ روس۔ اٹلی وغیرہ وغیرہ ممالک کے کمرے تھے۔ انگلستان کے کمرے میں جنرل بوتھ کا ایک نقشہ لنڈن کے مفلسوں کے مقام نمایاں کرنے والا بڑا دلچسپ تھا جسمیں رنگوں کے ذریعہ سے دکھلایا گیا تھا کہ فلاں کوچہ میں کتنے محتاج۔ کتنے متوسط الحال اور کتنے غنی رہتے ہیں۔ امریکہ کے مکان میں وہاں کی محافظ لیڈی سے مجھے طلب کرنے پر ایک سلسلہ مندرجہ بالا مطالب کے پندرہ رسالوں کا دیا۔ جو خاص اسی نمایش میں مفت تقسیم کرنے کے لیئے امریکہ کے وزیر تعلیم نے لکھوائے تھے۔ لیکن جب میں نے ادا کرنے کے لئے انکی قیمت دریافت کی تو اس عورت نے کہا کہ ہم انہیں مفت تقسیم کرتے ہیں۔ اور کہا کہ ہمارے لیئے یہی امر خوشی کا موجب ہے کہ اس خاص مسئلہ سے لوگ دلچسپی رکھتے ہیں۔ ایک دو کمروں میں کھیتی باڑی کے جانوروں کے فوٹوگراف سٹیریوسکوپ میں لگا کر رکھے ہوئے تھے۔ اور اوپر کی منزل میں

مختلف علوم و فنون پر لکچر

ایک (۲۲۰) فیٹ لمبا (۸۰) فیٹ چوڑا ہال کانگرس کے لیئے

بذریعہ اشارات گفتگو کرنے کے جھنڈیوں کے نمونے بھی جمع کئے گئے تھے۔ صرف اسی ایک مکان کی فہرست اشیا دو تین موٹی موٹی جلدوں میں بمشکل سما سکتی ہے۔ اس عمارت کی تعمیر میں جہازوں کے سکان اور رستے اور دوسرے نشان دکھلائے گئے ہیں۔ اسکے بائیں جانب جرمنی کی جہازرانی کی کمپنیوں اور پی اینڈ او کمپنی وغیرہ نے اپنے اپنے علیحدہ مکانات میں اپنے جہازوں کے نمونوں کی نمائش کی تھی۔ جرمنی کے جہازوں کے مکان کے اوپر جو کہ ایک لائٹ ہوس کی نقل تھا ایک بہت بڑا کرہ ارض ہر وقت برقی طاقت سے گھومتا رہتا تھا اور رات کو سمندر کے لائٹ ہوسوں کی طرح زوردار برقی روشنی اس سے نکلتی تھی۔ جس کی سرخ لائٹ روشنی آدھی رات تک چاروں طرف گھوم کر نمائشگاہ اور شہر پر پڑتی رہتی تھی۔ مکان کے اندر جرمنی جہازوں کے نمونے اور جہازوں کے متعلق فاصلہ اندازہ کرنے کے آلات تھے۔ مکان کے وسط میں ایک بہت بڑا برجی دیو بنایا گیا تھا۔ جسکے ایک ہاتھ میں ایک بہت بڑا ہتھوڑا تھا۔ جو اگر ٹھوس ہوگا تو چار من کا ہوگا۔ اور دوسرے ہاتھ سے اس نے کرہ ارض تھام رکھا تھا کہ جسکے ایک قطب کی میخ اسکے منہ میں حرکت کرتی تھی۔ کیونکہ برقی طاقت سے یہ کرہ ہر دم گھومتا رہتا ہے۔ اسی کرہ کے گرد خطوط سے دکھلایا گیا ہے کہ جرمنی کے تجارتی جہازوں کی لائنیں دنیا کے کن کن سمندروں میں گھومتی رہتی ہیں۔

افسوس ہے کہ ان دونوں بڑے محلات کے سامان سے اہل ہند کو کوئی کم دلچسپی نہیں ہوسکتی۔ جہازرانی سے اندرون ملک کے لوگوں کو کام نہیں پڑتا۔ اور ساحل بحر کے لوگ بھی بوجہ جہالت بالکل واقف نہیں۔ فوجی چیزوں سے وہ اور بھی ناواقف ہیں۔ یورپین لوگ یہاں جنگی سامان کی عمارت میں مختلف توپوں اور بندوقوں کو سمجھتے تھے بلکہ ان کی عورتیں تک ان سے دلچسپی رکھتی تھیں مگر مجھے کبھی ایک معمولی بندوق سے بھی ایک فائر کرنے کا موقع نہیں

ملا۔ میں کیا سمجھ سکتا تھا۔

جنگلات شکار و ماہی گیری۔

ٹراکوڈیرو کا پل چھوڑ کر سامنے اُسی قطار میں دریا کے کنارے پر ایک دو منزلہ عمارت (۲۲۳) فیٹ لمبی تھی۔ جس کے اندر دو عمارات علٰحدہ علٰحدہ تھیں جو ایک پچاس فیٹ بلند اور ۲۰ فیٹ چوڑے محراب کو دروازہ سے ملحق ہوتی تھیں۔ جو تمام چوبی تھا۔ یہ عمارت "جنگلات اور شکار و ماہی گیری" کے سامانوں پر مشتمل تھی۔ مگر جنگلات میں دُنیا کی ہر قسم کی جنگلات اور ذخیرے اُن کے چوبی نمونے۔ چھالیں۔ درختوں کے پھل۔ گوندیں اور لکڑی کے ہر قسم کے استعمال آ گئے۔ خواہ مکان کی تعمیر میں لگاؤ جہاز بناؤ۔ ہتھیاروں کے دستے یا کلیں یا کوئی چیز ہو۔ شکار میں تمام جنگلی جانور چرند و پرند اُن کی کھالیں اور پر اور سینگ۔ ہاتھی دانت۔ قیمتی کھالوں کے کپڑے اُن کے سر دانت اور ہڈیاں اور ماہی گیری میں دُنیا کے تمام سمندروں کی ہزارہا قسم کی مچھلیوں اور دوسرے صدفوں اور جانوروں کے نمونے اور مونگا موتی وغیرہ آ گئے۔ مچھلی کے تیل۔ چمڑے۔ ہڈیاں پکڑنے کے ہر قسم کے سامان یعنی جال۔ کنڈیاں۔ نیزے وغیرہ آ گئے۔ گنجائش کہاں ہے کہ اس مکان کی سب اشیا کی تفصیل بیان کر سکوں۔ جسقدر آپ کا وہم و گمان ان اقسام کے متعلقات کے اصناف بنا سکتا ہے بنا لیجئے۔ شکار کرنے کی بندوقیں اور پستول اور پھندے اتنے قسم کے تھے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی مختلف ملکوں کے شکار اور ماہی گیری کے طریقے۔ شکار کے لباس۔ جنگل کے میوجات۔ چھالوں۔ گوندوں۔ جڑوں۔ انڈیا ربڑ وغیرہ چیزوں کے متعلق تمام مشینیں اور آلات قیمتی سمور اور پوستینیں صدہا قسم کی موجود تھیں۔ ایک دسی پوستین کے زنانہ گاؤن کی قیمت غالباً پندرہ بیس ہزار پونڈ تھی۔ یعنی دو اڑھائی لاکھ روپیہ سے بھی زیادہ۔ مختلف ملکوں اور قوموں کے شکاریوں کے بُت قد آدم کھڑے تھے۔ اور مچھلیوں اور جانوروں کے سروں کے صدہا نمونے ہر ملک کے آویزاں تھے ٭

زنجیروں یا میخوں سے ان کے مغلوب میزوں سے جڑے ہوئے تھے۔

پیرس قدیم

اس سے آگے دریا کے کنارے پر ایک لمبا چوڑا مکان
کئی حصوں میں قدیم پیرس کے نام سے موسوم تھا۔ اس میں قدیم زمانہ کی
شہر پیرس کی خاص خاص اور نمونہ کے مکانات کی ٹھیک نقل اتاری گئی تھی
یورپ کے زمانہ وسطی اور بعد کے زمانہ ری نیسنس (ترقی) اور ۱۷ و ۱۸ ویں
صدی کے پیرس کے الگ الگ نمونے دکھلائے گئے تھے۔ اندر کے
لوگوں کے لباس اسی زمانہ کے تھے۔ عورتیں مرد دکاندار ملازم نوکر آقا سب
کے اسی زمانہ کے لباس اور لمبے بال پوڈر آلودہ تھے۔ یہاں تک کہ مکان بھی
اسی زمانہ کی طرز کے اور اسی مصالح سے تعمیر کئے گئے تھے جو اس وقت
مروج تھا۔ حال کے پیرس اور اس وقت کے پیرس میں زمین و آسمان کا فرق
ہے جسے دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ کہ مرور زمانہ کے بعد قومیں کس قدر
بدل جاتی ہیں۔ اس کے اندر متعدد ریسٹورنٹ ایک تھیئٹر اور اور بھی تماشا گاہیں
تھیں۔ کہ جہاں تھیئٹر اور موسیقی کے استاد آ کر کمال فن دکھلاتے تھے۔ اسی
مکان میں پیرس کے قدیم تعلیمی حرفتی سکولوں سے لے کر آج تک کی ترقی
دکھلائی گئی تھی۔ قدیم زمانہ کی باغبانی کا نمونہ بھی دکھلایا تھا۔ جو آج حد عروج
کو پہنچ گئی ہے۔

پودوں اور جانوروں کی نسل کی ترقی

کیسی عجیب بات ہے کہ قطع نظر پھولوں اور پھلوں کے
درختوں کی ٹہنیاں صرف ایک طرف یا دوسری طرف کی
قطار میں سدھائی جا سکتی ہیں۔ مثلاً ایک پھل کے درخت کی صرف اس
شکل کی ٹہنیاں ہیں اور دوسرے کی صرف اس شکل کی ہیں۔ کہ
جنگلہ پہلے بانس کی کھپچیاں باندھ کر ان صورتوں میں سدھایا جاتا ہے اور پہلی
قسم کے شاخوں والے درختوں کی قطار میں ہر درخت کی شاخیں ساتھ کے درخت
سے اس طرح ملا دی ہیں کہ شاخوں اور پتوں کی اس شکل کی

ایک لمبی جالی نظر آتی ہے۔ ان لوگوں نے پھولوں پھلوں۔ درختوں اور ترکاریوں تک کو اپنے مطلب کے مطابق عمدہ بنا لیا ہے۔ نباتات کو ہی نہیں بلکہ حیوانات کو بھی اپنے ڈھب کا بنا لیا ہے۔ یہاں ہل جوتنے اور بوجھ کی گاڑیاں کھینچنے والے گھوڑوں کی نسل گاڑی کے تیز رفتار گھوڑوں سے علحدہ ہے۔ پہلی قسم موٹی بھدی اور بارکش ہے۔ دوسری تیز اور خوبصورت ہے۔ بھیڑی۔ بیل اور سور کو چونکہ یہ لوگ صرف گوشت کے لئے پالتے ہیں اسلئے یہ جانور ایسے موٹے تازے اور صرف گوشت کے مربع لوتھڑے ہوتے ہیں کہ جنکے نیچے صرف ٹانگیں اور سامنے چھوٹے چھوٹے سر نظر آتے ہیں اب ان کی نسلیں ہی اس ڈھب کی ہوگئی ہیں جنکے تیار کرنے میں اس قسم کی کوشش کی گئی ہے۔ کہ جس گھوڑے کو بھدا اور بارکش پایا۔ اسکو اسی صفت کی گھوڑی سے ملاکر بچہ لیا۔ اور پھر اگلی نسل میں بھی یہی امر مدنظر رکھا تو چند پشتوں میں یہ ایک علحدہ نسل قائم ہوگئی۔ اس قسم کا ذرہ ذرہ سا فرق بہت بڑا نتیجہ پیدا کرتا ہے۔

اب نمایش کے باقی دو بڑے حصوں یعنی پنجم و ششم میں کل ایشیائی اور افریقی اقوام اور کل دنیا کی بہترین کلوں اور تعمیر و تعلیم کے طریقوں کا سامان جمع کیا گیا تھا۔ جو کچھ ان کلوں کی عظیم الشان عمارتوں میں میں نے علم برق اور مکینکس کے شعبدات اور عجائبات دیکھے ہیں وہ میں کبھی بھول نہیں سکتا۔ واقعی علم بہت بڑی طاقت ہے۔ کیسے کیسے عظیم الشان لوہے کے مینار اور پل اور پہیے بڑے۔ برقی دخانی اور مکینکل طاقتوں سے کیسی سرعت اور سہولیت سے چل رہے ہیں کہ جنکے سامنے ہاتھی بھی چیونٹی کی طرح پس جانے۔ مگر ایک آٹھ دس سال کا بچہ بھی انہیں مناسب مقام سے تھام کر روک سکتا ہے۔ واقعی علم بڑی طاقت ہے۔ اور جہالت کی طاقت اسکے مقابلہ میں ایسی ہی بے حقیقت ہے جیسے کہ سوڈان کے ہزار درویشوں کے غول انگریزی میکسم

اس میں فرانس کی آبادی کے مختلف سوشل حالات کے متعلق نہایت عمدہ اعداد و شمار کے بڑے بڑے نقشے آویزاں تھے۔ مثلاً جن سے سرسری نظر سے معلوم ہو سکتا تھا کہ فرانس میں یتیم کتنے ہیں۔ یا سارے ملک میں مفلس کتنے ہیں۔ اور وہ کہاں کہاں رہتے ہیں۔ گونگے اور بہرے کتنے ہیں سکول اور ہسپتال کتنے اور کہاں کہاں ہیں۔ اس مکان میں ایک ہزار آدمی بغرض میز کے گرد بیٹھ سکتے تھے اور ان معاملات کو سن سکتے تھے کہ جن کے لئے یہ کانفرنسیں منعقد ہوتی تھیں۔ کل (۱۲۷) ایسی کانفرنسیں مختلف تاریخوں میں اس عالی شان مکان میں ہوئیں۔ جن میں سے بعض میں سپیکروں نے میجک لینٹرنوں کے ذریعہ سے بھی اپنے مطالب حاضرین کے ذہن نشین کئے۔

ارشتہ مضامین نمایش گاہ کی تعلیمی اغراض کا یہ جلسہ بہت بڑا جزو تھا۔ اور پہلے سے ہی انتظام کیا گیا تھا کہ صرف دنیا کے وہ مختلف علما جو مختلف علوم و فنون اور ترقی کے مسائل میں دستگاہ رکھتے ہوں۔ ان مسائل پر بحث کریں کہ جن کی تحقیقات اور تلاش میں ان کی عمریں صرف ہو چکی تھیں۔ یورپ کے مختلف ممالک میں بسر پرستی منتظمان نمایش اس غرض کے لئے متعدد کمیٹیاں قائم ہوئی تھیں۔ اور انہوں نے اپنی طرف سے سپیکر نامزد کئے تھے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل ارشتہ مضامین پر مین کورس لکچروں کے نمایش گاہ میں دیے جانے قرار پائے۔ اور یہ کل مضامین۔ آرٹ۔ صنعت و حرفت۔ حفظان صحت۔ تعلیم طب اور پولیٹکل اور سوشل اکانومی پر مشتمل تھے۔

سائنس آرنی تھالوجی (پرندوں کا علم)۔ میٹی آرولوجی (علم حوادث موسم)۔ علوم طبعی۔ علوم ریاضی۔ جیالوجی و طبقات الارض۔ علم برق۔ انتھروپالوجی اور آرکیالوجی (انسان کی طبعی ساخت اور اشیاء قدیم کا علم)۔ سائیکالوجی (علم دل و دماغ)۔ انتھوگرفی (علم خصوصیات

نسل انسان)۔ کسٹری (کیمیا)۔ باٹنی (علم نباتات)

ملکی علوم اور متعلقہ رشتیں	باغبانی۔ جنگلات۔ کانیں اور معدنیات۔ کاشت انگور۔ بیمہ مال وجان۔ بیمہ زندگی کے کاروبار کے

حسابات۔ زراعت۔ میٹر ئیل کی آزمایش۔ دخانی انجن اور مشینیری عملی میکنیکل۔ فن عمارت اور بحری تعمیرات۔ فوٹوگرافی۔ عملی کسٹری۔ جہازرانی۔ دواسازی۔ تجارتی اور مادی پیداوار کا جغرافیہ۔ گراموں سے کاشت میوجات۔ ریلیں۔

طب اور حفظان صحت تعلیم	پیشہ طبابت۔ علم طب۔ ڈرماٹولوجی (علم امراض جلد) دندان سازی۔ حفظ صحت۔ ہپناٹزم (مقناطیس حیوانی) جدید زبانوں کا سکھلانا۔ اعلیٰ تعلیم۔ سوشل سائنس کی تعلیم

پرائمری تعلیم۔ سیکنڈری تعلیم۔ ٹکنیکل اور انڈسٹریل تعلیم۔ تعلیمی کتابیں اور رسالے۔ بیلٹوگرافی۔ نقشہ کشی کی تعلیم۔ پاپولر ایجوکیشن۔ فن زراعت کی تعلیم۔

سوشل اور پولیٹیکل ایکانومی	سستے مکانات۔ کنٹمپوری ہسٹری (معاصرانہ تاریخ)۔ عورتوں کا کام اور زنانہ انسٹی ٹیوشن۔ زراعتی سنڈیکیٹ۔

قرضہ کے بینک (کریڈٹ بینکس)۔ کوآپریٹو پروڈکشن۔ مشترکہ سرمایہ کی کمپنیاں۔ کوآپریٹو سوسائٹیاں۔ انٹرنیشنل کوآپریٹو الائنس تجارت اور حرفت۔ کولونیل سوشیالوجی۔ امداد مفلسان (پوور ریلیف)۔ اندھے۔ گونگے بہرے۔ خلاف بردہ فروشی۔ نوآبادیاں۔ تاریخ مذاہب عورتوں کے حقوق۔ سوشل تعلیم۔ امن۔ بحری قانون۔

جتنا مجھے یوروپ کے مختلف ممالک کی زبانیں نہ جاننے کا اس مکان میں افسوس ہوا کہیں نہیں ہوا۔ میں ان مضامین کے متعلق مختلف ملکوں کے حالات دیکھنا چاہتا تھا۔ جن کی کتابیں یہاں بکثرت میزوں پر پڑی تھیں اور

ہوا تھا جسکی ہزاروں بلوریں کرنیں آفتاب سے جا ملتی تھیں۔ لیکن رات کے وقت اسکے پانچ ہزار رنگین لیمپوں کی روشنی قابل دید ہوتی تھی۔ علم برق کو جان بوجھ کر نمائش کے عین وسط میں عزت کی جگہ دی گئی تھی۔ کیونکہ یہہ پہلا موقع تھا کہ کسی نمائش میں اسپر پوری توجہ کی گئی ہو۔ اور علاوہ اس کے برق کو بیسویں صدی کے عجائبات کا پہچا جاتا ہے۔ اور اس نمائش کی حیات کا تو واقعی یہی قصر برق منبع تھا۔ کیونکہ یہیں سے تمام کلوں کو چلانے کے لئے برق کی طاقت بہم پہنچائی جاتی تھی۔ اور تمام نمائش کے لاکھوں برقی لیمپ اسی سے روح حیات پاتے تھے۔ سینکڑوں میل برقی تار اس عجائب گاہ کے چپہ چپہ پر زیر زمین اور زیر دریائے سین پھیلی ہوئی تھی جو ایک بٹن کے دبانے سے اس تمام نمائش کے [illegible] کمروں اور حجروں اور مکانوں کو روشن کر دیتی تھی۔ مگر یہ روشنی صرف راتوں کو ہی اپنے جلوے نہیں دکھلاتی تھی بلکہ دن کو بھی ایک جگہ کام آتی تھی۔ ۱۰ اگست کی دوپہر کو میں کلوں کے سکشن میں طرح طرح کی کلوں

قصر برق — کو دیکھ کر۔ حیران ہو رہا تھا کہ برقی سامان کے صیغہ میں پہنچگیا۔ یہاں پہنچکر دیکھا کہ برقی طاقت سے ایسے ایسے عجیب و غریب کام لئے جاتے ہیں جنسے گمان ہوتا ہے کہ وہ زمانہ دور نہیں ہے جبکہ انسان کی ہر ضرورت کا انصرام برقی طاقت سے ہی ہوا کریگا۔ یہاں میں نے دیکھا۔ کہ صدہا مرد اور عورتیں ایک سیڑھی کے راستے سے دوسری منزل پہ جا رہے ہیں۔ اور اتنے دنوں کے تجربہ سے یہ بات مجھے بخوبی معلوم ہو گئی تھی۔ کہ نمائش میں جدھر بہت سے زن و مرد جا رہے ہوں ادھر ضرور کوئی قابل دید چیز ہوتی ہے۔ میں بھی اسی ہجوم کے ساتھ ایک بہت بڑی

جادو کا کمرہ — شش پہلو کمرہ میں داخل ہو گیا جس کی پیشانی پر سونے حروف میں Salle de Illusion (سال ڈا الیوزی اون) یعنے دھوکے کا کمرہ لکھا ہوا تھا۔ اور واقعی یہہ عجیب کمرہ تھا جب دو تین

ہزار مرد اور عورتیں اس میں سما گئے تو کمرہ کا دروازہ بند کیا گیا۔ اور اس میں اندھیرا چھا گیا۔ مگر ایک آن واحد میں بیشمار برقی لیمپ اس میں روشن ہو گئے اور مکان جگمگا اٹھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس میں چھ بہت لمبی گیلریاں دور دور تک بنی ہوئی تھیں۔ اور ان میں ہر طرف ستونوں کی قطاریں انتہا تک چلی گئی تھیں۔ یہ ستون بھی چھوٹی چھوٹی برقی لمپوں سے ڈھنپے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ تھوڑی دیر میں ان میں سے بعض لمپوں کا رنگ سرخ اور بعض کا سبز اور ایک دم زدن میں سب کا نیلگوں اور کبھی سفید براق ہو جاتا۔ اور کبھی ایک دم کے لیئے سب لیمپ گل ہو جاتے اور کمرہ میں گہری تاریکی چھا جاتی۔ لیکن جب سب لیمپ مختلف رنگوں کے چشم زدن میں روشن ہو جاتے تو اس شیشہ کے مکان میں عجیب سماں نظر آتا۔ جو ہر فرد بشر کہ جس نے ایک دفعہ اسے دیکھ لیا ہے عمر بھر کبھی فراموش نہ کریگا۔ ناظرین مندرجہ بالا سطور کے معائنہ کے بعد اپنے واہمہ کو کھلا چھوڑ دیں تو کچھ اندازہ اس عجیب کمرے کا لگا سکتے ہیں۔ لیکن دراصل یہ کمرہ اتنا وسیع نہیں تھا اور نہ اس میں اتنے لیمپ اور اتنے ستون تھے کہ جتنے نظر آ رہے تھے۔ اسکی تمام دیواریں اور چھت سالم شیشہ کے بڑے بڑے ٹکڑوں کی تھیں کہ جن میں بہت سے برقی لیمپ لگے ہوئے تھے۔ اور چند ٹکڑوں میں چھ ستون برقی لیمپوں سے سجے ہوئے نصب تھے۔ برقی لمپوں کے یکایک روشن ہو جانے سے جہاں تک نظر جاتی تھی معلوم ہوتا تھا کہ کمرہ کے ہر طرف گیلریاں اور ہزاروں ستون چلے گئے ہیں۔ اور حد نگاہ تک آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں۔ لیکن دراصل نگاہ کو شیشہ محل کی وجہ سے دھوکا ہوتا تھا۔ تماشہ کے خاتمہ پر سب زن و مرد نے خوب تالیاں بجا کر داد دی۔

برقی سامان اس کمرے کے قریب دوسری منزل پر یورپ کے مختلف ممالک کے برقی سامان کی دکانیں تھیں۔ اور ان میں جو جو برقی شعبدے

دوپوں کے مقابلہ میں ثابت ہوتے ۔

نمایش کا پانچواں حصہ

نمایش گاہ کو مَیں نے اپنی تجویز میں جن چھ حصوں پر تقسیم کیا تھا ان میں سے چار کا مختصر بیان ہو چکا ہے ۔ اب شکار اور ماہی گیری کے سامان کی عمارت کو دیکھ کر باہر نکلنے کے وقت دریا تمہارے بائیں طرف ہوگا ۔ اور پیرس کا مشہور آہنی مینار (ایفل ٹاور) تمہارے دائیں طرف ۔ بائیں طرف دریا کے پار ٹراکوڈیروئی خوبصورت عمارات مختلف طرز تعمیر کی موجود ہیں جن میں مراکو اور الجیریا مصر اور ٹونس کی عربی طرز تعمیر کی عمارتیں چینی جاپانی جاوی وغیرہ ملکوں کی تعمیرات کے پہلو بہ پہلو دل لبھا رہی ہیں یہ ممالک یورپ کے مقبوضات اور نوآبادیوں کا سکشن ہے ۔ اور انہیں میں ہندوستان اور سیلون کی عمارات بھی ہیں ۔ یہ چھٹا حصہ نمایش کا ہے ۔ لیکن ایفل ٹاور کی دوسری طرف جو عظیم الشان عمارات دونوں طرف دور تک چلی گئی ہیں اور آخری حصہ پر قصر برق اور سبار آب کے محل نے انہیں ملحق کر دیا ہے یہ ہر قسم کی صنعت و حرفت اور علوم و فنون کے شعبوں اور کلوں کی عمارات ہیں جو پانچواں حصہ نمایش کا ہیں ۔ علاوہ علوم و فنون کے انہیں دونوں حصوں میں دل بہلاؤ کے سامان بھی زیادہ ہیں ۔ کہ جن میں نہ صرف تھئیٹر اور قہوہ خانے شامل ہیں بلکہ پینوراما و ایوان مینار ایفل علاوہ دوسری دلچسپی کی چیزیں کہ جنکا حال اخیر میں درج کیا جائیگا موجود ہیں ۔ پانچویں حصہ کی بھی عمارتیں کہ جن میں کان کنی ۔ کپڑا بننے کی کلوں ۔ زراعت صنعت کستری ۔ سول انجنیری اور ریلوں ۔ فن تعلیم ۔ لٹریچر سائنس و آرٹ و برق وغیرہ علوم اور حرفتوں کے سامانوں اور کلوں اور نمونوں کے رکھنے کے

لئے وسیع جگہ تیار کی گئی تھی۔ در اصل نمائشگاہ کہلانے کے لائق تھیں۔ اور
یہ اتنی وسیع اور اتنے سامان سے پُر تھیں کہ انہیں کو پورے طور پر دیکھنے کے
لئے مدت درکار تھی۔ یہ سب عمارتیں اندر سے آپس میں ملی تھیں۔ صرف
جہاں ایک صیغہ کی نمائش کی چیزیں ختم ہو جاتیں۔ وہاں سے دوسری صیغہ
قصر برق
کی شروع ہو جاتیں۔ اگر قصر برق کو سینہ یا سر قرار دیا جاوے کہ
جسکے سامنے دلکش فواروں اور آبشاروں کے لئے "شاٹو ڈاؤ" کے نام
سے ایک تماشائے آب کا حوض اور آبشار تھے تو دونوں طرف کی صنعت
و حرفت اور علوم و فنون کی عمارات بمنزلہ دونوں بازوؤں کے نظر آتیں کہ
جسکے خاتمہ کے قریب سر بفلک ایفل ٹاور واقع تھا۔ یہ قصر برق رات کے
وقت روشنی کرنے کے کام آتا تھا کہ جسکے ہزاروں برقی چراغان کے ایک
طرفۃ العین میں روشن ہو جانے سے تمام نمائش گاہ عالم نور ہو جاتی۔ اور جو
فوارے اور آبشاروں کو معمولی لطف دکھلاتے تھے اب ہزارہا مختلف الالوان
برقی لیمپوں کے سامنے واقع ہونے کی وجہ سے ان پر قوس قزح کے تمام
رنگ منعکس ہوتے۔ اور یہ دور تک پھیلے ہوئے نور کے شعلے بلا مبالغہ
ایک ایسا خوارق العادہ نظارہ پیدا کرتے کہ بلا اسکے دیکھنے کے اُسکا قیاس
میں لانا مشکل ہے۔ ہر شب کو تو اس قصر برق کو روشن نہیں کیا جاتا تھا۔
لیکن جس شب کو یہ روشن کیا جاتا۔ نمائش گاہ کے اس وسیع میدان میں
جو عجائب گاہ ٹراکوڈیرو تک چلا گیا تھا۔ دن سے زیادہ رونق ہوتی۔ اسی قصر
آب کے پیچھے وہ برقی روشنی بھی تیار ہوتی تھی جو نمائش کی دوسری عمارتوں
میں استعمال کی جاتی تھی۔ قصر برق کی شناسائی کے لئے اسقدر اور بتلا دینا
مناسب ہے کہ اسکی چوٹی پر ایک "برق" کا قیاسی بت ایک چھتر میں بٹھلایا
گیا تھا جسے "بجلیاں" اور ڈراگن وو دیوتا کھینچتے تھے۔ دن کو تو یہ شیشے اور
لوہے کا بت معلوم ہوتا تھا کہ جسکے عقب میں شیشہ کا ایک بڑا آفتاب بنا

سنگ میں سے تراشا گیا تھا۔ اس سے آگے مختلف دھاتوں کی بنی ہوئی چھوٹی چھوٹی چیزیں مثل گھنٹیوں۔ زنجیروں۔ باغبانوں اور دیگر حرفت پیشہ لوگوں کے اوزاروں۔ گھر کے برتنوں اور چاندی سونے کی اشیا کے سجی کی گئی تھیں۔ اس میں اٹلی جرمنی روس۔ انگلستان۔ سویڈن ناروے بلجیم اضلاع متحدہ امریکہ اور آسٹریا ہنگری نے مختلف معدنی اور آہنی چیزیں اور کلیں اور انجن دکھلانے میں کافی حصہ لیا تھا۔ اس صیغہ کے شروع میں بعض آہنی

نب بنانا

کارخانوں نے اپنی بنائی ہوئی آہنی چیزوں کو سجا کر ان سے بڑے بڑے دروازے بنا دیئے تھے۔ یہیں میں نے نب بنانے کی دو تین مشینیں دیکھیں جنہیں سوئٹزرلینڈ کی عورتیں اپنی وطنی لباس میں نب بنانے میں مصروف تھیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی دستی مشینیں تھیں۔ پہلے ان میں سے ایک میں ایک لوہے کے باریک پترہ کو بمقدار نب کے کاٹا جاتا تھا دوسری میں اسکو نب کی شکل میں ٹیڑھا کیا جاتا تھا۔ تیسرے میں شگاف دیا جاتا۔ اور چوتھی میں اس پر حروف وغیرہ چھاپے جاتے تھے۔ گویا ایک ہی پریس میں مختلف چار ڈائیاں لگانے سے یہ کام چل سکتا ہے۔ اور اس طرح نب بنانے کی مشین پر پانچ سات سو روپیہ سے زیادہ خرچ نہیں پڑیگا۔ البتہ نب بنانے کے لئے لوہے کو کمانا اور نب کو کافی آب دینا تجربہ سے سیکھا جاسکتا ہے۔

کپڑے۔ سوت اور تاگے کے صیغہ میں ہر قسم کی اون۔ ریشم۔ روئی السی اور سن وغیرہ کے موٹے اور پتلے کپڑے اور تاگے موجود تھے۔ اور ریشم وغیرہ ریشوں کے تیار کرنے کی مختلف منزلیں نمونوں سے دکھلائی گئی تھیں۔ یعنی ریشم کے کیڑے کی ابتدائی حالت سے لے کر ریشم کے

لباس وغیرہ

چھولدار کیڑے اور اسکے بہترین سلے ہوئے لباس تک پہلو بہ پہلو رکھے گئے تھے۔ فرانس ریشم کی عمدگی کے لئے خاص کر مشہور ہے

درزی کے کام اور سلائی کی مختلف شاخوں زردوزی وغیرہ کا کمال بھی پوشاکوں کے نمونے دکھلا کر نمایاں کیا گیا تھا۔ مختلف ملکوں کی روئی کے ریشوں کی طوالت کا مقابلہ کیا گیا تھا۔ اونی۔ سوتی کپڑے سفید چھاپے ہوئے اور رنگے ہوئے۔ دھونے اور رنگنے کے مصالحے غرض کپڑے کی متعلق جو امر اعلیٰ سے اعلیٰ خیال میں آسکتا ہے یہاں موجود تھا۔ اور اس کے علاوہ مختلف قسم کے کپڑے اور جالیاں اور لیسیں اور فیتے اور قیطنیں اور گوٹے بننے اور کاتنے کی مشینیں بھی پہلو بہ پہلو رکھی گئی تھیں جو کام کر کے دکھلا رہی تھیں۔ ایک مکمل مشین کپڑا بننے۔ روئی دھننے سے لے کر کپڑا تیار کر دینے تک کی یہاں پڑی تھی جسے روس کے ایک ٹکنیکل سکول کے لئے خرید لیا گیا تھا۔ ریشمی منسوج کی کلیں اور جرابیں اور بنیان بننے کی کلیں بھی یہاں کام کر کے دکھلا رہی تھیں۔ ہر قسم کے زنانہ بیش قیمت کپڑے ٹوپیاں دستانے دستی چھڑیاں اور بوٹ انواع و اقسام کے تھے۔ تاگے اور باریک اور موٹے رسے بٹنے کی کلیں اور سامان اور مال کے نمونے الگ تھے۔ اور جس طرح کہ ہر صیغہ کے ساتھ ایک "رٹروسپکٹو" یعنی گزشتہ زمانہ کی اسی حالت کی چیزوں کی نمائش اس نمائشگاہ میں دکھلانے کا انتظام کیا گیا تھا کپڑوں کے صیغہ میں یہ بڑی تیاری سے دکھلائی گئی تھی یورپ کے ہر عہد اور خصوصاً فرانس کے عروج سلطنت کے زمانہ کے کپڑوں سے فیشن اور نامور بادشاہوں بیگمات اور امرا کے کپڑوں ٹوپیوں اور چھڑیوں وغیرہ کے نمونے اور ان کی تصاویر جمع کی گئی تھیں۔ پوشاکوں کے بعض نمونے نمائش کے ایک دوسرے حصہ میں موم کے بتوں کو پہنا کر دکھلائے گئے تھے۔ اور بعض کو پینورامے بنا کر دکھلایا گیا تھا۔

خوشبوئیں وغیرہ اسی صیغہ کے ساتھ خوشبوؤں کا صیغہ تھا۔ فرانس عطریات کے لئے بڑا مشہور ملک ہے۔ مختلف اقسام کے عطریات کی خوبصورت

میں نے دیکھے وہ بیان کرنے مشکل ہیں۔ جرمنی آسٹریا انگلستان اور اضلاع متحدہ امریکہ کے برقی آلات کی دوکانیں بہت زیادہ اور پُر رونق تھیں ان میں انواع واقسام کی طاقت کی بائٹریاں طبی عمل روشنی اور طاقت حاصل کرنے کے لئے موجود تھیں۔ سینکڑوں قسم کے فونوگراف اور گریفوفون اور ٹیلیفون اور روشنی کے لمپ اور طاقت کے اکاموبیلیٹر جمع تھے۔ ان میں سے بعض مشینیں عمل کر رہی تھیں جنپر ہزارہا تماشائی مکھیوں کی طرح جمع ہوجاتے تھے یہ تمام کارخانہ جادو کا کھیل معلوم ہوتا تھا۔ اور جبکہ تمام یوروپ اور امریکہ کے موجدوں نے لوگوں کو حیران کرنے کا ایکا کر لیا ہو تو کوئی دانا سے دانا آدمی بھی اس برقی ذخیرہ کے شعبدات کو دیکھ کر حیرت زدہ ہونے سے محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔ ؎

حیرت ہر کس دریں عالم بقدر بینش است ہر کہ دانا تر دریں ہنگامہ حیران بیشتر

برقی موجدوں کے شعبدے

اس سے نیچے کے کمرہ میں بڑے بڑے برقی ڈائنیمو پچاس ہزار کیلوگرام طاقت سے لے کر ذرا ذرا سے کھلونوں تک اور ہر قسم کے بھاری اور ہلکے موٹر اور بڑی بڑی مشینیں تھیں۔ برقی ٹرامویے اور برقی ریل گاڑیاں۔ برقی کشتیاں اور لائٹ ہوسوں کے استعمال کے لئے برقی سرچ لائٹ۔ غرض بڑی بڑی طاقت کی برقی روشنی اور قوت کا سامان تھا۔ ایک جگہ اضلاع متحدہ ٹسلا اور ایڈیسن کی آخری برقی ایجادیں دکھلا رہا تھا۔ جرمنی ڈاکٹر رونجن کی ایکس شعاعیں۔ رنگین فوٹوگرافی اور پروفیسر وہلٹ کی ایک سیکنڈ میں پانچ ہزار مرتبہ برقی رو کی رکاوٹ نمایاں کر رہا تھا۔ اٹلی مارکونی کے بے تار کی برقی خبر رسانی کا سامان۔ اور سوئٹزرلینڈ ایم ڈیساندڑ کی برقی ایجادیں بلند بولنے اور آواز لکھنے والے ٹیلیفون کہ جو ایک بات کو ایک مرتبہ کہہ دینے کے بعد بار بار بتلا سکتے تھے نمائش کر رہے تھے۔ انکے علاوہ برقی گھڑیاں۔ طبی برق۔ کیمیاوی برق۔ کان کنی وغیرہ مختلف اقسام کے برقی

کے جابجا تجربے نمایاں کئے گئے تھے۔ اگر صرف اس نمائش کے سامانِ ترقی کے حالات بھی کسی قدر تفصیل سے لکھے جائیں تو تمام کتاب کے پُر کر دینے کے لئے کافی ہیں۔

اب میں اُن عظیم الشان عمارات کی ایشیائی نمائش بہت اختصار کے ساتھ بیان کرتا ہوں۔ لیکن بوجہ اشیاء کے بے اندازہ ہونے کے میں کسی ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھ سکتا۔ کان کنی اور معدنیات کے

کان کنی و معدنیات

صیغہ میں تمام بڑی معدنیات اور پتھر کے کوئلہ کی کانوں کے نمونے دکھلائی گئے تھے۔ اور کان کنی کے تمام آلات اور سامان مثل بارود اور ڈائنا میٹ وغیرہ کے موجود تھا۔ آرٹیزین کنوؤں کے کھودنے اور مٹی کو تیل کے لئے زمین میں سوراخ کرنے کے آلات اور طریق اور کانوں میں آمد و رفت کے سامان نمایاں کئے گئے تھے۔ غرض کان کنی کے متعلق جتنی کلیں اور دستی آلات۔ کانوں کی پیداوار کے نمونے اور کام کے طریقے اب تک ایجاد ہوئے ہیں ہر ایک کا نمونہ یہاں موجود تھا۔ سیفٹی لیمپ اور مختلف اقسام کی کان کنی کی زندگی کی حفاظت کی تدابیر۔ چھکڑے اور دستی گاڑیاں معدنیات ڈھونے کے لئے۔ موٹے رستے اور کرینیں وغیرہ لادنے کا سامان رکھا ہوا تھا۔ انواع و اقسام کے پتھر اور سنگ مرمر تراشیدہ اور ناتراشیدہ عمارت کے کام کے اور چونہ اور سمینٹ بنانے کے الگ الگ چنے ہوئے تھے۔ ریت کٹھالیاں بنانے کے لئے اور دیگر مصالحے کھٹیاں اور مٹی اور چینی کے برتن بنانے کے موجود تھے۔ معدنی کھادیں مثل فاسفیٹ وغیرہ کے اور معدنی ایندھن مثل پتھر کے کوئلہ اور پیٹ کے دکھلایا گیا تھا۔ اور معدنیات کے کئی عجیب و غریب نمونے اسفالٹ۔ ایمبر۔ پیٹرولیم۔ جرمن راک اور مینگنیز کے صندوق کی قسم سے موجود تھے۔ آسٹریا کی کان کنی کی نمائش میں بتوں کا ایک گروپ

شیشیاں - عطر کشید کرنے کے سامان اور مختلف خوشبودار پودے اور پھول کہ جن سے عطر کشید کیا جاتا ہے نمایاں کئے گئے تھے - دانت صاف کرنے کے سفوف - صابن - انواع و اقسام کے چہرے پر ملنے کے غازے اور بالوں کے سفوف اور رنگ اور ٹائلیٹ کے بیسیوں دیگر سامان اکٹھے کئے گئے تھے - یہاں ایک شخص دانتوں کے سفوف کی خوبصورت ڈبیاں ہر تماشائی کو مفت بانٹ رہا تھا - اور اگر اُس نے نمائش کی تمام مدت یعنی چھ ماہ یہی عمل مفت ڈبیاں بانٹنے کا جاری رکھا ہے تو خدا جانے کتنے لاکھ ڈبیاں بانٹ گیا ہوگا -

انجن اور آہنگری میکینکل انجنیری میں دخانی انجن - مختلف قسم کی موٹر مشینیں متفرق قسم کی کلیں اور ٹکنیکل اوزار تھے - ان میں سے بعض انجن گاس - بعض دخان - بعض گرم ہوا - اور چند مٹی کے تیل سے چلتے تھے - اور بہت سی ہائڈرالک پریس - پون چکیاں - ہوا ناپنے کے پیمانے - پانی سے چلنے والی کلیں - سال امونیا - کاربونک ایسڈ وغیرہ وسائل سے چلنے والی کلیں جمع کی گئی تھیں - کاٹنے والی چھید نے والی اور دباکر چھاپنے والی مشینیں بھی بہت سی تھیں - دخانی ہتھوڑے پانی نکالنے کے انواع و اقسام کے پمپ اور پون چکیاں (مگر یہ سب تھوڑی گہرائی سے پانی نکالتی تھیں) - سیخیں ٹھونکنے والی مشینیں اور لوہے کو کھینچنے اور موڑنے والی کلیں - تولنے کے کانٹے - لوہا کاٹنے کے گول آرے - تیز کرنے مجلا کرنے اور اور طرح طرح کے آہنی اعمال کی الگ الگ انواع و اقسام کی مشینیں پڑی تھیں - گیس موٹر نصف ہارس پاور سے دو سو ہارس پاور تک بہت اچھا کام کرتے تھے - اور دخانی انجنوں میں دکھلایا گیا تھا کہ پچھلے دس سال کی نسبت ایندھن میں کس قدر کفایت ہوئی ہے ایک فرانسیسی کارخانے نے نمونہ کی چینی روغنی کام کی نمائش میں تعمیر کی تھی

اضلاع متحدہ امریکہ کو کام کرنے والا لڑکا۔ جرمنی طالب علم۔ سوئٹزرلینڈ۔ کنیڈیا ناروے۔ ماہیگر اور بلجیم کان کن وغیرہ۔ اس کمرہ کو ضرورت کے وقت پانچ سو برقی لیمپوں سے روشن کیا جاتا تھا۔

موسیقی تعلیم اور علوم و فنون کا حصہ مختلف مزامیر اور باجوں سے شروع ہوتا تھا۔ گوان سے مجھے دلچسپی نہ تھی اور نہ کچھ سمجھ میں آتے تھے تاہم سینکڑوں قسم کے پیانو۔ آرگن۔ سارنگیاں طنبورے اور منہ سے بجانے والے باجے فونوگراف اور گریفوفون تھے۔ انہیں کے قریب ایک کانسرٹ کا کمرہ تھا جس میں پانچ سو آدمی بیٹھ کر موسیقی سن سکتے تھے۔ اسکا دوسرا حصہ فوٹوگرافی اور چھپائی کا ہے۔ فوٹوگرافی کے متعلق مقامی اور مسافرانہ کیمرے جیبی کیمرے۔ فوٹوگرافی کے تمام کیمیائی اجزا اور سنشو کاغذ جمع کئے گئے تھے۔ رنگین فوٹوگرافی۔ فوٹو تھیوڈو۔ لائٹ۔ سینو میٹوگراف۔ فوٹو ہیلیو گراف۔ شیر یوسکوپ اور موٹوسکوپ مختلف روشنیوں میں لئے ہوئے گراف بڑے بڑے اُستادوں کی دستکاری کے چیدہ نمونے۔ شیشے کپڑے لکڑی اور اناول پر عکسی تصاویر کے پروف اجرام آسمانی کے عکس تصاویر۔ اور ایکس شعاعوں کے آلات بھی نمایاں کئے گئے تھے۔ انہیں کے

جغرافیہ اور نقشے قریب ایک کمرہ میں جغرافیہ اور طبقات الارض کے نقشے اور اٹلس جمع تھے۔ اور اٹلس چھاپنے والے کئی فرانسیسی وغیرہ کارخانوں کا اسباب پڑا ہوا تھا۔ ایک کرہ ارض ربڑ کا بنا ہوا تھا جس میں ہوا پھونکنے سے وہ پھیل کر گول ہو جاتا تھا۔ میں نے اسے چھ سات فرانک کو خرید کر وہیں سے لاہور کو روانہ کرا دیا۔ یہ کرہ ارض بوقت ضرورت ہوا بھر دینے سے گول ہو جاتا ہے۔ اور ہوا نکال لینے سے لپیٹ کر جیب میں ڈالا جا سکتا ہے۔ اسی اٹلس بیچنے والے کارخانے کے ایجنٹ نے کہا کہ انگلستان کے اٹلس اور گرے بیچنے والے بعض کارخانے ہمیں سے نقشے چھپواتے

ہیں۔ تھیٹر بھی یورپ میں تعلیم کا ایک صیغہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی لئے تعلیم کے ضمن میں تھیٹر کے بڑے بڑے سبق آموز نظارے اعلےٰ درجے کے استادوں نے ۱۰×۱۴ فیٹ کے پردوں پر کھینچکر لٹکائے ہوئے تھے۔ تھیٹر کی سینیری کھینچنے میں حد کردی گئی تھی۔ اسکے علاوہ تھیٹر میں پہنے جانے والے جھوٹے جواہرات اور چمکدار زیورات خوبصورت لباس بھیس بدلنے کے کپڑے اور ٹوپیاں اور غازے اور پوڈر سامنے گلاس کیسوں میں پڑے تھے۔ تھیٹر میں کام آنے والے اعلیٰ درجے کے فوٹوگراف اور پچھلی صدی کے تھیٹر اور ڈراما کے نامور آدمیوں کی تصویریں بھی یہاں رکھی گئی تھیں ناچنے کی تاریخ بعض خوبصورت مومی بتوں کو لباس میں آراستہ کرکے دکھلائی گئی تھی۔

جراحی طبابت وغیرہ اسی کے قریب ایک حصہ ڈاکٹری اور جراحی سے مخصوص تھا۔ جہاں ہر قسم کی جراحی اور میڈیسن کے آلات قدیم وجدید لوہے چاندی اور سونے کے چمک رہے تھے۔ جراثیم کے نمونے بھی دکھلائے گئے تھے سروں اور دماغ کے نمونے۔ اعمال جراحی کی تصویریں اور ثبت۔ دندان سازی کے آلات۔ مختلف امراض کے نمونے۔ جنہیں دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔ اور مصنوعی ٹانگیں مریضوں کے بستر فوجی زخمیوں کی مدد کا سامان۔ جا بجا پڑے ہوئے تھے۔ اسی کے قریب عینکوں مع ریزہ بینوں خوردبینوں آلات نقاشی و انجنیری و جہازرانی وغیرہ کا سیکشن تھا۔ بڑی بڑی دوربینیں۔ گز گز بھر قطر کے محدب اور مقعر شیشے چھ چھ انچ موٹے موجود تھے۔ عینک لگانے کے لئے امتحان کرنے کی کلیں۔ اور عینکوں کے پتھر کے شیشے رگڑنے کی کلیں۔ لیکن سب سے عجیب کل مجھے وہ معلوم ہوئی کہ جسکے ذریعے سے کوئی جمع تفریق کا سوال صحت سے حل ہوسکتا ہے یا جو کسی لمبی چوڑی رقم کی صحت سے میزان کرسکتی ہے۔ لیبوریٹریاں اور

بلکہ کاشتکاروں کو ان اچھے آلات سے بہت فائدہ پہنچے گا۔ کھیتی باڑی کرنے اور دودھ دہی وغیرہ کے متعلقات کی کلیں اس قدر جمع تھیں اور بعض ایسی دلچسپ تھیں کہ اگر بہت سا وقت ملتا تو انہیں غور سے دیکھنا ضروری تھا۔ مگر وقت کی تنگی سے میں اور دوسرے تمام دیکھنے والے ان اشیا کی قطاروں میں سے عموماً گذرتے ہی رہتے تھے۔ اور بہت کم بغیر کسی چیز کو زیادہ غور سے دیکھ سکتے تھے۔ یہیں کھیتی باڑی پر کتابیں اور زراعتی مدرسوں کے نصاب بھی مختلف ملکوں سے رکھے ہوئے تھے

شراب مٹھائیاں وغیرہ شراب کشید کرنے کا ایک بہت بڑا کارخانہ اسی نواح میں سجایا گیا تھا۔ اور بھی بنت عنب کے خاطر مدارات کے سامان یعنی کشید کی کئی کلیں چاروں طرف پڑی تھیں۔ ایک چاکولیٹ بنانے کا فرانسیسی کارخانہ عملی کام کر کے دکھلا رہا تھا۔ اس کی ترکیب بڑی دلچسپ تھی۔ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے کوکا کے بیجوں کو بھون کر پیستے۔ اور پھر گوندھ کر سانچوں میں ڈال لیتے۔ یہ سانچے چھوٹی چھوٹی ریل کی سڑکوں پر رکھے جاتے اور خود بخود بھٹی میں داخل ہو کر پک کر نکل آتے۔ اس تمام کارروائی میں ہاتھ کہیں نہیں لگانا پڑتا تھا۔ اور یہ سب کام کل کے ذریعے سے ختم ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی طرح طرح کی مٹھائیاں مربے اور جام دکھلائے گئے تھے۔ اور سرکہ بھی ایک طرف بنتا تھا۔ ایک طرف سوڈا واٹر اور شمپین بنانے کی کلیں کام کر رہی تھیں۔

زراعت و پولٹری ہندوستان میں ہندوستان بہت بڑا زراعتی ملک ہے اور یہاں مویشی بھی زراعت کے لئے رکھنے ضروری ہیں۔ مکھن اور پنیر بنانے کے سامان کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی ہے۔ جبکہ یورپ میں سوئٹزرلینڈ جیسا چھوٹا سا ملک لاکھوں روپیہ کا مکھن اور پنیر ہر سال غیر ممالک کو بیچ سکتا ہے۔ اور انڈے مرغیاں اسی قدر قیمت کے اس کے

علاوہ ازیں معلوم نہیں ہندوستان کیوں ادھر متوجہ نہیں ہوتا پیشنے سنہ ۱۹۰۰ء کے آخر میں لکھنؤ میں جا کر معلوم کیا کہ وہاں لاہور سے بالائی بہت ارزاں ملتی ہے۔ سنا تھا کہ لکھنؤ میں پنہاری کو بھی ایک پیسے کی ملائی کھائے بغیر چین نہیں آتا۔ میرا خیال تھا کہ وہاں دودھ بہت سستا ہے۔ اس صورت میں وہاں یا جہاں کہیں ہندوستان میں دودھ سستا ہو ڈیری کی مشینوں سے ضرور کام لینا چاہئے۔ اور اسی طرح مرغی انڈا بھی وافر تیار کرنا چاہئے۔ انگریزوں میں ان چیزوں کی بہت قدر ہے گو ہندوستانی بھی انہیں خوشی سے خریدتے ہیں۔ اول اول اندرون ملک کی ضرورت کے لئے یہ چیزیں تیار کرنی چاہئیں اور بتدریج یہ تجارت غیر ممالک سے بھی ہو سکتی ہے۔

عظیم الشان کمرہ

زراعت کے صیغے کو دیکھتے دیکھتے میں ایک ایسے عظیم الشان کمرے میں داخل ہو گیا کہ جس کا ثانی نہ پہلے دیکھا ہے اور شاید پھر بھی دیکھنا نصیب نہ ہو۔ یہ نمائش گاہ کا سب سے بڑا کمرہ سال ڈافیٹ Salle de fete تھا۔ یہ کمرہ جو چوہتر ہزار (۷۴۰۰۰) مربع گز زمین پر گول بنا ہوا ہے اس میں پچیس ہزار آدمی بآسانی بیٹھ سکتے تھے۔ اس کی چھت شیشہ کی تھی۔ اور بڑے بڑے جلسوں اور ناچوں کے لئے اسے تعمیر کیا گیا تھا۔ پریسیڈنٹ فرانس نے اسی میں بیٹھ کر اس نمائش کا افتتاح کیا تھا۔ اس کے وسط میں آٹھ آہنی ستونوں پر نوے میٹر وسعت کا شیشہ کا گنبد تھا۔ فرانس کے چار نامور مصوروں کو اس عظیم کمرہ میں زراعت صنعت و حرفت اور برق وغیرہ کی بیس بیس میٹر کی لمبی کئی تصاویر نقش کرنے کے لئے ۲۰-۲۰ ہزار فرانک گورنمنٹ فرانس نے دیئے تھے۔ ان کے علاوہ کُل تیس اقوام کہ جنہوں نے اس نمائش میں کچھ نہ کچھ چیز بھیجی ہے ان کے ایک ایک آدمی کی تصویر آٹھ آٹھ فیٹ بلند اس کی دیواروں میں الگ الگ کاریگروں نے کھودی تھی۔ مثلاً انگلستان کو ایک ملاح سے تعبیر کیا ہے۔ ترک کو سپاہی

جسکا خرچ دو لاکھ دس ہزار فرانک اندازہ کیا گیا تھا ؂

صنعت باری سنگاری کی بہت سی کلیں بھی لکڑی کے ہر عمل کے لئے رکھی ہوئی تھیں۔ اور ان کا کام دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ انسان کے دستی کام کو ان سے کیا نسبت ہے۔ ایک کل بوتلوں کے کاگ کھولنے کے آلے بناتی تھی۔ لکڑی کے دستے پاس تیار پڑے تھے۔ لوہے کی ایک موٹے تار کو ایک مشین میں ڈال کر اس دستہ کے گرد ایسی طرح پیچ دیا جاتا کہ دم زدن میں ایک آلہ کاگ کھولنے کا تیار ہو جاتا۔ اور ہزار ہا شوقین بطور نمائش گاہ کی یادگار کے ایک ایک ڈیڑھ سنٹیم کا سکہ پھینک کر لیتے جاتے تھے یہ مشین بھی سات آٹھ سو روپیہ سے گراں نہ تھی۔ یہیں مشین سے باورچی خانہ کے برتن بنانے کی کلیں بھی تھیں۔ مگر یہ ایسے ہی برتن بناتی تھیں۔ جیسے کہ امرتسر اور دہلی میں برتن بنانیوالی مشینیں تھی۔ جو قبل ہوچکی ہیں۔

زراعت اور کلیں زراعت کا حصہ بہت وسیع تھا۔ اور بخیال سہولیت کئی شاخوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ اسی میں غلوں اور خوراک کی شاخ شامل تھی۔ آٹا پیسنے کی چکیاں۔ غلہ کو صاف ستھرا کرنے کی کلیں۔ روٹی پکانے کے تنور اور چولہے۔ شکر بنانا۔ قہوہ۔ عرقیات اور شراب کشید کرنیکا سامان مکمل تھا۔ شرابیں مٹھائیاں گرم مصالحے۔ انگور کی پیداوار اور کشید انگور کی بیماریاں۔ کھیتوں کے مکان۔ نالیاں۔ کلیں۔ غلہ کے کوٹھار۔ دودھ دہی اور مکھن تیار کرنا۔ کھیتی باڑی کے دوسرے کام۔ فصل کے مضر اور مفید کیڑے۔ پودوں کے مضر کیڑوں کا استیصال۔ سبزی ترکاریاں۔ غلے۔ چارے۔ تر یا خشک ہوئی مچھلی گوشت بقولات اور میوہ جات علاوہ خوراک کے زراعتی پیداوار میں۔ حیوانی خوراک۔ اصول زراعت کی تحقیقات کا سامان۔ مویشی کتوں اور مرغیوں کے مکانات۔ فرانس اور یورپ کے تمام ممالک سے جمع کئے گئے تھے مختلف ملکوں نے

اپنے یہاں کے ہر قسم کے غلے اور زراعتی پیداوار کی چیزیں مع زراعتی کلوں کے نمایاں کی تھیں۔ امریکہ کے ہل کئی قسم کے تھے۔ ایک ہل جوں جوں چلتا تخم بوتا جاتا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ کھاد بھی کھیت میں ڈالتا جاتا تھا۔ مگر ایسے طور پر کہ کھاد اور تخم مل نہ جائیں۔ امریکہ نے دو سو قسم کے گیہوں اور ڈیڑھ سو قسم کی مکی کے تخم نمایاں کئے تھے۔ اور گھاس کے تخم بھی دکھلائے تھے۔ بلجیئم۔ ہالینڈ۔ ہنگری سوئٹزرلینڈ اور فرانس کی زراعت کی مشینیں بکثرت تھیں اور سوئٹزرلینڈ ہی کی دودھ مکھن اور پنیر کی مشینیں بھی زیادہ تھیں۔ جنیوا کی ایک برف کی قلفیاں بنانے کی مشین بہت عمدہ تھی۔ ایک دو منٹ میں دودھ منجمد ہو جاتا تھا۔ اور ساتھ ساتھ لوگ یہ قلفیاں لے کر کھاتے جاتے تھے۔ یہ مشین بھی اگر کوئی انٹرپرائیزنگ ہندوستانی کسی بڑے شہر میں منگوائے تو فائدہ اٹھائے۔ ہنگری کے غلوں۔ اٹلی کی سیویوں (ماکرونی) اور شراب کی نمائش زیادہ تھی۔ جاپان ہسپانیہ اور پرتگال تینوں ملکوں نے غلوں اور شرابوں کی نمائش کافی کی تھی۔ ہل تو خیر دو دو تین پھالوں کے اور بھاری بھی تھے۔ اور ہراویں طرح طرح کی تھیں۔ مگر کھیت سے غلہ نکالنے کی مشینیں ریل گاڑیوں کے برابر اور ان سے بھی بڑی تھیں صرف بڑے بڑے تنا ور جانوروں سے صاحب مقدور زمیندار ہی انہیں استعمال کرتے ہونگے۔ ان مختلف یورپین ممالک کی صدہا کاشتکاری کی کلوں کو دیکھ کر خیال ہوا کہ جب ان چھوٹے چھوٹے یورپین ممالک میں اس قدر کثرت سے کھیتی باڑی کے آلات اور کلیں بنتی ہیں تو اگر کبھی ہندوستانی کاشتکاروں کو ہوش آیا۔ اور وہ اصلاح یافتہ آلات زراعت استعمال کرنے لگے تو ہندوستان میں بے شمار ایسے آلات کی کھپت ہوگی۔ اس وقت بھی تمام ہندوستان کے ایک سو بڑے بڑے شہروں میں اگر آلات زراعت کی دوکانیں کھول لی جائیں تو یقیناً ان دوکانوں کا ہی کام چل جائیگا

ابزرویٹریوں کے استعمال کے آلات مختلف ممالک کے اوزان و ماپ ایم کاشیر کی ۱۹ فیٹ لمبی دوربین بھی یہیں تھی۔

تعلیم تعلیم کے مضمون کو چھ حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا جیسا کہ (۱۲۱) شعبوں کی تفصیل میں بیان ہو چکا ہے۔ (۱) معصوم بچوں کی تعلیم اور پرائمری تعلیم (۲) سیکنڈری تعلیم (۳) اعلےٰ اور علمی تعلیم (۴) خاص فنون کی تعلیم (۵) خاص زراعتی تعلیم (۶) دستکاری اور تجارت کی تعلیم۔

ابتدائی تعلیم طریق تعلیم میں سنہ ۱۹۰۰ء تک دنیا نے جو ترقی کی ہے وہ سب نمایاں کی گئی تھی۔ پہلے معصوم بچوں کی تعلیم کے متعلق مدرسہ کا کمرہ اور کھیل کی جگہ دکھلائی گئی تھی۔ کاغذ کی کترن کاٹ کر ان سے ٹوکریاں بنانا۔ اور بچوں کی تصویروں کی کتابیں۔ سکول کا کمرہ (۳۰×۲۰) فیٹ مربع سے بنایا گیا تھا اُس کی دیواروں پر ٹھیک موقع پر تصاویر نقشے و استاد کی میز لڑکوں کی بنچیں کتابیں اور پلاسٹر کے ماڈل اور بلیک بورڈ تھا۔ لوئر پرائمری کے بچوں کی ماہانہ مشقی کاپیاں۔ مضمون نویسی۔ حساب اور ڈرائنگ وغیرہ کی دکھلائی گئی تھیں۔ اپر پرائمری سکولوں کی لڑکیوں کا کشیدہ لیس بنانا۔ زردوزی اور کپڑوں و جرابوں کی مرمت کرنے کے نمونے اور لڑکوں کا لکڑی اور لوہے کا کام۔ اِسکے بعد پیشے کے مدارس میں ابتدائی تعلیم کی کیفیت پوری ہو جانے کے نمونے تھے۔ زنانہ و مردانہ نورمل سکولوں کی تعلیم اور لکچروں کا نتیجہ۔ ماسٹروں کے بھیجے ہوئے اپنے مدارس کے سامان اور جماعتوں کے فوٹوگراف کہ جن میں سے بعض کو بڑا کرکے دکھلایا گیا تھا۔ جادو کی لالٹین کے سلائڈ۔ نائٹ سکولوں کا سامان اور مدارس کی لائبریریوں کے نمونے۔

سیکنڈری تعلیم کے متعلق فرانس اور دیگر ممالک کے سرکاری اور پرائیویٹ مدارس کے لڑکوں کی کاپیاں۔ نصاب کی کتابیں جو بعض ان

امتحانات کے پرچے مدارس کے شمار و اعداد و مطابع کی خاص تعلیمی کتابیں نمایاں کی گئی تھیں۔ تاریخ الحیوان کی تعلیم کا سامان آلات ڈرائنگ اور سائنس پڑھانے کے لئے آلات مختلف کارخانوں سے دکھلائے گئے تھے۔ لڑکیوں کے کام میں سوزن کاری اور زردوزی کے نمونے بہت اعلیٰ تھے۔ رسائل کہ جن سے اُستادوں کی تعلیمی قابلیت بڑھائی جا سکتی تھی۔ نصاب اور اوقات تعلیم۔ سکاٹلینڈ کے سیکنڈری سکولوں میں علاوہ ڈرائنگ کے (و) لکڑی کا کام (ب) لوہے کا کام (ج) تانبے اور پیتل پر کندہ کرنا (د) ڈھالے ہوئے لوہے کا کام (ھ) نجاری (و) مٹی کے ماڈل بنانا۔ سیکنڈری تعلیم کی طرح ہی اعلیٰ تعلیم کی کیفیت ہے۔

زراعتی تعلیم | سے متعلق زراعتی علاج المویشی اور باغبانی کے مدرسوں کے نقشے نمونے پودوں غلوں ہڈیوں پتھروں شہد کے چھتوں۔ ریشم کے کیڑے کے کویوں وغیرہ کے نمونے دکھلائے گئے تھے۔ حیوانات کی امراض کے نمونوں کا عجائب گاہ کیسا بھیانک نظارہ پیش کرتا تھا پتوں اور بوٹیوں پرندوں اور اُن کے انڈوں اور نیچرل ہسٹری کے دیگر نمونوں کا مجموعہ مکمل تھا۔ کاشت زمین اور پودوں اور حیوانات کی امراض اور بہبود کے لئے یہ آلات جو یہاں دکھائے گئے تھے کس قدر دلچسپ و مفید تھے۔ اور مویشی پالنے اور کشتکاری کی عام اصلاح کی تدابیر ان سے کس قدر مدد مل سکتی تھی۔ ایسے مدارس فرانس میں بہت ہیں اور یورپ کے دیگر ممالک میں بھی اُن کی کمی نہیں۔ بارہ سال پہلے کے ایک کاغذ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یورپ کے بعض ممالک میں ایسے مدارس کس قدر تھے کہ جن سے کاشتکاروں کو مدد ملتی ہو

ٹکنیکل تعلیم | کی ہر شاخ کے متعلق کافی مصالحہ موجود تھا۔ ابتدائی یا پرائمری سکولوں کی تعلیم میں جو خامی رہ جاتی ہے یہ صنعت و حرفت اور پیشہ سکھلانے

چولھوں وغیرہ کے نقشے تختے نمونے بنا کر دکھلائے گئے تھے اور اسی طرح تاروں سے مینہ ابتدائی سکولوں کی حالت اور ایک مکمل کھانا پکانے کے مدرسہ کی کیفیت دکھلائی تھی۔

روس کے معلق اور ٹکنیکل سکولوں کا کام بھی کسی ملک سے پیچھے معلوم ہوتا تھا۔ روس کے چھاپنے کی مشینیں۔ چھپی ہوئی تصویریں رنگین اور عکسی فوٹو زنکو اور دیگر تمام وسایل سے چھپا ہوا۔ خوبصورت جلد بندی کے نمونے اور عمدہ چھپی ہوئی کتابیں ٹین پر رنگین چھپا ہوا۔ نقاشی نقشہ کشی اور مصوری کے آلات۔ نجاری اور آہنگری کے اوزار اور سینکڑوں ازیں قبیل دوسری چیزیں دیکھیں۔ روسی زنانہ و مردانہ پیشوں کے مدرسوں۔ قومی ٹکنیکل سکولوں اور اعلےٰ علمی مدارس کے مکانات کے نقشے نمایاں کئے گئے تھے۔ ایک روسی نقشہ سے معلوم ہوتا تھا کہ قلمرو سے روس میں ایک ہزار انڈسٹرئل سکول ہیں۔ روسی اخبارات کا ریڈنگ روم بھی موجود تھا۔ اور روسی اخبارات اور رسالجات کے جو سرورق چسپاں تھے اپنے ڈایزائن کے لحاظ سے انگریزی سرورقوں سے کم نہیں تھے۔ ایک مشین اس وقت تصاویر چھاپ رہی تھی۔ جنہیں دیکھ کر مجھے قائل ہونا پڑا کہ چھاپنے کے معاملہ میں روس دیگر ممالک یوروپ سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں۔

ایک جگہ فرانس اور یوروپ کی پرانی کتابوں اور پرانی تصویروں اور قدیم زمانہ کی بیش قیمت جلد بندی کے نمونوں کی نمائش کی گئی تھی۔ پہلے زمانہ کے بعد سے پریس دیکھے۔ علم جغرافیہ کی قدیم زمانہ کی کتابیں اور نقشے اسطرلابیں اور سکسٹائیل پرانے زمانہ کے کرہ ہائے ارضی۔ طبعی۔ بحری متعلق ہیئت اور شمار و اعداد وغیرہ ہر قسم کے نقشے جمع کئے گئے تھے۔ یہیں ایک پرانی خطوط کا مجموعہ تھا جس میں ہر زمانہ کے یوروپ کے سلاطین قدیم کے خط تھے۔ مشہور لوگوں کی دستخطی کتابیں اور ایک ہزار چھپی کتابوں کی لائبریری

بھی بہم پہنچائی گئی تھی جن کی تقطیع ۲×۳ انچ سے زیادہ نہ ہوگی۔ پوسٹر یعنے دیواروں پر چسپاں کرنے والے بڑے بڑے رنگین چھپے ہوئے اشتہارات کی بھی ایک بڑی دلچسپ نمایش کی گئی تھی۔ جس میں سینکڑوں ایسی تصویریں تھیں جو منہ سے بول کر ناظرین کو اپنی طرف متوجہ کر رہی تھیں۔ پوسٹر ابھی سے یورپ اور امریکہ کی تجارت کی ترقی میں اشتہار دینے کا بہت عمدہ ذریعہ ثابت ہوا ہے۔ اور آئندہ زمانہ میں اس سے اور بھی بہت کچھ امید کی جاتی ہے۔

فرانس کے سکوں اور تمغوں کی نمایش بھی خاص تھی۔ قریب ہی ایک کَل سکے مضروب کر کے دکھلا رہی تھی۔ اور جو شخص چاہتا اس نمایش کی یادگار کا تمغہ جس پر اُسی روز کی تاریخ چھاپی جاتی وہاں سے گرما گرم خرید لیتا۔

فرانسیسی اخبارات کے ریڈنگ روم میں سب سے زیادہ رونق تھی۔ فرانس کے ماہوار رسالے انگریزی رسالوں سے کسی طرح پیچھے ہوئے معلوم نہیں ہوتے۔ ان میں بھی ایسی ہی تصویریں اور ایسے ہی مضامین ہوتے ہیں جیسے کہ انگریزی رسالوں میں ہوتے ہیں۔ فرانس کے بعض نامور رسالوں کی کل جلدوں کے مجموعے لوگوں کے استعمال کے لئے فراہم کر دیئے تھے۔ اور بعض اعلےٰ درجہ کی چھپی ہوئی تصاویر کی کتابیں اور البم بھی۔ تاکہ اگر کوئی شخص پڑھنا نہ چاہے یا پڑھنا نہ جانتا ہو مگر یہاں آ کر بیٹھ جائے تو تصویریں تو دیکھ سکے۔ فرانس کے بہت سے کتب فروشوں نے اپنی کتابوں کی دکانیں بھی یہاں سجا رکھی تھیں۔ جنہیں دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اکثر کارخانے اور مطابع علم کی ایک ایک شاخ کی طرف متوجہ ہیں۔ مثلاً ایک کارخانہ صرف ٹیکنیکل تعلیم پر کتابیں چھاپتا ہے۔ ایک صرف مدارس کی تعلیم کے لئے۔ ایک صرف ناول یا تاریخ جغرافیہ۔ اور اس وجہ سے وہ اپنی اپنی شاخ کو تکمیل تک پہنچا سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کی تمام کوششیں

میں چھاپ رہی تھی - مگر دریافت کرنے پر اسکا دام کم و بیش بیس ہزار
روپیہ معلوم ہوا - جرمنی کی کئی ایک اعلےٰ درجے کی ٹائپ کی مشینیں موجود
تھیں جو زمین سے چار چار پانچ پانچ گز بلند کھڑی تھیں - کرامولتھو چھاپنے
اور جلد بندی کی کلیں بھی کئی ایک تھیں - ایک ایسی مشین بھی نمایاں
کی گئی تھی - جو کتابوں کے فرموں کی خود بخود سلائی کرتی جاتی تھی یعنے
دفتری کا کام کرتی تھی - ایک شخص نے حروف کو اُبھارنے اور کاغذ
پر ابھرواں (یعنے Embossed) تصویریں چھاپنے کی کل بھی مجھے
دکھلائی - میری اوفی اور گارنٹ وغیرہ کارخانوں کے چھاپنے اور کاغذ
توڑنے کی مشینیں گھنٹہ میں سات آٹھ ہزار کاغذ کا فرمہ چھاپ کر توڑ موڑ
سکتی تھیں - روس - فرانس - بلجیم - سوٹزرلینڈ - جرمنی - آسٹریا
انگلستان اور جاپان نے چھاپنے کے کام میں بڑا حصہ لیا تھا -
انگلستان اور آیرلینڈ کی پبلشرس ایسوسی ایشن نے بہت عمدہ چھپی
ہوئی کتابوں کا ایک ذخیرہ نمایش کو بھیجا تھا - اخبار لنڈن گرافک کا
دفتر بھی مع چھاپنے اور حروف جوڑنے کی کل کے یہاں موجود تھا
انگلستان کے تمام ماہوار رسالوں - ہفتہ وار اور روزانہ اخباروں کے
سرورق ایک جگہ چسپاں کئے ہوئے تھے جو بہت خوشنما معلوم
ہوتے تھے - اسی طرح روسی آسٹرین اور فرانسیسی و جرمنی اخباروں رسالوں
کے سرورقوں کے مجموعے بھی میں نے دیکھے - ایک جگہ انگلستان نے
تعلیم کے سامان کی نمایش میں مسٹر گلیڈسٹون کی طالب علمی کے زمانہ
کا ایک امتحان کا پرچہ بھی دکھلایا تھا - جاپان کے تعلیمی سکشن میں کئی
ٹکنیکل تعلیم کی رپورٹیں جاپانی کلوں کے نمونے اور عمدہ جلد کی کتابیں
رکھی ہوئی تھیں - بلجیم نے زنانہ اور مردانہ تعلیم کے سامان اور اعداد و شمار
کے جدول مع تصاویر طلبا کے دکھلائے تھے - سوٹزرلینڈ نے کنڈرگارٹن

(حدیقۃ الصبیان) کے سامان کی نمائش بھی کی تھی۔ جن میں ہمارے یہاں
کے بچوں کی سی کاغذ کی کشتی اور کاغذ کا بنایا ہوا رات دن کا کھلونا اور معمولی
لکڑی کی جھنجھری بھی ان کے کھیلوں میں تھیں۔ سوئٹزرلینڈ کے مجموعہ
میں آلات ڈاکٹری کے علاوہ ایک بارش کا اندازہ بتلانے کی نئی طرح کی کل
تھی۔ اور ایک سی ہی مشین موسم کی کیفیت بتلاتی تھی۔ ہنگری کے نابیناؤں
کے مدرسے کچھ چیزیں مثل پشم کے بوٹ۔ بید کی بوتلوں کے غلاف
گھاس کے صندوق برش اور غلیچے وغیرہ کے رکھی ہوئی تھیں۔ جو اندھوں کے
ہاتھ کی بنی ہوئی تھیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر اندھوں کو بھی کچھ کام
سکھلایا جاوے تو بالکل ناکارہ نہیں رہتے۔ بوڈاپسٹ (ہنگری) کے
ٹیکنیکل سکول کی شیا آلاتی و جواہرات کے علاوہ سوئٹزرلینڈ اور جنیوا کے
انڈسٹریل آرٹس سکولوں کی بنی ہوئی چیزیں بھی بہت عمدہ تھیں۔ آخر الذکر مدرسے
نے ایک کھانے کا کمرہ نہایت عمدہ فرنیچر سے سجا کر دکھلایا تھا۔ آسٹریا کے
سکول آف گرافک آرٹس کے فوٹوگراویر بہت پسند کئے جاتے تھے۔
اضلاع متحدہ امریکہ نے علاوہ کئی دلچسپ تعلیمی اشیا کے دندان سازی
وفن بیطاری کے آلات کی اعلیٰ درجہ کی نمائش کی تھی۔ دوسری طرف فرانس
کے آرٹس سکولوں کے طلبا کے تیار کئے ہوئے سامان سے معلوم ہوتا تھا
کہ وہ سب سے گوئے سبقت لیجا چکے ہیں۔ فرانس کے مدارس نقاشی
مصوری بُت تراشی اور کشیدہ کاری و تعلیم ٹیکنیکس کے کام کے نمونے
بکثرت نمایاں کئے گئے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ تصویر کھینچنے۔ نقاشی
کرنے لکڑی پلاسٹر اور لوہے کے پھول پتے بنانے کپڑے پر کشیدہ
کاڑھنے اور گابلن یعنی موٹے کپڑے پر تصویر بُننے یا کاڑھنے کے کام میں
انہیں بڑی مہارت ہے۔ سویڈن کا ایک مکمل پرائمری سکول مع جماعتوں
دستکاری کی تعلیم امور خانہ داری اور کھانا پکانے کے برتنوں باورچی خانہ اور

کے سکول پوری کر دیتے ہیں۔ ڈرائینگ ایک ایسا مضمون معلوم ہوتا ہے
جو تمام المنٹری یا پرائمری سکنڈری اور ٹکنیکل مدارس میں سکھلایا جاتا ہے
ٹکنیکل سکولوں کے طلبا کے کام جو دکھلائے گئے تھے ان میں زنانی انجن
فٹنگ کے پرزے۔ اور لوہے اور لکڑی کا ہر قسم کام کا تھا۔ گھڑی سازی
زیورات ریمیٹیشن جیولری کے مدرسے کے بنے ہوئے نقلی جواہرات
اور زیورات۔ سناروں کے مدرسے کے زیورات اور آرٹ کے سامان۔
لڑکیوں کے مدرسہ کی زردوزی اور لیس۔ پیرس کی پیدا نہ مدد کی سوسائٹی
کا پروں اور پھولوں کا کام۔ پیپر مینوفیکچر کے پروفیشنل سکول کا ڈبوں وغیرہ
کا کام۔ کپڑے کے رنگین پھول جو لیڈیوں کی ٹوپیوں وغیرہ پر استعمال
ہوتے ہیں نمایش میں ایک جگہ بنا کر دکھلاتے جاتے تھے۔ انکا سارا
کام چھوٹی چھوٹی مشینوں سے ہوتا ہے۔ خاص خاص پھولوں کے رنگ
کے کپڑوں کو خاص خاص پتروں کے برابر مشینیں کاٹ دیتی ہیں۔ وہی
ابھار دیتی ہیں۔ اور گول یا ٹیڑھا بنا دیتی ہیں۔ اور پھر عورتیں انہیں سوئی
سے کہیں کہیں ٹانکے لگا کر جوڑ لیتی ہیں۔ یہ بہت تھوڑی توجہ سے سیکھا
جا سکتا ہے۔ میں نے اپنے دوست کی مدد سے فرانس کے ہر قسم کے
ٹکنیکل سکولوں کے تیس چالیس پروگرام جمع کر لئے۔ جن میں فرانس کی
زراعت و باغبانی کے مدارس بھی شامل ہیں۔ سکاٹلینڈ کے دستی کام
سکھلانے کے مدرسوں میں جیسے بننا۔ برش بنانا۔ ڈرائنگ اور چیزوں
کی ڈیزائن بنانا نجاری اور ورزش جسمانی سکھلائی جاتی ہے۔ اور پرائمری
سکولوں میں چھوٹے بچوں کو (۱) قدرتی اشیا مثل پھل پھول اور پتوں وغیرہ
کی برش (مو قلم) سے نقل اتارنا (۲) سہل اور سادہ چیزوں کی کاغذ کی شکلیں
کاٹنا (۳) بید گھاس یا پرال وغیرہ کی ٹوکریاں ٹوپیاں اور کرسیاں وغیرہ
بننا (۴) بڑھئی کا سہل کام۔ آلات اور سامان جو جماعت میں کام آتے ہیں

ان کے ماڈل بنانا (۵) مٹی کے بت بنانا۔ غرض امریکہ اور یورپ کے اکثر ابتدائی مدارس میں بچوں کو دستی کام کا ڈھنگ سکھلایا جاتا ہے۔ اور دستکاری کا میلان ان میں پیدا کیا جاتا ہے۔

چھوٹے بچوں کی تعلیم کنڈرگارٹن کا سامان بھی دکھلایا گیا تھا۔ یہ دو جرمنی زبان کے لفظوں کنڈر (طفل) اور گارٹن (باغ) سے مرکب ہے کہ جسکا عمدہ ترجمہ حدیقۃ الصبیان ہو سکتا ہے۔ اور غرض اس سے یہ ہوتی ہے کہ بذریعہ کھلونوں اور تصویروں کے کھیل اور بات چیت میں چھوٹے بچوں کو تعلیم دی جائے۔ ایک برلٹز کا طریقہ جسمانی تربیت کا بھی دکھلایا گیا تھا۔ اور اندھوں اور بہروں اور گنگوں کی تعلیم کے طریقے بھی دکھلائے گئے تھے۔ قریب ہی ایک شخص اپنی مجوزہ ایک عالمگیر زبان کی اشاعت کے لئے اسی کے متعلق مختلف زبانوں میں کتابیں بانٹ رہا تھا۔ جیسے کہ وولاپک بین الاقوام کاروبار چلانے کے لئے ایک سہل زبان اختراع کی گئی تھی ویسے ہی اسپرانٹو بھی اور پیرس میں اس کا موجد اور دفتر اشاعت موجود ہے۔

مطابع اور متفرق تعلیم حرفت

اسی صیغہ تعلیم کے متعلق چھاپنے کے کام کا ہر پہلو دکھلایا گیا تھا۔ چونکہ اس کام سے مجھے کچھ خصوصیت ہے اسلئے اگر اسکا ذکر کسی قدر طویل ہو جائے تو معاف کیا جاؤں۔ نقاشی اور مصوری رنگوں کا چھاپنا۔ مختلف چھاپنے کے رنگ۔ تصاویر چھاپنا۔ اخبارات۔ مطابع کی کلیں۔ جلد بندی کی کلیں اور سامان مختلف ممالک کی مطبوعہ کتابیں اور رسالے دیکھے۔ ایک بہت بڑی مشین پر دو گز لمبا اور سوا گز چوڑا پوسٹر کئی رنگوں میں چھپ رہا تھا۔ اور مختلف پتھروں پر سے ایک ایک رنگ چھاپا جاتا تھا۔ انگلستان کی ایک بہت چھوٹی مشینیں آٹھ دس رنگ کا پوسٹر ایک آن واحد

ایک خلقت میں محدود ہوتی ہیں۔ بعض مطابع نے اپنی چھپی ہوئی رنگین تصویریں اور لیبل ہی دکھلائے تھے۔ جن سے رنگ کا ہر سکن شیڈ نظر آتا تھا۔ یہ تصویریں فوٹو گرافی۔ فوٹو زنکوگرافی۔ فوٹو کراموگرافی۔ ٹائپوگرومو اور لتھوکرومو گرافی اور دیگر تمام ترکیبوں سے چھپی ہوئی تھیں۔ اور یہیں چھاپنے کے رنگوں سیاہیوں اور روپہلی سنہری وغیرہ انواع واقسام کے برادوں کے نمونے بھی دکھلائے گئے تھے۔

اس نمایش گاہ میں کس قدر چیزیں ہر قسم کی جمع کی گئی تھیں ان کا اندازہ جرمنی کے کاریگروں کی خوردبینوں۔ دوربینوں۔ عینکوں اور دیگر آلات معاون نظر کے مجموعہ سے ہو سکتا تھا کہ جن کی فہرست کی ضخامت چار پانچ سو صفحے سے کم نہ ہوگی۔

فن زراعت کے مدرسہ کے متعلق فرانس نے تمام کھیت کے جانوروں کی اناٹومی و تشریح، موی بتوں کے ذریعے دکھلائی تھی۔ جس میں عجیب الخلقت بچے۔ مریض اعضا اور مریض جانوروں کی حالت سب کچھ تفصیل کے ساتھ نمایاں کیا گیا تھا۔ باوجودیکہ میں بڑے التزام سے ہر چیز دیکھتا تھا مگر مکان اتنے وسیع تھے اور اشیا کی یہ کثرت تھی کہ سینکڑوں چیزیں بلا دیکھے رہ جاتی تھیں۔

اسی حصہ میں ٹائپ اسٹر بھی طرح طرح کے تھے جنہیں چلا کر دکھلایا جاتا تھا

انواع واقسام کی گاڑیاں

سول انجنیرنگ اور باربرداری کے سامانوں کے سکشن میں ریلگاڑیوں کے سوائے باقی ہر قسم کی سڑک پر چلنے والی گاڑیاں رکھی گئی تھیں۔ لیکن یہاں موٹر کار یا آٹوموبیل گاڑیوں کا بڑا زور تھا۔ آٹوموبیل وہ گاڑی سہ پہیہ اور چار پہیہ ہوتی ہے جو بلا مدد کسی گھوڑے ٹٹو یا انسانی طاقت کے دخانی یا برقی طاقت سے چلے۔ اسکا آجکل پیرس میں بجد رواج تھا۔ ہر چند کہ یوروپ کے ہر شہر میں ایسی گاڑیاں کم و بیش موجود تھیں مگر

پیرس میں موٹروں کا شمار ہونا مشکل تھا۔ چنانچہ اس وقت ان گاڑیوں کے بنانے میں پیرس تمام دنیا میں سربرآوردہ ہے۔ اور امریکہ اور جرمنی میں بھی یہیں سے زیادہ تر خریدی جاتی ہیں۔ شاید پیرس کے پچاس ساٹھ کارخانوں نے تو نمایش کی ہوگی۔ ابھی اس گاڑی کے بہت ہر دلعزیز ہونے کی امید کی جاتی ہے۔ سستی سے سستی قیمت دو آدمیوں کے بٹھانے کے لایق آٹوموبیل کی اس وقت ڈیڑھ ہزار روپیہ کے قریب مجھے بتلائی گئی تھی۔ بجلی طاقت والی گاڑی کے بار بار بگڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اسلئے گاس سے چلنے والی پسند کی جاتی تھی۔ پیرس میں نمایش گاہ کے کونوں میں یہ کرایہ پر بھی چلتی تھیں۔ البتہ دوسری گاڑیوں سے ان کا کرایہ کسی قدر زیادہ ہوتا تھا۔ یہ عجیب چیز ہے کہ چپ چاپ مگر بڑی تیزی سے ہر بازار میں دوڑ رہی ہے۔ اور بائیسکلوں کی جگہ لیتی جاتی ہے۔ اس صیغہ میں بائیسکل بھی انواع و اقسام کے تھے۔ چوپہیہ گاڑیوں چھکڑوں توپوں کی گاڑیوں۔ باربرداری کی گاڑیوں۔ بچوں کی گاڑیوں۔ ٹریم گاڑیوں پیشتوں۔ غرض ہر قسم کی گاڑیوں اور گاڑی کے متعلق فرانسیسی سامان کی نمایش مکمل تھی۔ ایک جگہ دو سو سال کی پرانی گاڑی اور کوچبانوں کا لباس دکھلایا گیا تھا۔ پالکی کا بھی اس وقت رواج ہوتا ہوگا۔ ایک پالکی ایران کے تخت رواں کی طرح دونوں طرف خچروں پر لدی ہوئی چلتی تھی۔ اور ایک بادشاہ لوئس پانزدہم کی گاڑی تھی سنہ [illegible] کا ایک بائیسکل دکھلایا گیا تھا جو نہایت بھدا تھا۔ اور پیدل چلنے سے اسپر سوار ہونے میں ذرا ہی فرق ہوگا۔ گاڑیوں کا متکلف اور معمولی سامان بھی دکھلایا گیا تھا۔ اور برف پر چلنے والی بلا پہیوں کی دو ایک گاڑیاں بھی تھیں۔ اسکے قریب ہر قسم کا ساز زینیں۔ لگامیں اور قمچیاں دکھلائی گئی تھیں۔

سڑکیں اور پل اسکے بعد ایک صیغہ میں سڑکوں۔ ٹنلوں پلوں اور عمارت کی تعمیر کے متعلق کلیں اور مصالحے تھے جو زیادہ تر پیشہ ور انجینیروں اور معماروں

کے کام کے تھے۔ سیمنٹ۔ چونہ۔ پلاسٹر وغیرہ مصالحے بھی تھے۔ جن پتھروں سے مختلف قسم کا سیمنٹ بنایا جاتا ہے وہ بھی دکھلائے گئے تھے مصالح پیسنے۔ مختلف مصالحوں کی طاقت معلوم کرنے اور اوران پیشوں کے متعلقہ اوزار اور لیپ جمع کئے گئے تھے۔ بڑے بڑے پلوں پشتوں اور مدکشایوں وغیرہ کے نقشے اور نمونے بھی موجود تھے

غبارہ بازی غبارہ بازی کا سامان بھی جمع کیا گیا تھا۔ اس میں ایک موجد کی اُڑنے کی کل بہت دلچسپ تھی جو ایک بہت بڑے چمگادڑ کے اصول پر بنائی گئی ہے۔ اور اسکی پسلیاں اور جوڑ ایسے لچکدار ہیں کہ ایک موٹر جو اسکے اوپر لگا ہوا ہے وہ سہولیت سے انہیں کھولتا اور بند کرتا رہتا ہے۔ اور اس طرح یہ بڑی بڑی چادریں ہوا کے اوپر پھیلتی ہوئی بلند ہوتی جاتی ہیں۔ اس موٹر کو ایک شخص چلاتا ہے جو چمگادڑ کے جسم کی جگہ ایک پنجرے میں بیٹھا رہتا ہے ۱۸۹۹ء میں اسکے تجربات میں کئی حادثات واقع ہوئے اسلئے بالفعل اس کے تجربات روک دیے گئے ہیں۔ اور کئی قسم کے غباروں میں بیٹھ کر فوٹوگراف لئے ہوئے جمع کئے گئے ہیں چونکہ پہلے پہل غبارہ ۱۷۸۳ء میں دو فرانسیسی بھائیوں نے ایجاد کیا تھا اسلئے اس وقت سے آجتک اُس کی ترقی کی تاریخ کا متفرق سامان بھی فراہم کیا گیا تھا۔

اسی صیغہ کی ایک شق یعنے ریلوں اور ٹرموے گاڑیوں کی نمایش ایک دوسرے مقام ونسینیز میں کی گئی تھی۔ کیونکہ ایسی بڑی چیزوں کی نمایشگاہ میں کافی گنجایش نہ تھی اور یہاں چند چیزیں دکھلائی گئی تھیں۔ ایم باڈری کا ایک ریل کا برقی انجن تھا جس نے ۱۸۹۷ء و ۱۸۹۹ء کے تجربات میں (۱۲۰) کیلو میٹر (ایک کیلو میٹر ⅝ میل) فی گھنٹہ کی رفتار حاصل کرلی تھی اور پھر ایک سوٹن کا وزن رکھکر سو کیلو میٹر بسہولیت جاسکتا تھا۔ بعض

ترکیب سے کپنیوں کی بری کا رسیاں دکھلائی گئی تھیں۔

کمسٹری علوم وفنون متعلقہ کمسٹری کے صیغہ میں علاوہ اجزاء و آلات کمسٹری کے کاغذ چمڑا دیا سلائی و تمباکو وغیرہ کے سامان دکھلائے گئے تھے۔ ایم ڈار بلے کی کاغذ بنانے کی دلچسپ مشین قابل دید تھی کہ جس میں ایک طرف کاغذ سازی کا خام مصالحہ ڈالدیا جاتا تھا اور دوسری طرف کاغذ بنا ہوا نکلتا آتا تھا۔ گلاس کیسوں میں انواع و اقسام کے کاغذ تھے جن میں فوٹوگرافی کے کاغذات سے لیکر بینک نوٹ کے کاغذ تک موجود تھے۔ اور قریب ہی ایک کاغذ کا مجموعہ ایسا تھا کہ جس میں ابتدا سے زمانہ کے کاغذ کے نمونوں سے لے کر اب تک جمع کئے گئے تھے۔ ایک جگہ فارمیسی یعنی دوا سازی کی بھی نمائش تھی۔ جہاں ہر رنگ کی گولیوں اور ہر قسم کے پوڈروں کو جمع کیا گیا تھا۔ دوائیاں کوٹنے کے آلات سے لیکر گولیاں خوبصورت بوتلوں میں بند کرنے تک سب سامان اور آلات دکھلائے گئے تھے۔ ایک دانتوں کے منجن والا کارخانہ بے محابا منجن کے ٹین کے بکس مفت تقسیم کر رہا تھا۔ جاپانی باریک رومال کے کاغذ کے بیسیوں قسم کے سادہ اور رنگین چھپے ہوئے نمونے رکھے ہوئے تھے۔

دیاسلائی و سگرٹ دیاسلائی اور سگرٹ کا جو تعلق کاغذ اور کمسٹری سے ہے وہ ظاہر ہے۔ اسلئے ان دونوں چیزوں کو بھی یہیں رکھا گیا تھا۔ دیاسلائی کی تیلیوں کو بنتے دیکھنا تو بڑا دلچسپ نظارہ ہے۔ لیکن تمباکو کی تاریخ بھی کچھ کم دلچسپ بنا کر نہیں دکھلائی گئی تھی۔ اس کی زندگی کی ہر منزل بونے کے دن سے لیکر سگار و سگرٹ بنانے یا ٹپ میں ڈالنے اور ناس بنانے تک بذریعہ نمونوں کے مشاہدہ میں لائی گئی تھی۔ ایفل ٹاور کے قریب بھی ایک علیحدہ مکان میں دیاسلائی اور سگرٹ بنانے

کی مشینیں نصب تھیں۔ دیاسلائی کی مشین میں کاٹی ہوئی تیلیوں کے گٹھے رکھ دیتے تھے۔ اسپر ایک سوراخدار تختی میں خود بخود ایک ایک تیلی ہر سوراخ میں داخل ہو جاتی۔ اور یہ تختی ان تیلیوں سمیت ایک طرف کو گھومتی جہاں سب تیلیوں کے دونوں سروں پر ایک جگہ سے مصالحہ لگ جاتا جو گھول کر تیار رکھا ہوا ہوتا ہے۔ اور تھوڑی دور گھوم کر جانے میں خشک ہو جاتا ہے۔ اسپر یہ تیلیاں بیچ میں سے کٹ کر دو دو ہو کر ایک گہری جگہ میں گر جاتیں۔ صرف ایک بڑھیا عورت اس مشین میں کٹی ہوئی تیلیوں کے گٹھے کھول کر رکھتی جاتی تھی۔ باقی سب کام آخر تک مشین کرلیتی تھی۔ سگرٹ بنانے کی مشین اس سے کم دلچسپ نہ تھی۔ ایک طرف باریک کاغذ کا گولا لگا ہوا تھا۔ اور ایک طرف کٹا ہوا تمبا کو۔ اس کی بٹی ہوئی رسی پر باریک کاغذ لپٹتا جاتا۔ اور خود بخود مناسب مقدار کے سگرٹ کٹ کر نیچے گر پڑتے۔ گو سگرٹ مصر میں بہت بنتے ہیں۔ اور وہاں کے بڑے مشہور ہوتے ہیں۔ لیکن وہاں یہ سب کام لپیٹنے کا میں نے دو تین فیکٹریوں میں ہاتھ سے کیا جاتا دیکھا ہے۔ اسی طرح سگرٹوں کی ڈبیاں خود بخود مشین سے بنجاتیں اور جب سگرٹ ہاتھ سے ان میں ڈالے جاتے تو پھر لیبل ان پر مشین سے چسپاں ہوتے۔

ایک صیغہ میں لیبوریٹری میں کام کرنے کے تمام آلات جمع کئے گئے ہیں جیسے کہ بیکر۔ بوتلیں۔ مرتبان۔ سپرٹ لیمپ۔ ریٹارٹ۔ پھکنی۔ فلٹر۔ تھیلی۔ خوشبوئیں۔ دافع بدبو دوائیں۔ وارنش۔ انڈیا ربر۔ گٹا پرچا۔ مختلف قسم کی دھاتیں۔ ریڈ اکسایڈ آف لیڈ۔ کروم سیلو۔ کروم اور بیج اور پتھروں کی بعض قسمیں بڑے سلیقہ سے رکھی گئی تھیں۔ یہاں علم کیمسٹری کی منزل بمنزل ترقی دکھلانے کی کوشش کی گئی تھی۔ اور پرانے اور بیکار آلات گذشتہ اور کارآمد آلات کے ساتھ پہلو بہ پہلو رکھ کر دکھلایا

کیمیا تھے۔ تیزاب مختلف قسم کے نمک اور شور۔ سوڈا۔ گندھک اور فاسفورس کے مختلف اشکال کے اور کیمیائی حرفتیں۔ موم۔ موم بتی۔ صابن۔ گلیسرین کول تارا وغیرہ بھی سجا کر رکھی ہوئی تھیں۔ اور ان کے پاس وہ خام مصالحہ کہ جن سے یہ چیزیں تیار ہوتی ہیں نظر آتے تھے۔ مختلف رنگ۔ سریش جیلاٹین۔ وارنش۔ بوٹ کی سیاہی اور چھاپنے کی سیاہی وغیرہ چیزیں بھی مختلف ممالک نے اسی ضمن میں دکھلائی تھیں۔ یہاں کئی پرانے آلات کسٹری ایسے بھی تھے جنہیں اپنے وقتوں میں بڑے بڑے استاد ان کسٹری نے استعمال کیا تھا۔ مثلاً لیوازیر نے جس آلہ سے پانی میں آکسیجن دریافت کیا تھا وہ بھی موجود تھا۔ اور پاسٹیور نے جس خوردبین کی مدد سے پہلے پہل بکٹیریا (جراثیم) معلوم کئے تھے کہ جنہوں نے دنیا کی تشخیص امراض میں حیرت انگیز تغیر پیدا کیا ہے وہ بھی یہیں رکھی ہوئی تھی۔

چمڑہ کھال اور چمڑے کی صنعت کی بہت سی مشینیں کھلائی گئی تھیں کہ جنکے ذریعہ سے چمڑے کی دباغت مکمل ہوتی ہے۔ اسی کے متعلق زمانہ قدیم و جدید کی جوتیوں اور بوٹوں کے بھی بہت سے نمونے جمع کئے گئے تھے۔ اسی ضمن میں انگلستان نے رنگ اور وارنش وغیرہ دکھلائے تھے۔ روس نے کاغذ اور کاغذ بنانے کی لکڑی اور جرمنی اٹلی آسٹریا سویڈن وغیرہ نے بھی مختلف اشیا اسی مادہ کے متعلق دکھلائی تھیں۔

قصر آب قصر برق کہ جسکا پہلے ذکر ہو چکا ہے اسکے سامنے قصر آب ایک خوبصورت عمارت تھی۔ ۸۰ فیٹ چوڑی جگہ سے ۳۹ فیٹ کی بلندی کی آبشاروں سے چھ نالیوں سے پانی گرتا تھا۔ اور آبشاروں اور نیچے کے فواروں کی بہار قابل دید ہوتی تھی۔ رات کو قصر برق کے ہزارہا برقی لیمپ ان فواروں پر قوس قزح کے رنگ ڈالتے

تھے۔ اس پانی کے زور سے نمایش گاہ کی کئی مشینیں چلتی تھیں۔ اس عظیم الشان آبی تماشا کا نظارہ دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا تھا۔

حصہ شانڈامارس کی صنعت و حرفت اور تعلیم کا صیغہ تو یہاں ختم ہوتا ہے۔ اب اس حصہ کی کچھ دل بہلاؤ اور تماشے کے لایق عمارات باقی ہیں جن میں سے ضروری ضروری عمارات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

دنیا میں بلند ترین مینار مشہور ایفل ٹاور شانڈامارس کے داخلہ پر آسمان سے باتیں کر رہا ہے۔ دنیا میں انسان کے ہاتھ کا بنایا ہوا کوئی مینار اتنا بلند نہیں۔ اس کی (۹۸۴) فیٹ کی بلندی کے مقابلہ میں مصر کا سب سے بڑا مخروطی مینار (۴۸۱) فیٹ بہت پست معلوم ہوتا ہے۔ ایفل ٹاور تمام لوہے کا بنا ہوا ہے کہ جو انسان کے لوہے کے فن میں کمال حاصل کرنے کا ایک عمدہ نمونہ ہو۔ دراصل یہ آہنی مینار ۱۸۸۹ء کی نمایش گاہ پیرس کے لیئے کارخانہ ایفل کے دانشمند انجنیر مسٹر روکیر کے دماغ نے تجویز کیا تھا۔ جنوری ۱۸۸۷ء سے لیکر مارچ ۱۸۸۹ء تک اسکی تعمیر ختم ہوئی جس میں (۷۳۰۰۰۰۰) ستر لاکھ کیلوگرام لوہا صرف ہوا۔ اور اڑتالیس کروڑ میخوں کے ذریعہ سے اسے جوڑا گیا تھا۔ جب سے یہ تعمیر ہوا ہے اسے ایک دفعہ دوبارہ رنگا گیا ہے جس پر ساٹھ ہزار پونڈ رنگ ایک لاکھ فرانک کا خرچ ہوا ہے۔ نمایش کی راتوں میں سات ہزار برقی لیمپوں سے کہ جن میں سے ہر ایک میں دس بتیوں کی روشنی ہوتی تھی اسے روشن کیا جاتا تھا۔ اور اسکی چوٹی پر گیارہ بارہ بجے شب تک برقی روشنی چاروں طرف گھوما کرتی تھی اور کئی کئی میل تک عکس ڈالتی تھی کہ جسکا نظارہ بڑا دلچسپ ہوتا تھا۔ ۹۸۴ فیٹ کی بلندی سے

ایفل ٹاور واقعہ پیرس ۹۸۴ فیٹ۔ واشنگٹن امریکا کی ایک پتھر کی لاٹ ۵۵۵ فیٹ۔ عظیم مخروطی مینار مصر ۴۸۰ فیٹ۔ کولون (جرمنی) کا گرجا ۵۱۱ فیٹ۔ پیٹرسبرگ کا گرجا ۴۴۰ فیٹ۔ گرجا سینٹ پیٹر (واقعہ روم) ۴۴۸ فیٹ۔ سینٹ پال گرجا لنڈن ۳۰۴ فیٹ۔ سالسبری کتھیڈرل انگلستان ۴۰۴ فیٹ

ایفل ٹاور کی عظمت کیا ذہن نشین ہو سکتی ہے۔ بمقابلہ اس کے کہ کوئی
شخص اس عظیم الشان آہنی برج کے نیچے جا کھڑا ہو۔ یا اسکی چوٹی تک
چڑھ جائے۔ ہر چند کہ اسکے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی سیڑھیاں لگی ہوئی
ہیں کہ جنکے ذریعہ سے اسکی چوٹی تک پہنچ سکتے ہیں۔ لیکن چونکہ اسکے چاروں
پہلوؤں میں اوپر جانے کے لئے لفٹ بھی لگے ہوئے ہیں۔ اسلئے لوگ
لفٹوں کے ذریعے چڑھنا ہی پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ لفٹ کے ذریعے
چڑھو یا سیڑھیوں کی راہ سے۔ مینار والے کرایہ یکساں لیتے ہیں۔ یہ لفٹ
خاصے معمولی کمرے کے برابر ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک میں ایک سو
آدمی آرام بیٹھ سکتا ہے۔ پہلی منزل پر جانیکا کرایہ دو فرانک۔ دوسری تک
اور دو فرانک۔ اور تیسرے تک اور دو فرانک اور وہاں سے چوٹی تک اور
ایک فرانک۔ مگر ایک ہی دفعہ سب بلندی کے لئے پانچ فرانک کرایہ
مقرر تھا۔ ہزارہا لوگ ہر وقت لفٹوں کے ذریعے سے چڑھتے اترتے رہتے
تھے۔ لفٹ میں بیٹھ کر دروازہ بند کیا اور دم زدن میں اوپر کی منزل پر جا
پہنچے۔ پہلی منزل پر جگہ بڑی کشادہ ہے۔ مینار کی چاروں طرف ایک چھوٹی
سی ہر طرف ۶ گز سڑک سیمنٹ یا اسفالٹ کی بنی ہوئی ہے۔ کئی قسم کے
"پینی ان دی سلاٹ" مشینیں لگی ہوئی ہیں۔ ان میں آنہ یا دو آنہ کے برابر ایک
سکہ ڈالنے سے کوئی نہ کوئی چیز خود بخود باہر نکل پڑتی ہے۔ یا مشین تھوڑا سا
باجا سنا دیتی ہے۔ یا اس میں سے کچھ خوشنما نظارے سامنے آجاتے ہیں۔
یہاں ایک کھانا کھانے کا رسٹارنٹ بھی ہے۔ دوسری منزل پر جگہ تنگ
ہو جاتی ہے۔ مگر رسٹارنٹ یہاں بھی ہے۔ جو جی میں آئے کھا پی سکتے ہو۔
ان دونوں منزلوں پر کئی چھوٹی چھوٹی چیزیں اور یادگاریں بیچنے کی دوکانیں
بھی ہیں۔ پوسٹ کارڈوں پر ایفل ٹاور کی تصویر چھپی ہوئی یا رومالوں پر ایفل
ٹاور چھپا ہوا اور کاڑھا ہوا۔ یا شیشہ کے گلاسوں اور چمچوں پر یہ ٹاور نقش کیا ہوا

یا اس کی چھوٹی سی پیتل کی نقل لوگ اسپر چڑھنے کی یادگار میں خرید لیتے تھے
ہر چند کہ پہلی اور دوسری منزلوں سے بھی شہر پیرس اور نمائش گاہ کا نظارہ بڑا
عجیب معلوم ہوتا تھا۔ شہر کی سطح کی بلندی اور پستی ٹھیک معلوم ہوتی تھی۔
پیرس کی جانب جنوب پہاڑی اور بلند زمین نظر آتی تھی۔ لیکن تیسری منزل سے
تو نیچے دیکھنے سے طبیعت گھبراتی تھی۔ دریائے سین پاؤں کے نیچے ایک
چھوٹی سی پانی کی نالی نظر آتی تھی۔ ایسا اچھا برڈز آئی ویو کسی دوسرے شہر کا
تو غبارہ میں بیٹھ کر ہی دیکھا جا سکتا ہوگا۔ پیرس کی ان عالی شان عمارات مثل
نوٹرڈام۔ لوور۔ سینٹ جرمین ڈ اپرے۔ سینٹ سلفیس اور پینتھیون جیسی
عالی شان عمارات کے کہ جن کی شہرت عالمگیر ہے گنبد مینار اور کلس نیلگوں
آسمان پہ کیسے صاف نقش کئے ہوئے نظر آتے تھے۔ یہاں جا بجا دوربینیں
بھی تماشائیوں کے لئے لگی ہوئی تھیں۔ جب میں تیسری منزل پر گیا تو آندھی
زور سے چل رہی تھی۔ اور مجھے گمان ہوتا تھا کہ اگر یہ ایفل ٹاور کو نہیں گرا سکے گی
تو میں بھوس کی طرح یہاں سے اڑ کر نیچے جا پڑوں گا۔ اسلئے مجھے چوٹی تک
جانے کی ہمت نہ پڑی اور میں نیچے اتر آیا۔ کوئی اور شخص بھی اسوقت اوپر نہ
جاتا تھا کیونکہ شام کا وقت تھا۔ جس طرح کسی انسان کے چہرہ پر ناک ہوتی ہے
ایسے ہی نمائش گاہ پیرس کے میدان میں ایفل ٹاور تھا

مناظر و مرایا کے شعبدات

ایک مکان بنام او پٹیکل پیلیس (Oalaiode optiq ues
مناظر و مرایا کے سامان سے پر تھا۔ یہ عالی شان مکان جو ایفل ٹاور کے متصل تھا
اسکے دروازہ کے گرد علم قصص الاصنام کے بت اور منطقۃ البروج کی شکلیں
بنی ہوئی تھیں۔ اسکا گنبد بھی جو زمین سے ۳۲ میٹر بلند تھا ایک ملٹی تستور برقی
روشنی سے مسلح تھا۔ ڈیڑھ فرانک اسکا داخلہ مقرر تھا۔ وہ عظیم الشان

دنیا کی سب سے بڑی دوربین۔

ساٹھ میٹر (۱۹۵ فیٹ) لمبی اور ۲۰ ٹن بھاری دوربین
کہ جس سے بڑی دوربین کبھی نہیں بنی۔ اسی مکان میں

رکھی ہوئی تھی۔ اسکے شیشے ایسے طاقتور تھے کہ ان کے ذریعہ سے چاند صرف چند میل دور نظر آتا تھا۔ اسکے ایک طرف ایک نئی مشین لوکالسٹ کی سیڈیسٹار رکھی ہوئی تھی کہ جسکے ذریعہ سے ہر وقت ایک ستارہ نظر میں رہ سکتا ہے۔ اور یہ اُسے نظر سے غائب نہیں ہونے دیتی ہر چند کہ بڑی دوربین اپنی پوزیشن نہیں بدل سکتی۔ اسکا وزن ۹۰ ٹن ہے۔ اور اسکے شیشے ایک میٹر ۵۰ سنٹی میٹر قطر کے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جب تماشائیوں کی ایک پارٹی اس مکان میں جمع ہو جاتی تو ایک ہیئت دان پروفیسر فرانسیسی زبان میں اس دوربین کے مقصد پر لکچر دیتا۔ پھر سب لوگ ایک تھیئٹر کی گیلری میں جا کر بیٹھ جاتے جہاں غالباً لایم لائٹ کے ذریعہ سے چاند اور دیگر سیاروں کی وہ صورت سامنے کی دیوار پر منعکس کی جاتی کہ جو اس عظیم دوربین میں سے نظر آسکتی تھی۔ یعنی چاند کے فوٹوگراف بڑے کر کے دیوار پر ڈالے جاتے جس سے صاف طور پر چاند کے مختلف حصوں کی سطح کے فراز و نشیب نظر آتے تھے۔ چاند کی سطح بالکل ویسی ہی تھی جیسی کہ میں نے ٹریٹو (برلن) کی بڑی دوربین سے دیکھی تھی۔ لیکن یہ ایسی روشن نہ تھی جیسی کہ اصلی چاند کے مشاہدہ سے معلوم ہوتی تھی۔ ظاہرا یہ ٹریٹو کی دوربین سے تگنی سے بھی لمبی دوربین ہوگی۔ اسکے علاوہ سائنس اور قابل دید نظارے اور چیزیں اس عمارت میں تھیں۔ ایک نیچے کے کمرے میں تین بہت بڑے محدب شیشے دکھلائے گئے جن میں سے ایک کا قطر اڑھائی گز سے کم نہ ہوگا۔ دو کا وزن پانچ پانچ ٹن (۱۴۰ من) سے زیادہ بتلایا گیا تھا جس سے ان کی جسامت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اسی کمرہ میں امریکہ کے ایک ہر دلعزیز ایکٹرس (تماشا گاہ میں ناچنے والی عورت) کا خالص سونے کا ٹھوس بُت کھڑا تھا۔

خالص سونے کا ٹھوس قد آدم کا بت

ایک ایکٹرس کا خالص سونے کا ٹھوس قد آدم بُت اسکی تعریف کرنے والوں نے امریکہ کی ایک سونے کی کان والے شہر سے بھیجا

تھا۔ آج کل کی تہذیب کے بھی عجیب و غریب کرشمے ہیں۔ ایک جگہ سمندر کی تہ کے جانور اور سمندر کے جنگل اور پہاڑ شیشوں کے پیچھے دکھلائے گئے تھے ایک جگہ زمانہ قدیم کے جانور عظیم الجثہ مثل سلامنڈر۔ ڈوڈو ہاتھی اور مچھلیوں کے دکھلائے گئے تھے جو اب دنیا سے معدوم ہو چکے ہیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ مصوروں کی شکلیں کاٹ کر ان کے پیچھے مدہم روشنی رکھدی ہے۔ اور شیشوں کی اوٹ سے یہ کیسے مہیب معلوم ہوتے تھے۔ ایک جگہ شیشہ کی دیواروں سے بھول بھلیاں بنادی گئی تھی۔ جسکے اندر داخل ہونے سے ہر طرف اپنی شکل نظر آتی تھی۔ اور بار بار شیشوں سے ماتھے ٹکراتے تھے اور لیڈیاں اور جنٹلمین ہنستے ہنستے لوٹ جاتے تھے۔ بعض برقی اور شیشہ کے شعبدات ایسے تھے کہ دیکھنے والوں کو کبھی فراموش نہ ہونگے۔ ایک کمرے میں تماشائیوں کی جماعت کو داخل کرکے وہاں تاریکی کردی گئی۔ ایک لکڑی ایک میخ سے میز پر جڑی ہوئی تھی۔ برقی طاقت سے یہ میخ کے گرد ایسے زور سے گھومتی اور چمکتی تھی کہ رعد کی گرج معلوم ہوتی تھی۔ ایک کمرہ میں ہیضہ اور طاعون کے کیڑے ایک میگنی فائینگ (بڑا دکھلانے والے) شیشہ کے پیچھے دیوار پر منعکس کرکے دکھلائے گئے۔ ایک جگہ قدآدم اور مقعر شیشے ایسے رکھے تھے کہ ان کے سامنے جانے سے دیکھنے والوں کی صورتیں کیسی کیسی مسخ ہو جاتی تھیں۔ کہیں دیو زاد لمبے اور کہیں بالشتیوں کی طرح پست قامت ہو جاتے تھے۔ ایک میم بہت موٹی اور پست قد تھی۔ اور پست قامت بنانے والے شیشے کے سامنے جاکر جو اسکی گت بنی تھی وہ اس پر خود ہنسی ضبط نہ کرسکی۔ ایک اور کمرے میں پہلے تاریکی کرکے ایک سیاہ کپڑے پر برقی فوٹو گراف کا عمل اس طرح دکھلایا گیا کہ جو لفظ حاضرین میں سے کوئی بولتا وہ ایک عورت ایک شیشے پر لکھ دیتی اور وہ خط شعاع میں کمرہ کی دیوار پر جو سیاہ کپڑے سے ڈھکی ہوئی تھی روشن ہو جاتا۔ ایک

اور کمرہ میں دو شیشہ کی پون پون گز کی لمبی اور معمولی لاٹھی کے برابر موٹی نالیوں کو صرف برقی بیٹری سے چھو دینے سے ایسا روشن کیا گیا کہ ان میں سے آگ کی لپٹیں نکلتیں۔ مگر ہاتھ لگانے سے نالیاں سرد معلوم ہوتیں۔ ایک کمرہ میں چند شیشہ کی صراحیوں میں ایک ایسا مرکب دیکھا جو ہلانے سے بالکل روشن ہو جاتا تھا۔ اور کسی کمرہ میں مدھم سی روشنی کر لینے کے لئے اس صراحی کا رکھ دینا کافی تھا۔ اسی اصول پر بنے ہوئے چند چھوٹے چھوٹے شیشہ کے لیمپ دیکھے جو صرف شیشہ کی ٹکیاں تھیں اور ان میں یہ مرکب پڑا ہوا تھا۔ روغن زیتون میں اگر فاسفرس کو حل کر لیں اور اسے شیشی میں ڈال کر تاریک کمرہ میں رکھیں تو وہاں ایسی ہی روشنی ہو سکتی ہے۔ اور غالباً ان شیشوں میں بھی مرکب فاسفورس تھا۔ ایک اور کمرہ میں ایک شخص باجا بجاتا تھا تو ساتھ ہی کمرہ کے چاروں طرف بعض برقی لیمپ خود بخود جلتے اور بعض بجھتے جاتے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر باجا کا کسی نہ کسی برقی لیمپ سے تعلق تھا۔ غرض علم مناظر و مرایا کے بہت سے عجیب و غریب شعبدات یہاں دکھلائے جاتے تھے۔

سر نیچے ٹانگیں اوپر | اور ایک مکان کا نام "الو آر ڈوا آفور" یعنی اُلٹ پلٹ کا مکان تھا۔ جسکا داخلہ ایک فرانک تھا۔ اسکے اندر داخل ہو کر ہر چیز اُلٹی نظر آتی تھی۔ میں خود بھی اندر پہنچنے کے اپنی ٹانگیں چھت سے لگی ہوئی اور سر فرش پر دیکھ کر حیران ہو گیا۔ اندر جتنی لیڈیاں اور جنٹلمین تھے سب کی یہی گت نظر آتی تھی۔ میزیں چھت سے لگی ہوئی تھیں اور جھاڑ فانوس زمین سے لگے ہوئے تھے۔ اس کے اندر مسخرے کے اور اور کئی قسم کے تماشے تھے۔ اور کھانے پینے کا سامان بھی بکتا تھا۔ کھانے پینے سے ان لوگوں کی کوئی جگہ خالی نہیں ہو سکتی۔ ایک فوارہ ایسی طرح چلتا ہوا نظر آیا جسکا پانی چھت سے نیچے آکر پھر چھت پر جا گرتا۔ یہ سب

کا کام تھا بڑی کاریگری سے کیا ہوا - مگر تمام دیواریں اور چھت شیشے کے بنے ہوئے تھے جسکا یہ نتیجہ ہوگا۔ تیسری منزل پر ایک شیشہ کا محل ایسا بنا ہوا تھا کہ جو اس میں داخل ہو فوراً اسکے سینکڑوں سر اور سینکڑوں ٹانگیں اور بازو نظر آنے لگیں -

سیر گرد زمین ٹور راؤنڈ دی ورلڈ (سفر گرد زمین) ایک اور دلچسپ تماشا تھا - اس عمارت کی بیرونی شکل چینی جاپانی کمبودیا اور ہندوؤں کی طرز تعمیر سے مرکب تھی - باہر سے ایک بلند چینی مینار معلوم ہوتا تھا - اور اندر داخل ہوتے ہی بودھ کے کئی بتوں سے آراستہ نظر آتا تھا پینورا ما دروازہ ٹوکیو کے ایک مندر کے دروازے کی نقل تھی - اسی کے قریب ایک چینی مینار پانچ نیکو کے مینار کی نقل بنایا گیا تھا - ڈیڑھ فرانک داخلہ نصف فرانک کا پینورا ما کا گائڈ اور ۱۰ اسٹیم جہاز رکھنے کو دئے - اندر داخل ہو کر دیکھا تو پینورا ما کو واقعی دلچسپ پایا - اس سے بڑھ کر مصوری کا کمال کیا ہو سکتا ہے - دیا نا میں قیصر فرانس جوزف کے حالات زندگی کا جو پینورا ما دیکھا تھا اِسکے سامنے وہ ہیچ ہے - اس میں یونان شام پورٹ سعید - سیلون - سیام - چین - جاپان اور ہسپانیہ کے سین دکھلائے گئے تھے - اور ہر ملک کے نظارہ میں جیسی کہ توقع کی جا سکتی تھی وہاں کی عمارات وہاں کے درخت بلکہ وہاں کے آسمان کی مختلف شکلیں بلکہ مختلف موسم تصویر کی خوبی اور صفائی کا اثر پیدا کر کے دکھلا دیئے گئے تھے - لیکن اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ تھی کہ ہر ملک کے سین میں وہیں کی عورتیں اور مرد لا کر سامنے بٹھلانے گئے تھے - دو جاپانی عورتیں بید کے گلابی رنگ کے آسمان کے نیچے پر شگوفہ سیب کے پودوں کے پاس بیٹھی ہوئی اپنا قومی شربت ساکی پینے میں مصروف تھیں - چین کے شہر شانگھی کے خوشنما فصیل دار باغات اور چینی میناروں کے قریب چینی مرد

اور عورتیں کسی تری کھیل میں مصروف تھیں۔ عورتوں کے پاؤں بندھے ہوئے گیندوں کی طرح گول اور مردوں کے ناخن درندہ جانوروں کے ناخنوں کی طرح بڑھے ہوئے تھے۔ نہر سویز کے ریگستانی نظارہ کے قریب پورٹ سعید کا مصری کلگومٹی کے برتن بنا رہا تھا۔ اور اسکی بیوی انہیں دیکھ بھال رہی تھی۔ شام کے یہودی زیور بنانے میں مصروف تھے۔ قسطنطنیہ میں آبنائے باسفورس کا خوبصورت نظارہ دکھلایا تھا جسکے دونوں طرف کے مساجد کے مینار نیلگون آسمان کے مقابل نہایت دلکش معلوم ہوتے تھے اور ایک طرف ترکوں کا بڑا قبرستان دکھلایا تھا جسکے بید مجنوں کے درخت اور قبروں کے مرمر کے کتبے بآبر شناخت ہوسکتے تھے۔ ان اصلی اور جاندار نظاروں کو تصویر کے پردہ سے ایسی عمدگی سے ملحق کیا گیا تھا کہ تماشائیوں کے لئے باوجود جستجو کے یہ دریافت کرسکنا مشکل تھا کہ کہاں تصویر شروع ہوتی ہے اور کہاں مادی حصہ ختم ہوتا ہے۔ نمایش کئے زندہ نمونوں میں دو ہسپانی عورتیں اور دو مرد بھی دکھلائے گئے تھے۔ جو ویسے ہی سرخ و سپید تھے جیسے فرانسیسی ہوتے ہیں۔ اور ان کی سرحد بھی فرانسیسوں سے ملتی ہے۔ لیکن چونکہ یہ لوگ سیر و سیاحت کے بہت کم شائق ہیں ان کے نمونے بھی یورپ میں کم لوگوں نے دیکھے ہونگے۔ یہی ان کی خانہ نشینی اب اس قوم کی نکبت کا موجب ثابت ہو رہی ہے۔

ہندوستانی عجان ستی

سیلون کے نظارہ میں دو بمبئی کے مسلمان عجان ستی مع ایک چھوٹی سی لڑکی کے بیٹھے ہوئے تھے۔ مگر انہوں نے سیلون والوں کی سی پگڑیاں باندھ رکھی تھیں۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگے کہ چار ماہ میں جب سے یہ یہاں بیٹھے ہیں تم پہلے ہندوستانی یہاں آئے ہو جس سے اپنی بولی میں بات کرکے خوش ہوتے ہیں۔ ورنہ ایک طرف چینی اور دوسری طرف مصری ہمسایہ ہیں جن کی ایک بات سمجھ میں نہیں آتی اور جو لوگ ہمیں دیکھنے آتے

اس کی نچلی منزل میں کوہ الپس کی چوٹیوں پر چڑھنے کے سامان کے نمونے مثل رسوں۔ سیڑھیوں اور نوکدار لاٹھیوں کے موجود تھے۔ برفباری کی صورتوں میں جن مکانات میں مسافر پناہ لیتے ہیں اُن کے ماڈل۔ اور کوہ الپس کی بوٹیوں اور پتھروں کے نمونے بھی جمع کئے گئے تھے۔ اور اُس نواح کے باشندوں کی خوبصورت پوشاکیں بھی دکھلائی گئی تھیں۔ دوسری چھت پر کوہ الپس کے خوبصورت اور خوفناک منظروں کے مرقعے اور فوٹوگراف تھے۔ اور وہاں کی نہایت دشوار گذار چوٹیوں راستوں اور خندقوں اور وادیوں کے آٹھ ڈایورامے اور ایک پینورا ما تھے۔ ان میں سے ایک ڈایوراما ڈارجیلنگ کے گراؤ کا تھا کہ جس سے گہری تر زمین غار دنیا میں دوسری نہیں۔

خالص شیشہ کا مکان | یونس کے پیلیس آف لائٹ کا نام قصر الزجاج رکھنا مناسب ہوگا۔ کیونکہ یہ مکان از سرتاپا کانچ اور شیشہ کا بنا ہوا تھا۔ اس میں سوائے مختلف قسم کے شیشہ کے کوئی دوسری چیز استعمال ہوئی ہوئی مجھے تو نظر نہیں آتی تھی۔ اور اسی سبب سے اسکے کسی کونہ یا کونے میں ذرہ بھی تاریکی داخل نہیں ہوسکتی تھی۔ نیچے کی منزل میں شیشہ بنانے کی ایک بھٹی تھی کہ جس میں شیشے کے مختلف آلات اور ظروف تماشائیوں کے سامنے صبح سے شام تک لوگ بناتے رہتے تھے۔ اور لوگ چھوٹی چھوٹی چیزیں سوونیر (یادگار) کے طور پر خریدتے رہتے تھے۔ اسکے تہ نما چھت سے شیشہ کی نوکدار شاخیں نکلی ہوئی تھیں جو قدرتی حالت میں بلور کی معدنوں میں پیدا ہوجاتی ہیں۔ باہر کی طرف فراخ سیڑھیاں اوپر کو جاتی تھیں۔ جو مع اپنے شبکہ دار دیوار کے بالکل میلے شیشہ کی بنی ہوئی تھیں۔ دوسری منزل میں ایک بڑا کمرہ اور ایک برآمدہ تھا۔ ان کے فرش چھت اور دیواروں میں بیسویں صدی کے انتہائی زمانے کی شیشہ گری کے کمال دکھلائے گئے تھے۔ فرش پر شیشے کے رنگوں میں بنا ہوا قالین اور سنہری ستاروں کی نقل اُتاری گئی تھی۔ دیواروں میں

بڑے سورج مکھی کے پھولوں وغیرہ کی ڈیزائنیں کٹ گلاس میں بنائی گئی تھیں۔ ہر قسم کے شیشہ کا نمونہ اس تعمیر میں صرف کر دیا گیا تھا۔ جس سے اس میں جا بجا ہیرے لعلوں اور پنوں کی جھلک پڑتی تھی۔ اس مکان کی سجاوٹ بھی شیشہ آلات سے کی گئی تھی اور اس میں جو ایک دو دکانیں تھیں وہ بھی صرف جواہرات کی اقسام بیچتی تھیں۔ اور اس میں بیٹھنے کے دو تین کوچ بھی خالص شیشہ کے بنے ہوئے رکھے تھے۔ اسکا داخلہ ایک فرانک تھا رات کو اس عمارت میں صدہا برقی چراغ روشن ہو جاتے اور تمام عمارت دور سے ایک نور کا حباب نظر آتی۔ اس کی چوٹی پر ایک شیشہ کا بت یونانی مائیتھالوجی کے مطابق آفتاب کی بیٹی الکٹروتن کا لگایا گیا تھا۔ اس خوبصورت مکان کا بانی ایم پونس افسوس ہے کہ اس کی تکمیل تک پہنچنے سے پہلے مر چکا تھا۔

لباسوں کا عجائب خانہ پیلیس آف کاسٹیوم یعنی لباس کا محل بھی نمائش پیرس کی ان تعلیم اور دلچسپی کی متعدد نمائشوں میں سے تھا کہ جس پر پانی کی طرح بے دریغ روپیہ خرچ کیا گیا تھا۔ اور لباس کے پہلو میں جو چیز کسی خرچ اور کوشش سے دستیاب ہو سکتی تھی یہاں فراہم کی گئی تھی۔ خصوصاً فرانس اور عموماً یورپ کی تاریخ کے بڑے واقعات اور شاہی درباروں اور نامور تاریخی لوگوں کی تصاویر بہم پہنچا کر ان سے بڑی احتیاط کے ساتھ اس عہد کے نئے لباس تیار کرائے گئے تھے۔ اور مومی بتوں کو ان میں ملبس کر کے کھڑا کیا گیا تھا۔ انکے دیکھنے سے حیرت ہوتی تھی کہ لباس کس قدر تغیر پذیر چیز ہے۔ اور ایک زمانہ میں امرا اور سلاطین جس لباس کو شاندار اور شریفانہ سمجھتے ہیں دوسرے زمانہ میں اسے بے رحمی سے متروک کر دیا جاتا ہے۔ داخل ہوتے ہی مصری سپہرے وغیرہ تھے۔ اور سامنے طرف اہل روما کی زندگی کے نظارے دکھلائے گئے تھے۔ دربار سلاطین بازنطین بھی بنایا گیا تھا۔ قرون وسطیٰ کے یورپ کے سرداروں کے لباس اور اُن کے بعد لبادے نیزے بھی ایک جگہ آراستہ کئے گئے تھے۔ معلوم

ہوا کہ ایک زمانہ میں یوروپ کی امیر عورتیں صبح کو بہت عمدہ لباس پہن کر اپنے بستر ہی پر بیٹھی رہا کرتی تھیں۔ اور وہیں زن و مرد ملاقاتی اسلیئے آکر ملتے تھے۔ سجالیکہ آج کل کسی کے بستر کا کمرہ دیکھنا بھی معیوب بات سمجھی جاتی ہے۔ لیکن آسٹریا کی مشہور ملکہ ایمی چونکہ بڑی سست تھی اور وہ بستر ہی پر بیٹھ کر اپنے امراء وزراء کے ساتھ امور سلطنت کے احکام نافذ کیا کرتی تھی اسلئے یہ رسم پھیل گئی تھی۔ نپولین اعظم کی بیوی تاجپوشی لباوہ پہن رہی تھی۔ اور مختلف زمانوں کے لباس جابجا اکٹھے کر دیئے گئے تھے۔

قصر نسوان | پیلیس آف ووِمن یعنی قصر نسوان کی غرض یہ تھی کہ عالم نسوان کی ہر زمانہ کی تاریخ اور سلسلہ وار ترقی کو نہ صرف فرنیچر و اثاث کی دستکاری میں بلکہ اس کی ذہنی ترقی اور خانگی فرائض کی کامیابی اور اس کی زندگی اور لیاقت کے ہر پہلو میں دکھلایا جاوے۔ اس مکان کی سطح کی گیلری پر فرانس اور بعض دیگر ممالک یوروپ کی عورتوں کے پیشے اور خاص خاص پوششیں جو وہ پہنتی ہیں دکھائی گئی تھیں۔ اور اسکے پہلو کے چاروں کونوں میں وہ نئے پیشے جو جدید سائنس نے زمانہ حال میں عورتوں کے لئے پیدا کئے ہیں مثل ٹیلیفون اور ٹائپ رائٹر وغیرہ کے دکھلائے گئے تھے۔ بیچ میں یوروپ کی اُن نامور عورتوں کے قد آدم بُت اُن کے خاص لباسوں میں کھڑے کئے گئے تھے۔ کہ جنہوں نے اپنے عصر میں بڑے بڑے کام کئے ہیں۔ ان میں جون آف آرک۔ روس کی ملکہ کیتھرائن۔ انگلستان کی ملکہ الیزبیتھ اریلا آف کیسٹل میریا تھریسیا آف آسٹریا۔ امریکہ کی مسز بیچر سٹو جس نے انکل ٹامس کیبن ایسا مشہور ناول لکھا تھا۔ اور اور کئی عورتیں تھیں۔ دوسری منزل پر عورتوں کی دستکاریوں کے نمونے اور عورتوں کے لئے مخصوص کانفرنس ہال اور تھیٹر۔ اور عورتوں کے لکھنے پڑھنے کی اپارٹمنٹ اور سنگار کے کمرے۔

روس کی شرابیں | روس الکوہال شرابوں کا مکان کہ جس میں پولینڈ اور ریگا

کی شرابیں مقطر کرنے کا سامان رکھا گیا تھا۔ اور شراب بنانے کا طریقہ دکھلایا جاتا تھا کہ جسے کی صورت کا لمبا چوڑا مکان تھا۔ آسٹریا کے پہاڑی صوبہ تائیرول کی پیداواروں اور منظروں کی تصویروں وغیرہ کے لئے ایک الگ خوبصورت مکان تھا۔ اور سینٹ مارین کی چھوٹی سی جمہوری ریاست کی نمائش کا خوشنما مکان اسی نواح میں علیحدہ تھا۔ ان چھوٹے چھوٹے مگر پرتکلف مکانوں کی نفاست اور سجانے کا سلیقہ اور ان میں جو چیزیں دکھلائی گئی تھیں ان کا اہتمام دیکھ کر مجھے خیال ہوتا تھا کہ ان کی یہی مثال ہے کہ اگر کلکتہ یا دہلی میں نمائش ہو تو نہ ہندوستان کے ہر صوبہ کی نمائش علیحدہ ہو بلکہ تمام چھوٹی بڑی دیسی ریاستیں اپنے یہاں کے اسباب کی علیحدہ علیحدہ یا دو دو چار چار ملکر نمائش کریں۔ مگر یہ ابھی بہت دور کی بات ہے۔

یورپ اور افریقہ کی سیر کا دھوکہ

بیلون سینوراما ایک اور نہایت عجیب کشش اس نمائش گاہ میں تھی۔ ایک دلکش پینوراما کے اندر ایک بہت بڑے غبارے کی گاڑی پر لوگوں کو سوار کیا جاتا تھا۔ اور غبارہ ایسی طرح فضا میں چلتا ہوا معلوم ہوتا تھا کہ گویا سینکڑوں میل کی مسافت طے کر رہا ہے ابھی ناپید اکنار بحر اعظم سمندر پر گذر رہا ہے۔ اور تھوڑی دیر میں یورپ میں نائیس کارنیوال (میلا) نظر میں پھر جاتا ہے۔ اس سے آگے دو فوجوں کی جنگ ہو رہی ہے۔ توپیں چل رہی ہیں۔ بندوقیں چلتی ہیں۔ اور متخاصمین ایک دوسرے پر حملے کر رہے ہیں۔ ذرا آگے ہسپانیہ کے پرانے قصبات کی منڈیوں کی رونق نظر آتی ہے۔ اور اہل ہسپانیہ کا مرغوب کھیل یعنی بیل کی لڑائی ہو رہی ہے۔ تھوڑا اور آگے بڑھ کر افریقہ کے لق و دق ریگستان میں قافلوں کی قطاریں آ رہی ہیں۔ اور ایک عرب سواروں کا دستہ کسی قبیلہ کو تاخت و تاراج کرنے کے لئے سرپٹ گھوڑے ڈالے جا رہے ہیں اور پھر لوٹ کر غبارہ ایک یورپ کے پر رونق شہر میں آکر ٹھہر جاتا ہے۔ گویا

کہ ہزاروں میل کی سیر و سیاحت میں جو نظارے انسان کو یاد رکھنے کے قابل نظر آتے ہیں وہ یہاں چند منٹ میں آنکھوں کے سامنے پھر جاتے تھے۔ اور اس صفائی اور خوبی سے کہ اس امر کا باور کرنا مشکل معلوم ہوتا تھا کہ یہ مصنوعی نظارے ہیں۔ اور گو ظاہرا یہ کھیل تماشا ہی تھا تاہم اس تکمیل میں سائنس کی بہت سی آخری ترقیوں سے مدد لی گئی تھی۔ یعنی خاص قسم کے سینومیٹوگراف کی بہت سی تصویروں کو ملا کر ایک خاص طرز کے پہیے کے گرد کر جسکے یکساں دندانے اُس کی حرکت میں ذرہ بھی وقفہ نہیں ہونے دیتے تھے ۳۰ ہزار سے ۴۰ ہزار تصویریں ایک منٹ میں نظر کے سامنے سے گذر جاتی تھیں۔ واضح رہے کہ سینمیٹوگراف کے تماشہ میں زندہ اور متحرک تصویریں چلتی پھرتی اور کام کرتی نظر آتی ہیں۔ اور فوٹوگرافی کی ایک خاص تدبیر سے کسی متحرک چیز کے سینکڑوں فوٹوگراف کہ جن میں سے ایک دوسرے میں مشکل فرق نظر آتا ہے ایک منٹ میں سینکڑوں لئے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک دوڑتے ہوئے گھوڑے کے ایک قدم اٹھا کر دوسری جگہ رکھنے کے درمیان اگر اسکے دس پندرہ فوٹوگراف مختلف حالتوں کے لے لئے جائیں تو ان میں آپس میں بہت کم فرق معلوم ہوگا۔ پھر انہیں تصویروں کو قریب قریب جوڑ کر اگر جلدی سے نظر کے سامنے سے گذرا جاوے تو معلوم ہوگا کہ گھوڑے نے بعینہ ایک قدم اُٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیا ہے۔ یہ سینومیٹوگراف کے تماشہ کی تفصیل ہے۔ لیکن بعض اور سائنٹفک تدابیر کی مدد سے اس سینوراما کو اشیا کا قدرتی رنگ بھی ایسی اچھی طرح حاصل ہو گیا کہ اسکے منظروں کے قدرتی ہونے میں شک باقی نہ رہ جاتا تھا۔ اور اس طرح یہ سینومیٹوگراف اور سینوراما کا مجموعہ ایک ہزار میٹر (فی میٹر ۳۹،۳۷ انگریزی انچ) لمبا نظارہ دکھلا کر ساری دنیا کو حیران کر رہا تھا۔ دو فرانک داخلہ تھا۔

بحری سفر کا نمونہ سیرپوراما سے مراد بحری نظارہ ہے۔ اسی طرح میں ایک فرانک لیکر اس پینوراما کے اندر مارسیلز سے قسطنطنیہ تک بحری سفر کا نظارہ دکھلاتے تھے۔ راستہ میں الجیرز نیپلز اور وینس کے خوبصورت منظر نظر آتے تھے تماشائی اپنے آپ کو ایک سچ مچ کے جہاز کے صحن میں بیٹھا ہوا پاتے۔ اور یہ جہاز کسی ذریعہ سے اسی طرح ہچکولے بھی کھاتا تھا جیسے کہ طوفانی سمندر میں سچ مچ کا جہاز ڈگمگاتا ہے۔ جہاز کے نلوں سے دھواں نکلتا تھا۔ دخانی وسل (سیٹیاں) بجتی تھیں، پال پھیلے ہوئے تھے۔ اور سمندر اور کنارہ کے متنوع نظارے آنکھوں کے سامنے سے گذرتے جاتے تھے۔ دور سے بجلی کڑکتی اور چمکتی ہوئی نظر آتی تھی۔ آندھی کا سماں بھی پیدا ہوتا تھا اور سمندر میں طلوع و غروب آفتاب کے خوشنما نظارے بھی دکھلائے جاتے تھے۔ ایک دوسری جگہ ایک ٹرینس اطلانٹک پینوراما دکھلایا جاتا تھا۔ جس میں بحیرہ روم کے بار و خوبصورت منظر ساحل افریقہ کے بحری سفر کے دوران میں نظر آتے تھے۔ الجیرز میں فرانسیسی شہر۔ ٹیونس کا نظارہ ایک عربی حمام اور بیابان میں چلتا ہوا کاروان وغیرہ ایک فرانک لیکر دکھلاتے تھے۔ ایک جگہ "وینس و پیرس" کا پینوراما بھی بنایا گیا تھا مگر وینس در ویانا کا جو ویانا کے بیان میں ذکر ہو چکا ہے وہ اس سے بہت اعلیٰ تھا۔

علم ہیئت کا خلاصہ آسمانی کرہ۔ یہ سرخ رنگ کا عظیم الشان کرہ جسکے اوپر دور سے منطقۃ البروج کی شکلیں بنی ہوئی نظر آتی تھیں اس غرض سے بنایا گیا تھا۔ کہ اسکے اندر علم ہیئت کے اکثر بڑے بڑے مسئلے عام لوگوں کو سمجھائے جائیں نظام شمسی بنا کر دکھلایا جاوے۔ اور لوگ اپنی آنکھ سے دیکھ کر سمجھ لیں کہ آفتاب کے گرد کون کون سے سیارے کس طرح حرکت کرتے ہیں۔ اور زمین پر رات دن کیوں ہوتے ہیں اور موسم کیوں بدلتے رہتے ہیں۔ تمام ستاروں کے اجرام میں ان کے حجم کی باہمی نسبت قائم رکھی تھی۔ اور

اس طرح کرۂ ارض آٹھ میٹر قطر کا بنایا گیا تھا۔ خود یہ بڑا کرہ یا ہیئت کی نمایش کا مکان ۴۰ میٹر قطر کا تھا۔ مگر افسوس کہ کسی وجہ سے ان دنوں بند تھا کہ جب میں نمایش میں تھا۔

وسطی امریکہ کی جمہوری ریاستیں

جمہوریہ ایکواڈور اور وسطی امریکہ کی دیگر جمہوری ریاستوں نکاراگوا گوئٹی مالا۔ کوسٹاریکا۔ ہانڈورس اور سالویڈور کی پیداوار اور ملکی حرفتوں کی نمایش کے لئے یہ دو منزلہ عمارت تعمیر کی گئی تھی۔ ان سب ریاستوں کی پیداوار اور حرفت قریباً یکساں تھی۔ مثلاً خام قہوہ۔ کوکوا۔ گٹا پرچہ تمباکو اور زیادہ تر جنوبی افریقہ کے وسیع جنگلات کی لکڑیوں کے نمونے تھے۔ اور دستکاریوں میں شکر سفید قالین۔ روئی۔ کپڑا۔ اون۔ زردوزی اور لیس کے نمونے اور کھجور کے ریشوں کے جہازی بستر (Hammock) تھے۔

مراکش کی عمارت

مراکش کا مکان بھی نواح ایفل ٹاور کے دلکش نظاروں میں بڑا عجیب تھا۔ چونکہ مراکو ایک آزاد سلطنت ہے اسلئے دریا کے اس طرف اسکا مکان بنایا گیا تھا۔ ورنہ الجیریا۔ ٹیونس اور مصر وغیرہ اسلامی ممالک کے مکانات دریائے سین کے مقابل کی طرف تھے کہ جنہیں نمایش کے چھٹے حصے کے ذیل میں بیان کرونگا۔ یہ مکان فیض کے عمدہ مکانات کا نمونہ بنایا گیا تھا۔ اور اس میں تمام شان عربی تعمیر کی موجود تھی۔ پیشانی پر مغربی خط میں بسم اللہ الرحمن الرحیم اور "سلطان عبد العزیز سلطان المغرب" وغیرہ چینی کے حروف میں لکھا ہوا تھا۔ اور ایک نہایت خوبصورت اذان کا مینار بھی ایک کونے پر روغنی تعمیر میں بنایا گیا تھا۔ مکان کے اندر داخل ہو کر صحن میں ایک فوارہ جاری تھا۔ پہلوؤں میں ستون اور برآمدے تھے جنہیں مراکو نمونہ پر موزائیک کا کام لگا ہوا تھا۔ مکان کے اندر مراکو کی صنعت کے طور پر اچھے اچھے بساط کے قالین اور کئی رنگوں کے چمڑے کے کام کے نمونے تھے کہ جن کاموں میں اب تک مراکو مشہور ہے۔ حمایل اور چمڑے کے بہت بڑے بڑے پھندنے والے جوتے اور سلیپر تھے

بعض پر طلا کا کام تھا۔ کھجور کے پنکھے اور کھجور کے تھیلے۔ پرانی طرز کے چینی مٹی کے برتن۔ نیلگون رنگ کے مرتبان تھے جیسے ہندوستان میں بھی ہوتے ہیں۔ ریشمی کپڑے پر ریشم اور طلا کا کشیدہ۔ پیتل کے برتن خصوصاً جیسے جن میں عربی نقاشی کا سیدھے خط کا کام تھا۔ کچھ عجیب قسم کے چار جامہ کی زینیں طلائی کام کی تھیں۔ توڑہ دار بندوقیں اور چمڑے بارود کی کپیاں جن پر سنہری کام تھا۔ اس نمائش گاہ میں ایک عجیب دلچسپ بات یاد آتی تھی کہ ایک طرف تو یورپ اور امریکہ کی اعلےٰ درجہ کی ترقی یافتہ صنعتیں اور بیس بیس گز لمبی جنگی توپیں اور پیچیدہ کلیں پڑی تھیں اور دوسری جانب مراکو اور سوڈان کی صنعتیں موجود تھیں۔ مکان کے اندر دو قومی ہیکل مسلمان عربی شکل کے جبے اور عمامے پہنے ہوئے اسباب کے محافظ تھے۔ ان کے رنگ بالکل گورے تھے۔ عموماً اہل مراکو سرخ و سپید رنگ کے ہوتے ہیں۔ مکان کی دیوار پر مراکو کے مختلف منظروں کے فوٹوگراف تھے۔ اسکے متصل مراکو کے رسٹارنٹ اور قہوہ خانہ سے پلاؤ اور مراکو کی مٹھائی معہ وہاں کے قہوہ کے مل سکتی تھی۔ اس مکان کے گرد کوئی سو پچاس چھوٹی چھوٹی دکانوں میں یہودی چھوٹی چھوٹی چیزیں پیرس ہی سے خرید کر فروخت کر رہے تھے۔ ایک یہودی کی دکان پر ایک بہت عمدہ زندہ اشتہار تھا۔ یہ ایک حبشی سے فرانسیسی لفظ کہلواتا تھا۔ جو ان کا تلفظ بہت غلط کرتا تھا۔ اور بہت لوگ اسے سنکر ہنستے تھے۔ یہیں ایک دوسرے دکاندار نے پانی کے نلکے سے ایک چھوٹی سی کل بنا رکھی تھی۔ نلکے کے پانی کی دھار ایک پنکھے پر پڑتی تھی جو پن چکی کے پنکھے کی طرح تھا۔ اسکے ایک طرف چار کوڑیاں بندھی تھیں جو گھوم کر چار گلاسوں کو لگتی تھیں۔ اور ان سے خاصی سریلی آواز پیدا ہوتی تھی۔ بہت لوگ تھوڑی دیر کے لئے اس چھوٹی سی دکان پر یہی تماشا دیکھنے کو کھڑے ہو جاتے تھے۔

نمایش کا چھٹا حصّہ

اب میں نمایش گاہ کے چھٹے اور آخری حصہ کے کچھ حالات لکھتا ہوں جو شانڈ امارس کے مقابل دریا کی دوسری طرف باغات ٹراکوڈیرو میں اُن کے متصل واقع تھا۔ اس حصہ میں زیادہ تر ممالک یورپ کی نوآبادیوں اور مقبوضات کی نمایش اور کچھ تماشہ اور دلچسپی کے مکانات تھے۔ بائیں طرف کی جگہ فرانس کی نوآبادیوں کو دی گئی تھی۔ اور دائیں طرف انگلستان ہالینڈ روس پرتگال۔ ڈچ مقبوضات اور چین جاپان روسی سائبیریا اور ٹرینسوال وغیرہ تمام متفرق ممالک تھے۔

میڈیغاسکر جزیرہ میڈیغاسکر کی نمایش ایک ۵۰ میٹر قطر کے گول مکان میں تھی۔ نیچے سطح پر ایک جزیرہ بنایا گیا تھا جس پر میڈیغاسکر کے درخت اور پودے لگے ہوئے تھے۔ اور اس جزیرے کے زندہ پرند اور جانور یہاں لاکر رکھے گئے تھے۔ اسکے گرد پانی کا ایک گول قطعہ تھا۔ جس میں دو تین چھوٹی چھوٹی اہل میڈیغاسکر کی کشتیاں پڑی تھیں اور کئی زندہ گھڑیال پانی میں چھوڑے گئے تھے جو کبھی کبھی منہ کھول دیتے تھے۔ دوسری منزل پر اس وسیع جزیرہ کی مختلف قوموں کی روزمرہ زندگی کے عملی کاروبار اور پیشے دکھلائے گئے تھے۔ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ وہاں سونا کیسے نکالتے ہیں اور وہاں کے کھیتوں کو پانی کیسے پہنچاتے ہیں۔ اور چونکہ فرانس کو منظور ہے کہ اس کے اس نومفتوحہ ملک میں فرانسیسی نوآبادکاروں کو جاکر بسنے کی ترغیب ہو اسبارہ میں مکمل واقفیت بہم پہنچانے کا ایک دفتر یہاں رکھا ہوا تھا۔ یہیں جزیرے کے حیوانات نباتات اور اقوام کی نمایش تھی اور یہیں چاول قہوہ اور دوسرے

تھے مع ریشم اور روئی کے لمبے لمبے ریشوں کے پڑے تھے - اسکے علاوہ پتھروں اور جواہرات کے اقسام پوشاکیں زیورات تاریخی معلومات غرض اس جزیرہ سے واقفیت بڑھانے کی ہر چیز موجود تھی۔ ایک جگہ مٹی بتوں کا ایک موضع بنا ہوا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اگر کوئی فرانسیسی جزیرہ کے اندر غیر آباد جگہ میں جانا چاہے تو اُسے کیا کیا سامان از قسم اسلحہ و خوراک وغیرہ کتنے ولسیوں کے سروں پر اٹھوا کر لیجانا چاہئے - اور کس طرح اہل میڈیغاسکر فرانسیسی افسروں کی ڈولیاں اُٹھاتے ہیں۔ یہیں ۲۵ میڈیغاسکری باجا بجانے والے اپنی بھدی بانسریاں اور نقارے بجانے کیلئے مقرر تھے - تیسری منزل پر ایک پینورا مع میڈیغاسکر کا بنایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح فرانسیسی فوج نے تاناریوو پر قبضہ کر کے اسے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا اور یہاں کی سیاہ چہرہ ملکہ کو فرانسیس وظیفہ خوار بنایا گیا۔ اسی کے قریب ایک عمارت میں کرنل مارچنڈ فرانسیسی افسر کے مہم سوڈان کا ذکر جسکے متعلق انگریزوں اور فرانسیسوں کی لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی تھی، پینوراما بنایا گیا تھا۔ جسکا داخلہ ایک فرانک تھا۔ اس میں اس مہم کے راستہ میں جس قدر واقعات پیش آئے تھے اصلی قد کی تصاویر میں نمایاں کیا گیا تھا -

دو عجائب گاہیں قصر ٹراکوڈیرو ایک ایسا مکان ہے جو اس نمائش سے پہلے کا بنا ہوا ہے - اور جو اسکے بعد قایم رہے گا - اس میں علوم انسانی یعنی (اقوام عالم کی اشکال) اور کمپیریٹو سکلپچر پیرس کی دو عجائب گاہیں قایم ہیں - اول میں جو ۱۸۷۸ء سے قایم ہے امریکہ افریقہ اور اوشیانا کی قدیم و جدید شایستگی کے متعلق اشیاء اور دیگر اشیا کا مجموعہ ہے - اور مقابلہ کے لئے قبل از تاریخی یورپین تہذیب کی چیزیں بھی فراہم کی گئی ہیں - یہاں رومی اور یونانی سنگین بُت اور مٹی کی نقلیں رکھی ہوئی تھیں - دوسری میں جو ۱۸۸۲ء سے قائم ہے گیارھویں صدی سے زمانہ حال تک تعمیرات کے خاص خاص نمونے جمع کئے گئے

تھے کہ جن سے اس فن کی تاریخ سلسلہ وار اب تک معلوم ہوتی ہے۔ خدا جانے ہزاروں مختلف ذریعوں سے اس عجائب گاہ کے لیئے کس کس تلاش اور محنت اور کتنے خرچ سے یہ چونے اور پتھر کے ٹکڑے بہم پہنچائے گئے ہونگے۔ خواہ ہمیں اس خشک مضمون سے ذرا بھی دلچسپی نہ ہو۔

کیوبا و ہوائی | کیوبا اور ہوائی دونوں اضلاع متحدہ امریکہ کی نوآبادیاں ہیں۔ کیوبا نے دو سو چیزیں نمائش کو بھیجی تھیں۔ اس جزیرہ کی آمدنی کا بڑا ذریعہ شکر ہے۔ لیکن تمباکو یہاں کا بہت ہی مشہور ہوتا ہے۔ اسکے علاوہ قہوہ شراب روی غلہ میوجات تانبا خوشبوئیں قیمتی پتھر چینی کے برتن اور زر دوزی کا کام تھا۔ ہوائی کی بھیجی ہوئی چیزوں میں لاوا کے کچھ نمونے تھے جو اس جزیرہ میں آتشی مادہ سے نکلتا ہے۔ صندل کے صندوق۔ گودنے کے کئی نمونے اور کئی چھوٹی چھوٹی عجائبات مثل وھیل مچھلی کے دانتوں کے زیورات اور باشندوں کے عہد سے مزامیر وغیرہ کی تھیں۔

آسٹریا کی دستکاریاں | آسٹریا ہنگری یورپ میں ایک ایسا ملک ہے کہ جسکی کوئی نوآبادی یا مقبوضہ ملک یورپ سے باہر نہیں۔ تاہم آسٹریا بہت سی صنعت و حرفت کی چیزیں بنا کر دیگر ممالک کی نوآبادیوں کو بھیجتا ہے۔ اسلیئے اس نے نوآبادیوں سے اپنا تعلق اس طرح ظاہر کیا ہے کہ یہاں ایک مکان میں اُن تمام اشیا کے نمونے رکھ دیے ہیں جو کہ یہاں سے غیر ممالک میں بھیجی جاتی ہیں۔ خصوصاً آسٹریا کے تمباکو اور منبٹ وڈ کی کرسیاں وغیرہ یہاں نمایاں کی گئی ہیں۔

گرین لینڈ | مقبوضات ڈنمارک کے خوبصورت مکان میں زیادہ تر گرین لینڈ کی چیزیں ہیں۔ جہاں بہت سی بھیڑیں پالی جاتی ہیں کہ جن سے عمدہ قسم کی پشم حاصل ہوتی ہے۔ قطب شمالی کے وحشی جانوروں مثل ریچھ۔ رینڈیر ہرن اور سیل مچھلی وغیرہ کی کھالیں بہت عمدہ تھیں۔ سمندر

اور ندیوں کے پرندوں کا مجموعہ بہت دلکش تھا۔ جزیرہ آئس لینڈ کی پیداوار بھی یہیں دکھلائی گئی تھی۔ گو یہ جزیرہ بنجر اور آتشخیز ہے مگر اس میں مچھلیاں اور جانور انواع و اقسام کے ہیں اور معدنی دولت بھی کئی قسم کی ہے۔

بلجیم کی نوآبادی کانگو فری سٹیٹ جنوبی افریقہ میں دراصل بلجیم کی ایک ریاست ہے۔ اور ایسی آزاد نہیں جیسا کہ اسکے نام سے ظاہر ہے۔ بلجیم کے سوداگروں کی کمیٹی نے یہاں کی کچھ نمایش بہم پہنچائی ہے۔ جس میں شیشہ اور معدنیات کے کام کے نمونے اور سوتی کپڑے تھے۔ اور اس ملک کے دیسی باشندوں کے کام کے بھی نمونے دکھلانے تھے۔

الجیریا کی نمایش جیسا کہ مڈغاسکر کی نمایش سے معلوم ہوتا ہے اور فرانس کی دیگر نوآبادیوں کی نمایش سے معلوم ہوگا فرانس نے اپنی نوآبادیوں کی نمایش کرنے میں بڑا زور لگایا تھا۔ ہر ملک کی ہر قسم کی پیداوار اور آمدنی کے ابواب تفصیل سے دکھلانے تھے اور ان کے متعلق بہت سی مطبوعہ واقفیت بہم پہنچائی تھی۔ خصوصاً الجیریا کی نمایش پر بہت زور دیا گیا تھا۔ دو بڑے بڑے عالی شان مکانات مکان نیوش کے مقابل اور عجائب گاہ ٹراکوڈیرو کے سامنے تعمیر کئے گئے تھے۔ اور تمام نمایش گاہ میں کسی مسلمان کو بلحاظ شکل و صورت کے اور کوئی مکان ان سے زیادہ دلچسپ نہیں معلوم ہوتا ہوگا۔ انہیں میں سے ایک کے رسٹارنٹ میں کم از کم دن میں ایک بار عربی کھانے کھایا کرتا تھا۔ ان میں سے بڑی عمارت میں الجیریا کی سرکاری نمایش تھی۔ اور دوسرے مکان میں اس ملک کے منظروں کے تماشے اور چھوٹی چھوٹی کاریگر اور پیشہ وروں کے مکان تھے۔ الجیریا کی کئی قدیم اور عالی شان عمارات کے بعض حصوں کی اس عمارت میں نقل اتاری گئی تھی۔ ایک عالی شان مینار اور ان کے سلطان پاشا کی مسجد کی نقل پر بنایا گیا تھا۔ اور پیشانی پر عربی کا ایک لمبا کتبہ کندہ کیا گیا تھا۔ اس عمارت میں کئی گنبد اور چھت اور دروازے

خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ رات کو جب تین ہزار بجلی کے لیمپوں سے یہ عمارت روشن کی جاتی تو بہت خوبصورت معلوم ہوتی۔ اور اسکا بڑا گنبد جو الجیرز کے ماہی گیروں کی مسجد کے گنبد کا نمونہ تھا اس قدر روشن کیا جاتا جیسا کہ الجیرز کی مسجد کا ماہ رمضان میں کیا جاتا ہے۔ اس عمارت کا بڑا کمرہ جو مورسکس روم (عربی کمرہ) کے نام سے نامزد تھا (۱۴۴) مربع میٹر تھا کہ جسپر فن تعمیر و آرایش کا بڑا زور خرچ کیا گیا تھا۔ یہ الجیریا کے عجائب خانہ اشیاء عتیق کی نقل تھا۔ اور اس میں بہت سی تاریخی یادگار کی چیزیں۔ پلاسٹر کے بنے ہوئے نمونے طلسمان اور طبیشہ کے کھنڈرات اور الجیرز اور شرسل کے عجائب خانوں کے بتوں کے اور ہر قسم کے سکیچ اور نقشے تھے۔ سابقہ کمرے کی چھت کی الجیرز کی مسجد ماہیگیراں کے "مقبرہ قاضی" سے نقل کی گئی تھی۔ اور طلسمان کے قریب سیدی بن ادہم سے کئی پلاسٹر کے نمونے یہاں بھی رکھے گئے تھے اس ملک میں معلوم ہوتا ہے انگور بہت پیدا ہوتا ہے اور انگور اور انگور کی شراب اور کشید کے طریقوں کے لئے ایک کمرہ مخصوص کیا گیا تھا۔ اور کمرہ میں جنگلات کی پیداوار سرکاری اور پرائیوٹ نمایش کرنے والوں نے جمع کی تھی۔ کارک کے درخت کی چھال اور صنوبر اور اسکے رس کے یہاں بہت سے نمونے تھے۔ لکڑی پتھر اور معدنیات کے یہاں کئی نمونے تھے ایک درخت کی موٹائی اتنی تھی کہ اسکا کٹا ہوا سکشن کھڑے ہوئے میرے سر تک پہنچتا تھا۔ ایک کمرے میں تعلیم کا سامان سجایا گیا تھا۔ عربی اور فرانسیسی کتابیں جو الجیریا کے مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں۔ بچوں کی مشق کی کاپیاں اور تکلم جراحت کی قسم کا سامان یہاں موجود تھا۔ یہیں الجیریا کے کئی فرانسیسی اور دو ایک عربی اخبار بھی پڑے تھے۔ دو ایک فرانسیسی رسالے فن زراعت کے تھے جو الجیریا میں چھپتے ہیں۔ اور دو ایک عربی کتابیں بھی تھیں میں انھیں دیکھ رہا تھا کہ محافظ نے جو ایک نوجوان الجزائری عرب تھا مجھ سے

پتہ پوچھا۔ اور یہ معلوم کر کے کہ میں مسلمان ہوں۔ مجھ سے ہندوستان کے
متعلق کئی باتیں پوچھتا رہا۔ اسکا نام خواجہ سید علی بن مصطفےٰ جزائری تھا ہر چند
کہ یہ تعلیم یافتہ آدمی معلوم ہوتا تھا لیکن مجھ سے مسلمانان ہندوستان کی تعداد
دریافت کر کے حیران ہوا۔ اس نے کہا کہ میرا بھائی الجیریہ کے اخبار "المبشر"
کا ایڈیٹر ہے۔ پھر اس نے حقوق نسواں کے متعلق ایک کتاب دکھلائی جو
اسکے بھائی نے لکھی تھی۔ مجھے تعجب ہوا کہ مصر اور ہندوستان کے مسلمانوں
میں بھی اسی زمانہ میں حقوق نسواں پر کتابیں لکھنے کا خیال پیدا ہوا ہے۔ جو
زمانہ کا ایک بدیہی اثر ہے۔ وہاں الجیریا کے مسلمانوں کے متعلق فرانسیسی
زبان میں ایک رپورٹ پڑی تھی۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ یہ کہاں سے
ملیگی۔ تو اُسنے مجھے یہ اور اسی طرح تیرہ چودہ اور فرانسیسی رسالے الجیریا
کی زراعت جغرافیہ تاریخ مذہب اور دستکاریوں وغیرہ پر لا دیئے۔ اور کہا
کہ ہماری سرکار نے یہ خاص خاص واقف کار اشخاص سے مفت تقسیم کرنے
کے لیئے لکھوائے ہیں۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ کس تیاری سے الجیریا کی
نمایش کی گئی تھی۔ ایک کمرہ میں صرف تصاویر تھیں جو اس ملک کے متعلق
فرانسیسی اور عرب مصوروں نے ہاتھ یا کیمرہ سے کھینچی تھیں۔ ایک کمرہ کی
چھت کا گنبد مشہور شیخ عبد القادر الجزائری کی مسجد مسکارا سے نقل کیا گیا تھا۔
اس کمرے میں الجیریا کی کاشتکاری کی پیداوار اور آلات کے نمونے ہیں گیہوں
بہت اعلیٰ قسم کا تھا۔ مکئی۔ جو۔ جوار۔ چنی۔ ماش۔ مٹر غرض سب غلے
عمدہ تھے۔ دیواروں پر بونے کاٹنے غلہ نکالنے پیسنے کے فرانسیسی اور
عربی طریقوں کی تصویریں آویزاں تھیں۔ انگور نچوڑنے زیتون پیلنے۔ کھجور
اور سنگتروں کی فصل جمع کرنے۔ جنگل میں کارنیزین کنوئیں کھودنے اور
فاسفیٹس وغیرہ نکالنے کی تدبیریں بھی دکھلائی گئی تھیں۔ وہاں کی زراعتی
سوسائٹیوں نے ایک جگہ اپنی نمایش کی تھی جس میں تمباکو کے اقسام اور چمڑے

اور ریشم کے نمونے تھے۔ (ہندوستان میں جہاں تک میں جانتا ہوں کہ کبھی پرائیویٹ زراعتی سوسائٹی اتنے بڑے ملک میں نہیں) اور اسی کے قریب دیسی دستکاریوں کی نمائش تھی۔ چاندی اور تانبے کا کام بہت تھا۔ کپڑوں پر زردوزی اور کشیدے بہت اچھے تھے۔ اور قالین اور زیورات بھی تھے۔ دو تین کمرے صرف کشیدوں اور زردوزی کے نمونوں سے سجائے گئے تھے۔ جن میں دیواروں اور چھت پر ایک انچ جگہ خالی نہ تھی۔ سرہانوں تکیہ کے غلافوں اور دیواروں کے سجانے والے کپڑوں پر نہایت نفیس

سوزن کاری تحریر عربی خط میں اچھے اچھے دعا مبارکباد اور نصیحت کے فقرے اور عبارتیں کاڑھی ہوئی تھیں۔ میرا جی بہت چاہا کہ ہندوستان کے شریفوں کے گھروں میں بھی لڑکیاں کپڑوں پر ایسے کشیدے کاڑھا کریں۔ قسطنطنیہ میں برابر یہی رواج ہے کہ خواندہ مسلمان خاتونیں کپڑوں پر بہت خوشخط عبارتیں سوت ریشم اور طلا سے کاڑھتی ہیں۔ اس مکان کی پچھلی طرف ایک پینورامااور ایک ڈایوراما میں ساحل الجیریا کے مختلف بحری منظر اور صفا اور بسکارا کے مابین بیابان کی خشکی کے سفر کی خصوصیات نمایاں کی گئی تھیں۔ اور قبائل کی آپس کی چھیڑ چھاڑ کا نمونہ دکھلایا گیا تھا۔

ٹیونس ٹیونس کا مکان الجیریا کے عین بالمقابل ہے جہاں وہ عربی ریسٹورنٹ بھی تھا کہ جہاں کھانا کھانے کے لئے نہ صرف مصر مراکو اور ٹیونس کے عرب اور یہودی اور حبشی زن و مرد ہی آتے تھے بلکہ بہت سے فرانسیسی زن و مرد بھی آتے رہتے تھے۔ کیونکہ کھانا بہت ارزاں اور مطبوع بھی تھا۔ گو ایسے تکلف پیرایہ میں نہ دیا جاتا تھا جیسا کہ دوسرے ریسٹورنٹوں میں دیا جاتا تھا۔ اسی احاطہ کے اندر ٹیونس کا ایک بادیہ نشین عرب مع اپنی بیوی اور بچہ کے ایک سیدھے سادے خیمہ میں بیٹھا رہتا تھا اور کبھی وہ میاں بیوی اپنا ایک موٹا سا کپڑا بھی لوگوں کو دکھلانے کے لئے بنا کرتے تھے اور جب

گرد خیمہ کے اندر تھا اور ان کا بچہ تماشائیوں سے پیسے مانگنے کا عادی ہو گیا تھا۔ پاس کے قہوہ خانہ میں سیاہ اور تلخ الجیری قہوہ کی ذرا سی پیالی ایک ایک آنہ کو بکتی۔ ہر ایسی قہوہ کی پیالی ایک چھوٹے سے ٹین کے برتن میں کر جسے لمبی دستک لگی ہوتی تھی ہر مرتبہ الگ الگ آگ پر گرم کرنا پڑتی تھی۔ اس قہوہ کی فروخت کی رونق کے لئے اُس مکان میں دو ایک یہودنیں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد ناچا کرتی تھیں۔ دو تین مرد بھی ان کے ہمراہ ہوتے۔ یہ عجیب قسم کا محش ناچ ہوتا ہے۔ صرف کمر کے حصہ کو ہلایا اور تھرکایا جاتا ہے اور سینہ اور چھاتیاں قریباً برہنہ ہوتی ہیں۔ پہلے تو یہ حرکت دیکھ کر میں متعجب ہوا۔ لیکن اسکے بعد ٹرکی اور مصر کی عمارات میں یہودنوں کے اسی قسم کے ناچ دیکھ کر میں نے سمجھا کہ ان ملکوں کا یہی فیشن ہے۔ اور یقیناً اسکے مقابلہ میں ہندوستان کی رنڈیوں کا ناچ نہایت مہذبانہ ہے۔ اس ناچ کو دیکھنے کے لئے جوق جوق یورپین اس قہوہ خانہ میں آ کر گرتے اور تلخ قہوہ کا مزہ چکھتے تھے۔ اِسکے سامنے ٹیونس کی مٹی کے برتنوں کی دُکان تھی۔ پشت کی طرف ٹیونس کا بازار تجارت تھا۔ چھوٹی چھوٹی دوکانوں میں بہت سے زر دوزی کے کپڑے اور رومال عربی بولنے والے یہودی بیچ رہے تھے۔ اور بعض کچھ بنا بھی رہے تھے قالین اور کچھ چمڑے کا سامان بھی تھا۔ ایک حلوائی ایک موچی اور ایک درزی بھی کام میں مصروف تھا۔ ان کے سروں پر ٹیونس کی ٹوپیاں تھیں الجیریا مراکو اور ٹیونس کی ٹوپیاں گو عام شکل میں ترکی ٹوپی کی طرز کی اور سُرخ رنگ کی ہوتی ہیں۔ لیکن ترکی ٹوپی ذرا زیادہ چُست اور چھوٹی ہوتی ہے اور اول الذکر ٹوپیاں تھوڑی بلند اور کھلی یعنے پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ اور اُن کے پھندنے بھی بہت بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ میری ترکی ٹوپی دیکھ کر بعض نے مجھے بُلایا بھی۔ مگر میں کوئی سودا نہیں خریدنا چاہتا تھا۔ ٹیونس

کا بازار بہت تنگ تھا۔ دوسری منزل کے مکانوں کے برجھاؤ ایک دوسرے سے بہت قریب تھے۔ اور یہ وہاں کے ایک بازار کا نمونہ بنایا گیا تھا۔

ٹیونس کی اشیائے نمائش جس عمارت میں رکھی گئی تھیں وہ طیبہ کی دو مساجد مسجد سیدی بن سعید اور مسجد مہرز کی نقل تھیں۔ اور اسی طرح ایک اور مشہور مسجد کا مینار ایک طرف تعمیر کیا گیا تھا۔ مسجد سیدی مہرز اور دوسرے مکان میں روغنی غلے اور جو چیزیں ان سے تیار کی جاتی ہیں مثلاً صابن رنگ۔ خوشبوئیں عطریات اور ریشم۔ سوت کی السی۔ کارک ترکاریاں و میوہ جات وغیرہ رکھے گئے تھے۔ آثار قدیمہ کے ماڈل اور آرٹس کے نمونے بہت سے موجود تھے۔ سرکاری محکموں کے علاوہ پرائیویٹ لوگوں کی چیزیں بھی موجود تھیں۔ جیسے ٹیونس کے تاکستانوں کی پیداوار۔ روغن زیتون وغیرہ کاسا اور قیروان سقدس کے قالین اور کمبل۔ جربا اور ساحل صفاکے اسفنج اور ٹیونس کے مشہور برتن۔ یہودن عورتیں نہ صرف ناچتی تھیں بلکہ الجیریا اور ٹیونس کے تماشہ کے مکانات کے دروازوں میں کھڑی ہو کر خوب دفیں بجاتیں اور لوگوں کو تماشا دیکھنے کی ترغیب بڑی کامیابی سے دیتی تھیں۔ کہیں کہیں اپنے شوہروں کی دکانوں پہ سودا بھی بیچتی تھیں۔ کچھ عربی کتابیں اور ٹیونس کی جامع مسجد کے عربی کتب خانہ کی قلمی کتابوں کی مطبوعہ فہرست بھی موجود تھی۔ مگر دریافت کرنے پہ معلوم ہوا کہ گورنمنٹ ٹیونس کو خط لکھنے پہ مل سکے گی۔

اندلس عہد عرب میں اندلس عہد عرب میں ایک علحدہ دلچسپ تاریخی تماشا تھا۔ عمارت کی شان باہر سے ہی عربی تھی اور بادیہ نشین عرب شہسواروں کی تصویریں باہر بنی ہوئی تھیں۔ لیکن اندر کی خوبصورتی اور تاریخی دلچسپی سے باہر کو کیا نسبت تھی۔ ہسپانیہ کے زمانہ حکومت اہل اسلام اور بعد کے

تھی زندہ نظارے سے دکھلائے جاتے تھے۔ سویل کے دروازہ الکزار القصر سے داخل ہو کر تماشائی غرناطہ کے قصر الحمرا کے مشہور دلکش صحن میں جا پہنچتے تھے کہ جہاں فوارہ چل رہا تھا اور چاروں طرف ستونوں کے غلام گردش محیط تھے۔ جنکے خوبصورت دریچوں میں خوبصورت عربی سکلپچر کا کام نیلگوں اور سنہری رنگوں میں دل لبھا رہا تھا۔ غرض الحمرا کی یہ نقل بھی دنیا کو دنگ کر رہی تھی۔ خواہ اصل سے اسے کوئی نسبت نہ ہوگی۔ ایک طرف سویل کا گھنٹہ گھر عربی طرز تعمیر کا ستر میٹر بلند تھا جس پر اندر سے سیڑھیاں چلی گئی تھیں قرون وسطیٰ کا ایک عربی موضع "عزبی" کے نام سے آباد کیا گیا تھا۔ جس کی مسجد کا کلس سنہری تھا۔ اور گو باشندے غریب نظر آتے تھے مگر ان کی دستکاری کے قالین چمڑے کی چیزیں اور اسلحہ اعلےٰ درجہ کی کاریگری کا ثبوت دیتے تھے۔ غرناطہ کے باب الانصاف سے گذر کر جہاں سلاطین اسلام عدالت کیا کرتے تھے تماشائی ٹولیڈو کے ایک عجیب سے کوچے میں پہنچ جاتے تھے۔ جہاں زمانہ رومن اور بعد کے سپینش کی دستکاریوں اور حرفت کی چیزوں سے دکانیں پُر تھیں۔ ایک طرف ایک ہسپانی تھیٹر تھا جس میں اب تک ہسپانی لڑکیاں کوئی کوئی عربی تان اڑا دیتی تھیں۔ اور دوسری طرف ہسپانیہ کی مشہور و مرغوب کھیل سانڈ لڑانے کے دکھلائے جاتے اور اسی طرح ایک جگہ بدوی شہسواروں کے گھوڑ دوڑانے کا راستہ بنا ہوا تھا۔ گو یہ دونوں آخری نظارے میں نے نہیں دیکھے۔ داخلہ اڑھائی فرانک تھا۔

کانگو

فرنچ کانگو کی عمارت جو لکڑی اور لوہے کی تھی اور بعد میں ٹکڑے کر کے کانگو کو بھیجی گئی ہوگی کہ جہاں اس میں ڈاک خانہ بننے والا تھا اس علاقہ کی بیش قیمت لکڑی کے کندوں سے پُر تھی۔ علاوہ اسکے اس میں ہاتھی دانت انڈیا ربڑ معدنیات اور نباتات کے نمونے۔ دیسی

باشندوں کے برتن اسلحہ۔ کپڑے اور اس ملک کو بھیجے جانے کے لائق چیزیں جمع کی گئی تھیں۔ ور نقشوں میں ۱۸۸۴ء اور ۱۹۰۰ء میں کانگو کی ترقی دکھلائی گئی تھی۔

نیو کیلیڈونیا نیو کیلیڈونیا کے خوشنما مکان میں قہوہ انڈیا ربڑ تمباکو ونیلا اورک اور گوندیں جو اس علاقہ کی پیداوار ہیں موجود تھے۔ معدنیات کے نمونے اور نکل تانبے کوبالٹ کے نکالنے کے طریقے دکھلائے گئے تھے مگر گورنمنٹ فرانس کو توقع ہے کہ اس سرزمین سے سونا جست۔ چاندی۔ پارہ۔ لوہا۔ سرمہ مینگنیز اور سیسہ بھی ضرور برآمد ہونگے۔ پتھر کا کوئلہ ابھی سے نکلنے لگا ہے۔ صندل۔ شاہ بلوط اور روزوڈ وغیرہ لکڑی کی قسمیں نہ صرف تعمیر کے کام آتی ہیں بلکہ ان سے ست نکالے جاتے ہیں جنکے نمونے یہاں رکھے ہوئے تھے اور یہ مکان بھی نیو کیلیڈونیا کی لکڑیوں سے ہی بنایا گیا تھا۔

فرانسیسی نوآبادیوں کے متعلق۔ فرانس کی نوآبادیوں کا دفتر بڑا عالی شان تھا۔ جو نوآبادیوں کے پودوں سے خوب سجایا گیا تھا۔ اور فرانسیسی نوآبادیوں کے متعلق تمام تحریری واقفیت کی کتابیں اور تصویریں یہاں موجود تھیں۔ غرض فرانس کی نوآبادیوں کی تاریخ کے متعلق ہر قسم کی کتابیں رسالے اور تحریریں یہاں جمع کی گئی تھیں۔ جغرافیہ کی سوسائٹی نے بھی اس خاص صیغہ کے متعلق اپنی کتابیں یہاں دکھلائی تھیں۔ جس سے معلوم ہو سکتا تھا کہ افریقہ میں خصوصاً نائیجر کے دہانہ پر شمالی سوڈان صحرائے اعظم نو گنی یا فرنچ کانگو میں فرانس نے نوآبادیاں بسانے میں کتنی ترقی کی ہے۔ ایشیا کے متعلق کرنیل آمنس نے سرکف انڈو چائنا۔ پنشولا۔ دریائے میکانگ اور یونن کی مہم ریلوے کی بابت کتابیں رکھی تھیں۔ اس مکان کے ایک کمرے میں آٹھ ہزار کتابوں کا کتبخانہ ہے۔ فرانس کی نوآبادیوں کے متعلق کوئی قابل ذکر رپورٹ یا کتاب سرکاری یا پرائیویٹ نہ ہوگی جو یہاں نہ ہوگی۔ غنیمت ہے کہ اب لارڈ کرزن بہادر نے

ممالک کے وکٹوریا ہال میں ہندوستان کے متعلق ہر قسم کی کتاب یہاں جمع کرنیکا قصد کیا ہے۔ جس سے اہل ہند کو ہر قسم کی ہندوستانی واقفیت کے ایک جگہ جمع ہو جانے سے بڑا آرام ملیگا۔ ایک دوسرے کمرے میں ایسے افسر ہر وقت حاضر رہتے تھے جو نوآبادیوں کے متعلق ہر قسم کی واقفیت تجارتی ہو یا کسی اور نوع کی ہر شخص کو بہم پہنچاتے تھے۔ کیا ہندوستان میں ایک ایسے سنٹرل آفس کی ضرورت نہیں ہے جو رعایا کی سہولیت کے لئے کم سے کم از کم ہر قسم کے تجارتی اور تعلیمی معاملات پر داگر دیگر امور سرچھوڑ دیا جاوے، عام معلومات بہم پہنچایا کرے جو ہر شخص کے لئے معلوم کرنا ممکن نہیں۔ اگر سرکار ایسے کام کو اپنے ذمہ نہیں لے سکتی تو کسی تجارتی یا علمی مجلس کو یہ کام اپنے ذمے لینا چاہئے۔ پھر معلوم ہو جائیگا کہ کس قدر فائدہ ایسے دفتر سے لوگوں کو پہنچ سکتا ہے۔ علاوہ تاریخی مطلب کے فریج کولونیل آفس ایک خاصا تجارتی عجائب خانہ جمع کر دیا تھا۔ ایک کمرہ میں اُن نامور فرانسیسیوں کے بُت تھے کہ جنہوں نے فرانسیسی نوآبادیوں کی توسیع میں مدد دی ہے۔

کالونیٹ فرینچ کالونا کی چھوٹی سی عمارت میں یہاں کی معدنی اور جنگلی پیداوار کے نمونے ہیں۔ چوب مہاگنی یہاں کی مشہور پیداوار ہے اور اس مکان کا فرنیچر اسی لکڑی سے بنایا گیا تھا۔ زرد خاکی اور سبز آبنوس اور بہت سی دوسری لکڑیاں اسی ملک سے مخصوص ہیں۔ کئی قسم کی گوند کپڑے جاتی تیل اور رنگنے کے مصالحے وغیرہ تھے۔ اس ملک میں سونا بہت نکلتا ہے۔ اسلئے کچا سونا اور فاسفیٹ اور سونے کے پتھر ہر قسم کے اور خالص بنے ہوئے سونے کے نمونے سب پہلو بہ پہلو دکھلائے گئے تھے۔ یہاں ایک چھوٹا سا سونے کا مینار رکھا ہوا تھا۔ جسکے مختلف ٹکڑوں سے اس ملک کے ہر سال کے سونے کی پیداوار معلوم ہوتی تھی

ایک جگہ سوڈان کی ایک کان کا نمونہ رکھا تھا۔ پرند جانور اور کیڑے مکوڑے بھُس بھر کر رکھے ہوئے تھے اور مختلف غلے بھی دکھلائے گئے تھے۔ اور ایک خاص باتصویر ہینڈ بک اس عمارت کی اشیاء کے مفصل حالات کی چھاپی گئی تھی۔

سینیگال سینیگال اور فرانسیسی سوڈان۔ یہ علاقہ بڑا زرخیز اور سرسبز معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہاں کے انواع و اقسام کے غلے اور دیگر نباتاتی پیداوار اسکے مکان میں دکھلائی گئی تھی۔ باجرا مکی اور چاول لوگوں کی خوراک ہے۔ روئی کے ریشے خوب مضبوط ملتے ہیں۔ اس سے کپڑا عمدہ بُنا جاتا ہے۔ نیل اور کئی قسم کے درخت دکھلائے گئے تھے۔ اس علاقہ سے ایک لاکھ اسی ہزار پونڈ سالانہ کا صرف گوند غیر ممالک کو بھیجا جاتا ہے۔ انڈیا ربڑ اور گراؤنڈ نٹ دوا اور غیر ممالک کو بھیجنے والی چیزیں ہیں۔ انڈیا ربڑ کے جمع کرنے اور بنانے کے طریقے بھی دکھلائے گئے تھے۔ جو بہت دلچسپ تھے۔ دیسی باشندے ربڑ کے درختوں میں چاقو سے شگاف دیکر ان کے نیچے برتن رکھکر ان میں رس یا دودھ جمع کر لیتے ہیں۔ اور اس سے انڈیا ربڑ بنتی ہے۔ ان وحشی اور کم مہذب ملکوں کے اسلحہ زیورات کپڑے اور دیگر دستکاریاں دیکھ کر بھی دنگ ہونا پڑتا ہے کہ محنت کی کوشش کے بعد یہ بھی بعض چیزیں کیسی صفائی سے بنا لیتے ہیں۔ ان لوگوں کے فیٹش اور دیوتا اتنے تھے کہ ان کا حصر کرنا مشکل ہے۔ ہر چیز لکڑی وغیرہ کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں۔ انہیں کو فیٹش کہا جاتا ہے۔ اشانٹی کے باشندوں کو جولاہے کا کام کرتے بھی دیکھا۔ کیسا ادنی قسم کا کارگہ اور کپڑا تھا۔ ان لوگوں کی عورتیں بھی یہاں تھیں۔ جو بالکل کالی بھینسوں کی طرح بے پرواہ معلوم ہوتی تھیں۔ ان کی بولی بھی جانوروں کے چیخنے کی طرح عجیب قسم کی تھی۔ اس مکان کی ایک طرف سینیگال کے نہایت سیاہ باشندے بھدے مٹی اور چھپر کے مکانات میں کپڑا بنتے چاندی

کے چھلے بناتے اور لوہا کا کام کرتے تماشائی دیکھتے تھے۔ بلکہ کئی لوگ اُن سے چھلے خرید کرتے تھے۔ اور ان میں کا ایک حبشی فرانسیسی زبان میں دام وغیرہ لوگوں کو سمجھا سکتا تھا۔

فرانسیسی ہند

فرنچ انڈیز کے نام سے جو تھوڑا سا فرانسیسی علاقہ ہندوستان میں ہے اس کی نمائش علیحدہ تھی۔ قدیم ہندو طرز تعمیر کا ایک مکان معلوم ہوتا تھا جس میں ہندوستان کی دستکاریاں رکھی ہوئی تھیں۔ اور ہندوستانی جواہرات بیچنے والے ریشم کے کپڑے اور بتوں وغیرہ کے سوداگروں کی دوکانیں تھیں۔ اسی میں لاہور کے بابو محمد بخش صاحب نے اپنے جواہرات کا پورا بغرض فروخت رکھا تھا۔ ایک مندر خالص ہندو طرز تعمیر کا اس کے قریب تھا۔ ایک ہندو تھیٹر بنایا گیا تھا جس کی پیشانی سے ہندو طرز تعمیر عیاں تھی۔ اور ایک تنگ کوچہ ہندوستان کی دُکانوں کے لئے تعمیر کیا گیا تھا۔

ہندوستانی کمپنی کا تماشا

اسی ہندو تھیٹر میں الہ آباد کی ہندوستانی تھیٹریکل کمپنی کو تماشے کرنے کی اجازت ملی تھی۔ مگر تعجب ہے کہ اس تھیٹر کے ختم ہونے میں اتنی دیر لگی تھی کہ جب مجھے نمائش گاہ میں پہنچے ہفتہ عشرہ گذر چکا تھا تو اس مکان کی تعمیر ختم ہوئی اور اس میں جو پہلا تماشا ہندوستانیوں نے کیا اتفاقاً میں اس وقت میں موجود تھا۔ سورت کا ایک مسلمان جو سیڈ نیا سکر میں دُکان کرتا تھا اور فرانسیسی خوب بولتا تھا اس وقت مجھے یہاں لے آیا تھا۔ تھیٹر کے ایک ہندوستانی ملازم نے چاہا کہ ہمیں مفت تماشا دکھلائے لیکن ہم نے منظور نہ کیا۔ ایک ایک فرانک کا ٹکٹ تھا۔ مگر مجمع زیادہ تھا۔ لیکن حاضرین کی داد دینے سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ تماشا بخوبی پسند کیا گیا تھا۔ بنگالی سپیک چپو فیصر۔ دو ہندوستانی بھان متی۔ وہ تین جمناسٹک کے کرتب کرنے والے پوربیے۔ لٹو گھمانے والا بنگالی جو تار پر لٹو چلاتا تھا۔ وہ لکھنو کے ستار بجانے والے۔ پانی کے طبلے

پہلاوں سے لکڑی سے سریلی آواز پیدا کرنے والا - ایک شخص بھوسہ اور کپڑا کھانے والا - منہ میں تلوار گھونپنے والے - بازیگر جو تلواروں اور چھریوں کے تنگ چھروکے سے کود جاتا تھا - اور بید کے چھوٹے چھوٹے حلقوں میں سر اور پیر داخل کر لیتا تھا - سات فیٹ کچھ انچ لمبا ہندوستانی اگر بہت دبلانہ ہوتا تو خاصہ دیوزاد تھا - وہ یہانتک کمزور معلوم ہوتا تھا کہ صاف بات اسکے منہ سے نہ نکلتی تھی جس سے میں نے نتیجہ نکالا کہ اتنا طویل القامت ہونا اس کا مرض ہوگا) اور اخیر میں ایک پنجابی اور دو ہندوستانی رنڈیاں سٹیج پر ناچیں - مجھے یہاں آکر معلوم ہوا کہ پنجاب اور ہندوستان کی رنڈیوں کے ناچنے میں بڑا فرق ہوتا ہے - ایک پہلتن ترک پہلوان نے غلام محمد مرحوم امرتسری سے لڑنا قبول کیا - کیونکہ ہندوستانی کمپنی نے اخبارات میں مشتہر کردیا تھا کہ جیتنے والے پہلوان کو وہ معلوم انعام دے گی - لیکن کشتی جس روز ہوئی ہے میں اس وقت لنڈن کو چلا گیا تھا - پیرس میں واپس آیا تو معلوم ہوا کہ پنجابی پہلوان وطن کو واپس چلے گئے ہیں - اور غلام اور تارا علی کی کشتی کا فیصلہ نہیں ہوا تھا - اور دونو برابر رہے تھے کہ پہلے روز انکی کشتی دوسرے روز کے وعدہ پر چھوڑ دی گئی - اور دوسرے روز ایک پہلوان کے میدان میں نکلنے سے انکار کرنیکے سبب کشتی نہ ہوئی -

شب کی روشنی اور کرسیاں

میں ہمیشہ نمایش گاہ سے سویرے ہی تھک کر مکان کو لوٹ جاتا تھا اور کبھی وہاں دیر تک ٹھیر کر نمایش کو شب کی روشنی میں نہیں دیکھا تھا - لیکن ۲۹ جولائی کو جو میں نے ہندوستانی کمپنی کے کرتب دیکھے تو اس میں دیر ہوگئی تھی - باہر تمام نمایش بجلی کی روشنی سے بقعہ نور بنی ہوئی تھی - شاٹو ڈو (قصر آب) پر قصر برق کی روشنی منعکس ہونے اور سامنے قصر ٹراکوڈیرو کی پانی کی روشنی عجیب دلچسپ تھی ایفل ٹاور کی روشنی میں علحدہ ہی شان تھی - دریا کی دو رویہ تمام عالی شان عمارات

بجلی روشنی سے جگمگاتی ہوئی کیسی بھلی معلوم ہوتی تھیں اور باغات کے چراغاں
برقلموں رنگوں کے جگنوں کی طرح کیسی بھلی معلوم ہوتی تھی۔ نمائش گاہ کے
اس تمام وسیع میدان میں جو شاندامار اور ٹراکوڈیرو میں قصر برق کے مقابل
مقام ہے ہزارہا کرسیاں پڑی ہوتی تھیں۔ دن کو بھی کبھی تھکے ماندے لوگ انپر
بیٹھ جاتے تھے۔ لیکن جس شب کو بڑی روشنی ہوا کرتی تھی اس شب کو تو
یہ شام سے ہی پر ہو جاتی تھیں۔ اور جوں جوں لوگ ان کرسیوں پر بیٹھتے جاتے
ان کرسیوں کی محافظ عورتیں فوراً کرایہ کے پیسے لینے اور ٹکٹ دینے کو
آموجود ہوتیں۔ یہ پیسے دے کر خواہ تم آدھی رات تک بیٹھے رہو اور خواہ فوراً
اٹھ جاؤ۔ یہی حال پیرس کے بڑے بولوار شانزالیزے کی کرسیوں
کا تھا۔

گواڈی لوپ گواڈے لوپ ایک پرانی فرانسیسی آبادی کے مکان میں
شکر کی بہت عمدہ نمائش تھی جو اس علاقہ کی سب سے بڑی پیداوار معلوم ہوتی
ہے۔ یہاں شکر بنانے کی بڑی بڑی کلیں نصب کی گئی ہیں اسلئے شکر بہت
عمدہ قسم کی (سفید اور بھوسلی) تیار ہوتی تھی۔ کافی کوکو اونیلا گرم مصالحے
وغیرہ اس نوآبادی کی دوسری پیداواریں دکھلائی گئی تھیں۔ اناناس۔ کیلا
اور آم کی چند اقسام بھی اس مکان میں نمایاں کی گئی تھیں جو اس نوآبادی میں
پیدا ہوتے ہیں۔ اور فرانس تک بذریعہ خاص میوہ جات کے جہازوں کے
صحیح وسلامت پہنچ جاتے ہیں۔ کیونکہ ان جہازوں میں اسی غرض کے
لئے ریفریجریٹنگ چیمبرس (Refrigerating Chambers)
یعنی ٹھنڈا رکھنے والے کمرے ایزاد کئے گئے ہیں۔ کیا ہندوستان کے
آم اور کیلے فرانس اور انگلستان وغیرہ ممالک میں اسی قسم کے جہازوں
میں ولایت تک تازہ نہیں پہنچ سکتے؟ ضرور پہنچ سکتے ہیں۔ بشرطیکہ کوئی
اولوالعزم میوہ کا تاجر یا تاجروں کی جماعت ادھر متوجہ ہو اور کسی انگلستان

کی جہازراں کمپنی کو ادھر متوجہ کرے۔ ہندوستان میں جتنے میوے اب پیدا ہوتے ہیں اس سے بہت زیادہ ہو سکتے ہیں اور لاکھوں روپیہ کے یوروپ میں بک سکتے ہیں۔ اسکے علاوہ چند دستکاریاں اور رنگ کے جانوروں وغیرہ کے نمونے دکھلانے گئے تھے۔ نمایش گاہ کی اکثر عمارات کی طرح یہاں کے منظروں کے فوٹوگرافوں کا ایک گھومنے والا اسٹینڈ یہاں بھی رکھا ہوا تھا۔

ایک اور فرانسیسی بستی مارٹینیک کہ جسے ۱۹۰۲ء کے زلزلے سے سخت صدمہ پہنچا ہے بھی ایک قدیم فرانسیسی نوآبادی ہے جس پر بعض اوقات ۱۷۹۴ء اور ۱۸۱۵ء کے مابین انگریزی قبضہ بھی ہو چکا ہے۔ یہ ہرا بھرا سبز جزیرہ ہے اور یہاں بھی قہوہ نیشکر اور نیلا کی زیادہ کاشت ہوتی ہے۔ اس مکان میں قہوہ کی تمام صورتیں خام بھنا ہوا اور پسا ہوا جا بجا دکھلائی گئی تھیں۔ جزیرے کے پانچویں حصہ میں نیشکر بویا جاتا ہے۔ اسلئے نیشکر سے لیکر اسکے رس کی ہر صورت یعنے شیرہ شکر اور رم (شراب) وغیرہ علیحدہ علیحدہ نمایاں کی گئی تھیں۔ کوکو کے دانے اور مٹھائی بنانے کا طریق دکھلایا جاتا تھا روئی بھی بادام کیلا اور معدنیات کے نمونے بھی تھے۔ دیسی باشندوں کی عکسی تصاویر کے علاوہ اس ملک کا ایک خاص ناچ "بمبولا" موسمی جنوں کے ذریعے سے دکھلایا گیا تھا۔ ایک فونوگراف میں یہاں کے باشندوں کے گیت بھی بند کئے گئے تھے۔

ری یونیئن لاری یونیئن ایک اور فرانسیسی نوآبادی کا مکان وہاں کی زراعتی اور جنگلات کی پیداوار کے نمونوں سے پر تھا۔ یہاں بھی گنا زیادہ ہوتا ہے۔ نیشکر و نیلا قہوہ کوکو۔ تمباکو۔ گرم مصالحے۔ کونین۔ ربڑ وغیرہ کے نمونے نمایاں کئے گئے تھے۔ اس جزیرہ میں بھی گائنا کی طرح ہندوستانی قلی بہت ہیں کہ جن میں سے بعض وہیں مقیم ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ پہلے نیشکر کے کھیتوں

میں کام کرنے کے لئے گئے تھے۔ اب گورنمنٹ ہند نے سوائے انگریزی مقبوضات کے ہندوستانی قلیوں کا بھرتی ہو کر جانا بند کر دیا ہے۔

مختلف نوآبادیاں ایک اور مکان میں فرانس کی کئی ایک چھوٹی نوآبادیوں مثل سینٹ پیئر، میکیلن۔ فرانسیسی سمالی لینڈ۔ مٹوٹ اور اوسینیا وغیرہ کی پیداواریں اور دستکاریاں دکھلائی گئی تھیں۔ یہی سینٹ پیئر ہے جو ۱۹۰۲ء کے زلزلہ کے صدمے سے برباد ہو گیا ہے۔ یہاں جزائر کمورو کے ایک کارخانہ شکر کا ڈھانچہ پورا بہت دلچسپ تھا۔ ہرچند کہ ہندوستان میں کئی جگہ کھانڈ بنتی ہے۔ مگر سب جگہ وہی پورانا طریق چلا آتا ہے۔ جیسا کہ روہیلکھنڈ میں میں نے دیکھا ہے۔ لیکن اگر ایسی مشینری استعمال کی جاتی تو یقیناً کم خرچ سے عمدہ شکر تھوڑے عرصہ میں تیار ہو سکتی فرانسیسی سمالی لینڈ کے بندرگاہ جبوتی سے جو مال تجارت مثل سونے ہاتھی دانت قہوہ چمڑہ اور Frankincense) ابی سینیا کے لئے اور اسکے روئی اور دیگر پیشے اور موتی وغیرہ یورپ کے لئے گذرتا ہے دکھلایا گیا تھا۔ ایک چھوٹی سی پتھر کی سیڑھی میں ہاتھی دانت کا کام سمالی لینڈ کا کیسا خوشنما تھا۔

آدمی کی کھوپریوں کا مینار ڈھومی بھی فرانسیسی مقبوضہ ہے۔ اسکے مکان کا دروازہ ایک بلند مینار کے بیچ میں سے نکالا گیا تھا جو یہاں کے بڑے شہر ابومی کا قربانی کے مینار کی صحیح نقل تھا۔ اور اسکے چھپر کی چھت پر جو سونٹیوں کے سروں پر انسانی کھوپریاں رکھی ہوئی تھیں یہ واقعی ڈھومی کے غلاموں کی تھیں کہ جنھیں بادشاہ نے ایک روز قتل کیا تھا۔ اندر سے بھی اس مکان کو آرایش کے انہیں نمونوں سے سجایا گیا تھا جو اہل ڈھومی میں مروج ہیں اور اسی لئے مکان کیسا بھدا معلوم ہوتا تھا۔ اس مکان میں اس ملک کی معلومات کے متعلق کئی کتابیں رپورٹیں اور نقشے اور فوٹوگراف رکھے ہوئے تھے۔ ساتھ کے کمرہ میں اس ملک کے لوگوں کے نشست ہستی کا اچھی خاصی عجائب گاہ تھی

یہ لوگ ہر ایک عجیب سی چیز کو قابل پرستش سمجھ کر پرستش کرنے لگتے ہیں - خواہ لکڑی کا ٹکڑا ہو یا پتھر کا کوئی نمونہ - ان چیزوں کو دیکھ کر خیال ہوتا تھا کہ انسان کی عقل کہاں تک اوندھی ہو سکتی ہے - یہاں شاہ ایوبی کا تخت اور اسکے کپڑے اور سزا دینے کے اوزار بھی رکھے ہوئے تھے - کبھی کبھی اس ملک کا جادو کے زور سے علاج کرنے والا حکیم بھی آ کر اپنی بیہودہ رسمیں دکھلاتا تھا - مگر میں نے نہیں دیکھا - ان کی تین چار عورتیں اور مرد بھی یہاں موجود تھے -

آیوری کوسٹ

آیوری کوسٹ کے لئے ایک علیحدہ عارضی مکان بارک کی طرح بنا ہوا تھا - جو نمائش کے بعد کھول کر اس علاقہ میں کام آنے کے لئے بھیجدیا گیا ہوگا - اس ملک میں مہاگنی کی نہایت مضبوط لکڑی - انڈیا ربڑ - کھوپرے کا تیل اور سونا بہت زیادہ پیدا ہوتا ہے - اور انہیں چیزوں کی نمائش کی گئی تھی - مہاگنی کی لکڑی کے طرح طرح کے ٹکڑے رکھے ہوئے تھے - دیسی باشندوں کے سونے کے بعد سے زیورات کا اچھا خاصہ مجموعہ تھا دیسی باشندوں کی شکلوں اور صورتوں سے تماشائیوں کو واقف کرنے کا بھی اچھا سامان کر دیا تھا - دیواروں پر بہت سے نقشے آویزاں تھے جن میں سے ایک میں مختلف رنگوں میں بتلایا گیا تھا کہ اس ملک کے کس کس حصہ میں کیا کیا پیداوار ہوتی ہے -

فرنچ گنی

فرنچ گنی کا مکان اس ملک کے اصلی باشندوں کی گول جھونپڑوں کی طرح دو دو منزلہ گول جھونپڑے چھپر کے چھت کے تھے - جو چھپر سرے پر ایک نوک میں ختم ہوتا تھا - سپاریاں کولانٹ - مختلف قسم کی لکڑیاں Caoutchouc سونے کی ریت - ہاتھی دانت اور اسپارٹو گھاس کی چیزیں بطور پیداوار اور دستکاری کی دکھلائی گئی تھیں - اس مکان کے سامنے ایک مٹی کا بلند تودہ دیسیوں کے قلعہ کی طرح بنا کر اس میں دو نارجل کے درخت اور پشتہ پر چھپر ڈال کر گانا کی پولیس اور عیشیا کا نمونہ دکھلایا تھا

سامنے ایک کھیتی میں وسیموں کی کھیتی باڑی اور فصل کا نمونہ دکھلاتے کے لئے ۔ باجرا ۔ کیلے کے پودے ۔ چاول ۔ قہوہ ۔ کوکو ۔ انڈیا ربڑ اور کوبی کے پودے پور رکھے تھے ۔

انڈوچائینا

فرانسیسی افریقن نوآبادیوں کے مکانات کی صورتیں ہرچند کہ متنوع بنانے کی کوشش کی گئی تھی ۔ لیکن ان کے اندر بہت سا بعد اپن اور یکسانیت تھی ۔ لیکن فرانسیسی انڈوچائینا کی عمارات کیا بلحاظ ظاہری صورت کے دلکش ہونے اور کیا اندر کی حالت کے بہت دلچسپ تھیں فرانسیسی علاقہ انڈوچائینا جو ایک گورنر جنرل کے ماتحت ہے کسی ایک مقام کا نام نہیں ۔ بلکہ اس میں کوچین چائینا ۔ کمبوڈیا ۔ لاؤس ۔ انام اور ٹانکین شامل ہیں ۔ اور فرانس نے انڈوچائینا کی نمائش کے لئے پانچ ہی مکانات بھی تعمیر کئے تھے (۱) انڈوچائینا کی پیداوار کا مکان چولون کے پگوڑا کی نقل تھا (۲) فنون و دستکاری کا مکان کولوا (ٹانکین) کے محل کا نمونہ تھا (۳) جنگلات کی پیداوار کا مکان ایک انامی گھر کی صورت کا تھا ۔ (۴) پنوم پینہ اس نام کے پہاڑی اور شاہی مندر کی نقل تھا ۔ اور (۵) انڈوچائینا تھیٹر

(۱) انڈوچائینا کے بڑے آباد چینی شہر چولون میں یہ مندر عجائبات میں سے سمجھا جاتا ہے ۔ اس میں تمام فرانسیسی علاقہ کی زراعتی پیداوار اور دستکاریوں کے نمونے جمع کئے گئے ہیں ۔ جن میں سے بعض یہ ہیں ۔ چاول ۔ چائے ۔ قہوہ ۔ کوکوا ۔ موم ۔ شہد ۔ نیشکر ۔ نیل ۔ رنگدار لکڑیاں ۔ ہلدی ۔ تیل ۔ اخروٹ ۔ مچھلی ۔ ہاتھی دانت ۔ ہڈی ۔ مختلف سوتی کپڑے ۔ پودے ۔ کچا ریشم ۔ افیون ۔ تمباکو ۔ دیاسلائی ۔ نمک ۔ مچھلی ۔ سیپ ۔ چٹائیاں ۔ اسلحہ ۔ سونا چاندی ۔ تانبا ۔ مٹی ۔ پتھر کا کوئلہ ۔ گاڑیاں ۔ پالکی ۔ باجے ۔ پردے وغیرہ ۔ دیواروں پر کئی نقشے ان ممالک کے شہروں اور اس میں فرانسیسی ترقی کے تھے (۲) فنون اور دستکاری کی عمارت میں انڈوچائینا کے ڈرائینگ کے نقشے ۔ مصورہ کتابیں اور تصویریں

چھاپے ۔ پنکھے ۔ چٹنیں ۔ ریشم پر کام ۔ زردوزی کا کام ۔ کچھوے کے چھلکے
پر کام ۔ فرنیچر ۔ کھلونے ۔ لیکر (ایک قسم کا جاپانی روغن) کے برتن ۔ پروں
کی چیزیں ۔ چینی اور مٹی کے نفیس برتن ۔ ٹوکریاں ۔ لباس اور ساز وغیرہ گلاس
کیسوں میں تھے (۳) جنگلات کے سامان کا انامی شکل کا مکان واقعی انام میں
بنایا گیا تھا جو یہاں ٹکڑے کر کے لایا گیا ۔ ایسے مکانات دولتمند انامی سوداگروں
یا حکام کے ہوتے ہیں ۔ انگریزی نوآبادی سنگاپور کی طرح یہاں کی سرکاری
آمدنی کا بھی بہت سا مدار جنگلات کی پیداوار پر ہے ۔ مگر لکڑیوں کے سب
نمونے ایسے تھے جو ہم لوگ نہیں جانتے ۔ (۴) نوم پینہ مینار کی عمارت
واقعی بڑی عجیب تھی ۔ ایک دو منزلہ مکان کے برابر بلند پہاڑی پر ایک بہت
بلند گنبد بنایا گیا تھا جو ظاہرا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پتھر سے کھود کر بنایا گیا ہوگا ۔
کونوں پر چار بڑے بڑے عفریت بنائے گئے تھے ۔ دہلیز کے قریب
ایک چھ فٹ بلند بودھ کا سنہری بت نروان کی حالت میں رکھا ہوا تھا ۔ بہت
سی سیڑھیاں چڑھ کر اس دروازہ تک پہنچتے تھے ۔ مکان کے اندر کی تعمیری
آرائش میں جنگلات کے پھل اور پھول اور بودھ کی مورتیں بنائی گئی تھیں ۔
اور وسط میں ایک غار رکھا گیا تھا جس کے اندر کمبودیا کے کئی نظاروں کو ڈایوراما
اور ایک سینو سیٹوگراف رکھا گیا تھا ۔ یہیں وہاں کے باشندوں کے چند
موم کے بت دیسی لباس میں رکھے گئے تھے ۔ اور وہاں کے جانوروں کے
نمونے بھی تھے ۔ کچھ مذہبی رسوم کی متعلقہ چیزیں ۔ موم بتیاں اور کچھ اور موٹے
موٹے بت بدھ کے تھے ۔ پجاریوں کے چھوٹے سے مکان کے پاس چند
بانس کے کھمبیوں کے چھپر ایک کمبودیا کا موضع دکھلانے کے لئے بنائے
گئے تھے ۔ لیکن ایک اور نہایت عجیب چیز دکھلائی گئی تھی ۔ یہ ایک چھوٹا
سفید ہاتھی

سا سفید ہاتھی تھا جو گورنر جنرل انڈو چائنا کی درخواست پر
ایک فرانسیسی سوداگر نے لوگوں کو دکھلانے کے لئے یہاں لا رکھا تھا ۔ گو

سکار رنگ سفید تو کسی طرح نہیں کہلا سکتا تھا بلکہ زردی مائل بھوسلا سا تھا۔
مگر کہتے ہیں کہ سچ کا سفید ہاتھی کہیں ہوتا بھی نہیں۔ جس سفید ہاتھی کی پوجا
انام۔ کوچین چائنا اور کمبودیا کے بادشاہوں تک پرستش کرتے تھے اور اسے
سونے کے برتنوں میں کھانا دیتے تھے۔ اور وہاں کے باشندے ابتک
اسے بادشاہ سے بھی زیادہ بودھ کا مقرب سمجھتے ہیں وہ ایسا ہی ہوتا ہے چنانچہ
اسکی زیارت سے نمائش پیرس کے دیکھنے والے بھی محروم نہ رہے انڈو چائنا
تھیٹر میں کمبودیا کے زن و مرد تماشے کرتے تھے جو میں نے نہ دیکھے لیکن
اسکے قریب ہی ایک جگہ ٹان کین کے رہنے والوں کے آٹھ دس جھونپڑے
تھے جن میں یہ مرد اور عورتیں چٹائیاں بنانے۔ ریشم بُننے۔ زردوزی اور سیپ
کھودنے کے کام میں مصروف پائے جاتے تھے۔ یہ انامی بہت چھوٹے
قد کے اور دبلے پتلے تھے مگر ان کے چہروں سے ذہانت نظر آتی تھی۔ ان
کے مقابلہ میں کمبودیا کے لوگ گو قد آور تھے مگر بھدے معلوم ہوتے تھے۔
انامیوں کا لکڑی میں سیپ آسودہ کرنے کا کام بہت عمدہ تھا۔

ہندوستان کا محل انگریزی مقبوضات اور آبادیوں میں ہندوستان کا محل
بہت خوبصورت اور عالیشان عمارت عربی اور ہندوستانی طرز تعمیر کی تھی۔
اسکے داخلے کے دروازہ کے گرد دو گول گنبدوں والے مینار تھے۔ میں نے
اس مکان کو دو تین دفعہ دیکھا۔ نچلی منزل میں ہندوستان کے مختلف صوبوں
کی دستکاریوں کے نمونے سجائے ہوئے تھے۔ برہما کا بہت بڑا لکڑی کا کھدا
ہوا دروازہ بہت دلچسپ تھا۔ سورت کا لکڑی کا کام بھی عمدہ تھا۔ پنجاب کا
پیپر میشی اور کشمیر کا چاندی اور تانبے اور مینا کاری کا کام آگرہ اور کشمیر وغیرہ
جگہوں کے قالین۔ جودھپور کا ہاتھی دانت کا کام۔ میسور کی چوبی میزیں ہاتھی
دانت کا باریک کام۔ بھاؤ نگر اور مدراس کی چاندی کی چیزیں سب خوشنما
تھیں۔ بنگال کی سوزن کاری۔ ملتان اور مراد نگر کے مٹی کے روغنی برتن کا نمو

اور میرٹھ کا صابن۔ اور سیلون کے موتی بھی منجملہ اور چیزوں کے موجود تھے
بہشت مجموعی ہندوستان کا لکڑی پر کھودنے کا کام کئی یورپین ممالک سے بھی
اچھا تھا۔ گو ڈیزائنیں اچھی نہ ہوں۔ داخلے کے قریب ہی کئی قد آدم بُت
ہندوستان کے فوجی سپاہیوں کے کھڑے تھے۔ جو بہت شاندار اور قد آور
معلوم ہوتے تھے۔ مکان کے بیچ کے حصہ میں ہندوستان کے جنگلی جانوروں
کا ایک جنگل بنایا گیا تھا۔ جس میں ہاتھی شیر چیتے ریچھ بھیڑیے لومڑی وغیرہ
جانوروں کے بُت بھُس سے بھرے ہوئے قدرتی ہیئت میں کھڑے تھے۔
چند ہندوستانیوں کی دُکانیں بھی تھیں۔ ایک پارسیوں کے کپڑے اور
دھات کے برتنوں یعنی انڈین کیوریاسیٹیز Indian Curiosities
کی۔ ایک اچار اور چٹنیوں کی تھی۔ میں نے یہ بھی سُنا تھا کہ یہ پارسیوں کی
دُکانیں بیس بیس سال سے لنڈن میں ہیں۔ مگر انہیں کامیابی نہیں ہوئی۔ مسٹر
ٹامس لپٹن اور انڈین ٹی ایسوسی ایشن کی چاء کی دُکانیں تھیں۔ اس
ایسوسی ایشن نے جو ہندوستان کے یوروپین باغات چاء کے مالکان
کی قائم مقام ہے یہاں چاء پلانے کا ایک قہوہ خانہ کھول رکھا تھا۔ جس
میں یوروپین عورتوں نے اپنے سروں پر چھوٹی چھوٹی پگڑیاں ہندوستان سے
تعلق ظاہر کرنے کے لئے باندھ رکھی تھیں۔ اگر ایسوسی ایشن کو سیانی ہندوستانی
نوکر یا نوکرنیں اس کام کے لئے ملتے تو وہ خوشی سے رکھتی۔ چنانچہ انہیں میں
ایک شخص گلاب شاہ نامی پنجابی چاء پلانے پر ملازم تھا۔ وہ کہتا تھا میری
ماہوار تنخواہ تقریباً سو روپیہ اور جو لوگ چاء پیتے ہیں وہ بطور ٹپ کے اور بھی
کچھ دے جاتے ہیں۔ یہ لنگی اور کلاہ بڑے فخر سے باندھتا تھا۔ اور زیادہ لوگ
اُسی سے آکر چاء منگتے تھے۔ ایک کلکتہ کی رسوں کی دُکان بھی تھی جس نے
ہر قسم کے موٹے اور باریک رسوں سے ایک محراب بنا رکھا تھا۔ ایک
فرخ آباد کا جیا مرے چھاپنے کی دُکان لیکر آیا تھا۔ وہ باپ بیٹا دو تھے اور

ایک پریس سے چھاپنے والا نوکر ساتھ تھا۔ چونکہ کوئی سامان اور مشین پریس
چھاپنے کے لیئے اسلئے وہ بیکار نہ تھی اور نہ سوائے تین آدمیوں کی روٹی کے
اسے کچھ اور خرچ پڑتا تھا اسلئے یہ کہتا تھا کہ میرا کام اچھا چل رہا ہے۔ کچھ
اور وہاں سے بھیجی ہوئی پھلکاریاں اور سوناشیشہ کا سامان بھی ساتھ تھا۔ چونکہ
یہ بنیا تھا اور سوائے پیرس سے آلو خریدنے اور وہاں کا پانی پینے کے باقی
کھانے کی چیز فرخ آباد سے منگواتا تھا اور خود کھانا پکاتا تھا اسلئے بھی اسکا
خرچ غیر معمولی طور پر کم ہوتا ہوگا۔ ہندوستانی تھیٹر کمپنی کا خرچ تنخواہوں کا بہت
زیادہ تھا۔ مثلاً ایک پہلوان کو ہزار اور ایک اور کو سات سو روپیہ ماہوار اور
ایک ایک ہندی کو آٹھ آٹھ دس دس سو روپیہ ماہوار دیتے تھے۔ ایک تھالن مٹی
کو سو روپیہ۔ ہاں یہ کمپنی کچھ کاریگر بھی ساتھ لے گئی تھی جو فرنچ انڈیا یادارئیں
میں بیٹھے کام کرتے دیکھے تھے۔ ان میں سے ایک مٹھائی بناتا تھا۔ ایک
لسی کے کھلونے۔ ایک میاں نذیر حسین دہلی کا مصور تھا جو ہاتھی دانت کی
پلیٹ پر بہت عمدہ سی ایجر (Miniature یعنی چھوٹی سی تصویر
بناتا تھا۔ اور لوگ اسکے کام کو ایسے اچھے یوروپین مصور پسند کرتے تھے۔ اسکے
علاوہ بھی کچھ لوگ تھے۔ بلکہ یہ کمپنی مراد آباد بنارس و کشمیر کے پیتل و رنگین
کے برتن خورجہ اور بلند شہر کا آبنوس و ہاتھی دانت کا کام اور کچھ اور ہندوستانی
سامان بھی لے گئی تھی۔ مگر میں نے اسکے ملازموں سے یہی شکایت سنی
تھی کہ کچھ بکری نہیں ہوئی۔ ہندوستان کے قصر نمایش کی دوسری منزل پر
ہندوستان کی زراعت معدنیات و جنگلات کی پیداوار کی نمایش تھی۔
ابرق کے بڑے بڑے ٹکڑے آدھ آدھ گز تک کے میں نے یہیں دیکھے
میں سیڑھیوں کے مقابل دہلی کی جامع مسجد میں نماز جمعہ کا نظارہ
مع امام صاحب کی تصویر کے ایک اچھا مرقع تھا۔ اور چند ہندوؤں کے
دیوتاؤں کی بھی تصویریں تھیں۔ اگر نہیں تھی تو اُس مکان میں ایک

بھی مشینیں کسی قسم کی نہ تھیں ۔

سیلون ہندوستان کے قریب سیلون کی علٰحدہ عمارت میں
بہت سی بیش قیمت اور خوبصورت چیزیں اس جزیرہ کی پیداوار سے
تھیں ۔ جواہرات اور زیورات خصوصاً سیلون کے موتیوں کا عمدہ مجموعہ
تھا ۔ قریب کے قہوہ خانے سے سیلون کی چائے کا پیالہ بھی مل سکتا
تھا مگر بلا قیمت نہیں ۔

کینیڈا کینیڈا اور آسٹریلیا کی قابل نمائش چیزیں ایک ہی عمارت
میں رکھی گئی تھیں جسے کولونیل بلڈنگ کہتے تھے ۔ اور اسی میں جبرالٹر
برٹش ہانڈورس ۔ ونڈورڈ آئیلینڈس ۔ ٹرینی ڈاڈ ۔ ٹوباگو فاکلینڈ آئیلینڈس
سیرالیون ۔ گولڈکوسٹ ۔ لاگوس ۔ سینٹ ہلینا ۔ ملاکا ۔ ہانگ کانگ ۔
بیوگنی ۔ اور جزائر سینڈ ویچ وغیرہ کی کوئی کوئی چیز ہوگی ۔ فرانس کی طرح انگلستان
اگر ہر نوآبادی یا مقبوضہ علاقہ کے لئے الگ الگ مکان بناتا اور ایسی کوشش
سے ان میں وہاں کی چیزیں لاکر رکھتا تو نمائش میں اور کسی ملک کے لئے
مکان ملنا مشکل ہو جاتا ۔ کینیڈا میں بالکل یورپ کی طرح اشیاء صنعت
وحرفت بنتی ہیں ۔ بائیسکل ٹائپ رائیٹر ۔ باجے ذخیرہ معدنی اور زراعتی پیداوار
علٰحدہ علٰحدہ تھی ۔ گیہوں کا بہت بڑا ڈھیر ایک شیشہ کے صندوق میں
پڑا تھا ۔ ایک میں آٹا بھی تھا ۔ کیونکہ گذشتہ چند سال میں کینیڈا میں گیہوں کی پیداوار
بہت بڑھ گئی ہے ۔ اور کینیڈا ابھی اضلاع متحدہ امریکہ کی طرح گیہوں غیر ممالک کو
بہم پہنچاتا ہے ۔ کینیڈا کے جنگلی جانور بھی بھس بھر کر دکھلائے گئے تھے سفید
بھیڑیا سفید ریچھ اور کئی قسم کی مچھلیاں تھیں ۔ وہیل مچھلی یعنی دریائی بچھڑا
اس سے پہلے سوائے تصویر کے میں نے نہیں دیکھا تھا ۔ اسکا سر باقی جسم
سے خاصا الگ اور اونچا اٹھا ہوا ہوتا ہے ۔ جنگلی جانوروں کے چمڑوں
پوستینوں اور سموروں کی بھی کثرت تھی ۔ چونکہ کینیڈا ابھی بہت سا غیر آباد

ملک ہے اور گورنمنٹ برطانیہ اور نیز گورنمنٹ کنیڈا چاہتی ہیں کہ نوآبادیاں بسانے والے وہاں جاکر آباد ہوں۔ گورنمنٹ نوآبادوں کو طرح طرح کی ترغیبیں زمین مفت دینے وغیرہ کی دیتی ہے۔ یہاں کنیڈا کے متعلق ایک خاص ریفرینس کی لائبریری جمع کی گئی تھی۔ جس سے خصوصاً کنیڈا میں جاکر آباد ہونے والوں کو ہر قسم کی واقفیت حاصل ہو سکتی تھی۔ کنیڈا کی ریلوں اور جہازی کمپنیوں کے راستے نقشوں پر دکھلائے تھے۔

آسٹریلیا آسٹریلیا کی اشیاء سے نمایش میں معدنیات کو نمونے بہت تھے۔ سونا۔ چاندی۔ جست۔ ٹین کے نمونے نمایاں کیے گئے تھے گذشتہ پچاس سال میں اس نوآبادی سے کسقدر سونا برآمد ہوا ہے۔ تیل اور چوب کے نمونے بھی تھے۔ خصوصاً پشم کے کہ جو گوشت کے علاوہ اس ملک کی بڑی پیداوار ہے۔

جاوا اور سماٹرا ڈچ انڈیا کا مکان پچیس سو مربع گز رقبہ میں تھا۔ اور ہالینڈ نے اس میں اپنے مشرقی مقبوضات جاوا اور سماٹرا وغیرہ کی نمایش کے لئے تین مکان تیار کیے تھے۔ ان میں سے جاوا کے مندر چاندی ساری کی نقل بودھ طرز تعمیر کا اعلیٰ درجہ کا نمونہ تھا۔ جاوا میں اس مندر سے پلاسٹر کے ٹھیک نمونے اُتار کر یہ مکان بنایا گیا تھا۔ اور جاوا کے بورو بدھور کے مشہور مندر سے بودھ کی زندگی کی مختلف حالتوں کی ساٹھ میٹر لمبی باس ریلیف (فراز و نشیب) تصاویر کا مجموعہ نقل کیا گیا تھا۔ اسکے احاطہ کی دیوار پر بودھ کی بہت سی مُورتیں بنا کر جابجا رکھے ہوئے تھے جس سے دور سے دیکھنے والوں کو اس مکان کے اندر داخل ہونے کی بڑی ترغیب ہوتی تھی۔ مکان کے اندر نہ صرف روش اور شوکیس بہت سے بت رکھے ہوئے تھے بلکہ ہندوؤں کی طرز تعمیر سے عمارت کو خوب سجا آراستہ کیا گیا تھا۔ اس عمارت کے دونوں پہلوؤں میں دو مکانات اہل سماٹرا کی رہایشی مکانات کی طرز کے جنگی پیشانی

پر لکڑی کی کھدائی کے کام نمایاں ۔ چھپروں سے مسقف تھیں لیکن
یہ چھپر کسی باریک سی روئیدگی یا گھاس سے بنائے گئے تھے جسے میں شناخت
نہ کر سکا ۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ۔ کہ یہ گھوڑے کی دُم یا لکڑی کے موٹے
موٹے بال ہیں ۔ ان مکانات کے اندر کچھ نمونے ان مُلکوں کے باشندوں
کے خس پوش مکانات کے تھے جو کھجور کے پتوں کے چھپر معلوم ہوتے
تھے ۔ ان مکانات میں سے ایک میں ہالینڈ کے کونسل قلعہ بندی
کے نقشے ۔ جنگی ہسپتال ۔ بحری اور فوجی سامان تھے ۔ اور بہت سے
چارٹ اور فوٹوگراف آویزاں تھے ۔ دوسرے میں مصنوعات وزج کی
زراعت معدنیات اور اشکال الاقوام کے نمونے اور ستر ہندو دیوتاؤں کے
مٹی کے بُت تھے ۔ پاس ہی جاوا کے ناچ لیلا کے شائقین کے بھیس
بدلنے کے بعد کے سامان ۔ اور کاغذ اور سنہری پترے کے مکٹ جمع
کیے گئے تھے ۔ اہل جاوا اور سماٹرا کی بھی تیسری چوتھی انگلی اور انگوٹھے
کے ناخن چینیوں کی طرح بڑھے ہوئے دیکھے گئے ۔

ٹرنسوال

ٹرنسوال کا اسی راج میں ایک خوبصورت بنگلہ تھا ۔ جس پر
بوئروں کا جھنڈا اڑ رہا تھا ۔ اور چونکہ وہ جنگ کے شروع ہونے سے پیشتر
بنا ہوا تھا اسلئے علیحدہ مکان تھا ورنہ ضرور انگریزی نو آبادیوں اور مصنوعات
میں ہی ٹرنسوال کی اشیا بھی رکھدی جاتیں ۔ یہ دو منزلہ مکان ۱۰ سو مربع گز
پر تھا ۔ لیکن اسکے علاوہ اور بہت سی جگہ پر ٹرنسوال کے متعلق مکانات تھے
ایک مکان بوئروں کے فارم کے نمونہ کا تھا کہ جن فارموں کا حال چند
سال سے رنگ اخبارات میں بکثرت پڑھ چکے ہیں ۔ بوئر فارم اور بڑے
مکان کے مابین بوئروں کے آلات کشتکاری رکھے ہوئے تھے ۔ اور ساتھ
چالیس سال پہلے کے بعد سے آلات اور چھکڑے نمایاں کیے گئے تھے ۔
مگر سب سے دلچسپ ٹرنسوال کا وہ مکان تھا جس میں سونا نکالنے کی

دلچسپ دکھلائی جاتی تھی۔ اسکا ذکر فردا فردا آگے چلکر آئیگا۔ ٹرنسوال کی نمائش کے مکان میں زیادہ تر اس ملک کے نقشوں اور نباتات و معدنیات کے نمونوں کا مجموعہ تھا۔ اور بھیڑیوں وغیرہ جنگلی جانوروں کی کھالوں کا۔ اس ملک کے اصلی باشندوں کی چیزیں مثل ڈھال اور تیر و کمان کے اور ان کے بُت تھے۔ ایک جگہ بوئروں کے سررشتہ تعلیم کے نقشے آویزاں تھے۔ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ ٹرنسوال میں تعلیم خاصی بڑھ رہی تھی سنہ ۱۹۰۰ء میں کل اٹھارہ ہزار طلبا ٹرنسوال کے مدارس میں ہر قسم کے مضامین پڑھتے تھے۔ جن میں مُردہ زبانیں عبرانی اور یونانی بھی چند کس سیکھتے تھے۔ اور فزک کمسٹری اور جیالوجی سیکھنے والے طلبا بھی تھے۔ لیکن سارے مکان میں دلچسپ بات یہ تھی کہ

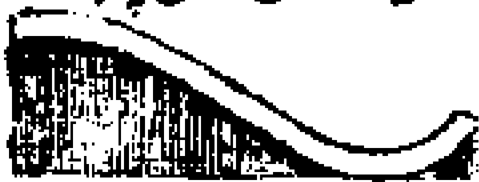
کروگر کا بُت

بڑے کمرے کے عین وسط میں پریسیڈنٹ کروگر کا ایک بُت ایک پیڈسٹل پر رکھا ہوا تھا۔ اور بوجہ جنگ کے اسکے گرد پھول اور پتے بکثرت لٹکا دیے گئے تھے۔ لوگ اس پھول کے ہار بھی چڑھاتے تھے جیسے کہ مُردہ کے عزیز مُردہ کی قبر پر چڑھاتے ہیں۔ اور سینکڑوں نام کے کارڈ ان پتوں کے ساتھ یورپین تماشائیوں نے ٹانکے ہوئے تھے ان میں سے اکثر کارڈوں پر فرانسیسی اور ایک جگہ انگریزی میں بھی لکھا ہوا تھا: شاباش بہادر "تمہاری بہادر قوم زندہ رہے" اس سے اندازہ ہو سکتا تھا کہ یورپ میں جنگ ٹرنسوال کی وجہ سے بوئروں سے بہت لوگوں کو اور خصوصاً فرانسیسیوں کو ہمدردی تھی اور انگریزوں سے اسی قدر بغض و حسد تھا۔ ہندوستان کی مکی ٹرنسوال میں چھوٹی مکی کہلاتی ہے۔ وہاں کی بڑی مکی کا دانہ بہت چوڑا اور بڑا تھا۔ میری نوٹ بک میں اسکا اتنا بڑا خاکہ کھینچا ہوا ہے۔

سونے کی کان کی سیر

چونکہ ٹرنسوال کی نامبری اور دولت کا تمام مدار سونے کی برآمد پر ہے۔ اسلئے سونے کی ہر قسم تفصیل کے ساتھ دکھلائی گئی تھی اور سونا نکالنے

کی ہر منزل کو دکھلانے کی کوشش کی گئی تھی۔ سونے کی کانوں کی پوری کیفیت
ذہن نشین کرنے کے لئے ایک زیر زمین لمبی چوڑی کان کھود کر اُس میں
ٹرینسوال سے لائے ہوئے سونے والے پتھر کا چورہ جا بجا پھیلا دیا گیا تھا
ایک خوراک کا ٹکٹ لے کر میں بھی کان میں داخل ہونا چاہتا تھا کہ ایک
شخص نے مجھ سے چھاتا لیکر رکھ لیا اور مجھے ایک ایسی لکڑی پر بٹھا کر
جس کی صورت کچھ اس طرح ڈھلوان تھی اور



جسے سلائیڈ کہتے تھے۔ نیچے کو دھکیل دیا۔
اس لکڑی کا ڈھلوان بارہ چودہ گز سے کم نہ ہوگا۔ اور بوجہ ڈھلوان اور چکنی ہونے
کے جس شخص کو گھوڑے کی طرح دونوں ٹانگیں اس کی دونو طرف کر کے بٹھلا دیا جاتا
وہ دم زدن میں کان کی سطح پر جا کر جہاں تک یہ لکڑی جاتی تھی رک جاتا۔
دفعتاً تو مجھے نیچے پھسلتے ہوئے خطرے کا خیال ہوا۔ لیکن ابھی یہ خیال ختم
بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ میں نیچے پہنچ کر زمین پر کھڑا ہو گیا۔ جو کانیں زیادہ
گہری نہ ہوں اُن میں نیچے اترنے کا اس سے سہل طریقہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ پھر
ایک پارٹی پہلے ہی ایک گائیڈ کے ہمراہ جس کے سر پہ ٹوپی میں چراغ جڑا ہوا تھا
کان کو دیکھنے کو جا رہی تھی۔ میں بھی شریک ہو گیا۔ لیکن افسوس ہے کہ پوری
طور پہ زبان نہ جاننے کی وجہ سے تھوڑا بہت مطلب سمجھا۔ گائیڈ آگے آگے
کان میں مختلف طریقے کھودنے کے دکھلاتا جاتا تھا۔ جا بجا کان کنوں کے
بُت بنا کر رکھے ہوئے تھے تاکہ معلوم ہو سکے کہ کیسی کیسی مشکل جگہوں کو کس طرح
کھودا جاتا ہے۔ قریب نصف میل کے پیچ در پیچ راستہ زیر زمین گھومتے
ہو گئے۔ ایک جگہ کان کے بارود کے ساتھ اڑانے کے حادثہ سے کئی آدمی
مرے پڑے تھے۔ جوہانسبرگ کی سونے کی ایک کان میں جو حبشی مزدور
سے کام لئے رہے تھے اس راستہ میں نمونے کی ہٹ تھی۔ جا بجا
چھوٹی چھوٹی گاڑیاں زرآلود پتھروں سے بھری ہوئی ملیں۔ ایک جگہ

ایک بجلی ٹریولی سے مع انجن اور چند گاڑیوں کے دور تک ایک حلقہ کے
گرد چلا کر دکھلائی گئی۔ راستہ میں کئی جگہ دونوں طرف لکڑیاں کھڑی کر کے اور بیچ
میں لکڑیوں کا چھت ڈال کر بنایا تھا تاکہ کان کی اوپر خندق میں نہ گر جائیں۔ یا
کان کا لمبا راستہ نہ روک دے۔ سب جگہ بجلی لیمپ روشن تھے۔ ایک جگہ
اتنی تنگ راستہ تھا کہ کبڑے ہو کر مشکل گذر سکے۔ کان کے اندر داخل ہوتے
ہی خاصی سردی معلوم ہونے لگی تھی۔ کئی لیڈیوں نے اپنے گاؤن پچھلی
طرف سے الٹ کر سر پر اوڑھ لئے۔ کئی جگہ کان کے پہلوؤں میں زر اندود
Auriferous پتھر کی دھاریاں دکھلائی گئی تھیں۔ اور انہیں
جگہوں سے پتھر کھود کر نکالا جاتا ہے کہ جس سے سونے کی ریگ برآمد ہوتی
ہے۔ ایک جگہ گندھک اور نمک کی کان کا نمونہ بھی تھا۔ جہاں سے ہم کان
میں داخل ہوئے تھے اس سے بہت دور باہر جا نکلے۔ یہاں ایک بھاری
مشین لگی ہوئی سونے والے پتھر پیس رہی تھی۔ خود بخود پانی اس کلی اور
سنگین مادہ کو دھوتا اور چھانتا جاتا تھا۔ اور جو اس میں سونا ہوتا تھا وہ علیحدہ
ہو جاتا تھا۔ اسکے بعد ایک لیبوریٹری بنا کر دکھلائی گئی تھی کہ جس میں سونے
کا میل صاف کیا جاتا۔ یہاں ایک مینار بنا کر اس پر نشان لگائے گئے تھے۔
جس سے ٹرنسوال کے سونے کی سالانہ برآمد کا اندازہ ہو سکتا تھا۔ ۱۸۹۵ء
میں ٹرنسوال کی (۱۰۵) کانوں پر چھ کروڑ پونڈ سرمایہ خرچ ہوا تھا۔ مگر اس سے
چھ گنا قیمت کا اس سال میں سونا برآمد ہوا۔ یہاں سے کسی قدر مشکل سے تلاش
کر کے میں پھر اسی مقام پر پہنچا کہ جہاں سے کان کے اندر داخل ہوا تھا اور
اپنا چھاتا حاصل کیا۔

قدیم غاریں لیکن اس جگہ سے قریب ہی ایک مقام میں ایک اور غار
تھی۔ جس میں قدیم تاریخی غاروں اور کانوں کے نمونے اور زیر زمین ایشیا کی
کیفیت دکھلائی گئی تھی۔ اسکا نام انڈر ورلڈ (تحتی دنیا) تھا۔ لوگ ایک خریک

دیکر اندر داخل ہوتے تھے۔ اس میں زمین کی ساخت کے مختلف طبقات کی ماہیت دکھلائی جاتی تھی۔ بعض کانوں مثل طور وغیرہ کے نمونے بھی نیچے دکھلائے گئے تھے۔ ایک قدیم زمانہ کی کھودی ہوئی کان تھی۔ ایک مصری ممی (حنوط کی ہوئی لاش) کی خندق تھی جسکے محافظ ایک مصری دیوتا اور اسکی بیوی تھی ایک زراجن مقبرہ میں ایکی ممتن اور کساندرا کی قبریں تھیں۔ کئی اور قدرتی خندقوں اور غاروں کے نمونے دکھلائے جاتے تھے۔ ان میں سے ایک میں فاسفورس کی دھیمی روشنی نظر آتی تھی۔

روسی مقبوضات ایشیائی روس کی کئی عالی شان اور خوشنما عمارتیں ٹراکوڈیرو کے فواروں کے سامنے تھیں۔ ان کی تعمیر میں بانی زنطین طرز تعمیر کے بہترین نمونے صرف کئے گئے تھے۔ جس طرح روس کے گرجوں اور زار روس کی عالیشان محلات کرملین وغیرہ کی تصاویر میں ہم نوکدار اور رنگین مینار دیکھا کرتے ہیں میں نے روس میں گئے بغیر ہی یہاں ان خوبصورت میناروں کو دیکھ لیا۔ ان کی نوکدار چھتیں زرد سبز اور نیلگون جابجا طلائی ہوئی بہت شاندار معلوم ہوتی تھیں روس کے پاس پاس چار پانچ مکان تھے۔ جن میں سے ایک جو بخارا کی اشیا سے نمایش کے لئے مخصوص تھا وہ اندر سے سمرقند کی جامع مسجد کے نمونے پر تعمیر کیا گیا تھا۔ ان مکانات میں سائبیریا وسط ایشیائی روس اور بخارا کی تمام پیداواریں اور دستکاریاں جمع تھیں۔ اکثر نام روسی خط اور زبان میں

بخارا کی نمایش تھے اسلئے سب چیزوں کو میں نہ سمجھ سکا۔ وسط کے بڑے کمرے میں تمام سامان زیورات زینیں لگامیں۔ قالین۔ ریشم کے کپڑے اور کچھ درختوں اور جانوروں کے نمونے امیر صاحب بخارا کا ذاتی مجموعہ تھا بخارا کا ریشم مشہور ہے اور واقعی یہ نمونے اعلےٰ درجے کے تھے یہاں تین چار اہل بخارا محافظ تھے۔ ان میں سے دو سے فارسی میں باتیں ہوتی رہیں۔ کہیں کہیں فارسی بھی کام آجاتی ہے۔ ایک دن شاہ کجکلاہ ایران کے

بعض ہمراہیوں سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ ایک دوسرے کمرے میں روس کی پیداوار بہت سے قیمتی پتھروں اور جواہرات کے نمونے تھے۔ اس میں روس کے مختلف اقوام قلماق اور گلیاک وغیرہ کے دیوتا اور دیگر اشیاء بھی تھیں۔ روسی ڈیول ڈانس (شیطانی ناچ) کے بُت بھی ایک جگہ تھے۔ روسی رعایا کی مختلف قوموں کے قدآدم بُت بھی کئی ایک تھے۔ ایک نہایت حسین جارجیا کی عورت کے مومی بُت میں گویا باتیں کرنے کی کسر تھی۔ روس کے پشم اور پوستین والے جانوروں۔ ریچھ اور کئی قسم کی بلیوں اور لومڑیوں اور چوہوں اور مچھلیوں اور بارہ سنگوں کی کھالیں اور بھس سے بھرے ہوئے نمونے ایک کمرہ میں تھے۔ یہ تو پوستین اور سمور روس کی سرکاری محاصل کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ کیسی کیسی خوبصورت پوستینیں روس میں پیدا ہوتی ہیں۔ سبحان اللہ لیڈیاں تو ان پر فریفتہ ہو جاتی تھیں۔ دو بہت بڑے سفید ریچھوں کے بُت دیکھے۔ ان میں سے ایک تو خاصا معمولی گائے کے قد کے برابر تھا۔ روس کے مختلف مقامات کی پیداواروں خصوصاً سائبیریا کی لکڑی کے کئی نمونے تھے۔ تاتاریوں کی خانگی زندگی کے سامان جابجا پڑے تھے۔ ان میں ایک جگہ ایک قرآن کی جلد بھی تھی۔ روس کے دونوں طویل ریلوے سلسلوں یعنی ٹرینس کاکیشیا اور سائبیریا ریلوں اور کئی دوسرے انجنیری کاموں کے نقشے اور فوٹوگراف رکھے ہوئے تھے۔ اور بعض جہازوں کے ننھے ننھے ماڈل (نمونے) رکھے تھے۔ غرض روس کا بڑا معقول ذخیرہ اشیاء نمائش کا تھا۔

سائبیریا کی ریل پچھلی طرف ان عمارات کی ایک جگہ سائبیرین ریلوے کا پینوراما تھا جس میں اس دنیا کے سب سے لمبے ریلوے سلسلہ کے راستہ کا متنوع نظارہ دکھلانے کے لئے لوگوں سے ایک یا دو فرانک فیس لیکر انھیں ریل کی سچ مچ کی گاڑیوں میں بٹھلا دیا جاتا۔ اور پھر ان کی آنکھوں کے سامنے ان نظاروں کی تصاویر ایسی کاریگری سے پھیرتے کہ لوگوں کو گمان

ہوتا کہ وہ سچ مچ سائبیریا کی ریل میں سوار ہوکر سفر کر رہے ہیں اور کہیں جنگل اور کہیں بیابان اور کہیں دریا اور کہیں کسی خانہ بدوش قوم کا قافلہ ان کے سامنے سے گذر جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ میں نے اس تماشا کو نہ دیکھا جس وقت میں اس جگہ کے اندر داخل ہونے کے لئے ٹکٹ لینے لگا تو ایک انگریز عورت ٹکٹ دینے والے سے جھگڑنے لگی کہ تم نے محض دھوکا کر رکھا ہے۔ کچھ بھی سائبیریا کے سفر کا مزہ نہیں آیا۔ اور ریل کی گاڑیاں ذرا نہیں چلتیں۔ مجھے بھی اس عورت نے اسباب کا یقین دلایا۔ اور میں نے اسکے دیکھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ ورنہ جس طرح اور بعض ملکوں کے پینوراموں کی خواب آنکھیں بند کر کے دیکھ لیا کرتا ہوں سائبیریا کے بھی دیکھ سکتا۔ سائبیریا کا علاقہ تمام یورپ کے برابر ہے۔ اور اب تو ویران اور غیر آباد ہے لیکن اس ریلوے لائن سے اس علاقہ کی آبادی میں ضرور بڑا تغیر ہوگا۔ ساتھ ہی اہل یورپ چین اور جاپان کو جانے کے لئے اسی راستہ کو ترجیح دیا کرینگے۔ آجکل فرانس یا انگلستان سے جلدی سے جلدی اٹھائیس روز میں جاپان میں پہنچ سکتے ہیں اور تیس روز میں چین میں۔ لیکن اس لائن کی تکمیل کے بعد انگلستان یا فرانس سے لوگ سولہ روز میں جاپان میں اور سترہ روز میں چین میں پہنچ جایا کرینگے۔ کیونکہ ۱۱ روز میں موسکو سے ولیڈی ورسٹاک تک اس لائن کی گاڑیاں پہنچیں گی۔ اور اڑھائی روز میں اب لنڈن سے ماسکو تک پہنچ جاتی ہیں۔

چین کے مکانات چین کی نمایش پانچ چھوٹے چھوٹے مکانات میں تھی جو ایک دوسرے کے متصل تھے۔ سنہ ۱۸۸۹ء کی پیرس کی نمایش میں چین نے روس کے قریب بعض پولیٹیکل وجوہات سے مکان بنانے سے انکار کیا تھا مگر اب کے اس نے روس کے قریب اپنے مکان تعمیر کر لیئے۔ مگر گورنمنٹ چین نے معقول مقدار روپیہ کی اس کام پر خرچ نہیں کی ہوگی۔ کیونکہ مکانات

چھوٹے چھوٹے بنائے گئے تھے۔ تاہم ان میں چین کی مشہور عمارات
کی نقلیں اتاری گئی تھیں۔ ایک میں پیکن کے نو دروازوں کی نقل تھی۔ ملا
چو منزلہ مکان تھا۔ ایک جگہ چین کے مشہور دیوار کے پیکن سے ۴۳ میل کے
فاصلہ پر ایک دروازہ کی نقل کی گئی ہے۔ کہ جس پر چینی زبانوں میں کچھ کندہ ہے
لیکن ان میں سے اس وقت ایک کا بھی مطلب کوئی نہیں سمجھ سکا۔ چینی
مکانات کے چھتوں کے کونے اسی طرح مڑے ہوئے تھے جیسے کہ چینیوں
کے ہوتے ہیں۔ ایک مکان کے عین وسط میں ایک درخت اگا ہوا تھا
اور اس کی شاخیں چھت سے باہر نکلی ہوئی تھیں۔ ایک عمارت میں پیکن
کے کونفوشش کے مندر کے مشہور دروازہ کا نمونہ بنایا گیا تھا۔ جس کی تہ
سفید سنگ مرمر کی تھی اور اوپر سے زرد اور سبز روغنوں کی چینی سے بنا ہوا
تھا۔ ایک مکان مغفور چین کے محل کے ایک حصہ کی نقل تھا۔ جس کے
چھت کی کھپریلیں سبز اور ستون نہایت ہلکے پھلکے تھے۔ یہ مکان ایک
چھوٹی سی جھیل کے کنارے پر ایک چینی پودوں کے باغ کے اندر بنایا
گیا تھا۔ چینی زراعتی پیداوار میں گو گیہوں اور جو بھی بوئی جاتی ہے اور
شہد بھی یہاں دکھلایا گیا تھا۔ لیکن چاول ہی دراصل ضروری چینی غلہ ہے
چاول کے سوا سے چینی ہیچ ہیں۔ اور اسکے کاغذ پر یہاں کے نقاشش
اور مصور بیش قیمت تصاویر بنانے میں مشاق ہیں۔ اسکے علاوہ چاء چین
کی دولت کا بڑا ذریعہ ہے۔ گو ریشم کی کاشت کا بھی شوق کیا جاتا ہے
اور اسی لئے ان سب فصلوں کے کچھ کچھ نمونے دکھلائے گئے تھے۔
لیکن جس چیز پر چینی ناز کرتے ہیں وہ ان کے ملک کی پیداوار نہیں بلکہ
ان کے ہاتھوں کی پیداوار ہے۔ چینی دستکار یہاں بھی پتھر اور دانت کے
کھودے ہوئے عجیب الخلقت مورتوں کی کاغذ پر تصویریں بنانے دیا اگر آپ
پسند کریں تو اسے نقاشی کریجے، اور چاندی سونے پر مینا کاری۔ جیسے

بنانے اور ریشم بننے میں وقتاً فوقتاً مصروف پائے جاتے تھے۔ یہاں ہر درجہ کے چینیوں کے تمام دم محبت رکھے ہوئے تھے۔ ان میں سب سے پہلی جس چیز پر نظر پڑتی تھی۔ وہ یہاں کے لوگوں کے بڑے بڑے بڑھے ہوئے مکروہ ناخن ہوتے تھے۔ خدا کی شان کہ ایسی مہذب قوم اور ایسے کریہہ ناخن آدھ آدھ انچ سے زیادہ بڑھے ہوئے باعث فخر و ناز سمجھے جائیں۔ میں نے بعض یورپین ممالک مثلاً آسٹریا اور زیادہ جرمنی میں دیکھا ہے کہ لوگ یوں تو سب انگلیوں کے ناخن ذرا بڑے سے رکھتے ہیں۔ مگر چھنگلیا (خنصر) کے تو بہت بڑھ جانے دیتے ہیں۔ چینیوں کا لکڑی میں سیپ کا کام اور ریشم کے کپڑے اور ریشم پر کشیدہ اور نقاشی دیکھ کر تعجب ہے کہ ان لوگوں میں کیسی اعلےٰ درجہ کی صنعت مروج ہے اور ان کی چابکدستی کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ لیکن خود ایسے بے تمیز ہیں کہ حالات زمانہ کی ہوا انہیں نہیں لگی۔ نمائشگاہ کے ایک کمرہ میں ایک چینی عورت کی لاش کو سامان عروسی پہنا کر تابوت میں رکھا ہوا تھا۔ اور شوہر پاس بیٹھا ہوا بین کر رہا تھا۔ عورت کے دونوں کانوں کے قریب اور سینہ پر سو سو روپے دیا ڈالر ہونگے ڈبوں میں بھرے ہوئے رکھے تھے۔ جو مردہ کا زاد راہ سمجھا گیا تھا۔ بلحاظ مقدار اور نوعیت کے اس نمائش سے زیادہ چینی سامان میں نے برلن کی عجائب گاہ میں دیکھا تھا۔

پرتگال پرتگالی نوآبادیوں کا بھی مکان علحدہ تھا۔ اور اس پر پرتگالی قومی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ لیکن اسباب نمائش بہت کم تھا۔

کوئلہ کی کانیں فرانسیسی کوئلہ کی کانوں کی عالی شان عمارت میں پتھر کی کوئلہ کی کان کنی کے متعلق تمام کوئلہ کی کانوں سے سامان نمائش جمع کیا تھا یہاں بڑے بڑے گاس انجن برقی ڈائنمو چلانے اور نیز زیر زمین جگہوں میں ہوا پہنچانے کے لئے رکھے ہوئے تھے۔ دیواروں پر علم طبقات الارض کے نمونے اور کان کنی کے انجنوں کے ماڈل تھے۔ دوسرے چھت پر کانوں کے سچے سونے کے نمونے

اور ہوا پہنچانے والے سامانوں کے نمونے تھے۔ عمارت کے پیچھے ایک کان کھدی ہوئی تھی جو ٹرینسوال کی سونے کی کان سے جا ملتی تھی۔ اس کان میں جانے کا اُسی قسم کی لکڑی کا ڈھلوان راستہ بھی تھا۔ دستی ٹھیلوں پر بھی جا سکتے تھے اور جس طرح کان کن ایک ٹوکری کی طرح کے پنجرے میں بیٹھ کر جاتے تھے اس طرح بھی داخل ہو سکتے تھے۔ اندر کوئلے لوہے نمک جست اور سونے کی کانوں کی سیر کی جاتی تھی۔

لائٹ ہوسوں کی نمائش لائٹ ہوسوں یعنی روشنی کے میناروں کی نمائش بھی ایک خاص مکان میں کی گئی تھی۔ فرانس کے ساحلوں پر ۴۲۷ روشنی کے مینار ہیں جو تاریکی کے وقت جہازوں کو راستہ بتاتے ہیں۔ اور اگرچہ سکے تو مصیبت کے وقت اُن کی تھوڑی بہت مدد بھی کرتے ہیں اسلئے فرانس لائٹ ہوسوں کی نمائش کس طرح فراموش کر سکتا تھا۔ یہاں قدیم تاریکی بحری میناروں کے نمونے جو دستیاب ہو سکتے تھے رکھے گئے تھے۔ سب سے قدیم لائٹ ہوس قبل مسیح آٹھ نو صدیوں سے بننے شروع ہوئے تھے پاتیرنس کے مشہور لائٹ ہوس کا ماڈل بھی رکھا تھا کہ جو قدیم زمانہ میں بندر اسکندریہ کے داخلہ پر نصب تھا۔ یہ پانچ سو میٹر بلند ایک مخروطی مینار تھا کہ جس کی چوٹی پر ہر شب آگ روشن رہتی تھی۔ اسی طرح روڈس کا مشہور معدنی بُت بھی صرف ایک لائٹ ہوس تھا کہ جس کی چوٹی پر رات کو آگ روشن رہتی تھی اور اسکے دونوں ٹانگوں کے درمیان سے جہاز گذر جاتے تھے فرانس کا سب سے مشہور اور بلند (۲۰۰ فیٹ) ایکمل کا مینار ہے جس پر تیس لاکھ بتیوں کی برقی روشنی جلتی ہے۔ جو ساٹھ پینسٹھ میل سے نظر آتی ہے۔ لیکن زیادہ سے زیادہ ۱۳۳ میل کی مسافت سے بھی دیکھی گئی ہے۔

پادریوں کے کارنامے مشنری بلیس فرانس کے عیسائی مشنوں کا مکان تھا جس میں تمام دنیا کی ردمن کیتھالک مشنوں نے اپنی اشاعت دین اور اشاعت تہذیب

کے کام کو دکھلایا تھا۔ مشنوں کی تاریخ کی منزل کے نمونے دکھلائے تھے
کہ کیسے انہیں غیر مہذب ممالک میں سابقہ پڑتا ہے۔ پادریوں نے جو علمی
دریافتیں اور تحقیقاتیں غیر معلوم مقامات میں کی ہیں۔ جو انہوں نے کتابیں
رپورٹیں اور رسالے لکھے ہیں ان سب کے نمونے یہاں رکھے گئے تھے
انہیں میں امریکہ کے نہایت قدیم نقشے بھی تھے جو روم کے کتب خانوں سے
منگوا کر رکھے گئے تھے۔ اس مکان کی پہلی منزل میں مشنریوں کے ذریعہ
چین اور بعض جزائر میں لوگوں کو جا کر تعلیم دینے کی کیفیت مومی بت بنا کر
دکھلائی گئی تھی۔ ان میں ایک نظارہ ایک مشنری لیڈی کا تھا۔ جو جزامیوں کو
مرہم پٹی کر رہی تھی۔ واقعی ایسی قربانی کی نظیریں دیکھ کر ماننا پڑتا ہے کہ مذہب
عیسوی خواہ کچھ ہو۔ لیکن ان لوگوں میں خلوص ضرور بہت ہوتا ہے۔ دوسری
منزل میں مشنریوں کی دنیا میں کارگزاری اور رومن مشنوں کے کام کے نقشے
اور جن قوموں کے اندر وہ کام کرتے ہیں ان کے بت تھے۔ مشنریوں کی ہندوستان
چین افریقہ وغیرہ مختلف ملکوں کی زبانوں اور مشنوں کے متعلق تصنیفات۔
اور مشنوں سے کام سیکھنے والوں کے کشیدے اور کام۔ بعض بڑے پادریوں
کے بت۔ پادریوں کے کھینچے ہوئے فوٹوگراف۔ پادریوں کے مرکزوں
کی قابل نمائش چیزیں۔ ایک حصہ میں مشنوں کے متعلقہ کارخانوں اور دستکاری
کے مدرسوں کے بنے ہوئے بوٹ۔ چھوٹی چھوٹی مشینیں۔ کپڑے خوراکی
اشیا کی نمائش تھی۔ میں اس حصہ کو دیکھ کر عیسائی پادریوں کے ایثار
نفس کشی اور مفید کام کا ہمیشہ سے زیادہ قائل ہو گیا تھا۔ ممکن ہے کہ پادریوں
میں بعض مکار طالبان جاہ اور عیش ہوں۔ لیکن بہت سے ایسے روشن ضمیر
لوگ ہیں کہ قطع نظر مذہب کے وہ دنیا میں شائستگی پھیلانے اور نوع انسان
کی خدمت کرنے کا بہت نیک کام کرتے ہیں۔

مصر کا قومی مکان

مصر کے مکان کے تین حصے تھے۔ جدید مصری بازار۔ قدیم

مصر کے بُت اور تصویریں اور مصر کا تھیٹر۔ اس لمبے چوڑے مکان کے باہر
اور اندر ہر جگہ مصری بتوں کی تصویریں۔ مصری ہائروگلافک (تصویری حروف)
کی شکلیں اور نوبیا اور کارناک کی قدیم تعمیرات کے نمونے نمودار تھے۔ دوسری
اس مکان کا دروازہ دیکھ کر ہر شخص سمجھ جاتا تھا کہ یہ تو قدیم مصر کا کوئی مندر ہوگا۔ ایک
مکان میں مصر کی ساخت کے کپڑوں مصری غلوں اور کپاس کے نمونے ہیں
واقعی مصر کی مشہور کپاس کے ریشے کتنے لمبے ہوتے ہیں۔ بوٹے معمولی
اور سیاہ رنگ کے تھے مگر پودے میرے قد سے دو بالشت بلند تھے۔
کئی مصری ساخت کے نئے اور پرانے قالین بھی دیواروں پر آویزاں تھے
کئی کپڑوں پر جلی عربی حروف سفید کپڑے کی رنگین زمین پر ٹکے ہوئے
بھلے معلوم ہوتے تھے جو دیواروں پر بطور قطعات کے لٹکائے گئے تھے
بیچ کے مکان میں مصری دوکاندار قریب سب یہودی۔ ایک نے
کہا تھا کہ وہ مسلمان ہے۔ اور ہندوستان سے ہو گیا تھا اور کچھ اردو بول
سکتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے زیور، رومال اور طلادار کپڑے صدریاں وغیرہ
بیچ رہے تھے۔ اسی مکان کے ساتھ ایک کی نا کھانے کا رسٹورنٹ
ہے جس کی چھت پر جھنڈیاں لگی ہوئی تھیں۔ اور سب پر جا بجا خوش خط
عربی حروف کپڑے پر ٹانکے ہوئے تھے۔ اس کے اندر کے مکان
مصری تھیٹر | میں مصری تھیٹر تھا۔ درجہ دوم کے ٹکٹ نصف فرانک
دے کر میں بھی داخل ہوا۔ سہ پہر کا وقت تھا۔ آدمی ساٹھ ستر سے زیادہ نہ ہوں گے
تماشا والے کسی قدر اور آدمیوں کا انتظار کرنا چاہتے تھے کہ لوگوں نے زور
زور سے لکڑی کے فرش پر بیٹ مارنے شروع کئے۔ اس پر تماشا شروع ہوا
پہلے ایک مصری عورت نے ناچ دکھلایا۔ یہ ایسا ہی تھا جیسا کہ ٹرکی تھیٹر
میں اور پیرس کے قہوہ خانہ میں پہلے دیکھ چکا تھا۔ ناچتے وقت یہ
عورتیں ہاتھ کی دو انگلیوں سے دو برنجی ٹکڑے آرسی کی شکل کی بجاتی جاتی ہیں

اور ان کی سر تال کو ناچ کے مطابق رکھتی ہیں۔ ہر چند کہ ان کا ناچ حبشیانی سا ہوتا ہے تاہم بادی النظر سے بھی تامل ہونا پڑتا ہے کہ انھوں نے اسی طریقہ کو اعلےٰ درجہ کی آرٹ تک پہنچا دیا ہے جیسا کہ میں آگے چل کر بیان کرتا ہوں۔ اسلئے کہ ان کی کمر کا لچکنا سفائی سے معلوم ہوتا ہے ان کے گلے میں صرف ایک جنبان ہوتا ہے۔ اور صرف کندھوں پر تھوڑا سا خفیف کپڑا اوڑھا ہوتا ہے۔ اس عورت نے دانتوں میں ایک ہلکی سی کرسی اٹھا کر بھی ناچ کیا۔ ایک دوسری عورت کچھ دیر اسی طرح ناچ دکھلا کر ایک کاؤچ پر لیٹ گئی۔ اور چار شیشہ کے گلاس اپنے سینے پر رکھ لئے۔ یہ سینہ ایسی صفائی سے ہلاتی تھی۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ سینہ کے مختلف حصے باری باری سے ایسے طور پر ہلاتی تھی کہ چاروں گلاسوں کے آپس میں ٹکرا دینے سے بالکل موزون اور ہم آہنگ سریلی آواز پیدا ہوتی تھی۔ یہ اس قدر کاریگری کا کام سمجھا گیا کہ لوگ دمبدم اسپر داد دیتے تھے۔ اسکے بعد حبشی زن و مرد کا بے ڈھنگم سا ناچ دکھلایا گیا۔ پھر ایک شادی کا سین دکھلایا گیا۔ جس میں عورتوں نے ملکر دردناک سریلی آواز میں عربی گیت گائے۔ پہلے دولہا لا کر بٹھلایا گیا۔ پھر زرق برق کے لباس میں دلہن لائی گئی۔ اور بہت سی عورتوں نے ایک دوسری کی کمر میں ہاتھ ڈال کر حلقہ بنا کر گھومنا شروع کیا۔ سروں پر دو مرد تھے جو ساتھ ساتھ تلواریں گھماتے جاتے تھے۔ اور حلقہ کے بیچ میں ایک شخص بانسری بجاتا جاتا تھا۔ اسکے بعد دو لڑکے بدوی لباس پہنکر آتے اور گدکا کھیل گئے۔ پھر بہت سی عورتیں دلہن کو ساتھ لیکر قطار بنا کر آئیں۔ یہ پہلو بہ پہلو دو عورتوں کی قطار تھی۔ اور کچھ عربی گیت گاتے ہوئے پردوں کے پیچھے چلی گئیں۔ اور تماشا ختم ہو گیا۔

ان مکانات کی پچھلی طرف قدیم بادشاہان مصر کی قبریں اور عتیق مصری چیزیں تھیں۔ لیکن ایک شخص نے مجھے صاف جواب دیدیا کہ اسوقت

نہیں دکھلاتے کہ شاید کچھ مانگتا ہوگا۔ اس مکان میں ایسی ہی بہشت سی
معلوم ہوتی تھی۔

جاپان جاپان کے چھوٹے چھوٹے مکانات معہ کچے چھپر تھے
جو ایک باغ کے درمیان بنائے گئے تھے۔ اس چھوٹے سے باغ میں
ٹوکیو پایۂ تخت جاپان کے شاہی باغ سے بہت سے پودے اور پھول مثل
درخت کافور۔ شہتوت۔ موسا۔ پام کے اقسام اور روارنشس کا درخت لاکر
یہاں بوئے گئے تھے۔ گل داؤدی اور بعض دوسرے مشہور جاپانی پھولوں
کے بھی نمونے تھے۔ وسط میں ایک چھوٹی سی جھیل میں جاپانی مچھلیاں چھوڑی
گئی تھیں۔ ان میں سے بڑا مکان سندرکوڈو کی نقل بنایا گیا تھا۔ جو جاپان کے
بدھوں کا نہایت مقدس مندر سنہ [illegible]ء سے بنا ہوا ہے۔ جاپان نے نمونے کو
بہت کم چیزیں نمائش کی تھیں لیکن اسکی صنعت کا ثبوت دینے کو یہی کافی
تھیں۔ آرٹ کے چند نظارے پتل پر کھودے ہوئے۔ اور کچھ جاپانی بت تھے۔
جاپانی چائے کا ایک علحدہ مکان تھا جہاں کی بوئی چائے بھی پلائی جاتی تھی
اور دوسرے مکان میں ساکی (چاولوں سے بنی ہوئی ایک قسم کی ہلکی شراب)
جاپانی چائے کا پودا بہت نازک ہوتا ہے۔ جسے دھوپ اور جاڑے کے دنوں
سے ڈھانپ کر رکھا جاتا ہے۔ اور جاپانی بچے ہاتھوں میں دستانے پہنکر
اس نازک پودے سے پتے توڑتے ہیں۔ جاپان کے دستکارخانوں میں
یوروپین مرد جاپانی لباس پہنکر جاپانی سارنگیاں بجا رہے تھے اور یوروپین
عورتیں جاپانی لباس میں چائے پلا رہی تھیں۔ جاپانی بازار میں جاپانی ریشم
کے نمونے بھی منجملہ اور چیزوں کے تھے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ جاپان
نے گذشتہ پچیس تیس سال میں جو ترقی علوم و فنون اور صنعت و حرفت
میں کی ہے اس سے یہ قوم اہل یوروپ کی نظروں میں قابل عزت قرار پاگئی
ہے۔ جولائی سنہ ۱۸۹۴ء کو ابھی زیادہ مدت نہیں گذری جبکہ جاپان کی معاہدہ

ہندوستانیوں پر ودل یورپ نے جاپان کو اپنے برابر شائستہ تسلیم کیا تھا۔ اس سے پہلے یورپ کے لوگوں کے مقدمات جاپانی مجسٹریٹوں کے سامنے پیش نہیں ہو سکتے تھے اور نہ جاپانی پولیس اہل یورپ مجرموں کو پکڑ سکتی تھی۔ لیکن فروری سنہ ۱۹۰۲ء میں انگلستان ایسی سلطنت نے جاپان کو اپنا خاص دوست اور قوت بازو تسلیم کر لیا۔ اس سے میری غرض یہ ہے کہ چند سال کی لگاتار کوشش سے ایک قوم جو کہ سنجیدگی سے کچھ کرنا چاہے اگر اُسے اسباب موافق پڑیں تو کیا کچھ کر سکتی ہے۔ جاپان نے صنعت و حرفت میں بھی بہت ترقی کی ہے لیکن کتنے دنوں میں۔ ذرا ان اعداد کو ملاحظہ کیجئے۔ سنہ ۱۸۸۰ء میں جاپان نے صرف (۰۰۰۰۰۰۱۷۴) فرانک کا مال ممالک غیر کو بھیجا تھا۔ اور سنہ ۱۹۰۰ء میں (۰۰۰۰۰۰۹۵) فرانک کا۔ سنہ ۱۸۹۵ء اس کا کل سرمایہ جو حرفت میں مصروف تھا (۰۰۰۰۰۱۲۵) فرانک سے زیادہ نہ تھا۔ لیکن سنہ ۱۸۹۶ء میں (۲۷۵۰۰۰۰۰) فرانک کو پہنچ گیا۔ پہلی سوت کاتنے کی مل سنہ ۱۸۶۲ء میں اوساکا میں قائم ہوئی لیکن سنہ ۱۹۰۰ء میں جاپان میں ستر ملیں قائم تھیں۔ اور گذشتہ دس سال میں سوت اور سوتی کپڑا ایک سے اسی ملین گنا بڑھ گیا ہے ۔

ناچ کا پیلیس

یوں تو نمائش گاہ میں ناچ اور تماشا دکھلانے کے کئی مکان تھے۔ لیکن اس مکان میں ناچ کی فلاسوفی دکھلانے کی کوشش کی گئی تھی۔ ایک تھیٹر کی سٹیج پر مختلف زمانوں کے یوروپین ناچ کی تاریخ اور مختلف ممالک اور اقوام کے عجیب و غریب ناچوں کے نمونے دکھلائے جاتے تھے۔ ممالک مشرق کے مذہبی ناچ بھی فراموش نہیں کئے گئے تھے۔ چینیوں کا پنی ودن ناچ ہندوؤں کے فرقہ شوجی کا بیلدری ناچ۔ مصریوں کا مکھی کا ناچ۔ قدیم یونان روم کے مذہبی اور جنگی ناچوں میں آسس کا ناچ۔ بریک کا ناچ اور بیکا تیلیا کا ناچ مختلف اوپر سے قدیم زمانہ اور زمانہ موجودہ کے یورپ کی بعض قوموں کے ناچ (جو انہیں قوموں کے لباس میں کئے جاتے تھے) بہت دلچسپ تھے۔ اور

معلوم ہوتا تھا کہ فرانس نے بھی دنیا کی تاریخ میں خصوصاً ممالک یورپ میں بڑا حصہ لیا ہے ۔

نقل مطابق اصل اس مکان میں بیس بیس انچ کے بلند چند آٹو مٹین (خود بخود حرکت کرنے والے بت) بنا رکھے تھے ۔ جنہیں بہت عمدہ لباس پہنایا گیا تھا اور دیکھنے میں ان میں اور آدمیوں میں مشکل تمیز ہو سکتی تھی ۔ یہاں تک کہ فونو گراف کے ذریعے سے یہ بول بھی سکتے تھے ۔ ان کے ذریعے سے زمانہ حال کی یورپین زندگی کا خاکہ اڑایا جاتا تھا ۔ بعض اوقات کسی فیشن ایبل ڈرائنگ روم میں چند لیڈیاں اور جنٹلمین بیٹھے ہوئے خوش گپی میں مصروف ہوتے اور ناچتے اور گاتے تھے ۔ یا ایک رجمنٹ مع اپنے افسر کے کوچ کرتی نظر آتی تھی ۔ فرانس کے پریسیڈنٹ کی سواری گذرتی اور ایک فوج کا دستہ سلامی اتارتا اور ہُرّہ کا نعرہ بلند کرتا ۔ یہ در اصل سب ایسے ہی مصنوعی آدمی ہوتے لیکن برابر چلتے پھرتے اور بولتے چالتے تھے ۔

قہقہہ خانہ تیزون ڈو ریر یعنے ہنسی کا گھر ایک علیحدہ خوشنما مکان تھا جس کی غرض ہر طرح ہنسانا تھا ۔ اس کی عمارت کی قرینہ میں "کارنیوال" یعنی یورپ کی ہندوانہ ہولی کے نقشے سے تھے ۔ اس مکان کے اندر ہر چیز ہنسی نظر آتی تھی ۔ یہاں ہنسی مخول ہزل شٹھا ظرافت حکومت کرتے تھے اور فرانسیسی مسخروں کی تصنیفات کا مجموعہ یہاں جمع کیا گیا تھا ۔ اس کے اندر کے تھیئٹر میں پیرس کے بہترین "کومیڈی" کا تماشا کرنے والے لوگوں کو ہنساتے تھے جبکہ ان کے گرد و پیش ہر ایک مرقع ہر ایک تحریر اور ہر ایک حرکت انہیں ہنسی کی ترغیب دیتی تھی ۔

ہنڈولا یہ بہت بڑا ہنڈولا کہ جسے "گریٹ وھیل" کہتے تھے شکاگو کی نمائش سے نقل کیا گیا تھا ۔ اس کا قطر (۱۰۶) میٹر تھا اور (۱۶۰۰) تماشائی ایک وقت اس کی گاڑیوں میں بیٹھ کر زمین سے بلندی کے سفر پر روانہ ہوتے تھے ۔ گویا کہ یہ غبارہ کے سفر کا کام دیتا تھا ۔ اور ایفل ٹاور سے چھوٹا تھا ۔ تاہم بڑا وھیل دنیا میں ابھی یہیں دیکھا تھا

قاہرہ کا بازار ایک جگہ قاہرہ کے ایک بازار کی نقل اتاری گئی تھی۔ جہاں کئی ایک مصری عورتیں اور مرد پھرتے تھے اور عمارتوں کی صورت بالکل مصری تھی۔ سنہ ۱۸۷۰ کا پیرس۔ اپی سائیکل کا عجیب تماشا۔ سٹیڈیم۔ بحری جنگ۔ کوہ ویسوویس کی آتش فشانی اور شہر پومپی اور ہرکولینیم کا آتشی مادہ کے نیچے دب جانے کا پینوراما۔ اور اور کئی پینوراما۔ تھیٹر۔ ڈرامے۔ تصویر خانے اور تماشے اس عظیم الشان نمائش گاہ کے متعلقات سے تھے کہ جنکے ذکر کی گنجائش نہیں ◆

شہر پیرس کی عمارت اگر نمائش میں نہ ہوتی تو نمائش نامکمل رہ جاتی۔ اس کی دونوں منزلوں اور زیر زمین تہ خانہ میں شہر پیرس کے خوشنما وجوہ کی بہت عمدہ تفصیل بیان کی گئی تھی۔ اسکے صحن میں ایک خوبصورت باغ میں پیرس کے تمام باغات سے پودے جمع کئے گئے تھے۔ وسط باغ میں ایک خوبصورت فوارہ کی ٹونٹیاں میں پیرس کی آبرسانی کے تمام نمونے دکھلائے گئے تھے۔ اور پیرس کی میونسپلٹی نے گذشتہ گیارہ سال میں جس قدر بُت شہر میں نصب کرنے اور عجائب گاہوں کے لئے خریدے تھے۔ وہ سب اسی باغ میں جابجا ڈالے گئے تھے۔ مکان کے اندر محکمہ پولیس نے اپنا عجائب گھر اور صیغہ شناخت لا رکھا تھا۔ جس میں انتھروپومیٹری (مجرموں کی شناخت کے طریقہ) کا سامان تھا۔ یہ طریقہ ایم برٹیلان ایک فرانسیسی نے ایجاد کیا ہے۔ مفلسوں کو مدد دینے کا صیغہ۔ چیزیں گرو رکھنے کا سرکاری صیغہ۔ اور میونسپل مثل حفظان صحت وغیرہ مع ڈایاگراموں اور عکسی تصاویر کے۔ سینمٹوگراف جس سے میونسپلٹی کے صیغوں کی کارروائی دکھلائی جاتی تھی۔ بازاروں اور کوچوں کے صیغہ میں روشنی پتھر کوڑ اور موریوں وغیرہ کی صفائی کا سامان تھا۔ دوسری منزل پر پیرس نے گیارہ سال میں جو تصاویر خریدی ہیں آویزاں کی گئی تھیں۔ اور علاوہ اسکے پیرس کی تاریخ اور دیگر حالات کے متعلق قومی کتب خانہ اور عجائب گاہ سے بیش قیمت کاغذات لا کر رکھے گئے تھے۔ ایک طرف شہر پیرس کی پرائمری

اور ٹکنیکل تعلیم کے لیئے مخصوص تھی۔ کہ جہاں فرنیچر اور آرائشی سامان کے ٹکنیکل سکولوں کا بنایا ہوا سامان جمع کیا گیا تھا۔ اور پیرس کی بڑی بڑی عمارات کے نقشے دیواروں پر آویزاں کیئے گئے تھے ۔

ضمیمۂ نمایش

جس طرح کسی کتاب یا اخبار کے ساتھ ضمیمہ لگایا جاتا ہے ویسا ہی ۱۹۰۰ء کی نمایش پیرس کے ساتھ بھی ایک ضمیمہ لگایا گیا تھا۔ شہر کے اندر جن مقامات میں نمایش گاہ کے لیئے عالی شان قصر اور وسیع مکانات تعمیر کیئے گئے تھے وہاں بعض بڑی بڑی اشیا سے نمایش کے لیئے کافی جگہ نہیں مل سکتی تھی۔ جیسے کہ ریل کی گاڑیاں اور انجن۔ ٹریم سے گاڑیاں۔ گھوڑے ٹٹو وغیرہ زندہ جانور۔ اور گھوڑ دوڑوں اور ورزشوں کے مقابلوں کے لیئے نمایش کے اندر جگہ نکلنی نہایت مشکل تھی۔ اِسلیئے نواح پیرس میں ایک بڑے جنگل میں اس کام کے لیئے جگہ نکالی گئی تھی جسکا نام ونسینیر تھا۔ بذریعہ ریل یا گھوڑے گاڑیوں کے لوگ وہاں تک پہنچتے تھے۔ اور نمایش کے ٹکٹ کے ذریعے سے اس کے اندر داخل ہو سکتے تھے۔ یہاں ایک

ریلوے گاڑیاں و انجن

بہت بڑے شیڈ کے نیچے جس میں ریلوے لائنیں بچھی تھیں کہ جن پر بیس قطاریں گاڑیوں اور انجنوں کی کھڑی کی گئی تھیں جیسے کہ بعض بڑے بڑے سٹیشنوں پر گاڑیاں کھڑی ہوتی ہیں۔ روس کی ٹرین ڈی لکس یعنی وہ نہایت آرام و آسایش کی گاڑیاں جن میں مکلف گدیلے وغیرہ سامان آرایش و آسایش ہوتا ہے، کی گاڑیاں سب ملکوں سے عمدہ تھیں۔ اس سے بعد امریکہ کی اضلاع متحدہ امریکہ کے بڑے بڑے ریلوے انجن تھے جن میں سے بعض کے پہیوں کے قطر تین تین گز تھے۔ یہ مٹی کے تیل سے

چلتے ہیں۔ ایفیل ٹاور سے متعدد امریکہ نے ایک بیالیس گز اونچا اور ساٹھ گز چوڑا اس ملک کی ریلوے لائنوں کا نہایت عمدہ نقشہ ریلیف میں بنوایا تھا۔ جس میں ہر لائن کو برقی روشنی کے سلسلے سے ظاہر کیا گیا تھا۔ اٹلی نے کچھ کوہستانی ریلوں کے انجن دکھائے تھے۔ انگلستان فرانس جرمنی آسٹریا کے بھی انجن تھے۔ ہسپانیہ اور انگلستان کی زراعتی مشینوں کی نمایش بھی یہیں تھی۔

غبارے اور موٹر کار ایک جداگانہ مکان موٹر گاڑیوں کی نمایش کے لئے موضوع تھا۔ موٹر گاڑیوں کی ایک دوڑ بھی ہونے والی تھی۔ مگر میرے سامنے نہ ہوئی۔ غبارے بھی یہاں نمایاں کئے گئے تھے۔ اور بعض مقررہ ایام پر غبارے ہوا میں اُڑتے تھے۔ نمایش کے قریب شہر میں ایک قیدی غبارہ ہمیشہ ہوا میں لٹکا رہتا تھا۔ جو لوگ غبارہ کے سفر اور موت وخطر کا مزا چکھنا چاہتے تھے۔ وہ تھوڑی سی اُجرت دیکر اس غبارہ پر دس بارہ منزلوں کی بلندی تک جاسکتے تھے۔

خانگی حیوانات یہیں خانگی حیوانات مثل مویشی۔ گھوڑے۔ بلیاں۔ کتے۔ سور۔ مرغ۔ اور کبوتر وغیرہ دکھلائے گئے تھے۔ کچھ کاشت انگور کے اور امریکہ کی لکڑیوں اور جنگلی پیداوار کے نمونے بھی یہاں تھے۔ امریکہ کے جنگلات میں بڑی دولت بھری ہوئی ہے۔

دافع آتش آگ بجھانا بڑے بڑے شہروں میں کس قدر ضروری کام ہے یہاں آگ بجھانے کے انجنوں۔ آگ بجھانے والوں کی گاڑیوں سیڑھیوں۔ پائپوں پمپوں اور جلے ہوئے مکانات کا مصالحہ اُدھیڑنے وغیرہ کے سامان جمع کئے گئے تھے۔

ورزشیں اور کھیلیں اگرچہ جسمانی ورزشوں اور کھیلوں کا انتظام نمایش گاہ کو متعلق دیکھا جاتا تو کھیلوں کے شیدا بہت ناخوش ہوتے۔ گو بیرونشکار کے سامان کے بڑے بڑے مجموعے تو شہر کے اندر کی نمایش میں تھے۔ لیکن ورزشوں کے مقابلے اس مقام میں ہوتے تھے۔ کہ جن کے لئے مختلف تاریخیں

مقرر تھیں۔ پیدل دوڑ جو مختلف اقوام مثلاً انگریزوں اور جرمنوں یا انگریزوں اور فرانسیسیوں اور سوئٹزرلینڈ والوں میں ہوئے کشتی اور فٹ بال اور لان ٹینس کے مقابلوں میں سوا سوا ہزار فرانک اول رہنے والوں کو دیا جانا مقرر ہوا تھا۔ اسی طرح گتکا بازی جمناسٹک چھوٹے ڈھکا کی نشانہ بازی۔ تیراندازی کے لئے پانچ سو سے پندرہ ہزار فرانک تک مختلف انعام تھے۔ دیگر میں بوجہ قلت وقت پیرس میں زیادہ ٹھہر نہ سکتا تھا) پانی میں تیرنے میں اول رہنے والوں کے لئے دو سو سے دو ہزار تک انعام تھا۔ اور ڈوبتے ہوئے آدمیوں کی جان بچانے کے مقابلے کے لئے بھی انعام مقرر کیا گیا تھا۔

خاتمہ غرض بیسویں صدی کے آخر تک کوئی دنیا کا خیال یا علم یا فن نہیں تھا کہ جس کا اظہار یا مقابلہ یہاں نہیں کیا گیا تھا۔ انسان نے اپنی طبعی لالچ میں آکر ہر صیغہ میں اس قدر چیزیں جمع کر دی تھیں کہ کوئی شخص بھی ان سب سے پورے طور پر فائدہ نہیں اٹھا سکا ہوگا۔ تاہم دنیا نے یہاں سے بہت فائدہ اٹھایا ہوگا۔ اور یہ بہت سادہ فہرست جو میں نے نہایت اختصار کے ساتھ اس عظیم الشان مجموعے کی جس کے ساتھ کا دنیا نے آج سے پہلے نہیں دیکھا تھا اور شاید اس کے بعد بھی نہ دیکھے کیونکہ بوجہ بہت بڑا ہونے کے نمائش کو مالی کامیابی نہیں ہوئی تھی) تیار کی ہے اگر آپ نے بھی غور سے دیکھی ہوگی۔ تو آپ کا وقت بھی ضائع نہیں ہوا۔

شہر پیرس کے حالات

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین است و ہمین است و ہمین است



میں ۱۵-جولائی کو بلجیم سے پیرس میں پہنچا تھا- اور ۱۰ اگست کو پیرس سے لنڈن کو روانہ ہو گیا- اس چھبیس روز کے زمانہ میں میں نے بہت زیادہ وقت نمایش میں اور تھوڑا سا شہر پیرس کے قابل دید مکانات کے دیکھنے میں صرف کیا- اسلئے پیرس کے وہ حالات جو مجھے پیش آئے بیان لکھنے مناسب ہیں:-

چونکہ مجھے پیرس کے ایک واقفکار شخص نے مکان کرایہ پر لے دیا تھا- یہ باوجود نمائشگاہ سے قریب ہونے کے میرے ثلاث شخصوں کی رہائش منظور کر لینے کے باعث نسبتاً بہت سستا تھا- نمایش سے دور اور ناذمہ دار شخصوں کے مکانات میں جگہ اس سے بھی نصف یا ثلث کرایہ پر مل سکتی تھی- مگر میں نے اسکو نامنظور کیا- لاہور سے رخصت ہونے سے پہلے میرے معزز دوست شیخ محمد بخش صاحب بیرسٹرایٹ لا نے مجھے ایک نہایت دوراندیشی کی صلاح سفر کے متعلق دی تھی- جس کو میں نے اس تمام عرصے میں سفر یورپ میں پختہ تجربہ پر مبنی پایا ہے- اور وہ یہ ہے کہ ہمیشہ اول درجے کے ہوٹل یا مکان میں رہو- خواہ کفایت شعاری کے خیال سے وہاں کا سب سے سستا کمرہ ہی لو- جو ہمیشہ اوپر کی منزلوں میں ملتا ہے- اول درجے کے ہوٹلوں کو اپنی عزت قائم رکھنی پڑتی ہے- اور یہاں مال یا جان کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا- ورنہ یورپ میں بعض بدمعاشوں نے بھولے بھالے مسافروں کو لوٹنے کا یہی ڈھنگ نکال رکھا

بنے کہ سستی فرودگاہیں یا دوم درجے کے ہوٹل بنا لیتے ہیں۔ جہاں مسافروں کے سامان چرائے جاتے ہیں۔

خوب گت بنی جس روز میں نے نمائش کے قرب کے خیال سے پانچویں منزل پر مکان لیا تھا۔ اس سے دوسرے روز ایک بڑا عجیب واقع پیش آیا۔ میں اپنے کمرہ سے نکل کر صبح پاخانہ میں گیا تو اپنے کمرہ کے کواڑ کو بھیڑ کر گیا چابی مکان کے اندر تھی۔ اور مجھے گمان بھی نہیں تھا کہ دروازہ مقفل ہو جائیگا لیکن یہ تالے اس قسم کے ہوتے ہیں کہ اگر زور سے دروازہ بھیڑا جاوے تو اندر سے خود بخود تالا لگ جاتا ہے۔ پھر جب تک باہر سے چابی سے نہ کھولا جاوے دروازہ نہیں کھلتا۔ جب میں فارغ ہو کر آیا تو دروازہ بند تھا۔ ہرچند کہ میں نے پورے کپڑے نہیں پہنے ہوئے تھے۔ اور اس حالت میں سیڑھیوں سے نیچے اتر کر جانا بد تہذیبی میں داخل تھا مگر مجھے مجبوراً جانا پڑا۔ اور میں نے کونسی ارڈر (دربان عورت) سے اس کمرے کی دوسری چابی مانگی۔ لیکن جب میں اسکو لیکر دروازہ کھولنے کے لئے پانچویں منزل پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ چابی دروازہ نہیں کھول سکتی۔ اس نے غلطی سے دیدی ہے۔ میں دوبارہ نیچے گیا۔ اور اب کے درست چابی لاکر دروازہ کھولا۔ اور اس ذرا سی غلطی سے مجھے چار مرتبہ پانچ پانچ سیڑھیوں پر اترنا اور چڑھنا پڑا۔ اس وقت میرا خیال تھا کہ اتنی ورزش کسی پہلوان کے لئے بھی تھوڑی نہیں۔ اس مکان کا کرایہ دو شلنگ یومیہ تھا۔ البتہ جو نوکرانی میرے کمرے کو صفا کرتی ہر روز بستر جھاڑتی اور پانی بھر دیتی اسے ایک فرانک روزانہ کے حساب سے انعام دیا۔ اسی طرح

دودھ والا لڑکا ایک دودھ والے کارخانہ کا لڑکا جو ہر صبح ایک روٹی اور دودھ کا ایک لوٹا میرے دروازے کے باہر کھونٹی سے لٹکا جاتا تھا۔ وہ ہفتہ وار چھپا ہوا بل لاتا۔ اور حساب لیجاتا۔ دودھ کے خراب ہونے کی مجھے ایک روز بھی شکایت نہ کرنی پڑی۔ ایک روز اس دودھ والے لڑکے

نے دیکھا کہ مجھے ہندوستان سے بہت سے خطوط آتے ہیں تو اس نے درخواست کی کہ اُسے ہندوستان کے کچھ مستعمل ٹکٹ دوں۔ کیونکہ اُسے بھی ٹکٹ جمع کرنے کا شوق ہے۔ یورپ میں بچوں تک ٹکٹ جمع کرنے کا شغل رکھتے ہیں۔ اور ہندوستان میں بڈھوں تک نہیں جانتے کہ مستعمل ٹکٹ لوگ کیوں جمع کرتے ہیں۔

پیرس میں کھانا مکان کی طرف سے بے فکر ہو کر میں کھانے کی طرف متوجہ ہوا۔ میری طبیعت کھانے کے معاملے میں دنیا بھر سے نرالی واقع ہوئی ہے۔ خواہ کھانا کیسا ہی سادہ ہو۔ مجھے پسند ہے۔ لیکن اسی طرز کا پکا ہوا ہو جیسا کہ ہندوستان میں ہمارے گھروں میں پکتا ہے۔ جس میں ہلدی اور گرم مصالحہ ہوتا ہے۔ اور جو میں نے بچپن سے آج تک کھایا ہے۔ اس کے علاوہ میری طبیعت میں خشک بہت ہے اور میں گوشت کھانے کا بڑا شایق بھی نہیں ہوں۔ اس لئے میں نے ہفتوں گوشت نہیں کھایا۔ جب تک کہ کوئی مناسب موقع نہیں ملا۔ مگر پیرس میں قسمت نے ایسی یاری کی کہ نمائش میں وارد ہونے کے پہلے ہی روز مجھے معلوم ہو گیا کہ وہاں ٹیونس کے عربوں نے ایک رسٹارنٹ کھول رکھا ہے۔ وہاں کے کھانے ہندوستان کے کھانوں سے بہت ملتے تھے۔ اُن میں کم و بیش نمک مرچ بھی ہوتا تھا۔ اور چونکہ یہ بہت سستے بھی بکتے تھے۔ اسلئے مراکو۔ ٹیونس۔ الجیریا۔ مصر اور ٹرکی کے معدودے چند مسلمان اور تمام یہودی یہیں آ کر کھانا کھاتے تھے۔ بلکہ بہت سے یوروپین لوگ بھی یہاں آتے تھے۔ یہ کھانے بالکل ہندوستانی طرز کے تو نہ تھے۔ تاہم ہندوستان کے طرز طبخ سے بہت ملتے تھے۔ زیتون کے تیل اور سرکے سے ایک سلاد بنایا جاتا ہے۔ جو مجھے بالکل مرغوب تھا۔ ایک نیا کھانا "کسکس" کے نام سے مشہور تھا۔ جو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہ جوار یا باجرہ کا دلیا مل کر غریب لوگ کھاتے ہیں۔ اور یہ چاولوں کا قایم مقام تھا۔ گو کبھی کبھی غریبانہ قسم کا

پلاؤ بھی پل جاتا تھا۔ لیکن میرے ایک خط سے میرے نمک مرچ کی شکایت دیکھ کر
مجھے وہاں سے کچھ سرخ مرچ بھیجدی گئی تھی جس سے کبھی کبھی یورپ میں بھی
ہندوستان بنا دیا تھا۔ ایک نجمہ سے غلام پہلوان مرحوم نے تقاضا کیا کہ
اس کے مکان پر کھانا کھاؤں۔ کیونکہ ان کے ساتھ ایک کھانا پکانے والا آدمی
تھا اور وہاں بہت دنوں کے بعد چپاتیاں دیکھ کر میں بہت خوش ہوا۔ ایک
دوسرے موقع پر ایک ہندوستانی نے مولیاں پکا کر کھلائیں۔ جو پیرس کی تمام
نعمتوں سے مزیدار معلوم ہوتی تھیں کیونکہ ان میں نمک مرچ کافی تھا۔ پیرس کی مولیاں
سرخ رنگ کی چھوٹے چھوٹے شلغموں کی طرح ہوتی ہیں۔ اور اکثر لوگ کھانے
کے ساتھ ایسی ایک دو کچی مولیاں مع پتوں کے کھاتے ہیں۔

لیکن دو ہفتہ کی تعطیل کے بعد میرے دوست مسٹر مین صاحب مضافات
سے پیرس میں آگئے تھے۔ وہ مجھے کرایہ کے مکان سے اٹھا کر اپنے گھر میں لے
گئے۔ اس امر کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ ان کے گھر میں ایک ہفتہ
عشرہ مجھے بڑا آرام ملا۔ مسز مین خصوصیت سے میرے کھانے پینے کی بڑی
توجہ سے خبر گیری کرتیں۔ اسی عرصہ میں ان کے دو تین دوستوں نے ان کے
یہاں میرے مہمان ہونے کی وجہ سے ان کی دعوتیں کیں۔ جن میں میں بھی
شریک ہوا۔ یورپین لوگوں کے کھانے کے میز پر یہ معلوم کر کے عموماً تعجب سا
پیدا ہو جاتا ہے کہ فلاں شخص کسی قسم کی ہلکی سے ہلکی شراب بھی نہیں پیتا۔
اور علاوہ گوشت کی کئی قسمیں بھی نہ کھاتا ہو۔ اور پھر خاتمہ پر سگار یا چرٹ
(تمباکو) بھی نہ پیئے۔ تو اس نے حد ہی کر دی۔ میرے میزبانوں کا سا تشغل
کی اس قسم کی حیرت دیکھنے کا مجھے بارہا موقع ملا ہے۔ مگر یہ لوگ بوجہ اپنی
تعلیم اور تہذیب کے نہایت شریف ہوتے ہیں۔ اگر تم نے کہدیا ہے کہ فلاں
کھانے سے تمہیں نفرت ہے یا رغبت نہیں تو پھر کیا مجال ہے تم سے
اصرار یا حجت کریں۔ یا غلطی سے بھی وہ چیز تمہاری طرف آنے دیں۔ بلکہ

میں نے دیکھا ہے کہ جتنے روز میں یہاں کے مکان پر رہا ہوں۔ یا ان کی دعوتوں کی دعوتوں میں شریک ہوا ہوں۔ ایک روز بھی خنزیر کا گوشت ان کی میز پر نہیں آیا۔ اسکی وجہ انہوں نے یہ بتلائی کہ اسے غریب لوگ زیادہ کھاتے ہیں۔ اور نیز یہ سردی کے موسم میں زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس موقع پر مجھے اپنے نہایت متشرع اور پرہیزگار ہم مذہب اہل وطن سے معذرت کرنی چاہئے کہ وہ مجھے یا میرے دوسرے بھائیوں کو جو میری طرح مجبوریوں میں مبتلا ہوں جب تک کہ اپنی طرف سے ہر طرح کا حفظ ما تقدم اور پرہیز کرتے دیکھیں۔ مورد تیر ملامت نہ بنائیں۔ بلکہ اُن کی مشکلات کو سہل کرنے کی صورتیں پیدا کریں۔ اسلام کی نہایت جید تعریف یہ ہے کہ یہ نہایت سہل مذہب ہے۔ اور اگر مجھ سے یہ صاحب اتفاق نہ کرسکتے ہوں تو خاموش رہیں۔ واذا مرّوا باللغومرّوا کراما ؎

حافظ مجو رندیِ شیدا ایں تحرفہ بر آلود اے شیخ پاکدامن معذور دار ما

مچھلی بڑے کی ماتے ایک موقع پر ایک میزبان کے لڑکے نے مجھ سے پوچھا کہ تم مچھلی تو کھا لیتے ہو میں نے کہ بیشک۔ اتنے میں ایک سُرخ سی چیز رکابیوں میں تقسیم ہونے لگی۔ جو کہ بیب یعنے کیکڑا تھا۔ میں نے اس کے قبول کرنے سے معذرت کی۔ تو صاحب خانہ کی بیوی نے مجھے بتلایا کہ فرانس میں تو یہ نہایت لذیذ کھانا شمار ہوتا ہے۔ بلکہ صرف دعوتوں میں بطور پُرتکلف کھانے کے لوگ اسے استعمال کرتے ہیں۔ اور تم کو اس سے نفرت ہے۔ میں نے اُس سے سوال کیا کہ لیڈی صاحبہ تم کو گھوڑے کی ران اور بلی کی زبان تو بہت لذیذ معلوم ہوتی ہوگی۔ اُس نے نہایت نفرت ظاہر کر کے کہا کہ مجھے تو اس سے گھن معلوم ہوتی ہے۔ مگر میں نے کہا کہ چینی تو نہایت رغبت سے ان کھانوں کو کھاتے ہیں۔ اسی طرح بعض چیزیں جن کو آپ لوگ پسند کرتے ہیں۔ مجھے اُن سے گھن معلوم ہوتی ہے۔ یہ دلیل اُس پر پُر تاثیر ثابت

ہوئی۔ اِستنے میں صاحب خانہ نے کہا کہ مجھے ہندوؤں کی رانیں بہت مرغوب ہیں۔ کیا تم بھی انہیں پسند کرتے ہو؟ میں نے کہا اگر اب مجلس مانع نہ ہو۔ تو میں ان کا نام شکر ہی سے کر دینے کو آمادہ ہوں۔ اس پہ ایک فرمایشی قہقہہ بلند ہوا۔ جس میں سب لیڈیاں اور جنٹلمین شریک تھے۔ اہل یورپ میں دستور ہے کہ جب بیٹھنے کے کمرے سے کھانے کے کمرے کو جاتے ہیں تو اُس شب کا مہمان سب سے پہلے میزبان کی بیوی کی بانہ میں بانہ ڈال کر اُسے کھانے پر لیجاتا ہے۔ اور اسی طرح دوسرے جنٹلمین حسب مدارج دوسری لیڈیوں کو لاتے ہیں۔ اور میز پہ بیٹھنے کے وقت بھی مہمان کو اچھی جگہ دی جاتی ہے۔ مگر یہ تو سب وہی رسمیں ہیں جو ہندوستان میں بھی انگریز برتتے ہیں۔ دراصل یورپ کی تمام عیسائی قومیں عام ظاہری باتوں میں اس قدر یکساں ہیں کہ ان کی طرز معاشرت اور پوشش وغیرہ سے اُن کی قوم معلوم ہونی مشکل ہے۔ جنٹلمین کی پوشاک کوٹ۔ پتلون اور ٹوپی یورپ بھر میں ایک ہی ہے۔ اسی طرح لیڈیوں کا فیشن جو پیرس ہر سال اختراع کرے۔ تمام یورپ کی لیڈیاں اسکا تتبع کرتی ہیں۔ نیکن جیکٹ۔ گاؤن (سایہ) اور ٹوپی قریب قریب سب یوروپین قوموں کی عورتیں یکساں پہنتی ہیں +

انگلیوں سے کھانا کھانا

ایک دفعہ کسی نے پر ایک لیڈی کو یہ معلوم کرکے بڑا تعجب ہوا کہ اہل ہندوستان ہاتھ کی انگلیوں سے کھانا کھاتے ہیں۔ اور جبتک میرے منہ سے اس کی تصدیق نہ ہوچکی اُسکو باور کرنے میں تامل رہا کہ میں بھی انگلیوں سے کھانا کھایا کرتا ہوں۔ مگر انگلیوں سے کھانا کھانا اُن لوگوں کے خیال میں خواہ کیسا ہی مکروہ معلوم ہو جو لوگ انگلیوں سے کھانا کھاتے ہیں۔ اُن کے ہاتھ اور خصوصاً ناخن عموماً صاف رہتے ہیں۔ اور وہ ناخن کٹواتے بھی جلدی جلدی رہتے ہیں۔ لیکن بوجہ انگلیوں سے کھانا کھانے کے یورپ کے مختلف ملکوں خصوصاً آسٹریا و جرمنی میں ایسے لوگوں

کے ناخن بہت ہی بڑے ہوئے دیکھے ہیں مگر اکثر ایک دو انگلیوں کے تو ارادتاً یا نوک بڑھا رکھتے ہیں۔ عام جو غریب ہوتے ہیں چونکہ وہ ناخن صاف نہیں رکھ سکتے ہیں اس لئے اُن کے ناخن سخت مکروہ معلوم ہوتے ہیں۔ اگر یہ ہاتھ سے کھانا کھایا کرتے تو ہاتھ دھونے سے ناخن ضرور صاف رہتے ۔

ایک آزاد خیال جنٹلمین کیساتھ پیرس کی سیر

میرے پیرس کے دوست نے اپنے ایک نہایت آزاد خیال دوست سے میری ملاقات کرادی اور اس جنٹلمین نے جو یورپ کی سات زبانوں سے واقف اور بڑا آزاد خیال آدمی تھا۔ مجھے شہر کے بہت سے مقامات کی سیر کرائی۔ ایک روز ہم یونیورسٹی کے ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے گئے۔ اسی دوست نے کھانے کی قیمت نو دس فرانک اور گاڑی کا کرایہ پانچ فرانک بھی اپنی گرہ سے دیا۔ جس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ باوجود ہر قسم کی آزاد خیالی اور یورپین لوگوں کی خشک مزاجی کے بھی اتنی تواضع اور لحاظ اُن میں ہوتا ہے کہ باوجود میرے اصرار کے میرے رفیق نے ہی کرایہ اور کھانے کے دام دیئے۔ اس ریسٹورنٹ میں بہت سے طالب علم کھانا کھا رہے تھے۔ اور وہ ایسے ہی اُجلے اور پُرتکلف لباس میں تھے۔ جیسے کہ کوئی امیر دولتمند آدمی ہوگا۔ کیونکہ یہاں غریب پڑھ ہی نہیں سکتے۔

طالب علموں کی عورتیں

یہاں کئی خوبصورت عورتیں طالب علموں سے ناز و ادا میں مصروف تھیں۔ میرے رفیق نے بتلایا کہ یہ طالب علموں سے نخرے کرنے والی عورتیں یونیورسٹی کے قریب رہتی ہیں۔ اور یونیورسٹی کے طالبعلموں سے مخصوص ہیں دوسرے لوگوں سے انہیں سروکار نہیں ہوتا۔ اُس نے کہا کہ تمہارے ملک میں تو ایک آدمی کئی عورتیں رکھتا اور رکھ سکتا ہے۔ لیکن یہاں کئی کئی مرد مل کر ایک عورت کو رکھ سکتے ہیں کیونکہ یہاں عورتوں پر بہت کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ بعض دفعہ ایک ایک پوشاک پر تین تین چار چار ہزار فرانک خرچ آجاتے ہیں۔ صرف اس لئے کہ عورتیں پہن کر لوگوں کو

دیکھتے ہیں کہ وہ کیسی خوبصورت ہیں •

معاشرت کی تنگی میرے رفیق نے کہا کہ زمانہ حال کی شائستگی ہمیں بجائے آرام کے بہت تکلیف پہنچا رہی ہے۔ اور بجائے روشن ضمیری کے ہمیں جہالت کی طرف لیجا رہی ہے۔ تمہارے ہندوستان میں ابھی تک اصلی شائستگی موجود ہے۔ مگر شاید دن بدن وہ بھی خراب ہو رہی ہے۔ فرانس میں جبتک کوئی شخص کم از کم چار پانچ فرانک روزانہ نہ کما لے۔ وہ دو وقت کا کھانا اطمینان سے نہیں کھا سکتا گویا ہر شخص کو صبح سے شام تک پیٹ کی غلامی کرنی پڑتی ہے۔ بحالیکہ ہندوستان میں پیٹ بھرنے کو دو آنہ کافی ہیں۔ برائے نام شائستگی کے آنے اور ریلوں وغیرہ کے جاری ہونے سے پہلے فرانس میں بھی اصلی شائستگی یعنے کھانے کی ارزانی اور شفقت اور محبت کی کمی تھی۔ اور کھانا سستا مل سکتا تھا۔ غریبوں کا یہاں بہت برا حال ہے۔ فرانس کے بعض دیہات کی نسبت قصہ مشہور ہے۔ کہ غریب لوگ گھر کے اندر ڈورے سے ایک مصری کی ڈلی لٹکا رکھتے ہیں۔ اور تلخ قہوہ پی کر گھر کا ہر شخص اس ڈلی کو باری باری منہ میں ڈال کر اس سے اپنا منہ میٹھا کر لیتا ہے۔ مذہبی تعلیم کی نسبت بتلایا کہ یونیورسٹی میں کوئی مذہب شامل نہیں۔ البتہ چونکہ رومن کیتھولک فریق کا زور ہے۔ اس کے پادریوں نے یونیورسٹی سے علیحدہ ہفتہ میں بعض تعطیل میں طلبا کو اپنے عقاید سکھلانے کا بندوبست کر رکھا ہے۔ کھانے پر یہاں بہت دیر تک باتیں کرتے ہیں۔ اور بہت اطمینان سے کھانے کو ختم کرتے ہیں۔ ہم نے کھانا خربوزہ کی ایک پھانک سے شروع کیا اور ختم چیریوں پر کیا چیری یورپ کا عام اور سستا میوہ ہے۔ بعض لوگ یہاں شفتالو یا انگور پر کھانا ختم کرتے تھے۔ مگر ایک اچھے اور بڑے شفتالو کی قیمت تین چار آنے تھی۔ اس جگہ سے قریب ایک جگہ لکڑی کے حوضے بنے تھے۔ جو شکل میں ایک بھدے اونٹ کی طرح تھے اور خطرناک مقامات

میں رہتیں جنکو غریب لوگ کام کرتے ہیں ۔

پیرس کی ایک شادی کی رسوم

میں پیرس میں اپنے دوستوں کے ساتھ ایک شادی کی محفل میں بھی شریک ہوا ۔ خصوصاً جبکہ نکاح کا وقت آیا اور دولہا دلہن مع اپنے عزیزوں اور دوستوں کے گرجا میں گئے ۔ تو میں بھی ایک طرف جا ڈٹا ۔ میری نرالی ٹوپی کو دیکھ کر بعض لیڈیاں دنگ تھیں کہ شادی کی محفل میں یہ غیر کون آگھسا ہے ۔ چونکہ یہ شادی رومن کیتھالک طریق پر کی گئی تھی ۔ جو زیادہ حصہ اہل فرانس کا مذہب ہے ۔ اس کی رسوم نکاح بڑی عجیب تھیں ۔ جب دولہا دلہن کہ جن کی عمر بترتیب ۳۵ و ۲۵ سال تھی ۔ دونوں آلٹر (مذبح) کی طرف بڑھے تو پادری صاحب نے مذبح کے سامنے کھڑے ہو کر کچھ پڑھنا شروع کیا ۔ پہلے دولہا دلہن کو شادی کے فرائض اور ذمہ داریوں پر لکچر دیا پھر نکاح کا ایجاب وقبول شروع ہوا ۔ لیکن اس رسم کی ابتدا اس طرح شروع ہوتی ہے کہ دولہا ایک انگشتری دلہن کی خنصر انگلی میں پہنانا چاہتا ہے ۔ اب اس انگشتری کی نسبت عام خیال یہ ہے کہ اگر دلہن اسکو بلا تامل انگلی میں داخل ہو جانے دے تو عمر بھر گھر میں مرد کا دباؤ رہے گا ۔ لیکن اگر کسی قدر توقف او حیص بیص کے بعد انگلی انگوٹھی میں داخل ہو تو عورت کا دباؤ رہے گا ۔ لیکن چونکہ ہماری طرف اُن کی پشت تھی ہم یہ بات دیکھ نہ سکے کہ دولہا یا دلہن میں سے کون جیتا ۔

رومن کیتھالک گرجا

مذبح ۔ رومن کیتھالک گرجوں میں ایک عجیب کیفیت نما ہوتا ہے ۔ اس گرجا میں اس کی دو تین منزلیں تھیں ۔ بیچ کی منزل میں حضرت مسیح کا بُت اور اس کی دونوں طرف چھ چھ حواریوں کے بُت تھے اُسکے اوپر ایک اور قطار خاتونوں اور کنگروں کی تھی ۔ حضرت مریم کے بُت کے سوا سے روح القدس کے کبوتر اور فرشتوں وغیرہ کے کئی بُت اور بھی تھے ۔ اور ان سب کے آگے بہت سی موم بتیاں جل رہی تھیں ۔ ان کی نسبت معلوم ہوا کہ یہ اصلی موم بتیاں نہیں تھیں ۔ بلکہ سفید مٹی کی نلکیوں

سے گیس جل رہا تھا۔ میرے ایک دوست نے اس کی یہ تاویل کی کہ لوگ
خدا سے بھی فریب کرنے سے نہیں چوکتے۔ چونکہ قدیم الایام سے گرجوں میں
موم بتیاں جلانے کی رسم چلی آتی ہے اسلئے اب گیس اور برقی روشنی کے
زمانہ میں موم بتیاں تو استعمال سے چھوٹ گئیں مگر ان کی ظاہری شکل ابتک
قائم ہے۔ یہ تو سامنی طرف کا حال تھا۔ گرجا کے دونوں اطراف اور
کونوں میں بھی کئی بت نصب تھے۔ اور اطراف میں یعنی چپ و راست
دونوں طرف تین تین چار چار چھوٹے چھوٹے مکان لکڑی کے بنے ہوئے
تھے۔ سال تمام میں رومن کیتھولک عقیدہ کے ہر زن و مرد پر واجب ہے
کہ پادری کے سامنے اپنے سال بھر کے گناہوں کا اقرار کرے۔
اور ان پر افسوس کرے۔ اسے اصطلاح میں "کنفشن" (اقرار) کہتے ہیں
اور رومن کیتھولک عقیدہ کے مطابق جن گناہوں کا اقرار کر لیا جاتی وہ بخشے
جاتے ہیں۔ ان لکڑی کے چھوٹے چھوٹے مکانوں میں سے ایک میں
پادری بیٹھ جاتا ہے۔ اور دروازہ بند کر لیتا ہے۔ لیکن ہوا کے لئے ایک
روزن کھلی رہتی ہے۔ باہر ایک پہلو میں گنہگار کا سٹول ہوتا ہے۔
اور ایک چھوٹی سی موری کی راہ سے وہ پادری سے جو اس ڈربہ کے اندر
ہوتا ہے اپنے تمام گناہوں کا ذکر کرتا جاتا ہے۔ بعض نالایق پادریوں نے
اس اقرار کو بعض گنہگاروں کے خلاف بھی استعمال کیا ہے۔ مگر عموماً
ایسے اقراروں کو محفوظ رکھنے کی سخت تاکید ہے۔ شاید کسی شخص نے اپنی
زناکاری یا چوری یا خون کا افشا کر دیا ہے۔ گرجا کے ایک اور کونے میں
دو ایک اور بتیاں بھی روشن تھیں۔ یہاں جو لوگ مراد مانگتے ہیں کچھ
پیسے دیکر گرجا میں ایک بتی روشن کرا دیتے ہیں۔ اسکے مقابل میں ایک
بت سینٹ انتونی کا کھڑا تھا جس کے ہاتھ پر ایک لڑکا بیٹھا ہوا تھا۔ اصل
میں مرادیں پوری کرنے کا عام اجارہ وہی ولی کو حاصل ہے۔ اس بت کے

جنوں طرف دو بکس کرسی کے موجود تھے۔ مثلاً جو لوگ کوئی مرادیں مانگتے ہیں مثلاً تجارت میں نفع یا تنخواہ کی ترقی ہو تو وہ اپنا مافی الضمیر لکھ کر اس بکس میں ڈال دیتے ہیں جس میں اپنا وعدہ ثبت کرتے ہیں کہ اگر وہ کامیاب ہوئے تو فلاں رقم تعداد کی اس سینٹ کے پیش کریں گے۔ چنانچہ ممکن ہے کہ ہر دس مراد مانگنے والوں میں سے دو تین کامیاب بھی ہو جائیں۔ تو وہ رقم موعودہ لاکر دوسرے بکس میں جو وہاں کی بائیں جانب ہے ڈال دیتے ہیں غرض رومن کیتھولک پادریوں نے بھی کمانے کے عجیب ڈھنگ نکالے ہوتے ہیں۔ عموماً رومن کیتھولک لوگ حضرت مریم کے پاک دل سے مرادیں مانگتے ہیں۔ اور ان کا عقیدہ ہے کہ مریم عذرا کے دل کا ٹکڑا ان دعاؤں کو قبول کر سکتا ہے۔ ہر رومن کیتھولک گرجا میں ایک جگہ دروازہ کے قریب زمین سے ایک گز بلند پایہ پر ایک برتن میں پانی رکھا رہتا ہے۔ ہر شخص جو اندر جاتا ہے۔ اس مقدس پانی میں انگلی ڈبو کر اپنی پیشانی پر صلیب کی صورت بنا لیتا ہے۔ بلکہ پیرس کے سب سے بڑے گرجا میڈلین میں میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ اُس نے اس پانی میں انگلی بھگو کر ایک اور عورت اور ایک مرد کی انگلیوں سے لگا دی۔ اور انہوں نے اس سے ماتھوں پر صلیب کا نشان بنا لیا ◆

شادی کے باقی حالات یہ تو گرجا کی کیفیت تھی۔ اب شادی کی کیفیت اس سے بھی دلچسپ تھی۔ گرجا کے آلٹر کے سامنے جس قدر چوکیاں ہوتی ہیں۔ ان کا کرایہ ایک سنٹ کا وہ لوگ دیتے ہیں کہ جن کے یہاں شادی ہوتی ہے۔ اور اُن کے عزیز و رفیق اُن پر آکر بیٹھتے ہیں۔ پہلوؤں میں دوسرے لوگ بھی اگر چاہیں تو بیٹھ سکتے ہیں۔ ہر شخص شادی کے وقت گرجا میں داخل ہو سکتا ہے بلکہ امریکہ میں تو دستور ہے کہ شادی کے بعد گرجے کے دروازے پر لکھ کر لگا دیا جاتا ہے کہ "ہر ایک کو اندر آنے کے لئے مرحبا ہے" قریب گھنٹہ

سوا گھنٹہ کے شادی کی رسم میں صرف ہؤا ہوگا۔ پہلے پہل جب دولہا
دلہن گرجا کے اندر داخل ہوئے تھے۔ تو گرجے کا بڑا باجہ بجا تھا۔ اور
اسکے سوا جب کبھی پادری گھنٹی بجاتا تو باجا بجتا۔ پادری صاحب
اس تمام عرصہ میں کبھی دولہا دلہن کی طرف پیٹھ کر کے مذبح پر دُعا مانگتے
روح القدس کبوتر کی صورت میں اس وقت واقعی اُن میں حلول کر کے
شادی کو برکت دی۔ کبھی گھٹنوں کے بل بیٹھتے۔ کبھی کھڑے ہوتے۔
کبھی پچھلی طرف منہ پھیر کر دونوں ہاتھ پھیلا کر ملا دیتے۔ جیسے کہ افسوس
یا حیرت کے وقت ہاتھ ملائے جاتے ہیں۔ غرض ایسی عجیب حرکات اس
بندہ خدا نے کیں کہ مجھے تو دیکھ کر ہنسی اور تعجب معلوم ہوتا تھا کہ انیسویں صدی
عیسوی کے خاتمے پر یورپ کی تہذیب کی روشنی میں ابھی تک ان ملکوں
میں ایسی حرکات مذہب کے پیرایہ میں روا رکھی جاتی ہیں۔ اثنائے نکاح
میں پانچ چھ دفعہ حاضرین کو کھڑا ہونا پڑا۔ پادری صاحب نے ایک ڈبی کے
کیک کے ٹکڑے کو دولہا دلہن سے بوسہ دلایا اور نکاح ختم ہوا۔ ہر
گرجا میں کئی ایسے تبرکات ولیوں اور حواریوں کے ہوتے ہیں۔ بلکہ بقول
ایک آزاد خیال عیسائی دوست کے ان گرجاؤں میں حضرت مسیح کی صلیب
کے اتنے ٹکڑے موجود ہیں کہ ان کے جمع کرنے سے ایک گاؤں کے مکانات
تعمیر ہو سکتے ہیں۔ نکاح ختم ہونے کے بعد حاضرین میں سے چار خوبصورت
عورتیں مع چار مردوں کے اٹھیں۔ اُن کے ہاتھوں میں خوبصورت تھیلیاں
تھیں۔ یہ حاضرین میں پھر کر سب سے کچھ نہ کچھ نقدی ان تھیلیوں میں جمع
کرنے لگیں۔ ہر ایک جو مناسب سمجھتا تھیلی میں ڈال دیتا اور کسی دوسرے
کو پتہ نہ لگتا کہ اُس نے پیسہ ڈالا ہے یا روپیہ۔ گرجا کا نقیب ان کے ہمراہ
تھا۔ جب روپیہ جمع ہو چکا تو گرجا کا نقیب گرجا کے پہلو کی ایک کوٹھڑی میں
جا کر حاصلات جمع کرا آیا۔ اس نقیب کی پوشاک بھی عجیب ہنگم تھی جو تین

سو سال پہلے سے اختیار کی ہوئی چلی آتی ہے۔ دوران نکاح میں دس دس
سال کے دو لڑکے جلتے شمع قرتوں پر سفید ململ کے کرتے تھے۔ پادری
صاحب کو ادھر ادھر سے چیزیں لا دینے میں مدد دیتے تھے۔ دلہن نے
ایسا باریک نقاب چہرہ پر ڈالا ہوا تھا کہ جس کے اندر سے اسکا چہرہ برابر
نظر آتا تھا۔ اور اسکا گاؤن دو گز سے زیادہ پیچھے زمین پر گھسٹتا جاتا تھا۔ دولہا
دلہن مع اپنے رشتہ داروں کے گرجا کی بائیں جانب کے ایک بڑے
کمرہ میں چلے گئے۔ اور ایک جگہ کھڑے ہو گئے۔ سب دوست زن و مرد ان
کے پاس ایک ایک کر کے جاتے تھے اور ان سے ہاتھ ملا کر انہیں بدھا
دیتے تھے۔ میرے دوست نے مجھے کہا کہ بہتر ہے ہمارے ساتھ چلو۔
تم بھی انہیں مبارکباد دو۔ یہاں سے فارغ ہو کر اکثر لوگ مع دولہا دلہن کے
دولہن کی والدہ کے مکان پر گئے جہاں ضیافت کا سامان مہیا تھا۔ مگر میں
اپنے دوست کے مکان پر چلا گیا۔ جس پر دلہن کی والدہ نے مجھے موجود
نہ پا کر میرے دوست کو ایک گاڑی پر سوار کر کے بھیجا کہ فوراً ہندوستانی
مہمان کو بھی اس جلسہ میں شریک ہونے کے لئے لاؤ۔ ہم اس
کی تواضع کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ایک عالی شان کرایہ کا مکان تھا جو ایسی
ہی تقریبوں کے لئے بنا ہوا تھا۔ ایک طرف ایک لمبی میز پر خورد و نوش
کا سامان رکھا ہوا تھا۔ دو تین شخص مہمانوں کو جو کھانا لیتے رہے وہ بانٹتے
دیتے جاتے تھے اور وہ میز پر کھڑے کھڑے کھاتے جاتے تھے۔
مجھے انہوں نے جو چیز سب سے پہلے دینے کی کوشش کی اس میں ممنوع
چیز کی ملاوٹ تھی۔ میں نے اپنے دوست کو سمجھا دیا تھا۔ اس نے ایسے
روک کے مجھے تھوڑی سی روٹی اور چند سادہ میوے لے دیئے۔ چونکہ
اور دلہن و خنزیر کے گوشت زیادہ تر شادیوں اور جلسوں کے موقع پر کھائے
جاتے ہیں) اب تو مشکل یہ پیش آئی کہ سوائے شراب کے جہاں پانی

نہیں تھا۔ مگر کاشخص سے نیو فیلڈ نکل آیا میرے دوست نے یہاں
کئی اچھی اچھی لیڈیوں اور جنٹلمینوں سے مجھے انٹروڈیوس کرادیا منجملہ
اُن کے ایک اخبار نویس لیڈی بھی تھی۔ اور ایک سکول کے پروفیسر
سے بھی ملا جس کا نام اڈولف ڈوکروٹ (Adolphe Ducroth) تھا۔
دستور ہے کہ جب دو آدمی ملاقات کرتے ہیں تو ہر ایک دوسرے کو
اپنے نام کا کارڈ نکال کر دیدیتا ہے۔ اس کارڈ بدلنے میں بڑا فائدہ یہ
ہے دونوں شخص اس ملاقاتی کا نام جب چاہیں کارڈ سے دیکھ سکتے ہیں۔
ہمارے یہاں کئی لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے کہ جنکے پورے نام اور پتے
اکثر فراموش ہوجاتے ہیں ✦

ایک بیمار عورت میں ایک روز پروفیسر اڈولف ڈوکروٹ سے کہ جس سے
ایک شادی کی مجلس میں ملاقات ہوئی تھی ملنے گیا۔ اس بچارے کی
بوڑھیا بیوی بخار سے بیمار اور بہت کمزور تھی۔ اُس نے خادمہ کے ہاتھ معذرت
کر بھیجی کہ تم میرے کمرہ میں بیٹھو میں چند منٹ میں آتا ہوں۔ پہلے مجھے اس
گھر کے ڈرائینگ روم میں اور پھر پروفیسر صاحب کی سٹڈی میں بٹھلایا
گیا۔ یہ کمرہ ... سٹڈی کے کمرے میں علاوہ کتب و اشکال
وغیرہ سامان کی چار بڑی ... دیواریں تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد
پروفیسر صاحب نے آکر کہا کہ اگر میری بیوی بیمار نہ ہوتی تو ہم تمہیں بہتر کے
لئے باہر ہمراہ لے جاتے۔ لیکن اب میں مجبور ہوں۔ میں نے افسوس
ظاہر کیا اور کہا ایسی حالت میں میں تمہیں زیادہ دیر مصروف نہیں کرونگا
مگر پروفیسر نے کہا میری بیوی تم سے مصافحہ کرنا چاہتی ہے۔ اور بیمار کی آرزو
پورا کرنا ضروری ہے۔ وہ انگلش رومن ہے۔ اور گو جسم اُسکا کمزور ہے۔
لیکن طاقت ارادی بہت زبردست ہے۔ میں نے جاکر دیکھا تو بیچاری
بہت بیمار اور فرش بستر پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ہمارے بیماروں کے کمرے

ان بیماروں کے کمرے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ بستر بہت گدگدا اور ستھرا تھا۔ اسپر کئی ایک تکیے تھے۔ پاس ایک چھوٹی سی میز پر کئی ایک دوائی کی بوتلیں پڑی تھیں۔ پروفیسر صاحب نے کہا کہ میری لڑکی جو بہت خوبصورت اور جوان ہے ابھی اُس کی شادی کو تھوڑی ہی مدت گذری تھی کہ وہ بیوہ ہو گئی اس سے اُس کی والدہ کو اتنا صدمہ پہنچا کہ اسکا سر پھر گیا۔ کہ جس سے یہ بہکی باتیں کرتی ہے۔ تاہم پروفیسر کی بیوی نے میرے رخصت ہونے کیوقت شوہر کو تاکید کی کہ مہمان کو ضرور اپنے ہمراہ سیر کو لے جانے۔ گویا یہ مہمانوں کی مدارات اور تفریح کا دستور ہے۔

سررشتہ تعلیم فرانس

پروفیسر صاحب سے میں نے فرانس کے سررشتہ تعلیم کے متعلق چند متفرق سوالات کئے۔ جنکے جوابات کا خلاصہ یہ ہے۔ فرانس میں ایک پرائمری (ابتدائی) تعلیم ہے۔ جو زمانہ اصلاح سے پہلے رومن کیتھولک پادریوں کے ہاتھ میں تھی۔ مگر سرکار نے اُسے اپنے ہاتھ میں لے کر کئی مدرسے قائم کر دیئے ہیں۔ جن میں ہر شخص کے بچے کو بلا فیس تعلیم دی جاتی ہے۔ جو قانوناً فلمرو سے فرانس میں ہر بچے کے لیئے حاصل کرنی لازمی ہے اس میں نوشت خواند۔ حساب اور تاریخ فرانس لازمی مضمون ہیں۔ اسکے بعد سیکنڈری تعلیم ہے جو مفت نہیں دی جاتی۔ کیونکہ اسکا حاصل کرنا ہر شخص پر لازمی نہیں ہے۔ صرف اہل مقدرت لوگوں کے بچے ہی اسے حاصل کرتے ہیں۔ اس لئے ہر طالب علم کو بیس سے چالیس فرانک تک ماہوار فیس دینی پڑتی ہے۔ جو ہندوستان کے سکہ میں انیس سے پچیس روپے تک کے برابر ہوتی ہے۔ مگر اس سے بھی مدرسہ کے تمام اخراجات نہیں چل سکتے۔ اسلیئے گورنمنٹ کچھ اپنی گرہ سے بھی خرچ کرتی ہے۔ فیس کی کمی بیشی طالب علم کی عمر اور جماعت پر منحصر ہے۔ بعض اہل مقدرت لوگ بڑا اعلٰے

سوسائٹی کے ارکان کہلاتے ہیں وہ پرائمری انسٹرکشن اور تعلیم کے
لئے بھی اپنے بچوں کو سکنڈری سکولوں میں بھیجتے ہیں۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے
کہ ابتدائی سکولوں میں غریب اور محنت پیشہ لوگوں کے بچوں کے ساتھ
ان کے بچے بھی تعلیم پائیں۔ اور قصابوں یا دیگر پیشہ ور لوگوں کے بچوں
کے ساتھ ملکر ان کے بچے بیٹھیں۔ غنیمت ہے کہ ہندوستان کے مدارس
سرکاری میں اس قسم کی کوئی قید نہیں رہی۔ اور ہر وضیع و شریف کے
بچے ایک ساتھ ملکر پڑھتے ہیں۔ اگر استاد بچوں کے اخلاق اور تربیت
کا پورا خیال رکھیں تو دولتمندوں کے بچوں کو غریبوں کے ساتھ ملکر پڑھنے
سے بجائے نقصان کے فائدہ ہوگا۔ انگلستان میں بھی امرا کے بچوں کے
لئے ایٹن وغیرہ مدرسے علٰحدہ ہیں کہ جن میں غریبوں کے بچے تعلیم نہیں پا سکتے
مگر امریکہ میں سب لوگوں کے بچے ملکر پڑھتے ہیں۔ اور کوئی امیر یا غریب
کی تمیز مدرسے میں نہیں کی جاتی۔ کیونکہ اس ملک کے تمام کروڑپتی اور بالوس
لوگ قریب قریب مفلس اور محتاج والدین کی اولاد ہیں۔ پروفیسر ڈو گروسکے
صاحب جس مدرسہ کا پروفیسر ہے وہ پیرس میں اپنی قسم کا اول درجہ کی سرکاری
تعلیم گاہ ہے۔ یہ پہلے بطور ایک پرائیویٹ مدرسہ کے جاری تھا لیکن
آخر گورنمنٹ نے ایک معقول قیمت دے کر اسے خرید لیا۔ اور اس میں
اس وقت دو درجن سے زیادہ استاد ہیں۔ یہ پروفیسر صاحب زبان
انگریزی کے استاد ہیں۔ دوران گفتگو میں انہوں نے کہا کہ انگریزی جو
غیر ملک کی اور بہت مشکل زبان ہے تم کس طرح صحت اور روانی سے بول
سکتے ہو۔ میں نے کہا ہندوستان میں ہزارہا لوگ مجھ سے اچھی طرح یہ زبان
بول سکتے ہیں کیونکہ مدارس میں اسکی باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے)۔ پھر پروفیسر
صاحب نے کہا کہ سیکنڈری تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد امیدواروں کو
کالج کی تعلیم حاصل کرنی پڑتی ہے۔ جس میں علاوہ مردہ کلاسک زبانوں کے

زبانوں کے اول جرمن دوم انگلش اور سب سے بعد بر اعظم یورپ کی کسی زبان کا سیکھنا ضروری ہے۔ جو لوگ یونیورسٹی کی ڈگری کے امتحانات کی تیاری کرتے ہیں انہیں ایک سال تک اعلےٰ درجے کے پروفیسروں کے لکچر سننے پڑتے ہیں۔ یہ پروفیسر کسی مدرسہ یا کالج میں لکچر نہیں دیتے۔ بلکہ یہ پبلک لکچر شہر کے عام مقامات میں ہر کس و ناکس کے لئے کھلے ہوتے ہیں۔

علم حرفت اس شاخ تعلیم کے مدرسے علیحدہ ہیں کہ جن میں گورنمنٹ فرانس معقول روپیہ خرچ کرتی ہے۔ ان تمام مدارس کی ضرورت تعلیم چھ سات ستر سے زیادہ تھے نمائش گاہ میں ایک بجن ہوں کے خانوں میں سے گئے تھے۔ اور جو شخص چاہتا ان میں سے ہر ایک کو جمع کر کے لیتا تھا۔ چنانچہ میں نے بھی ایک مجموعہ لے لیا۔ جس سے کسی ملک کی ٹکنیکل تعلیم کے لئے اعلیٰ درجہ کا نصاب مرتب ہو سکتا ہے۔

جیسوئٹ مجھے کسی لایق اور واقف آدمی سے فرانس کے مشہور پولٹیکل اور مذہبی فرقہ جیزوایٹ کے حالات دریافت کرنے کا شوق تھا۔ چنانچہ میں نے پروفیسر صاحب سے جیزوایٹ فرقہ کی کچھ دریافت کی یہ در اصل رومن کیتھولک عیسائیوں کا ایک مذہبی فرقہ ہے۔ لیکن یہ لوگ سخت مکار اور ہوشیار ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی رکن اگر مکار اور بدطبیعت نہیں تو پورے طور پر جیزوایٹ نہیں ہو سکتا۔ بعد ابتدائی آزمائشی امتحانوں میں کامیاب ہونے کے بڑے بڑے لایق لوگ اس گروہ میں شامل کئے جاتے ہیں۔ یونیورسٹی کے پروفیسروں کو یہ لوگ کم شریک کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ آزاد لوگ ہوتے ہیں۔ جیزوایٹ فرقہ کی بڑی غرض پولیٹکل طاقت حاصل کرنے کی ہوتی ہے۔ کئی مرتبہ ان لوگوں کو فرانس میں اس قدر طاقت حاصل ہو گئی کہ انہوں نے بادشاہوں کو نامزد کیا ہے۔ لیکن کئی مرتبہ یہ لوگ فرانس سے جبراً نکالے بھی گئے۔ مگر ایسے طور پر کہ اگر گھر کے دروازہ سے

انہیں نکالا تو یہ کھڑکی کی راہ سے پھر اندر گھس آئے۔ ان میں سے اکثر لوگ ایسے ہیں کہ جن کی نسبت کسی کو صحیح طور پر معلوم نہیں کہ جیزوایٹ ہیں۔ لیکن درپردہ وہ جیزوایٹ ہوتے ہیں۔ اور اپنی جماعت کی خوب خدمت کرتے ہیں۔ لیکن بعض دیگر برملا جیزوایٹ کہلاتے ہیں۔ پیرس کے سکنڈری تعلیم کے دو اعلیٰ مدارس جیزوایٹ لوگوں کے ہاتھ میں ہیں کہ جن میں اعلےٰ سوسائٹی کے لوگوں کے بچے تعلیم پاتے ہیں۔ چونکہ اُن مدارس میں مذہبی تعلیم بھی ہوتی ہے جو سرکاری مدارس میں نہیں ہوتی۔ اسلئے یہاں بہت لوگ اپنے بچے بھیجتے ہیں۔ جیزوایٹ ایسے ہوشیار ہیں کہ فوجی خدمت میں داخل ہونے والے قریباً تمام لڑکوں کو بھی تعلیم دیتے ہیں۔ اور اُن کے دلوں میں بچپن ہی سے اپنے فرقے سے ہمدردی کا خیال پیدا کر دیتے ہیں۔ اسلئے فوج میں اکثر جنرلوں سے لے کر ادنےٰ افسروں تک ان کے ہمدرد ہوتے ہیں۔ غرض یہ ایک ایسی خفیہ جماعت پولیٹکل خیالات کے مذہبی لباس میں موجود ہے کہ جسکے ہاتھ میں عجیب طاقت ہے۔ اور جو فرانس کے لئے بڑے اندیشہ کی بات ہے۔

پیرس کتنا غدار شہر ہے

میں یوں تو اکیلا یا اور لوگوں کے ہمراہ کئی مرتبہ ادھر اُدھر شہر میں گذرا تھا۔ مگر میں نے دیکھا ہے کہ جب تک میں گاڑیوں یا ٹریم سے پر سوار ہو کر یورپ کے شہروں میں پھرا ہوں۔ مجھے اُن کی جہتوں اور رستوں کا کچھ پتہ نہیں لگا۔ اور جب پیدل چلا ہوں مجھے گلیوں اور بازاروں کی کیفیت برابر سمجھ میں آگئی ہے۔ چنانچہ میں نے یورپ کے سب شہروں میں ایسا کیا ہے کہ گائیڈ بک ہاتھ میں لے کر کہ جس میں ہر گلی اور ہر کوچہ کا نقشہ ہوتا ہے ایک طرف چل پڑا۔ اور گائیڈ بک کی مدد سے جس طرف جانا چاہا گھوم کر وہاں پہنچ گیا۔ ۲۷ جولائی کو ۳ بجے سے ۸ بجے شام تک میں پیرس میں پیدل پھرتا رہا۔ یہاں تک کہ بہت تھک گیا۔

مگر سوائے ایک کونے کے شہر کی ساخت کا پتہ نہ لگا جو میلوں میں پھیلا
ہوا ہے۔ اور جس میں پچیس تیس ہزار باشندے آباد ہیں۔ جدھر چلے
جاؤ عالی شان سر بفلک کشیدہ مکانات آتے جاتے ہیں۔ ہزاروں گلیاں
اور بازار یکساں با رونق ہیں۔ سب میں عالی شان مکانات۔ سب مکانات
پر یکساں مکلف حروف میں نوٹس بورڈ اور اشتہارات لگے ہوئے ہیں۔
اس قدر آمد و رفت پیدلوں اور گاڑیوں کی شہر میں ہوتی ہے کہ الامان۔ علاوہ
ٹریم سے اور آمنی بس کے کئی اسٹیشنوں کے شہر میں کئی ہزار کیب گاڑیاں
ہیں۔ بعض بڑے بڑے چوکوں میں پولیس میں کھڑے رہ کر باری باری
سے دونوں طرف سے آنے جانے والی گاڑیوں اور آدمیوں کو گذرنے کا
اشارہ کرتا رہتا ہے۔ جب تھوڑی دیر میں ایک طرف کی گاڑیاں اور آدمی
دوسری طرف کو گذر چکتے ہیں۔ تو پھر دوسری طرف کے جدھر اتنا عرصہ میں ہجوم
جمع ہو گیا تھا ادھر کو گذرتا ہے۔ دوکانیں ہیں سو اس قدر ہے کہ تعجب
ہوتا ہے اسے کون خریدتا ہوگا۔ ریسٹورنٹ۔ قہوہ خانے اور شراب خانے
تو جگہ جگہ پر ہیں۔ یہ لوگ دن میں بار بار کھاتے پیتے ہیں۔ اس شہر میں
دفاتر سرکاری خصوصاً مختلف وزارتوں کے دفاتر تو ایسے عالی شان اور
وسیع اور پر تکلف ہیں کہ شاہی قصر معلوم ہوتے ہیں۔ درحقیقت پیرس میں تعمیر
مکانات کی طرف بیحد توجہ کی گئی ہے۔ بڑے بڑے عمارات کے آس پاس جنگلوں
کے بعض حصوں کو شہری گلگشت کیا جاتا ہے۔ عام کرایہ کے مکانات بھی
نہایت عالی شان پانچ پانچ سات سات منزلوں کے ہوتے ہیں۔ ایک
روز ایک صاحب کے ساتھ میں سائنس اینڈ آرٹس میوزیم کے پاس سے
گذر رہا تھا کہ جس میں تمام نئی ایجادیں رکھی جاتی ہیں اور لکشری اور سائنس
کے آلات دکھلائے جاتے ہیں اور موسم سرما میں ان علوم پر لیکچر دیئے
جاتے ہیں۔ راستہ میں میرے رفیق نے بتلایا کہ ان کوچوں میں جو مکانات

ہیں ان میں دو ڈیڑھ سو سال پہلے تمام امرا رہتے تھے۔ مگر اب سب مفلس لوگ کرایہ پر رہتے ہیں۔ کیونکہ اب امیروں کے مکانات اعلیٰ سٹائل پر بنتے ہیں۔ روٹی اور شراب بیچنے کی دکانیں چپہ چپہ پر دیکھ کر کہا کہ ہر چند ان میں سے آدھی دکانیں ہمیشہ نقصان اٹھا کر بند ہوتی رہتی ہیں مگر پھر بھی لوگ نہیں جاری کرتے رہتے ہیں۔ کیونکہ بہت لوگ اور کوئی کام نہیں جانتے ایک شخص سے راستہ میں ملاقات ہوئی جو بہت اچھا لکھا پڑھا اور لٹریری آدمی تھا۔ مگر اُسے کھانا پکانے میں اس قدر مہارت تھی اور اس کام کا اتنا شوق رکھتا تھا۔ کہ تمام پیرس میں اس فن کا اُستاد سمجھا جاتا ہے اور اخبارات اور رسالجات میں طباخی پر مضمون لکھ کر سات آٹھ سو پونڈ سالانہ کما لیتا ہے۔ تمام بڑی بڑی دعوتوں کے موقعوں پر ہوٹلوں وغیرہ میں اُسکو بلایا جاتا ہے۔ یورپ کا دستور ہے کہ جب کسی کو کوئی دعوت دینی منظور ہوتی ہے تو کسی ہوٹل والوں سے انتظام کر لیتا ہے۔ اور سوائے روپیہ دینے کے اور اُسے کوئی تکلیف یا کشمکش نہیں ہوتی ۔

پیرس کی آزادی | پیرس میں دو تین ہفتے رہنے کے بعد مجھے معلوم ہونے لگا کہ یہاں کسی قدر کم خرچ سے بھی آدمی گذارہ کر سکتا ہے بشرطیکہ یہاں کے حالات سے واقف ہو جائے۔ بجائے کیب گاڑیوں پر سوار ہونے کے امنی بس گاڑیوں دریائے سین میں چلنے والے جہازوں پر لمبے فاصلے طے کر سکتا ہے۔ ایک پینی (دانہ کے پیسے) دیکر جہاز پر جتنی دور چاہیں چلے جائیں جو شہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک دریا میں دونوں طرف چلتے ہیں۔ اور خواہ پہلے ہی سٹیشن پر اتر پڑیں۔ بجائے گراں ریسٹورنٹوں اور ہوٹلوں کے غریبانہ ریسٹورنٹوں میں کھانا کھا سکتا ہے۔ اور نان روٹی خرید کر گذارہ کر سکتا ہے۔ دوکانداروں اور سستی گاڑی والی عورتوں سے سستی ترکاریاں اور میوہ جات خرید سکتا ہے۔ فرانک ڈیڑھ فرانک روزانہ کے

اور اس مکان میں گزارہ کر سکتا ہے۔ آمنی بس گاڑی کے اوپر پندرہ سینٹیم
بیٹھنے میں پیسے دے کر چڑھ بیٹھو اور جہاں تک گاڑی جاتی ہے چڑھے جاؤ یا
جہاں بھی چاہے اُتر پڑو۔ اگر گاڑی کے اندر بیٹھو تیس سینٹیم یعنی ڈیڑھ آنہ دو۔
یہاں آمنی بس یا ٹریم میں کنڈکٹر کو ٹپ دینے کا رواج نہیں۔ ایک روز
میں نے جس فاصلہ کے تین فرانک بس گاڑی والے کو دیئے تھے دوسرے
روز اس سے تگنے فاصلہ کے لئے ۱۵ سینٹیم یعنی ٹریموے پر دیئے۔

ہمسائی

میں قریب دو ہفتہ کے کرایہ کے مکان میں رہ چکا تھا کہ
مسٹر میسن جو پیرس کے مشہور دوا فروشان گریمالٹ کمپنی کے ایجنٹ ہیں
جب ساحل ہند سے شہر پیرس میں مع مسز میسن آ گئے تو انہوں نے
مجھے تقاضا کیا کہ میں اس مکان سے اٹھ کر اُن کے مکان میں جا ٹھہروں۔
کیونکہ اس سے مجھے آرام ملیگا۔ اور جب میں نے اُن کی اس مہربانی آمیز
درخواست کے قبول کرنے میں تامل کیا تو انہوں نے فرمایا کہ کسی کی دوستی
سے کیا فائدہ اگر اُس سے کچھ بھی نفع نہ حاصل ہو۔ چنانچہ میں نے اس
مکان کا کرایہ نوکرانی کی تنخواہ اور دودھ وغیرہ لانے والوں کے حساب شام کو
چکا دیئے اور گاڑی میں اسباب رکھ کر مسٹر میسن کے مکان پر گیا۔ اس
مکان میں لفٹ لگا ہوا تھا۔ میں نے خود ہی اپنے دونوں ٹرنک لفٹ میں
رکھ کر لفٹ کو اٹھا دیا۔ اور جب تیسری منزل پر پہنچا کہ جہاں ان کا مکان
تھا تو ہمسایہ کی گھنٹی بجا دی۔ ہمسایہ کی نوکرانی نے نکلکر مجھے بتایا کہ ساتھ
کی گھنٹی بجاؤ۔ غرض مسز میسن بہت مدارات سے پیش آئیں۔ اور مجھے
میرے رہنے کا کمرہ دکھلا دیا۔ نوکرانی نے میرا اسباب اٹھا کر اسکے
اندر رکھ دیا۔ آج شام کو ایک لیڈی اخبار نویس جو بچوں اور خانہ داری کے
مضمون کا رسالہ نکالتی ہے۔ ایک آرٹسٹ (مصور) اور ایک شخص پارشیش
کا سوداگر ان کے ہاں کھانے پر مدعو تھے۔ شام کو جب سب ملکر کھانے

پر بیٹھے تو باتوں چیتوں میں دو گھنٹوں میں کھانا ختم ہوا۔ اور مہمانوں کے رخصت کرنے میں گیارہ بج گئے۔ میرے کمرے میں مسز میسن صاحب نے سب ضروریات رکھدی تھیں۔ اور بار بار مجھے کہتی تھیں کہ گھر کی طرح بے تکلف ہوکر رہو۔ اور جس چیز کی ضرورت ہو مجھے بتلادو۔ مجھے غسل خانہ پاخانہ اور ہاتھ منہ دھونے کے مکان دکھلادیئے۔ غسل خانہ میں گیس کے ذریعے سے ایک دومنٹ میں پانی گرم ہوجاتا تھا۔ مسز میسن صاحب نے آج شام کو مجھے اپنا فوٹو گرافوں کا البم بھی دکھلایا تھا۔ یوروپ میں فوٹو گرافوں کا البم ہر کنبہ میں ایک ضروری چیز سمجھی جاتی ہے کہ جس میں کنبہ کے ممبروں کے مختلف عمروں اور حالتوں کے فوٹو گراف اور ان کے عزیزوں اور رشتہ داروں کے فوٹو گراف بھی شامل ہوتے ہیں۔ اور بیشک ان کے دیکھنے سے بہت دلچسپی اور لطف پیدا ہوتا ہے۔ ان کے دو خوبصورت بچے ہیں۔ ایک لڑکی اور ایک لڑکا۔ جو دونوں اس وقت ساحل سمندر پر بغرض تفریح گئے ہوئے تھے۔ میم صاحبہ اپنی لڑکی کی خوبصورتی کی تعریف کرتی رہیں۔ اور انہوں نے مجھے بھی اپنے کنبے کے دو چھوٹے فوٹو گراف دیے۔ اور مجھے کہا کہ تمہارے پاس بھی اپنے بچوں کے فوٹو گراف ہیں۔ میرے انکار کرنے پر تعجب کیا اور ہنسکر کہا کہ تم اچھے باپ نہیں ہو۔ مسٹر میسن نے بھی آج کھانے پر تعجب کیا کہ میں کیوں اپنے بچوں کا ذکر نہیں کرتا۔ کیا وہ اچھے نہیں۔ میں نے کہا بیشک وہ بہت اچھے ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ تم نے انہیں لاہور میں بھی مجھے نہیں دکھلایا۔ اور اب بھی ان کا ذکر نہیں کرتے۔ ہم لیکن میں اپنے بچوں پر ناز کرتا ہوں۔ اور اپنی لڑکی کا فوٹو گراف اپنے پاکٹ بک سے نکال کر اپنے مہمانوں کو دکھلایا۔ اور کہا کہ کیا یہ خوبصورت نہیں۔ سب نے اس نوجوان لیڈی کی خوبصورتی کی تعریف کی۔ کہ جس پر یہ میاں بیوی بہت خوش ہوئے۔ مسز میسن صاحبہ بڑی معقول اور آزاد خیال عورت ہیں۔ جتنی مدت میں ان کے

گھر میں مہمان رہا مجھ سے بڑی مہربانی اور شفقت سے پیش آتی رہیں۔ اور ہمیشہ میرے تمام اور کھانے پینے کا بڑا خیال رکھتیں۔ کہ جسکے لئے میں ان کا دل سے مشکور ہوں۔ ان کے گھر میں رہنے کے زمانہ میں ان کے دو تین دوستوں نے ہماری دعوت بھی کی۔ اور ان کے ہمراہ بعض اوقات جاکر پیرس کے بعض مقامات دیکھے ۔

ایک رسٹارنٹ میں کھانا ایک روز مسٹر میسن کے ساتھ ایک رسٹارنٹ میں کھانا کھانے گیا۔ وہاں اُن کے تین اور دوست بھی موجود تھے۔ ان میں سے ایک فرنچ اور دو ڈچ تھے۔ اور اتفاق سے سب انگریزی بول سکتے تھے۔ انہیں سے ایک سے میری پہلے ملاقات تھی۔ اور باقی دونوں سے اس نے تعارف کرادیا۔ اور ہم نے ایک دوسرے سے کارڈ بدل لئے۔ یہ دونوں ریشم کی تجارت میں تھے اور فرانس کا ریشم امریکہ کو روانہ کرتے تھے۔ کھانے میں حسب معمول بہت سی باتیں ہوتی رہیں۔ یہ مجھ سے طرح طرح کے سوالات ہندوستان کی اور ہندوستان کے مذاہب کی نسبت کرتے رہے۔ کبھی گورنمنٹ ہند کے انتظام کی نسبت بھی بات آجاتی۔ یہ بات سُنکر کہ مسلمان ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرسکتے ہیں یہ حیران ہوتے تھے۔ میں نے انہیں یقین دلایا کہ عملاً برائے نام فائدہ اس اجازت سے اُٹھایا جاتا ہے۔ عورتوں کے پردہ میں رہنے سے بھی تعجب کرتے تھے۔ ان چار یورپینوں سے جو میرے ہمراہ کھانا کھا رہے تھے سوائے مسٹر میسن کے کہ جنکے دو بچے ہیں۔ اور کسی کے بچے تو کہیں رہے اُن کی بیویاں بھی نہیں تھیں۔ حالانکہ یہ معزز لوگ ہیں اور متوسط درجہ کی کلاس کہلاتے ہیں۔ مگر بوجہ خانہ داری کے اخراجات کی زیادتی کے بیوی رکھنے کا بکھیڑا نہیں سہیڑتے۔ ہر روز کھانے کا دام انہیں اتنا دینا پڑتا ہے کہ ہندوستان میں ایک غریب آدمی اس پر مہینہ بھر گذارا کرسکتا ہے۔ بڑے بڑے ہوٹلوں میں یہاں سوائے بوتلوں میں بھری ہوئی پینے کی

پانی کی اور پانی موجود ہی نہیں ہوتا - میں تو اس سے یہی نتیجہ نکالتا ہوں کہ باوجود
مجبوری کے بھی یہاں زندگی کا معیار بہت اعلیٰ ہوتا ہے - آج کھانے پر مجھ سے
ایک بڑی مضحکہ انگیز بات ہوئی - سبز بادام جو چھلکے سمیت میز پر لائے گئے تو میں
پولیٹیکل بحث
ایک بادام توڑ کر اُسکا چھلکا کھانے لگا - کھانے پر منجملہ دیگر
امور کے جنگ ٹرنسوال کے متعلق بھی باتیں ہونے لگیں - مسٹر میسن جب
انگریزوں کی طرفداری کی بات کرتے تو ان کا ڈچ دوست جو ہالینڈ کا رہنے والا
ہے اُن سے بہت بگڑتا - اور کہتا کہ ان لوگوں نے ٹرنسوال میں میری ہم قوموں
کو بہت اذیت پہنچائی ہے - یہ بہت کمینے ہیں - مجھ سے پوچھا کہ انکا ہندوستان
میں کیسا سلوک ہے - میں نے کہا کہ ہندوستان میں تو ہم لوگ کبھی انگریزوں
کا احسان اتار نہیں سکتے - کیونکہ انہیں کی بدولت ہم تک مغربی علوم کی روشنی
پہنچی ہے - اور یورپین انسٹی ٹیوشنوں کا حال معلوم ہوا ہے - ہالینڈ
کے جنٹلمین نے جواب دیا کہ اگر روس بھی ہندوستان میں جاتا تو یہی نتیجہ
نکلتا - پھر مجھ سے پوچھا کہ کیا ہندوستانی روس کی حکومت پر خوش ہونگے -
میں نے کہا مجھے اسکا حال کیسے معلوم ہو سکتا ہے - البتہ ہم اپنی حالت میں
بہت مطمئن ہیں - پھر کہا کیا روس کا قصد ہندوستان پر تاخت کرنے کا نہیں
میں نے کہا نہیں تو صرف انگریزی گورنمنٹ کے روک تھام کے کاموں سے
روس کے حملہ کا قصد معلوم ہوتا ہے - آج کل بوجہ جنگ ٹرنسوال کے براعظم
یورپ کے اور سب ملکوں میں بھی کہ جہاں مجھے جانیکا اتفاق ہوا ہے لوگ
انگریزوں کو نظر حسد و عداوت سے دیکھتے ہیں ؛

پیرس کا صرافہ
پیرس کا بورس یعنی صرافہ راستہ میں آیا - یہ مشہور صرافہ
کہ جو یورپ کے مالی معاملات کا گویا مرکز ہے ایک بڑے ہال میں اس وقت
دو تین ہزار سے کم آدمی نہ ہونگے - یہ بعض کمپنیوں کے حصوں کے نرخ کی بولی
دینے میں اس قدر شور مچا رہے تھے کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی - بعض

لوگ تو سخت جوش و خروش سے اپنی بولی کی جانب توجہ دلانے کے لئے لاٹھیاں کھڑی کر رہے اور ہاتھ اُٹھا رہے تھے۔ اسی طرح صبح سے شام تک مصروف رہیں۔ بہتیرے کبھی غریب سے امیر اور کئی مفلس قلاش ہو جاتے ہیں۔ مسٹر حسین نے بتایا کہ یہاں جتنے لوگ جو بولی دیتے ہیں یا جو کچھ خریدتے ہیں وہ صرف ایک پرزہ کاغذ پنسل یادداشت کے لکھ دیتے ہیں۔ یا زبانی کہہ دیتے ہیں۔ اور جو دو دو لاکھ روپے کے نقصان کے معاملہ ہو مگر اس سے نہیں پھرتے۔ اس مکان سے زیادہ شور میں نے یورپ و ایشیا میں کبھی نہیں سنا۔

مسیو خلیل آفندی سے ملاقات

یہ وہی شخص ہے جسکو کسی زمانہ میں اخبار کریسنٹ میں مسٹر کوئیلیم کے مسلم انسٹی ٹیوٹ میں فرانسیسی اور ترکی زبانوں کا پروفیسر مشتہر کیا جاتا تھا۔ میرے سفر یورپ پر روانہ ہونے سے پہلے یہ صاحب ہندوستان سفر کرتے ہوئے لاہور پہنچ گئے تھے۔ اور اثنائے قیام لاہور میں انجمن حمایت اسلام کے مکان میں ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں دنیا کے مسلمانوں کی حالت پر ایک لیکچر بھی دیا تھا۔ یہ لاہور میں ایک حد تک میرے مہمان بھی رہے تھے۔ اور آجکل پیرس میں سکونت رکھتے تھے۔ یہ گلاب شاہ افغان سے میرا ذکر سنکر مجھے بڑے تپاک سے ملے۔ پہلے روز ملکر بغلگیر ہوئے اور میرے سینہ کی طرف بوسہ دیا۔ میرا پہلے آپ کو ترک کہتے ہیں۔ اور بتلاتے تھے کہ یونان کی جنگ میں گولی لگنے کی وجہ سے جو لنگ ہو گیا اسلئے فوجی ملازمت کو ترک کر دیا۔ انہوں نے مجھے یہ بھی بتلایا تھا کہ میں دمشق کے خاندان عظم زادگان سے ہوں۔ لیکن دمشق میں جا کر معلوم ہوا کہ اس نام کا اس خاندان میں کوئی شخص نہیں۔ بہرحال پیرس میں خلیل آفندی مجھے ملکر بہت خوش ہوئے۔ ایک روز نوجوان ترک طالب علم عبد القادر نامی بھی جو ان کا دوست تھا ایسی ہی محبت سے ملا۔ خلیل آفندی کا مکان عین وسط شہر میں ایک اچھے مہنگے ریسٹورنٹ ہوٹل میں تھا۔ انہیں نہایت افسوس کیا کہ اگر آپ کے پیرس میں آنے کی خبر پہلے ملتی تو سستا مکان کرایہ پر

سو پینے کے علاوہ اور ہر ایک کام میں مجھے مدد دیتا۔ چنانچہ اس نے بڑی خوشی
کا اظہار کیا۔ اور میری بہت تواضع کی۔ اور میرے لئے تکلف کا کھانا گھر میں
تیار کروایا۔ اسی کمرہ میں ایک اور شامی مسلمان کھانا پکا رہا تھا۔ پکانے کا چولہا
گیس سے گرم ہوتا تھا اور دیگچیاں ایسی صاف کہ ان سے کمرہ کی آرائش میں ذرا
فرق نہیں آیا تھا۔ ایک قسم کے چاول "شعریہ" امی جو میرے لئے عجیب چیز
تھے اور شکل میں جو دانہ کے برابر تھے۔ بلکہ سیویوں اور چاولوں کے مابین
ایک چیز معلوم ہوتے تھے اور قسطنطنیہ ہی میں پیدا ہوتے ہیں پکائے گئے۔
ایک بکرے کی ران بھی سبزہ بھرائی گئی۔ اور جلیل آفندی نے مجھے بتلایا کہ یہ ایک
مسلمان کا ذبح کیا ہوا ہے۔ پیرس میں ایک ٹونسی مسلمان خاندان ہفتہ
میں ایک دو مرتبہ اپنے لئے ایک بکرا ذبح کرتا ہے۔ اور یہ ران ایک ڈبل
روٹی پکانے کے تنور میں کچھ پیسے دے کر ثابت پکوائی گئی ہے۔ کھانے
کی میز پر ہمارے ساتھ ایک ادھیڑ عمر کی عورت بھی تھی جو کہتی تھی کہ انگلستان
کی رہنے والی ہے مگر اب فرانسیسی بھی خوب بولتی ہے اور آفندی کے ساتھ
ہی رہتی ہے۔ کھانے کے بعد حسب معمول کچھ پھلیاں اور میوہ جات آئے اور دیر
تک باتیں ہوتی رہیں۔ اسکے بعد بھی خلیل آفندی نے ایک مرتبہ مجھے کھانے
پر بلایا۔ اور بہت کچھ التفات کا اظہار کیا۔ پہلے روز مجھے اپنے نوجوان دوست
عبدالقادر سے انٹروڈیوس کر کے کہا کہ یہ فرانسیسی خوب بولتا ہے۔ پہلے ایک
پیرس کے ہوٹل کا ملازم (خدمتگار) تھا۔ مگر اب ایک فرانسیسی لیڈی سے شادی
کر لی ہے اور کچھ اپنا کاروبار کرتا ہے۔ یہ پیرس کے چپہ چپہ سے واقف ہے
اسلئے تمہیں خوب سیر کرا سکتا ہے۔ میں نے اسے غنیمت سمجھا اور ہم فوراً
پیرس کا چڑیا گھر اور بعض مقامات دیکھنے کو چلے گئے۔ میرا ہمنشیں فرانسیسی اور عربی
دونوں مادری زبانوں کی طرح بے تکلف بولتا تھا۔ مگر ناخواندہ تھا۔ پورا فرانسیسی
جنٹلمین تھا۔ کہتا تھا فرانس بہت اچھا ملک ہے۔ اور فرانسیسی بہت اچھے

لوگ ہیں۔ اور کہتا تھا فرانسیسی عورتیں کیسی خوبصورت اور موٹی تازی ہوتی ہیں۔ اُن کے مقابلہ میں انگریز عورتیں لکڑی کی طرح سوکھی ہوئی معلوم ہوتی ہیں فرانسیسیوں میں انگریزوں کی طرف سے نفرت کا عام خیال ہے۔ اور ایسے ہی جرمنی کی طرف سے۔

پیرس کا چڑیا گھر پیرس کا چڑیا گھر جسے یارڈین ڈے پلانٹ کہتے ہیں دراصل صرف چڑیا گھر نہیں۔ بلکہ علاوہ زوالاجیکل گارڈن یعنے چڑیا گھر کے اس وسیع مکان میں اناٹومی کا عجائب گھر۔ باٹنیکل گارڈن (نباتات کا باغ)۔ زوآلوجی (تاریخ الحیوان) جیالوجی (طبقات الارض)، منرالوجی (معدنیات)، انتھروپولوجی (علم ترکیب انسان) کی گیلریاں۔ پودوں کے لئے ہاٹ ہوس۔ ان علوم کے متعلق ایک مکمل کتب خانہ اور ایک علوم حیوانات نباتات اور معدنیات کے متعلق لکچر دینے کے لئے امفی تھیٹر ہے۔ جس میں بڑے بڑے سائنس دان لکچر دیتے ہیں۔ بخلاف برلن کے چڑیا گھر کے یہاں داخلہ کا ٹکٹ مفت ملتا ہے۔ مختلف جانوروں کے پنجرے اور مکان دیکھے۔ شیر کئی قسم کے تھے ہر شیر کو آٹھ دس پونڈ روزانہ گوشت ملتا تھا۔ بندر ایسے ایسے عجیب اور مختلف اقسام کے تھے کہ میں نے ایسے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ اسکے قریب دریائی گھوڑے گینڈے۔ ہاتھی اور اونٹوں کے مکان تھے۔ پرند آٹھ سو قسم کے اور سانپ اڑہائی سو قسم کے جمع تھے۔ ان میں بڑے بڑے اژدہا نہایت خوفناک معلوم ہوتے جو موٹے شیشے کے بکسوں میں بند تھے۔ ایک اژدہا کے دھڑ کا محیط ایک گز سے کم نہ ہوگا۔ سبز رنگ کی زہریلی چھپکلیاں۔ زہریلی مینڈکیں۔ اور پانی کے سانپ بھی موجود تھے۔ تماشائیوں کی نظر میں یہاں یہ بات بہت اچھی معلوم ہوتی تھی کہ جس طرح برلن کے زوالوجیکل عجائب گھر میں مختلف ممالک کی اشیاء سے نمائش کے ہمراہ ان ممالک کا نقشہ آویزاں ہوتا تھا کہ جس سے معلوم ہو سکتا تھا کہ یہ ملک اور مقام دنیا کے نقشہ میں کس جگہ واقع ہے جہاں کی یہ اشیا ہیں ویسے ہی ان جانوروں کے پاس ان اہل کی تختیوں پر لیبے

لٹکے آویزاں تھے کہ جس پہاڑ پر جانور کا وطن تھا اسی رنگ میں دکھلایا گیا تھا۔ اس
سے ہر ایک دیکھنے والے کو پتا پورا اصل میں ذہن نشین ہو سکتا ہے کہ شیر
وسط افریقہ کا ہے۔ یہ ریچھ قطب شمالی کا اور یہ دو کوہان والا اونٹ ترکستان
کا ہے۔ یہاں لوگ بندروں، ہاتھیوں اور بکریوں کو بڑی عجیب چیزیں سمجھتے تھے
ہاتھی پر کچھ پیسے لے کر بچے سوار ہوتے تھے۔ سگ آبی کے یہاں بڑے نمونے
تھے جنگل گاؤ کے متعدد اقسام تھے۔ بارہ سنگا بہت بلند دیکھا۔ کئی ایسے جانور
تھے جن کے مجھے نام معلوم نہیں۔ یہاں لوگوں میں جانوروں کو روٹیاں خرید کر
پھینکنے کا بڑا رواج ہے۔ بعض جانوروں کے گھروں کو سرد رکھنے کے لئے ان میں
پانی کے حوض اور بعض کے گھروں کو گرم رکھنے کے لئے ان میں انگیٹھیاں بنی ہوئی
ہیں۔ یہ چڑیا گھر پہلے پہل ۱۸۰۰ء میں قائم ہوا تھا اور ریجنٹ پارک میں واقع ہے۔ پیرس
میں ایک اور چڑیا گھر بھی ہے۔

باغ ٹولریز ٹولریز سلاطین فرانس کا ایک قدیم محل تھا جس میں نپولین
اول بھی اپنی بیوی جوسفین کے ساتھ رہ چکا ہے۔ سن ۱۸۷۱ء میں کمیونسٹ لوگوں
نے اسے جلا دیا۔ اب یہاں ایک نہایت خوشنما باغ ہے جہاں ہفتہ میں تین دفعہ
سرکاری باجا بجتا ہے۔ آج یہاں باجے کا دن تھا اور بہت بڑا ہجوم سننے
والوں کا تھا۔ پیرس میں ہر روز کسی نہ کسی باغ وغیرہ میں سرکاری باجا بجتا رہتا
ہے۔ بیچ وسط میں نہایت خوبصورت تالاب ہے۔ اطراف میں روشیں ہیں
اور ان پر بہت سے بت بڑے بڑے کاریگروں کے بنائے ہوئے کھڑے
ہیں۔ یہ باغ خوبصورتی اور صفائی کے لحاظ سے آئینے کی طرح صاف اور
ستھرا نظر آتا تھا۔ اور ہزاروں آہنی کرسیاں پبلک کے آرام کے لئے پڑی
تھیں۔

وینڈوم مینار وینڈوم پلیس پیرس کی ایک چوک ہے۔ یہاں ایک عالیشان مینار
کھڑا ہے۔ نپولین اعظم نے ۱۸۰۵ء کے فتح کی یادگار میں روم کے

ٹراجن کے مینار کی نقل کے طور پر اسے تعمیر کرایا۔ اور جرمن سے جو توپیں جنگ
میں چھینی تھیں پگھلا کر پتھر کے مینار کے گرد اُن کے پترے چڑھا دیئے۔
جنگ بولن سے لے کر آسٹرلٹز کے معرکہ تک کے تمام جنگی واقعات
اور مشہور اشخاص کی ابھروان تصویریں اس مینار پر بنی ہوئی بطور ایک پیچ کے
چوٹی تک چلی گئی ہیں۔ اور چوٹی پر نپولین کا بُت نصب ہے۔ اسے بھی
کمیونسٹ باغیوں نے گرا دیا تھا۔ مگر یہ سنہ ۱۸۷۵ عیسوی میں پھر وہاں کھڑا
کر دیا گیا۔

بون مارشے Bon Marché

اگر کسی شخص نے پیرس میں جا کر بون مارشے (Bon Marché) یعنے اچھا سودا یا اسی قسم کے دو دوسرے تجارتی مخزن
دیکھے تو گویا اُس نے پیرس کا ایک بہت ضروری جزو نہیں دیکھا۔ میں
نے سنا ہے کہ اب سب سے بڑی دکانیں نیو یارک اور شکاگو میں ہیں
کہ جن میں ایک ایک وقت میں کئی کئی کروڑ روپیہ کا ہر قسم کا مال تجارت
بکثرت جمع رہتا ہے اور جنہیں سٹور کہتے ہیں۔ لیکن پیرس کے مگازین
(مخزن) اور لنڈن ولیم واٹلی کی دکان بھی امید ہے کہ امریکہ کے سٹوروں
سے کسی طرح سے کم نہ ہونگی۔ البتہ برلن کی جس بڑی دکان کو میں نے اس
سے پہلے دیکھا ہے وہ باوجود اپنی عظمت کے بون مارشے سے بڑی نہیں۔
بون مارشے ایک عظیم الشان دکان پیرس میں اس قسم کی ہے کہ جس میں
انسانی ضرورت کی ہر چیز بکثرت مہیا رہتی ہے۔ سنہ ۱۸۵۲ء میں ایک غریب
آدمی کے بیٹے ارسٹائیڈ بوسی کالٹ نے چالیس سال کی عمر میں اس
دکان کو بلا کسی سرمایہ کے بہت حقیر پیمانہ پر جاری کیا۔ لیکن اس شخص
کے پاس ہرچند کہ دولت نہ تھی مگر ایک ایسا دماغ ضرور تھا کہ جس میں عجب
نہیں بھرا ہوا تھا۔ اُس نے وہ بین ایسے اصول اپنی دکان کے لئے مقرر
کئے کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں گاہک اُسکی دکان کی طرف جھک پڑے۔ اور

دکان دن بدن ترقی کرتے کرتے عظیم الشان مخزن بنگئی۔ اسکا پہلا اصول یہ
تھا کہ نفع تھوڑا ہو اور سودا بہت بکے۔ اسباب سب اعلیٰ درجہ کا ہو۔
اور قیمتیں مقرر ہوں تاکہ بغیر سر دردی کے ہر شخص کو اچھی چیز مناسب قیمت پہ
مل جائے۔ اسکے علاوہ اس نے یہ طریقہ بھی اختیار کر لیا کہ جس کسی کو سودا
خریدنے کے بعد کوئی چیز پسند نہ آئے وہ واپس کر دے اور اپنے دام لیلے
ان باتوں کے ساتھ اس نے اپنے مال کا اشتہار بھی بہت عمدہ پیرائے
میں دینا شروع کیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۵۲ء سے ۱۸۶۳ء تک اس کی بکری
ساڑھے چار لاکھ فرانک سے ستر لاکھ فرانک تک بڑھ گئی۔ اس شخص کے
مرنے پر اس کی بیوی نے دکان کا کاروبار سنبھالا۔ اور ہر چند کہ وہ ایک عام
تعلیم یافتہ عورت تھی مگر اس کی نگرانی میں بھی کارخانہ نے بڑی ترقی کی۔ اس
میاں بیوی کی کوئی اولاد نہ تھی۔ بیوی نے اپنے مرنے کے وقت دکان
کی ملکیت ان ملازموں اور کلرکوں میں تقسیم کر دی جو اس وقت اس کارخانہ
میں تھے۔ چنانچہ اس وقت اس دکان کے مالک پانچ سو حصہ دار ہیں جو
سابق کلرک یا ان کے وارث ہیں۔ ۱۸۸۰ء میں اس دکان کے ہر حصہ کی
قیمت پچاس ہزار فرانک قرار پائی تھی۔ لیکن دن بدن ایسی اس قدر
کامیابی ہو رہی ہے کہ اب ہر حصہ تین لاکھ بیس ہزار کا ہو گیا ہے۔ اور
اٹھارہ ہزار فرانک سالانہ اسکا منافع ہے۔ پانچ سو سودا بیچنے والی عورتیں
اس دکان میں ملازم ہیں کہ جن میں سے چوتھا حصہ اسی مکان میں رہتی ہیں
اور انہیں خوراک پوشاک سرما میں آگ اور تفریح کا سامان دکان کی طرف
سے دیا جاتا ہے۔ جو لوگ اس دکان کو دیکھنا چاہتے ہیں وہ اگر ساڑھے
تین بجے شام کے دکان سے متعلقہ ریڈنگ روم میں جہاں ہر قسم کے
اخبار پڑے رہتے ہیں بیٹھیں تو ایک ترجمان ان کے ساتھ چلکر انہیں تمام
دکان دکھلا دیتا ہے۔ ۲۰ نومبر کو ہر سال بدمال کم قیمت پہ نکال دیا جاتا ہے۔

گراں مگاسین دولوور

اسی پیمانہ کی اور اسی اصول کے ایک دوسری بڑی دکان پیرس میں اس نام کی ہے جو عجائب گھر لوور کے قریب واقع ہے۔ اس میں بہتر مہینے میں [illegible] میں مختلف اقسام کا مال بکتا ہے اور اس میں بھی سودا بیچنے والی لڑکیاں سب عورتیں ہی ہیں۔ یہ ۱۸۵۵ء میں بطور شراکت تین شخصوں کے قائم ہوا۔ پہلے سال کے آخر میں نفع صرف پانچ فرانک ہوا۔ ایک شریک چھوڑ گیا۔ باقی دو شخصوں نے پندرہ لاکھ کے سرمایہ سے مشترکہ کمپنی بنائی۔ جس کا ہر حصہ پانچ ہزار فرانک کا تھا۔ ۱۸۹۸ء میں ایسے ہر حصہ سے ۲۰ ہزار فرانک یا قریب چار سو فیصدی کے منافع ہوا۔ اور کل سالانہ بکری ۱۲۵ کروڑ فرانک کو پہنچ گئی۔ یہاں بھی لووور کی طرح علاوہ لفٹ کے اوپر کی منزلوں پر چڑھنے کے لئے ایسے متحرک پلیٹ فارم ہیں جن کا نمائش گاہ پیرس کے متعلق ذکر ہو چکا ہے۔ میں نے اس وقت اندازہ کیا تھا کہ شاید پچاس ہزار کل گاہک اور تماشائی [illegible] اس دکان کی سب منزلوں میں ہوں گے۔ شالیں شامیانے [illegible] سے [illegible] گدیلیاں پردے قالین غرض ہر چیز جو خیال میں آ سکتی ہے یہاں [illegible] سے [illegible] کا تھا۔ مگر میں نے یہاں سے [illegible] کوئی چیز نہیں لی [illegible] لوگ دکان [illegible] سے کسی [illegible] بے [illegible] کم اتفاق ہوتا ہے کہ جو لوگ [illegible] دکان کے اندر گھستے ہیں کوئی نہ کوئی چیز خرید لیں۔

بازار ہوٹل ڈاویل

پیرس میں اور بھی کئی ایک بڑی بڑی دکانیں ہیں لیکن ان میں سے بازار ہوٹل ڈاویل میں ایک خصوصیت ہے۔ اور وہ ایک ظاہری لحاظ سے [illegible] لوور [illegible] کی طرح بہت بڑا اہل تجارت کا مخزن ہے۔ مگر [illegible] خصوصیت سے لحاظ رکھا گیا ہے کہ غریب لوگوں کی ضرورت کی سب چیزیں یہاں مہیا کی گئی ہیں۔ گو وہاں کے غریب لوگوں کی استعمال کے قابل چیزیں ہمارے یہاں کے امیروں کے سامان

سے ابھی ہیں۔ یہ مکان بھی چار پانچ منزل کا ہے اور اس میں ہر ایک چیز بہتات سے جمع کی گئی ہے۔ زیورات، برتن، کھلونے، کپڑے اور ہر ایک ضروری اور غیر ضروری چیز موجود ہے۔ لیکن سب سستی قیمت کی چیزیں ہیں۔ مگر بالکل خوشنما اور ستھری بنی ہوئی ہیں۔ یہاں میں نے ایک پرند شکار کرنے کی نرالی چیز دیکھی۔ اس میں چھوٹے چھوٹے چمکدار شیشے جڑے ہوتے ہیں۔ اس کو دھوپ میں ہاتھ میں لے کر گھمانے سے کھیت کے جانوروں کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں اور وہ گرنے لگتے ہیں جبکہ آسانی سے انہیں شکار کر سکتے ہیں۔ اس دوکان کے مالک نے بھی میں نے سنا کہ بہت دولت کمائی تھی۔ "ہوٹل ڈاویل" فرانسیسی زبان میں ٹاؤن ہال کو کہتے ہیں اور چونکہ یہ دوکان پیرس کے ٹاؤن ہال کے متصل واقع ہے اس لئے اس کا یہ نام مشہور ہے۔

پیرس کے زیر زمین راستہ میرے دوست کے ایک دوست نے وعدہ کیا کہ وہ مجھے نقشہ یورپ اور ... میں تخت سر پر سے آ کر گاڑی تیار کر دکھلائے گا ہر چند کہ میں وقت مقررہ پر اس کے پاس پہنچ سکا مگر وقت مقررہ کے گھنٹہ بعد پہنچا۔ تاہم وہ شب میں میرے ساتھ چلنے کو آمادہ ہوا۔ میں نے پیرس کے راستے کافی طور پر نہ جاننے کا عذر کیا۔ ٹاؤن ہال کے پاس پیرس کے نئی زیر زمین ریلوے میں سوار ہو کر میں پلاس ڈی لوور کو گیا تھا۔ یورپ میں یہ پہلی زیر زمین ریلوے تھی جس پر میں سوار ہوا تھا اور پیرس میں یہ لائن حال ہی میں تیار ہوئی ہے جو برقی طاقت سے چلتی ہے۔ زمین کے اندر اتر جانے سے آگے ایک بہت بڑا اسٹیشن دیکھا۔ پلیٹ فارم نظر آتا ہے۔ ہر طرف برقی روشنی سے دن چڑھا ہوا ہے۔ ہزاروں عورتیں مرد ٹکٹ لے کر بھاگتے پھرتے یا ریل پر سوار ہو رہے تھے۔ غرض میں بھی بیٹھ گیا۔ اور انسانی صنعت کی ترقی پر عش عش کرنے لگا۔ زمین کے اندر جو راستہ بنایا گیا ہے۔ اس میں چھت اور دیواروں پر سفید چینی سے

روغن کی ہوئی اینٹیں لگائی گئی تھیں۔ اس سے پہلے انگلستان وغیرہ ممالک میں جہاں زیر زمین ریلیں چلتی تھیں بوجہ انجنوں کے دھوئیں کے اُن کے راستے ذرا بہت میلے ہو گئے تھے۔ مگر برقی طاقت سے چلنے والی لائنوں کی سڑکیں ہمیشہ ستھری رہیں گی ✦

فلٹر یہ صاحب خود ایک فلٹروں کا کارخانہ رکھتا ہے۔ اور چھوٹے چھوٹے فلٹر بنانے کے علاوہ شہروں کی آبرسانیوں کے لئے بڑے فلٹر بھی بہم پہنچاتا ہے۔ اسکا نام مسٹر بار روسن ہے۔ اس نے مجھے کئی طرح کے فلٹر دکھلائے۔ اور اُن کے پانی صاف کرنے کی قابلیت کا اس طرح امتحان کرایا کہ ایک ٹب میں کچھ مٹی اور کوڑا کرکٹ ڈالدیا۔ اور اس گدلے پانی میں ایک فلٹر مع پمپ کے لگا دیا۔ پانی پمپ کے راستہ سے اوپر چڑھتا تھا اور فلٹر سے صاف اور پینے کے قابل بنا کر نیچے گرتا جاتا تھا۔ ہندوستان میں بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں لوگوں کو جوہڑوں اور تالابوں کا گدلا پانی پینا پڑتا ہے کہ جس سے رشتہ وغیرہ طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اگر سارے گاؤں میں ایک ایک ایسا فلٹر بھی رکھدیں تو کافی ثابت ہو ایسے ایک فلٹر کی قیمت آٹھ دس روپیہ سے زیادہ نہ ہوگی۔ فلٹر دیکھنے کے بعد ہم بوآ ڈا بولون سے گذر کر ایک قریب کے گاؤں کو گئے ✦

دنذ مین اور سیپ بوآ ڈا بولون پیرس کا مشہور پارک ہے۔ اور ویانا اور برلن دونوں شہروں کی پارکوں سے بڑا اور بہت زیادہ خوبصورت ہے۔ عالی شان درختوں کی قطاروں کے درمیان سے کیسی خوبصورتی سے سڑکیں نکالی ہیں اسی میں ایک طرف پیرس کی گھوڑ دوڑ کا میدان ہے۔ اور گرینڈ سینڈ کتنا بڑا ہے۔ دوسری طرف پانی کا ایک قطعہ ہے۔ آبشار کتنا بڑا ہے۔ باوجود موسم درست نہ ہونے کے کس قدر شوقین لیڈیوں اور جنٹلمینوں کی گاڑیاں اوپر سے گذرتی ہیں۔ بیسیوں اسٹیشن اور بہت سے قہوہ خانے ہر طرف

ہیں۔ یہاں کے مزدوری پیشہ اور دستکار لوگوں میں رسم ہے کہ شادی کے
بعد سب سے پہلے اس پارک میں میاں بیوی ضرور گلگشت کریں اور یہاں کے
کسی ریسٹورنٹ میں کھانا کھائیں۔ اسلئے جمعہ، ہفتہ اور اتوار کو یہاں بہت سے
نئے بیاہے ہوئے جوڑے نظر آتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ عموماً ہفتہ کے انہیں
دنوں میں شادی کرتے ہیں۔ ہم نے منزل مقصود پر پہنچ کر ایک کارخانے
میں مختلف قسم کے واٹر پمپ دیکھے۔ یہیں ایک ونڈمل (ہوا سے چلنے
والی کل) کام کرتی ہوئی دکھلائی گئی۔ جو زمین پر تیس گز کی گہرائی سے پمپ کے
ذریعے پانی کھینچ رہی تھی۔ ونڈمل کے صرف آہنی پنکھوں کی قیمت علاوہ
قیمت فریم کے سات سو فرانک اور پمپ کی قیمت دو سو فرانک تھی۔ پانی
ایک معمولی کوئیں سے نکال کر ایک زمین سے دس بارہ گز بلند حوض میں انچ
ڈیڑھ انچ کی نال کے ذریعے ڈالا جاتا تھا۔ ایک دوسرا ہاتھ سے گھمانے والا
پمپ میں نے پسند کیا جس کی قیمت پچھتر فرانک تھی۔ اور اس کی زنجیر اور
ربڑ کے لٹوؤں کی قیمت ۱۱ فرانک فی گز۔ میرا اب تک یہ خیال ہے کہ ونڈمل
ہندوستان کے زمینداروں کو کنوؤں سے پانی نکالنے میں بڑی مدد دیگی۔
اور اگر اس میں کامیابی ہو گئی تو ملک میں ہزاروں ونڈملیں لگ جائینگی۔ اس
وقت اس بات کا اندیشہ ہے کہ ہندوستان میں ہوا بہت کم اور نہایت غیر
مقررہ طور پر چلتی ہے۔ کبھی تو آندھی آجاتی ہے۔ اور کبھی پتا تک نہیں ہلتا۔
پہلے تو مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کے میدانوں میں بھی ونڈمل بہت
کام دے سکتی ہے۔ بالفرض اگر ہر روز ہوا موافق نہ ملے تو بھی دوسرے تیسرے
دن یا رات میں جب ہوا ذرا تیز ہوئی اور ونڈمل خود بخود پانی بلندی پر پہنچا دے
گی۔ لیکن اگر میدانوں میں کامیابی نہ ہوئی تو سمندر کے کنارے اور پہاڑوں کے
دامنوں میں جہاں پانی کی ضرورت ہوئی وہاں یہ صنعت کا خدمتگار کام دیگا۔
اس میں بیل جوتنا پڑیگا نہ انجن کی طرح ایندھن ڈالنا پڑیگا سوائے ابتدائی

خرچ کے جو اس کی قیمت ہوگی۔ میرے خیال میں اگر کوئی ایک صاحب یا چند صاحب ملا کر چھ سات سو روپیہ چندہ جمع کر کے تجربہ کے لئے ایک [illegible] منگالیں تو وہ ملک کے زمینداروں اور کاشتکاروں پر بڑا احسان کریں گے۔

یورپ کے ملاقاتی

مکینکل تعلیم اور چھپائی کی کلیں اور اخباروں اور کتابوں کے سامان دیکھنے میں مجھے خوش نصیبی سے پیرس کے ایک ایسے شخص سے مدد ملی جو وہاں کے [illegible] سوسائٹی کا سکرٹری اور ایک فیشن کے تصاویر کے رسالہ کا ایڈیٹر تھا۔ مجھے اتفاق سے اس کے نام ایک ایسی معرفت کی چٹھی مل گئی تھی کہ جس سے وہ خود میرا خاص ادوست بن گیا۔ اور اس نے تمام [illegible] بڑے بڑے چھپائی کے کام دکھلانے میں مجھے [illegible] یورپ میں لوگ کیسے بہت ہوتے ہیں [illegible] اخلاق اور ادبیت بھی ایسے [illegible] لوگوں کے پاس ان کے دوستوں یا شہروں کی انٹروڈکشن کے خطوط لیکر میں گیا۔ وہ [illegible] اخلاق [illegible] سے پیش آئے۔ ایک آدھ وقت کھانے یا چلنے پر [illegible] کے قدردانی کے لئے مناسب سمجھا جاتا ہے اور اگر ان کی ضیافت [illegible] ریسٹورانٹ میں کھانا کھانا پڑے تو قیمت وہ [illegible] گاڑی وغیرہ کا کرایہ بھی خود دیتے ہیں لیکن زیادہ دیر کے لئے ان پر بوجھ ڈالنا نامناسب ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ شبلیمین جس کا [illegible] فارسی نستعلیق ٹائپ کی تلاش میں مجھے فرانس کے [illegible] کی ایک نمائش میں لے گیا۔ یہاں میں نے کئی عربی فارسی خوشخط ٹائپ میں چھپی ہوئی کتابیں دیکھیں جو فرانس کے گورنمنٹ پریس میں چھپتی ہیں۔ مگر تعجب ہے کہ ان میں سے بعض بالکل فروخت نہیں کی جاتیں [illegible] نستعلیق ٹائپ بھی فروخت کیا جاتا ہے جو اس پریس میں بنتا ہے۔ اس پر مجھے اس پریس کے دیکھنے کا شوق ہوا

اس کے دیکھنے کی اجازت کا ٹکٹ یہیں سے ملتا تھا ہم ٹکٹ لیکر پیرس کے
ایک دور دراز حصہ میں اس مطبع میں پہنچے ۔

پیرس میں مستعمل کتابوں کی منڈی

راستہ میں پیرس کا مشرقی زبانوں کا مدرسہ دیکھا
اور نیز پیرس کی پرانی کتابوں بیچنے والوں کا بازار آیا۔ کہ جہاں اس کے ہمدرد
تین فرنچ سے پنجید میں نے کتابیں تلاش کیں ہمارے رفیق نے جو بڑا علم دوست
آدمی ہے یہاں دو جلدیں علم تمدن کی پرانی کتابوں کی دو فرانک میں خریدیں
اور مجھے کہا کہ یہاں لوگوں کو پڑھنے کا اتنا شوق نہیں جتنا انگلستان میں ہے
اور جو اہل فرانس پڑھتے بھی ہیں وہ پرانی کتابوں کا شوق نہیں رکھتے یہیں
کی مستعمل کتابوں کا بازار اسلئے دوست لوگوں کی نظر میں بڑے مشہور جگہ تھے۔
اس کا نام سینٹ میشل ہے اسی موضع میں پیرس کے تمام کالج اور
سکول اور زیادہ تر دوسرے کتب فروشوں کی دوکانیں ہیں مستعمل کتابوں کی دکانیں
رسائل وو دکانیں نہیں۔ دریا جو اس بازار کے بیچ سے گذرتا ہے اس کے ایک
کنارہ پر بازار کی حفاظت کے لئے جو دیوار کمر تک بلند کی ہے اس کے سب
پر دو تک سینکڑوں صندوق جڑے ہوئے ہیں۔ یہی مستعمل کتابوں کی
دکانیں ہیں کئی بوڑھیا عورتیں اور مرد جو کہ دوکاندار ہیں ایک یا دو یا چار
صندوقوں کے مالک ہوتے ہیں جن میں پرانا کوڑا کرکٹ بھرا ہوا ہوتا ہے
گو اسی کوڑے میں بعض جواہرات بھی چھپے رہتے ہیں ۔

پیرس کا سرکاری مطبع

غرض جب ہم امپریری نیشنال Impremerre
Nationat مطبع سرکاری کے صحن میں پہنچے تو ہم سے
پہلے ایک خاصا مجمع تماشائیوں کا یہاں موجود تھا۔ جو ہماری طرح
نمائش گاہ سے اس جگہ کے دیکھنے کے ٹکٹ لے آئے تھے
صحن میں گٹن برگ سیسہ کے حروف کے موجد کا رنگیں بت نصب
تھا۔ یہ اتنا بڑا مطبع تھا کہ دو گھنٹہ میں بمشکل اس کی

سب شاخوں میں پھر سکتے تھے۔ ہر مشرقی اور مغربی زبان کے ٹائپ یہاں موجود تھے۔ بوجہ ضیق وقت ہم نے صرف عربی فارسی ٹائپوں اور کتابوں اور چھاپنے کی کلوں کا دیکھنا کافی سمجھا۔ یہاں ایک قرآن شریف خوشخط ٹائپ میں چھپ رہا تھا۔ جسکے گرد بہت بھاری مینا کاری اور سنہری بیل چھپ رہی تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ دو سال میں ختم ہوگا۔ معلوم ہوا کہ جو کتابیں گورنمنٹ فرانس فروخت نہیں کرتی وہ اس کے مقبوضات اسلامی کے دفاتر اور حکام کے استعمال کے لیے چھاپی جاتی ہیں۔ منجملہ قابل فروخت کتابوں کے یہ بھی تھیں :-

پتھر کا مطبع

یہاں سے ایک اور پتھر پر رنگین چھاپنے کا مطبع دیکھنے گئے۔ جہاں گیس انجن سے کئی پریس اور مشینیں چل رہی تھیں۔ اور کئی رنگین کام چھپ رہے تھے۔ ایک کاغذ پر کئی رنگ چھاپے گئے تھے۔ مینیجر نے کہا اس قسم کا اچھا کام تین دن میں پانچ چھ سو سے زیادہ نہیں چھاپ سکتا۔ کتب، پوسٹروں اور تصویروں کے ڈیزائن سجا کے کاپی پر بنا لینے کے پتھروں پہ ہی بناتے ہیں۔ اور بعض اوقات کاغذ پر بنا کر پتھر پر منعکس کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ ہمارے یہاں پتھر کے چھاپہ خانہ میں ہر جگہ ہے۔ کاتب خود کاپی کا کاغذ تیار کر لیتا ہے۔ وہ ایسا نہیں کرتے۔ اس کام کا ایک علیحدہ کارخانہ ہے۔ کاپی لکھنے کی سیاہی کا بھی کارخانہ علیحدہ ہوتا ہے۔ اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ جتنا کام کسی کارخانہ کی تفصیلی ہوتا ہے اس میں وہ خوب ترقی کرتا ہے۔ یورپ میں لوگ اس اصول کو خوب سمجھتے ہیں کہ کسی کام کا جتنا چھوٹے سے چھوٹا جزو ہو سکے اُسے اختیار کر کے اس میں اصلاح اور ترقی کریں۔ میرے رفیق نے کہا کہ جتنے نفیس یورپ کے چھپے ہوئے نقشے دیکھا کرو سمجھ لیا کرو کہ بڑی محنت۔ توجہ اور زیادہ خرچ سے تیار کیے گئے ہیں۔ کچھ کاغذ عمدہ ہوگا۔ کچھ سیاہی اچھی ہوگی اور کچھ مصالحہ اچھا ہوگا۔ یہ مطبع چھاپنے کی سیاہی کا وارنش بھی خود نہیں بناتا۔

بلکہ یہی بنائی سیاہی خریدتا ہے جو ہماری اپنی بنائی سے اچھی ہوتی ہے۔ میں نے مینجر سے درخواست کی کہ مجھے اپنی کاپی کے کاغذ پر اپنی سیاہی سے کچھ لکھنے دو اور میرے سامنے اُسے پتھر پر چھاپ کرو۔ کیونکہ اُس نے کہا تھا کہ ہم لوگ کاپی چھاپنے کے لئے پتھر گرم نہیں کرتے۔ اسنے کہا پرسوں تمہارے سامنے ایسا تجربہ کی فرصت ہوگی۔ چنانچہ ۴ اگست کو ہم پھر وہیں پہنچے۔ مینجر نے مجھے تھوڑا سا آرشدہ کاغذ دیا۔ جو معمولی سریش اور ذرا سے میدہ کی مایہ سے رنگا ہوا تھا۔ کاپی کی سیاہی بھی میرے سامنے بلا گرم کرنے کے گھولی گئی۔ میں نے ایک فارسی زبان کا شعر لکھا۔ اور اُسی وقت ایک مختصر سے دستی پریس میں جو اسی کام کے لئے مخصوص تھا اور جس کی داب صرف ایک شخص دبا سکتا تھا بلا پتھر گرم کرنے کے اُسے پتھر پر چھاپ دیا گیا۔ مینجر نے کہا پتھر گرم کرنے سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ حالانکہ تمام ہندوستان کے پتھر کے چھاپہ خانوں میں ہر روز پتھر گرم کئے جاتے ہیں۔ نرمی کے لئے بجائے چوپ بالشتہ کے پانی کے گندھک کا تیزاب پتلا کیا ہوا تیزاب استعمال کیا گیا۔ جس سے چھاپا بہت نفیس آتا ہے۔ پھر رنگین تصویروں کے دھاگے ٹھیک نیچے اوپر چھاپنے کی تدبیر بتائی۔

رنگ چھاپنے کی مزید حالات

رنگ چھاپنے کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے مسٹر ایاس نے نمایش گاہ کی رنگین تصاویر کے سیکشن میں مجھے اپنے رسالہ کے فیشن کی تصاویر بھی دکھلائیں۔ یورپ کو کاریگروں اور کارخانہ داروں نے جس کوشش سے بیچ بیچ چیزیں دکھلائی تھیں اسکا کسی قدر اندازہ اسی سے کہ دوست کے کارخانہ کی نمایش سے کیا جا سکتا ہے۔ اس کارخانہ سے ایک ہفتہ وار لیڈیوں کے فیشنوں کا باتصویر رسالہ اور ایک اعلیٰ درجہ کا ماہوار رسالہ دس رنگین تصاویر سمیت شائع ہوتا ہے۔ یہ آخری رسالہ دنیا بھر کے فیشن کے رسالوں میں فرد ہے۔ اور یورپ کی ملکہ اور شہزادیاں

اس کی سرپرستی میں۔ چونکہ پیرس فیشن کے معاملہ میں تمام یورپ اور امریکہ کا
لیڈر ہے اور فیشن کے ہر سال بدلنے اور ہر ماہ اس میں نئی تجاویز اور اختراعیں
ہونے سے پیرس اور تمام یورپ کے لاکھوں درزیوں کے کارخانے مصروف
رہتے ہیں اور کروڑہا روپیہ یورپین عورتوں کے اس پر ہر سال خرچ ہو جاتے
ہیں۔ پہلے اس کارخانہ کی عمداری کچھ کم تھی اور اس نے اسے اس طرح پورا
کیا کہ [illegible] سے پیشتر [illegible] تک ہر سال کے پیرس کی عورتوں کی پوشش
کی عمدہ تصاویر بہم پہنچا کر نمائش میں رکھیں۔ اس ایک سو سال میں جس قدر
یورپ کی عورتوں کے لباس کی قطع وضع میں فرق آیا ہے اور کسی بات میں
نہیں آیا ہوگا۔ یہ فیشن کا تغیر بیشک دیکھ کر مجھے ان مطابع کے دیکھنے کا شوق ہوا
کہ جہاں ایسی خوبصورت تصویریں چھپی تھیں۔

رنگین فوٹوگرافی چنانچہ ایک فرانسیسی دوست نے مجھے وہ بھی چھپتی دکھلائیں۔
یہاں ایک تصویر تین رنگوں سے پلیٹ پر چھپ رہی تھی۔ معلوم ہوا کہ فوٹوگراف
میں رنگین تصویر درست کرنے کو پہلے ایک پلیٹ لیتے ہیں جس میں سب کچھ
آجاتا ہے۔ پھر شیشہ لگاتے ہیں۔ پھر سبز یا نیلگوں شیشہ لگا کر ایک اور
پلیٹ لیتے ہیں اور پھر [illegible] شیشہ لگا کر اور لیتے ہیں۔ ان تینوں پلیٹوں کو
اپنے اپنے رنگ [illegible] کے اوپر چھاپتے ہیں۔ تو تصویر مکمل
ہو جاتی ہے۔ یہ طریقہ نہایت آسان ہے۔ ان مشینوں پر ہر کاغذ میں پن لگا کر
بٹھاتے ہیں تاکہ [illegible] سرک نہ جائے۔ ایک گھنٹہ میں پانسو کاغذ سے
زیادہ نہیں چھپ سکتے۔

دھات سے تصویریں [illegible] ایسی اور بھی جگہ جا کر دیکھے، دھات سے لگی جاتی ہوئی نقش کی
تصویریں بھی دیکھیں۔ مجھے اس بات کا خیال بھی نہیں گذر سکتا تھا کہ پیرس یا لنڈن
کے کسی [illegible] سے لگی ہوئی تصویریں بھی چمک دمک دکھا سکتی ہیں لیکن
واقعی ایسا [illegible] ایک پلیٹ میں تصویر کا اتنا حصہ کہ جس پر

کوئی خاص رنگ کرنا مطلوب ہو کاٹ دیا جاتا ہے جیسی کہ [illegible] پلیٹ بنتی ہے
اور پھر اس کے ساتھ عورتیں اور لڑکے اس پلیٹ کو جیسی ہوتی تھی [illegible] رکھ کر ایک
پٹے سے برش سے رنگ پھیری جاتی ہے اس طرح ایک ایک تصویر پہ
دس دس رنگ کر لئے جاتے ہیں یہ رنگ بہت عمدہ تھے اور بڑی جلدی
بھی ہو رہے تھے۔ ان رنگ کرنے والی عورتوں اور لڑکوں کو [illegible] ایک
رنگ کا واش دینے کی اجرت صرف ایک پینی [illegible] دیکھا گیا کہ یورپ
میں جہاں دولت اور شان و شوکت بے حد ہے [illegible] غربت کی بھی انتہا
نہیں۔ اسی مکان کے نچلی منزل میں ایک [illegible] لڑکیاں بنا رہا
تھا کہ جیسے لاہور میں بھی کی شاخوں کی [illegible] مکار کیا
تھیں کبھی اس بات کا بھی خیال آیا تھا کہ [illegible] ایسے
ایسے غریب لوگ بھی بسر کرتے ہیں [illegible]

بہت بڑا آتش فروش راستہ میں ایک [illegible] معلوم
ہوا کہ یہ کارخانہ پیرس میں سب سے بڑا آتش فروش [illegible] الہامی
[illegible] اور اسے [illegible] برستی
[illegible] خود چھاپتے ہیں [illegible]
ایک برج مکان کے چاروں طرف [illegible]
ہیں اور مکان کے اندر [illegible] دکان کی بارہ
شاخیں ہیں یہاں سے [illegible] ایک جنتری
الیمنک [illegible] جیسی [illegible]
تھے ہر چند انگلستان کی مشہور [illegible] الیمنک [illegible]
ہے اور الیمنک [illegible] زبان میں [illegible]
کی طرح ہر سال چھپتی ہے تمام یورپ میں [illegible] الیمنک
[illegible] ان سب سے کسی نہ کسی پہلو میں فائق ہے۔

فوٹو پراسس سے تصویروں کے بلاک

مجھے فوٹو پراسس کے معلوم کرنے کا بھی شوق تھا۔ یہ وہ طریقہ ہے کہ جس کے ذریعے سے یورپ کے اخبارات میں خوبصورت دانہ دار تصاویر فوٹو گرافوں سے نقل کر کے چھاپی جاتی ہیں۔ برلن میں بھی میں نے اس بارہ میں استفسار کئے تھے۔ لیکن پیلز کے اخبار پیٹی بلو کے دفتر کے مصور نے مجھے پتہ دیا کہ میں پیرس یا لنڈن میں لے ڈبلیو پیروڈانیہ کمپنی کی دکانوں سے اس بارہ میں مدد طلب کروں۔ میں نے اپنے دوست مسٹر ایپاس سے اس بارہ میں بھی مدد طلب کی۔ اور اُسکی معرفت پیٹے نیپروز کمپنی کے مینجر سے ملاقات کی۔ اس نے بتلایا کہ اگر میں ۱۱ × ۹ انچ کی پلیٹ کے ہاف ٹون یعنی عکسی تصاویر کی نقل کرنا چاہتا ہوں۔ تو اسکے کل سامان پر چار پانچ ہزار فرانک سے کم خرچ نہ ہونگے۔ اور علاوہ اسکے چونکہ میں فوٹو گرافی بھی نہیں جانتا مجھے اس کام کے سیکھنے میں دو تین مہینے لگ جائیں گے۔ گو اس جواب سے میری ہمت ٹوٹ گئی تاہم میرے دوست نے بذریعہ ٹیلیفون ایک کارخانہ کو مجھے کام سکھلانے پر آمادہ کر دیا۔ لیکن جب پیرس کے پرلے سرے پر ہم اُن کے مکان پر پہنچے اور اُنھوں نے مجھے ہاف ٹون کا سامان دکھلایا اور بتلایا کہ اس کی قیمت آٹھ دس ہزار فرانک ہے اور طریق سمجھایا تو مجھے خیال ہوا کہ اسکی قیمت کے علاوہ اور کوئی مشکل اس کام کے ہندوستان میں جاری ہونے کے راستہ میں نہیں ہے۔ لیکن میرے حالات نے مجھے اس سفر میں ادھر توجہ کرنے کی اجازت نہ دی۔ اور میرے دوست نے صلاح دی کہ بہتر ہے ہندوستان جا کر کسی دوسرے شخص کو اس کام کے سیکھنے کے لئے یورپ بھیجو۔ سو اب میں دیکھتا ہوں کہ ہندوستان میں آٹھ دس انگریزی اور دیسی کارخانے ہاف ٹون تصاویر چھاپنے لگے ہیں ◆

فرانس میں آرٹ کی ترقی

فرانس میں گورنمنٹ کو آرٹس (فنون) کی ترقی کی طرف بڑی توجہ اور گورنمنٹ اس بارہ میں تین مختلف صورتوں میں اپنا

فرض ادا کرتی ہے۔ اوّل بحیثیت اُستاد کے گورنمنٹ بہت سے آرٹس کے مدارس چلاتی ہے۔ اور بعض جو پرائیویٹ کوشش سے چلتے ہیں انہیں مالی امداد دیتی ہے۔ پیرس کا مشہور نیشنل سکول آف فائن آرٹس جسے وانقارلنگ یونیورسٹی سے تشبیہ دیتے ہیں ۱۷۹۳ء سے جاری ہے۔ نقاش سنگتراش۔ بُت ساز۔ انگریز ر کندہ کرنے والے، اور معمار وہاں ایسی تعلیم حاصل کرتے ہیں کہ جنکے ذریعے سے فرانسیسی آرٹ یورپ کے ممالک میں سر برآوردہ ہے۔ اس عظیم الشان مدرسہ میں ایک بیش قیمت کتبخانہ خصوصاً فنون نفیسہ کے متعلق اور ایک بہت بڑا مجموعہ فنون نفیسہ کے نادر نمونوں کا جمع کیا گیا ہے۔ جو طالب علم نیشنل سکول آف فائن آرٹس سے نقاشی مصوری اور بُت سازی وغیرہ سے فارغ ہو چکتے ہیں ان میں تکمیل تعلیم کے لئے روم داٹلی) کے اکیڈیمی آف فرانس میں بھیجا جاتا ہے۔ یہ اکیڈیمی گورنمنٹ فرانس کے خرچ سے اٹلی میں قائم ہے۔ کیونکہ اٹلی ابھی تک مصوری اور سنگتراشی وغیرہ میں یورپ کا اُستاد سمجھا جاتا ہے +

اسی طرح گورنمنٹ فرانس چینی کے کام کے اور ٹیپسٹری کی قسم کے قالین بنانے والے مشہور کارخانوں سرویس۔ سے گوبلین۔ اور بوے کو مالی امداد دیتی ہے۔ کیونکہ ان کارخانوں سے صرف یہ مقصود نہیں ہے کہ یہاں سے بیش قیمت چینی برتن اور ٹیپسٹریاں یورپ کے سلاطین اور امرا کو تحفے دینے کے لئے بنتی ہیں۔ بلکہ یہ کارخانے چینی برتنوں اور ٹیپسٹری قالینوں کے مدرسے کا کام دیتے ہیں۔ اور آرٹ کی اس شاخ کا معیار بلند رکھنا ان سے مقصود ہے۔

فرانس نے ۱۷۸۹ء کے مشہور انقلاب سلطنت کے زمانہ سے کونسے ویٹار داموزیک اے و اڈیکلامیشون ڈ زبانی اور مزامیر کی موسیقی کا مدرسہ جاری ہے۔ کہ جہاں سرکار کی طرف سے لوگوں کو زبانی اور مزامیر کے ذریعے سے علم موسیقی میں تعلیم دی جاتی ہے۔ اور جو لڑکے یہاں تعلیم ختم کر لیتے ہیں انہیں

اکیڈمی آف فرانس میں تکمیل تعلیم کو بھیجے جاتے ہیں اور فارغ ہونے کے بعد
ان میں سے ان لوگوں کو کہ جنہوں نے اپنے فن میں انعام حاصل کئے ہیں فرانس
کے ان تھیٹروں میں نوکر رکھنے میں ترجیح دی جاتی ہے کہ جنہیں سرکار مالی امداد دیتی ہے

حقیقت یہ ہے کہ پیرس کچھ بھی نہیں ہے اگر وہاں آرٹ نہیں ہے بازار یا
گلی میں سے گزرتے ہوئے آپ کی نظر جس در و دیوار پر پڑے گی آپ کو وہیں فنون
نفیسہ کے نمونے نظر آئیں گے پیرس [illegible] آرٹ کے دلفریب نمونوں سے پُر ہے اور
اگر تمہیں نقاشی اور مصوری کا ذرا بھی شوق ہے تو تم عجائب گھر لوور یا اسوسا ایشن
دی اسوسا ایشن [illegible] فرانس [illegible] میں چلے جاؤ
تو مصوری، نقاشی اور بت تراشی کے بے انتہا عجائبات میں محو ہو جاؤ گے۔

آرٹ کے علاوہ اور اعلیٰ مدارس کے ہونے کی انتہا اکیڈمی فرانس [illegible]
پر ہوتی ہے [illegible] یونیورسٹیوں سے فراغت حاصل کرکے ہر ایک فرانسیسی
عالم کو انسٹیٹیوٹ آف فرانس کے ممبر بننے کا شوق ہوتا ہے فرانس میں یہ درجہ
کسی کی لیاقت کا اعلیٰ درجہ کا [illegible] کیا جاتا ہے انسٹیٹیوٹ آف فرانس کے
ماتحت پانچ اکیڈمیاں ہیں (۱) اکیڈمی فرانس (۲) اکیڈمی دی سائنس (۳) اکیڈمی
دی [illegible] (۴) اکیڈمی [illegible] (۵) اکیڈمی دی [illegible]
سائنس [illegible] اکیڈمی کے چالیس ممبر
ہوتے ہیں [illegible] سائنس اور
ڈاکٹری کے اکیڈمیوں کے ممبر چالیس سے زیادہ ہوتے ہیں [illegible] ایک ممبر
اپنے [illegible] اکیڈمی [illegible] کے [illegible]
[illegible] اکیڈمی [illegible] تو وہ [illegible]
[illegible]

[illegible] بھی
خاص توجہ کی جاتی ہے [illegible] آرٹ کی [illegible] خاص توجہ

نافذ ہے ۔

اور سوم سلطنت نے خود بہت سی پبلک عمارات تعمیر کرائی ہیں۔ اور جو عمارات اس کی نگرانی اور انتظام میں ہیں ان کی مکمل آرائش تعمیر اسکا فرض ہے۔ اس سے مختلف معماروں اور کاریگروں کے مابین آپس میں مقابلہ کا خیال ترقی کرتا ہے جو آرٹ کی ترقی کے لئے بہت ضروری ہے۔

فرانسیسیوں اور جرمنوں کا مقابلہ

ایک روز آشنا سے گفتگو میں ایک تجربہ کار انگریز سے کہ جس نے پیرس کی سکونت اختیار کی ہے۔ لیکن اپنے آپ کو اہل امریکہ کی نیچرلائزڈ رعایا بنایا ہوا ہے کیونکہ یوروپ میں جو شخص جس ملک کی رعایا بننا چاہے بعض معمولی قواعد کی پابندی سے بن سکتا ہے، اہل جرمنی کا ذکر آیا۔ اور جو خیالات ایک ایسے تجربہ کار شخص نے اہل جرمن اور فرانس کی نسبت ظاہر کئے مناسب معلوم ہوا کہ میں بھی نوٹ کر لوں۔ متکلم کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ اہل جرمن نہایت بد باطن بلکہ شیطان ہیں۔ گو آئندہ زمانہ میں محض محنت اور سخت جانی کی وجہ سے وہ ایک بڑی قوم ہو جانے والے ہیں۔ جرمن بڑے مکار اور ظالم ہیں۔ ان میں دل ہی نہیں کہ ظلم کی تمیز کر سکیں اور اس بات کی تائید میں یہ مثال بیان کی۔ کہ مثلاً ایک فرانسیسی اور ایک جرمن جنرل لاکھ لاکھ آدمی کی فوج میدان جنگ میں ایک دوسرے کے مقابلہ میں لڑتے ہیں۔ فرانسیسی جنرل جب دیکھے گا کہ اس مقابلہ میں اسکے ایک ہزار آدمی تلف ہو جائینگے تو وہ ایسا نرم دل ہے کہ وہ مناسب سمجھے گا کہ بہتر ہے کہ میں شکست مان لوں بہ نسبت اسکے کہ ایسے ایک ہزار آدمی مارے جائیں کہ جنکے بال بچے اور بیویاں زندہ ہیں۔ لیکن جرمن جنرل اگر دیکھے گا کہ اسکے نوے ہزار آدمی ایسے جانے کے بعد ایک ہزار آدمی فتح حاصل کر لینگے تو وہ اپنے نوے ہزار آدمیوں کے کٹوا دینے میں ذرا تامل نہیں کریگا۔ چونکہ ان لوگوں میں محنت کرنے آگے بڑھتے چلے جانے اور آئندہ نسل کی ترقی کی امید پر محنت شاقہ کرنے کی

کافی سمجھ موجود ہے۔ یقین ہے کہ یہ نابکار قوم ایک وقت صرف اپنے استقلال اور محنت کی وجہ سے دنیا کی سب قوموں سے آگے نکل جائیگی۔ ہرچند کہ اہل جرمن بڑے کوڑ مغز اور بھدی طبیعت والے ہیں۔ انہوں نے دنیا کے سامنے بڑی ایجاد پیش نہیں کی۔ مگر لگاتار محنت اور معمولی لیاقت سے انہوں نے یہ درجہ حاصل کرلیا ہے اور فرانسیسیوں کی نسبت کہا کہ ان کی قسمت میں تباہی لکھی جاچکی ہے۔ مگر یہ بڑے نیک طینت اور رحمدل لوگ ہیں ؎

انگریزوں کی حالت

انگریزوں کی نسبت اثنائے گفتگو میں یہ ریمارک نہایت غمخواری سے کیا۔ کہ اس قوم کی اول درجہ کی سلطنت کی شہرت تو یقیناً آئندہ چند سال میں تباہ ہوجائیگی۔ کیونکہ ان کی تباہی شروع ہوچکی ہے۔ (یہ وسط ۱۹۰۰ء زمانہ جنگ ٹرینسوال کے دوران کے خیالات ہیں۔ ایڈیٹر)۔ اگر تیس سال اس سے پہلے انہیں ایک اچھی سی شکست مل جاتی تو وہ اسوقت دنیا میں بڑی زبردست قوم ہوتی۔ مگر بوجہ زیادہ دولتمند ہوجانے کے اُن کے قومی دل پر چربی چڑھ گئی ہے۔ اور اب سوائے ان کے دنیا میں سپانیہ کی طرح ذلیل ہوکر رہنے کے اور کوئی چارہ نہیں رہا۔ ٹرینسوال میں اس قدر تکلیف اٹھانے پر بھی اکثر انگریز اپنے زعم باطل میں اپنے آپ کو فاتح سمجھتے ہیں۔ میں پندرہ سال سے ان کے زوال کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ اور اس میں زیادہ قصور مسٹر گلیڈسٹون کا ہے جو بڑا ریاکار اور طالب شہرت تھا۔ میں باوجود انگریز ہونے کے اسی زمانہ سے انگلستان کی سکونت چھوڑ کر امریکہ کی رعایا بن گیا ہوں ؎

ایک سوشلسٹ سے گفتگو

پیرس کے رہنے کے دنوں میں اتفاقاً ایک روز کھانے پر ایک سوشلسٹ خیالات کے شخص سے بہت لمبی چوڑی گفتگو چھڑگئی۔ یورپ کی سوشلسٹوں کے جو قصے اخباروں اور کتابوں میں پڑھے تھے آج ان کی تصدیق کا موقع ملگیا۔ یہ شخص بڑا تعلیم یافتہ اور نیک محض

معلوم ہوتا تھا۔ میں اس کی گفتگو کا خلاصہ اپنی یادداشت سے نقل کر دیتا ہوں۔
اسکا خیال تھا کہ دنیا میں کسی شخص کے پاس کوئی ذاتی جائیداد نہیں ہونی چاہئیے
اور نہ لوگ جائداد پیدا کرنے کے لئے محنت اور مشقت کی تکلیف گوارا کیا
کریں۔ ہر شخص اس قدر سمجھدار ہو جائے کہ اپنی روٹی کمانے کی ضرورت کے مطابق
تین چار گھنٹے کام کرے۔ اور پھر فارغ رہے۔ سچی خوشی جس چیز کا نام ہے وہ
اسی طرح حاصل ہوتی ہے۔ نہ کہ بہت سا روپیہ کما لینے سے جو دوسروں کا حق
غصب کر کے جمع کیا جاتا ہے۔ اگر سب لوگ ان خیالات سے متفق ہو جائیں
تو نہ سوسائٹی کو کسی عدالت کی ضرورت رہیگی نہ پولیس اور قید خانہ کی
اور سب آزاد آدمی رتبہ میں ایک دوسرے کے برابر ہو جائیں گے۔ ایک
میں سے اعتراض کیا کہ اگر عدالتیں نہ رہیں تو فرض کرو کہ ایک شخص کی خوبصورت
لڑکی یا دلربا بیوی جو اس کی جائداد نہیں ہے۔ ان میں سے ایک کو کوئی شخص
چھین کر لیجائے۔ تو اسے کون سزا دیگا۔ اس نے کہا اگر عورت اس مرد سے
محبت رکھتی ہے کہ جسکے ساتھ وہ بھاگ جاتی ہے تو دوسرے مرد کا اسپر کوئی
حق نہیں ہے۔ کہ جس سے اسے محبت نہیں اور جس سے کہ اس نے بے
وفائی کی ہے۔ اور اگر وہ شخص جبراً اس عورت کو چھین کر لے گیا ہے تو وہ
سوسائٹی کا ایک مریض ممبر ہے۔ اور اسکے دماغ کا علاج کرنا چاہئے۔
میں نے کہا یہ جیلخانے ایسے ہی مریض ممبروں کے دماغوں کے علاج کرنے
تو ہیں کہ جن کی آپ ضرورت نہیں دیکھتے۔ ایک دوسرے سوشلسٹ صاحب
نے جو پاس بیٹھے تھے کہا کہ ایسے شخص کو مار ڈالنا چاہئے تاکہ سوسائٹی اس سے
نجات پا جائے۔ میں نے کہا تم لوگوں کا آپس میں بھی تو اتفاق نہیں ہے
اس پہلے سوشلسٹ صاحب نے کہا کہ ہاں ابھی کئی امور ایسے ہیں کہ جن پر
ہم سب متفق نہیں۔ یہ شخص فلاسفی پڑھتا ہے اور خوب سوچتا ہے۔ کہتا
ہے کہ امریکہ میں جا کر میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ انسان رہنے کے لئے ایسے

مکانات بھی بنا سکتا ہے کہ جن میں پاخانہ وغیرہ اٹھانے کے لئے نوکر کی ضرورت نہ رہے۔ جن میں واٹر ورکس کے پانی کی طرح آگ کی بھاپ بھی تقسیم ہوا کرے تاکہ لوگ اسپر کھانا پکالیں۔ کوئی کسی کا نوکر نہ ہو۔ سب لوگ اپنا کام خود کرلیا کریں۔ میں نے کہا غالباً دنیا تو ہر روز اسکے خلاف ترقی کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا نہیں لوگ سچی خوشحالی کی حقیقت کو سوشلزم میں تسلیم کرنے لگے ہیں۔ میں نے کہا جمہوری سلطنتوں کا امپیریلسٹ ہو جانا تو اسکے خلاف دلیل ہے۔ انہوں نے کہا اصل میں سلطنتیں اور قومیں وہ الگ چیزیں ہیں۔ قوموں کو بعض بے اصول اخبار نویس جو چاہتے ہیں سمجھا کر پھیر لیتے ہیں۔ مثلاً انگلستان میں چند آدمی جنوبی افریقہ کے جنگ کو خواہاں تھے۔ اخبارات نے حب الوطنی کا نام لے کر سب کو گرما دیا۔ قوم تو پہلے جنگ نہیں چاہتی تھی۔ مگر آخر جنگ پر آمادہ ہوگئی۔

انگریزوں کا ہندوستانیوں سے سلوک

پھر ذکر آگیا کہ انگریز ہندوستان میں دیسیوں سے کیسا سلوک کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص نے جو سیاح بھی تھا بتلایا کہ میں نے دہلی کے ایک ہوٹل میں کھانے کی فہرست کے آخر میں چھپا ہوا دیکھا ہے کہ "مہمانوں کو چاہئے کہ زیادہ سختی نہ کیا کریں۔" جس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ حسب ضرورت نوکروں کو بے شک مار لیا کریں۔ یہ بات ایک سوشلسٹ صاحب نے کہی تمہیں چاہئے کہ ہندوستانیوں کو سمجھاؤ کہ اگر کوئی انگریز تم سے سختی سے پیش آئے اور تم پر حملہ کرے تو تم بھی ترکی بترکی جواب دیا کرو۔ میں نے کہا مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے زمانہ سب سے اچھا استاد ہے لیکن جب ہندوستان میں پہنچ کر میں نے ایک دوست سے دہلی کے ہوٹل کا یہ قصہ سنایا کہ جسے بارہا دہلی کے ہوٹلوں میں کھانا کھانے کا اتفاق ہوا ہے۔ تو اس نے کہا کہ میں نے کبھی دہلی کے کسی ہوٹل میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھی۔ بلکہ ہوٹلوں کے خدمتگار صاحب لوگوں کو

اس قدر دھوکے دیتے ہیں اور دق کرتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں انگریزوں کا تحمل قابل تعریف نظر آتا ہے۔ ایک اور قصہ انہیں سیاح صاحب نے انگریزی افسروں کے مغرور ہونے کی تصدیق کے طور پر سنایا کہ ایک مرتبہ میں جاپان کو گیا تو ہندوستانی فوج کا ایک انگریز لفٹنٹ بھی میرے ہمراہ تھا۔ سب سے پہلے جاپانی بندرگاہ میں پہنچکر جب ہم نے جن رکشا گاڑیاں کرایہ کیں۔ تو گاڑی میں بیٹھ کر انگریز نے قلی کو ٹھوکر ماری۔ غالباً اُسکا مطلب یہ تھا کہ قلی جلدی نہیں چلتا تھا۔ اسپر جاپانی قلی نے گاڑی رکھ دی اور لفٹنٹ صاحب کو گاڑی سے باہر نکال کر ایسا مارا کہ دھنک کر رکھ دیا۔ اور پھر گاڑی میں بٹھا کر لے چلا۔ اس فوجی افسر کا ہندوستانی قلیوں کا تجربہ جاپانیوں پر قابل افسوس ناکامی ثابت ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جاپانیوں کے ادنےٰ درجہ کے لوگ بھی سلف ریسپکٹ کو بخوبی سمجھنے لگے ہیں ◆

خوبصورت پیرس اور باخلاق اہل پیرس

شہر پیرس سچ ہے خود دنیا کا بہشت ہے۔ انہیں میں نے اسکے لئے ایک نئی تعریف تجویز کی ہے۔ قدیم زمانے میں روما الکبریٰ کو دنیا کی ملکہ کہا کرتے تھے۔ میں چاہتا ہوں پیرس کو دنیا کی شہروں کی دُلہن کہا جائے۔ واقعی بلحاظ اپنے بازاروں کی آراستگی اور صفائی اور اپنی عمارتوں کی عظمت اور خوبصورتی کے یہ شہروں میں نئی نویلی دلہن کی طرح مستانہ ہے۔ لندن اس سے بہت بڑا شہر ہے۔ مگر ایسا خوبصورت۔ ایسا شاندار اور ایسا دلکش نہیں۔ پیرس کے چند بازار جو بہت کھلے ہیں۔ اور جن میں میلوں تک دورویہ سرسبز شاندار درخت چلے گئے ہیں کہ جنہیں ایونیو Avenue کہتے ہیں۔ اس دلہن کے خوبصورت چہرے کی ناک ہیں۔ پیرس کی ہر بات میں سلیقہ اور نفاست ہے۔ لندن میں بڑائی اور عظمت ہے۔ ہرچند کہ بجائے خود پیرس ایسا دولتمند شہر نہیں جیسا کہ لندن ہے۔ لیکن تمام یورپ و امریکہ کے بڑے بڑے دولتمند لوگ ہرسال لاکھوں اور کروڑوں روپیہ [illegible]

پیرس کے لہو و لعب پر خرچ کر کے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں۔ گویا پیرس ایک بازاری عورت ہے کہ جس کا حسن ہمیشہ یکسار رہتا ہے۔ اہل پیرس کیسے زندہ دل، کیسے خوش طبع اور کیسے ملنسار اور مہربان ہیں۔ مجھ پر کیا حصر ہے۔ کوئی شخص جو پیرس میں چند روز رہ آیا ہو۔ اسے بھول نہیں سکتا کہ ہر ایک مرد یا عورت جس سے تمہاری ملاقات ہو چکی ہر ایک خدمتگار عورت یا راستہ چلتا بچہ تمہیں "موسیو" (صاحب میاں صاحب) کہہ کر بات کریگا۔ اور اُن کے منہ سے یہ لفظ کیسا پیارا معلوم ہوتا ہے۔ ایک روز ایک چھوٹے سے لڑکے سے میں نے راستہ پوچھا اور اُس نے بڑی آمادگی اور جیسی متانت اور ادب سے جواب دیا کہ میں دنگ ہو گیا۔ مگر اس پر بھی عقلمندوں اور زمانہ کے تیور پہچاننے والے عاقبت اندیشوں کا خیال ہے کہ فرانسیسی قوم دُنیا میں اب زیادہ ترقی نہیں کرے گی۔ یہ لوگ زیادہ عیش میں ڈوب گئے ہیں۔ طبعاً فرانسیسی سہولیت اور آرام طلب ہیں۔ محنت کرنے کے لئے تو اینگلو سیکسن قومیں بنی ہیں۔ جفاکشی میں جرمن اور امریکن ممتاز ہیں۔ اور ایک انگریز جنٹلمین نے ایک روز شائستہ گفتگو میں نہایت مؤثر پیرایہ میں مجھے بتلایا تھا کہ آئندہ زمانے میں جرمن سب سے بڑی ہونے والی قوم نظر آتی ہے۔ گو وہ جرمنوں کو سخت ناپسند کرتا تھا۔ مگر ان میں استقلال سے محنت کرنے کی صفت عجیب ہے۔ بقول اس انگریز کے جرمنوں میں رحمدلی تو کیا دل ہی نہیں ہے البتہ فرانسیسی نہایت نیکدل اور رحمدل لوگ ہیں۔

اولاد کی قلت

فرانس میں بڑی قباحت مجھے قومی نظر سے یہ معلوم ہوئی کہ بوجہ تزئین اسباب معاشرت کے لوگ زیادہ اولاد پیدا کرنا پسند نہیں کرتے اور مصنوعی وسائل سے صرف ایک یا دو بچوں سے زیادہ توالد روک دیتے ہیں۔ ایک شخص نے ہنسکر اپنی بیوی کے سامنے مجھ سے کہا کہ اگر میں صاحب قدرت ہوتا۔ تو میری بیوی کے ہر سال ضرور ایک بچہ پیدا کیا کرتی۔ ہم ہندوستانی

لوگوں بلکہ تمام اہل مشرق کو اولاد اور ثروت و شادی کے درمیان کبھی کوئی تعلق معلوم کرنے کا خیال بھی نہیں ہوا۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جو خدا منہ پیدا کرتا ہے وہ دان کھلانے کو بھی دیتا ہے۔ سچا لیکہ ہندوستان کے تعداد کی نسبت ذکر کرتے ہوئے ایک یورپین نے مجھے کہا کہ اگر ہندوستانی ذرا سمجھ کر نسل بڑھائیں تو قحط سے تو نہ مرا کریں۔ اسکا خیال ہے کہ جو لوگ اپنی روٹی بھی نہیں کما سکتے۔ وہ شادی کر کے بچے پیدا کرنے شروع کر دیتے ہیں۔ تو سوسائٹی (تمدن) پر ظلم کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ عیش پسند فرانسیسی ہندوستانیوں سے زیادہ ظلم تمدن پر کرتے ہیں۔ سنہ ۱۸۹۵ء کی اعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک فرانس میں سال بھر میں کل (۸۳۴۱۷۳) بچے تولد ہوئے۔ جو پچھلے دس سالوں کی اوسط سے قریب دس ہزار کے کم ہیں۔ اور اسی سال میں (۸۵۲۲۳) فرانسیسی مرے۔ اور (۲۸۲۵۷۱) شادیاں ہوئیں۔ گو سنہ ۱۸۷۰ء سے اب تک کسی سال میں اتنی نہیں ہوئی تھیں۔ گو فرانس کی تمام آبادی اڑتیس ملین ہے۔ اور جرمنی کی چھپن ملین۔ لیکن جرمنی میں ایک سال کے اندر (۱۹۵۲۲۳۱) بچے پیدا ہوئے۔ جس سے آسانی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ اگر اہل فرانس نے عقل سے کام نہ لیا اور بچے پیدا ہونے کے قدرتی طریقہ کی بدستور مزاحمت کرتے رہے تو ایک روز ان کی قوم بہت گھٹ جائے گی۔ اور اہل جرمنی بڑھتے بڑھتے فرانس پر قابض ہو جائینگے ۔

عجائب گاہ لوور پیرس میں بہت سے عجائب خانے۔ بہت سی قابل دید تاریخی عمارات۔ بہت سے تصویر خانے۔ ووچڑیا گھر۔ بوڈاپولون نامی بہت بڑا پارک۔ نپولین کی قبر اور آور بے شمار عجیب چیزیں ہیں۔ اور میں نے ان کا بہت سا حصہ دیکھا ہے۔ لیکن ان سب کا مختصر ذکر کرنا بھی یہاں ممکن نہیں اس لئے دو تین چوٹی کے مقامات کا ذکر کرتا ہوں۔ لوور ایک عظیم الشان اور نہایت شاندار سلسلہ عمارات بلکہ محلات کا پیرس میں واقع ہے۔ جو متواتر کئی بادشاہان

پیرس نے تعمیر کرا کر ختم کیا۔ اور نپولین اعظم نے اس قصر میں مع اپنے
خدم وحشم کے سکونت اختیار کی۔ یہ محل تمام یورپ میں بلحاظ خوبی تعمیر ممتاز
مکان سمجھا جاتا ہے۔ دونوں پہلوؤں پر عالی شان سہ منزلہ عمارات ہیں اور بیچ
میں کھلا صحن اور باغ ہے۔ اب اسکے ایک حصہ میں تو بعض سرکاری محکمے
ہیں اور ایک حصہ میں تصویرخانہ یعنی پکچر گیلری ہے جو ۱۷۹۳ء میں یہاں کھولی
گئی ہے۔ اس ایک تصویرخانہ میں اتنی تصویریں ہیں کہ بقول بیڈیکر گائیڈ بک
کے مشہور بیان کے کہ اگر دو گھنٹے متواتر چلتے رہیں تو صرف اوپر کی تصویروں
کے سب کمروں سے سرسری نظر مار کر نکل سکتے ہیں۔ ہاشٹ کی اینگلو امریکن
گائیڈ بک میں لکھا ہے کہ لوور کو اچھی طرح دیکھنے کے لئے پورے آٹھ روز درکار ہیں
یورپ کے چوٹی کے مصوروں اور استادوں نے جو صدہا سال میں جگر کاوی
کی ہے اور سینے نکال کر رکھ دیئے ہیں۔ کوئی کیسا ہی ناقدردان بھی کیوں ہو
ممکن نہیں کہ جا بجا کھڑا ہو کر کسی دردناک نظارہ۔ کسی منہ سے بولتے چہرے
کسی حسن وعشق کے واقعہ کسی رزم یا بزم کے نقشے کو نہ دیکھے۔ اور کہیں کہیں
اُس کی موٹی بے حس جلد کے نیچے اسکے دل کی حرکت تیز نہ ہو جائے۔ خلاصہ
یہ ہے کہ نپولین اور اُس کی سپاہ اپنے عروج کے زمانے میں تمام یورپ
کے بڑے بڑے شہروں خصوصاً روم (اٹلی) کے عجائب خانوں اور پرائیوٹ
مجموعوں سے تمام اعلےٰ درجے کی تصویریں چھین جھپٹ لاتے تھے۔ جو نپولین
کے تنزل کے بعد بھی تاجداران یورپ کو پیرس سے سب تصویریں چھینے
کی جرأت نہ ہوئی۔ مگر اسکے علاوہ جمہوریہ فرانس نے نہ صرف ورسائی کے
محلات سے یہاں تصویریں لا کر رکھیں بلکہ بہت سا روپیہ بھی اچھی تصویریں
خرید کرنے پر خرچ کیا۔ اور کئی محب الوطن فرانسیسیوں نے اپنے بیش قیمت مجموعے
لوور کی نذر کر دیئے۔ لوور میں علاوہ تصویرخانہ کے بہت بڑا عجائب خانہ عجائبات
چینی و نمونہ ہائے سامان مصر و نمونہ ہائے جہازات جنگ کا بھی موجود ہے پہلی

منزل میں سنگ تراشی کی صنعت کے اعلیٰ نمونے جمع ہیں۔ ایک جگہ سلاطین
فرانس کے تمام شاہی زیورات اور نادر الوجود قیمتی سامان مع جواہرات رکھا ہوا ہے
ایک تاج میں بڑے بڑے ہیرے جڑے ہیں۔ ایک دستہ شمشیر بھی چھوٹے
ہیروں سے مرصع تھا۔ برٹش میوزیم کہ جسکا ذکر میں آگے کروں گا بہت بڑا عجائب
گھر ہے لیکن آرٹ کی خوبی کے لحاظ سے لوور کو ہرگز نہیں پہنچ سکتا کہ جس میں
تمام یوروپ کے استاد مصوروں کی کاریگری کے نمونے جمع کئے گئے ہیں ۰

ورسیلیز کے عجائبات لوور تو بیشک پیرس کی ناک ہے۔ لیکن شہر پیرس سے اٹھارہ
میل کے فاصلہ پر شہر ورسیلیز میں (جسکو فرنچ ورسائی کہتے ہیں) اور جہاں فرانس
کے بادشاہوں کے شہر سے باہر کے محلات کئی پشتوں تک رہے ہیں۔
تصویروں اور بتوں کا مجموعہ اور بھی بے نظیر ہے۔ یہ شاہی محلات بڑے رفیع
اور وسیع ہیں۔ انہیں دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ بادشاہان فرانس کیسے عیش
اور آرام سے زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ مگر باوجود اس کے اُن کی ہستی بھی بے ثبات
ہوتی ہے۔ اِن عالی شان عمارتوں کے سینکڑوں کمرے بڑی بڑی قیمتی تصویروں
سے سجے ہوئے ہیں۔ جو زیادہ تر فرانس کی تاریخ کے متعلق ہیں۔ جس طرح
برلن کے زیوگ ہاؤس میں چند تصاویر میں جرمنوں کی فتوحات جنگ دکھلائی
گئی ہیں۔ یہاں صدہا تصاویر میں فرانس کے میدان کارزار کی کامیابیاں
دکھلائی گئی ہیں۔ ان میں سے بہت سی تصاویر میں مسلمان صورتیں بھی
نظر آتی ہیں۔ کیونکہ صلیبی جنگوں سے لے کر اہل فرانس نے جس جنگ
میں شرکت اختیار کی ہے اُس کی تصویر یہاں موجود ہے۔ نپولین کی مصر
پر چڑھائی اور فرانسیسیوں کی مسلمانان الجیریا سے لڑائیاں سب آنکھوں
کے سامنے پھر جاتی ہیں۔ ایک جگہ نپولین کی شاہ پرشیا کی بیوی سے ملاقات
کی تصویر دکھلائی گئی ہے۔ جسے نپولین نے کہا تھا کہ میں تمہاری بیوی سے
ہم بستری کروں گا۔ اور ایسا ہی کیا۔ مجھے میرے رفیق نے بتلایا کہ جرمن اس

کینہ کو اب تک فراموش نہیں کر سکتے۔ علاوہ نپولین کے مصر اور شام کی
فوج کشی کے صلیبی جنگوں کی تصاویر بھی بہت ہیں۔ جن میں عموماً عیسائیوں کو
مسلمانوں پر کامیاب دکھلایا گیا ہے۔ ایسے کہتے ہیں ع ولیکن قلم در
کفِ دشمن است۔ نپولین کی زندگی کے آخری سالوں میں سے تو سنہ ۱۸۱۰ء
سے یہ کہ ہر سال کے لئے ایک کمرہ تصاویر کا مخصوص ہے۔ اور تاریخ
فرانس کے قریب ہر نامور شخص۔ بادشاہ۔ وزیر یا سپہ سالار کے بُت
نچلی منزل کے برآمدوں میں رکھے ہیں۔ لیکن مکان کے باہر وسیع حوض
اور فوارے کہ جنکا پانی رنگی مچھلیوں مینڈکوں۔ کچھوؤں اور گھڑیالوں کے
منہ سے نکلتا ہے۔ مع سبزہ روشوں اور سربفلک درختوں کی قطاروں کے
عجیب بہار دکھلاتے ہیں۔ جس نظارہ کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں [illegible]
بمشکل اُس کی ہیئت کا کچھ خیال پیدا کر سکتے ہیں۔ جہاں تک نظر جاتی ہے
محل کے سامنے دونوں طرف درختوں کے گھنے جنگل کے درمیان ایک راستہ
سبزہ زار کا چلا گیا ہے۔ جس کے دونوں طرف قدیم قوموں کے دیوتاؤں
اور ناموروں کے بُت سے بُت نصب ہیں اور بیچ میں پانی کی جھیل
ہے۔ ان بڑے محلات سے قریب ایک میل کے فاصلہ پر جنگل میں دو چھوٹے
محلات موجود ہیں کہ جن میں سے ایک لوئیس چہاردہم شاہ فرانس نے اپنی
مسٹرس (آشنا) میڈم ڈومینٹی نان کے لئے تعمیر کرایا تھا۔ یہ مکان اتنا
عالی شان نہیں جیسے بیش قیمت فرنیچر سے سجایا گیا ہے۔ اور جو اُس زمانہ
سے لے کر اب تک اُسی جگہ احتیاط سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔ نپولین اعظم
سنہ ۱۸۱۰ء میں۔ لوئیس پانزدہم اور نپولین سنہ ۱۸۱۰ء میں اس محل میں فروکش
رہے۔ آج بوجہ اتوار کے ہجوم تماشائیوں کا بے حد تھا۔ اور فوارے عجب لطف
پیدا کر رہے تھے۔ پیرس سے یہاں جس ریل میں آئے تھے اُس کی
گاڑیاں دو منزلہ تھیں۔

پیرس کی گاڑیاں

اب ایک ذرا سی جھلک پیرس کی عام زندگی کی دکھلانا چاہتا ہوں۔ ان شہروں میں اس بات سے میری طبیعت بہت اکتاتی تھی۔ کہ یہ اتنے وسیع ہیں کہ دو مختلف مکانوں کے درمیان کئی کئی میل کی مسافت حائل ہے۔ تاہم یہاں کے طے مسافت کے سامان یعنی گھوڑوں سے چلنے والی سستی بسیں اور ٹریم کاریاں اور یہاں کی برقی اور دخانی ٹریم اور ریلوے گاڑیاں۔ جو زمین کے اوپر اور زمین کے نیچے یکساں چلتی ہیں۔ فاصلہ کے قطع کرنے میں نہایت کار آمد چیزیں ہیں۔ اسی لئے ان بڑے بڑے شہروں خصوصاً لنڈن اور پیرس اور برلن کے بہت لوگ بوجہ سکنی مکانات کے کرایہ کی زیادتی کے شہروں سے باہر مضافات میں رہتے ہیں۔ دن کو شہر میں کام کاج کر کے شام کو سستی ریلوں پر سوار ہو کر پانچ پانچ۔ دس دس۔ پندرہ پندرہ میل شہر سے دور چلے جاتے ہیں اور رات کو گھر میں سو کر صبح پھر کام کاج یا ملازمت کے لئے شہر میں حاضر ہو جاتے ہیں۔ اس واسطے ان شہروں کی دن کی آبادی اور رات کی آبادی میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ پیرس کے کھلے بازاروں میں گھوڑا گاڑیوں کا دستور عام ہے جو ہزارہا وکٹوریہ گاڑی کی قسم کی ہیں۔ تاہم شوقین اہل پیرس موٹر کار کے بڑے فدائی ہیں۔ یہ گاڑی گیس کے انجن یا برقی طاقت سے چلتی ہے۔ اور ایک منٹ نہیں گذرتا کہ کسی مشہور سڑک پر تمہارے سامنے سے دو چار موٹر کار گاڑیاں فر فر کرتی ادھر ادھر نہ گذر جائیں۔ لنڈن میں تو ان کا سواں حصہ بھی موٹر گاڑیاں نہیں دیکھیں عام گاڑیبانوں کی پوشاک ایسی ستھری اور کالر اور نکٹائی ایسے صاف ہوتے ہیں کہ ان پر کبھی گاڑیبان ہونے کا ظن نہیں ہو سکتا۔ اگر گاڑی سے دور ہوں۔ یہ سب پڑھے لکھے ہوتے ہیں۔ تم نے جہاں جانا ہو انہیں کہہ دو یا اگر تم اجنبی ہو اور نام کا بخوبی تلفظ نہیں کر سکتے تو لکھا ہوا دیدو یہ تمہیں لیجائینگے مجھے زبانی نام بتلانے میں ایک دفعہ بڑا دھوکہ ہوا تھا۔ جرمنی سے مجھے ایک

صاحب نے اپنے پیرس کے ایجنٹ کے نام چٹھی دی کہ وہ مجھے کسی قسم

مزیدار غلطی

کی مدد دیگا۔ اسکا مکان پیرس کے ایک بازار رو شاتوڈان
میں تھا۔ رو شاتوڈون لکھنے میں شاتوڈن Chateaudun ہوگا۔ پیرس میں
ایک دوسرا بازار ہے جو پہلے سے بہت دور ہے۔ رو شاتوڈو نامی ہے جو فرانسیسی
زبان میں شاتوڈو (Chateau d'eau) کی طرح لکھتے اور بولتے ہیں۔ میں نے گاڑیبان
کو بلا کر کہا کہ مجھے رو شاتوڈون میں لے چلو۔ اس کمبخت نے رو شاتوڈو سمجھا۔
اور ۲۵ نمبر کے مکان کے سامنے اتار کر دو فرانک کرایہ لے کر چلا گیا۔ پیرس میں
دستور ہے کہ کسی گاڑی پر ایک جگہ سے دوسری جگہ خواہ کتنی دور یا قریب ہو جاؤ
تو ڈیڑھ فرانک کرایہ اور نصف فرانک گاڑیبان کا ٹپ جو بمنزلہ کرایہ کے ہو گیا
ہے۔ دے دو۔ لیکن اگر گھنٹہ بھر کے لئے گاڑی کرایہ کرو۔ تو دو فرانک کرایہ
اور نصف فرانک ٹپ یعنی بخشش دو۔ جب میں مکان کے اندر گیا تو معلوم ہوا
کہ یہ رو شاتوڈو ہے اور رو شاتوڈون وہاں سے بہت دور ہے۔ چنانچہ ایک
دوسرے گاڑیبان کو گھنٹہ کے حساب سے لے کر وہاں گیا۔ زمین کے نیچے چلنے
والی برقی ریل تب بھی میں پہلے پہل پیرس میں سوار ہوا ؎

آمنی بس گاڑیاں

پیرس کی آمنی بس گاڑیوں کے کرایہ لمبے فاصلوں کے
لئے لنڈن سے بہت ارزاں ہیں۔ ایک شخص پندرہ سینٹیم یعنی ڈیڑھ پنس دیکر
گاڑی کی چھت پر سوار ہو سکتا ہے اور تین پنس دے کر گاڑی کے اندر
بیٹھ سکتا ہے۔ اور جہاں تک وہ گاڑی جاتی ہے بجائے لنڈن وغیرہ شہروں کے
اس سے بیش کرایہ نہیں مانگا جائیگا۔ بلکہ جو لوگ گاڑی کے اندر بیٹھتے ہیں انکا
یہ بھی حق ہوتا ہے کہ جہاں وہ گاڑی رکے اسی طرف اس سے آگے جانے والی
دوسری گاڑی کے لئے انہیں ٹکٹ مفت دیدیا جائے۔ کرسپانڈنس ٹکٹ
کہتے ہیں۔ چنانچہ کنڈکٹر مانگنے پر یہ ٹکٹ دیدیتا ہے۔ لنڈن اور پیرس دو
ایسے قریب قریب شہر ہیں تاہم ان میں بعض باتوں میں عجیب اختلاف پایا

جاتا ہے۔ لندن کی آمنی بس گاڑیوں میں بخلاف پیرس کی گاڑیوں کے جو لوگ چھت کے اوپر بیٹھتے ہیں۔ اور جو اندر بیٹھتے ہیں ان سے ایک ہی کرایہ لیا جاتا ہے۔ ایک اور نرالی رسم پیرس کی آمنی بس اور ریوے گاڑیوں کے اڈوں پر یہ دیکھی گئی کہ گاڑی کے آنے سے پہلے جتنے لوگ جمع ہو جاتے وہ اس آمنی کے سٹیشن سے گاڑی میں سوار ہونے کا حق پیدا کرنے کے لئیں کے ٹکٹ لے لیتے یہ ٹکٹ سو تک نمبروار بکسوں میں لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور جو شخص آتا ہے وہ پہلے ایک ٹکٹ ان میں سے اٹھا لیتا ہے۔ جس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ جب گاڑی یہاں آکر کھڑی ہوئی تو جتنے ٹکٹوں کے کم نمبر ہونگے وہ پہلے سلسلہ وار اس میں سوار ہونگے۔ کنڈکٹر سلسلہ وار ٹکٹوں کے نمبر پکار کر اور ٹکٹ کو چھینے لیکر لوگوں کو اندر داخل کرتا جاتا ہے۔ عموماً لوگ پہلے اوپر جاکر بیٹھتے ہیں اور جب وہ جگہ بھر جائے تو پھر دو چند کرایہ دیکر نیچے بیٹھتے ہیں۔ صرف مسافروں کی کثرت کی وجہ سے پیرس کی آمنی بسوں کو یہ طریق اختیار کرنا پڑا ہے۔ بعض انگریزوں نے خود میرے سامنے تسلیم کیا کہ پیرس کا یہ طریقہ لنڈن سے بہت اچھا ہے۔ آمنی بسوں کی کنڈکٹروں اور گھوڑا گاڑیوں کے کوچمینوں کے پاس تمام شہر کے گلی کوچوں کی فہرست ہوتی ہے۔ تاکہ نا واقفوں کو راستہ بتلا سکیں پیرس میں بعض ریوے گاڑیوں کو پہلو بہ پہلو تین گھوڑے جوتتے ہیں۔ اور کبھی حسب ضرورت اور دو گھوڑے ان کے آگے لگا لیتے ہیں۔ بارکشی کی بھاری گاڑیوں کے آگے کبھی دو تین تین گھوڑے ایک دوسرے کے آگے پیچھے جوڑ دیتے ہیں *

مزدور

مزدور یا خدمتگار اپنے کپڑوں کے اوپر ایک نیلا یا میلا کرتہ پہنے رکھتے ہیں۔ جو ٹخنوں تک نیچا ہوتا ہے۔ ایسا ہی نیلا کرتہ کئی غریب مائیں اپنے بچوں کو کپڑے پہنا کر اوپر سے پہنا دیتی ہیں کہ کپڑے میلے نہ ہوں۔ یہاں صرف پھول بیچنے کی بہت سی دکانیں اجنبی کو نرالی نظر آتی ہیں۔ اور ان کے علاوہ

میں نے دیکھا ہے کہ پیرس میں لوگ اخبار پیٹی (حسب طلب) کو جو زیادہ چھپتا
ہے۔ اور اخبار ماٹین (صبح) کو بھی بہت پسند کرتے ہیں۔ یہ دونوں نصف
پینی کے اخبار ہیں۔ مگر "فگارو" یا "گالوا" یا "ٹام" جو ڈیڑھ پینی کے پرچے
ہیں۔ یا جرنل ڈے ڈیبیٹ جو دو پینی یعنی بیس سینٹم کا ہے۔ اعلیٰ درجہ کے
اخبار شمار ہوتے ہیں۔ "آرور" "انفارسیجی" "سیاکل" "ریڈیکال" "ایکو ڈا پیری"
وغیرہ بہت سے دوسرے مشہور اخبار ہیں۔ کیونکہ شہر پیرس میں ۱۴۳ پولیٹیکل
اخبارات چھپتے ہیں۔ جن میں سے ۹۶ روزانہ۔ ۳۰ ہفتہ وار۔ ۲ پندرہ روزہ اور ۳
ماہوار ہیں۔ ان کے علاوہ ۱۹۹ ریویو یعنی رسالے چھپتے ہیں۔ لیکن بخلاف لندن
کے پیرس کے دو اخبارات کے ہفتہ وار ایڈیشن پیٹی جیرنن اور لی پیٹی جرنل
رنگین تصاویر سے مزین چھپتے ہیں۔ اور وہ بھی دس سینٹم یعنے نصف پینی یعنی ہندوستان
کے دو پیسے کو بکتے ہیں۔ ان کی ارزانی قابل تعریف ہے۔ پیرس کے اخبارات
میں یہ بڑا عیب ہے کہ بوجہ زیادہ آزادی کے بے لگام اور فضول بحث زیادہ ہیں۔
آپس میں بھی ایک دوسرے کے منہ آتے رہتے ہیں۔ اور پولیٹیکل پارٹیوں اور
دولتمند لیڈروں سے پولیٹیکل رسوخ بڑھانے کے لئے روپیہ کی مدد حاصل
کرتے ہیں۔ ورنہ مجھے ایک صاحب نے بتلایا تھا کہ یہ اپنا خرچ نہیں چلا سکتے۔
فرانسیسی زبان میں کتابیں ایسی ہی اچھی چھپتی ہیں۔ اور صدہا اور ہزارہا قسم
کی چھپتی ہیں۔ جیسی کہ انگریزی میں چھپتی ہیں۔ نمائشگاہ میں بہت سے پیرس
کے کتب فروشوں اور اہل مطابع نے اپنی کتابوں کے نمونوں کی نمائش کی تھی
تھی۔ کیا ہی عمدہ چھپائی۔ جلد بندی اور آرٹ کے کام کی غرض بہت بڑھا
ہوا ہے۔ اور کلوں اور دستکاری اور صنعت و حرفت میں تو اتنا بڑھا ہوا ہے
کہ مجھے اسکا کوئی علم نہ تھا۔

جرنل لی پٹی

پیرس میں میں نے دو تین اخبارات کے دیکھے جن
میں سے جرنل لی پٹی Journal le petit کے کچھ حالات بیان کیے

ضروری معلوم ہوتے ہیں۔ میں اس مطبع میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ ابھی ایک گھنٹہ کے
بعد یعنے پانچ بجے شام کے پیرس ایڈیشن چھاپنے کے لئے مشینیں چلیں گی۔
واضح رہے کہ دن میں اس عظیم الشان اخبار کے چھ ایڈیشن چھپتے ہیں۔ ان میں
سے پہلے ایڈیشن تو بذریعہ ریل اور ڈاک کے فرانس کے دور دراز مقامات
کو روانہ کئے جاتے ہیں۔ مگر شام کا ایڈیشن جس میں خبریں زیادہ ہوتی ہیں۔
پیرس میں تقسیم ہوتا ہے۔ جرنل لی پیٹی کی روزانہ اشاعت ڈیڑھ ملین یعنے
پندرہ لاکھ کاپی بتلائی جاتی ہے۔ اور یہ اشاعت تمام دنیا کے اخبارات سے
زیادہ ہے۔ مگر اس اشاعت کو حاصل کرنا اور اسے قائم رکھنا نہایت مشکل کام
ہے۔ اس کارخانہ میں تیس مختلف صیغے ہیں کہ جن کی مدد سے ہر کاپی جرنل کی
مکمل ہوتی ہے۔ اور انیس ہزار عورتیں مردان سب صیغوں میں کام کرتے
ہیں۔ تین چیف ایڈیٹر ہیں جنہیں مختلف حصے سپرد ہیں۔ کئی نائب ایڈیٹر اور
کئی ہزار نامہ نگار فرانس اور دنیا کے ہر حصے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ دفتر شب
و روز کھلا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اتوار کو بھی بند نہیں ہوتا۔ کیونکہ اتوار کو بھی جرنل
لی پیٹی برابر چھپتا ہے۔ بارہ مشینیں اسکو چھاپتی ہیں۔ ہر مشین چالیس ہزار
کاپی فی گھنٹہ کے حساب سے چھاپتی ہے۔ اور تین سو سٹیریو پلیٹیں بنانے پر بارہ
ہنڈرڈ ویٹ سیسہ ہی خرچ ہو جاتا ہے۔ ایک لاکھ بیس ہزار کاپی ہر روز مقررہ
خریداروں کو جاتی ہیں جنپر چالیس ہزار پونڈ سالانہ یعنے قریب چھ لاکھ روپیہ کے
محصول ڈاک دینا پڑتا ہے۔ اور باقی کاپیاں جو ریل کے ذریعہ سے ملک کے ہر
حصہ میں بنڈل باندھ کر بھیجی جاتی ہیں۔ ان پر ساٹھ ہزار پونڈ یعنے نو لاکھ روپیہ
صیغہ ریلوے کو دیا جاتا ہے۔ ۵۶۰ دریل کے لئے اخبار کے بنڈل بناتے ہیں۔
اور سو عورتیں ڈاک کے واسطے اخبار تہ کرتی ہیں۔ ان میں سے بعض ایسی مشاق ہوتی
ہیں کہ حساب فی گھنٹہ ایک ہزار پرچے لپیٹ کر ان پر ٹکٹ سے چپیں چسپاں کر
دیتی ہیں۔ ہر روز ایک چھوٹی سی جھیل لئی کی خرچ ہو جاتی ہے۔ اتنی بڑی

اشاعت والے اخبار پر جسقدر کاغذ خرچ ہوتا ہے مندرجہ ذیل اعداد سے آپ اسکا اندازہ کر سکتے ہیں۔ سال تمام میں ستاون کروڑ کاپیاں جرنل کی چھپتی ہیں۔ اسکے علاوہ پانچ چھ اور ہفتہ وار اخبار بھی اِس دفتر سے نکلتے ہیں۔ جن میں ایک ہفتہ وار جرنل لی پیٹی رنگین تصاویر کا پرچہ ہے۔ ایک زراعت کے لئے مخصوص ہے۔ ایک علمی مذاق کا پرچہ ہے۔ غرض ان سب کی مجموعی سالانہ اشاعت دس کروڑ تیس لاکھ ہے۔ تو کل سرسٹھ کروڑ تیس لاکھ کاپیوں پر ۹ ہزار ٹن (یا دو لاکھ اٹھاون ہزار من) کاغذ سال تمام میں صرف اس ایک اخبار کے کارخانہ میں خرچ ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ یہ کاغذ لکڑی سے بنتا ہے۔ اس لئے جنگلوں کے جنگل صرف ایک اخبار کے کاغذ کے لئے صاف ہو رہے ہیں۔ ریلوں کے مختلف سٹیشنوں پر اٹھارہ ہزار ایسے ایجنٹ موجود ہیں جو اخبار کے گٹھے پہنچنے کے بعد فوراً پیدل یا گھوڑا گاڑی یا بائیسکل کے ذریعے اپنے علاقہ میں اخبار تقسیم کرنے کو دوڑ جاتے ہیں۔ اس طرح فرانس کے ہر کونے اور گوشے میں جرنل لی پیٹی ہر روز ہر امیر و غریب تک کے ہاتھ میں پہنچ جاتا ہے۔ اسکے دفتر میں ایک نہایت مکلف کمرہ کونسل کے لئے بنایا گیا ہے جب کوئی پیچیدہ معاملہ آتا ہے تو چیف ایڈیٹر شہر کے بعض بارسوخ آدمیوں کو بلا کر ان سے بحث کر کے فیصلہ کرتا ہے اور جب مضامین ایسی تحقیقات سے لکھے جاتے ہیں تو پبلک ان پر کیوں اعتبار نہ کرے گی۔ غرض اس کارخانہ سے مالکوں کو بھی خوب منافع حاصل ہوتا ہے:

پیرس کے تھیٹر
اگر کسی چیز کو میں نے سب سے کم دیکھا ہے تو وہ تھیٹر ہیں جنمیں صرف دو مرتبہ پیرس کے تھیٹر دیکھنے کی نوبت آئی۔ اس خیال سے کہ پیرس میں کوئی بار بار تھوڑا ہی آتا ہے۔ ایک شب کو پیرس کے مشہور تھیٹر لا پورٹ سینٹ مارٹن میں گیا جہاں نپولین کا تاریخی ڈرامہ ہوتا ہے کے موقع کھیلے جاتے ہیں اور فرانس کا جونی سا ایکٹر کیجو انگلستان کے مشہور ایڈمرل

ہنری ارونگ کے پایہ کا ہے اکثر یہاں اپنا پارٹ ادا کرتا رہتا ہے۔ یہ اعلےٰ پایہ کا تھیٹر ہے گو میں نے بوجہ زبان کی اجنبیت اور پلاٹ کی ناواقفیت کے بہت کم قصہ سمجھا۔ البتہ حرکات و سکنات اور سامان کی صفائی اور سادگی قابل تعریف تھی۔ ایک دوسری شام کو لنڈن سے واپس آنے کے بعد میں پھر ایک تھیٹر میں گیا اور سب سے پچھلی قطار میں چار فرانک کا ایک ٹکٹ خریدا۔ تھیٹر کی تمام نشستوں کی ایک چھوٹی سی نقل بنا کر رکھی ہوئی تھی۔ اور اس پر سب نشستوں کے نمبر لگے ہوئے تھے۔ ہر شخص ان نشستوں کو دیکھ کر جس کو پسند کرتا اگر وہ خالی ہوتی تو اُس کا ٹکٹ خرید لیتا۔ بیشن ٹکٹوں کی قیمت کھیل کے شروع ہونے تک ہر لحظہ بڑھتی جاتی تھی۔ لنڈن میں ایک شام کو میں ایک تھیٹر کے دروازہ پر بھیڑ دیکھ کر اندر گیا تھا تو دربان نے کہہ دیا تھا کہ اب جگہ خالی نہیں۔ سر اسٹے بہادر مدن گوپال صاحب بیرسٹر ایٹ لا نے مجھے لنڈن میں کہا تھا کہ یہاں کا تھیٹر بھی ضرور دیکھو تاکہ معلوم ہو کہ کیوں یہ لوگ ایک ہی تماشا اسی اسی راتوں تک کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور لوگ ہر شب کو بکثرت اسے دیکھنے آتے ہیں۔ پیرس کے اس رات کے ناٹک میں ایک پارٹ میں انگریزوں کا خوب خاکہ اڑایا گیا تھا۔ ایک انگریز کا سوانگ بھرا گیا تھا جو اپنی جوان بیٹی کی شادی کرنے کے لئے اسے پیرس میں لایا تھا۔ اور سوائے یس (yes) نو (no) ہاں کے اور کوئی جواب نہ دیتا تھا۔ جہاں نو (no) نہیں کی ضرورت ہوتی وہاں بھی وہ یس ہی کہتا اور اُس کی بیٹی بھی جو ابھی فرانسیسی زبان نہیں جانتی تھی ایک فرانسیسی بول چال کی کتاب کی مدد سے باتیں کرتی تھی۔ اور جب اُس کا فرانسیسی تلفظ (جو انگریزوں کے فرانسیسی تلفظ کی طرح غلط ہوتا تھا) نہ سمجھا جاتا تو وہ جھٹ اپنی کتاب کا وہ فقرہ پیش کر دیتی۔ میں نے فرانس میں ایک دو ہی تماشے دیکھے تو معلوم ہوا کہ انگریزی قوم کا یہ لوگ کتنا مضحکہ اُڑاتے ہیں +

ڈانسنگ ہال ایک دوست کے ساتھ ایک شام کو ہم روان دا پاری نامی ایک

ڈانسنگ ہال بھی دیکھا جو آجکل بوجہ نمائش کے جوبن پر تھا۔ اور اس میں علاوہ اہل فرانس و جرمنی کے انگلستان اور امریکہ کے تماشائی بھی بکثرت تھے تین فرانک داخلہ کا ٹکٹ تھا۔ نو دس بجے شب کو ہم لوگ اس احاطہ میں داخل ہوئے۔ تو دیکھا کہ سینکڑوں مرد اور بہت سی عورتیں چھوٹی چھوٹی میزوں پر بیٹھے ہوئے کھانے پینے میں مصروف ہیں۔ ہم بھی ایک میز پر جا بیٹھے اتنے میں سامنے ایک مکان میں باجا بجنے لگا۔ اور کچھ عورتیں سٹیج پر جا کر ناچ کے کرتب دکھلانے لگیں۔ تھوڑی دیر میں سٹیج کے مقابل ایک گول مکان میں کہ جس کی چھت ستونوں پر قائم تھی کچھ اور لڑکیاں ناچنے لگیں۔ یورپ کے ناچ کی بڑی خوبصورتی اور بڑی کاریگری یہ ہے کہ ناچنے والی ایک ٹانگ کو بلند کرے کہ وہ سر تک پہنچ جائے۔ یا ٹانگ کو بڑی پھرتی سے ہلائے اور ایک پاؤں پر گھومتی پھرے۔ اسی بڑے اصول سے ناچ کی بیسیوں قسمیں اختراع کی گئی ہیں۔ جب اس گول مکان میں ناچ شروع ہوتا تو سب لوگ اس کے گرد گھوم کر دیکھتے۔ کئی عورتیں جو لیڈیوں کی طرح ملبوس تھیں۔ میرے رفیق نے بتلایا کہ صرف ایک اشارہ کی منتظر ہیں۔ بلکہ کئی دوسری خود عشوہ گری سے تقاضا کرتی ہیں۔ اور یہاں کی یہ دیر تک ناچ پائی گئیں۔ جوان میں سے اس حلقہ کے اندر جا کر خوب ناچتی۔ جب وہ باہر آتی تو بہت سے نوجوان امریکن اور انگریز ٹوپی اتار کر اس کی ملنے کی داد دیتے۔ اور تھوڑی دیر میں وہ عورت ان میں سے کسی مرد کے ساتھ گم ہو جاتی۔ مجھے یہ کیفیت دیکھ کر سمجھ میں آیا کہ کیوں پیرس کے بازاروں میں رنڈیاں دن بھر دریچوں میں نہیں بیٹھتیں۔ گو یہ بھی سنا ہے کہ گیارہ بارہ بجے شب کے بعد پیرس کے بعض بڑے بازاروں میں یہ لیڈیاں اکثر راہ چلنے والوں کو بلا امتیاز نیز دس کے مینٹ کے ملاقات کا شرف بخشنے پر آمادہ ہوتی ہیں۔ اس تماشا گاہ میں بعض چالاک عورتیں ایسا بھی کرتی ہیں۔ کہ جب کسی

اجنبی کو تنہا کسی میز پر بیٹھا ہوا دیکھتی ہیں تو اس کے پاس اُسی میز پر جا بیٹھتی ہیں۔ اور ویٹر سے کھانا یا شراب وغیرہ منگواتی ہیں۔ اور جب دیکھتی ہیں کہ ویٹر دام وصول کرنے کو قریب آ رہا ہے۔ تو چُپ چاپ اُس میز پر سے اٹھ جاتی ہیں۔ اور اجنبی جنٹلمین سے جب ویٹر اُس لیڈی کے کھانے کا بھی بل وصول کرتا ہے تو تب اُسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورت اُسے احمق بنا گئی ہے۔ یہ تماشا صرف اسی ڈانسنگ ہال میں ہی ہر شب بار بار نہیں کیا جاتا بلکہ پیرس کے اور کئی موزک ہالوں اور اسی قسم کے مکانوں میں دوہرایا جاتا ہے۔

فرانس میں شادیاں فرانس کی شادیوں کے متعلق امریکہ کی ایک میم صاحبہ نے جو مدت سے پیرس میں سکونت رکھتی ہیں ایک روز بسبیل تذکرہ بیان کیا تھا کہ پیرس میں شادیاں زیادہ تر سوسائٹی کی خاطر کی جاتی ہیں۔ تاکہ مرد کو جو رتبہ حاصل ہے اس سے عورت کو بھی حصہ ملے۔ ورنہ در اصل فرانس میں جنٹلمین کی داشتہ اور ہر لیڈی کا آشنا علیحدہ ہوتا ہے۔ فرانس میں بھی شادی کے وقت اہل بنگالہ کی طرح لڑکی والوں کو ایک معقول رقم بطور جہیز دینا پڑتی ہے۔ اس جہیز کے سوائے لڑکیوں کو اچھے شوہر مشکل مل سکتے ہیں۔ گو بعض صورتوں میں دولہا کے پاس پھوٹی کوڑی نہیں ہوتی لیکن عموماً خیال کیا جاتا ہے کہ جس قدر رقم دُلہن اپنے والدین کے یہاں سے لائیگی اتنی ہی جائداد دولہا کے پاس بھی ہوگی۔ فرانس میں ہر چند کہ عام لوگ متوسط درجہ کا گزارہ رکھتے ہیں اور بمقابلہ دیگر ممالک یورپ کے غریب ہیں تاہم اکثر مائیں اپنی لڑکیوں کو ایک تانکا تک لگانا نہیں سکھلاتیں۔ بجا لیکہ امریکہ میں دولتمند مائیں بھی اپنی لڑکیوں کو سب کام کاج سکھلاتی ہیں۔

فرانس میں شادی کی اصلیت پیرس کی عام عورتوں کی زندگی پر روشنی ڈالنے کے لئے ایک چھوٹی سی کتاب سے چند اقتباس یہاں بموقع

نہ معلوم ہونگے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیرس میں شریف لوگ اپنی لڑکیوں کو
اِسی طرح حفاظت اور نگرانی میں رکھتے ہیں جیسے کہ ممالک مشرق میں لڑکیوں کو
پردہ میں رکھا جاتا ہے۔ اگر ایک روز بھی کوئی ماں اپنی لڑکی کو کسی غیر آدمی کے
ساتھ گھر سے جانے دے تو کہا جائیگا کہ اس ماں نے اپنی بیٹی کو ذلیل کر دیا۔ اور
اور پھر اُس لڑکی کی شریفانہ شادی ہو جانے کا اتفاق کم باقی رہ جائیگا۔ پیرس
کی سوسائٹی میں شادی سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ دو آدمی آپس میں محبت کرتے
ہیں تو اُن کا اتحاد ہو جائے۔ بلکہ وہاں دنیاوی اغراض کو زیادہ مدنظر رکھا جاتا
ہے۔ ایک دولتمند شخص نے ایک صراف کو جا کر کہا: میں تمہاری لڑکی
سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ یہ میری جائداد کے کاغذ ہیں: اور کسی بات کی
ضرورت نہ تھی۔ چنانچہ فوراً لڑکی اس شخص کے حوالے کر دی گئی: دوسری
طرف لڑکیوں کے والدین کو اپنی حیثیت سے زیادہ جہیز دینا پڑتا ہے۔ تب
اُن کی بیٹیاں قبول کی جاتی ہیں۔ چنانچہ ایک دہقان ایک خوبصورت
لڑکی سے شادی کرنے والا تھا۔ کہ لڑکی کے باپ نے داماد سے کہا: میں
تمہیں جتلا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ باغ میں وہ بڑا چیری کا درخت میرا رہیگا
داماد نے کہا نہیں یہ میرا ہوگا۔ خسر نے کہا یہ ضرور میرا رہے گا: اِسپر داماد
نے کہا تو میں تمہاری لڑکی سے شادی نہیں کرونگا: پیرس میں عموماً شادی
کا سودا محبت کے اصول پر مبنی نہیں ہوتا۔ اور اِسی لئے بہت سی عورتیں اور
مرد ناپاک اور بدکار زندگی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ پیرس کے مشہور مصنف
ڈوما کی نسبت یہ قصہ مشہور ہے کہ جس مینا زل (مس) آڈ اسے ڈوما کی شادی
ہوئی تھی۔ اُس کے باپ کا ڈوما بہت قرضدار تھا۔ مگر ڈوما کے پاس روپیہ
ادا کرنے کی کوئی سبیل نہ تھی۔ آخر قرضخواہ نے ڈوما کو قید کرانے کا ارادہ کیا۔
لیکن آخروقت میں اُسے ایک نرالا خیال پیدا ہوا۔ اُس کی لڑکی مس اڈانہ
تو حسین تھی اور نہ نیک چلنی میں ہی شہرت رکھتی تھی۔ اُس نے ڈوما کو کہا

اگر تم میری لڑکی سے شادی کرو تو سب قرض معاف کر دونگا۔ آخر ڈوما نے قید پر اس زندگی کو ترجیح دی۔ اور مس آڈا سے شادی کر لی۔ لیکن وہ شادی کس قسم کی تھی۔ اس کا ذیل کے واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے۔

ڈوما کی بی بی | ایک شام کو ڈوما ناگہاں اپنے گھر میں آیا تو اُس نے دیکھا کہ اسکے گول کمرہ میں ایک اجنبی شخص اُس کی بیوی کا منہ چوم رہا ہے۔ ڈوما نے کچھ دیر تک اجنبی کی طرف تعجب اور حیرت سے تاک کر کہا: "تعجب ہے اجنبی! تمہیں کسی نے اس کام پر مجبور بھی نہیں کیا۔" یعنے مجھے تو اس کے باپ نے اسکا شوہر بننے پر مجبور کیا ہے۔ اور تمہیں اس نیک بخت کی ملاقات کے لئے کس نے مجبور کیا ہے۔

اپنی بیوی کے بچے | میڈم ڈراگو پیرس میں ایک مصنفہ اور فیشن کی سرپرست لیڈی گذری ہے۔ اس کی شادی ایک ایسے شخص سے ہوگئی جو کتابوں کا کیڑا تھا۔ اور جسے سوائے اپنے کتب خانہ کے دنیا و مافیہا کی کچھ خبر تک نہ تھی بلکہ اسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اس کے بچے کتنے ہیں۔ اور یہ بڈھا فلاسفر اس بارہ میں اس قدر بے پروا تھا کہ جب کوئی اجنبی اس کے گھر میں آتا تو وہ بے تکلفی اور بے ریائی سے اُسے ان لفظوں سے اپنے کنبہ سے ملاقات کراتا کہ میں اپنی بیوی کے بچے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں"۔

"فرانس کی عورتوں پر غیر مردوں سے ساز باز کرنے کا الزام لگایا جاتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ فرانس میں شادی دل سے نہیں بلکہ جیب سے تعلق رکھتی ہے تاہم فرانس کی عورتیں طبعاً ذہین اور حیادار ہوتی ہیں۔ اور وہ تعلق بھی معقول پیدا کر ناپسند کرتی ہیں۔ انگلستان میں سنا جاتا ہے کہ ایک نوجوان لڑکی اپنے باپ کے سائیس کے ساتھ روپوش ہوگئی۔ اور ایسی ہی باتیں امریکہ میں سنی جاتی ہیں۔ مگر فرانس کی عورت اپنے سے کمتر درجہ کے آدمی سے کبھی سازش کرنا پسند نہیں کرتی"۔

عورتوں کے ہتھکنڈے بقول پیرس تھائیڈ کی پینتیس ہزار عورتیں جو پیرس میں ناجائز وسائل سے روزی کماتی ہیں اُن میں سے صرف پانچ ہزار کا نام پولیس کی کتابوں میں درج ہے۔ اور ان پانچ ہزار میں سے بھی اٹھارہ سو باضابطہ لائسنس یافتہ مکانوں میں رہتی ہیں۔ اور باقی اپنے گھروں میں سکونت رکھتی ہیں۔ اب یہ عورتیں لوگوں کو اور خصوصاً اجنبیوں اور ناواقفوں کو کس طرح مونڈتی ہیں۔ ذیل کے حالات سے معلوم ہوگا جو متذکرہ بالا کتاب سے اخذ کئے جاتے ہیں +

بعض رسٹارنٹوں میں کئی عورتیں نصف رات کے بعد تک کھانے کی منتظر رہتی ہیں۔ فرض کرو ایک شخص سے ایک خوبصورت عورت دوچار ہوتی ہے۔ اور جھٹ اُسے کھانے کی فرمائش کرتی ہے۔ کھانا دو کے لئے منگوایا جاتا ہے۔ اتنے میں ایک گل فروش عورت ایک گلدستہ لاکر اُس شخص کے پیش کرتی ہے اور اُس کی خوبصورت رفیق اُسے ترغیب دیتی ہے۔ کہ گلدستہ خرید لو۔ چنانچہ جب یہ گلدستہ خریدا جاتا ہے تو بہت دیر نہیں گذرتی۔ کہ فوراً یہ گلدستہ اُسی گل فروش کے ہاتھ پھر بک جاتا ہے۔ اور اسی طرح کئی مرتبہ ایک ایک گلدستہ بکتا رہتا ہے۔ اور بشرطیکہ شکار کافی سادہ لوح ہو تو ایک کوچبین فوراً دن بھر کی گاڑی کے کرایہ بالفرض بیس فرانک کا ایک بل لے آتا ہے۔ اور تقاضا کرتا ہے۔ تو عموماً یہ بھی سادہ لوح شکار ادا کر دیتا ہے۔ اس کتاب کا مصنف لکھتا ہے۔

"فرض کرو کسی بال میں ایک خوبصورت عورت تم کو مفتون کر لیتی ہے تھوڑی دیر میں اُس کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسے ایسی جگہوں میں جانے کی عادت نہیں ہے۔ صرف آج رات کو پہلی دفعہ وہ چپ کر یہاں آپہنچی ہے۔ اُس کا شوہر کسی ڈنر کی پارٹی میں گیا ہے اور نصف شب کے بعد اُس کا منتظر ہونے سے پہلے تم خوش نصیبی سے اُسے قائل کر لیتے ہو کہ تم دوسرے روز اُس کے مکان پر ایک بجے شب کو پہنچو گے۔ اُس کا شوہر صرافہ میں جاتا ہے

اور بارہ بجے سے تین بجے شب تک وہیں رہتا ہے۔ تم قرارداد کے مطابق اس مکان پر پہنچتے ہو۔ تمہیں ایک سجے ہوئے کمرے میں بٹھلا دیا جاتا ہے اور ہر طرح کی ہنسی مخول کی گفتگو ہونے لگتی ہے۔ شائد تم نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا ہے۔ اور وہ لپک کر سامنے کے آتش دان سے جا لگی ہے۔ وہاں ایک خوبصورت چینی کا برتن پڑا ہوا تھا جو اس ٹھوکر سے گرتے ہی ہزار ٹکڑے ہو جاتا ہے۔

"یا اللہ! یہ کیا مصیبت ہے! اب کیا ہو گا۔ میرا شوہر اسے کل ہی خرید کر لایا تھا۔ وہ تو سخت ناراض ہو گا۔"

"کچھ پرواہ نہیں۔ اس کی قیمت کیا تھی" شائد تم بیساختہ کہہ دیتے ہو۔

"صرف پچاس فرانک! اگر تم جانتے کہ شوہر کیسے سخت گیر ہوتے ہیں!"

ظاہر ہے کہ تمہیں خیال آئیگا کہ تمہاری بدولت تمہاری میزبان کو کیوں تکلیف ہو۔ اسلئے تم ذرا سے تامل کے بعد پچاس فرانک گن کر جھٹ جیب پر رکھدیتے ہو اب پھر وہی پہلے کا سا ہنسی مخول شروع ہونے والا تھا کہ گھڑی تین بجا دیتی ہے۔ ایک نوکرانی جلدی سے آکر کہتی ہے کہ ایک دو منٹ کے اندر ہی میاں گھر میں پہنچ جائیگا۔ اور میز پر دسترخوان بچھانے لگتی ہے۔

اور بلاریب بلا ایک دم کے وقفہ کے تمہیں دروازے سے باہر کر دیا جاتا ہے اور اس طرح اس ملاقات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جو ایک صراف کے شخص کی بیوی سے تم نے پیدا کی تھی۔ وہ چینی کا برتن جو کسی معمولی دکان سے دو فرانک کو خریدا گیا تھا دوسری صبح پھر لا کر وہیں رکھدیا جاتا ہے۔ تا کہ کسی اور شخص سے اسکے لئے پچاس فرانک وصول کئے جائیں۔

"ایک اور مشہور ہتھکنڈا یہ ہے۔

"علی الصباح کوئی شخص زور سے دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو تم اپنی محبوبہ کے گھر میں خواب سے بیدار ہوتے ہو۔ ایک نوکرانی ایک کاغذ کا پرزہ لے کر

اپنی مالکہ کو لا دیتی ہے اور کہتی ہے کہ ایک شخص پالکی کا جواب ابھی مانگتا ہے
صاحب خانہ کہتی ہے "کیسے افسوس کی بات ہے وہ کیسے منحوس وقت میں آتا ہے
اُس سے پوچھو کہ وہ ایک دن کے بعد نہیں آسکتا؟" نوکرانی لوٹ کر جاتی ہے
اور تھوڑی دیر میں یہ جواب لاتی ہے کہ وہ کہتا ہے میں آج ہی حساب لیکر جاؤنگا
لیڈی بہت پریشان معلوم ہوتی ہے۔ اور تم باوجود اس امر کے اندیشے کے کہ
تمہاری بات دخل در معقولات نہ سمجھی جائے۔ اسکی وجہ پوچھتے ہو۔ وہ کہتی ہے
سو۔ یہ کچھ بڑی بات نہیں ہے تاہم کسقدر پریشانی ہوتی ہے۔ جب تم کسی کام
کے لئے آمادہ ہو۔ اور جھجک کر سو فرانک کا بنک نوٹ تمہارے ہاتھ میں دیدیتی ہے۔
جو اُس نے لکھا ہوا ہے۔ اور آج واجب الادا ہے۔ اتنے میں لیڈی کو کچھ خیال
آتا ہے اور وہ کہتی ہے۔ ٹھیرو میرے پاس بیس فرانک ہیں۔ اس شخص کو کہو کہ
یہ تو [illegible] حساب لے جائے۔ اور باقی کے لئے کل صبح آجائے۔ نوکرانی اسی طرح جاتی
۔اور واپس آکر کہتی ہے کہ کوئی بات نہیں مانتا۔ وہ کہتا ہے یا تو کل رقم لُوں
ورنہ نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ شاید تم نہیں دیکھ سکتے کہ خوبصورت لیڈی اسقدر
پریشان کیوں رہے۔ تم فوراً اپنی گرہ سے دینے کی تجویز پیش کرتے ہو۔ وہ دو
بڑے تامل اور انکار کے بعد اقرار [illegible]۔ تم کو شکریہ کے ساتھ تمہاری فیاضی کی
تعریف کرتے ہوئے قبول کر لیتی ہے۔

ایک اور عورت بال روم میں داخل ہوتی ہے۔ وہاں کئی نوجوان بیٹھے ہوئے
پاتی ہے۔ اور وہ ایسی خوشنما رہتی ہے کہ تعجب تازہ ہوتی ہے کہ مسافر ہو یا سادہ
لوح ان میں سے کون شخص ہے۔ اسکے کندھوں پر خوبصورت کشمیری شال
ہوتی ہے [illegible] نوجوان کی طرف مخاطب ہو کر کہتی ہے "تم ذرا میری شال
اُٹھا لاؤ [illegible] رکھ آئے ہو؟ دستور یہ ہے کہ کلوک روم میں
[illegible] رکھے جاتے ہیں [illegible]۔ اور رخصت ہونے کے وقت [illegible]
[illegible] ایک خوبصورت

عورت کی ایسی درخواست کو یورپ میں نامنظور کرنا بدتہذیبی میں داخل ہے اس لئے نوجوان جھٹ وہ شال لے کر کلوک روم میں جمع کرا آتا ہے اور لیڈی کو ٹکٹ دینا چاہتا ہے۔ مگر وہ کہتی ہے کہ نہیں اسے اپنے پاس رکھو مجھ سے کھو جائیگا اور سوائے اسکے میرے پاس جیب بھی نہیں ہے۔ کچھ دیر کے بعد جب سب لوگ رخصت ہونے لگتے ہیں۔ اور وہ لیڈی اپنی شال مانگتی ہے تو نوجوان کلوک روم سے ایک بہت پرانا سا ٹکڑا شال کا لے آتا ہے جسے دیکھ کر وہ شور مچانے لگتی ہے کہ یہ تو ہرگز میری شال نہیں ہے۔ سب لوگ بھی تعجب کرتے ہیں۔ اجنبی نوجوان اپنے آپ کو عجیب حالت میں پاتا ہے۔ اور طوعاً وکرہاً وہ شال کی قیمت ادا کر دینا چاہتا ہے۔ جو دو سکنڈ کے تامل کے بعد منظور کر لی جاتی ہے۔ اصلی شال اس لیڈی کا کوئی سازدار کلوک روم کے ملازم سے ساز باز کر کے بدل دیتا ہے"

یہ اور اسی قسم کے کئی فریب پیرس اور یوروپ کے اور کئی بڑے بڑے شہروں میں اکثر عورتوں کی چالاکی سے ہوتے رہتے ہیں۔

موت کا قہوہ باوجودیکہ اہل پیرس کی تفریح کے لئے بہت سے تھیٹر میوزک ہال اور ڈانسنگ ہال علاوہ سینکڑوں کافی شاپوں کے موجود ہیں۔ لیکن اہل پیرس کی تفریح اور دلبستگی صرف عیش و عشرت کے سامانوں اور ناچ رنگ تک محدود نہیں۔ بلکہ اُن میں عجائبات اور نرالی باتوں کے دیکھنے کا شوق اس حد تک ترقی کر گیا ہے۔ کہ وہ ہمیشہ اچنبا کی تلاش میں رہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے ایسے ڈراؤنے نظارے لوگوں کو کھینچنے کے واسطے اختراع کئے جاتے ہیں کہ جن سے بجائے تفریح کے غمگینی اور خوف پیدا ہوتا ہے۔ اس قسم کے مقامات کو کباریٹ کہتے ہیں۔ ان میں کباریٹ ڈو بانٹ یعنے موت کا قہوہ سب سے مشہور ہے۔ اس مکان کے دروازہ پر سیاہ پردہ لٹکا رہتا ہے جو ماتم کی علامت ہے۔ اور جب اندر داخل ہوتے ہیں تو تمام دیواریں

اور چھت سیاہ کپڑے سے منڈھا ہوا نظر آتا ہے۔ بیچ میں چند میزیں تابوتوں کی شکل کی رکھی ہوئی نظر آتی ہیں۔ تابوتوں کے گرد بہت سی کرسیاں قرینے سے لگی ہوئی ہیں۔ کمرہ سبز لیمپ کی روشنی نے نہایت بھیانک صورت پیدا کر لیتا ہے۔ کمرے سے کافور کی بو آتی ہے۔ دماغ پراگندہ ہوتا ہے۔ دیواروں پر انسانی کھوپڑیاں لٹک رہی ہیں جو اس کمرہ کی آرائش ہے۔ سیاہ پوش بیرا جو تمہارے لئے شربت وغیرہ لاتا ہے تو تمہارے کان میں آہستہ سے کہتا ہے کہ اس میں ہیضے کے جراثیم (جو بمنزلہ زہر ہلاہل ہیں) ملے ہوئے ہیں۔ ایک شخص پادریوں کے سے کپڑے پہنے ہوئے آتا ہے۔ اور حاضرین میں سے گزرتا ہوا یہ دعا مانگتا جاتا ہے کہ خدایا یہ سب لوگ یہاں سے جاتے ہی جلد مر جائیں۔ جب یہ پہلا کمرہ تماشائیوں سے پُر ہو جاتا ہے تو حاضرین کو ایک گنبد کے نیچے لے جاتے ہیں۔ سامنے سٹیج پر ایک تابوت پڑا ہوا ہوتا ہے ہر شخص سے درخواست کی جاتی ہے کہ اگر تم تابوت میں داخل ہو کر گوشت استخوان بنجانا چاہتے ہو تو آؤ۔ اگر حاضرین سے کوئی نہیں اٹھتا تو موت کے قہوہ والے کسی اپنے آدمی کو تابوت میں داخل کر کے ریڈیم صاحب کی کرنوں یا کسی اور روشنی کے دھوکے سے لوگوں کے دیکھتے ہی دیکھتے اس شخص کو گوشت استخوان بنا دیتے ہیں۔ پہلے اس کے کپڑے آہستہ آہستہ اس کے بدن سے غائب ہوتے ہیں۔ پھر گوشت پوست بوسیدہ ہو کر ہڈیوں سے جدا ہو جاتا ہے۔ اور صرف ہڈیوں کا ڈھیر نظر آنے لگتا ہے کہ دیکھ کر حاضرین کو عجب عبرت ہوتی ہے۔ لیکن پھر تھوڑی دیر میں بتدریج ہڈیوں پر گوشت پوست اور اس پر کپڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور آدمی ہنستا ہوا صندوق سے نکل آتا ہے۔

دوزخ کا قہوہ موت کے قہوہ کے ٹھیک مقابل دوزخ کا قہوہ (لا نفر ڈ ایجالی) مقابلات (لا سیال) اور دنیا کا خاتمہ (لا فین ڈو مونڈ) ہیں۔ دوزخ کے قہوہ خانہ میں بیرے شیطان کا لباس پہنتے ہیں۔ اور تمام مکان کو جہنم کے نمونہ پر سجایا

جاتا ہے۔ اور مجلس رقص و سرود جنیوں کے پیرایہ میں برپا کی جاتی ہے۔ اسی طرح خیالی طور پر دنیا کے خاتمہ اور آسمانی عجائبات کے قہوہ خانوں کو آراستہ کیا گیا ہے۔ کہ معمولی دل و گردہ کا آدمی تو پہلے پہل انہیں دیکھ کر سہم جائے۔

کیٹے کومب شہر پیرس کا بہت بڑا حصہ نیچے سے کھوکھلا ہے۔ اور مردوں کی ہڈیوں سے بھرا ہوا ہے قدیم اہل روما کے زمانہ میں یہاں سے پتھر کھودا گیا تھا اور سینکڑوں سال تک یہ لمبی چوڑی غار خالی پڑی رہی لیکن اٹھارھویں صدی کے آخر میں جبکہ بعض جگہ مکانات کے بوجھ سے یہ غار گرنے لگی تو نیچے ستون کھڑے کئے گئے اور سنہ ۱۷۸۵ء میں اہل پیرس کو خیال آیا کہ بعض بڑے بڑے قبرستانوں کو جو شہر کے اندر ہیں حفظان صحت کے خیال سے اٹھا کر ان کی ہڈیاں یہاں بھر دی جائیں۔ صرف سنہ ۱۷۹۲ء اور سنہ ۱۸۱۴ء کے مابین سولہ قبرستانوں کی ہڈیاں یہاں لا ڈالی گئیں۔ اسکے بعد فرانس کے انقلاب عظیم میں جب بے شمار آدمی گلوٹین اور دوسرے طریقوں سے مارے گئے ان کی ہڈیاں بھی یہیں پھینکی گئیں لیکن اسوقت تک یہ سب ہڈیاں بلا لحاظ کسی ترتیب اور قاعدہ کے بطور انباروں کے پڑی ہوئی تھیں۔ سنہ ۱۸۱۰ء میں انہیں ایک ترتیب سے رکھنے کا انتظام شروع ہوا۔ اس طور پر کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کس قبرستان سے یہ ہڈیاں لائی گئیں ہیں یا کس جنگ یا فساد میں ان لوگوں کی جانیں تلف ہوئی تھیں۔ اس لمبی چوڑی غار میں ہڈیوں سے مختلف گیلریاں اور قطاریں بنائی گئی ہیں۔ اور شہر کا جو کچھ اس مقام کے اوپر بستا ہے اُسی کے نام سے نیچے کے اس شہر خموشاں کے کوچے نامزد کئے گئے ہیں۔ کہیں کہیں فرانسیسی مزدوروں اور کاریگروں نے ان ہڈیوں کو ایسی ترتیب و سلیقہ سے سجایا ہے کہ ان سے مختلف ڈیزائنیں اور نقشے بنائے ہیں۔ کہیں صرف کھوپریاں چن دی ہیں۔ صرف پانچ لاکھ آدمیوں کی ہڈیاں ہیں دنیا کے کسی حصہ میں اور کوئی اتنی بڑی قبر نہ ہوگی۔ کہ جس میں اس سے زیادہ آدمیوں کی ہڈیاں آرام کرتی ہوں۔ اور اس لئے اس شہر خموشاں کے اندر گھستے وقت

کس قدر خاموشی اور حزن و ملال دیکھنے والوں پر طاری نہ ہوتا ہوگا لیکن دراصل یہ بات درست نہیں۔ ہر مہینے کے پہلے اور تیسرے ہفتہ کو پیرس کے کیٹے کومب دیکھنے کی اجازت سین کے پریفکچر سے ملتی ہے۔ اور جب سب لوگ اکٹھے ایک وقت اس قبر کے منہ میں داخل ہوتے ہیں تو ان میں سے بعض اجنبیوں پر تو خاموشی طاری ہوتی ہے لیکن زیادہ تر فرانسیسی ہنستے کھیلتے ہوئے ان انسانی ہڈیوں کی چار سے چھ فیٹ تک بلند دیواروں میں سے گزرتے چلے جاتے ہیں۔ گویا کسی میلے سے گزر رہے ہیں۔ داخلے کے دروازہ پر ایک پنس یا دو پنس کی موم بتی ہر شخص کو خریدنی پڑتی ہے کہ جسے وہ اندر جا کر روشن کرتا ہے اور اپنے ہاتھ میں لئے پھرتا ہے۔ اس مجمع کے ہمراہ کچھ فرانسیسی سپاہی بھی جاتے ہیں۔ اور کئی جگہ راستہ میں مزدور ہڈیوں کو چنتے اور بیٹھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ مزدور بھی ان ہڈیوں کو ایسی بے پروائی سے پھینکتے اور چنتے ہیں کہ گویا وہ لکڑیاں یا پتھر چن رہے ہیں۔ اس شہر خموشاں کی سیر کر کے دوسری طرف باہر نکلتے ہیں تو سامنے بہت سے لڑکے اور فقیر جمع ہوئے ہوتے ہیں۔ لڑکے تو پیسے مانگتے ہیں۔ مگر اپاہج اور بوڑھی عورتیں اور بڈھے تم سے ان موم بتیوں کے ٹکڑے مانگتے ہیں۔ جو باقی بچے ہیں۔ کیونکہ فرانس میں موم بتی بہت مہنگی چیز ہے۔ اور سلطنت فرانس کے اجارہ میں ہے۔ اور یہ لوگ اتنی بتیوں کے سرے روشنی کے لئے جمع کر لے جاتے ہیں جو انہیں کیٹے کومب کی سیر کے اگلے دن تک کافی ہوں۔

پیرس میں ٹپ جیسا کہ میں اٹلی اور برلن کے بیان میں لکھ چکا ہوں ہوٹلوں کے خدمتگار و نوکر وغیرہ کام کرنے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے مالکوں کو کچھ اپنی گرہ سے دینا پڑتا ہے۔ یہی حال پیرس کا ہے اور ہر صبح ویٹروں کو کام شروع کرنے سے پہلے مقررہ رقم ہوٹل یا ریسٹوران کے مالک کو ادا کر دینی پڑتی ہے۔ تب وہ اس کے یہاں مفت کی خدمت پر مامور ہو سکتے ہیں مشہور ہے کہ ایک زمانہ میں کافی ڈالا پینے اسی آمدنی سے اپنے کرایہ کی کل رقم ادا کیا کرتا تھا۔ اس لئے ہر شخص جانتا ہے کہ پیرس کے ہر ریسٹوران اور ہوٹل میں

جو ویٹر تمہارے سامنے کھانا وغیرہ لاکر رکھتا ہے۔ اُسے اُس کی خدمت کا معاوضہ تمہارے سوا اور کہیں سے نہیں ملیگا۔ گویا ٹپ جسکا مطلب بخشش کا ہے۔ اُسے پیرس کے نوکر اور دیگر خدام اپنا حق سمجھنے لگے ہیں۔ جیسے کہ تم کسی کیب گاڑی پر سوار ہوتے ہو تو گاڑیبان کو علاوہ مقررہ کرایہ کے جو گھنٹہ اور کورس کے لئے حسب ترتیب پانچ پنس و اڑھائی پنس ملنا چاہئے۔ اگر گاڑی والا تمہیں کسی وجہ سے دق کرے تو تم اُسے صرف یہی کہہ دو کہ قریب کی پولیس کی چوکی میں پہنچکر تمہیں کرایہ دیا جائیگا۔ اسکے سنتے وہ بہت چلّائیگا۔ کیونکہ قانوناً اُسے لازم تھا کہ تمہارے سوار ہوتے ہی تمہیں ایک چھپا ہوا ہدایت کا پرچہ دیتا۔ جو وہ عموماً دینا بھول جاتا ہے۔ کیونکہ یہ زیادہ اسکے حق میں نہیں ہوتا۔ اور اس پرچہ کے نہ دینے کی صورت میں پولیس اسے سخت جرمانہ کرتی ہے۔ ہر دفعہ کسی ریسٹوران میں شربت کا گلاس پینے کے بعد قیمت کے علاوہ ایک پینی ویٹر کا حق ہو گیا۔ لیکن اگر چٹھی لکھنے کا کاغذ یا لفافہ تمہیں درکار ہو تو یہ مفت بہم پہنچانا اُس کا فرض ہے۔ بلکہ اگر کوئی شے تم مانگو اور وہ موجود نہ ہو تو خواہ اُسے خریدنا بھی پڑے اُسے تمہیں لاکر دینا چاہئے۔ ریفرشمنٹ کی قیمت ادا کرنے کے بعد فوراً برتن اُٹھوا دو۔ ورنہ تمہیں دوبارہ قیمت دینی پڑ جائیگی۔ کی نے پر عموماً دو پنس ہر شخص کو ویٹر کو دینے مناسب ہیں۔ اور جب دو فرانک سے کھانے کی قیمت زیادہ ہو۔ تو ایک پنس فی فرانک دینا مناسب ہے۔ اگر ویٹر کو یقین ہو جائے کہ تم ہر روز اُسے اسقدر ٹپ دیتے ہو تو وہ تمہارے لئے گوشت کا اچھا ٹکڑا لائیگا۔ اور تمہارے حکم کی ضرورت سے اچھی تعمیل کریگا۔

مشروبات کی قیمت پیرس کے بعض ریسٹورانٹوں میں یہ بہت اچھا دستور ہے کہ وہاں سے جو پینے کی چیز مثل شربت یا پیالہ وغیرہ کے طلب کی جائے۔ اسکی قیمت دریافت نہیں کرنی پڑتی۔ ویٹر اس گلاس یا پیالہ کو ایک ایسی چینی کے ساسر (رکابی) میں رکھ کر لاتا ہے کہ جس میں بیس یا تیس یا چالیس یا پچاس کا ہندسہ چھپا ہوا ہوتا ہے اور اسے دیکھ کر پینے والا خود سمجھ لیتا ہے کہ سنٹیم قیمت ادا کر دیتا ہے۔ بعض اعلیٰ درجہ کے ریسٹورانٹوں میں کھانے اور پینے کے سامان میں تکلف کو بہت بڑھا دیا گیا ہے۔

بجائے ٹھنڈے پانی کے برف کی بوتلیں جمائی جاتی ہیں جو تماشا اس جگہ کے سوائے کہیں نہیں دیکھیں۔

پیرس کی صفائی یوروپ میں چونکہ لوگ عموماً رات کو دیر سے سوتے ہیں اس لئے صبح بھی دیر کرکے اٹھتے ہیں۔ لیکن یہاں کی ایک جماعت کہ جس کے ذمہ ان شہروں کی صفائی ہوتی ہے وہ ضرور سویرے جاگ کر صفائی کے کام میں مصروف ہو جاتی ہے۔ خصوصاً پیرس صفائی کے لحاظ سے سب شہروں میں ایک نمونہ ہے۔ پیرس کے سب مکانات کئی کئی منزل کے ہیں۔ اور عموماً یہ اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ ان میں سے بڑے بڑے گھروں میں تیس تیس کرایہ دار رہتے ہیں کہ جن میں سے ہر ایک کے پاس کئی کئی کمرے ہوتے ہیں۔ ان گھروں کے وسط میں ایک صحن ہوتا ہے اور اس کے چاروں طرف سر بفلک مکان چلے جاتے ہیں۔ ساڑھے نو اور دس بجے شام کے درمیان ان سب مکانوں کا دن بھر کا کوڑا کرکٹ جمع کرکے نیچے صحن میں ان آہنی ٹوکروں میں لاکر ڈالا جاتا ہے جو اسی غرض سے رکھے رہتے ہیں۔ چونکہ بطور قاعدہ کلیہ کے پیرس کے سب لوگ دوپہر کا کھانا ایک بجے اور شام کا سات بجے کھاتے ہیں۔ اس لئے نو دس بجے کے درمیان سب گھروں سے کوڑہ جمع کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ ان سب گھروں میں ایک عورت یا مرد مثلاً کونسی آرژ کے نام سے نوکر ہوتا ہے۔ عموماً یہ کام عورتیں کرتی ہیں۔ جن کا فرض یہ ہوتا ہے کہ اس مکان کے مختلف کرایہ داروں کے لئے چٹھیاں اور پیغام لے رکھے۔ شاہ بلوط کی لکڑی کی سیڑھیوں کو زمین سے آخری منزل تک مل مل کر چمکائے رکھے۔ اور ہر روز صحن کو گھٹنوں کے بل بیٹھ کر دھوئے اور جھاڑ کر صاف رکھے۔ کونسی ارژ عموماً سب سے پہلے صبح کے پانچ بجے اٹھ کر کوڑے کی گاڑی والوں کو ٹوکرا الٹ کر دیتے ہیں۔ ان گاڑی والوں کے پیچھے کوڑا کرکٹ کو چھانٹنے اور دھونے والے لوگوں کی ایک جماعت ہوتی ہے جو نظاہر بڑی گرمجوشی سے کام جلد ختم کرنا چاہتی ہے تاکہ لوگوں کے بکثرت بازاروں

میں نکل آنے سے پہلے کام ختم ہو جائے چھڑکاؤ کا طریقہ خصوصاً دلچسپ ہے واٹر ورکس کے نلکوں کا پانی ایک قسم کے ٹاٹ کے نلکوں کے ذریعے سڑکوں پر دور دور تک چھڑکا جاتا ہے ۔ اس ہوس کے نلکے کے نیچے ایسے لوہے کے پہیے لگے ہوتے ہیں جو پہیوں کا کام دیتے ہیں ۔ غرض سات بجے صبح تک سرما میں پیرس کی گلیوں کی اہل پیرس کے محاورے میں کنگھی چوٹی ہو چکتی ہے ۔

ہندوستان میں مروج ہونے کے لائق پیشے اور حرفتیں

بدست آہک تفتہ کردن خمیر
بہ از دست بندی بہ پیش امیر (سعدی)

میں نے پیرس سے ایک خط میں اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا کہ میں نمائش پیرس میں اور اس کے باہر دیکھ رہا ہوں کہ کون کون سی چیزیں اور پیشے کم استطاعت ہندوستانیوں کے لئے مفید ہوسکتے ہیں کہ جو پانچ پانچ روپے کی نوکری کے پیچھے مارے مارے پھرتے ہیں۔ اور کامیاب نہیں ہوتے۔ چنانچہ میں نے بارہ میں چند نوٹ کر لئے تھے۔ اور انہیں ان اوراق میں شائع کرنے کا ارادہ تھا۔ کہ اتفاقاً مجھے معلوم ہوا کہ مہاراجہ صاحب بڑودہ کے ٹکنیکل سکول کے پرنسپل صاحب صرف اس غرض سے سرکاری خرچ پر نمائش پیرس میں بھیجے گئے تھے کہ وہ اس نمائش کو دیکھ کر اپنی ریاست کو مشورہ دیں کہ کون کون سے ایسے پیشے عام لوگ اختیار کرسکتے ہیں کہ جن میں ہمارے ملک کا خام مصالح خرچ ہوتا ہے اور جن کے سیکھنے میں بہت وقت اور محنت صرف نہیں ہوتی۔ چنانچہ مسٹر ایم سی دیسائی۔ بی۔ ایس۔ سی نے جو رپورٹ نمائش پیرس سے واپس آ کر اس غرض سے لکھی ہے۔ اس میں وہ مندرجہ ذیل پندرہ خانگی دستکاریوں اور آٹھ بڑی حرفتوں کے اپنی ریاست میں داخل کرنے کی صلاح دیتے ہیں۔ میں پہلے ایس کی نسبت ویر کو پیش کرتا ہوں۔

اوّل خانگی دستکاریاں کہ جنکو ہر شخص اپنے گھر میں سہولت سے بلا کسی بڑی

مشین یا سرمایہ کی مدد کے اپنی دستی محنت سے چلا سکتا ہے اور کنبہ کے دوسرے ممبروں سے مدد لے سکتا ہے یہ ہیں :-

(۱) سادہ کپڑا بننا (۲) قالین بننا (۳) ٹیپسٹری بننا (۴) غالیچہ بننا (۵) بٹن بنانا (۶) لیس بنانا (۷) زر دوزی (۸) ریشمی فیتے بننا (۹) کراچیٹ ورک (کروشیا) (۱۰) برش بنانا (۱۱) بید اور رانس کا فینسی ورک (۱۲) چمڑے پر ٹھپا لگانا اور اُبھارنا (۱۳) لکڑی کھودنا (۱۴) گلگوری (۱۵) پائرو گرافی یا لکڑی پر جلا کر نقش کرنا۔

دو صد اور دوسری قسم کی بڑی بڑی حرفتیں کہ جنکے وسیع پیمانہ پر چلانے سے فائدہ ہو سکتا ہے۔ اور تھوڑے سرمایہ سے نقصان کا اندیشہ ہے یہ ہیں -

(۱) نب بنانا (۲) دیا سلائی کی ڈبیاں معہ موم دیا سلائیوں کے (۳) چمڑے کی بانت (۴) شکر بنانا (۵) کاغذ بنانا (۶) شیشہ بنانا (۷) موم بتی بنانا (۸) صابن بنانا -

ولایتی صابن مندرجہ بالا رائے ایک پیشہ ور واقف کار اور عالم شخص کی ہے اسلئے میرا اس میں دخل دینا مناسب نہیں - البتہ میرے خیال میں دوسری قسم کی حرفتوں میں سے نب بنانا اور صابن بنانا بھی پہلی قسم کی دستکاریوں میں داخل ہو سکتی ہیں بشرطیکہ ان میں تھوڑا سا سرمایہ لگا دیا جاوے ہر چند کہ ہندوستان کے کئی شہروں میں مثل لاہور، بمبئی، میرٹھ اور کانپور وغیرہ کے صابن بنتا ہے لیکن ابھی اسکی بڑی ضرورت ہے۔ اور تھوڑا تھوڑا صابن بنانے والے بہت روپیہ نہ کما سکیں لیکن بڑے سرمایہ کے کارخانوں کے لئے ابھی اس کام میں بڑی دولت ہے۔ اسکے اجزا تیل اور سجی یا سوڈا اور پوٹاش سب بکثرت ہندوستان میں ملتے ہیں پھر ولایتی صابنوں کے لئے لاکھوں روپیہ سالانہ کیوں ہندوستان سے باہر جانے دیا جاتا ہے - یوروپ میں صابن سب سے زیادہ بکنے والی چیز ہے - صابن سے زیادہ انگلستان اور امریکہ میں کسی چیز کا اشتہار نہیں دیا جاتا - لیکن صابن بنانا یہ لوگ خوب جانتے ہیں میرا خیال ہے کہ زیادہ مشق سے یہاں کے لوگوں کو بھی اچھے صابن بنانے کا ڈھنگ آجائیگا - اور دوسری قسم کی حرفتوں میں پنسل بنانا بڑھایا جاوے -

نب بنانا نب بنانے کی جو مشین میں نے نمائش میں دیکھی تھی - وہی مسٹر دیسائی نے دیکھا - اس کی قیمت دریافت کی تو چھ سو روپیہ معلوم ہوا - یہ مشین بہت سہل قسم کی ہے - لیکن نب بنانے کے لئے پہلے لوہے کے پتروں میں خاص لچک پیدا کرنی چاہئے - مسٹر دیسائی کی رائے میں پیتل کے بھی ویسے ہی نب بن سکتے ہیں - یہ سب کام تجربہ اور مشق کے سامنے سیدھے ہو جائیں گے - باقی چھ حرفوں کی نسبت میں یہاں کچھ نہیں کہنا چاہتا - کیونکہ وہ بڑے سرمایہ سے جاری ہو سکتی ہیں - باقی رہیں سہل قسم کی پندرہ دستکاریاں - ان میں سے ۱ - ۵ - ۴ - ۸ - ۱۰ اور ۱۴ میری فہرست میں بھی داخل تھے - اور ان کے علاوہ جو دستکاریاں میں نے تجویز کی تھیں ان کی فہرست حسب ذیل ہے -

(۱) سویاں اور سیمیں بنانا (۲) سگرٹ بنانا (۳) چورا میں بنانا (۴) بنیان بنانا (۵) گلوبند بننا (۶) کارک نکالنے کے سکرو بنانا (۷) انگریزی سیاہی بنانا - (۸) برقی کال بل اور باٹریاں بنانا (۹) جوتے سیاہ کرنے کی سیاہی بنانا (۱۰) ربر کی مہریں بنانا (۱۱) گلٹ کرنا (۱۲) تالے بنانا (۱۳) شیشوں (کانچ) پر نام کھودنا (۱۴) لکڑی کو وارنش (۱۵) چھاپنے کی سیاہی (۱۶) کنڈر گارٹن کا سامان (۱۷) آچار چٹنیاں بنانا (۱۸) میوے پریزرو کرنا (۱۹) شیشے قلعی کرنا وگلٹ کرنا (۲۰) دانت بنانا (۲۱) عمدہ تخم محفوظ رکھنا (۲۲) کھ دبنانا (۲۳) بطخوں اور مرغیوں کے پروں کے تکئے (۲۴) مرغیوں کے انڈے (۲۵) رسے بٹنے کی مشین - تنگے کی گولیاں (۲۶) پردے چھاپنا (۲۷) کپڑے کے پھول بنانا (۲۸) گیہوں کے ڈنٹھوں سے فینسی ٹوکریاں (۲۹) سنیٹری (۳۰) لفافے بنانا (۳۱) کاپی لینے کی ربڑ پریس (۳۲) اشتہارات اور پوسٹ لگانا (۳۳) اخبارات کے خریدار پیدا کرنا اور کتابیں سعیکر سٹین کے طریقہ پر بیچنا (۳۴) عینکیں بیچنا مصنوعی آنکھیں لگانا (۳۵) دیسی کپڑے کی دکانیں (۳۶) سٹ غیرہ (۳۷) سوت کی گولیاں (۳۸) کھلونے - (۳۹) لکڑی کے خلال بنانا (۴۰) بلا چمنی کا بے دود لیمپ (۴۱) سادہ کپڑا بننا -

(۴۳) بٹن بنانا (۴۴) لیس بنانا (۴۵) فیتے بننا (۴۶) برش بنانا (۴۷) گلگلی۔

اب ان میں سے ہر ایک کے متعلق میں کچھ اشارات لکھتا ہوں جن سے غرض صرف اس طرف توجہ دلانے کی ہے نہ کوئی مکمل ہدایات دینا مقصود ہے۔

(۱) سویاں اور پیں ویانے نمائش میں ایک مشین سویاں بنانے کی دیکھی تھی۔ اسکی قیمت بھی زیادہ نہ تھی۔ سویوں کی کھپت کی کچھ فکر نہیں۔ البتہ یہ مجھے معلوم ہوا تھا کہ سوئی کے لئے لوہے کی تار میں ایک خاص درجہ تک لچک ہونی چاہئے جو ناواقف نہیں جانتا۔ مگر تجربہ سکھلا دیگا۔

(۲) سگرٹ بنانا سگرٹ بنانے کی چھوٹی چھوٹی مشینیں بھی میں نے دیکھی ہیں۔ جو دس بیس روپیہ کی ہونگی۔ ان کا کام صرف کٹے ہوئے تمباکو کے گرد باریک کاغذ لپیٹ دینا ہوتا ہے۔ یہ کام مصر میں بہت لڑکے ہاتھ سے کرتے دیکھے ہیں اس لئے بلا اس مشین کے بھی ہو سکتا ہے۔ مصری سگرٹ میں مصر میں بھی ٹرکی کا تمباکو استعمال ہوتا ہے۔ مگر چونکہ سگرٹ مصر سے باہر بھیجنے میں ان پر چار شلنگ فی کیلو محصول لگتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص کچھ روپیہ خرچ کر کے ٹرکی سے تمباکو منگوائے۔ اور ہندوستان میں اس سے سگرٹ بنوائے تو فائدہ میں رہیگا۔ اب بھی بمبئی میں بعض کارخانے ایسا کرتے ہیں۔

(۳) جورابیں بنانا اس وقت لاہور میں اور ہندوستان کے کئی دوسرے حصوں میں جورابوں کی مشینیں جورابیں بننے میں مصروف ہیں۔ لاہور میں بہت لوگ اب انہیں کی بنی ہوئی جورابیں پہنتے ہیں۔ کیونکہ ولایتی جورابوں سے بہت مضبوط ہوتی ہیں۔ ایک صاحب جو اس کام سے خوب واقف ہیں وثوق سے کہتے ہیں کہ ایک ہوشیار آدمی یا لڑکا ایک روپیہ روزانہ اس کام سے کما سکتا ہے مشین کم و بیش سو روپیہ کی ہوتی ہے جورابیں کثرت سے ہندوستان میں آتی ہیں۔

(۴) بنیان بنانا بنیان بنانے کی مشین میں نے قسطنطنیہ میں کام کرتے دیکھی ہے۔ جورابوں کی مشین کے اصول پر ہوتی ہے۔ مگر اس سے بڑی۔ ابھی تک یہ مشین

ہندوستان میں منگوائی نہیں گئی۔ مگر میں نہیں جانتا اس میں کیوں کامیابی نہ ہوگی۔ بیشک شائد اتنے سستے بنیان نہیں بنا سکیگی جو اب آسٹریا اور جرمنی سے آتے ہیں۔ لیکن اُن سے بہت مضبوط بھی تو بنائے گی۔

(۵) گلوبند بننا — سستے رنگین گلوبند جو عام لوگ پہنتے ہیں۔ لاکھوں روپے کے ہندوستان میں جرمنی سے آتے ہیں۔ اوران کی مشین بھی میں نے دیکھی ہے چھوٹی سی ہے۔ گو میں نے اس کی قیمت نہیں دریافت کی تھی۔ مگر بہت گراں نہ ہوگی۔

(۶) کارک سکریو کی مشین — میں نمائش پیرس کے ذکر میں اس مشین کا قصہ بیان کر چکا ہوں شائد سات آٹھ سو روپے سے زیادہ نہیں ہوگی۔ مگر ایک منٹ میں پانچ چھ بوتل سے کارک نکالنے کے سکریو بنا دیتی ہے جنکے دستے لکڑی کے علیحدہ بنے ہوتے ہیں۔ یہ صرف ایک لوہے کی تار کو دوہرا کر کے پیچدار بنا دیتی ہے۔ اور ضرور فائدہ کی چیز ہے۔

(۷) انگریزی سیاہی بنانا — میں نے کسی اخبار میں پڑھا تھا کہ ہندوستان میں صرف سیاہی کئی لاکھ روپے سالانہ کی خرچ ہوتی ہے۔ سرکاری دفاتر میں انگریزی سیاہی عموماً ولایت سے آئی ہوئی استعمال کی جاتی ہے۔ انگریزی سیاہی کے نسخے کئی کتابوں سے مل سکتے ہیں۔ بنانے سے تجربہ اور مشق کے ساتھ جو لوگ اچھی سیاہی بنانے لگینگے اُنہیں کی سرکاری دفتروں اور نیز سکول کے طالب علموں وغیرہ کے کام آجائیگی توجہ شرط ہے سیاہی کے مصالحے سب دیسی ہیں۔ اور کثرت سے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ کاپی کرنے کی سیاہی اور رنگین روشنائیاں بھی ہوں۔ کارخانہ پیسہ اخبار میں مختلف روشنائیوں کے نسخوں کی ایک کتاب حال میں شائع ہوئی ہے۔

(۸) برقی کال بل — بائری بنانا کوئی مشکل کام نہیں۔ ذرہ سی توجہ سے ہر ایک ہوشیار خواندہ آدمی ایک معمولی خشک یا تر بائری بنا سکتا ہے اور کال بل کا اگر لکڑی اور پیتل کا کام خود بنالے یا بنوالے اور ریشم لپٹی ہوئی تار ولایتی بنی ہوئی خریدے

تو ایک قیمتی آلہ بن سکتا ہے۔

(۹) جوتا سیاہ کرنے کی سیاہی ہزاروں روپے کی یہ سیاہی ولایت سے آتی ہے۔ اسکے بھی نسخے کتابوں میں بہت ملتے ہیں۔ ایسے سب کام کچھ توجہ کچھ محنت کچھ تجربے کے محتاج ہیں۔ میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ انگلستان کے ایک مشہور بوٹ کی سیاہی بنانے والا کارخانہ جو اب لاکھوں روپے سالانہ کی بوٹ کی سیاہی بیچتا ہے اس کے مالک نے ایک پیاسے سپاہی کو ٹھنڈا پانی پلایا تھا جس کی شکرگذاری میں سپاہی نے وہ نسخہ سیاہی کا اُسے دیدیا کہ جس سے وہ لاکھوں روپے کما رہا ہے یہ بھی اُن چیزوں میں سے ہے کہ جنپر خرچ بہت کم ہوتا ہے۔

(۱۰) ربر کی مہریں یہ بہت سہل کام ہے۔ ہندوستان میں پہلے بھی کئی لوگ بناتے ہیں۔ لیکن ابھی سیانے اور دیانتدار نوجوان کے لئے اس میں وڈی بہت ہے کسی قیمتی مشین کے خریدنے کی ضرورت نہیں۔ مصالحہ ولایتی ملتا ہے اور کسی جاننے والے سے دو چار روز میں طریقہ سیکھا جا سکتا ہے۔

(۱۱) گلٹ کرنا میں نے امریکہ کی ایک مشین گلٹ کرتے دیکھی ہے جس میں چاندی سونا وغیرہ کی بجائے نئی خاص دھاتیں استعمال کی جاتی تھیں۔ بہت تھوڑے خرچ میں ہر شخص صرف ایک دفعہ دیکھکر گلٹ کرنے لگے گا۔ مشین دو سو روپیہ کی ہوگی۔ اس مشین کے سوائے بھی گلٹ ہو سکتا ہے۔

(۱۲) تالے بنانا جو لوہار یا کوئی دوسرا سمجھدار شخص تالوں میں بہت سے لیور ڈالنے میں اپنی طبیعت کو لڑا سکے۔ اُسکے لئے اس کام میں بہت روپیہ پڑا ہے۔ اور کوشش کے ساتھ ولایت جیسے اعلےٰ قسم کے تالے بن سکتے ہیں۔

(۱۳) شیشوں پر نام کھودنا کلنچ کے شیشوں پر بعض کھودنے والے تیزابوں سے لکھنے سے شیشے کی سطح کھد جاتی ہے۔ اور جب اس شیشے کے نیچے قلعی چڑھی ہوئی ہو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کھودی ہوئی جگہ میں چاندی بھردی گئی ہے میں نے ایک دو شخصوں کو یہ کام کرتے دیکھا ہے۔ بہت منافع کا کام ہے۔

(۱۴) وارنش اگر کوئی شخص مختلف قسم کی وارنشیں لکڑی اور لوہے وغیرہ پر لگانے کے لئے اچھی طرح بنا سکے تو یقیناً اُس کا تیار کیا ہوا مال بکتا رہے گا۔ ولایت میں مختلف قسم کے رنگ وارنشوں میں ملا کر لاکھوں روپیہ کے بکتے ہیں۔ اور لوگ انہیں فرنیچر وغیرہ رنگنے میں استعمال کرتے ہیں۔

(۱۵) چھاپنے کی سیاہی اگر کوئی شخص بڑی احتیاط سے پتھر پر چھاپنے کی سیاہی بنانے لگے تو سب مطابع والے اُسی سے خریدیں۔ کیونکہ ولایت کی سیاہی گراں بہت ہوتی ہے۔ مگر یہ اُس سے ارزاں اور ویسی ہی اچھی ہوگی۔ اصلی دودہ حاصل کرنے کا انتظام کرے جو باوجود تلاش کے بھی مشکل سے ملتا ہے۔

(۱۶) کنڈر گارٹن گو کرکٹ بیٹ اور بیڈمنٹن وغیرہ انگریزی کھیلوں کا سامان اب سیالکوٹ وغیرہ مقامات میں بہت اچھا بنتا ہے۔ لیکن مدارس کے چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لئے کنڈر گارٹن یعنی حدیقۃ الصبیان اور آبجکٹ لیسن یعنی اسباق الاشیا کا سامان بنانے اور بہم پہنچانے میں بھی کئی شخص مصروف ہو سکتے ہیں۔ لکڑی اور کاغذ کے ٹکڑوں سے اس غرض کے لئے کئی چیزیں بن سکتی ہیں۔

(۱۷) اچار چٹنیاں وغیرہ یورپ سے لاکھوں روپے کی چٹنی اور مربے ہندوستان میں آتے ہیں۔ ہندوستانی چٹنی کے نام سے کئی چٹنیاں انگلستان اور دیگر ممالک میں بنتی ہیں۔ بعض چٹنی اور مربے کے کارخانوں نے سیلون میں اپنے میوہ جات کے باغات لگا رکھے ہیں۔ ہندوستان میں بھی دہلی کشمیر وغیرہ مقامات میں بعض لوگ اچار اور چٹنیاں بناتے ہیں اور ہندوستانیوں اور انگریزوں میں کثرت سے فروخت کرتے ہیں۔ لیکن ابھی اس کام میں بہت لوگوں کی شریفانہ روزی کمانے کی گنجائش ہے۔ البتہ ہندوستانی اور انگریز گاہکوں کے مذاقوں کا الگ الگ خیال رکھنا چاہئے۔ اور سلیقہ کے ساتھ صاف ستھری بوتلوں میں خوشنما لیبل لگا کر بیچنا چاہئے۔

(۱۸) میوے پریزرو کرنا پچھلے نمائشوں کے بیان میں میوے پریزرو کرنے کا ذکر

کیا ہے ہندوستان سے لاکھوں روپیہ سالانہ کے مختلف میوہ جات یورپ کو جاسکتے ہیں۔ جہاں ان سے بہت نفع حاصل ہوسکتا ہے۔ جہاں عام انناس کا ایک شقتالو اور چھ آنہ کا سنگترہ بکتا ہے۔ آم اگر بکثرت جاسکے تو بڑے نفع کی چیز ثابت ہوسکتا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ ہندوستان سے یورپ تک پندرہ سولہ روز کے سمندر کے سفر میں میوجات سڑنے نہ پائیں۔ جس جہاز پر میں گیا تھا اس پر ایک پارسی پانچ چار آموں کے صندوق یورپین دوستوں کو تحائف دینے کے لئے لے گیا تھا۔ ہر چند کہ صندوقوں میں چاروں طرف ہوا کے لئے موریاں تھیں تاہم ٹریسٹ میں پہنچکر چند ہی سڑنے سے بچے تھے۔ فرانس کی بعض نوآبادیوں سے خاص قسم کے میوجات جہازوں کے برفانی کمروں میں پیرس تک آم وغیرہ میوجات سلامت پہنچتے ہیں۔ آسٹریلیا سے برف میں دبا ہوا گوشت یورپ میں بلا سڑنے کے پہنچ جاتا ہے۔ مگر اس کے علاوہ کچھ اور تدبیر بھی بعض نازک میوجات کو سلامت پہنچانے کی کرنی چاہئے۔ کہتے ہیں کہ شہد یا شیرہ میں اگر آم ڈالا جاوے۔ ایسے طور پر کہ بالکل اس میں چھپ جاوے تو مدت تک تازہ رہتا ہے۔ نمائش پیرس میں مجھے کلکتہ کے انڈسٹریل ایسوسی ایشن کے قائم مقام بابو سریندرو ناتھ دت نے یہ دو طریقے نمائش کے لئے میوے تازہ رکھنے اور کھانے کے لئے تازہ رکھنے کے بتلانے تھے۔ جو وہ کہتا تھا کہ اسے بڑی مشکل مگر اتفاق سے ایک امریکن میوجات کے سوداگر نے بتلائے تھے۔ (۱) کھانے کے لئے میوے پریزرو کرنے کا طریق یہ ہے جو اہل امریکہ استعمال کرتے ہیں۔ پھلوں کا چھلکا اتار کر اس کو رس اور پانی اور شکر مساوی الوزن کے شیرہ (قوام) میں ہر چھوٹے سے ٹین میں ایک ثابت پھل مثلاً آم رکھدو۔ اسکے بعد ٹین کا ڈھکنا قلعی سے بند کیا جاوے۔ تب ایک پلیٹ پر کئی ایسے ڈبے پھلوں کے رکھ کر ایک کھولتے ہوئے پانی کے دیگ میں یہ پلیٹ دو تین منٹ کے لئے ڈالو اور نکال کر ان ڈبوں کے سر پر سوئی کے برابر چھید کرو تو گرم ہوا پھس کر کے نکل جائیگی۔ یہ چھید پھر قلعی سے بند کردو

تو ایسے ڈبوں میں میوجات دو سال تک نہیں بگڑتے (۲) البتہ نمائش کے لئے میوجات تازہ رکھنے ہوں تو پہلے سلفیورک ایسڈ۔ پانی اور گلیسرین مساوی الوزن میں ڈالدو۔ یہ مدت تک ٹھیک حالت میں رہیں گے۔ تحمل نے کے کام کے نہ ہونگے سپرٹ میں بھی نمائش کے لئے میوجات تازہ رہ سکتے ہیں۔ بعض جگہ میں نے چھلکے اور گٹھلیاں نکالکر پریزرو کئے ہوئے میوجات دیکھے۔ ان طریقوں سے نہ صرف غیر ممالک میں بھیجنے کے لئے میوجات تازہ رہ سکتے ہیں۔ بلکہ ہندوستان میں بھی غیر موسم میں بہت فائدہ سے بک سکتے ہیں۔ فروری گذشتہ میں ایک مریض کے لئے طبیب نے انگور نہایت ضروری بتائے تھے۔ مگر باوجود تلاش کے بھی ہندوستان کے اکثر شہروں میں نہ ملے۔ بے موسم چیزیں بہت بہت اچھا دام پاتی ہیں۔ اسی ضمن میں مجھے ایک اور بات کا ذکر یاد آگیا ہے۔ جو لاہور کے کسی اخبار میں کسی دانشمند شخص نے غریب لوگوں کو ایک پر نفع تجارت بتلانے کی غرض سے لکھی تھی۔ وہ یہ ہے اُس کی مراد سرسوں کے ساگ کی تھی۔ اور اس میں شک نہیں کہ تھی کم پایہ لوگ صرف اسی ذرا سی بات سے سودہ ہو سکتے ہیں۔ سرسوں کے موسم میں ہی تو گندلیں بہت ارزاں بکتی ہیں۔ جو شخص دس بیس روپیہ کا یہ ساگ خشک کر کے رکھ چھوڑ موسم گذر جانے کے بعد یقیناً یہ خشک کیا ہوا ساگ کم از کم پانچ چھ گنا قیمت پر بک جائیگا۔ اسی طرح خشک کئے ہوئے شلجم اور گاجریں بے موسم بہت غنیمت سمجھے جائینگے۔ یہ دام رکھ چکنے کے بعد معلوم ہوا کہ بمبئی کے کسی اولوالعزم پارسی نے یوروپ کو آم وغیرہ میوجات خاص قسم کے جہازوں میں بھیجنا شروع کرنے میں

(۱۹) شیشے ڈھلی کرنا پرانے دیسی طریقے پر نہیں بلکہ نئے انگریزی گلاس سلورنگ کے عمل سے بڑے بڑے شیشے ملموسیت سے تیار کئے جاتے ہیں۔

(۲۰) دانت بنانا گو کسی فن میں چابکدستی اور کاریگری حاصل کرنے کے لئے تو مدت درکار ہوتی ہے۔ لیکن میں نے دیکھا ہے کہ ایک شخص نے چند روز میں ہی یہ فن ایک دوسرے شخص کو سکھلا دیا تھا جو اب بہ دانت لگاتا ہے۔ اور اس پیشہ سے

معقول آمدنی رکھتا ہے۔ امریکہ میں دانت بنانے کے کام میں بڑی ترقی ہو رہی ہے
اور کئی رسالے اس فن کے نکلتے ہیں۔ اور باضابطہ مدرسے جاری ہیں۔

(۲۴) عمدہ تخم محفوظ رکھنا | کون تجربہ کار زمیندار اور باغبان ہے جو اس تجربے سے
حاصل کی قدر نہیں جانتا۔ مگر افسوس ہے کہ پھر بھی اس پر بہت تھوڑوں کا عمل ہے۔
صاف ظاہر ہے کہ عمدہ تخم سے عمدہ فصل پیدا ہوگی جیسے کہ اچھے سانڈ سے بچے اچھے
ہونگے سرکار نے مہربانی کر کے اچھے سانڈ تو محکمہ افزائش نسل اسپاں کے متعلق
بہت جلد روپیہ خرچ کر کے جا بجا ملک میں رکھوا دیئے ہیں کیونکہ سرکاری فوج کے
لئے ہمیشہ گھوڑوں کی ضرورت رہتی ہے۔ لیکن ہندوستان کے اسی فی صدی زراعت
پیشہ آبادی کی بہتری کے لئے اسے ابھی ملک میں اچھے تخموں کے ڈپو بنانے کا
خیال نہیں آیا۔ یورپ میں دستور ہے کہ بعض لوگ ہر قسم کی تخم ریزی کے
غلے اور ترکاریوں اور میوہ جات کے عمدہ تخم بہم پہنچانے کا پیشہ رکھتے ہیں انگلستان
میں ایک سٹن اینڈ سنز کا کارخانہ نہایت مشہور ہے۔ یہ لوگ نہ صرف دوسرے
مقامات سے ہی اچھے تخم منگوا کر بیچتے ہیں کہ جن سے فصل بہت عمدہ پیدا ہو۔
بلکہ خود سینکڑوں ایکڑ اراضی پر مختلف غلوں اور ترکاریوں اور پھولوں کے عمدہ سے
عمدہ تخم پیدا کرتے ہیں اور بڑے سے بڑے تخم بہم پہنچانے کی کوشش میں مصروف
رہتے ہیں۔ لیکن جبکہ لوگ ان سے گراں قیمت پر تخم لے کر کھیت میں بوتے ہیں
تو اس سے فائدہ بھی بہت حاصل ہوتا ہے۔ کون نہیں چاہتا کہ اس کے آلو ایک
لوٹے کے برابر ہوں۔ اس لئے وہ تخم فروش کارخانہ سے آلو کا بیج خریدتا ہے
جس کا اتنے بڑے آلو پیدا کرنے والا تخم بیچنے کا دعویٰ ہوتا ہے۔ مجھے بارہا خیال
ہوتا ہے کہ ہندوستان میں بیسیوں ایسے کارخانوں کی ضرورت ہے جو غلوں
ترکاریوں پھولوں اور میووں کے عمدہ تخم بہم پہنچائیں۔ جینگن کمپنی کی کپاس سے
سے دوگنی ڈیوڑھی پیدا ہوتی ہے۔ مصری کپاس ہندوستان کی کپاس سے بلحاظ
ریشہ کے طوالت اور کیا بلحاظ پیداوار کی زیادتی کے عمدہ ثابت ہوئی ہے بمبئی کے محکمہ

مسٹر ناٹال نے اس کپاس کے تجربات کرکے مفید نتائج شائع کئے ہیں۔ امریکہ کی مکی
ہندوستان سے بہت اچھی ہوتی ہے بلحاظ مقدار پیداوار کے۔ ایک ایک
پودے میں پانچ چھ بھٹے پیدا ہونا کوئی بڑی بات نہیں۔ ٹرنیوال کی مکی کے دانہ
کا حجم اسی کتاب میں پیرس نمائش کی کیفیت میں بتلایا ہے۔ پکسن صاحب
کی کتاب زراعت ہند میں فلسطین کے گیہوں کے تخم کی پیداوار کی بیحد تعریف
کی گئی ہے۔ یہ اور اور کئی عجائبات ہر شخص جو ذرا بھی شعور رکھتا ہو اس خاص صیغہ
میں دکھلا سکتا ہے۔ بعض چارہ پیدا کرنے والے گھاسوں مثل گنی گھاس لوسرن
مثل سورگم کے تخم بھی رکھنے چاہئے۔

(۲۲) کھاد بنانا
یہ بھی زراعت کے متعلق ایک ضرورت ہے۔ اس میں شک نہیں
کہ ابھی ہمارے ملک کے کسان کھاد کی بہت قدر نہیں جانتے۔ ورنہ وہ اُپلے
نہ جلایا کریں۔ اور کروڑوں من مویشی کی ہڈیاں جو کھاد کے حق میں اکسیر کا حکم
رکھتی ہیں مفت یورپ کو نہ جانے دیں۔ تاہم کئی معدنی اور نباتاتی ستھری
کھادیں۔ اگر کوئی شخص تیار کرنے کا التزام کرے تو کیا سرکاری فارموں اور
انگریزوں کے باغات اور کھیتوں میں اور کیا سمجھدار ہندوستانیوں کے کھیتوں
اور باغوں میں بک سکتی ہیں۔ گو آج اس ہیرے شے کی قدر نہ ہو۔ مگر ممکن
نہیں کہ کچھ مدت کے بعد اسی غرض سے بہت سی دکانیں ہندوستان
میں قائم نہ ہو جائیں۔

(۲۳) بطخوں اور مرغیوں کے بچے پرورش
گو بطخوں وغیرہ کے قیمتی ہیں تو اب بھی بہت قیمت سے یہاں
کو بیچے جانے کے لئے بکتے ہیں۔ لیکن ان لاکھوں کے انڈے
مرغیوں اور بطخوں کے انڈوں کی بہت قدر نہیں کی جاتی جو ہندوستان میں کھائی
جاتی ہیں۔ کیوں نہ لوگ ان [illegible] کو جمع کرکے بچے پیدا کریں۔ اگر ہندوستانی
انکی قدر نہ کرینگے تو انگریز جو ان [illegible] کے قدردان ہیں اچھی قیمت پر انہیں خرید لینگے۔

(۲۴) مرغیوں کے انڈے اور بچے
مرغیاں پالنا بھی ایسا ہی [illegible] سمجھے کر جس میں بڑا سرمایہ

[illegible] کے باعث [illegible] ہو رہی ہے۔

اور نہ کچھ لیاقت اور محنت درکار ہے۔ مگر اس میں ابھی نفع بہت ہے۔ ہندوستان میں انگریز رہتے ہیں جو مرغی اور انڈے کی اچھی قیمت دینے کو راضی ہیں۔ گو ہندوستانی بھی بہت سے اس نعمت کے قدردان ہیں۔ اگر کوئی شخص زیادہ مرغیاں بطور تجارت کے پالے تو اسے بہت منافع کی امید ہو سکتی ہے۔ یہ مال بہت جلد بڑھتا ہے۔ عمدہ یورپین قسموں کی مرغیوں کے انڈے انگریز بہت شوق سے بچے نکالنے کے لئے خریدتے ہیں۔ ایک ایک نر کی مرغ بننے دنوں (کرسمس) میں دس بارہ روپے کو سہل سا بک جاتا ہے۔ اس کام کے کرنے والے کو انڈوں سے بچے نکالنے والی مشین (انکو بیٹر) کو نہیں بھولنا چاہئے۔

(۲۵) رسے بٹنے کی مشین یہ بہت سی وہ مشینیں بان اور رسے بٹنے کی بھی بہت مفید ثابت ہونگی۔ تمام ملک میں بان اور رسے ہر قسم کے استعمال ہوتے رہتے ہیں۔ چکیٹ بان بٹنے کے ڈوریوں سے لیکر بڑے بڑے رسوں تک بٹنے جائیں۔

(۲۶) پردے چھاپنا اضلاع مغربی و شمالی میں بہت اچھے پردے چھپتے ہیں۔ لکھنؤ کے لحاف اور توشکوں کے ابرے بہت نفیس ہوتے ہیں۔ فرخ آبادی پردوں کی نمائش پیرس میں خاص قدر ہوئی تھی۔ مگر چند سال ہوئے میلے پر چھپے ہوئے دسترخوان میں نے دیکھے تھے کہ جن پر کچھ موزون شعر چھپے ہوئے تھے۔ ہر ایک شریف اور خواندہ ہندوستانی ایسے دسترخوان کو پسند کریگا۔ پھر ابروں اور چھینٹوں پر اچھے اچھے پر مطلب شعر چھپ جائیں تو یقیناً باذوق لوگ سادہ چھینٹ کی چھینٹوں پر انہیں ترجیح دینے لگیں گے۔

(۲۷) [illegible] میں انکی کیفیت نمائش پیرس کے حالات میں کافی لکھ چکا ہوں۔ اس مصنوع سے جو معمولی بھدی سی ٹوکریاں بنتی ہیں انکی انگریزوں میں خاص قدر ہے۔ بعض میمیں انہیں ورک باسکٹ کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ یورپ اور امریکہ میں کئی قسم کے گھاس سے ایسی ٹوکریاں بنائی جاتی ہیں (سٹرا بیسکٹ) انگلستان اور دیگر بلاد یورپ میں جس

دستکاری کی بنتی ہے وہ میں نے سُنا ہے کہ ہندوستان کے گیہوں کے دستکاری سے
نرم اور نازک ہوتا ہے لیکن مجھے امید ہے کہ اچھی دستکاری سے اس سے بھی
ویسا ہی کام بن سکتا ہے۔ اور ہر ایک دیہاتی غریب عورت اور لڑکی بھی ایسے
کر سکتی ہے۔ اسی طرح کاغذ کی کترن سے فینسی ٹوکریاں بن سکتی ہیں جسے یورپین
اور ہندوستانی یکساں پسند کرینگے۔

(۲۹) سٹیشنری میں سیاہی کی کیفیت پہلے بیان کر چکا ہوں سٹیشنری کے
باقی اجزا کے متعلق بڑا میدان خالی ہے پلاٹنگ پیڈ۔ کاغذ فائل کرنے کی تاریں
گوندانیاں پنسلیں ٹن فائل رول قلموں کے ہولڈر۔ پیپرویٹ ٹیگ وغیرہ وغیرہ
چیزیں کسی قدر ذہانت سے تیار کرکے بہم پہنچانی چاہیئے۔ جو لوگ ادھر توجہ کریں گے
بشرطیکہ انکی طبیعت اس میں لڑتی ہو کئی چیزیں ایسی وضع کر سکیں گے کہ جنہیں
لوگ پسند کرینگے۔

(۳۰) لفافے بنانا لفافے بنانا بھی سٹیشنری کا ایک جزو ہے۔ لفافے بنانے کی
مشین جو میں نے دیانا میں دیکھی ہے وہ دو حصوں پر مشتمل تھی جن پر چھ سات سو
روپیہ خرچ ہوگا۔ اگر اُسی اصول پر ہندوستان میں کوشش کی جائے تو دو سو روپیہ
لوہار ویسی مشین بناسکینگے۔ اب جبکہ کاغذ پر دول کھینچنے۔ کاغذ پر فوریٹ کرنے اور
لیمونیڈ وغیرہ بنانے کی مشینیں لاہور اور امرتسر میں بننے لگی ہیں تو یہ سادہ مشینیں
بھی ضرور بن سکے گی جس میں ایک پریس مختلف نمونوں کے لفافوں کے لئے
کاغذ کاٹنے کا۔ اور ایک لفافے کو گوند لگنے کے بعد جوڑنے میں مدد دینے
کا ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی اسیقدر کاٹنے والی چھریاں ہوتی ہیں جتنے نمونوں کے
لفافے بنانے مطلوب ہوں۔ کام بہت سہل ہے۔

(۳۱) الکحلی بیلنے کو پریس یورپ اور امریکہ میں تو کئی نمونوں کے بنتے رہتے ہیں لیکن
ایک قسم کی جو جیلاٹین یا اسٹرنگ گلاس کے بنتے ہیں۔ اور انکی ہندوستانی تکسیرین
ملا کر بنائی جاتی ہے۔ بنانے بہت سہل ہیں۔ اور بھی سستی قیمت پر بہت بک سکتے ہیں

(۲۲) اشتہار اور پوسٹر چپکانا — یورپ اور خصوصاً امریکہ میں تو دیواروں پر پوسٹر چپکانا ایک بہت بڑا پیشہ بن گیا ہے کہ جس میں ہزاروں لوگ مصروف ہیں۔ انکا کام یہ ہوتا ہے کہ ایک مقررہ اُجرت پر خاص خاص حلقوں میں اشتہار دینے والوں کے بڑے پوسٹر چپکاتے اور اشتہار تقسیم کرتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی اس کام میں بڑا میدان خالی ہے۔ کوئی معمولی سمجھ کا شخص اس کام کو چلا سکتا ہے۔ بشرطیکہ اشتہار دینے والوں کو اطمینان دلادے کہ اُنکے اشتہار اور پمفلٹ ضائع نہیں ہونگے۔ بلکہ مناسب مقامات پر دیانت داری سے پہنچ جائینگے اور پوسٹر واقعی چپکا دیئے جائینگے۔ اس کے ساتھ میں ایڈورٹائیزنگ ایجنٹوں کا ذکر کر دیتا ہوں۔ ان لوگوں کے بڑے کارخانے ہوتے ہیں۔ جن کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اچھے اچھے پیرایہ میں اور خوبصورت سے خوبصورت اور دلکش ڈیزائن میں اُن بڑے بڑے اشتہار دینے والوں کے اشتہار اپنی پسند کے اچھے اخبارات اور رسالجات میں چھپوائیں یا دیگر وسائل سے مشتہر کریں کہ جن سے زیادہ سے زیادہ کامیابی کی امید ہو۔ اشتہار دینے والے انکے اعتبار پر ایک مقررہ رقم پچاس ہزار یا لاکھ یا دو لاکھ پونڈ کی جیسی کہ کسی کی حیثیت یا کام کی حالت ہو۔ انکے ہاتھ میں دے دیتے ہیں۔ اور یہ اپنی نیکنامی اور شہرت کو قائم رکھنے کے لئے اُس رقم سے بہتر سے بہتر کام لیتے ہیں۔ ایسے کارخانے ابھی ہمارے ملک میں مدت کے بعد پیدا ہونگے۔

(۲۳) اخبارات کے خریدار پیدا کرنا — ممالک یوروپ و امریکہ میں کہ جہاں اخبارات عروج پر پہنچے ہوئے ہیں۔ اخبارات بیچنے کا بڑا ذریعہ نیوز ایجنٹ اور نیوز بائز ہیں۔ لاکھوں کاپیاں اخبارات کی چھپ کر نیوز ایجنٹوں کے پاس بھیجی جاتی ہیں۔ انکے سینٹروں بڑے اور چھوٹے دفتر اور دوکانیں ہر شہر میں ہوتی ہیں۔ ٹھیک وقت پر دکانوں پر اخبارات اور رسالجات پہنچائے جاتے ہیں۔ اور یہیں سے یا اخبارات کے دفتروں سے نیوز بائز یعنی اخبار بیچنے والے لڑکے اخبارونکے پُشتارے پکڑ کر گلیوں اور بازاروں میں اخبار کا نام یا اسکے کسی بڑے مضمون کا

عنوان چلاتے ہوئے بھاگ جاتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی اس کام کی اخبارات کو سخت ضرورت ہے۔ اور اس کام میں بھی ہر شہر میں کئی دوکاندار اور سینکڑوں لڑکے مصروف ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اخباروں اور رسالوں کی قیمتوں پر انہیں معقول کمیشن ملتا ہے۔ لیکن جب تک یہ طریق ہمارے ملک میں جاری ہو خواندہ اور مخیلہ شخص مختلف اخبارات کے لئے خریدار پیدا کرنے کے لئے مختلف مقامات میں سفر کر کے لوگوں کو اخبارات اور رسالوں کی خریداری پر آمادہ کر سکتے ہیں سامنے جا کر کسی شخص کو چرب زبانی یا لسانی یا ادب اور معقولیت سے کسی کام پر آمادہ کر لینا بھی ایک لیاقت ہے۔ اور جن لوگوں میں یہ لیاقت موجود ہے۔ یورپ اور امریکہ میں وہ بڑے کامیاب کنویسنگ ایجنٹ بن جاتے ہیں۔ اس کام کے لئے ایک یا چند اخبارات کے معاوضہ میں ایک ہوشیار سرگرم نوجوان کافی پیدا کر سکتا ہے۔ اضلاع متحدہ امریکہ میں اس طرح بڑی بڑی کتابیں فروخت کرنے کا بڑا رواج ہے مثلاً ایک دو چار یا دس جلد کی کتاب کی قیمت دس یا بیس یا تیس روپے ہے۔ کنویسنگ ایجنٹ کا کام ہے۔ کہ وہ خوشحال لوگوں کے پاس جا کر کتب کے خوبصورت نمونے دکھلائے اور اس کے مطالب کی عمدگی اور تصویر اور جلد کی خوبی کی تعریف کے طومار باندھ دے مگر میں کسی نوجوان کو یہ صلاح نہیں دونگا کہ کسی چیز کی نفس الامر تعریف سے زیادہ مبالغہ کرے۔ ایسی کتابوں کی فروخت پر ایجنٹ کو معقول کمیشن ملتی ہے۔ اور اس طریقہ کو کتابوں کا سب کمیشن پر فروخت کرنا کہتے ہیں۔

(۳۳۰) عینکیں بیچنا یہ بھی ایک ایسا کام ہے کہ تھوڑی سی کوشش سے ایک تعلیم یافتہ نوجوان سیکھ سکتا ہے۔ آنکھ کی ساخت اور اس کی ضروری امراض کا علم حاصل کر کے آنکھیں ٹسٹ کرنے اور ان کو مناسب اور موزون عینکیں لگانے کا طریقہ سیکھے۔ آجکل تو ٹسٹ کرنے کے بہت سہل طریق ایجاد ہوئے ہوئے ہیں۔

لنڈن

نشانۂ صاحب نام نکو شد رنج نادیدہ
نگیں ہرگز نگردیدہ است سنگ ناتراشیدہ

پیرس سے لنڈن کو روانگی۔

۷۔ اگست ۱۹۰۰ء کی صبح کو میرا قصد پیرس سے لنڈن کو روانہ ہو جانے کا تھا کہ صبح اٹھکر ہم ناشتہ پر بیٹھے۔ اور میری مہربان میزبان بیگم نے مجھے تاکید کی کہ اس وقت اچھی طرح پیٹ بھر کر کھا لو کیونکہ پھر تین بجے تک کہ جب تک ریل سے اتر کر انگلش چینل کے جہاز میں سوار نہ ہو جاؤ کھانا نہیں ملے گا۔ اور پھر جہاز میں کھانا کھانے کو جی نہیں چاہتا۔ اتنے میں آج کا نیویارک ہیرلڈ پیرس ایڈیشن آ گیا۔ اور میں نے اس میں دیکھا کہ رود بار انگلستان میں کل سخت طوفان رہا ہے۔ یہاں تک کہ فرانس اور انگلستان کے مابین ڈاک تک رکی رہی ہے۔ اور رود بار کے دونوں طرف کے ہوٹل مسافروں سے پُر ہو گئے ہیں۔ اس لئے میرے میزبانوں نے صلاح دی کہ آج کا دن یہیں ٹھیرجاؤ۔ شام نمائش گاہ میں اتفاقاً ایک ایرانی اہلکار سے ملاقات ہوئی۔ اور اس نے کہا کہ شاہ کجکلاہ سے اگر چہ ہم تو نہیں مل سکتے ہو۔ کل صدر اعظم سے آکر ملو تو ملاقات ہو جائیگی۔ چنانچہ ۸۔ اگست کو علے الصبح یعنے ساڑھے سات بجے جبکہ پیرس میں بمشکل دس فیصدی آدمی بیدار ہوئے ہونگے۔ میں گاڑی کرایہ کرکے حضرت شاہ مظفرالدین کے فرودگاہ پر پہنچا۔ اس مکان کا نام پیلے ڈا سووران (Palais de Soverezgins) یعنے بادشاہوں کا محل ہے اور اس میں فرانس کے شاہی مہمان ٹھیرا کرتے ہیں۔ مگر افسوس کہ ابھی بہت سویرا تھا۔ گیٹ کے نزدیک سپاہیوں اور مکان کے کوتشی دربان نے کہا کہ شاہ کے

ملازم تو نو بجے آتے ہیں۔ اور اسی وقت مکان کا دروازہ بھی کھولا جاتا ہے۔
میں ایک گھنٹہ [illegible] بعد واپس چلا آیا کیونکہ مجھے اس بات کا بھی
پختہ یقین نہیں تھا کہ [illegible] شروع ہو جاتی کیونکہ جب سے ایک خوش نصیبی
نے [illegible] دریا [illegible] طاقت سے زیادہ حذر کرنے لگے ہیں۔ غرض
میں مکان پر پہنچ کر منشی [illegible] صاحب کے ہمراہ گاڑی سامان لاد کر ریلوے سٹیشن کو
روانہ ہو [illegible] صاحب نے مجھے ٹکٹ [illegible] اور بوجھ کم کرا دینے میں
بڑی [illegible] سے دوم درجہ
کا [illegible] اور جہاز کو [illegible] تھا۔ اسباب کا کرایہ
علیحدہ تھا۔ قلیوں [illegible] واقف ہونے کے منشی [illegible] صاحب نے ایک شخص
ہی دیا [illegible] خوش [illegible] ابھی ریل کے
چلنے میں کچھ [illegible] آپ بیٹھ جائیں۔
لیکن [illegible] میں بیٹھ جاؤں گی۔
کیسی معقول کیسی [illegible] بیٹھی ہیں
[illegible] سے کام [illegible] تھا گئی
[illegible] ہندوستان کے [illegible]
موضعات [illegible] مکانات [illegible]
[illegible]
[illegible] کے
[illegible]
[illegible] سہارنپور تھا [illegible]
ہیں [illegible]
تھے [illegible] سٹیشن پر
پہنچتے ہی [illegible]

تھا سب لوگ جہاز کے برآمدہ میں بنچوں پر بیٹھ گئے - صبح دس بجے سے چلکر گاڑی
تین بجے یہاں پہنچی تھی - اس لئے اس وقت خوب بھوک لگی ہوئی تھی -

جہاز میں ناگوار کھانا میں نے دیکھا کہ جہاز میں بعض آدمی کھانے کی طرف لپکے ہیں -
میں بھی وہاں جا بیٹھا - اور ویٹر سے کھانا منگایا اور اُسے تاکید کر دی کہ "پورک"
مت لانا - وہ دو رکابیوں میں دو چیزیں لے آیا - ایک مٹن تھا - اور دوسرا کچھ اور
جب میں گوشت پسند کھا چکا تو میں نے غور سے دوسرے گوشت کو دیکھا
اور چھری سے کاٹا تو معلوم ہوا کہ وہ قدرتی گوشت نہیں ہے - بلکہ ایک مصنوعی
چیز ہے - مجھے کچھ شک ہوا تو میں نے ویٹر کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا ہے - اُس نے
کہا کچھ نہیں - یہ صرف گیلنٹائن ہے - میرے پاس ایک انگریز لیڈی اور
جنٹلمین بیٹھے تھے [illegible] میں نے اُن سے پوچھا کہ گیلنٹائن کیا
چیز ہے تو معلوم ہوا کہ [illegible] - [illegible] نہ تھے - پھر ویٹر سے پوچھا کہ یہ کس
چیز کا گوشت ہے تو اُس نے کہا یہ ویل ہے - (ویل بچھڑی کے گوشت کو کہتے
ہیں) جس میں انڈے اور ہیم ملا ہوا ہے - اور بڑی نعمت شمار ہوتا ہے - مجھے
ہیم کا نام سنکر بڑا افسوس ہوا - میں نے ویٹر کو ملامت کی - اور کھانا لوٹا دیا مگر
اس کے [illegible] زیادہ
محتاط [illegible] گئی تھی میں
گھروں میں بھی بہت کم گوشت کھاتا ہوں - [illegible] میں [illegible] اس امر کا
متحمل ہو سکتا تھا - کہ میں نے یورپ کے اکثر شہروں میں ہفتہ ہفتہ بھر تک
گوشت نہیں کھایا - اور کہیں تو یہودیوں کے محلے کے دوکانوں کو تلاش کر کے
وہاں سے ذبح کی ہوئی [illegible] کا گوشت کھایا - کیونکہ یہودی بھی مسلمانوں کی طرح
خنزیر کو حرام سمجھتے ہیں - اور ذبیحہ بھی نہایت احتیاط سے کرتے ہیں کہ جسے
کوشر کہتے ہیں -

سرزمین انگلستان انگلش چینل میں جہاز دور نہیں گیا تھا کہ موجوں کے تھپیڑوں

ڈگمگانے لگا۔ اور کئی مردوں اور خصوصاً عورتوں کی حالت بگڑنے لگی۔ انگلش چینل ہمیشہ کم و بیش متلاطم رہتی ہے۔ چنانچہ میری بھی طبیعت متلانے لگی میں ایک بستر پر لیٹ گیا۔ اور بہت جلد سو گیا۔ جب جہاز انگلستان کے ساحل پر لگا تو میں بیدار ہوا۔ لیٹ جانے سے متلی کم ہوتی ہے۔ بہرحال مینے خدا کا نام لیکر انگلستان کی سرزمین پر قدم رکھا۔ اس عجیب سرزمین پر کہ جس کے سپوت ہم پر حکومت کرتے ہیں۔ اور بوجہ اپنی عقل اور دانش کے آج فرزانہ روزگار شمار ہوتے ہیں۔ میں اس مردم خیز زمین کو دیکھنے کا مدت سے مشتاق تھا۔ اور اسکے لوگوں کو اُنکے گھروں میں دیکھنا چاہتا تھا۔ اُن کی طرز معاشرت انکی انسٹی ٹیوشنوں اور اُنکے تجارتی کارخانوں کو بچشم خود دیکھنے کی آرزو رکھتا تھا کہ جن کے حالات میں نے اور لوگوں سے دیکھے ہوئے اکثر شوق سے سُنے تھے۔ نیو ہیون کے سٹیشن پر کسٹم کے افسروں نے اُن لوگوں کے اسباب کا معائنہ کیا جو لنڈن یہ ادھر اُترنے والے تھے۔ لیکن جو لنڈن کے وکٹوریا سٹیشن تک جانے والے تھے۔ اُن کے اسباب وہیں پہنچکر دیکھے جاتے تھے۔ سب لوگوں نے یہاں سے اخبار خریدے اور میں نے لنڈن کی ایک گائیڈ بک خریدی۔ اور اس میں سے کوئی مناسب ہوٹل تلاش کرنے لگا۔ پیرس سے جب میں سوار ہوا تھا تو گاڑی کے جس کمرہ میں میں بیٹھا تھا اُس میں سب مسافر الگ الگ اخبار پڑھ رہے تھے۔ بعض فرانسیسی بعض جرمنی اور بعض انگریزی زبانوں کے مینے بھی جرنل لی پیٹی اور نیو یارک ہیرلڈ خرید لئے۔ یہاں دستور ہے کہ جب لوگ اخبار پڑھ چکتے ہیں تو اسی گاڑی میں پھینک کر چلے جاتے ہیں چنانچہ جب ہم گاڑی سے لنڈن میں نکلے تو سب لوگوں نے اپنے اپنے اخبار وہیں پھینک دیئے۔

انگلستان کا کشان میزی میں نے ایک قلی کو بلایا۔ اور اُس نے میرے ٹرنک نکال کر بینچ پر رکھدیئے کہ جہاں چونگی کے افسر آکر دیکھنے والے تھے چونگی

کے افسر نے مجھے آتے ہی پوچھا کہ تمہارے پاس تمباکو شراب یا کوئی اور قابل محصول چیز تو نہیں۔ میں نے کہا نہیں۔ تو اُس نے بلا ٹرنک کھلوانے کے مجھے رخصت کر دیا۔ میں اٹلی آسٹریا جرمنی بلجیم اور فرانس کے علاقوں سے گذر کر انگلستان میں پہنچا تھا۔ اور سب ملکوں کی سرحدوں پر ریل کو روک کر سب لوگوں کے ساتھ میرے ٹرنک کھلوا کر دیکھے گئے تھے۔ لیکن انگلستان میں صرف میری بات پر اعتبار کیا گیا۔ انگلستان کی غیر معمولی آزاد خیالی اور شائستگی کا یہی ثبوت کافی ہے۔ جو مجھے یہاں ریل سے اُترتے ہی مل گیا۔

لنڈن میں پہلی رات قلی جو میرے ہمراہ تھا اُس نے میرا اسباب ایک دستی گاڑی پر رکھ لیا۔ اور میری ہدایت کے مطابق وہ مجھے ایک بہت قریب کے ہوٹل میں لے گیا۔ یہاں صرف ایک چھوٹا سا کمرہ خالی تھا۔ جو ساڑھے تین شلنگ (۲؍۱) میں مجھے رات بھر ٹھیرنے کے لئے دیا گیا۔ یہاں ایک چھوٹی سی میز ایک غسل کے لئے حمام اور ایک الماری دیوار میں لگی ہوئی تھی۔ لیکن اس عجیب الماری کے تختے کھولنے سے ایک چارپائی اس میں سے نکل آتی تھی جس کے دوسرے سرے پر دو پائے تھے جو زمین پر ٹک جاتے تھے۔ صبح اس چارپائی کو اُٹھا کر الماری کے سرے سے اٹکا دیا جاتا اور اُس کے پٹ بند کر دیئے جاتے تو چارپائی کا کہیں نشان باقی نہ رہ جاتا تھا۔ غالباً یہ چھوٹا سا کمرہ غسل خانہ کے لئے بنایا گیا تھا۔ لیکن پیچھے اس سے چارپائی کا کام لیا جانا تجویز ہوا ہو گا۔ سوائے چارپائی پر بیٹھنے کے ڈائری لکھنے کی بھی جگہ نہ تھی۔ اس لئے میں ہوٹل کے ریڈنگ روم میں جا کر ڈائری لکھی۔ مجھے اس بات میں دلچسپی نظر آئی کہ دنیا کے اس سب سے بڑے شہر میں مجھے پہلی رات کو شاید شہر کے سب سے تنگ مکان میں گزارہ کرنا پڑا ہے۔ کھانے کے لئے میں قریب ہی ایک رسٹوران تلاش کر لیا

لنڈن میں پہلا دن

۹- اگست کو صبح ضروریات سے فارغ ہو کر میں بے صبری
کے ساتھ لنڈن کو دیکھنے کے لئے پیدل نکل پڑا۔ میری عادت یہ ہے کہ جب تک
میں کسی شہر میں پیدل پھر کر نہ دیکھوں مجھے اس کی سمتوں اور گلی کوچوں کی کچھ
سمجھ نہیں آتی۔ بعد ازاں ایک پاکٹ گائیڈ لے کے کہ جس میں لنڈن کے تمام بازاروں
اور گلیوں کے نقشے بنے ہوئے تھے۔ بازاروں کو دیکھتا ہوا وکٹوریا سٹریٹ
سے گذر کر ویسٹ منسٹر ایبی اور ہاؤس آف پارلیمنٹ کے پاس سے ہوتا ہوا
وائٹ ہال سے ہو کر چیرنگ کراس میں جا پہنچا۔ وہاں سے سٹرینڈ اور فلیٹ
سٹریٹ سے گذرتا ہوا لڈگیٹ سرکس سے ٹائمس تک کے دفتر کے پاس سے
ہوبرن ویاڈکٹ گذر کر برٹش میوزیم کے پاس پہنچ گیا۔ بخلاف یورپ کے
دیگر شہروں کے لنڈن میں مجھے یہ بڑی آسانی تھی کہ یہاں کے مشہور بازاروں
اور عمارتوں کے ناموں سے میں انگریزی [illegible] بازار دیکھنے کی وجہ سے
میں ایسا مانوس تھا کہ گویا پہلے ان مقامات کو دیکھا ہوا تھا۔ لنڈن کے اکثر
بڑے بڑے اخبارات اور رسالجات کے دفتر اور کتب فروشوں کی دوکانیں
فلیٹ سٹریٹ اور سٹرینڈ میں ہی ہیں۔ بلکہ مضافات کے بہت سے اخبارات
کے لنڈن کے دفاتر بھی یہاں تھے مستعمل کتابیں بیچنے والوں کی بھی کئی دوکانیں
یہاں تھیں۔ اور جیسا کہ مجھے بعد میں معلوم ہوا یہاں ایک پرانی [illegible]
کتابیں بیچنے والوں کی دوکانوں کے لئے فلیٹ سٹریٹ میں مخصوص ہے۔
جسے بک سیلرس رو کہتے ہیں۔ اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ان دکانوں
میں میں گھنٹوں کھڑا ہوا الماریوں سے کتابیں نکال نکال دیکھا کرتا تھا۔
مجھے پیرس میں ایک صاحب نے مشورہ دیا تھا کہ برٹش میوزیم کے پاس واشنگٹن
ہوٹل میں رہنا اچھا ہو گا۔ اور اگر اس ہوٹل میں جگہ نہ ملے تو اس کے گرد و پیش
کئی لاجنگ ہوس ہیں۔ کہ جن میں عموماً امریکن مسافر فروکش ہوتے ہیں میں
ان میں سے تین لاجنگ ہوسوں میں گیا۔ مگر ہر جگہ سے یہی جواب ملا کہ امریکن

مسافر اس قدر وارد ہیں کہ کوئی جگہ خالی نہیں۔ اتنے میں برٹش میوزیم سامنے آگیا۔ اب کوئی ترغیب ایسی نہ تھی جو مجھے برٹش میوزیم کے دیکھنے سے روک سکے۔ میں جھٹ دنیا کے سب سے بڑے عجائب خانہ میں داخل ہوگیا۔ برٹش میوزیم کے عجائبات اور خصوصاً یہاں کے عربی فارسی کے قلمی کتابوں کے کتب خانہ کی شہرت مدت سے سنی ہوئی تھی۔ دروازہ پر کئی قسم کے گائیڈ اس عجائب خانہ کے بک رہے تھے۔ میں ایک گائیڈ بک خرید کر اندر گھس گیا اور لگاتار چار پانچ گھنٹے اس عظیم الشان عمارت کے بے شمار کمروں میں پھرتا رہا۔ مجھے اس وقت یہ بات بالکل بھول گئی تھی کہ مجھے ابھی رات کے بسیرے کی فکر نہیں کی۔ اور اگر کوئی اور ہوٹل تلاش نہ کیا تو شب گزشتہ والی سوراخ میں ہی رات کاٹنی پڑیگی۔ غرض جب عجائب خانہ بند ہوا تو میں بھی باہر نکلا۔

انگلستان کا ایک دیانتدارانہ تدبیری

جیسا کہ یورپ کے سب عجائب خانوں میں دستور ہے کہ یہاں بھی لوگوں کی لاٹھیاں اور چھاتے دروازہ پر ایک شخص لیکر رکھتا جاتا ہے۔ اور ٹین کے پتروں پر چھپے ہوئے نمبر کہ جن میں ایک دوہرا چھپا ہوا ہوتا ہے۔ ایک تو چھتری یا لاٹھی سے لٹکا دیتا ہے اور دوسرا اس کے ساتھ کا اس کے مالک کے حوالہ کر دیتا ہے۔ جب میں نے اپنے چھاتے کا نمبر واپس دیکر چھاتا لیا تو مجھے یورپ کے دوسرے شہروں کے تجربہ کی بنا پر جیب سے ایک پینی نکال کر چھتوں کے محافظ کو دینی چاہی بجائے اس کے کہ وہ بھوکے گداگر کی طرح جھپٹ کر پینی لے لیتا۔ اس نے میرے چہرہ کی طرف دیکھا۔ اتنے میں میری نظر سامنے ایک تختی کے اوپر جا پڑی جس پر موٹے حروف میں لکھا ہوا تھا کہ تماشائی ملازمان عجائب خانہ کو کچھ ٹپ وغیرہ نہ دیں۔ یہ بات میں نے یورپ میں پہلی دفعہ دیکھی۔ اور اس سے مجھے لندن میں آنے کے دوسرے ہی دن ایک دفعہ پھر یہ بات سوجھی کہ انگلستان

بلحاظ شائستگی (اندازہ بھی) لات یوروپ سے کئی قدم آگے ہے۔ گو برلن کی بڑی عالی بل ہر بھی باریک حروف میں یہی بات چھپی ہوئی دیکھی تھی۔ لیکن ان دونوں چیزوں کی حیثیتوں اور حالتوں میں لاکھوں کوس کا فرق تھا۔ عجائب گھر سے نکلنے کے بعد معلوم ہوا کہ ٹھیک برٹش میوزیم کے دروازے کے مقابل سڑک کی دوسری طرف مانٹیگو ہوٹل کا دروازہ ہے۔ کہ جس کی میں تلاش کر رہا تھا۔ میں نے بہت غنیمت سمجھا کہ برٹش میوزیم کے روبرو ہوٹل ملے۔ اور اندر جاکر ایک کمرہ تیسری چھت پر لے لیا۔ گو یہ بہت گرانہ تھا۔ مگر اس میں برقی روشنی اور لفٹ وغیرہ کی آسائش سب مہیا تھی۔ اور غسل خانہ کا بھی بڑا آرام تھا۔ یہاں بکثرت گرم پانی ملتا تھا۔ (مجھے یہاں کے ٹھہرنے کے بعد بعض صاحبوں نے کہا کہ یہاں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔ کسی لاجنگ میں چلے چلو لیکن چونکہ یہ مقام لنڈن کا نہایت پر رونق حصہ تھا۔ میں یہیں ٹھیرا رہا) اسی وقت ایک کیب گاڑی کرایہ کر کے میں وکٹوریا سٹیشن کے قریب کے ہوٹل سے اپنا اسباب اٹھا لایا۔

دنیا کا سب سے بڑا شہر۔ واقعی یہ کیسی دلچسپ بات ہے کہ دنیا کا سب سے بڑا شہر نہ صرف براعظم ایشیا میں واقع نہیں کہ جو دنیا کی تمام گذشتہ تہذیب کا گہوارہ رہا ہے۔ اور جہاں تک دنیا کے تمام مشہور مذاہب کے پیغمبر پیدا ہوئے ہیں۔ بلکہ براعظم یوروپ سے بھی پرے سمندر کے ایک جزیرہ میں واقع ہے۔ خدا کی شان ہے کہ دنیا کے ایک نکڑ کے کونے میں سمندر کے ایک جزیرہ میں ایک چھوٹی سی قوم آ آباد کیا۔ کیونکہ انگریز بلحاظ تعداد اور وسعت ملک دنیا کی دوسری قوموں سے بہت چھوٹی قوم ہیں۔ اور پھر اس قوم کو یہاں تک ترقی اور عظمت بخشی کہ اس کا شہر دنیا بھر میں بڑا شہر بن دیا۔ جو دنیا بھر کی تجارت کی منڈی علم و ہنر کا مرکز اور دولت کی کان ہے۔ اس کے انسٹیٹیوشن دنیا کے دوسرے شہروں کے انسٹیٹیوشنوں سے بہت بڑے

ہیں۔ اگر چین۔ امریکہ یا ہندوستان کا کوئی شہر دنیا میں بڑا ہوتا تو عجیب بات نہ تھی۔ کیونکہ یہ ملک بھی بہت بڑے بڑے ہیں۔ لیکن سب سے بڑا شہر انگلستان میں ہونا البتہ عجیب ہے۔ ہرچند کہ انگریزی قوم کئی باتوں پر ناز کرسکتی ہے۔ لیکن کیا یہ اُن سب میں نمایاں اور ممتاز نہیں ہے۔ کہ جتنا بڑا شہر اُسکا مرکزِ حکومت ہے اتنا بڑا دوسری کسی قوم کے پاس نہیں ہے۔ لنڈن کے بعد بلحاظ آبادی دوسرا درجہ نیویارک کو حاصل ہے۔ اس لئے اگر لنڈن کا کوئی حریف ہے تو وہ یہی شہر ہے کہ جسے لنڈن کے بیٹوں نے آباد کیا تھا اور جس میں اب تک لنڈن کی بولی بولی جاتی ہے۔ یورپ کے بعض دار الخلافے ہرچند کہ بجائے خود بڑے بڑے شہر ہیں۔ لیکن اُن کی لنڈن سے برابری کرسکنے کی کوئی امید نہیں۔

[illegible] یورپ کے چار بڑے دارالخلافوں نے گذشتہ صدی میں آبادی کے لحاظ سے جو ترقی کی ہے اس کا مقابلہ کرنے سے کوئی شک باقی نہیں [illegible] لنڈن نہایت [illegible] آبادی میں ترقی کر رہا ہے [illegible] صدی کے [illegible] آبادی [illegible] تھی۔ مگر صدی کے خاتمہ پر [illegible] تک پہنچ گئی۔ [illegible] ذیل اعداد سے نمایاں ہے کہ پیرس برلن اور [illegible] نے اور کسی شہر نے اس نسبت سے ترقی نہیں کی۔

سنہ ۱۸۰۱ء میں لنڈن کی آبادی ([illegible]) تھی۔ پیرس کی ([illegible]) ویانا کی ([illegible]) اور برلن کی ([illegible])

سنہ ۱۸۵۱ء میں لنڈن کی آبادی ([illegible]) تھی۔ پیرس کی ([illegible]) ویانا کی ([illegible]) اور برلن کی ([illegible])

اور سنہ ۱۹۰۰ء میں لنڈن کی آبادی ([illegible]) پیرس کی ([illegible]) برلن کی ([illegible]) اور ویانا کی ([illegible]) ہوگئی۔

لنڈن کی آبادی اور رقبہ ہرچند کہ ہندسوں کی قطاریں بڑا خشک مضمون سمجھا

جاتا ہے۔ مگر چونکہ واقعات کے بیان کرنے کا اور کوئی ذریعہ اس سے معتبر نہیں مجبوراً مجھے لنڈن کی عظمت بیان کرنے کے لئے بہت سے ہندسے درج کرنے پڑتے ہیں۔ شہر لنڈن شرقاً غرباً تخمیناً چودہ میل لمبا اور شمالاً جنوباً دس میل چوڑا ہے۔ جس کا کل رقبہ (۱۱۸) مربع میل ہے۔ اس میں (۴۵۲۴۰۶۳) آدمی (۶۰۸۰۰۰) مکانات میں سکونت پذیر ہیں۔ مگر مع مضافات کے شہر کی آبادی [illegible] کے تخمینہ کے مطابق (۶۲۹۱۶۷۷) آدمی کے ہے۔ اور ظاہر ہے کہ پیرس، برلن، اور وینا کی آبادی ملا کر شہر لنڈن میں سما سکتی ہے۔ اسی طرح امریکہ کے تین بڑے شہروں نیویارک، شکاگو اور فلاڈیلفیا کی آبادی ملا کر لنڈن میں [illegible] تب بھی [illegible] پانچ لاکھ آدمیوں کے لئے گنجائش باقی رہے گی۔ شہروں کو چھوڑ کر ملکوں کی طرف دیکھئے۔ شہر لنڈن جو انگلستان کی کل آبادی کے ساتویں حصہ کا ذمہ دار ہے۔ اس میں سکاٹلینڈ یا ہالینڈ یا بیلجیم یا سوئیڈن کے برابر اور ڈنمارک اور یونان دونوں کو ملا کر ان کے برابر آبادی ہے۔ میٹروپولیٹن [illegible] پولیس کے نیچے سے لنڈن کا رقبہ (۴۴۲۴۵۰۸) ایکڑ ہے۔ مگر چیرنگ کراس [illegible] بارہ میل کے فاصلہ پر جو دائرہ کھینچا جائے اس کے اندر اندر [illegible] لنڈن میں شامل ہیں۔ اور [illegible] گریٹر لنڈن یعنے لنڈن [illegible] مربع میل ہے۔ سینٹ لنڈن پوسٹ آفس [illegible] شہر [illegible] میں گھروں کی [illegible] کے کوچوں میں چوبیس گھنٹوں میں مردم شماری ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ شہر میں اسکے مختلف راستوں سے [illegible] میں (۱۲۰۶۰۰) آدمی اور [illegible] گاڑیاں داخل ہوئیں۔ علاوہ [illegible] ریلوے سٹیشنوں سے بھی شہر میں داخل ہوئے۔

تجارت اور دولت لنڈن کا بندرگاہ تمام دنیا کے بندرگاہوں سے بڑا ہے صرف [illegible] بلحاظ [illegible] آمد کی مالیت کے اس سے بڑا ہے۔ باقی ہر طرح

لنڈن بڑا بندرگاہ ہے۔ سنہ ۱۸۹۵ء میں لنڈن سے (۱۰۸۰۰۹۲۷۹۷) پونڈ کا مال باہر گیا۔ اور (۱۳۵۰۴۴۴۵) پونڈ کا داخل ہوا۔ اسی سال میں (۵۳۹۱۷) جہاز بندرگاہ لنڈن میں داخل ہوئے۔ نوے لاکھ پونڈ سالانہ صرف لنڈن کا محاصل چونگی ہے۔ غرض انگلستان کے سب بندرگاہوں میں جس قدر مال داخل ہوتا ہے۔ اس کا پانچواں حصہ دریائے ٹیمز کے کنارہ پر لنڈن میں اترتا ہے لنڈن میں تجارت ہی بیحد نہیں بلکہ شراب شکر معدنیات گھڑی سازی کپڑے بُننے اور جوتے بنانے کے کئی بڑے بڑے کارخانے بھی قائم ہیں۔ انجنیری اور کیمیکل اجزا کے کارخانے بھی یہاں کے مشہور ہیں۔ مگر چھاپہ خانے اور اخبارات کا مرکز ہونے کے لحاظ سے لنڈن دنیا بھر میں ممتاز ہے۔ دریائے ٹیمز نے شہر کو جن دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ان میں سے جنوبی نصف میں زیادہ تر صنعت و حرفت کے کارخانے گودام اور پرائیویٹ مکانات ہیں شمالی نصف میں ہاؤس آف پارلیمنٹ سرکاری محلات و دفاتر بینک۔ اور جہاز سازی کے کارخانے ہیں۔ لنڈن کے بیمہ کی ہوئی جائداد کی قیمت (۹۴۳۵۰۰۹۹۲۱) پونڈ ہے۔ اور بہت سی جائداد ہوگی کہ جس کا بیمہ نہیں ہوا۔ انگلستان کی پارلیمنٹ کے ہوس آف کامنز میں کل قریباً سات سو ممبران پارلیمنٹ نشست کرتے ہیں جن میں سے اکسٹھ اکیلا شہر لنڈن منتخب کرتا ہے۔ سنٹ پال کا گرجا تمام شہر میں بڑا مکان ہے۔ ہائڈ پارک اور ریجنٹ پارک بڑے رمنے اور نزہت گاہ ہیں۔ ٹیمز کے کنارے کے سنگین بند خیر بے بردار درخت لگے ہوئے ہیں۔ چلنے کے لئے نہایت خوبصورت روشیں ہیں۔ اور جب یہ مکمل ہو جائینگے تو یورپ بھر میں بے نظیر سڑکیں مانی جائینگی۔

لنڈن کی ریلیں اتنے لمبے چوڑے اور اس قدر آباد شہر میں ہر چند کہ آمد و رفت کی سہولیت ہمارے خیال کے مطابق پہلے بھی بہت زیادہ ہے لیکن ہمیشہ اس میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ لنڈن شہر کے اندر چودہ ریلیں سے زائد ... [illegible]

اطراف سے گذرتی ہیں۔ اور شہر کے اندر ۱۹۰۰ء میں کہ جبکہ میں وہاں تھا دو سو ستره ریلوے سٹیشن تھے۔ ان ریلوں میں سے بعض برقی طاقت سے بھی چلتی ہیں۔ مگر زیادہ تر دخانی انجنوں سے چلتی ہیں۔ گو زیادہ تر زمین کے اوپر چلتی ہیں۔ لیکن کئی ایک زمین کے اندر ٹنلوں کے بیچ سے بھی گذرتی ہیں۔ اور بعض جگہوں میں زمین کے اوپر پلوں کے ذریعہ سے سڑکیں بلند بھی بنائی گئی ہیں۔ غرض جس طرح راستہ ملا ہے سڑکیں نکالی گئی ہیں جب سٹیشنوں پر پہنچتے ہیں۔ تو ان میں لوہے کی سڑکوں کا جنگل نظر آتا ہے۔ اور تعجب ہوتا ہے کہ لنڈن کے بڑے بڑے سٹیشنوں پر ہر روز ریلیں کیوں نہیں ٹکراتیں۔ کوئی شخص جب تک مدت تک لنڈن میں نہ رہے ہرگز اسکو بات سے واقفیت حاصل نہیں ہو سکتی کہ فلاں طرف جانے کے لئے کس ریلوے لائن کے کس سٹیشن سے جانا چاہئے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ شہر لنڈن میں ریلوں کا ایک جال بچھا ہوا ہے۔

برقی ٹریم گو لنڈن میں ابھی برقی طاقت سے زیادہ استعمال نہیں ہونے لگا کیونکہ یہاں ٹریموے کا زیادہ گھوڑوں سے چلتی ہیں۔ [illegible] لیکن پیرس برلن اور ویانا کو چھوڑ کر بوڈاپسٹ اور قاہرہ میں بھی سب ٹریموے برقی طاقت سے چلتی ہے۔ تاہم امید ہے کہ ایک زمانہ میں لنڈن کی اکثر ریلیں برقی طاقت سے چلنے لگیں گی۔ حال ہی میں چند زیر زمین ریلوے لائنیں برقی طاقت سے چلنے لگی ہیں۔ اور ان میں بڑی کامیابی ہوئی ہے۔ چنانچہ ۱۹۰۰ء میں لنڈن میں جو [illegible] برقی ریلوے لائن میں زیادہ تر زیر زمین [illegible] نکالی گئی تھی [illegible] لنڈن [illegible] میل [illegible] [illegible] میل [illegible] ریلوے سے [illegible] [illegible] [illegible]

اور پکاڈلی سرکس ۲ میل (اجازت مل چکی تھی) ڈسٹرکٹ ریلوے ڈیپ لیول ۴
میل (اجازت مل چکی تھی) وائٹ چیپل اور بو ۲ میل (زیرتعمیر) بار [illegible]
۳ میل (زیرتعمیر)

ٹیوب جسے دو پنی ٹیوب لائن بھی کہتے ہیں اور ٹیوب انگریزی میں نلکے
کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد ایک خاص زیر زمین ریلوے لائن کی ہے۔
جو اسی زمانہ میں جاری ہوئی تھی۔ جب میں لندن میں پہنچا تھا۔ چونکہ اس
تمام تقریباً چھ میل لمبی برقی ریلوے لائن کا کرایہ صرف دو پنی مقرر کیا گیا تھا
اس لئے اسے عام طور پر لوگ اسی نام سے پکارتے تھے۔ لندن بینک سے
لیکر جو لندن کا نہایت پررونق حصہ ہے شیپرڈ بش تک اس پر تیرہ سٹیشن
ہیں۔ خواہ کوئی شخص دو سٹیشن جائے یا تیرہ سٹیشن سفر کرے۔ اسے وہی دو
پنی کرایہ دینا پڑتا ہے۔ اس سے پہلے [illegible] اس
کرتے تھے [illegible] لندن
[illegible]
باتوں [illegible] سو فٹ گہری
زمین کے نیچے کھودی گئی ہے [illegible] فٹ کی [illegible] سرنگیں آمد و رفت
کے لئے الگ الگ بنائی گئی ہیں۔ تاکہ ٹرینوں کے ٹکرانے کا اندیشہ بھی نہ
رہے کمپنی نے پارلیمنٹ سے ان سرنگوں کے کھودنے کی اجازت لی تھی اور
ان کی زمین کی کچھ قیمت نہیں دینی پڑی کیونکہ یہ لوگوں کے گھروں سے
سو فٹ گہری جگہ ہے۔ البتہ سٹیشنوں کے لئے کمپنی نے بازار میں جگہ خریدی
ہے۔ [illegible] ریلوے کے تعمیر کرنے کا خرچ تین
لاکھ [illegible] سٹیشنوں کے سوائے
[illegible] سٹیشن بھی نیچے اترے ہیں
دونوں [illegible] کم خرچ ہو۔ ہر ٹرین [illegible]

ٹرین چلتی ہے۔ اور ہر وقت مسافروں سے پٹی رہتی ہے۔ تخمیناً لاکھ مسافر
اس سے ہر روز گذرتے ہیں۔ میلوں وغیرہ کے تقریبوں پر دو لاکھ سے بھی
زیادہ گذر جاتے ہیں۔ اس کی رفتار فی گھنٹہ چودہ میل کے حساب سے رکھی
گئی ہے جس میں سٹیشنوں کا وقفہ بھی شامل ہے۔ بیس سیکنڈ ہر سٹیشن پر
ٹھیرتی ہے۔ اس لئے چوبیس سے ۲۸ میل کی رفتار قائم رکھتے ہیں۔ چونکہ
انجن برقی ہیں کہ جن سے دھواں نہیں نکلتا۔ اس لئے بخلاف دوخانی
ریلوں کے سیاہ ٹنلوں کے اس ریل کا راستہ بڑا صاف اور خوشنما ہے سفید
چینی کے روغن کی اینٹوں سے سٹیشن بنائے گئے ہیں۔ جو بڑے وسیع اور پُر
فضا معلوم ہوتے ہیں۔ اندر برقی روشنی سے ہر وقت دن چڑھا رہتا ہے۔
اس لائن پر مسافر ٹکٹ نہیں لیتے۔ بلکہ ہر دو پینی ادا کرنے سے
ہر مسافر کو ایک کمرہ میں داخل کر دیتے ہیں جو اس قسم کا لفٹ ہوتا ہے۔ اور
وہ ایک دم زمین میں سو فٹ زمین کے نیچے جا تا ہے۔ اور اسی طرح
نیچے سے اوپر آتا ہے۔ ہر سٹیشن پر تین تین لفٹ ہیں۔ زمین کے نیچے
خاصی ہوادار تھی۔ سٹیشن کی چھت [illegible] بڑے بڑے آہنی گاڈروں پر محرابی
صورت کے بنے ہوئے تھے۔ ٹرین نہایت لمبی اور ٹھہری گاڑیوں کی ہوتی
تھی۔ ذرا سی دیر میں ٹھہرتی۔ [illegible] بیٹھے [illegible] ہوتے تھے اتر
جاتے تھے۔ اور چڑھنے والے چڑھ بیٹھتے۔ [illegible] زمین کے نیچے
ایک اور سوراخ میں گھس جاتی تھی۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ تمام لنڈن
اوپر آباد ہے دریا ٹیمز اوپر بہتا ہے۔ اور ہم جس گاڑی میں جا رہے ہیں وہ
نیچے جا رہی ہے۔

زیر زمین لنڈن

لنڈن کی زمین [illegible] جس میں پینے کے پانی
نہیں [illegible] اور زیادہ
سوراخ کرنے کی گنجائش [illegible] نظر آتی [illegible] ملتی اس لئے

زمین میں گہرے سے گہرے سوراخ کھودے جاتے ہیں۔ اور بے اندازہ روپے کے خرچ سے حیرت ناک عجائبات تیار کی جاتی ہیں۔ پچھلے دنوں بعض انجینیروں نے اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ شہر لندن کا سب سے بڑا اور عظیم الشان گرجا سینٹ پال اس لئے معرض خطر میں ہے کہ اس کے نیچے سے ریلوں اور پانی کی نالیوں کے لئے کئی سوراخ زمین میں کھودے جا چکے ہیں۔ جس سے گرجا کی بنیادوں کو نقصان پہنچا ہے۔ جس پر تمام لندن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ کیونکہ سینٹ پال کوئی ایسی عمارت نہیں ہے جو پھر سہولیت سے بن سکے۔ اسی بارہ میں لندن کے اخبار ڈیلی میل نے سینٹ پال کے قریب لڈگیٹ ہل کے نیچے سو سو فیٹ گہرائی تک کا ایک مکمل نقشہ دکھلایا تھا۔ جس میں تین زیر زمین ریلیں ایک دوسرے کے اوپر نیچے سے گذرتی ہیں یعنی ٹیوب کہتے ہیں وہ اوپر کا درجہ ہے۔ اور جس کو سنٹرل لندن ریلوے کہتے ہیں وہ بازار کی سطح سے سو فیٹ گہری تھی۔ ایک اور ریل لائن اس سے اٹھارہ فیٹ اور نیچے گذرتی تھی۔ اور اس سے ۵۰ فٹ اور ایک زمین دوز ریلوے لائن جاتی تھی۔ ان کے درمیان صاف پانی گیس کی نالیاں۔ تار برقی کی بڑی بڑی نالیاں ہیں اور ان سب کے اوپر دوکانداروں کے گودام اور غریب لوگوں کے رہنے کے تہ خانے تھے کہ جن میں کبھی آفتاب کی روشنی نہیں پہنچی ان کے اوپر بازار ہیں شب و روز گاڑیوں اور آدمیوں سے تلاطم بحر کی کیفیت رہتی ہے۔ یہ تو ایک جگہ کا نقشہ ہے۔ باقی شہر اس سے بھی بڑا حال ہوگا۔

شہر لندن میں جہاں دریائے ٹیمز ہے اوپر پندرہ سولہ پل بنے ہوئے ہیں۔

دریائے ٹیمز کے نیچے بھی کئی ٹنل کھودے ہوئے ہیں جن میں سے آدمی اور ریلیں گذرتی ہیں۔

بلیک وال ٹنل

لندن کونٹی کونسل نے بلیک وال ٹنل حال ہی میں پوپلر اور گرینچ کے درمیان دریائے ٹیمز کے نیچے کھودا ہے جو پانچ سال میں ختم ہوا

اور ۲۲ مئی ۱۸۹۷ء کو بادشاہ سلامت نے اس وقت بحیثیت پرنس آف ویلز ہونے کے اس کو کھولا تھا۔ یہ ٹنل سوا میل لمبا ہے۔ جس کے بیچ میں سے ۱۶ فٹ گاڑی کا راستہ اور کناروں پر تین تین فیٹ پیدلوں کے لئے راہ بنائے گئے ہیں۔ اس کے اندر بھی سفید روغن کی اینٹیں لگائی گئی ہیں اور تین قطاریں برقی لیمپوں کی لگائی گئی ہیں۔ جن کا ہر لیمپ دس دس فیٹ کے فاصلہ پر ہے۔ کونٹی کونسل جو لندن کی میونسپل کمیٹی ہے اس نے محض شہر کے اس طرف کے گذرنے والے لوگوں کے اور گاڑیوں اور چھکڑوں کے سہولیت کے لئے تیرہ لاکھ ساڑھے تراسی ہزار پونڈ کے خرچ سے اس ٹنل کو تیار کیا ہے۔ اس سے پہلے گرینچ سے بلیک وال پہنچنے میں بہت فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے۔ مگر اب یہ چند منٹ کی راہ رہ گئی ہے۔ اس کے علاوہ بھی نہیں اطراف میں دریا کے نیچے دو اور رستے کونٹی کونسل تیار کر رہی ہے۔ جن سے لوگوں کے لئے سہولت بہم پہنچانے اور وقت صرف ہونے کے سوا اور کوئی مقصود نہیں۔ سب سے پہلا ٹنل جو دریائے ٹیمز کے نیچے لندن میں کھودا گیا تھا وہ ۱۸۴۳ء میں اٹھارہ سال کی محنت کے بعد [illegible] پونڈ کی لاگت سے تیار ہوا تھا۔ مگر اس میں سے صرف آدمی گذر سکتے تھے۔ اور گاڑیاں وغیرہ نہیں گذر سکتی تھیں۔ ہر چند کہ یہ ٹنل اس وقت بہت مفید ثابت ہوا تھا ہم اس زمانہ کے لوگوں سے ایک عجیب چیز سمجھا جاتا تھا۔ مگر کچھ مدت بعد ایک ریلوے کمپنی نے ریلوے لائن کے لئے نکال لی۔ اور یہ خوب کام آنے لگا۔ اس کے سوا لندن میں نہ صرف ریلوے لائنیں عمارتوں اور مکانوں کے نیچے سے ہی گذرتی ہیں بلکہ دریائے ٹیمز کے نیچے سے بھی کئی سڑکیں گذرتی ہیں۔

دنیا کی سب سے بڑی [illegible] اور [illegible]

اب جبکہ لندن کی کونٹی کونسل کا ذکر آ گیا ہے تو اس کے قوانین اور کارناموں کی بھی تھوڑی سی تفصیل کر دی

چاہیئے۔ ۱۸۸۸ء میں لوکل گورنمنٹ ایکٹ کے رو سے لنڈن کونٹی کونسل قائم ہوئی۔ اس کے (۱۳۷) ممبروں کو پبلک تین سال کے لئے منتخب کرتی ہے۔ اور کونسل (۱۹) الڈرمین چھ سال کے واسطے منتخب کرتی ہے۔ کئی وزیر اعظم تک ممبر اور عہدہ دار رہ چکے ہیں۔ اور کئی ممبران پارلیمنٹ ہمیشہ رہتے ہیں۔ کونسل کا سب سے اہم کام لنڈن ایسے بڑے شہر کے گندے پانی کی نالیوں کی صفائی ہے۔ سال مختتمہ ۳۱۔ مارچ ۱۹۰۰ء میں (۹۲۴۲۵۷۰۰۳۶) گیلن گندہ پانی شہر سے باہر نکالا گیا۔ مگر اتنا گندہ پانی کہ جس سے ہر سال ایک بڑی جھیل بن سکتی ہے کہاں پھینکا گیا۔ اس مسئلہ کو لنڈن کونٹی کونسل نے اس طرح حل کیا ہے کہ سب پانی کو ایک جگہ جمع کر کے چونے اور لوہے کے پروٹو سلفیٹ کی لاگ سے صاف کیا جاتا ہے۔ اس کی تمام میل نشین ہو جاتی ہے۔ جسے جمع کر کے سمندر میں پھینکا جاتا ہے۔ اور صاف پانی شہر سے گیارہ میل کے فاصلہ پر دریائے ٹیمز میں ڈالا جاتا ہے۔ اچھے اچھے سائنس دانوں نے بخوبی آزمایا ہے کہ یہ صاف شدہ پانی بالکل بے ضرر ہوتا ہے بلکہ اس کی وجہ سے دریا میں گذشتہ چند سال سے مچھلی بہت زیادہ پیدا ہونے لگی ہے۔ میل جو اس سال میں بائیس لاکھ اٹھاسی ہزار ٹن نکلی تھی۔ اسے چھ خاص جہاز سال بھر سمندر میں لے کر پھینکنے میں مصروف رہتے ہیں۔ چنانچہ اس سال میں ہزار ہزار ٹن وزن کے ۲۲۸۸ سفر جہازوں کو کرنے پڑے۔ پہلی نالیاں کافی نہ ہونے کی وجہ سے تیس لاکھ پونڈ کے صرف سے کچھ اور نالیاں تیار ہو رہی ہیں۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ کمیٹی ایک ٹنل دریا کے نیچے چودہ لاکھ پونڈ کے خرچ سے بنا چکی ہے۔ اور دو دوسرے اکیس لاکھ پونڈ کے خرچ سے بنا رہی ہیں۔ اس کے علاوہ دریائے ٹیمز پر وکسل برج نامی ایک عظیم الشان پل بنایا ہے۔ اور لیمبتھ برج عنقریب تعمیر کرنے والی ہے۔ مگر اس سے بھی بڑا اہم کام وہ ہے جو تخمینہ

چنتالیس لاکھ پونڈ کے خرچ سے سٹرینڈ اور ہوبرن کے مابین ایک نیا اور خوبصورت بازار بنانے والی ہے کہ جس سے اس نواح میں شہر کی خوبصورتی بہت بڑھ جائیگی۔ ٹیمز کے کنارہ پر جو خوبصورت بند بنایا گیا ہے وہ بھی کونٹی کونسل کا کام ہے۔ سال گذشتہ میں اس کمیٹی نے شہر کے باسٹھ مقامات پر تیس لاکھ پونڈ کے خرچ سے اصلاح کی ہے۔

پارک اور تفریح کے سامان

اور گذشتہ بارہ سال میں شہر کی پارکوں اور تفریح گاہوں کی تعداد چالیس سے سو تک بڑھا دی ہے۔ اور ابھی چند پارک ایسے ہیں کہ جنکا انتظام اس کمیٹی کے ہاتھ میں نہیں۔ ان نزہت گاہوں سے شہر کی خوبصورتی اور اہل شہر کی صحت اور دلچسپی پر کتنا بڑا اثر پڑتا ہے۔ علاوہ بڑے بڑے پارکوں کے گھروں سے کسیقدر دور ہیں۔ اور جہاں لوگ زیادہ تر شام کے وقت کام سے فارغ ہوکر جاتے ہیں چھوٹے چھوٹے سبزہ زاروں میں دن بھر عورتیں اور بچے زندگی کا لطف اٹھاتے رہتے ہیں۔ کونٹی کونسل نے بعض رمنوں میں ہرن اور جنگلی پرند بھی جمع کردیئے ہیں۔ اور لوگوں کی دلچسپی اور تعلیم کے لئے پرندوں کے چڑیا خانے بنوا دیئے ہیں اہل شہر کے مزید دلچسپی کے لیئے اس سال میں (۱۰۴۷۶) پونڈ کے خرچ سے (۵۰۹) بینڈ کے تماشے کرائے اور کرکٹ کے پندرہ ہزار گیم کھیلنے کا اپنی زمینوں پر کرکٹ کھیلنے والوں کو انتظام کردیا۔ دو پارکوں کے بڑے بڑے حصوں میں ریت بچھوا دی گئی ہے تاکہ غریب لوگوں کے بچے کہ جنہیں کبھی سمندر کے کنارہ پر جاکر ریت میں کھیلنے کا موقع حاصل نہیں ہوتا یہاں لطف حاصل کریں موسم گرما میں کونسل کے تالابوں اور جھیلوں پر لوگوں کے نہانے کے لئے سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ اور مختلف پارکوں میں پچاس جمنیزیم لوگوں کی ورزش کرنے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ کونسل کے کل پارکوں اور نزہت گاہوں کا رقبہ اب چالیس ہزار ایکڑ کے قریب ہو چکا ہے۔ حالانکہ اصل شہر لنڈن کا رقبہ

ساڑھے چھ سو ایکڑ ہے۔ اس سے کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ یورپ کے شہروں میں باوجود زمین کے اس حد تک گراں ہونے کے پارکوں کے لئے جگہ خالی رکھنی کتنی ضروری سمجھی جاتی ہے۔ اور انہیں واقعی شہروں کی صحت کے لحاظ سے شہر کے جسم کے پھیپھڑے مانا جاتا ہے۔ بحالیکہ ہمارے شہروں میں چپہ چپہ تنزل کی سفید زمین بذریعہ نیلام فروخت کر کے روپے سرکار کے خزانہ میں داخل کر دیئے جاتے ہیں۔ کاش ہمارے شہروں کے اندر بھی خالی زمین سبزہ زار کے لئے چھوڑی جائے۔

غریب لوگوں کے مکانات لنڈن جیسے دولت مند اور بڑے شہر میں غریب لوگوں کے مکانات کیسے تنگ وتار اور مضر صحت ہونگے۔ شہر کی میونسپلٹی نے یہ بھی اپنا فرض سمجھا ہے کہ غریب لوگوں کو عمدہ عمدہ مکان بہم پہنچائے کہ جن میں انکی صحت کو نقصان نہ پہنچے۔ لنڈن میں آٹھ لاکھ آدمی نہایت گنجان مکانوں میں رہتے تھے۔ اور ہر مکان میں آٹھ آدمیوں سے کم کی اوسط نہ تھی۔ انکے لئے زمین خرید کر اب تک چھیالیس بڑی بڑی لمبی عمارتیں اور سات کوٹھی نما مکانات تعمیر کی گئی ہیں جو ہمارے ملک کے امیروں کے مکانات سے بھی بلحاظ صفائی اور حفظان صحت کے اچھے ہیں۔ انپر کونسل کے (۲۵۳۰۸۰) پونڈ خرچ آئے ہیں۔ اور (۳۸۲۶۰) پونڈ سالانہ کرایہ ہے جو اس رقم کا کافی منافع ہے۔ اور بھی اسی طرح کئی جگہ مکان بنائے گئے ہیں جن میں اب تک (۲۱۲۰۵) آدمی سکونت حاصل کر چکے ہیں۔ یہ ہے شائستہ قوموں کے ارکان ہونے کا ایک ادنٹے نمونہ۔ چالیس ہزار آدمیوں کی رہائش کے لئے ایک نیا گاؤں پندرہ لاکھ پونڈ کی لاگت سے تعمیر ہوگا۔ جس کے گھروں کے سامنے چھوٹے چھوٹے باغات اور چاروں طرف پر فضا سایہ دار سڑکیں ہونگی۔ لنڈن کاؤنٹی کونسل نے کچھ عرصہ سے شہر لنڈن کی ٹریم کمپنی سے کل ٹریم کے لائنیں خرید لی ہیں۔ اور تب سے

ٹریسے کا کرایہ کم اور آسائش پہلے سے زیادہ ہو گئی ہے۔

فائر بریگیڈ لنڈن ایسے بڑے شہر میں آتش زدگیاں ہر سال بتیس سو تخمینہ کی گئی ہیں۔ جن میں سے دو سو بہت شدید ہوتی ہیں کہ جن میں لاکھوں روپیہ کا نقصان ہو جاتا ہے۔ اس لئے اطفائے آتش کا محکمہ اس شہر میں خصوصیت سے مستعد اور کیل کانٹے سے تیار رہتا ہے۔ جس پر کونٹی کونسل کو تین لاکھ پونڈ سالانہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ جو اس کے ہر پونڈ میں سوا پنس کا خرچ ہے۔ اس صیغہ میں ۶۳ خشکی پر فائر انجنوں کے سٹیشن (۱۰۴) چھوٹے سٹیشن (۶۰) سٹیم فائر انجن خشکی اور تری پر۔ ۳۱ دستی طاقت سے چلانے والے انجن۔ اکتالیس میل لمبے ہوس کے نلکے (۹۲۴) فائر الارم جس سے آگ لگنے کی خبر ملتی ہے (۲۵۳۰۶) پانی لینے کی جگہیں۔ ۲۲۵ گھوڑے۔ اور ۱۱۳۹ کل افسر اور آدمی

ایک روز پکاڈلی سرکس کے قریب ایک یہودی رسٹوران میں میں دوپہر کو کھانا کھا رہا تھا کہ یکایک سرپٹ دوڑنے والے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنی گئی۔ اور سب لوگ مکان کے اندر سے بھاگ کر سڑک پر چلے گئے۔ میں بھی جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ قریب کے ایک ہوٹل میں آگ لگ گئی تھی جس کی خبر پہنچنے پر دم زدن میں فائر بریگیڈ کا ایک دستہ دو گاڑیوں پر سوار معہ فائر انجنوں کے پہنچ گیا تھا۔ ان گاڑیوں کے گھوڑے اعلےٰ درجہ کے ہوتے ہیں۔ ہر گاڑی پر پانچ سوار ہوتے ہیں۔ جن میں ایک ڈرائیور ہوتا ہے۔ سواروں کی نشستیں گاڑیوں کے پہلوؤں کی طرف ہوتی ہیں۔ تاکہ انہیں چڑھتے اترتے میں دیر نہ لگے۔ اور وہ لٹکتے ہوئے رستے پکڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان کی وردی نہایت چست ہوتی ہے۔ اور ایسے کپڑے سے بنائی جاتی ہے کہ جسے یکایک آگ نہ لگے۔ ٹوپی خود کی قسم کی پیتل کی ہوتی ہے۔ جو بہت خوبصورت معلوم ہوتی بعض سٹیشنوں پر یہ گاڑیاں اور انکے سوار ہر وقت تیار اور مسلح رہتے ہیں خبر آنے کی دیر لگتی ہے۔ اور انکی گاڑی دوڑتی ہوئی آتشزدگی کے مکان کو جاتی

ہوتی ہے۔ اس گاڑی کے بگل کی آواز سے سڑک صاف ہو جاتی ہے اور کوئی چیز اسے راستہ میں روک نہیں سکتی۔ برلن میں تو حکم ہے کہ شاہی سواری بھی آگ کی گاڑی کا راستہ چھوڑ دے۔ ساتھ ہی مکانوں پر چڑھنے کی سیڑھیاں۔ آتشزدہ مکانوں سے آدمی اور اسباب نیچے پھینکنے کے لئے ربر کی جالیاں اور زمین پر بچھانے کے موٹے گدیلے وغیرہ سامان رہتا ہے۔ یہ لوگ بے تکلف اپنا فرض ادا کرنے کے لئے جان جوکھوں میں ڈال دیتے ہیں۔ اور اپنی جان سے بے فکر ہو کر بےبس عورتوں مردوں اور بچوں کی جانیں شعلوں سے بچاتے ہیں۔ ان کی مستعدی اور بہادری دیکھکر خیال ہوتا ہے۔ کہ بیشک انہیں صفات سے قوموں کی عظمت کی عمارت چنی جاتی ہے۔ شہر لنڈن میں جا بجا لوہے کے چھوٹے چھوٹے ستون کھڑے ہیں۔ جنکے منہ میں شیشہ لگا ہوا ہے۔ جب کہیں آگ لگتی ہے تو قریب کے ستون کا شیشہ توڑ کر اس کے اندر کی گھنٹی بجا دی جاتی ہے۔ جو قریب کی پولیس یا فائر سٹیشن میں لگی ہوئی ہوتی ہے۔

لنڈن کا کانسٹبل

لنڈن کی پولیس کا انتظام گورنمنٹ کے ہوم سکرٹری کے ہاتھ میں ہے۔ شہر لنڈن کی حفاظت اور انتظام کے لئے (۱۵۰۴۷) کانسٹبل موجود ہیں۔ جو فی سو ایکڑ کے لحاظ سے ۲½ کانسٹبل۔ کی آبادی کے ہر ہزار آدمی پیچھے تین اور ہر سو آباد گھروں کے پیچھے دو کانسٹبلوں کی اوسط پڑتی ہے۔ اہل لنڈن اپنی حفاظت پولیس کے لئے ۱۳ لاکھ پونڈ سالانہ خرچ کرتے ہیں۔ گو لنڈن کی آبادی بہت ہے۔ لیکن پولیس کے عمدہ انتظام سے جرائم بہت زیادہ نہیں ہوتے۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں (۱۰۰۲۴۷) آدمی مجرم قرار پائے اور ۴۳ ہزار سزایاب ہوئے۔ (۲۱۲۳۴۰) پونڈ کا مال چوری گیا تھا جس میں سے پولیس کی کوشش سے ۳۹ ہزار پونڈ کا مال سراغرسانی کی بدولت مالکوں کو مل گیا۔ ایک سال میں سنتیس ہزار رپورٹیں اس قسم کی

پولیس میں لکھوائی گئیں کہ فلاں شخص گم ہو گیا ہے۔ ان میں سے اٹھارہ ہزار آدمی پولیس نے تلاش کر دیئے۔ گاڑیوں سے ۴۱ ہزار چیزیں جمع کر کے گم شدہ مال میں داخل کیں جن میں سے (۲۰۵۵۰) اصلی مالکوں کا پتہ لگا کر انہیں پہنچائی گئیں جن کی تفصیل یہ ہے (۱۸۰) جیب گھڑیاں۔ ۹۴۳ بٹوے۔ اور (۱۹۰۷۷) چھتریاں۔ غرض لنڈن کا پولیس مین ایک نہایت مفید چیز ہے خصوصاً اُن مسافروں کو جو لنڈن میں نووارد ہوتے ہیں اور راستہ نہیں جانتے۔ کانسٹبل بہت اچھی طرح راستہ سمجھا کر بتلاتا ہے۔ بلکہ مجھے تو ایک مرتبہ چند قدم ساتھ بھی چل کر موڑ سے دوسری طرف کا راستہ دکھا دیا۔ لنڈن کے لئے خصوصیت سے تمام ملک سے تناور اور طویل القامت کانسٹیبل چنا جاتا ہے۔ اور تمام پولیس کی فوج میں ایک بھی چھوٹے قد کا آدمی نہیں۔ جب یہ از سرتاپا سیاہ وردی پہنے ہوئے بھیڑ کے درمیان کھڑا ہوتا ہے۔ تو تمام راہ گذروں سے ایک آدھ بالشت سربرآوردہ (بلند) نظر آتا ہے۔ یہ لنڈن کی گلیوں کا ایک خاصا زیور ہے۔ ہزاروں لوگ اس سے راستہ پوچھتے ہیں۔ مگر یہ نہیں اکتاتا بالکل اکھڑ اور بدمزاج نہیں ہوتا۔ بلکہ تعلیم یافتہ اور معقول شخص ہوتا ہے۔ بدمعاش اس سے بھاگتے ہیں۔ کیونکہ ہندوستان کے اکثر جاہل اور ناداں کانسٹبلوں کی طرح یہ کبھی بدمعاشوں سے سازباز نہیں کر سکتا۔ اس کی تنخواہ پینتیس شلنگ یا دو پونڈ ہفتہ وار ہے جو ہندوستان کے چار کانسٹبلوں کی ماہوار تنخواہ کے برابر ہے۔ زیادہ بارونق بازاروں میں گاڑیوں کے ہجوم کا بھی کانسٹبل ہی انتظام کرتے ہیں جس کا ذکر آگے آئیگا۔

لنڈن کونٹی کونسل کا تعلیم کا کام

لنڈن کونٹی کونسل کے ٹکنیکل تعلیم کے بورڈ نے در اصل لنڈن یونیورسٹی کی طرزِ تعلیم کی اصلاح کر دی ہے۔ اور ایسا اچھا اثر اپنے تحت انگلستان کی تعلیم پر ڈالا ہے کہ ایک غریب سے غریب بورڈ سکول کا لڑکا سکالرشپوں اور مدد معاش کے ذریعہ سے یونیورسٹی کے اعلےٰ

ترین اعزاز تک حاصل کرسکتا ہے اور اپنے ملک کے اعلےٰ سے اعلےٰ عہدے حاصل کرنے کے قابل ہو سکتا ہے۔ کونسل کی زیر نگرانی کئی قسم کے انڈسٹریل سکول جاری ہیں۔ جن کی غرض یہ ہے کہ لوگ اُنکے ذریعہ سے ہر پیشہ میں جاکر روٹی کمانا سیکھ جائیں۔ لنڈن کے سکولوں میں ساڑھے سات لاکھ طلبا درج رجسٹر ہیں۔ اوسط روزانہ حاضری چھ لاکھ سے زائد ہے۔ بورڈ سکولوں کے طلبا کی تعلیم پر پینتیس لاکھ پونڈ سالانہ صرف ہوتا ہے۔ سال گذشتہ میں (۳۹۵) مدرسوں میں رات کو بھی تعلیم ہوتی رہی جن میں اسی ہزار طلبا حاضر ہوتے تھے۔ ساڑھے پندرہ لاکھ سالانہ تعلیم حرفت پر صرف ہوتا ہے۔ لنڈن میں ۵۹ کتب خانے ایسے ہیں جن میں کتابیں پڑھنے کے لئے کچھ دینا نہیں پڑتا۔ اوران میں چھ لاکھ سے زیادہ کتابیں ہیں۔ جن میں سے ساڑھے چالیس لاکھ ایک سال کے اندر پڑھنے کے لئے طلب کی گئیں۔ ان کتب خانوں پر چالیس ہزار پونڈ سالانہ صرف ہوتے ہیں۔ جس نواح میں میں رہتا تھا وہاں آکسفورڈ ڈسٹرکٹ کے ڈاک خانہ کے پاس ایک ایسا کتب خانہ تھا۔ جہاں ہر قسم کے اخبارات لنڈن ٹائمز سے لیکر چھوٹے چھوٹے ہفتہ دار پرچوں اور مختلف پیشوں کے رسالوں تک تھے۔ اور ڈکشنریاں اور ہر قسم کی ڈائرکٹریاں اور کچھ منتخب کتابیں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ دن بھر یہ بند رہتا تھا لیکن شام کو مزدور وغیرہ لوگ جب اپنے کاروبار سے فارغ ہوکر آتے تو یہ کھل جاتا۔ اور سینکڑوں لوگ آکر اخبارات پڑھنے لگتے۔ اخبارات کو بلند ڈسکوں پر ایسے طور سے جڑا جاتا تھا کہ لوگ کھڑے کھڑے پڑھتے تھے۔ ایسے ہی بہت رونق والے موقعوں پر اس نواح کے لوگوں میں علم اور سائنس کے پھیلانے کے لئے ایسے ایسے مفید انتظام کئے گئے ہیں۔

لنڈن میونسپلٹی سے سبق

ان فرائض کے علاوہ کونٹی کونسل کے اور بھی کئی کام ہیں مثلاً ماپ تول کی نگرانی۔ روٹی اور کوئلہ کی فروخت اور

کیس اور آب رسانی کی اجرا کی نگرانی معصوم بچوں کی حفاظت۔ بُڈھوں کا
انسداد وغیرہ۔ مگر ان کے یہاں درج کرنے کی گنجائش نہیں۔ جنھیں تحقیق
تفصیل سے اس دنیا کی سب سے بڑی میونسپلٹی کے حالات لکھے ہیں (اگرچہ
چند کہ وہ بجائے خود نہایت مختصر ہیں) اس سے غرض یہ ہے کہ ہندوستان
کی میونسپلٹیوں کو معلوم ہو کہ وہ رفاہ عام کے کاموں میں کہاں تک
مدد کر سکتی ہیں۔ بدنصیبی سے ہمارے یہاں اکثر ممبران میونسپلٹی اپنی تمام
گرمجوشی اور محنت اپنے انتخاب کے وقت ہی صرف کر چکتے ہیں۔ اس لیے
اُنکا ذخیرہ کام کرنے کا ختم ہو جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ ہم نے لوکل سلف
گورنمنٹ ایسی نعمت کی ہندوستان میں بالکل قدر نہیں کی۔ اور اس
تجربہ میں بہت کچھ مایوسی ہوئی ہے جس سے ہندوستانیوں نے عملاً
ثابت کر دیا ہے کہ ابھی بہت مدت تک وہ اپنے گھروں کا انتظام کرنے
کے لائق بھی نہیں۔

لنڈن کی دوسری انتظامی جماعتیں

گو کونٹی کونسل ہی شہر لنڈن کی میونسپلٹی کہلا سکتی ہے۔
تاہم شہر کے بعض انتظام بعض دوسری مجالس کے بھی
سپرد ہیں۔ مثلاً محتاجوں اور مفلسوں اور بوڑھوں معذوروں وغیرہ کی
دستگیری کے لئے جو اپنا انتظام خود نہیں کر سکتے۔ غریب خانے بنانے
کا انتظام پور لا گارڈینس کے سپرد ہے کہ جن کی لنڈن میں تیس
یونین یعنی مجلسیں ہیں جو ہر علاقہ شہر سے پور ریٹ وصول کر کے محتاجوں کا
انتظام کرتی ہیں۔ شہر کے مختلف حصوں کی مقامی سڑکوں کی درستی اور چھڑکاؤ۔
اُن حصوں کی حفظان صحت کا انتظام اور پبلک کے لئے جا بجا غسل
خانے اور حسب ضرورت کتب خانے قائم کرنے کا بندوبست ۱۸۹۹ء
سے بورو کونسلوں کے سپرد ہے۔ جو لنڈن میں اٹھائیس ہیں۔ کیونکہ شہر
اٹھائیس علاقوں پر منقسم ہے۔ اہل شہر کے بچوں کی تعلیم کا انتظام ایک

دوسری جماعت کے سپرد ہے کہ جس کا نام لنڈن سکول بورڈ ہے۔ اور جو سنہ ۱۸۷۰ء میں قائم ہوئی تھی۔ اس میں پچپن ممبر ہیں۔ اور انہیں بھی بورڈ کونسلوں اور کونٹی کونسل کی طرح ریٹ پیئرس یعنے ٹکس دینے والے تین تین سال کے لئے منتخب کرتے ہیں۔ واقعی تعلیم کا کام اتنا بڑا ہے۔ کہ یہ کسی دوسری مجلس کے سپرد رہنے کی حالت میں ایسی عمدگی سے نہ ہوسکتا۔ جیسا کہ اب لنڈن سکول بورڈ کی نگرانی میں ہو رہا ہے۔

لنڈن کی رونق اور گاڑیاں

ہر چند کہ لنڈن و نواح میں دو سو سے زیادہ ریلوے سٹیشن ہیں تاہم یہاں کی آبادی کے لئے بہت سے گھوڑا گاڑیاں مطلوب ہوتی ہیں۔ ایک قسم کی ایک گھوڑی والی دو پہیہ گاڑی کہ جسے کیبریالٹ یا کیب کہتے ہیں۔ بہت رواج ہے۔ اسے ہنسم کیب بھی کہتے ہیں۔ چیرنگ کراس سے چار میل کے حلقہ کے اندر اندر اس کا کرایہ چھ پنس فی میل ہے۔ اور اس سے باہر ایک شلنگ فی میل ہے۔ لیکن مختلف مقامات کے لئے کرایہ کی شرح ایسی پیچیدہ ہے کہ اجنبی عموماً کوچبین کے رحم کا منتظر رہتا ہے۔ تعجب ہے کہ ابتک انگلستان کی گاڑیوں کو ویانا اور برلن کی گاڑیوں کی طرح ٹکسا میٹر نہیں لگائے گئے۔ نومبر ۱۸۹۹ء کے ایک شمار کے مطابق لنڈن میں سولہ ہزار سے زیادہ لائسنس دار گھوڑا گاڑیاں ہیں۔ جو چیرنگ کراس کے ہر طرف پندرہ پندرہ میل کے فاصلہ میں گشت کرتی ہیں۔ ان میں (۹۹۵) ہنسم کیب (۳۵۸۳) چوپہیہ (۳۱۹۰) آمنی بسین اور (۱۳۷۸) ٹریمیے گاڑیاں ہیں۔ اس کے علاوہ چھ ہزار ریل کی گاڑیاں اور چھکڑے ہیں۔ جو شہر میں استعمال ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے سوائے لاکھوں لوگ شہر میں پیدل چلتے ہیں۔ بازاروں کے بیچ میں گاڑیوں کیلئے سڑکیں چھوڑی ہوئی ہیں۔ اور دونوں طرف ذرہ بلند پٹڑیاں بنائی گئی ہیں کہ جن پر پیدل چلتے ہیں۔ یہ پیدل بھی اتنے ہوتے ہیں کہ کئی بازاروں میں یہ

پٹریاں لبالب بھری ہوئی ہیں۔ لوگ چھاتے یا لاٹھیاں ہاتھ میں لئے اتنی جلدی چلتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے شاید کہیں بھاگے جارہے ہیں ہر صورت میں ان لوگوں کو وقت کی کفایت کرنا مدنظر ہے۔ کوئی ایک شخص کبھی آرام سے ٹہلتا ہوا نظر نہیں آتا بعض بڑے بڑے چوکوں میں دونوں طرف سے گذرنے والی گاڑیوں کے بعض اوقات اتنی بھیڑ ہوتی ہے کہ اگر انکے گذرنے کا انتظام نہ کیا جائے۔ تو پیدل مسافروں کی سلامتی کا اندیشہ رہے۔ اور گاڑیاں کبھی آپس میں ٹکراکر ٹوٹتی رہیں۔ اس لئے ایک کانسٹبل جو ہر چوک میں کھڑا رہتا ہے ہاتھ سر سے بلند کرکے اشارہ سے ایک طرف کی گاڑیوں کو روک دیتا ہے۔ تو دوسری طرف کی گاڑیاں اور آدمی گذرنے لگتے ہیں۔ اور جب اُدھر کی بھیڑ کم ہوجاتی ہے تو اتنے میں دوسری طرف بھیڑ لگ جاتی ہے۔ اور پھر اشارہ سے پولیس مین اُن کو گذرنے کی اجازت دیتا ہے۔ بعض بڑے بڑے چوکوں مثل چیرنگ کراس لڈگیٹ سرکس۔ بینک سرکس میں تو یہ نظارہ صبح سے لیکر شام تک ہر دم جاری رہتا ہے۔ اگر پولیس مین یہ کام نہ کریں تو ایک طرف کی گاڑیوں اور پیدلوں کے گذرنے کی تو نوبت ہی نہ آئے۔ اب مینشن ہوس کے قریب ہی بنک کے سرکس میں بھیڑ کی کثرت کی وجہ سے ایک زیر زمین راستہ بنادیا گیا ہے جس کا منہ چار پانچ بازاروں کی طرف کھلا ہے۔ چونکہ اس چوک میں ہر طرف سے بھیڑ زیادہ رہتی ہے۔ اس لئے لوگ عموماً سیڑھیوں سے نیچے اُتر کر دوسری طرف بازار میں جانکلتے ہیں۔ یہ دراصل نئی زیر زمین برقی ریلوے کا ایک سٹیشن ہے۔ صرف لنڈن کی جنرل آمنی بس کمپنی سال میں پانچ کروڑ مسافر لے جاتی ہے۔ ٹرموے کی سڑکیں شہر کے باہر کی طرف ہیں۔ وہ تنگ بازاروں میں نہیں گذرتیں۔ دریائے ٹیمز میں بہت سے چھوٹے چھوٹے جہاز چلتے ہیں جو جابجا ٹھہرتے ہیں۔ جیسا کہ

میں پیرس کے حالات میں بیان کر چکا ہوں کہ پیرس کے آمنی بس کی چھت پر بیٹھنے والے گاڑی کے اندر بیٹھنے والوں سے نصف کرایہ دیتے ہیں۔ اور گاڑی کے اندر بیٹھنا باہر کی نسبت معزز سمجھا جاتا ہے۔ لنڈن کی بسوں میں گاڑی کے اندر بیٹھنے یا چھت پر بیٹھنے کا ایک ہی کرایہ ہے۔ بلکہ اندر کی نسبت لنڈن کے لوگ چھت کو اسقدر پسند کرتے ہیں کہ اگر کسی گاڑی کی چھت پر جگہ رک گئی ہو مگر اندر جگہ کافی ہو تو بعض لوگ اس گاڑی پر بیٹھتے ہی نہیں لنڈن اور پیرس جیسے دو نہایت قریب شہروں میں ایسا اختلاف واقعی عجیب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس کو عجیب بنانے والے زیادہ تر اہل لنڈن ہیں جو بعض باتوں میں تمام یورپ سے نئی چال چلتے ہیں۔ مثلاً تمام یورپ میں گاڑی چلانے کا قاعدہ یہ ہے کہ گاڑیبان ہر دوسری گاڑی سے جو اُسے سامنے ملے اپنی گاڑی دائیں ہاتھ کو رکھے پیرس برلن ویانا اور قسطنطنیہ غرض سارے یورپ میں یہی قاعدہ ہے۔ مگر انگلستان میں ہر کوچمین اپنی گاڑی کو بائیں ہاتھ رکھے گا جیسا کہ ہندوستان میں بھی گاڑی کا قاعدہ ہے۔ اور یہ انگریزوں کا ہی جاری کیا ہوا ہے۔

لنڈن کے بازار لنڈن کے اکثر بڑے بڑے بازار بہت کشادہ اور خوشنما ہیں گو بعض تنگ اور ٹیڑھی گلیاں بھی اُنکے پہلوؤں میں ہیں۔ مگر وہ دن بدن مفقود ہوتی جاتی ہیں۔ اور اُنکے بجائے خوبصورت بازار بنتے جاتے ہیں۔ پہلے پہل جب کوئی اجنبی اس شہر میں داخل ہوتا ہے۔ تو اس کے مکانات کی رفعت دوکانوں میں مال کی کثرت بازاروں کی صفائی اور آدمیوں کی بھیڑ بھاڑ دیکھکر دنگ ہو جاتا ہے۔ بے ارڈ ٹیلر نے لکھا ہے کہ جب کوئی شخص خاموش کھڑا ہوا دیکھتا ہے۔ کہ بے انتہا مخلوق جو اُس کے چاروں طرف گذر رہی ہے۔ اُن میں ایک فرد واحد بھی اُسے نہیں جانتا اور نہ اُس کی پرواہ کرتا ہے۔ تو وہ اپنے آپ کو کیسا تنہا پاتا

ہے۔ لیکن وہ ہزارہا لوگ جو اس کے پاس سے گذرتے ہیں۔ اُنکی نسبت وہ
بھی کیا جانتا ہے۔ دوسری طرف بعض ایسے کوچے بھی ہیں کہ جہاں ایک
آدمی گذرتا ہوا بھی نظر نہیں آتا۔ شہر لنڈن کو اینٹوں کا جنگل کہا گیا ہے بعض
رینٹ پتھر ہی کی بنی ہوئی ہیں۔ لنڈن کے گھروں کے ساتھ ایسے برامدے
نہیں ہوتے جیسے کہ ہندوستان میں انگریزوں کی کوٹھیوں کے ساتھ بنائے
جاتے ہیں۔ البتہ دو دکش سب پر ہوتے ہیں۔ جس نے پیرس اور ویانا وغیرہ
جیسے شہر دیکھے ہوئے ہوں۔ وہ لنڈن کے مکانات کی بیرونی حالت کو بہت
دلچسپ نہیں پاتا۔ کیونکہ مکانات دھوئیں سے سیاہ ہو جاتے ہیں
البتہ اندر سے نہایت صفا اور آراستہ ہوتے ہیں۔ یہاں بڑے بڑے
عالیشان مکانات پانچ پانچ سات سات منزلوں کے میلوں تک چلے
گئے ہیں۔ دنیا میں صرف نیویارک ایک ایسا شہر ہے جس کے مکانات
اس سے رفیع ہوتے ہیں۔ لنڈن میں موسم بھی اکثر دھندلا رہتا ہے۔ موسم گرما
میں ابھی سورج دیوتا کے درشن مغتنمات سے سمجھے جاتے ہیں۔ موسم سرما کا تو ذکر
ہی کیا ہے۔ کبھی کبھی یکایک ایسا کالا بادل گھر کر شہر کو گھیر لیتا ہے کہ
گھروں پر چراغ جلانے پڑتے ہیں۔ اور ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا۔ مگر
جلدی ہی گذر بھی جاتا ہے۔ ہندوستان میں جب انگریز ملاقاتیوں سے پہلے
پہل پوچھتے ہیں کہ موسم کیسا ہے تو لوگ سمجھتے ہیں کہ دفع الوقتی کرتے ہیں۔
میرے خیال میں شائد یہ اُنکی عادت ہو۔ لنڈن میں جب کبھی اچھا دن ہوتا
تھا تو ہم لوگ سمجھتے ہیں، کہتے تھے آج دن تو خوب ہے۔ یورپ کے باقی شہروں
کی طرح یہاں کی دوکانوں میں بھی ہر قسم کی اسباب تجارت بڑے بڑے
شیشوں والے دروازوں کے پیچھے قرینے سے ایسے طور پر سجائے جاتے
ہیں کہ راستہ چلتے ہوئے لوگ دیکھ سکیں۔ ہر دوکان اپنی جگہ ایک
چھوٹی سی نمائش گاہ ہوتی ہے۔ خصوصاً جبکہ شام کو ان میں برق اور گیس

کی روشنی ہوتی ہے۔ لنڈن کے بہت سے بازاروں میں پتھر کے فرش ہیں یا پتھر کوٹے ہوئے ہیں۔ لیکن بعض بڑے بڑے بازاروں میں لکڑی یا اسفالٹ کا فرش بھی ہے۔ کہ جس پر گاڑی کے پہیوں کی آواز نہیں ہوتی جیسا کہ میں پیرس یا برلن کے بیان میں ذکر کر چکا ہوں۔ بازاروں میں گیس اور کہیں کہیں برقی روشنی بھی کی جاتی ہے۔ شہر لنڈن کو بلحاظ مختلف قسم کے ساکنین کے چار حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ (۱) ویسٹ اینڈ میں شاہی محلات۔ امرا کے مکانات اور بڑے بڑے پارک ہیں۔ (۲) کاروباری حصہ میں لا کورٹس۔ سوداگروں کے دفاتر اور دوکانیں ہیں۔ (۳) ایسٹ اینڈ میں ملاحوں۔ مزدوری پیشہ لوگوں اور بہت غریب لوگوں کے مکانات ہیں۔ (۴) نواح میں بیشمار مکانات کی قطاریں اور بازار اور مکانات متوسط الحال لوگوں کے ہیں۔

لنڈن کی کھانے جس شہر میں نصف کروڑ سے زیادہ آدمی رہتے ہوں اُنکے کھانے کو کسقدر سامان درکار ہوگا۔ میں گارڈن صاحب کی کتاب ہاؤ لنڈن لیوز سے چند اعداد کا اقتباس کرتا ہوں۔ یہ اعداد ۱۸۹۰ء کے ہیں۔ اور اُس وقت سے ابتک لنڈن کی آبادی میں بحساب ۷۰ ہزار سالانہ کی ترقی ہوئی ہے (بقول لنڈن اٹلس اینڈ گائیڈ) تاہم اگر وہی خرچ سال پہلے کے کھانے پینے کا خرچ صحیح صحیح مان لیا جائے تو اس کی مقدار بھی حیرت انگیز ہے۔ تین لاکھ۔ اسی ہزار ٹن (ایک کروڑ ساڑھے چھ لاکھ من) سالانہ ہر قسم کا حیوانات کا تازہ گوشت لنڈن میں کھپتا ہے۔ جو (۱۰۳۸) ٹن روزانہ یا نصف پونڈ سے کم کچھ گوشت اور ہڈیاں ہر شخص کے حصہ میں آتا ہے۔ اس کے سوائے بہت سا خشک اور نمکین گوشت آسٹریلیا اور اضلاع متحدہ امریکہ سے ہر سال لنڈن میں آتا ہے۔ صرف امریکہ سے ایک سال میں ایک لاکھ بارہ ہزار ٹن ہر قسم کا گوشت آیا۔ ۱۸۸۸ء میں

بلجیم سے ساٹھ ہزار خرگوش جنکا وزن (۷۰۰) ٹن تھا آئے۔ اور (۲۵۵۰) ٹن مرغیاں اور شکار وغیرہ۔ غرض علاوہ تازہ گوشت کے ہر قسم کا دوسرا گوشت اور شکار۔ ۳۲ ہزار ٹن کو پہنچ جاتا ہے۔ اور ابھی انڈے اس میں شامل نہیں جو عشاء کے ٹائمس آف کامرس کی ایک نقشہ کے مطابق غیر ممالک سے انگلستان میں (۱۰۰۸۳۸۰۴۴۰) داخل ہوئے تھے۔ جن میں لنڈن کا ساتواں حصہ یعنے پونے چودہ کروڑ ایک خاص مقدار ہے۔ اس میں سے جرمنی نے تیسرے حصے سے زیادہ۔ فرانس نے تیسرا حصہ اور بلجیم نے چھٹا حصہ بہم پہنچائے تھے۔ اضلاع متحدہ امریکہ تک سے انڈے لنڈن کے استعمال کے لئے جہازوں میں لدکر آتے ہیں۔ میں یہاں صرف اتنی بات یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ہندوستان میں مرغیاں اور انڈے اتنے سستے اور اس قدر زیادہ پیدا کئے جا سکتے ہیں کہ ان سے اہل ہند کو بہت سا روپیہ ہر سال وصول ہو سکتا ہے۔ مگر ادھر ابھی تک کچھ توجہ نہیں کی گئی۔ لنڈن کے شکار کی بڑی منڈی لیڈن ہال کی ایک سال کی رپورٹ کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اٹھارہ مختلف قسم کی مرغابیاں۔ بطخیں۔ مرغیاں۔ تیتر۔ بٹیر۔ لقلقیں اور خرگوش وغیرہ تعداد میں ایک کروڑ تراسی لاکھ اٹھتر ہزار فروخت ہوئے۔ دس ہزار ٹن مکھن انگلستان کا اور اسی قدر غیر ممالک سے آیا ہوا ایک سال میں اس شہر میں کھپا۔ اور ابھی مارگرین اور جانوروں کی چربی جس کا زیادہ استعمال ہوتا ہے اس کے علاوہ ہے۔ لنڈن میں ایک لاکھ چھبیس ہزار گیلن دودھ کا روزانہ خرچ جو کہ بار برداری میں لدا ہوا ہر روز مضافات سے ایک خاص قسم کے آہنی مٹکوں میں بھرا ہوا آتا ہے۔ اور ہر شخص جو لنڈن کے کسی سٹیشن سے ریل پر سوار ہوتا ہے۔ دن بھر ان خالی مٹکوں کو واپس جانے کے منتظر پڑے ہوئے ضرور دیکھتا ہوگا۔ اس کے علاوہ ایک لاکھ ڈبے خشک دودھ کے اور (۴۴۰۰۰) ٹن پنیر لنڈن ہر سال استعمال کرتا ہے۔ مچھلی کے مختلف اقسام کی

بابت کچھ نہ پوچھو کہ کسقدر اس شہر میں صرف ہوتی ہے۔ مچھلی کی مشہور منڈی بلنگس گیٹ میں جاکر دیکھو تو کہ سینکڑوں قسم کی مچھلیوں کے ہر روز کتنے بڑے ڈھیر لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور ایک مصنف نے بڑی محنت سے حساب پھیلا کر ایک ارب اسی کروڑ مچھلیوں کا سالانہ خرچ لنڈن کے ذمہ لگایا ہے میووں کو جو علاوہ انگلستان کے دنیا کے ہر حصہ سے اس ملک میں آتے ہیں۔ اور ترکاریوں اور چائے اور شکر وغیرہ چیزوں کو چھوڑ کر غلہ کی طرف دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ (۸۲۷۵۲۰۰۰) سیر بیہ کی روٹیاں سالتمام میں لنڈن میں بڑی کفایت شعاری سے خرچ ہوتی ہیں۔ اس تمام آٹے میں سے تہائی سے بھی کم انگلستان میں پیدا ہوئی ہوئی گیہوں کا ہوتا ہے۔ اور دو تہائی سے زیادہ دنیا کے دور دست ممالک مثل اضلاع متحدہ امریکہ کینیڈا۔ ہندوستان روس۔ چلی۔ جرمنی۔ آسٹرل ایشیا۔ روما نیا اور مصر وغیرہ ممالک سے لایا جاتا ہے۔ لنڈن کی طرح باقی تمام ملک بھی غیر ممالک سے آئے ہوئے غلہ پر گذارہ کرتا ہے۔ اور یہ ایک مسئلہ ہے کہ جبر انگلستان کے مدبر کبھی کبھی حیران ہو جاتے ہیں۔ کہ اگر خدا نخواستہ کوئی دوسری قوم بحری طاقت میں انگلستان کو ذک دے سکے اور انگلستان کا محاصرہ کر کے باہر سے غلہ نہ آنے دے تو چند روز میں اہل انگلستان بھوکے مرنے لگیں۔

لنڈن کا اتوار اجنبی کے لئے لنڈن کا اتوار بھی دلچسپ نظارہ ہوتا ہے۔ پہلے اتوار کو میں مکان سے دس بجے صبح کے باہر نکلا تو بازاروں کو سنسان پایا۔ سوائے کسی کسی آمنی بس گاڑی کے جو کبھی گذر جاتی تھی اور کوئی شخص نہیں ملتا تھا۔ دوکانیں سب بند کر دی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ کھانے کے ہوٹل اور میوہ کی دکانیں بھی بند ہو جاتی ہیں۔ جو ایک بجے دوپہر کو (یعنی عبادت کا وقت ختم ہو جانے کے بعد) کھلتی ہیں۔ عبادت کا وقت اتوار کے روز صبح سے ساڑھے بارہ بجے تک اور شام کے چھ بجے سے ۹ بجے تک مقرر ہے۔ اسکے

بعد کھانے کے بعض بعض مکانات کھلتے ہیں۔ مگر کھانے کے سوائے باقی سب دوکانیں اتوار کو قانوناً بند رہتی ہیں۔ بلکہ ڈاک کی تقسیم بھی اتوار کو بند رہتی ہے۔ اور ریلیں بھی ایک بجے تک نہیں چلتیں۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے کہ لنڈن کے لوگ اس قدر پکے عیسائی اور دیندار ہیں کہ سب گرجوں میں عبادت کے لئے چلے جاتے ہیں۔ کیونکہ گرجوں میں بہت کم لوگ جاتے ہیں۔ ہر چند کہ پادری صاحبان عمدہ سے عمدہ باجے بجانے اور گانے والے گرجوں میں مہیا کرتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض لوگ خصوصاً عورتیں بجائے شوق عبادت کے زیادہ تر اچھے کپڑے دکھلانے دوستوں اور ہمسائیوں سے ملاقات کرنے اور کسی اچھی تقریر کے سننے کے لئے جاتے ہیں۔ ورنہ زیادہ تر لوگ شہر سے باہر مضافات میں بغرض تفریح چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک اتوار کی شام کو میں کیو گارڈن کی طرف گیا تھا جو کئی میل لمبا چوڑا باغ ہے۔ اور علم نباتات کے نمونوں کے لحاظ سے دنیا میں اول درجے کا باغ شمار ہوتا ہے۔ وہاں ہزارہا زن و مرد تھے۔ اور یہی حال دیگر مضافات خصوصاً ہائڈ پارک اور ریجنٹ پارک وغیرہ کا اتوار کو اور ہر شام کو ہوتا ہے۔ ویانا میں صرف سال کے چند ماہ میں اتوار کو دکانیں بند کرتے ہیں۔ لیکن کھانے پینے اور تمباکو وغیرہ کی دکانیں کھلی رہتی ہیں۔ مگر لنڈن کے لوگ ڈاک تک کی تقسیم بند کر دینے میں ساری دنیا میں بے نظیر ہیں۔ ۱۸۹۹ء میں بعض چلتے پرزے اخبارات کے مالکوں نے امریکہ کی طرح لنڈن میں بھی اتوار کو اخبار نکالنا چاہا تھا۔ لیکن پادریوں کی مخالفت سے انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ انگریز لوگ خیالات میں زیادہ کنسرویٹو (قدیم باتوں کے پسند کرنے والے) ہیں۔ اس لئے پادریوں کے کہنے سے ایسی رسمیں چلی چلتی ہیں۔

لنڈن کے اخبارات

لنڈن کے اخبارات کا مجھ سے کچھ حال نہ پوچھو۔

ایک شاعر اپنے معشوق کی نسبت لکھتا ہے۔ ؎

گر کسے وصف او ز من پرسد

بیدل از بے نشاں چہ گوید باز

گو میرا معشوق تو بے نشان نہیں۔ لیکن اس کے متعلق میں ضرور بیدل ہوں۔ لنڈن میں سب سے زیادہ دلچسپ چیز میرے لئے اخبارات تھے یہاں اخبار فروشوں کی دوکانوں پر ہر قسم کے اخبار بکتے ہیں۔ دوکان کے ہر طرف دیواروں پر اخباروں اور خوبصورت رسالوں کے سرورق سجے ہوئے ہوتے ہیں۔ اگر ایک اخبار خریدنے کا ارادہ ہو تو ایسا دلچسپ مجموعہ دیکھکر دو چار خریدنے کو دل للچا آتا ہے۔ ان لوگوں کو نیوز ایجنٹ کہتے ہیں یہ خود بڑے نیوز ایجنٹوں کے ایجنٹ ہوتے ہیں کہ جنکے پاس براہ راست اخباروں اور رسالوں کے دفتروں سے صدہا بلکہ ہزارہا اور لاکھا پرچے ایک ایک اخبار کے آتے ہیں۔ اور وہ اپنے یہاں سے چھوٹے ایجنٹوں کے پاس تقسیم کرتے ہیں۔ یا ڈاک میں مختلف ممالک کو روانہ کرتے ہیں۔ کیا انگلستان اور کیا یوروپ کے دیگر ممالک میں اخبارات براہ راست بذریعہ ڈاک خریداروں کے نام بہت کم جاتے ہیں۔ زیادہ تر پرچے اسی طرح ایجنٹوں اور نیوز بائز (پیپر کا اخبار بیچنے والے لونڈوں) کے ذریعے انہیں شہروں یا دوسرے شہروں میں نقد قیمت پر بکتے ہیں۔ اخبار چھپنے کے وقت اخباروں کے دفتروں سے گاڑیاں لادکر نکل یا مضافات کے نیوز ایجنٹوں کے پاس اخبار لے جاتے ہیں۔ شہر سے باہر دیگر مقامات کو اخبار بھیجنے کے لئے لنڈن سے صبح اور شام کو خاص ریلوے ٹرینیں چلتی ہیں۔ جن کا نام اخبارات کی ٹرینیں ہوتا ہے۔ ہر سٹیشن پر ایجنٹ یا انکے ملازم حاضر ہوتے ہیں اخبار یا رسالے کے جتنے جتنے پرچوں کا انہوں نے آرڈر بھیجا ہوا ہوتا ہے اتنے پرچوں کا بنڈل دے ٹرین پہنچتی ہی چلی جاتی ہے۔ اور یہ ایجنٹ

اپنے شہر اور نواح کے دیہات میں پرچے فروخت کر دیتے ہیں۔ جب تک ہندوستان میں بھی اخبارات کے بیچنے کا یہی سلسلہ قائم نہ ہوگا اخبارات کی اشاعتیں بہت زیادہ نہ ہو سکینگی۔ اس میں علاوہ اس بات کے کہ اخبار لوگوں کے دروازوں تک پہنچ جاتا ہے۔ اور ہر شخص کو اس کے خریدنے کی ترغیب پیدا ہوتی ہے۔ اخبار کے کارخانہ کے لئے ایک یہ بڑی سہولت ہے کہ اس کے پاس ہر روز کی بکری پہنچ جاتی ہے۔ اور ہندوستان کے خراب طریقہ کی طرح کئی کئی سال کی قیمتیں گاہکوں کے پاس نہیں رہ جاتیں۔ لنڈن میں اخبار بیچنے کے لئے نیوز بائز بھی ایک بڑا انسٹی ٹیوشن ہیں۔ اخبار شائع ہونے کے وقت یہ چند سیکنڈ میں اخبارات لیکر ہر طرف بھاگتے پھرتے ہیں۔ جتنی دفعہ کسی اخبار کے دن میں تازہ ایڈیشن نکلتے ہیں اتنی ہی دفعہ اسے لوگ بیچتے پھرتے ہیں۔ اور منہ سے اخبار کا نام یا اس روز کا کوئی بڑا واقعہ جس کی نسبت اس اخبار میں تازہ خبر درج ہوئی ہوتی ہے چلاتے پھرتے ہیں۔ تمام روزانہ اخبارات ہر پرچے کے تازہ خبروں اور ضروری مضامین کا مجموعہ ملخص عنوان میں ایک بڑے پوسٹر پر چھاپتے ہیں۔ بعض نیوز بائز کسی چوک کے کونے یا دکان کے سامنے ایسے بہت سے پرچوں کو بچھا کر مختلف اخبارات رکھکر بیٹھ رہتے ہیں۔ اگر نیوز بائز نہ ہوں تو لنڈن کے اخبار آدھے بھی نہ بک سکیں۔ کچھ عرصے سے لنڈن میں نصف پینی کے اخبارات نکلے ہیں۔ جن میں ڈیلی میل اور ڈیلی ایکسپریس قابل ذکر ہیں۔ گو ڈیلی ہیرلڈ اور مارننگ بھی کچھ کم نہیں۔ سن اور سٹار اور ایوننگ نیوز اور ایکو بھی نصف پینی کے روزانہ ہیں لیکن پہلے چار پرچوں سے حجم میں بہت کم ہیں۔ پہلے دو پرچوں یعنے ڈیلی ایکسپریس اور ڈیلی میل نے تو نصف پینی کی اخبار نویسی میں کمال کر دیا ہے۔ ان میں پڑھنے کا مصالح اور تاربرقیاں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ خصوصاً ڈیلی میل پہلی تمکنت صحف پینی۔ شاید صرف نصف پینی سن کر ہر ے

ہموطن ہنسیں گے کیونکہ نصف پینی بھی تو نصف آنہ ہے۔ بجا لیکن ہندوستان میں
پیسہ اخبار بھی چلتا ہے۔ جس کی ارزانی پر لنڈن اور برلن کے بعض ایڈیٹروں
نے بھی تعجب کیا ہے۔ لیکن یورپ اور خصوصاً لنڈن میں نصف پینی بہت
بے حقیقت چیز ہے۔ یہاں دولت اتنی زیادہ ہے کہ پینی جو ہندوستان کا
ایک آنہ ہے۔ یہاں تھوک کے برابر عزت نہیں رکھتی۔ ہم ہندوستان
میں ایک پیسہ ایسا بے تحاشا خرچ نہیں کر سکتے جس طرح لنڈن میں ۶ پینی
یا ۱۲ پینی تک خرچ کیا جاتا ہے۔ بہرحال لنڈن کے اخبارات کے عجائبات
نے مجھے وہاں بہت خوش وقت رکھا۔ میں دن میں دس دس بارہ بارہ
اخبارات خریدتا تھا۔ جن کو پڑھ بھی نہیں سکتا تھا۔ لیکن ان کی شکل صورت
دیکھنے کے لئے لے لیتا۔ یہاں کا ہر شخص اخبار پڑھتا ہے۔ قلی اور سائیس
اور کوچوان اور خدمتگار ہر زن و مرد نصف پینی کا اخبار لے کر پڑھ لیتا ہے۔
ایک روز میں لنڈن کے ایک نواح کو جا رہا تھا۔ ٹرمیوے کے کنڈکٹر نے
ایک جگہ گاڑی کھڑی کی۔ اور دوڑ کر اخبار فروش کی دوکان میں جا کر لائیڈ
ویکلی کا ایک پرچہ پینی کو خرید لایا۔ اور پھر گاڑی چلنے لگی۔ جیسے کھانے کی
بھوک محسوس ہوتی ہے۔ ایسے ہی ان لوگوں کو اخبار کی اشتہا معلوم ہوتی
ہے۔ ان کے ہوٹلوں اور ریسٹارنٹوں میں بھی ہر قسم کے اخبار موجود ہوتے
ہیں۔ جو لوگ یہاں کھانا کھانے یا چاء پینے آتے ہیں وہ ساتھ ساتھ اخبار
بھی پڑھ لیتے ہیں۔ لیکن اس بارہ میں پیرس برلن اور ویانا کے ریسٹارنٹ
لنڈن سے آگے نکلے ہوئے پائے ہیں۔ جہاں نہ صرف جرمنی بلکہ نصف درجن
دوسری زبانوں کے اعلے سے اعلے اخبارات موجود ہوتے ہیں۔ اور جس
قوم کا آدمی آئے اپنی زبان کا اخبار پا کے پڑھے۔ لنڈن میں سستے اخبارات
کی کثرت کے مقابلہ میں مہنگے اخبارات بہت کم بکتے ہیں۔ یہاں تک
کہ لنڈن ٹائمز روزانہ جس کی قیمت ۳ پنس ہے بہت کم دکان پر پایا

لونڈوں کے ہاتھ میں بکتا نہیں دیکھا۔ البتہ پال مال گزٹ سینٹ جیمس گزٹ
ڈیلی ٹیلیگراف۔ ڈیلی نیوز۔ سٹینڈرڈ گلوب وغیرہ ایک پنس کے پرچے بہت
بکتے ہیں۔ تاہم اتنے نہیں بکتے جتنے کہ نصف پینی کے بکتے ہیں۔ ڈیلی
ٹیلیگراف میں گو اشتہارات بہت ہوتے ہیں۔ تاہم یہ پینی کا سب سے
بڑا پرچہ لنڈن کا ہے۔ اور اس کا دعوےٰ ہے کہ ہر ایک دوسری صبح کے
چھپنے والے اخبار سے دنیا بھر میں اس کی اشاعت ۵ لاکھ کاپی زیادہ ہے
اور اس مطلب کے بڑے بڑے پوسٹر اور اشتہارات لنڈن میں چسپان
ہیں۔ لیکن ڈیلی نیوز کا دعوےٰ ہے کہ وہ سب سے زیادہ چھپتا ہے۔ جہاں
تک میرا خیال ہے اب لنڈن کے نصف پینی کے اخبارات میں ڈیلی میل
سب سے زیادہ چھپتا ہے۔ اور اس کے ایک ہی وقت میں تین یکساں
ایڈیشن لنڈن۔ برمنگھم اور پیرس میں شائع ہوتے ہیں۔ کیونکہ بذریعہ تار برقی
تمام مضامین اور خبریں لنڈن سے دوسرے دو مقامات کو بھیجکر یکساں اخبار
تیار کیا جاتا ہے۔ جو انٹرپرائز کی انتہا ہے۔ اور ہفتہ وار پینی کے اخبارات
میں لائڈس ویکلی سب سے آگے ہے۔ گو رینلڈس ویکلی اور "دی پیپل" بھی
اس کے قریب پہنچے جاتے ہیں۔ ڈیلی اکسپرس جو سنہ ۱۹۰۰ء کے شروع
ہی میں نکلا تھا اس کے پہلے پرچے میں قیصر ولیم شہنشاہ جرمنی کا ایک پیغام
اہل انگلستان کے نام بذریعہ تار برقی چھپا تھا اس کے اولوالعزم مالک نے صرف
اس ایک تدبیر کے ذریعے سے اپنے اخبار کو اسقدر مشہور کر لیا کہ تمام دنیا کے
اخبارات میں اس روز یہ کیفیت چھپ گئی کہ ڈیلی اکسپرس میں جو آج ہی
جاری ہوا ہے۔ قیصر ولیم نے یہ محبت آمیز پیغام اہل انگلستان کو بھیجا ہے
اور ڈیلی اکسپرس کا پہلا پرچہ دس بارہ لاکھ چھپ گیا۔ کاش میں نیویارک
میں جا کر وہاں کے اخبارات بھی دیکھ سکتا۔ کیونکہ وہ لنڈن سے بھی دو ہاتھ
آگے ہیں۔ لیکن قطع نظر امریکہ کے یورپ میں سب سے آگے انگلستان

کے اخبارات ہیں۔ لنڈن کے علاوہ مانچسٹر وغیرہ مفصلات کے مقامات کے روزانہ اخبارات کا مقابلہ دوسرے ممالک کے اخبارات نہیں کرسکتے۔ یہ تو روزانہ اخبارات کی حالت ہے۔ رسالجات میں فرانس کے رسالے انگلستان سے کم نہیں۔ گو روزانہ اخبارات میں سب سے زیادہ چھپنے والا اب تک پیرس کا اخبار جرنل لاپاتی "سمجھا جاتا ہے۔ لیکن پیرس ایک بات میں لنڈن سے بہت آگے ہے۔ یعنی یہاں قریب ڈیڑھ دو درجن کے ایسے ہفتہ وار اخبارات چھپتے ہیں۔ جن میں رنگین تصاویر ہوتی ہیں جیسے کہ جرنل لاپاتی کا ہفتہ وار باتصویر ضمیمہ۔ ٹو الا پریزین کا ہفتہ وار باتصویر ضمیمہ۔ لاینشنال" اور لاریز وغیرہ اور پھر یہ اکثر پانچ سنٹیم یعنی نصف پینی کے پرچے ہیں۔ جو بہت ہی ارزاں ہیں۔

لنڈن کی علمی زندگی میں اس سے پہلے بیان کرچکا ہوں کہ سب سے پہلے روز حسن اتفاق سے میرا گذر جس بازار میں ہوا وہ فلیٹ سٹریٹ اور سٹرینڈ تھا جو لنڈن کے اخبارات کا معدن اور کتاب فروشی کا مرکز ہے۔ جس کے ہر دریچہ پر کسی نہ کسی اخبار یا رسالہ کا نام موٹے حروف میں لکھا ہوا آویزاں ہے۔ اور جس کے ہر دروازے سے کسی سہ پہر کو ڈھیروں کے ڈھیر تازہ چھپے ہوئے اخبارات کے دنیا بھر میں تقسیم ہونے کے لئے بسرعت تمام نکل رہے ہیں۔ جلی حروف کے پوسٹروں میں حیرت انگیز خبریں درج ہیں اور اخبار بیچنے والے لڑکے سرپٹ دوڑتے ہوئے اخباروں کا گٹھا کندھے پر ڈالے کوئی ضروری خبر چلاتے جاتے ہیں۔ انگلستان کے مشہور مضمون نویس ڈاکٹر جانسن نے اسی کے قریب ٹمپل بار کے ایک قہوہ خانہ میں بیٹھے ہوئے ایک مرتبہ کہا تھا کہ میں کہہ سکتا ہوں کہ جہاں ہم اس وقت بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس سے دس میل کے دائرہ کے اندر باقی تمام مملکت سے زیادہ علم و فن موجود ہے۔ اور واقعی ڈاکٹر جانسن نے درست کہا تھا۔ لنڈن کے

تمام اخبارات اور رسالجات ہر وقت کوشان رہتے ہیں کہ عمدہ سے عمدہ مضمون اور تازہ سے تازہ خبر حاصل کریں۔ اور وہ اس کام کے لئے علمی خدمات کرنے والوں کو معقول اجرتیں بھی دیتے ہیں۔ لنڈن کے ایک نصف پینی کے روزانہ اخبار نے ایک روز پبلک کو اطلاع دی تھی کہ اُس کے ہر روز کے پرچہ پر مالک کے اڑھائی سو پونڈ خرچ ہوتے ہیں۔ اور اسمیں ذرہ بھی تعجب نہیں ہے کہ علاوہ چھپائی اور کاغذ وغیرہ کے خرچ کے ایک بہت بڑی رقم مضمون نگاروں اور خبریں پہنچنے والوں کو دی جاتی ہیں۔ جو لوگ ہندوستان کے روزانہ انگریزی اخبارات میں ایک دو کالم تار کی خبریں دیکھنے کے عادی ہیں۔ انہیں کیا معلوم ہے کہ لنڈن کے روزانہ اخبارات میں اِن سے دس دس گنا زیادہ تار کی خبریں درج ہوتی ہیں جن کا بڑا حصہ اُنہیں اخبارات کے خاص نامہ نگار دنیا کے ہر حصے سے بھیجتے ہیں

مضمون نگاروں کا معاوضہ

جو اُجرتیں مضمون نگاری کی لنڈن کے اخبارات و رسالے دیتے ہیں وہ بھی کچھ کم نہیں ہیں ڈیلی میل ڈیلی ایکسپریس اور دیگر نصف پنی قیمت کے صبح کے چھپنے والے اخبارات ڈیڑھ گنی (قریباً چوبیس روپے) فی کالم کے لئے مضمون کا معاوضہ دیتے ہیں۔ ڈیلی نیوز اور دوسرے ایک پنی قیمت کے اخبارات دو گنی فی کالم۔ مگر لنڈن ٹائمز جس کی قیمت فی پرچہ تین پنس ہے ایک آرٹیکل کے عوض میں دس گنی کا چک بھیجتا ہے۔ مورننگ سٹینڈرڈ دو گنی۔ ویسٹ منسٹر گزٹ ڈیڑھ گنی فی کالم اور پال مال گزٹ دو گنی بالعموم چھوٹے چھوٹے پیرگرافوں کی اُجرت بحساب ایک پنس۔ سوا پنس یا ڈیڑھ پنس فی سطر دیجاتی ہے۔ ہفتہ وار اخبار ورلڈ البتہ چھ پنس فی سطر دیتا ہے۔ اور اسپیکٹیٹر ٹروتھ بھی دیتا ہے۔ مگر ماہوار رسالوں مثل سٹرینڈ پیرسنز جنٹلمین اور پال مال میگزین کے بڑی معقول اجرتیں ملتی ہیں جنکا اندازہ کسی آرٹیکل کی خوبی اور مقدار سے کیا جاتا ہے۔ سٹرینڈ ایک چھوٹی

کہانی کے لئے دس گنی تک دیدیتا ہے۔ نائنٹینتھ سنچری اور فورٹ نائٹلی ریویو بھی اسی نرخ سے دیتے ہیں۔ ٹمپل بار ایک چھوٹے سے مضمون کے لئے پانچ پونڈ نذر کرتا ہے۔ رائل میگزین جو چار پنس فی پرچہ ہے اور پارسن ورتھ بھی اسی قیمت کا ہے۔ دو گنی فی سفحہ کے حساب سے اجرت دیتے ہیں۔ ٹٹ بٹس اور انسرز جو دو بہت بڑی اشاعت والے ہفتہ وار پرچے ہیں۔ ہر ہزار لفظوں کے کالم کا معاوضہ ایک گنی دیتے ہیں۔ گرافک السٹریٹیڈ لنڈن نیوز اور دوسرے اسی قسم کے اعلےٰ درجہ کے باتصویر اخبار اس سے زیادہ اجرت دیتے ہیں۔ کوئی ایک گنی فی کالم اور لیڈنگ پیراگراف نصف گنی۔ سپکٹیٹر یا سیٹرڈے ریویو میں جو مضمون قبول کیا جائے اسکا معاوضہ پانچ پونڈ ملتا ہے۔ اور جو خوش نصیب لوگ ان اخباروں اور رسالوں کے منظور شدہ نامہ نگار ہیں انہیں روپے پیسہ کی پرواہ نہیں رہتی بڑے بڑے مشہور لوگوں سے یہ اخبارات اور رسالے التجائیں کر کے مضمون لکھواتے ہیں۔ مثلاً مسٹر روڈیارڈ کپلنگ یا کنین ڈائل وغیرہ سے مسٹر کپلنگ کو بعض اوقات اتنی اجرت دیجاتی ہے کہ اُسے ایک ایک لفظ کا ایک ایک شلنگ مل جاتا ہے۔ گو اسی انگلستان میں ایک زمانہ تھا کہ ملٹن جیسے مصنف کو اس کی کتاب پیرڈائز لاسٹ (رضوان باختہ) کی قیمت پانچ پونڈ پیش کی گئی تھی کہ جس پر اُس نے اپنی کتاب جلا دی تھی۔ تاہم غیر مشہور یا مبتدی اہل قلم کو اپنے مضامین مشہور پرچوں میں درج کرانے میں بڑی بڑی دقتیں پیش آتی ہیں۔ اور وہ انہیں بار بار مختلف ایڈیٹروں کے پاس بغرض منظوری بھیجتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک نوجوان مضمون نگار نے اپنی مضمون نگاری کی زندگی کے پہلے سال کے تجربات کو اخبار "ویکلی سن" میں اس طرح بیان کیا تھا۔ اپنی فہرست کے حوالے سے میں بتلا سکتا ہوں کہ میں نے کل (۱۴۳) آرٹیکل لکھے تھے کہ جن میں سے

(۳۴۲) منظور ہوئے اور (۱۵) مسترد کئے گئے۔ منظور شدگان میں سے (۲۳۳) تو پہلی دفعہ جہاں بھیجے تھے وہاں رکھ لئے گئے (۸۱) دوسری دفعہ۔ اور (۱) ساتویں دفعہ بھیجنے پر منظور ہوا۔ اس سے یہ تو ظاہر ہے کہ میری بہت صری کو اس پشلین سے کچھ نسبت نہیں ہے کہ جس نے حال ہی میں اخبار آتھر (مصنف) میں اپنے تجربات میں بیان کیا ہے۔ کہ اس کا ایک مضمون انچاسویں دفعہ بھیجنے پر منظور کیا گیا۔ بعض غریب عورتوں اور مردوں کو جنہیں سوائے علمی پیشہ قبول کرنے کے اور کوئی راستہ روٹی کمانے کا نظر نہیں آتا۔ خدا جانے اپنے مضامین کو ایڈیٹروں کی نظروں میں قبول کرانے کے لئے کیا کیا تکلیفیں اٹھانا پڑتی ہیں۔

کتابوں کے مصنف مگر یہ سب مصنف صرف اخبارات کے لئے مضمون لکھنے پر ہی مصروف نہیں رہتے بلکہ کتابیں لکھنے میں بھی ہمیشہ ایک بڑی جماعت مشغول رہتی ہے ایک بڑی ڈکشنری اور سائیکلو پیڈیا کے مرتب کرنے کے لئے جو شاف ایڈیٹرز کا مامور کیا جاتا ہے۔ اس میں ہزار ہزار اور اس سے بھی زیادہ اہل قلم جمع کئے جاتے ہیں۔ اور چھوٹی موٹی کتابوں پر اور ہزار ہا لوگ مصروف رہتے ہیں۔ ہر پبلشر کے پاس ایک یا زیادہ مبصر صرف اس کام کے لئے ملازم ہوتے ہیں کہ وہ دیکھیں اور پرکھیں کہ فلاں کتاب کا مسودہ جو انکے پاس بھیجا گیا ہے وہ کس قابلیت کا ہے۔ وہ غور کرنیکے بعد یہ مبصر مسودہ کے متعلق ایک رپورٹ لکھتے ہیں۔ اور مالک اس سے اندازہ لگاتا ہے کہ وہ اس مسودہ کے متعلق کس قدر رقم دے سکتا ہے انگلستان میں کتابیں چھاپنا یا صحافی ایک بہت بڑا دولتمندی کا کام ہے بعض بڑے پبلشر مثل ہی کیسلز۔ رتلیج۔ چیٹو اینڈ ونڈس۔ لونگمین اینڈ گرین۔ سمتھ اینڈ ایلڈر۔ چیمبرز برادران وغیرہ دولت اور ناموری کما چکے ہیں۔ لیکن وہ سب گراں قیمت پرتی ہیں۔ اخبارین اور رسالے بیچتے تھے۔ مگر اب سستے لٹریچر کا دور دورہ ہے۔

سستا اور دلچسپ لٹریچر

گو مسٹر نائٹ اور مسٹر کیسل انگلستان کے دو مشہور پبلشر اپنے اپنے وقتوں میں کتابوں اور رسالوں کے ذریعے سے لٹریچر کو ارزاں کرنے میں بہت کوشش کر گئے ہیں۔ لیکن زمانہ حال میں ایک شخص مسٹر (حال سر) جارج نیونس کی قسمت میں یہ لکھا تھا کہ انگلستان بلکہ انگریزی زبان کے لٹریچر پر ارزانی کے مُہر لگائے۔ جارج نیونس نے مانچسٹر میں ایک چھوٹا سا ہفتہ وار رسالہ بنام ٹیٹ بٹس نکالا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں اس میں اس قدر کامیابی ہوئی کہ اسے لنڈن کی سرزمین میں لاکر بونا پڑا۔ اور جیسا کہ اس کے بعد ساری دنیا نے دیکھا ہے۔ اس ننھے پودے کو یہ زمین نہایت موافق پڑی۔ گو اس سے پہلے انگریزی زبان میں ہر قسم کے اخبار اور رسالے نکلتے تھے۔ بلکہ "مسلینی" (متفرقات) "گلیننگس" (انتخاب) "ہاف آورس ود دی بسٹ آتھرس" (بہترین مصنفین کے ساتھ آدھ گھنٹے) وغیرہ متفرق مضامین کے انتخاب بھی چھپتے رہے۔ لیکن ایسے دلچسپ پیرایہ میں معلومات اور دلچسپی کے مضامین کسی نے جمع نہ کئے تھے جیسے کہ جارج نیونس نے اپنے نئے رسالہ میں کئے۔ اس رسالہ کو اس قدر ہر دلعزیزی حاصل ہوئی کہ اس کی اشاعت لاکھوں تک پہنچ گئی۔ اور غالباً آجکل چودہ پندرہ لاکھ سے کم نہ ہوگی۔ اور اس سے اس کے بانی کا حوصلہ اس قدر بڑھا اور اُس کے پاس دولت بھی اس قدر ہوگئی کہ اُس نے سٹرینڈ میگزین ماہوار سنڈے سٹرینڈ ماہوار۔ ویسٹ منسٹر گزٹ روزانہ۔ کنٹری لائف ہفتہ وار۔ لیڈیز فیلڈ ہفتہ وار۔ گرینڈ میگزین ماہوار۔ اور اور کئی اخبار اور رسالے جاری کر دیئے۔ اور کتابیں بھی چھاپیں۔ اور اب نہایت عزت اور حرمت سے جو دولت سے حاصل ہو سکتی ہے۔ زندگی بسر کرتا ہے گورنمنٹ نے اسے بصلہ خدمات لٹریچر بیرونٹسی کا درجہ عطا کیا ہے۔ اور ممبر پارلیمنٹ بھی ہے۔ سر جارج نیونس کے ٹیٹ بٹس کے تقلید میں ماہوار

برادران نے ٹیسز کے نام سے ایک ہفتہ وار رسالہ جاری کیا۔ یہ دونوں بھائی جوان عمر تھے۔ اور ان میں سے بڑے نے السٹریٹڈ لنڈن نیوز کے دفتر میں کچھ کام پریس کا سیکھا ہوا تھا۔ انہیں بھی اپنے رسالہ میں قابل حیرت کامیابی ہوئی۔ اس رسالہ کی اشاعت بھی اب ٹٹ بٹس کے قریب قریب ہے۔ اس کامیابی نے انہیں ترغیب دی کہ اپنے پیرو مرشد کی تقلید پر یہ بھی کئی اخبار نکالیں۔ چنانچہ انہوں نے ایوننگ نیوز روزانہ خرید لیا۔ ڈیلی میل جاری کیا۔ ہارمسورتھس میگزین ماہوار۔ پینی پکٹوریل میگزین ہفتہ وار۔ اور کئی رسالے جاری کر دیئے۔ اسی زمانہ میں ایک اور نوجوان پادری کے بیٹے مسٹر پیرسن نے ٹٹ بٹس کی نائب ایڈیٹری شروع کی۔ اور بتدریج ترقی کر کے اس پرچہ کا منیجر ہوگیا۔ اور پھر اپنا اخبار پیرسنس ویکلی بالکل انہیں اصولوں پر جاری کر دیا کہ جن پر ٹٹ بٹس اور انیسرز چلے چل رہے تھے۔ اور انگلستان کے پبلک کو کچھ ایسا شوق پڑھنے کا ہے۔ اور انگریزی زبان انگلستان کے سوائے امریکہ کینڈا آسٹریلیا اور دیگر کئی مقامات میں اسقدر آدمی بولتے اور جانتے ہیں کہ ہر اچھے انگریزی اخبار کی خریداری جھٹ بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ مسٹر پیرسن کے رسالہ کی خریداری بھی کئی لاکھ تک پہنچ گئی۔ اور اس نے بھی اپنے سابقین کی طرح ڈیلی اکسپریس روزانہ۔ پیرسنس میگزین ماہوار۔ ہوم نوٹس ہفتہ وار۔ ایم۔ اے۔ پی ہفتہ وار۔ رائل ماہوار وغیرہ کئی ہفتہ وار رسالے جاری کر دیئے۔ اور ان دونوں بھی گورنمنٹ نے بہت بڑے خطاب عطا کئے ہیں۔ ان تینوں اولوالعزم ایڈیٹروں کے اخباروں اور رسالوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف انکے پرچے اندازاً بیں بلکہ ان میں ایک زندہ روح نظر آتی ہے۔ اور مجھے ہمیشہ انہیں دیکھکر تعجب ہوتا ہے کہ اب اس سے زیادہ عمدہ اور اس سے نئی بات کوئی کیا نکالے گا۔ مگر ہمیشہ کوئی نہ کوئی نئی بات ان لوگوں کو

سوجھتی ہی رہتی ہے۔ یعنے آٹھ نو سال گذرے ہیں ٹٹ بٹس۔ انسرز اور پیرسنس ویکلی کے اصول پر خالص دلچسپ اور بے مذاق لٹریچر کا ایک ہفتہ وار رسالہ انتخاب لاجواب کے نام سے اردو میں جاری کیا ہوا ہے مگر اُس کی اشاعت بمقابلہ یوروپ کے رسالوں کے ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ اُس کا ذکر بھی کیا جائے۔ گو بمقابلہ اردو زبان کے اخبارات کی اچھی ہے۔ ہندوستان کے دیسی زبانوں خصوصاً اردو زبان کے اخبارات کی توسیع اشاعت سے متعلق کثر غور کیا ہے۔ تو ہمیشہ اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ تعلیم کی قلت اور دولت کی قلت دو بڑے باعث ہیں کہ جن کی وجہ سے نہ اچھے اخبار ابھی ہمارے ملک میں تیار ہوتے ہیں اور نہ پبلک اُن کی زیادہ قدردانی کر سکتی ہے۔ یعنے پیسہ اخبار کو اسی لحاظ سے بہت کم قیمت رکھا اور ہمیشہ اُسے اچھا بنانے کی کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسکی اشاعت اس حد تک پہنچ گئی کہ کبھی کسی اردو اخبار کی اس سے پہلے نہیں پہنچی تھی۔

اشتہارات اخبارات کے ساتھ اشتہارات کا مضمون اس قدر ملصق اور ملحق ہے کہ اب اس کے متعلق چند سطور لکھی جانی ضروری معلوم ہوتی ہیں۔ جب کوئی اجنبی شہر لنڈن کے کسی سٹیشن پر جا کر اُترتا ہے تو سب سے پہلے جو چیز اُسے سٹیشن کے تمام در و دیوار پر نمایاں نظر آتی ہے وہ مختلف کارخانوں کے اشتہارات کے تختے ہوتے ہیں۔ جس اخبار یا گائیڈ بک کو خریدو اس میں اشتہار ہیں۔ سٹیشن سے باہر نکل کر جس امنی بس یا ٹریم گاڑی کو دیکھو وہ اشتہارات میں ڈھنپی ہوئی ہوتی ہے۔ سڑکوں کے دونوں طرف کس قدر پوسٹر اور اشتہار لگے ہوئے ہیں۔ مکانات کی دیواروں ریل کی دیواروں اور ریلوں پر ہر قسم کے بڑے سے بڑے حروف میں اشتہار لکھے ہوئے ہیں۔ ایک خاص صابن کے اشتہار کے حروف یعنے قدآدم سے بھی بڑے دیکھے۔ لنڈن کے اخبارات میل۔ ڈیلی ٹیلیگراف۔ ڈیلی میل

وغیرہ کے اشتہارات بھی شہر میں مختلف مقامات پر دیکھے۔ ایک جگہ ریلوے لائن کے کنارہ پر اخبار ٹٹ بٹس کے نام کے قد آدم کے برابر حروف پیتل کے رنگ کے لٹک رہے تھے۔ جو شخص ایسے نرالے اشتہار کو دیکھ لیتا ہے۔ یہ اسے کبھی بھول نہیں سکتا۔ آکسفورڈ سٹریٹ میں ایک لکڑی کا بنا ہوا ہاتھ جو پانچ گز کے قریب لمبا ہوگا دیکھا۔ یوں تو ہر دوکان کا سائن بورڈ نئی سے نئی طرز اور نرالے حروف کا ہوتا ہے۔ مگر بعض لوگ ایک خاص بات پیدا کر لیتے ہیں۔ لنڈن میں تو سب سے زیادہ اشتہار "پیئرس سوپ" (پیئرز صاحب کے صابن) کا نظر آتا ہے۔ بنچم پلس اور کوکو وغیرہ کے اشتہار سب اس سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ایک کارخانہ کو کمبر (کھیرے) اور گلیسرین کا صابن بیچتا تھا۔ اس کے اشتہار کے لئے ایک گاڑی مشہور بازاروں میں چلتی دیکھی جاتی تھی جس پر قد آدم سے ایک بڑی شکل مصنوعی کھیرے کی رکھی ہوئی تھی۔ بہت سے سینڈوچ والے آدمی بھی اشتہاروں کے تختے آگے پیچھے لٹکائے پھرتے نظر آتے تھے۔ علاوہ صابن اور کوکو اور گولیوں کے اشتہارات کے سگرٹوں کے اشتہارات بھی بہت چھپتے ہیں۔

اشتہار کے متعلق ایک عجیب تجربہ

جن دنوں میں لنڈن میں تھا۔ اسی زمانہ میں ہندوستان سے کچھ فوج چین کو بھی بھیجی گئی تھی۔ مؤثر اشتہار دینے کے فن میں یہ بھی ایک قابل لحاظ امر ہے کہ زمانہ کی رخ کو دیکھکر موقع محل اشتہار دیا جاوے۔ ایک روز ایک سگرٹ والے کارخانہ کا ایک نیا با تصویر اشتہار کئی اخبارات میں میری نظر سے گذرا جس میں ایک گورے اور ایک سکھ کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ اور دونوں کے منہ میں سگرٹ تھے جو ایک دوسرے کے سگرٹ سے سلگا رہے تھے جیسا کہ یورپ کے اکثر شہروں میں دستور ہے۔ یوں تو دو شخص جب تک انہیں کوئی انٹروڈیوس نہ کرائے ایک دوسرے سے بات کرنا خلاف تہذیب سمجھتے ہیں لیکن اگر

ایک شخص کے منہ میں سلگا ہوا سگرٹ ہو اور دوسرا اپنا سگرٹ سلگانا چاہتا ہو مگر اُس کے پاس دیا سلائی نہ ہو تو بے تکلف دوسرے شخص کو جو اُس سے بالکل اجنبی ہو کہیگا کہ مجھے سگرٹ سلگا لینے دو۔ اور پھر دونوں منہ ایک دوسرے کے قریب کر کے اس سگرٹ کو سلگا لیتے ہیں۔ یہ جملہ معترضہ تھا۔ اس طرح اس تصویر میں ایک سکھ اور ایک گورکھا سگرٹ سلگا رہے تھے اور اُن کے نیچے انگریزی زبان میں ایک شعر لکھا ہوا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ سکھ اور گورکھا دونوں لڑنے والے بہادر سوائے ...... قسم کے تمباکو کے گذارہ نہیں کر سکتے۔" مینے اُس سگرٹ والے کارخانہ کو خط لکھدیا کہ تمہارے اشتہار کی تصویر اور مطلب ہی سرے سے غلط ہیں۔ سکھ کبھی تمباکو کو چھوتے تک نہیں۔ میں ہندوستانی ہوں اور میں اس بات کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ اسپر انہوں نے مجھے جواب دیا کہ بیشک تم ہندوستانی ہو لیکن تمہاری بات کس طرح مانیں یہاں ایک انگریز ہے جو ہندوستان میں کئی سال رہ آیا ہے۔ اور وہ ہمیں یقین دلاتا ہے کہ سکھ برابر تمباکو پیتے ہیں۔ مجھے اسپر وہ قصہ یاد آگیا کہ جس کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے ؎

تم تو سچ کہتے ہو میرے بھائی　　　گھر سے آیا ہے معتبر نائی

لیکن ساتھ ہی اُنہوں نے یہ بھی وعدہ کیا کہ آئندہ یہ اشتہار نہیں چھپے گا۔ اس لئے میں اس کارخانہ کا نام ظاہر کرنا بے سود سمجھتا ہوں۔

اشتہار تیار کرنا ایک بھاری پیشہ ہوگیا ہے

غرض اشتہارات کو دلکش اور ذہن نشین کرنے کے لئے بیحد دانش اور فرزانگی خرچ کی جاتی ہے۔ اشتہار لکھنا اور اُن کو دلکش بنانا ایک پیشہ ہو گیا ہے۔ اور جو لوگ عمدہ اشتہار لکھتے ہیں معقول تنخواہیں پاتے ہیں۔ لنڈن میں کئی ایسے کارخانے ہیں جنکا یہی کام ہے کہ بڑے بڑے اشتہار دینے والے انہیں اپنے سال بھر کے اشتہاروں کے کام سپرد کر دیتے ہیں۔ اور انہیں بتلا دیتے ہیں کہ ہم اتنا روپیہ امسال

اپنے اشتہار پر صرف کرینگے۔ اب ان کارخانوں کا یہ فرض ہوتا ہے کہ اس روپیہ سے عمدہ سے عمدہ نتیجہ پیدا کریں۔ دلکش سے دلکش اشتہار بنا کر اچھے سے اچھے اخبارات میں چھپوائیں یا اشتہار دیگر وسائل سے تقسیم کریں۔ اس کام کی انہیں معقول اجرت ملتی ہے۔ اور جو کارخانے سب سے اچھا کام کرتے ہیں سب گاہک انہیں کی طرف اُمڈتے ہیں۔ اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ جو لوگ کسی کام کے سپیشلیسٹ ہوتے ہیں وہ اس کام کو دوسروں سے اچھا کر سکتے ہیں انگلستان میں نصف پینی کے اخبارات کا تو قریب قریب حصر ہی اشتہارات پر ہوتا ہے۔ اُن میں اس قدر کم منافع رہ گیا ہے کہ شائد بمشکل اخبار کے پرچے کے فروخت سے سب خرچ چلتا ہوگا۔ اگر کارخانہ کو کچھ نفع ہوتا ہوگا تو صرف اشتہارات کی مد سے۔ بعض دفعہ بعض ماہوار رسالوں نے خاص خاص نمبروں میں صرف نمود اور ناموری کے خیال سے اسقدر زیادہ اشتہار لیکر چھاپے ہیں کہ انہیں محصول بہت زیادہ خرچ کرنا پڑا ہے۔ کہ جس پر اشتہارات کا تمام منافع خرچ کرنے کے علاوہ کچھ گرہ سے بھی دینا پڑا۔ جس طرح برلن میں دیکھا تھا۔ لنڈن میں بھی بازاروں میں کئی جگہ برقی لیمپوں سے طرح طرح کے رنگدار حروف کے اشتہارات بنائے جاتے تھے یعنے سادہ یا رنگین برقی لیمپوں کے جلنے سے ایک اشتہار یا دوکان کے نام کے حروف پڑھے جاتے ہیں۔ جو کہ کل شب تب کی طرح کبھی جلتے کبھی بجھتے ہیں۔ لنڈن اور پیرس میں برلن کی نسبت اس ترکیب کی بڑی ترقی دیکھی۔

مطالعہ کا شوق اہل انگلستان کے مطالعہ کا شوق اسی سے ظاہر ہے کہ ایک کتاب کا لاکھ یا دو لاکھ جلدوں کا ایڈیشن ابھی چھپتا ہے اور ابھی ختم ہو جاتا ہے۔ لارڈ رابرٹس کی مشہور کتاب بابت تجربات ہندوستان شائد ایک سال کے عرصہ میں پندرہ یا بیس مرتبہ چھپکر فروخت ہو گئی تھی حالانکہ

اُس کی قیمت بھی بیس پچیس روپیہ فی جلد کی تھی۔ لنڈن میں سٹرڈے ریویو لٹریچر اور اکیڈیمی وغیرہ کئی اخبار اس مطلب کے نکلتے ہیں جو ہر ہفتہ صرف نو طبع کتابوں پر ریویو اور نکتہ چینی کرتے رہتے ہیں۔ یا ریویو آف ریویوز کی طرح تمام ایسی کتابوں کی فہرست چھاپتے رہتے ہیں۔ اس کے دیکھنے سے تعجب ہوتا ہے کہ اہل انگلستان بلا کے پڑھنے والے ہیں جو بیشمار کتابوں کو خریدتے ہیں۔ مگر چونکہ ہر شخص جتنی کتابیں پڑھنا چاہتا ہے۔ وہ نہیں خرید نہیں سکتا۔ اس لئے سرکولیٹنگ لائبریریوں کی ضرورت لاحق ہوئی اور موڈی کے مشہور سرکولیٹنگ لائبریری سب سے بڑا کارخانہ اس قسم کا ہے[1] یہاں سے دن بھر میں ہزارہا مرد اور عورتیں پڑھنے کو کتابیں لے جاتے ہیں۔ اور پڑھ کر واپس دی جاتی ہیں۔ اور مقررہ شرائط کے مطابق لائبریری کا چندہ ادا کرتے رہتے ہیں۔ شہر لنڈن میں ہزار سے بارہ سو پارسل جن میں پانچ چھ ہزار کتابیں ہوتی ہیں۔ ہر روز موڈیز لائبریری تقسیم کرتی ہے۔ یہ لائبریری صرف لنڈن کے گاہکوں کو ہی کتابیں نہیں بہم پہنچاتی بلکہ دنیا کے ہر حصہ میں اس کے گاہک ہیں۔ یہاں تک کہ روس ہندوستان۔ ممباسا۔ چین تک اس کی کتابوں کے پارسل جاتے ہیں۔ انگلستان کے مفصلات میں ہر ہفتہ نوسو پارسل بذریعہ ریل اور سوا سو پارسل بذریعہ ہرکاروں کے تقسیم کئے جاتے ہیں۔ جونہی کوئی نئی کتاب پریس سے نکلتی ہے اور ریویو کرنے والے اس کی کچھ بھی تعریف کر دیتے ہیں۔ تو موڈی صاحب کی لائبریری میں اُس کی سینکڑوں جلدیں خرید لی جاتی ہیں۔ خواہ تھوڑی دیر کے بعد وہ کیسی نکمی نکل آئے۔ ایک دفعہ موڈی کی لائبریری میں ایک کتاب کی ۳۵ سو جلدیں ۲۲ شلنگ فی جلد کے حساب سے خرید لی گئیں اور پیچھے وہ کتاب ایسی نکمی نکلی کہ ۲ پنس کو بھی اُس کی ایک جلد نہ بکی۔ جب سب لوگ کتابیں پڑھ کر اس لائبریری

[1] میرے آنے کے بعد اخبار لنڈن ٹائمز نے بھی ایک اسی قسم کی لائبریری قائم کی ہے۔

میں واپس بھیج دیتے ہیں۔ اور وہ مستعمل ہو چکتے ہیں۔ تو موڈی والے انہیں بہت کم قیمت پر بیچ دیتے ہیں۔ یہ کارخانہ میرے ہوٹل سے بہت قریب میرے راستہ میں تھا۔ اور میں اکثر دیکھتا تھا کہ کتنے لوگوں کو شوق مطالعہ ادھر کھینچ لاتا تھا۔

دنیا کا سب سے بڑا کتب خانہ

اسی کے قریب ایک دوسری جگہ ہے کہ جہاں مطالعہ کرنے والوں کا ہر وقت ہجوم رہتا ہے۔ اس سے میری مراد برٹش میوزیم کی لائبریری سے ہے۔ جو لاریب دنیا بھر میں بڑا کتب خانہ ہے جب کبھی اس میں داخل ہونے کی کوشش کرو تو کم و بیش چار سو مرد اور عورتیں اس کے ریڈنگ روم میں کتابوں میں مصروف پاؤ گے۔ ان میں سے کوئی تو پرانی کتابیں اس لئے پڑھتا ہے کہ کوئی نئی کتاب لکھے۔ کوئی اخباروں اور رسالوں میں لکھنے کے لئے مضمون تلاش کر رہا ہے۔ اور کوئی اپنے شوق کی آگ کو علم کے پانی سے بجھا رہا ہے۔ ان پڑھنے والوں میں دنیا کی ہر قوم کے آدمی پائے جاتے ہیں۔ کہیں تو ایک نوجوان پولیٹشن کسی فراموش شدہ تقریر سے فقرے نقل کر رہا ہے۔ کہیں نوجوان مصنف پرانے خیالات نیا لباس پہنانے کے لئے تلاش کر رہا ہے۔ کہیں جفاکش مؤرخ مختلف بیانات کو میزان عقل میں تول رہا ہے۔ کہیں اخباری مضمون نگار بڑی سرعت سے کسی آرٹیکل کا مصالح جمع کر رہا ہے۔ کہیں بوڑھا پروفیسر اپنے فلسفی شکوک کو دور کر رہا ہے۔ سائنس دان۔ ریاضی دان۔ شاعر جرمن امریکن اور ہندوستانی سب پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور اپنے علمی ذوق کو پورا کر رہے ہیں۔ میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ برٹش میوزیم کا کتب خانہ دنیا بھر میں بڑا کتابوں کا ذخیرہ ہے۔ اور میں نے یہ بات بلا سوچے سمجھے نہیں کہی۔ اس وقت اس عظیم الشان کتب خانہ میں بیس لاکھ کتابیں جمع ہیں اور ایک لاکھ نئی کتابیں بالاوسط ہر سال میں اور جمع ہو جاتی ہے جب سے

برٹش میوزیم کے ٹرسٹیوں کو فکر لاحق ہو رہی ہے۔ کہ ان کے رکھنے کے لیے کہاں سے جگہ نکالیں۔ اس وقت بھی اتنی الماریاں کتابوں کی موجود ہیں کہ انہیں پہلو بہ پہلو رکھا جائے۔ تو انتالیس میل لمبی قطار ان سے بنتی ہے۔ ایک ناخون کے برابر چھوٹی سی کتاب سے لیکر ایک لمبے سے لمبے آدمی کے قد کے برابر کتابیں یہاں موجود ہیں۔ دوسری طرف ایک آنہ قیمت کی کتاب سے لیکر چھ ہزار پونڈ یعنے نوے ہزار روپیہ کی ایک مزارن بائبل ہے۔ اور کل کی چھپی ہوئی کتابوں سے لیکر حضرت مسیح سے کئی ہزار سال پہلے کی بنی ہوئی کتابیں بھی رکھی ہوئی ہیں۔ برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں عربی۔ فارسی اور سنسکرت کے ہزارہا عدیم المثال قلمی کتابیں بھی جمع ہیں۔ ان کے مطالعہ کے لیئے لنڈن کے کسی معزز شخص کی معارشی چٹھی حاصل کرنا پڑتی ہے۔ مینے ایک "بڑری مین" سے چٹھی حاصل کی تھی۔ منجملہ بہت سی دلچسپ کتابوں کے جو یہاں مینے دیکھیں بعض یہ تھیں۔ ایک نہایت عمدہ قلمی قرآن مجید تھا۔ جو ابن الواحد نے بحکم رکن الدین (بعدہ ملک المظفر بیکے) ز مملوک سلاطین مصر ۱۳۰۴ء عیسوی میں لکھا تھا جو اب چھ سو سال کا پورانا ہے۔ لیکن نہایت اچھی حالت میں ہے۔ بہت خوشخط اور تمام طلا سے لکھا ہوا ہے۔ ہر بڑی تقطیع کے صفحہ میں چھ سطریں ہیں۔ حروف کی حدود نہایت صاف باریک سیاہ خطوط سے بنا کر اندر زمین سنہری کر دی گئی ہے۔ جو بڑی صنعت کا کام ہے۔ ترکی کی ایک قلمی کتاب پاشا نامہ حالات جنگ حاجی کنعان پاشا پر مشتمل تھی۔ جو ۲۹-۱۶۲۷ء میں اس نے عیسائیوں سے کئے اسمیں ترکی جنگی بیڑے کی اس وقت کی تصویر بھی تھی جبکہ اس نے بحیرہ خضر میں کاسکون پر بحری فتح حاصل کی تھی۔ گو ترکوں کے بحری فتوحات اب زمانہ گذشتہ کے فسانے ہو گئے ہیں۔ ایک حکایات حکیم بید پا (انوار سہیلی)

ساتھ کی ترجمہ سنہ ۱۵۳۵ء کا تھا۔ اور ہزار ہا دوسری کتابیں تھیں کہ جن کی فہرست دو بڑی بڑی جلدوں میں تھی۔ جو باوجود خواہش کے بھی میں نہ خرید سکا کیونکہ اُس کی قیمت سو روپیہ کے قریب مجھے بتلائی گئی تھی۔

کتابوں کی تجارت میں نے دو چار طریقے کتابوں کے تجارت کے شہر لنڈن میں دیکھے۔ ان کا بیان بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ پہلے تو کتاب کے چھپنے کے بعد اُسے ریویو کے لئے مختلف اخبارات کے پاس بھیجا جاتا ہے۔ وہاں پیشہ ور کرٹک (نکتہ چین) ان کتابوں کا ریویو کرتے ہیں۔ اگر ریویو اچھے ہو گئے تو کتاب اتنی جلدی بکتی ہے کہ جتنی جلدی کسی نیستان میں آگ پھیلتی ہے۔ سرکولیٹنگ لائبریریاں بھی بہت سی کاپیاں خرید لیتی ہیں لیکن جب کتاب کئی روز تک نہیں بکتی تو پبلشر ایسی سب کتابوں کو ریمینڈر (بقیہ) کی مد میں برائے نام قیمت کو بیچ دیتا ہے۔ اور بعض کتب فروش انہیں خرید کر بیس شلنگ کی کتاب دو دو چار چار پنس کو بیچتے ہیں۔ نئی کتابوں کی فروخت اور نیلام الگ ہوتے ہیں۔ مستعمل کتابوں کی منڈی ایک تو نیو آکسفورڈ سٹریٹ میں بھی ہے۔ لیکن فیرنگڈن سٹریٹ میں تو ایک ساری ایک پوری گلی ہی ایسی دکانوں سے بھری ہوئی تھی مگر ان دکانوں میں بھی کئی کئی ہزار روپیہ کی کتابیں ہونگی۔ میں نے لنڈن سے بہت سی کتابیں بھی خریدیں۔ لیکن ان دکانوں سے بڑی بڑی سائیکلوپیڈیا۔ پاپولر سائیکلوپیڈیا۔ چیمبرس ڈکشنری آف ٹیمس۔ اور نٹل سپلیمنٹ ٹیکنیکل ایجوکیشن ڈکشنری آف سائنس۔ لاکسٹن ڈکشنری وغیرہ خریدیں۔ سوائے ڈکشنری آف سائنس کی یہ سب کتابیں دس دس پندرہ پندرہ شلنگ کی تھیں۔ اور دو بڑے صندوقوں میں بند کرکے ایسے ایجنٹ نے کہ جس کے سپرد میں یہ کام کر آیا تھا لنڈن سے میرے بعد ہندوستان کو روانہ کیں۔ ایک طرز میں نے ایک اور طرح کتابیں بیچنے کا لنڈن میں ایک دکان میں دیکھا

ایک کتب فروش کی دوکان میں بہت سے آدمی جمع تھے۔ اور وہ سامنے بلند چبوترہ پر کھڑا ہوکر ہاتھ میں کتابیں لے کر نیلام کر رہا تھا۔ اور لوگ سستی سمجھکر دست بدست خرید رہے تھے۔ میں نے بھی ایک دو کتابیں لیں لیکن میں نے سمجھا کہ یہ شخص انہیں کتابوں کو اس قیمت پر جو پیش کی جاتی تھی دیدیتا تھا۔ کہ جن میں وہ سمجھتا تھا اُسے خسارہ نہیں۔ اور اس ڈھنگ سے بہت سی کتابیں تھوڑے وقت میں بیچ سکتا تھا۔ یہاں ایک انگریز نے ترکی ٹوپی سے مجھے ترک قیاس کر کے مجھ سے ترکی میں بات کرنا چاہی۔ آخر اپنی غلطی معلوم کر کے عربی بولنے لگا۔ اور پھر فارسی میں بلا تکلف گفتگو کرنے لگا۔ میں اُسے دیکھکر دنگ ہوگیا۔ جب میں نے کہا میں ہندوستانی ہوں تو وہ کہنے لگا میں سنسکرت میں بات کروں۔ میں نے اس سے پناہ مانگی۔ معلوم ہوا کہ آپ قسطنطنیہ میں ڈپلومیٹک سروس کے متعلق کئی سال تک رہ چکے ہیں۔ سنسکرت کالج میں پڑھی تھی۔ بیرسٹری کی سند بھی رکھتے ہیں۔ مگر اب لنڈن میں اخبار نویسی کا کام کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ لنڈن میں صدہا بلکہ ہزارہا ایسے لوگ ہیں کہ جنہوں نے بیرسٹری کی سند لے رکھی ہے۔ لیکن تجارت یا اخبار نویسی یا مدرسی میں مصروف ہیں۔ اور قانونی پریکٹس نہیں کرتے۔ اور اخبارات کے دفتروں میں مختلف زبانوں کے جاننے والے ضرور رکھے جاتے ہیں۔ کوئی زبان نہ ہوگی جس کے جاننے والے بیٹھے بڑے اخبارات کے دفتر میں نہ ہوں۔

لنڈن کا ڈاکخانہ لنڈن کا ڈاکخانہ جو سینٹ مارٹن لگران میں واقع ہے اور اس کے ساتھ ہی تار گھر بھی ہے۔ دنیا کے عجائبات میں شمار ہونے کے لائق ہے جس شہر میں اس کثرت سے تجارت ہو۔ تعلیم کا یہ چرچا ہو اخبار کی یہ ترقی وہاں کے تار گھر اور ڈاکخانہ کی عظمت اور مصروفیت کا کیا حال ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اگر تمام انگلینڈ میں کوئی لوگ اپنے کام میں نہایت

سرگرمی اور مستعدی سے مصروف ہیں تو وہ تار اور ڈاک کے ملازم ہیں۔ انگلستان کے ڈاکخانہ میں کم از کم دو ارب چٹھیاں اور پوسٹ کارڈ سال تمام میں آتے ہیں کہ جن میں سے بڑا حصہ لنڈن کا ہوتا ہے اور جس پھرتی اور تیزی سے انہیں جنرل پوسٹ آفس کے سارٹنگ کلرک تقسیم کرتے ہیں۔ وہ قابل دید ہوتی ہے بعض بار یہ کلرک پچاس چٹھیاں ایک منٹ میں تقسیم کرتے ہیں مگر تیس چالیس تو سب چھانٹتے ہیں علاوہ چٹھیوں مطبوعات اور پارسلوں کی سالانہ تعداد اکتیس کروڑ تیرہ لاکھ ہوتی ہے۔ پونے دو لاکھ پونڈ کے منی آرڈر سال تمام میں تقسیم کرتے ہیں۔ اور سیونگ بینک میں جسے پہلے پہل انگلستان ہی کے ایک پادری صاحب نے ایجاد کیا تھا۔ اور اس کے بعد دنیا کے دیگر ممالک نے اسے اختیار کیا۔ اس وقت انگلستان کے غریب لوگوں کے تین کروڑ پونڈ جمع ہیں۔ انگلستان کے صیغہ ڈاکخانہ کی آمدنی نو ملین اور خالص سالانہ منافع تین ملین پونڈ ہے جو انگلستان جیسے چھوٹے ملک کے لئے بہت بڑا ہے۔

کنگال اور غریب لوگ

یہ بھی ایک خدا کی شان ہے کہ اس دنیا کے سب سے بڑے دولت مند شہر میں بدرجہ کے کنگلے اور محتاج لوگ بھی بکثرت رہتے ہیں۔ ایسے محتاج کہ جن کے جسم پر ثابت کپڑا نہیں ہوتا اور جو سردی اور بارش میں پیٹ سے بھوکے آسمان کے شامیانے کے نیچے زمین کے بستر پر سونے پر مجبور رہتے ہیں۔ اور ان میں بعض ایسے ہوتے ہیں کہ پھر کبھی نہیں جاگتے۔ ان میں سے بعض کے کپڑے ایسے میلے کچیلے اور دریدہ ہوتے ہیں کہ ان کے پاس سے گزرتے ہوئے گھن معلوم ہوتے ہیں یہ لوگ گلیوں کے ناکوں پر بھیک کے منتظر کھڑے رہتے ہیں۔ یہ منہ سے کچھ نہیں بولتے۔ کیونکہ انگلستان کے قانون کے مطابق بھیک مانگنا جرم ہے۔ لیکن ان کی صورت ہی سوال معلوم دیتی ہے۔ ان میں سے سینکڑوں ناکارہ عورتیں اور مرد سر راہ دیا سلائیاں۔ بٹن یا بوٹوں کے تسمے وغیرہ بیچی

سستی چیزیں لئے کھڑے رہتے ہیں یا اگر اندھے ہوں تو یہ چیزیں ایک لکڑی میں ڈال کر گلے میں لٹکائے پھرتے ہیں۔ ظاہرا وہ ان چیزوں کو بیچنے کے لئے کھڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ لیکن مخیر لوگ انکا مطلب سمجھتے ہیں مثلاً ایک دیاسلائی کی ڈبیہ لیکر چار یا اس سے زیادہ دیاسلائی کی ڈبیوں کی قیمت دے جاتے ہیں۔ پیرس میں یہ دستور لنڈن سے زیادہ تھا۔ جنگ میں جن لوگوں کے ہاتھ پیر کٹ جاتے ہیں ایسے بھیک مانگنے والوں کو فرانسیسی گورنمنٹ خیرات دیتے ہیں۔ لنڈن میں بعض لوگوں کو یہ دیکھا ہے کہ نصف پینی کا اخبار کسی پھٹے پرانے کپڑوں والے نیوز بائے سے خریدا اور اُسے پینی دیکر باقی نصف پینی واپس نہیں لی۔ میرے خیال میں اس شہر میں پچاس ہزار اور لاکھ کے درمیان لڑکے اخبار بیچنے سے روٹی کماتے ہونگے۔ اور یہ ان دو تین لاکھ دوسرے کنگلوں سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔ کہ جن کا ایک بڑا مجمع اکثر اوقات چیرنگ کراس کے پاس دیکھا جاتا ہے یا شہر کے مختلف حصوں میں منتشر پایا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض کی صورتیں کیسی مسخ ہو گئی ہوئی ہوتی ہیں۔ یہ لوگ زیادہ تر مزدور اور دستکار ہوتے ہیں مگر شرابخوری کی بدولت جب انکے کام کاج چھوٹ جاتے ہیں تو رفتہ رفتہ یہ اس ذلت اور مصیبت کی انتہا کو پہنچ جاتے ہیں۔ ان شرابخوری کے شکاروں میں بعض عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ اور اُن کے ساتھ معصوم بچے بھی اسی مصیبت کی حالت میں پائے جاتے ہیں۔ قانون انگلستان نے جہاں ان لوگوں کے لئے گداگری کی ممانعت کردی ہے۔ ان کے پناہ لینے کے لئے ورک ہاوس قائم کئے ہیں۔ کہ جہاں انہیں روٹی اور بستر دیا جاتا ہے مگر تھوڑا بہت کام بھی لیا جاتا ہے۔ ان کے بچوں کے لئے کئی "ہوم" اور پناہ کی جگہیں مخیر لوگوں نے بنائی ہوئی ہیں لیکن اسپر بھی بہت لوگ عمداً ان میں نہیں جاتے۔ بعض جگہ ریگڈ سکول (چیتھڑے پوشوں کے مدرسے)

ایسے ہیں جہاں ان بچوں کو نیک ہدایت اور تعلیم دی جاتی ہے اور ان کی روٹی کپڑے کی بھی کفالت کی جاتی ہے۔ لنڈن کے نیک لوگ ایسے لاوارث اور مفلس بچوں کو نہ صرف کھانا کپڑا ہی دیتے ہیں بلکہ اُن کی یہاں تک خبرگیری کرتے ہیں کہ سال میں ایک آدھ دن انہیں گاڑیوں پر سوار کرکے شہر سے باہر سبزہ زاروں میں بغرض تفریح لے جاتے ہیں۔ اور جب چھکڑوں کے چھکڑے ایسے بچوں کے نزہت گاہوں سے واپس آتے ہیں تو انہیں خوش دیکھکر طبیعت کس قدر خوش ہوتی ہے۔ تیوہاروں اور خوشی کے موقعوں پر لارڈ میئر یا دیگر مخیر لوگ ان مفلس اور محتاج لوگوں کو کھانا بھی کھلاتے ہیں۔ جیسا کہ حال میں ملک معظم انگلستان کی تاج پوشی کی تقریب پر کثیر التعداد کنگلوں کو کھانا دیا گیا تھا۔

غنڈے ان کنگلوں میں ایک جماعت سرکش اور بدمعاش لوگوں کی بھی ہے جو اندھیرے سویرے لنڈن جیسے شہر کی گلیوں میں بھلے مانسوں سے چیزیں چھین جھپٹ لیتے ہیں۔ انہیں لنڈن کی اصطلاح میں ہُولی گن (Hooligan) کہتے ہیں۔ اور آجکل لنڈن کے افسران پولیس اور بعض دیگر منتظم اس فکر میں ہیں کہ کس طرح لنڈن کو ان کمبختوں سے نجات دلائی جائے۔ لڈگیٹ سرکس کے پیچھے ایک کوچہ میں جہاں سے کم آدمی گذرتے ہیں۔ ایک روز ایک کنگلے نے ایک پینی مانگی۔ میرے پاس اتفاقاً ایک نصف پینی تھی جو میں نے اُسے دی۔ یہ ظاہراً ایسا شریر معلوم ہوتا تھا کہ مجھے اس کی شکل سے ڈر گیا کہ حملہ نہ کر بیٹھے۔ ایک روز ویسٹ مِنسٹر برج (پُل) سے میں گذر رہا تھا وہاں پانچ چھ نوجوان کنگلے نہایت میلے کچیلے بیٹھے کچھ پھل کھا رہے تھے سب مجھے دیکھکر ہنسنے اور گھورنے لگے۔ ایک شام کو میں ہائیڈ پارک سے واپس آ رہا تھا۔ ابھی بارش تھمی تھی کہ میں نے دیکھا ایک کنگلا ایک بنچ پر سویا ہوا ہے۔ ایک دوسرا ایک بنچ کے نیچے پڑا ہوا تھا

ایک روز سینٹ پال کے گرجا کے سامنے ایک ایسا ہی کنگلا ہاتھ میں شہر لنڈن کا ایک نقشہ لیکر کھڑا ہوا تھا۔ جو میرے قریب آکر کہنے لگا کہ اسے خرید لو۔ میں نے لینے سے انکار کیا تو اس نے کچھ منت اور کچھ اصرار کیا کہ میں اُسے خرید لوں۔ میں نے قیمت پوچھی تو اس نے چھ پنس بتلائی۔ ہر چند کہ وہ اتنے کی چیز نہ تھی۔ مگر میں نے اُسے چار پنس دینے چاہے۔ اُس نے کہا اتنے میں تو مجھے ملا ہے۔ آخر اُس نے چار پنس مانگے۔ اور میں نے طوعاً و کرہاً اُسے دیئے۔ جب میں یہ نقشہ لیکر سینٹ پال کی پچھلی طرف ایک بنچ پر بیٹھ کر دیکھنے لگا۔ تو معلوم ہوا کہ ایک کتاب لنڈن گائیڈ تین پنس کو ملتی ہے۔ جس میں یہ نقشہ مفت ملتا ہے۔ اور اس پر بھی یہ اُس شخص کے ہاتھوں میں میلا ہو چکا تھا۔ ایک اور قسم کے کنگلے شہر کے بازاروں میں آرگن یا کوئی اور باجہ اور سارنگی وغیرہ کی قسم کے باجے لیکر پھرتے ہیں۔ یہ عورت مرد یا دو مرد ہوتے ہیں۔ اور کبھی یہ اندھے بھی ہوتے ہیں جو بازار کی کسی کھلی جگہ میں کھڑے ہو کر بجانے لگتے ہیں۔ آنے جانے والے لوگ انہیں کچھ پیسے دیے جاتے ہونگے۔ میں تو انہیں بھی کنگلے ہی کہونگا۔ خواہ وہ اپنے آپ کو آرٹسٹ پروفیسر موسیقی سمجھتے ہوں۔ ٹاور برج کے پاس ایک روز ایک اندھا دیکھا جس کے گلے میں ایک برتن لٹک رہا تھا جس میں لوگ پینی پھینک جاتے تھے۔ اور یہ ایک کاغذ کو نہایت سیدھی قطاروں سے چھید رہا تھا۔ یہ سب مانگ کھانے کے لئے نئے ڈھنگ ہیں۔

زمین کے نقاش البتہ جس قسم کے کنگلوں کا میں اب ذکر کرنے لگا ہوں وہ خاصے آرٹسٹ ہوتے ہیں۔ اور انہیں کہتے بھی پیومنٹ آرٹسٹ (فرش کا نقاش) ہیں۔ مگر یہ بھی صرف کنگلے اور بھیک مانگنے والے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اُن کی شکل اور لباس سے ظاہر ہوتا ہے۔ میں نے کئی دفعہ ایسے شخصوں کو راستوں کے ایک طرف بلند یا نشیب سطح پر پتھر وغیرہ کے فرش پر اپنے

سامنے چاک وغیرہ رنگوں سے تصویریں بنا کر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ ایک نے
اپنی تصویروں کے نیچے لکھا ہوا تھا۔ "ان کو مجرات دلائیں"۔ تہ بینی جو مینگی
رنگ پر خرچ کی جائیگی وغیرہ۔ تصویریں متوسط درجہ کی خاصی بنی ہوئی تھیں
ایک سابق شاہ ایران کی ایک ملکہ قیصرہ مرحوم کی۔ ایک لارڈ رابرٹس کی۔
ایک دوسری جگہ آرٹسٹ کی اپنی تصویر بھی تھی جس کے نیچے لکھا ہوا تھا۔
"آپکا عاجز خادم غریب آرٹسٹ" ایک چوہے کی تصویر بنا کر اُس کے نیچے
لکھا ہوا تھا۔ "زمانہ بہت سخت آگیا ہے" ایک گھوڑے کی تصویر کے نیچے
لکھا تھا "دانہ مانگتا ہے" غرض ہر تصویر منہ سے سوال کر رہی ہوتی ہے۔
اور بعض لوگ پاس سے گذرتے ہوئے آرٹسٹ کو کوئی نہ کوئی پیسہ پھینک
جاتے ہیں۔ اکثر لونڈے اِن تصویروں کے گرد کھڑے رہتے ہیں۔ جس بعض
جھڑی یا بارش ہو اِن بیچاروں کا کام نہیں چلتا۔ کیونکہ زمین نمناک
ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کے رفعہ دکاں اِن کی ذہانت نے یہ بندوبست کردیا
ہے کہ بعض پرمننٹ آرٹسٹ بجائے زمین کے لکڑی کے سیاہ تختوں پر
اپنی تصویریں بناتے ہیں۔ میں نے ایک روز ایک ایسے آرٹسٹ سے پوچھا
کہ فلاں شخص کی تصویریں بہت اچھی تھیں جو تختوں پر کھینچی ہوئی تھیں۔
اُس نے ناک منہ چڑھا کر صاف جواب دیا کہ وہ اُس کا اپنا کام تھوڑا ہی
تھا۔ وہ تو ایک دوسرا شخص تختوں پر بنا دیتا ہے۔ اور اُس نے کئی
ایجنٹ رکھے ہوئے ہیں۔ جو اُن تختوں کو زمین پر جاکر بچھاتے ہیں۔ اور
جو آمدنی ہوتی ہے بانٹ لیتے ہیں۔ اور یہ تو سیرا تمام اپنے ہاتھ کا کام ہے میں
یہ سنکر حیران ہو گیا کہ دنیا کے ہر پیشہ میں کچھ نہ کچھ راز ہوتا ہے۔

ڈاکٹر برنارڈو کے ہوم

لیکن جہاں لنڈن میں اسقدر ناقابل بیان مصیبت اور
افلاس کا عذاب ہے۔ جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے کئی
مخیر لوگ اُس کی کم کرنے میں شب و روز مصروف رہتے ہیں۔ وہ لاوارث

لڑکوں اور لڑکیوں کو گداگری اور مصیبت کی زندگی سے چھین کر انہیں یتیم خانوں میں جمع کرتے ہیں۔ وہاں انہیں صرف روٹی کپڑا ہی متوسط الحال لوگوں کے بچوں کی طرح نہیں دیتے بلکہ انہیں لکھنا پڑھنا بھی سکھلاتے ہیں۔ اور کوئی نہ کوئی دستکاری اور ہنر بھی سکھلاتے ہیں۔ کہ جس کے ذریعہ سے وہ شریفانہ زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکیں۔ انگلستان میں اس قسم کے خیرات خانوں اور یتیم خانوں میں ڈاکٹر برنارڈو کے ہوم سب سے بڑے ہیں۔ کہ جن کی لنڈن اور انگلستان کے بعض دوسرے شہروں میں کئی شاخیں ہیں۔ ان میں ہر وقت پانچ چھ ہزار لڑکوں لڑکیوں کا کنبہ جمع رہتا ہے۔ اس نیک مرد نے پینتالیس سال گذرے ہیں ایک روز راستہ میں ایک لاوارث بچے کو قابل رحم حالت میں پا کر اس کی پرورش کا ارادہ کیا۔ اور اس خیال کو ترقی ہوتے ہوتے کئی بچے جمع ہو گئے۔ یہاں تک کہ اس کا محتاج خانہ سلطنت میں اور شائد دنیا میں سب سے بڑا ہو گیا۔ اس محتاج خانہ نے آج تک چوالیس ہزار بچے لنڈن وغیرہ شہروں کی گلیوں کی ذلت اور گناہ کی زندگی سے بچا کر پرورش کئے ہیں اور انہیں کام کے آدمی اور عورتیں بنا دیا ہے۔ جو اس وقت یا تو شریف لوگوں کے گھروں میں خدمتگار اور خادمہ ہیں۔ اور یا اپنے اپنے کاروبار تجارت ملازمت اور زراعت میں مصروف ہیں۔ ہر سال ایک بڑی کھیپ جوان لڑکوں اور لڑکیوں کے لنڈن سے کینیڈا میں سکونت پذیر ہونے کے لئے بھیجی جاتی ہے۔ جہاں اب تک ساڑھے بارہ ہزار سے زیادہ زن و مرد پہنچ چکے ہیں۔ ڈاکٹر برنارڈو کا دعوےٰ ہے کہ ۱۸۶۶ء میں جو انگلستان کے جیل خانوں میں ہر ایک لاکھ آبادی کے پیچھے چالیس قیدی ہوتے تھے۔ اور اب صرف ۲۶ قیدی رہ گئے ہیں۔ اس کمی میں ہمارے ہوم نے بھی مدد کی ہے۔ اس لمبے چوڑے کنبہ کا خرچ کہاں سے آتا ہے

اس راز کو ڈاکٹر برنارڈو اس طرح افشا کرتا ہے۔ یہ نیک شخص کہتا ہے کہ مجھے روپیہ کی قلت سے بارہا فکر لاحق ہوئی ہے۔ لیکن جب میں نے خدا سے دعا مانگی کہ تیار یہ لمبا چوڑا کنبا بھوکا نہ رہے۔ تو کوئی نہ کوئی موری وقت پر پہنچ گیا۔ اور اُس نے مدد دیدی۔ میں نے ہمیشہ اخبارات میں اپنی ضرورتیں بیان کیں اور خدا کے دست غیب نے لوگوں کے ہاتھ سے مجھے کافی روپیہ دلوایا۔ نائٹ اینڈ ڈے (شب و روز) کے نام سے ایک ماہوار رسالہ اس ہوم کے حالات اور ضروریات کے متعلق چھپتا ہے۔ افسوس ہے کہ ان سطور کے لکھے جانے کے بعد ڈاکٹر برنارڈو کا انتقال ہو چکا ہے۔ مگر اُس کا ہوم برابر جاری ہے۔

انگلستان میں شراب خواری جتنی شراب پینے کی دوکانیں اور بار لنڈن میں نظر آتی ہیں۔ اتنی کسی شہر میں نہ ہونگی۔ اہل انگلستان بڑی شراب خور قوم ہیں۔ سنہ ۱۹۰۵ء میں اہل انگلستان نے (۱۹۰۵۱۷۱۰) پونڈ میخواری میں صرف کئے۔ یہ رقم اس وقت تک کے جنگ ٹرنسوال کے اخراجات سے زائد تھی۔ تمام ملک کے کپڑوں کے سالانہ خرچ یا کھیتوں اور مکانات کے کل کرایہ اور محصول کی آمدنی سے زیادہ تھی۔ ہر شخص اگر مذہبی امور میں ایک شلنگ خرچ کرتا ہے۔ تو شراب پر سات شلنگ خرچ کرتا ہے۔ ہر چند کہ دنیا جانتی ہے کہ اہل انگلستان اپنی مذہبی مشنوں اور گرجوں کی امداد میں کس قدر روپیہ دیتے ہیں۔ بجا لیکہ وہ ان کی شراب خوری کے بل کا صرف آٹھواں حصہ ہوتا ہے۔ انگلستان کا افلاس۔ عدالتوں کے مقدمات۔ طلاقیں۔ ریلوں کے حادثات اور اکثر دیگر جرائم زیادہ تر اسی کثرت شراب خوری کی وجہ بتلائی جاتی ہیں۔

لنڈن کی صبح چونکہ یہاں لوگ رات کو دو دو تین تین بجے تک یا شاید اس سے بھی زیادہ جاگتے رہتے ہیں۔ اور تماشہ گاہوں یا سیر و تفریح میں

مصروف رہتے ہیں۔ اس لئے وہ صبح سویرے نہیں جاگتے۔ کہتے ہیں کہ لنڈن میں پانسو کے قریب ہر قسم کی تماشہ گاہیں ہیں جن میں پچاس تھیٹر اور باقی میوزک ہال وغیرہ ہیں۔ مگر میں نے وہاں ایک مرتبہ بھی تھیٹر نہیں دیکھا۔ ہرچند کہ رائے بہادر لالہ مدن گوپال صاحب بیرسٹر نے تاکید کی تھی کہ لنڈن کا تھیٹر ضرور دیکھنا تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ کیوں یہ لوگ اتنی اتنی راتوں تک ایک ہی تماشہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ میں نے ایک دن صبح کو بہت سویرے اٹھکر لنڈن کے بازاروں کی کیفیت دیکھی۔ یعنی بہت سست کو ۲ بجے صبح مکان سے نکلا۔ سوائے غریب آدمیوں۔ مزدوروں۔ اخباروں کی گاڑیوں۔ دودھ کی دستی گاڑیوں اور اخبار بیچنے والے لونڈوں۔ اور ذخائر خوردونوش اور ایندھن کی گاڑیوں کے بازاروں میں اور کچھ نہ تھا۔ اس اُجلے راہ روؤں کی بھیڑ یا دکانوں کے خوبصورت مال و اسباب کا اس وقت کچھ پتہ نشان نہیں ملتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ضروری کام گلیوں کی صفائی۔ اور سامان خوردونوش اور اخبارات پہنچانے کے صبح ہی صبح ختم ہو جاتے ہیں۔ تب شہر کے چہل پہل اور بازاروں کی رونق شروع ہوتی ہے۔ اخبارات بھی ناشتہ کے ساتھ ہی ان لوگوں کی میزوں پر ہونے ضروری ہیں۔ گویا یہ بھی زندگی کی ایک ضرورت ہے جبھی تو اخبارات کی اشاعت کی یہ کیفیت ہے۔

برٹش میوزیم لنڈن کے قابل دید مقامات میں برٹش میوزیم بلحاظ اپنے بیش قیمت خزانوں کے اول درجہ رکھتا ہے۔ اس میں زمانہ قدیم کے عجائبات اس قدر زیادہ ہیں کہ دنیا کے کسی عجائب گاہ میں نہ ہونگے۔ اور یہ سب مجموعہ ایک دن یا ایک سال میں جمع نہیں ہو گیا۔ بلکہ ڈیڑھ صدی کی ساری قوم کی لگاتار کوشش اور بے اندازہ روپیہ کے خرچ سے جو کچھ جمع ہو سکا وہ یہاں موجود ہے۔ ۱۷۵۹ء میں پہلے پہل یہ میوزیم کھولا گیا۔

پہلے صرف مطبوعہ کتابوں قلمی کتابوں اور نیچرل ہسٹری (علم الحیوان) کے تین صیغے دس میں کھولے گئے تھے۔ مگر ترقی کرتے کرتے اب اس میں نو صیغے موجود ہیں۔ اور باوجودیکہ پہلے مکان میں اور بہت سے مکان اُدھر اِدھر اضافہ کئے گئے ہیں۔ مگر پھر بھی نیچرل ہسٹری کا مجموعہ بوجہ عدم گنجائش ساؤتھ کنسنگٹن کو منتقل کر دیا گیا۔ اور اسی عجائب گاہ میں اب انڈین میوزیم بھی شامل ہے۔ پہلے پہل سر ہنس سلون کا عتیقہ اشیاء کا مجموعہ ۱۷۵۳ء میں بیس ہزار پونڈ کو گورنمنٹ نے خریدا۔ اور ہارلین کے قلمی نسخوں اور کوٹنین کتب خانہ کو اس میں شامل کر کے میوزیم کی بنیاد رکھی گئی۔ ۱۷۷۲ء میں پارلیمنٹ نے سر ولیم ہیملٹن ہارڈمن برتنوں وغیرہ کا مجموعہ خریدا۔ ۱۸۰۱ء میں مصری عتیق اشیا حاصل کی گئیں۔ ٹونلی سنگ مرمر۔ اور کرنل گریول کے معدنیات ۱۸۱۲ء میں خریدی گئیں۔ ۱۸۱۵ء کے امن کے بعد یونان کی عمارات سے بیش قیمت سنگ مرمر لارڈ الجن لے آیا۔ ساڑھے تیرہ ہزار پونڈ کو ۱۸۱۸ء میں ڈاکٹر برنی کا کتب خانہ خریدا گیا۔ سر جوزف بنکس کا کتب خانہ اور نباتات کے نمونے ۱۸۲۰ء میں وصیت کے ذریعے سے ملے ۱۸۲۳ء میں شاہ جارج چہارم نے اپنے باپ جارج سوم کی منتخب لائبریری وقف کر دی جس میں ستر ہزار کتابیں تھیں۔ انگلستان کے کاپی رائٹ کے قانون کے مطابق ہر کتاب کی ایک جلد برٹش میوزیم میں رکھنے کے لئے لی جاتی ہے۔ اور نیز بہت سا روپیہ کتابوں پر خرچ کیا جاتا ہے جس سے اب بیس لاکھ کتابیں جمع ہیں۔ ریڈنگ روم کا عالیشان کمرہ معہ اپنے خوشنما گنبد اور پڑھنے والوں کے دائرہ نما نشستوں کے بہت دلچسپ ہے۔ اس وقت یہ نو صیغے اس بے سروپا عمارت کے مختلف کمروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ (۱) ڈائرکٹر اور بڑے لائبریرین کا دفتر۔ (۲) یورپین مطبوعہ کتابیں (۳) یورپین قلمی نسخے۔ (۴) مشرقی مطبوعہ کتابیں اور قلمی نسخے۔ (۵) تصاویر

اور نقشے چھپے ہوئے (۶) مصری اور اسوری عتیق چیزیں (۷) یونانی اور رومی عتیق چیزیں (۸) انگریزی اور قرون وسطی کی عتیق چیزیں اور علم اقوام انسان کے نمونے (۹) سکے اور تمغے۔ علاوہ کتب خانہ کے عام ریڈنگ روم کے بعض صیغوں مثل شرقی قلمی نسخوں وغیرہ کے متعلق خاص طالب علموں کے ریڈنگ روم ہیں جو خاص خاص شاخوں سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ اخباروں کے ریڈنگ روم میں انگلستان کے تمام اور یورپ کے بڑے بڑے اخبار گذشتہ صدی کے موجود ہیں۔ یورپ کی عتیق چیزوں میں بہت پرانے زمانے کے پتھر اور دھاتوں کے اوزار اور کلہاڑے۔ اور تیروں کے پھل سٹون ایج (Stone age) یعنے (زمانہ سنگ) کے دلچسپ تھے پہلے کے کمرہ میں ایک عجیب وغریب مجموعہ ابتدائی زمانہ کی جیب گھڑیوں وطلابوں اور ڈائلوں کا تھا۔ ایک کمرہ میں سونے کے زیورات اور جواہرات نہایت قدیم اقوام کے جمع کئے گئے تھے۔ دو کمروں میں چینی اور جاپانی برتنوں اور چیزوں کے نمونے تھے۔ ایک جگہ قدیم رومن عہد کے شیشہ کے برتن اور کھلونے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ قدیم رومن لوگ شیشہ گری سے بخوبی واقف تھے۔ گو ان کے شیشہ کا رنگ میلا ہوتا تھا۔ پھر وہیں فرانس اور انگلستان کے قدیم شیشہ کے نمونے اور مختلف ملکوں کے چینی کے برتن دیکھے۔ یونانی اور مصری عتیقہ چیزوں سے ان ممالک کے رسوم ورواج کو کیسی عمدگی سے اخذ کیا ہے۔ بابل اور نینوہ کی چیزوں کے لئے علیحدہ کمرے ہیں۔ مصری ممیوں (حنوط شدہ لاشوں) کے لئے الگ کمرے ہیں۔ انہیں دیکھکر تعجب پیدا ہوتا ہے کہ آج سے پانچ ہزار سال پہلے مصریں یہ کیسا عجیب وغریب ہنر معلوم تھا جواب دنیا سے مفقود ہو گیا ہے۔ بلحاظ قدامت سائرس شاہ ایران اور بخت نصر بادشاہ یہود کی زمانوں کی یادگاریں تک اس عجیب وغریب مجموعہ میں موجود ہیں۔

ایک کمرہ نمرود کے نام پر نامزد ہے۔ مشرقی مذاہب خصوصاً بودھ اور برہمنی مذاہب اور کسی قدر مسلمانوں یہودیوں اور سکھوں اور چینی جاپانی مذاہب کی عبادت کے طریقے اور سامان علیحدہ جمع تھے۔ یونانی اور رومن برتنوں کو دیکھکر تعجب ہوتا تھا کہ پچھلے زمانوں میں مٹی اور رنگ روغن کے کام میں کس قدر نادر مہارت بہم پہنچائی جاتی تھی۔ یہ مختلف برتن مختلف ضرورتوں یعنے شراب پانی یا ان کے مرکبات وغیرہ کے لئے مخصوص تھے چھپی ہوئی کتابوں میں یوروپ کے بہت ابتدائی چھاپوں کے نمونے جمع کئے گئے تھے کہ جن کی اس وقت یوروپ میں ہزاروں پونڈ بوجہ اُن کی کمیابی کے قیمت پڑتی ہے۔ ۱۵۱۱ء کا ایک نمونہ ہندوستان میں سب سے پہلا چھپا ہوا رکھا تھا۔ جو کہا جاتا ہے کہ اہل پورتگال نے اسے اس سنہ میں چھاپا تھا قلمی کتابوں میں یونانی لاطینی اور انگریزی کے مسیحی زمانہ سے پہلے کے لکھے ہوئے نسخے اور بہت پرانی بائبلوں کے نمونے تھے۔ مسیحی زمانہ کی یوروپین قلمی کتابوں کے جدول ویسے ہی مطلا اور پرتکلف بیل بوٹوں سے آراستہ تھے جیسے کہ قدیم عربی فارسی کتابوں کے ہوتے ہیں۔ ان کتابوں کے بڑے بڑے حاشیے چھوڑے گئے تھے اور ان کے کاغذ سیالکوٹی کاغذ کے زیادہ مشابہ تھے۔ مشرقی قلمی کتابوں میں عربی فارسی عبرانی۔ یونانی چینی جاپانی سنسکرت اور پالی سب زبانوں کی کتابیں تھیں۔ ایک تبت سے آئی ہوئی کتاب ہاتھی دانت کی باریک تختیوں پر لکھی ہوئی تھی۔ ایک کمرہ میں انگلستان کے تمام نامی شعرا اور مصنفین کی دستخطی تحریریں اور ان کی بعض تصنیفوں کے اصلی مسوّدے اور ایسی کتابیں کہ جنپر مصنفوں کے دستخط تھے۔ اور ہر قسم کے تاریخی وقعت کی تحریریں جمع کی گئی تھیں۔ ملٹن کی کتاب پیراڈائز لاسٹ کا اصلی معاہدہ جو ایک کتب فروش سے کیا گیا تھا۔ ڈیوس کا دستخطی مسودہ

جو بہت کثا پھٹا تھا۔ مگنا سارٹا (اہل انگلستان کی آزادی کے دستاویز) اور دیگر شاہان انگلستان کی فرمانوں کی صحیح نقلیں اور فوٹوگراف بھی تھے۔ انگلستان کے تمام اور بعض ممالک غیر کے سلاطین کے دستخط اور تحریریں الگ محفوظ تھیں۔ اور شاہان انگلستان کی گریٹ سیل اور دوسری مہریں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ سچ تو یہ ہے کہ برٹش میوزیم کو اچھی طرح دیکھنے کے لئے کئی سال درکار ہیں اور اس کے اکثر مطالب سمجھنے کے لئے عمر بھی کافی نہیں۔ بار بار تعجب اس امر کا ہوتا ہے کہ دو دو تین تین چار چار پانچ پانچ ہزار سال کے سکے کتبے اور برتن اتنے کس طرح ایک جا جمع ہو گئے جب ان ذخیروں کا بعض قدیم زمانوں کی کتابوں سے اور بائبل کے حالات سے مقابلہ کیا جاتا ہے۔ تو تاریخ عالم کو بہت مدد ملتی ہے۔

کاپر پلیٹ پر تصویریں کھودنا

میوزیم میں نقشوں کے کمرہ میں کاپر پلیٹ پر تصویریں کھودنے کا عمل دکھلایا گیا تھا۔ اور اس کی کیفیت معہ نمونوں کے رکھی ہوئی تھی۔ جہاں سے میں نے یہ نوٹ لیا۔ پہلے کاپر پلیٹ (تانبے کی تختی) پر چربی پگھلا کر ایک کوٹ کیا جاتا ہے۔ پھر ایک سوزن سے اسپر وہ تصویر بنائی جاتی ہے۔ جس کا پنسل سے بنا ہوا خاکا اسپر چھاپا گیا ہے۔ پھر پیٹ کی پشت کی طرف سیاہ وارنش کا کوٹ کیا جاتا ہے۔ گویا سوائے تصویر کی کھودی ہوئی جگھوں کی کوئی جگہ پلیٹ پر ننگی نہیں ہوتی اب مندرجہ ذیل نسخہ کو تیار کر کے اس میں تھوڑی دیر کے لئے پلیٹ ڈبو دیتے ہیں۔ تو تانبا وہاں سے کٹ جاتا ہے۔ نسخہ یہ ہے۔ جس کا نام ڈچ مورڈنٹ (Dutch Mordant) ہے:-

کلوریٹ آف پوٹاش Chlorate of Potash 2½ oz
۲½۔ اونس

ہائڈروکلورک ایسڈ ۹½ اونس Hydrochloric acid 9½ oz

ایک دوسرا نسخہ یہ ہے :-

نٹرک ایسڈ (تیزاب گندھک) پچاس حصے Nitron acid (H.N.O_2) 50 Parts

پانی پچاس حصے Water (N_2 O.) 50 Parts

انگلستان کا سب سے بڑا گرجا

سینٹ پال کا گرجا لنڈن میں ایسی عمارت ہے کہ جس کی ظاہری شکل وصورت جیسی شاندار ہے ویسی ہے اندر سے بھی ہے۔ میں بار بار اس کے پاس سے گذرتا رہا۔ کیونکہ یہ شہر کے نہایت بارونق موقعہ پر واقع ہے لیکن اندر جاکر دیکھا تو اسے نہایت عالیشان عمارت پایا۔ چھت اور گنبد نہایت تکلف سے آراستہ کئے گئے ہیں۔ ایسے عالیشان گرجے دیکھنے سے پہلے مجھے کبھی خیال نہیں آیا تھا کہ گرجوں پر عیسائیوں نے بھی اتنے روپے اور کوشش خرچ کی ہوگی جتنی کہ مسلمانوں نے مسجدوں پر کی ہے۔ لیکن عمارت کی عمدگی اور روپے کی لاگت سے قطع نظر جو بات اس عمارت میں زیادہ دلچسپ نظر آئی وہ یہ کہ دونوں پہلوؤں میں انگلستان کے جنگی اور قومی ناموروں کی یادگاریں تھیں کہ جنہوں نے ہر میدان یا دیوان میں ملک کی خاطر جان دیدی تھی یا ملک کی خدمت میں عزت حاصل کی تھی۔ لیکن زیادہ کتبے اور سنگ مرمر کے بت میدان جنگ کے بہادروں کے تھے جن میں لارڈ نلسن اور ڈیوک آف ونگٹن بھی شامل تھے۔ چند شیپوں کے بت بھی تھے کہ جن میں ہندوستان کا مشہور بشپ ہیبر بھی تھا۔ جنرل گارڈن کا بت رومن تھا۔ سر مونٹ سٹوارٹ الفنسٹن کا بت کھڑا تھا۔ ان مشاہیر کے بتوں کا اثر تمام قوم پر کس قدر اچھا پڑتا ہوگا۔ قوم کے نوجوان اور بچے جب ان بتوں کی عزت وتعظیم دیکھتے ہونگے۔ تو کون نہیں چاہتا ہوگا کہ اپنے ملک کی ایسی ہی خدمت کرکے خود بھی ایسی عزت اور بقائے دوام حاصل کرے۔ انہیں سے بعض بت اور کتبے ملک کے چندہ سے بنائے گئے ہیں بعض گورنمنٹ اور دیگر پبلک جماعتوں کے چندہ سے واقعی یہ نہایت عمدہ ... ہے

سینٹ پال کا گرجا لنڈن کے نہایت قدیم عمارت ہے جو چوتھی صدی عیسوی سے اسی جگہ پر بنتا چلا آیا ہے۔ موجودہ گرجا چوتھی مرتبہ ۱۶۷۵ء میں بننا شروع ہوا تھا۔ اور ۱۷۱۰ء میں ختم ہوا۔ سر کرسٹوفرن مشہور مہندس نے تعمیر کیا (۵۱۰) فٹ لمبا (۲۸۲) فٹ چوڑا ہے۔ گنبد کی چوٹی پر کی صلیب سطح زمین سے (۴۰۴) فٹ بلند ہے۔ اس کے جنوبی مینار پر ۱۷ ٹن (قریباً پانچ سو من) وزنی ایک گھنٹہ ہے جو انگلستان میں سب سے بڑا ہے۔

ویسٹ منسٹر ایبی لنڈن کی عمارات میں ویسٹ منسٹر ایبی کو ایک خاص رتبہ حاصل ہے۔ اور شائد سینٹ پال ہوس آف پارلیمنٹ اور لنڈن ٹاور میں سے جو لنڈن کی چوٹی کی تاریخی اور نامور عمارات ہیں۔ یہ کسی سے دوم درجہ پر نہ ہوگی۔ سینٹ پال میں اگر کچھ ناموروں کے بُت اور یادگاری کتبے ہیں تو ویسٹ منسٹر ایبی میں سینکڑوں نامور مدفون ہیں۔ دراصل یہ ایبی سینٹ پیٹر کا گرجا تھا جو نہایت قدیم زمانہ سے لنڈن میں چلا آتا ہے۔ اسے نہ صرف عبادت کے لئے استعمال کیا جاتا رہا ہے بلکہ اس میں ابتدا سے لیکر انگلستان کے سلاطین کی رسم تاج پوشی ادا ہوتی رہی ہے۔ اور اُن کے وفات پر اُن کی لاشوں کو بھی یہیں دفن کیا گیا ہے۔ جو ایبی کے لمبی لمبی محرابوں کے نیچے مدت سے آرام کر رہی ہیں۔ علاوہ بادشاہوں کے انگلستان کے مشہور مدبر شاعر مصنف فصیح البیان مقرر عالم و فاضل عابد و زاہد اور سائنس دان سبھی ایبی کے عالیشان مقبرہ کے اندر سوتے ہیں۔ ذرا ایک طرف سے دوسری طرف تک ان ناموروں کے کتبے تو پڑھتے چلے جاؤ۔ ولیم فاتح سے لیکر ملکہ الینر بیتھ دونوں شاہان ولیم مگڈمیری اور ملکہ این تک سلاطین برطانیہ کے نام موجود ہیں۔ اہل سیف و قلم اور اہل علم و اہل تقوے میں سے بھی چند نام سُن لیجئے۔ لارڈ چیتھم

ولیم پٹ اور اُس کا حریف فاکس۔ پامرسٹن۔ بیکنسفیلڈ اور گلیڈسٹون۔
سر آیزک نیوٹن مشہور مہندس۔ ہرشل مشہور منجم۔ ڈاروِن نیچرلسٹ۔
لوِنگسٹون سیاح افریقہ۔ اور جان وِیزلی بانی فرقہ ویزلئن میتھوڈزم جیفری
چاسر جسے انگریزی نظم کا باپ کہتے ہیں۔ خداوند سخن شیکسپیر۔ سپنسر۔ بن جانسن
ملٹن۔ ڈرائیڈن۔ گے۔ ایڈیسن۔ ٹامسن۔ گولڈسمتھ۔ ڈاکٹر جانسن۔ شیریڈن
ساؤدی۔ کیمبل۔ تھیکری۔ میکالے۔ ڈکنس۔ براؤننگ اور ٹینی سن وغیرہ
جو اپنے زمانہ میں اقلیم سخن کے بادشاہ گذرے ہیں۔ سب یہیں خواب
ناز میں سرشار پڑے ہیں۔ اسی کے سنگین اور حیرت افزا دیواروں کے
اندر جاکر زائر پر ایک عجیب حالت طاری ہوتی ہے جو لفظوں میں بیان ہونی
مشکل ہے۔ اور عمارت کی رفعت اور عظمت اس حالت کو اور بڑھا دیتی
ہے۔ یہیں شاہ ایڈورڈ دی کانفیسر کے چیپل میں تاجپوشی کے مشہور
کرسی رکھی ہے کہ جس پر تاجداران برطانیہ بوقت تاجپوشی بیٹھتے ہیں۔ اس
کرسی کے نیچے ایک قسمت کا پتھر لگا ہوا ہے جس کی تاریخ بڑی عجیب
ہے۔ جب قدیم سلاطین سکاٹلینڈ کی تاجپوشی ہوا کرتی تھی تو اس وقت
وہ اس پتھر پر بیٹھتے تھے۔ جب ایڈورڈ اول نے سکاٹلینڈ کو فتح کیا تو وہ اس
پتھر کو ساتھ لیتا آیا۔ جس پر اہل سکاٹلینڈ کو سخت صدمہ پہنچا۔ کیونکہ اُنکے
یہاں ایک مثل رائج تھی جس کا یہ مطلب تھا کہ اگر قسمت یاوری کرے
تو جہاں یہ پتھر جائیگا شاہان سکاٹلینڈ اسی ملک کے بادشاہ ہو جائینگے۔
اسی طرح لنڈن میں ایک اور مشہور پتھر ہے جسے لنڈن سٹون کہتے ہیں۔
جو سینٹ سوتھن کے گرجا کے قریب ایک آہنی جنگلے میں محفوظ ہے۔
کسی زمانہ میں یہ پتھر بہت مشہور تھا۔ ۱۱۸۹ء میں اہل لنڈن نے جب
اپنا پہلا میئر مقرر کیا تو اُسے لنڈن سٹون کے میئر کے نام سے پکارتے تھے۔
کہتے ہیں کہ اہل روما نے اپنے عہد حکومت میں لنڈن میں اس پتھر کو

اس لئے نصیب کیا تھا کہ اس مرکز سے وہ دوسرے مقامات تک مسافت کا اندازہ کیا کرتے تھے۔

کرسٹل پیلس کرسٹل پیلس یا شیش محل کو لنڈن کا ہر روز کا میلہ کہنا چاہئے۔ یہ خوبصورت اور نرالی قسم کی عمارت صرف لوہے کے فرمیوں میں شیشہ لگا کر بنائی گئی ہے۔ اور اس کے عظیم الشان چھت کے نیچے تمام گرم ممالک کے درخت لگائے گئے ہیں۔ جو انگلستان کی سرد آب و ہوا میں سرسبز نہیں ہو سکتے تھے۔ علاوہ درختوں کے بہت سے بُت بھی چھت کے نیچے سجائے گئے ہیں۔ اور بہت بڑے بڑے فوارے لگائے گئے ہیں۔ یہ مکان لنڈن سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ مگر چونکہ یہاں ہر روز نئے نئے کھیل اور طرح طرح کے تماشے ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے بہت سے شائقین سیزن ٹکٹ لے رکھتے ہیں۔ اور وہ ہر روز اس قدر دلچسپی کا سامان مکان کے اندر اور باہر کی گراؤنڈ پارک اور جھیل و باغات وغیرہ میں پاتے ہیں کہ کبھی مایوس نہیں لوٹتے۔ ہر جمعرات کو کرسٹل پیلس کی آتش بازی بھی قابل دید ہوتی ہے۔ یہیں کے آتش باز ان مسٹر پاک کو لارڈ کرزن بہادر نے ۱۹۰۳ء کے دربار دہلی کے آتش بازی کا ٹھیکہ دیا تھا۔ اور لوگوں نے آتش بازی کو نہایت پسند کیا تھا۔ اکیریم میں ہندوستان کی مچھلیاں بھی ہیں۔ اور ایک بندروں کا گھر بھی ہے۔ کہتے ہیں کہ کرسٹل پیلس کی تعمیر پر ڈیڑھ ملین پونڈ صرف ہوا تھا۔ اور سوائے دلچسپی اور دل بہلاؤ کے اور اس لمبی میل کے سلسلہ عمارات اور وسیع باغات سے کچھ مقصود نہیں۔

کیوگارڈنس موضع کیو کے پاس جو لنڈن کے مضافات سے ہے۔ اور دراصل اس کی آبادی شہر سے ملی ہوئی ہے۔ یہ نہایت عظیم الشان باغ میلوں میں واقع ہے۔ یہ لنڈن کا بوٹینکل گارڈن ہے جس میں دنیا کے ہر ملک اور قسم کے درختوں کے نمونے موجود ہیں۔ پام ہوس میں جو (۳۷۰)

فٹ لمبا اور (۱۰۹) فٹ چوڑا ہے۔ ہندوستان اور دیگر گرم ممالک کے پام نہایت شادابی کی حالت میں ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس سے بڑا ہاٹ ہوس دنیا میں کہیں موجود نہ ہوگا۔ پھولوں کی کیاریاں اور باغ کی صفائی قابل دید ہے نہ کہ شنید۔ ہرچند کہ لنڈن میں بکثرت تفریح اور سیر کے مقامات ہیں۔ لیکن یہاں بھی اتنا بڑا مجمع لنڈن کے زن و مرد کا دیکھا خیال ہوتا تھا کہ آج بوجہ اتوار کے شائد سارا لنڈن اوہر ہی امنڈ آیا ہے۔ یہاں سے رچمنڈ کو گئے جو نہایت دلکش مقام نواح لنڈن میں ہے نیچے ٹیمز بہ رہا ہے جس میں سینکڑوں تفریحی کشتیاں کسی کمپنی کے کرایہ پر چلنے کے لئے پڑی ہیں۔

ہائڈپارک جس طرح خواجہ حافظ کے زمانہ میں شیراز میں "کنار آب رکنا باد و گلگشت مصلا" پر وجد ہوتے تھے۔ اسی طرح لنڈن میں ہائڈ پارک کے نام پر لنڈن کے لوگ سرور میں آجاتے ہیں۔ میں دو چار مرتبہ آکسفورڈ سٹریٹ کی طرف سے اس کے دیکھنے کو گیا کہ جہاں میں فروکش تھا۔ اور ماربل آرچ (محراب مرمری) کے پاس سے اس میں داخل ہوا۔ یہ سنگ مرمر کا دروازہ شاہ جارج چہارم نے نوے ہزار پونڈ کے صرف سے قصر بکنگھم کے سامنے بنوایا تھا جو بعدہ قصر کی توسیع کے وقت اٹھا کر یہاں لا رکھا گیا اور اب لنڈن کے زیارات میں شمار ہوتا ہے۔

ہائڈپارک جو قریب چار سو ایکڑ کے وسیع ہے۔ شہر لنڈن کا بہت بڑا تفریح گاہ ہے۔ اس کی تمام زمین پر گھاس اور درخت اگے ہوئے ہیں بیچ میں سے کئی سڑکیں ادھر ادھر گذرتی ہیں۔ اور ایک پانی کا لہریا سا لمبا نالا ہے کہ جسے اس کی شکل کے لحاظ سے سرپنٹائن (مثال مار) کہتے ہیں یہ پانی ساکن اور صاف ہے۔ موسم گرما میں یہاں بہت لوگ نہاتے ہیں۔ اور سرما میں سکیٹین پہنکر اس کی یخ بستہ سطح پر پھسلتے ہیں۔ اگر اتفاقاً برف ٹوٹ کر

کوئی شخص پانی میں جا پڑے تو اُس کی حفاظت اور نگہداشت کے لئے رائل ہیومین سوسائٹی نے پاس ہی ایک مکان بنا رکھا ہے جس میں آرام اور علاج کا تمام ضروری سامان ہے۔ یہ رحمدل اور ہمدرد سوسائٹی اہل انگلستان کی جانیں بچانے کے لئے کئی پہلوؤں میں ابر رحمت کا کام کرتی ہے۔ شائد لوگ صبح کو بھی پارک میں جا کر لطف اُٹھاتے ہوں۔ لیکن دوپہر اور شام کو تو ہمنے وہاں بڑے فیشن ایبل مجمع زن و مرد کے دیکھے ہیں۔ خواجہ حافظ کی طرح پوپ اور بعض دیگر انگریز مصنفوں نے اپنی کتابوں میں ہائیڈ پارک کو بھی ہمیشہ کی زندگی بخشدی ہے۔ لنڈن کی ۱۸۵۱ء کی سب سے بڑی نمائش اسی میدان میں ہوئی تھی جو گویا کہ یورپ کے انٹرنیشنل نمائش گاہوں کے پیش رو تھی۔ پکاڈلی کی طرف کے داخلہ پارک کے سامنے ایک بہت بڑا بت اچیلیز کا ہے جس پر کھدا ہوا ہے:"انگلستان کی عورتوں کی طرف سے نذر بحضور آرتھر ڈیوک آف ولنگٹن اور اس کے بہادر ہمراہیوں کے"۔ جنگ پینشولر کی یادگار ہیں جو توپیں اس جنگ میں پکڑی گئی تھیں انہیں ڈھال کر صرف انگلستان کی عورتوں کے چندہ سے جو دس ہزار پونڈ تھا۔ یہ بت قائم کیا گیا تھا۔ شاباش انگلستان کی مردانہ عورتو۔ یہ یادگار در اصل جنگ پینشولر کی نسبت زیادہ تر انگلستان کی عورتوں کی عالی حوصلگی اور محب الوطنی کے قائم رہے گی۔ پارک میں سڑکوں کے دونوں طرف جنگلا ہے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بنچیں پڑی ہیں۔ اور برقی روشنی کی لال ٹینیں لگی ہیں۔ جا بجا سڑکوں پر درخت ہیں۔ جھیل کے قریب شام کے وقت ایک شخص جوش خروش سے یسوع مسیح کا وعظ کہہ رہا تھا۔ تین چار اور عورتیں مرد اُس کے ساتھ تھے۔ خاص فصاحت سے بولتا تھا اور بہت لوگ اسکے گرد کھڑے سنتے تھے پاس ہی ایک شخص پولٹیکل مضامین پر لیکچر دے رہا تھا اور آگے ایک اور شخص سوشلسٹ کر رہا تھا۔ اور سب لوگ سنتے تھے تو اور کوئی بڑی تعریف کرتے تھے یہاں راستہ چلتے پھر ایک لونڈے نے

مجھ سے پیسہ مانگا۔ (اب میں سمجھتا ہوں کہ یہ میری ترکی ٹوپی کا قصور تھا جو مجھے اجنبی سمجھ کر یہ لوگ مانگ لیتے تھے۔ اور کئی لوگ مجھ سے زیادہ ستانے سے نہیں جھجکتے تھے) ایک دوسری جگہ ایک پادری نے دو بڑے بڑے سرخ کپڑوں پر سفید حروف میں چند مذہبی کلمات اور قیامت کی یاد کے کتبے لکھ رکھے تھے۔ اور گیت گا رہا تھا۔ یہاں بھی ہزار پانسو عورتیں مرد اس کے شریک تھے غرض ہائیڈ پارک ایک مستقل جلسہ گاہ ہے۔

لنڈن میں مشرقی نو آبادی۔

لنڈن کے حصہ ایسٹ انڈ میں دراصل بہت سے کم درجہ کے مشرقی ملکوں کے لوگ بسر اوقات کرتے ہیں چینی تو یہاں بہت سے رہتے ہیں اور باقاعدہ دوکانیں رکھتے ہیں۔ ان میں سے کئی ایک نے شادیاں بھی انگریز عورتوں سے کر لی ہیں۔ اور ان کے بال بچے بھی ہیں۔ مگر ان کے علاوہ جاپانی۔ سیامی مصری یہودی برہمی اور ہندوستانی سبھی قوموں کے تھوڑے بہت لوگ رہتے ہیں۔ ہندوستانی زیادہ تر وہی لوگ ہیں جو بمبئی سے جہازوں پر لشکر یعنے خلاصی بنکر آتے ہیں۔ اور جب ان کے جہاز چند روز اس بندرگاہ میں ٹھیرتے ہیں تو وہ یہاں کے ادنٰے درجہ کے لاجنگ ہوسلز میں گذارہ کر لیتے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہاں چانڈو اور چرس خانے بھی ہیں چینی مزے سے ان میں چرس کے دم لگاتے ہیں۔ اور بعض دوسری قومیں بھی سلفوں کا دم لگاتی ہیں لیکن مسلمان خلاصی جو عموماً نیک چلن اور نمازی ہوتے ہیں۔ اور ان کی عادات بھی بہت سادہ ہوتی ہیں۔ انہیں لاجنگ ہوس والے ایک اور دم میں لاتے ہیں۔ انہیں برکت دینے والے تعویذ دینے کے بہانے سے لوٹتے ہیں ہیں۔ اہل مشرق کو ان لوگوں کی دغابازیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے اسی نوح میں ایک مکان سٹر یجرز ہوم (اجنبیوں کا گھر) بعض فیاض

لوگوں کے چندہ سے کھلا ہوا ہے۔ اس میں ہندوستانی برہمی عرب جاپانی چینی ملائی سنگھالی زنگباری سماٹری اور حبشی سب داخل ہوکر خوش ہوتے ہیں۔ یہاں ان لوگوں کے لئے جدا جدا سونے اور کھانے پکانے کے کمرے ہیں۔ جیسے کوئی ہندو یا مسلمان دوسروں سے بچاکر کھانا پکانا چاہے پکا سکتا ہے۔ اور ایک کمرہ بطور ڈرائینگ روم کے سب کے بیٹھنے اور شطرنج وغیرہ کھیلنے کا ہے۔ تعلیم یافتہ اور آسودہ ہندوستانی جو لنڈن میں جاتے ہیں وہ عموماً ویسٹ انڈ کے اچھے اچھے ہوٹلوں اور لاجنگ ہوسوں میں رہتے ہیں۔ ہندوستانی طالب علم جو یہاں کے شریف کنبوں میں رہتے ہیں۔ انہیں یورپین اداب اور قواعد بہت اچھی طرح آجاتے ہیں۔

ہندوستانی نوجوان

ایک روز مجھے ایک ہندوستانی نوجوان امیدوار بیرسٹری بیرسٹروں کے ایک ان کے کامن روم میں لے گیا۔ لیکن یہاں پہنچکر مجھے بالکل مایوسی ہوئی۔ اکثر نوجوانوں کی حالت بہت ٹوٹی پھوٹی معلوم ہوتی تھی۔ بعض اپنے والدین سے بہت سا روپیہ منگوا کر خرچ کر چکے تھے۔ اور اب انہیں اور روپیہ نہیں ملتا تھا۔ ایسی بیفکری سے کہیں ہانکتے تھے کہ گویا دنیا میں ان کے لئے کوئی کام نہیں تھا ممکن ہے کسی وقت یہ لوگ پڑھنے میں محنت بھی کرتے ہوں۔ مگر چونکہ ان کے امتحان عموماً سہل ہوتے ہیں مگر اب پہلے سے مشکل بھی کئے گئے ہیں) یہ اسی طرح ساعت تیری کرتے رہتے ہیں۔ یہاں خوش نصیبی سے مجھے ان نوجوانوں کے بعض خیالات سے استفادہ کرنے کا بھی موقع مل گیا۔

لنڈن کی ناپاک زندگی

اس مجلس میں جہاں سات آٹھ قریب قریب پنجابی نوجوان تھے۔ مختلف باتوں کے درمیان لنڈن کی ناپاک زندگی کا

بھی ذکر آ گیا۔ اسپران میں سے دو تین کی رائے تھی کہ لنڈن میں اس بارہ میں ہندوستان سے بری حالت نہیں۔ وہاں بھی فاحشہ عورتیں ہیں۔ یہ صرف بڑا شہر ہے۔ اس لئے یہاں زیادہ ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں سر بازار بیٹھکوں پر رنڈیاں بیٹھتی ہیں۔ یہاں بازاروں میں پھرتی رہتی ہیں۔ کیا ہندوستان میں برقعوں کے اندر گرہستی عورتیں بدنام نہیں؟ کیا لاہور امرتسر میں کوٹھی خانے نہیں؟ تاہم اس جماعت میں دو ایسے شخص تھے جنہوں نے تسلیم کر لیا کہ اس ملک میں فحش کی کثرت ہے۔ یہاں بوجہ بے پردگی اور کھلم کھلا نوجوانوں سے ملاقات کرنے کی آزادی کی خرابی کے بہت راستے کھلے ہیں۔ ان میں سے ایک نوجوان نے کہا کہ ایک عورت سے شادی کرنے اور زیادہ عورتوں سے بلا شادی کے تعلق رکھنے میں فرق ہی کیا ہے۔ ایک دوسرے نے کہا مردوں اور عورتوں میں چونکہ مساوات حقوق کی ضرورت ہے۔ اس لئے جب مردوں کو آزادی ہے تو عورتوں کو اپنی پسند کے لئے آشنا تلاش کرنے میں کیوں آزادی نہ ہونی چاہئے۔ اسی کے ایک بے تکلف رفیق نے اُسے جواب دیا کہ اگر کسی کی ہمشیرہ خود کوئی آشنا تلاش کرے تو اُسے بُرا نہ معلوم ہو گا۔ پہلے صاحب نے نکل فلسفیانہ انداز سے کہا کہ اس میں بُرا معلوم ہونے کی کیا بات ہے۔ ہر فرد بشر کو اپنے جسم پر کامل اختیار رہنا چاہئے۔ ایک صاحب نے کہا کہ یہاں عورتیں بھی چونکہ نوکری اور محنت مزدوری کرکے روٹی کما لیتی ہیں اس لئے مردوں کی امداد سے مستغنی ہیں۔ ہندوستان میں ہماری عورتوں کی حالت بہت قابل رحم ہے۔ مردان پر ناگفتہ بہ ظلم ڈھاتے ہیں۔ میں نے کہا یہ درست ہے کہ ہمارے ملک میں بعض بعض عورتوں پر سختی ہو جاتی ہے۔ لیکن جو عورتیں گھروں کا انتظام کرتی اور اپنے بال بچوں میں مردوں کی کمائی کھا کر بے فکری اور چین سے زندگی بسر کرتی ہیں۔ خود کما کر کھانیوالی

عورتوں کو اُن کے آرام کا عشر عشیر بھی تو میسر نہیں۔ اسپر ایک صاحب بولے کہ اس میں آرام اور تکلیف کی کوئی بات نہیں۔ یہ اصول کا معاملہ ہے۔ عورتیں غلامی اور گھر کی خدمت گاری کے لئے نہیں بنائی گئیں۔ میںنے کہا کیا آپ کا یہ مطلب ہے کہ وہ آئندہ بچے نہ جنا کریں۔ اُس نے کہا کیا ضرورت ہے۔ تو میںنے کہا ایسے ایسے عورتوں کے حقوق کے حامی پھر کہاں سے پیدا ہونگے۔ پھر میں نے کہا فرض کرو کچھ عورتوں کی ایک فوج ہے جسے کل غنیم پر حملہ کرنا ہے۔ اور اس فوج میں دس فیصدی ممکن ہے کہ بوجہ اواری مجبوری کے کام کرنے کے لائق نہ ہوں۔ اسپر نوجوان سوشل ریفارمر نے غضب کی حاضر جوابی کا ثبوت دیا۔ اور کہا کہ ساری فوج تو دشمن کے مقابلہ میں نہیں بھیجی جاتی۔ یہ دس فیصدی ریزرو میں رہینگی مجھے یہ اور اس قسم کی بعض باتیں سنکر خیال پیدا ہوا کہ ہمارے بعض نوجوان کہ جنسے ملک کی امیدیں وابستہ ہیں یہاں آکر کس قدر خیرہ چشم ہو جاتے ہیں۔ اور یہاں کے رسوم اور حالات کے مقابلہ میں اپنے ملک کے تمام انسٹی ٹیوشنوں کو ردی سمجھنے لگتے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ یہاں کی خوبیوں سے بھی کافی بہرہ حاصل نہیں کر لیتے۔ حاشا وکلا میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ سارے ہندوستانی نوجوان یکساں ہیں۔ کیونکہ ان میں سے بعض بہت کچھ سیکھکر آتے ہیں۔ گو بہت سے ایسے ہی خیال لے کر وطن کو واپس آتے ہیں کہ ہندوستان کو ان سے کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ ورنہ اب تک جتنے بیرسٹر اور دیگر صاحبان یوروپ تعلیم پاکر ہندوستان میں آئے تھے۔ ہندوستان کی حالت کی اصلاح میں اس سے زیادہ کامیابی اور ناموری حاصل کرتے۔

حاجی محمد ڈولی صاحب میںنے لنڈن میں پہنچکر انہیں اپنے آنے سے اطلاع دی اور دوسرے ہی روز یہ مجھے ملنے ہوٹل میں تشریف لے آئے۔ حاجی صاحب کا

اصلی نام محمد دولہ یعنے دولت ہے۔ اور اصل وطن انکا کیپ کالونی (جنوبی افریقہ) ہے۔ یہ آباو اجداد سے مسلمان ہیں۔ صرف انگلستان میں رہنے کی وجہ سے لوگ دولہ کا ڈولی پڑھنے اور بولنے لگے۔ ان کے نانا پہلے پہل ہندوستان سے کیپ کو گئے۔ اور دادا عرب تھے۔ جو بصرے گئے تھے۔ ان کی ماں اردو بولتی تھیں۔ اور اب تک ان کی ایک ہمشیرہ بمبئی کے ایک شریف مسلمان کے گھر میں ہیں۔ یہ اردو تھوڑی سی سمجھتے ہیں۔ کیونکہ کیپ کالونی میں سب مسلمانوں کی بولی ہالینڈ ڈچ ہے جو بوئیروں کی زبان ہے۔ چونکہ اس ملک میں بوئروں کی آبادی زیادہ تھی۔ اس لئے اجنبیوں کو وہی زبان سیکھنا پڑتی ہے۔ ان کے بال بچے اور عزیز سب یہی بولی گھروں میں بولتے ہیں۔ گو اب یہ پانچ چھ سال سے انگلستان میں ہیں اور بال بچوں کو یہاں تعلیم دلا رہے ہیں۔ اس لئے ان کے کنبہ میں انگریزی بھی بے تکلفی سے بولی جاتی ہے۔ حاجی صاحب کا اپنا اور بال بچوں کا رنگ بالکل گورا ہے۔ اور یہ خود سوائے ترکی ٹوپی کے سب یورپین لباس پہنتے ہیں۔ انہوں نے اپنے انگلستان کی سکونت کی وجہ یہ بتلائی کہ میں کیپ میں شپنگ کا کام کرتا تھا۔ اور پہلے پہل اپنے ایک بھتیجے کو سکاٹلینڈ کے میڈیکل کالج میں داخل کرانے کیپ ٹاؤن سے آیا تھا جہاں میرا کاروبار تھا۔ اس کے بعد میں اپنے بیٹے کو مسٹر کوئلیم کے مدرسہ لورپول میں داخل کرنے کو لایا۔ اور ایک سال کی تعلیم کے بعد اسے لنڈن لے آیا۔ ساتھ ہی اپنی ایک بیوی دو بیٹیاں اور دو بیٹے بھی لے آیا۔ اور دوسری بیوی مع بچوں کے کیپ ٹاؤن میں چھوڑ آیا۔ اصل غرض یہاں آنے کی بچوں کو تعلیم دلانا تھی۔ چنانچہ بڑا لڑکا اٹھارہ ماہ میں ڈاکٹری کا آخری امتحان پاس کر لیگا۔ لاطینی اور جرمنی زبانوں میں اس نے امتحان انٹرنس پاس کیا تھا۔ دوسرا ابھی مدرسہ میں داخل ہے۔

لڑکیوں نے مدرسہ میں موسیقی کی خاصی تعلیم حاصل کی ہے۔ اب بڑی ہو گئی ہیں۔ اس لئے مدرسہ میں نہیں جاتیں۔

لنڈن میں مسجد لنڈن میں رہنے کے دوران میں حاجی صاحب کو ضرورت محسوس ہوئی کہ لنڈن ایسے مقام میں سب مسلمانوں کے لئے ایک قبرستان اور ایک مسجد ضرور ہونی چاہئیں۔ چنانچہ چالیس پونڈ دیکر ایک عیسائی قبرستان میں تھوڑی سی جگہ قبروں کے لئے خریدی گئی۔ مسجد کا کمرہ عارضی طور پر آجتک حاجی صاحب نے اپنے مکان میں رکھا ہے اور عیدین اور دیگر تقریبوں پر جمع ہونے والے مسلمانوں کے ریفرشمنٹ وغیرہ سے ہمیشہ اپنی گرہ سے تواضع کی ہے۔ جس پر انکا بہت سا روپیہ خرچ ہو چکا ہے۔ مگر سوائے ہندوستان کے ایک مسلمان کے تین شلنگ کے نہیں اور کچھ نہیں ملا۔ اگر مسلمانان ہندوستان وغیرہ نہیں بجائے دس ہزار پونڈ کے جو پہلے انہوں نے طلب کئے تھے۔ اقل درجہ ایک دو ہزار پونڈ بھی چندہ جمع کر دیتے تو یہ برٹش میوزیم کے پاس نہ سہی کہ جہاں انکا پہلے قصد مسجد تعمیر کرنے کا تھا۔ بلکہ شہر کے کسی ایسے نواح میں کہ جہاں تھوڑے روپیہ میں کام چل جائے۔ مسجد تعمیر کر دیتے اور خود اس کی آبادی کیلئے بطور متولی رہتے۔ انہوں نے سترہ ہزار پونڈ چندہ جمع کر کے کیپ ٹاؤن میں ایک مسجد تعمیر کرائی تھی۔ شہر میں جس مکان میں انہوں نے عارضی مسجد رکھی ہوئی تھی۔ اب بخیال کفایت خرچ وتبدیل ہوا اسے چھوڑ کر شیفرڈ بش کے قریب ایک خوبصورت اور پر فضا نواح میں آرہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر تو بہت سے مسلمانان ہندوستان سے بہت سا چندہ جمع کر کے اور نیز امیر صاحب کابل کے عطیہ سے جو مکان خریدا اور مسجد بنائی ہے تو یہ تمام جائداد اپنے ذاتی نام پر درج کرائی ہوئی ہے اگر وہ آج مر جائے تو اس کے بیٹے اس کی جائداد پر قابض ہو جائینگے

اسی طرح ڈاکٹر لائٹنر نے لنڈن سے پچیس تیس میل کے فاصلہ پر دوکنگ میں جو بیگم صاحبہ بھوپال کے روپیہ سے مسجد تعمیر کی تھی وہ بالکل نکمی ہے۔ کیونکہ لنڈن میں رہنے والے مسلمان کبھی وہاں نہیں جاتے۔ وہ گویا اُن کے کنبہ کے پرائیویٹ استعمال کا مکان ہے۔ لیکن میں لنڈن میں مسجد تعمیر کرا کر اس کا متولی بننا چاہتا ہوں نہ مالک۔ مجھے حاجی صاحب کے اس خیال سے پوری ہمدردی ہے اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ انگلستان ایسی سلطنت کے پایۂ تخت میں جو دنیا کے سب سے زیادہ مسلمانوں پر حکومت کر رہی ہے۔ ایک بہت عمدہ مسجد ہونی ضروری ہے۔ پیرس میں ایک عالیشان مسجد گورنمنٹ فرانس کی امداد سے تعمیر کی گئی ہے۔ حالانکہ فرانس کی زیر حکومت اُس سے آدھی تہائی بھی مسلمان آباد نہیں جتنے کہ انگلستان کے ہیں۔ لنڈن میں صدہا نوجوان مسلمان بغرض تعلیم و تجارت و سیاحت جاتے ہیں اور اُمید ہے کہ آئندہ اُن کی تعداد ہمیشہ بڑھتی رہے گی۔ اس لئے بالکل موزوں بالکل ضروری ہے کہ لنڈن میں ایک مسلمانوں کی عبادت گاہ رہے۔

حاجی صاحب کا گھر

اس کے بعد پھر دوبارہ حاجی محمد دُولی صاحب نے مجھے اپنے گھر کھانے اور چائے پر طلب کیا۔ اور یہاں میں نے انکا کنبہ بھی دیکھا۔ حاجی صاحب نے پہلے روز کہا کہ کیپ کالونی میں ہم لوگوں میں پردہ کا دستور نہیں ہے۔ ہماری بہو بیٹیاں بازاروں میں بھی کھلے منہ پھرتی ہیں۔ اور یہ کہکر اپنی بیٹیوں اور بی بی کو بھی جس کمرہ میں ہم لوگ تھے طلب کر لیا۔ یہ بیٹیاں بالکل شائستہ اور تعلیم یافتہ ہیں۔ حاجی صاحب نے کہا میں نے اپنی دونوں بیٹیوں کو مدرسہ میں بھیجکر خوب باقاعدہ پیانو باجا بجانا سکھلایا ہے اور وہ اب تمہیں کچھ سنائینگے۔ یہ دونوں نوجوان خوبصورت لڑکیاں بالکل یورپین لباس میں ملبوس تھیں۔ بڑی کا نام عائشہ عمر اٹھارہ سال اور چھوٹی کا نام فاطمہ سولہ سال۔ باپ سے حکم پاکر دونوں نے باری باری سے اور ملکر بھی

خوب باجا بجایا۔ ترکوں کا حمیدیہ مارچ اور کئی یورپین مارچ اور گیت خوب
گائے۔ اس کے بعد حاجی صاحب نے اپنے دونوں بیٹوں کو بھی فرمائش کی
کہ وہ گا کر سنائیں۔ پھر تینوں لیڈیوں نے ڈچ زبان کا ایک گیت گا کر سنایا
جس کا لہجہ بہت موثر معلوم ہوتا تھا۔ کھانا اور طریق معاشرت ان کے
یہاں بالکل یورپین تھا۔ اور واقعی یہ ایک اچھے یورپین کنبے کی طرح تعلیم
یافتہ اور شائستہ تھے۔ حاجی صاحب نے کہا چونکہ مینے مسلمانوں کے
واسطے مسجد وغیرہ کے لئے ایجیٹیشن اور امامت کا کام شروع کیا تھا جتنا
کام مینے کیا ہے۔ اگر میرا کنبہ نہ ہوتا تو میں اتنا کام نہ کر سکتا۔ یہ سب
لوگ مجھے کام میں مدد دیتے رہے۔ لڑکیاں باجا بجاتی تھیں۔ اور لڑکے
گاتے تھے۔ اور لکھنے پڑھنے کا کام بھی کرتے تھے۔ ہمارا تمام کنبہ اس قابل
ہے کہ کسی یورپین کنبے میں ملکر پھسڈی نہیں رہے گا۔ کہا معلوم نہیں
ہندوستان کے مسلمان کیوں باجا بجانے کو برا کام سمجھتے ہیں۔ برا تو
وہ گانا بجانا ہے جو اجرت پر کیا جائے نہ کہ اپنے دل کی خوشی اور عبادت
کے لئے گانا برا ہے۔ پھر انہوں نے مجھے کیپ کالونی کے مسلمان خاتونوں
کے سروں پر باندھنے کا رومال دکھلایا جو ایک گز مربع کا ریشمی ہوتا ہے۔
اس کے سوائے ان کا سب لباس یورپین ہوتا ہے۔ پھر کنبے کے فوٹوگرافوں
کا البم دکھلایا۔ بوئروں کے ذکر کے متعلق حاجی صاحب نے کہا ڈچ لوگوں کی
حکومت تو اچھی نہ تھی اور وہ مسلمانوں سے اچھا سلوک بھی نہیں کرتے
تھے لیکن ابھی انہیں اس ملک کی حکومت کرتے بیس سال سے زیادہ
مدت نہیں گذری تھی جس میں وہ خاصی ترقی کر رہے تھے۔ اور وہاں کے
قانون بھی ابھی بہت سخت نہیں تھے۔ اس لئے ان میں کچھ رعایت ہو سکتی
تھی۔ علاوہ اس کے بوئر لوگ دل کے برے نہ تھے۔ جنوبی افریقہ کی خلقت
اور کالوں گوروں کے باہمی تعلقات کی نسبت کہا کہ بیشک انگریزی علاقہ

شمال میں ہندوستانی انگریزوں والی ریل گاڑی پر سوار نہیں ہوسکتے۔ ایک
وہاں کے کافر (حبشی باشندے) نے جو خوب انگریزی لکھا پڑھا ہے۔ اور
ایک دیسی اخبار کا ایڈیٹر بھی ہے۔ حاجی صاحب سے شکایت کی تھی کہ
جب میں ایک ریلوے سٹیشن پر کھانا مانگنے لگا تو ہوٹل والوں نے کہا کہ
سامنے کے دروازہ سے نہیں بلکہ تم باورچی خانہ کے دروازہ کی طرف سے
آکر کھانا لو جو ایک نہایت حقارت کی علامت تھی۔ حاجی صاحب کے ایک
بیٹے کو شمال کے ایک مدرسہ میں صرف اس لئے داخل نہیں کیا گیا وہ
کالا ہے۔ حالانکہ کئی پوڑیوں سے اس کا رنگ گورا تھا۔ اور اس کی فیس
ایک پونڈ دوسرے روز لوٹا دی گئی۔ حاجی صاحب قسطنطنیہ بھی دیکھ آئے
ہیں۔ اور ترکوں کی ترقی کی نسبت ان کی رائے عمدہ نہیں۔ انکا خیال
ہے کہ سلطان المعظم کے گرد وپیش جو شخص رہتے ہیں وہ انہیں حقیقت حال
سے مطلع نہیں ہونے دیتے۔ کہا کہ جو صوبے ترکی سے بیس سال
پہلے الگ ہو گئے ہیں۔ اب ان کے چھوٹے چھوٹے قصبوں کی صفائی
قسطنطنیہ سے اچھی ہو گئی ہے۔ اور میری اپنی رائے بھی اس بارہ میں حاجی
صاحب سے بہت مختلف نہیں۔ ترکوں کی اس کمزوری کی وجہ یہ ہے
کہ وہ دوسرے اس سے زیادہ [illegible] کی [illegible] ہے لیکن چوٹی تک
پھنسے ہوئے ہیں۔ میں نے ترکی ٹوپی کی نسبت حاجی صاحب سے کہا کہ تم نے
اچھا کیا ہے۔ [illegible] چینی، شامی۔
مصری وغیرہ جو ترکی ٹوپی یہاں [illegible] قائم رکھتی ہیں
صرف مسلمانان ہندوستان [illegible] انگریز جانے جاتے ہیں
لیکن اپنے رنگ کی وجہ سے [illegible] نہیں ہو سکتے اور
اجنبیوں کی عزت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ان سطور کے چھپنے سے پہلے
مجھے یہ افسوسناک خبر معلوم ہوئی کہ حاجی محمد ولی صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔

اور لندن میں وہیں اسلامک ایسوسی ایشن کے سرگرم سکرٹری مسٹر عبداللہ المامون سہروردی ایک مسجد کی تعمیر کے لئے سرمایہ بہم پہنچانے میں بہت کوشش کر رہے ہیں۔

ویجی ٹیرین کھانا لندن میں میں اکثر اوقات ویجی ٹیرین رسٹارنٹوں میں کھانا کھاتا رہا جو میرے مکان کے گرد و پیش بہت سے تھے۔ اور یہاں اور بھی ہزارہا لوگ کھانا کھاتے تھے۔ ان میں سوائے گوشت کے اور ہر ایک چیز ملتی ہے۔ انڈا اور دودھ بھی ملتا ہے۔ اور غلے ترکاریاں اور میوجات طرح طرح سے تیار کئے جاتے ہیں۔ ان وسٹارنٹوں کے نرخ بھی دوسرے وسٹارنٹوں سے نسبتاً ارزاں معلوم ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی کسی یہودی رسٹوران میں میں سیب کا حلوہ بھی کھا آتا تھا۔ دلچسپی ناظرین کے لئے میں لندن کے ہائی ہوبرن کے ویجی ٹیرین رسٹوران کے ایک روز کے کھانوں کی فہرست ذیل میں درج کر دیتا ہوں:

کھانے کا نام	قیمت	مطلب
پورج:۔		
اوٹ میل اینڈ ملک	۲ پنس	جئی کی سوجی
وہیٹ میل "	۲ "	گیہوں کی سوجی
سوپ:۔ ملی گاٹونی سوپ	۳ "	بلا گوشت صرف بقولات کا شوربہ
سیوریز:۔ سیریکاٹ آف میٹو	۴ "	مونگ کی قسم کی پھلی اور انڈے
میکرونی اٹالین اینڈ سکارلٹ رنر بین	۴ "	ایک قسم کی موٹی سویاں سے ایک قسم کی پھلیوں کے
بیکڈ چیز اینڈ ٹوماٹوز	۴ "	پنیر اور ولایتی بینگن
ویجیٹیبل ویسٹ اینڈ پوٹیٹوز	۴ "	بقولات اور آلو
فرائیڈ ایگ اینڈ میشڈ پوٹیٹو	۴ "	تلے ہوئے انڈے اور آلو

کھانے کا نام	قیمت	
سیوری فرٹر اینڈ ٹرنس	۴ پنس	ایک قسم کی پھلیاں اور کیک کی قسم
بقولات:۔ ٹماٹو	۲ "	ٹماٹر
کوکرموتا	۲ "	
رنر	۲ "	پھلیاں
چقندر	۲ "	
پیزپڈنگ	۲ "	پوٹین
پٹیٹو میش	۲ "	آلو
کیبی نٹ پڈنگ	۳ "	پوٹین
ٹاپی اوسکا کسٹرڈ	۳ "	
ایپل ٹارٹلیٹ	۳ "	مربہ
کولڈ کسٹرڈ اینڈ فروٹ	۵ "	میوجات مع کسٹرڈ
کولڈ سویٹش:۔ جام آر فروٹ	۴ "	مربہ یا میوجات
فروٹ جیلی اینڈ امیری کالش	۸ "	مربہ و میوہ
سٹو ایپلس	۳ "	پختہ سیب
گرین کاجز	۳ "	ترکاری
چائے یا قہوہ	۲ "	
بالائی	۲ "	
پنیر	۲ "	
کیلے	۲ "	
بسکٹ	۲ "	
منرل واٹر	۲ "	معدنی پانی

کچھ اور ملاقاتیں

مسٹر مین نے مجھے پیرس سے اپنے بھائی اور بہنوئی کی طرف انٹروڈکشن کے خط لکھ دیئے تھے۔ اس لئے جب میں لنڈن میں پہنچا تو بیٹھے بذریعہ ڈاک یہ خطوط اُن صاحبان کے پاس بھیجئے کہ جن کے نام کے تھے۔ ان میں سے بعض صاحبان مجھے ملنے کو خود آ گئے۔ اور بعض نے مجھے اپنے مکانوں پر طلب کیا۔ جو عموماً میرے ہوٹل سے پانچ سے پندرہ میل تک بعید تھے۔ میں ان میں سے دو تین ملاقاتوں کا ذکر کرتا ہوں۔ ایک روز میں لڈگیٹ سرکس کے سٹیشن سے مسی ہل گیا۔ جو چھ سات میل سے کم فاصلہ نہ ہوگا۔ تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لیا۔ پانچ پینی کرایہ تھا۔ تھرڈ کلاس میں سبھی بیٹھے تھے۔ مگر زیادہ اچھے لوگ فرسٹ اور سیکنڈ کلاس میں تھرڈ کلاس میں زیادہ غریب لوگ تھے۔ فرق آرام کا نہیں بلکہ نام کا معلوم ہوتا ہے یہ مقام لنڈن کا سب اربس (نواح) کہلاتا ہے۔ تمام راستہ آبادی چلی گئی ہے مسٹر مین ٹیسٹ کی دوکان کرتے ہیں۔ انہوں نے میری بہت تواضع کی۔ اور مجھے از خود دو تین خطوط سفارشی لنڈن کے بعض مشہور اشتہار دینے والوں کے نام لکھ دیئے۔ اور کہا کہ اگر ان میں سے کسی سے کامیابی نہ ہو تو بد دل نہ ہونا چونکہ آجکل لنڈن میں تعطیل کا زمانہ ہے۔ اور اکثر تفریح کیلئے لوگ لنڈن سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ اس لئے کوئی لوگ ملینگے بھی نہیں۔ میں نے کہا۔ اگر کامیابی ہوگئی تو میں اسے غنیمت سمجھونگا ورنہ میں سیر و تفریح کے لئے بیشتر اور ہر وقت پھرتا رہتا ہوں۔ اتنے میں نوکرانی نے میز پر سفید چادر بچھادی اور سپر کا کھانا لایا گیا۔ میاں بیوی معہ اپنے ایک بچے اور دوکان کے ایک اسسٹنٹ کے کھانے پر بیٹھ گئے۔ نوکروں کو عموماً یہ لوگ ساتھ کھانا کھلاتے ہیں۔ نوکرانیاں پیچھے الگ کھاتی ہیں۔ کھانے کے وقت وہ کھانے کی چیزیں میز پر لاکر رکھدیتی ہیں۔ اور پھر چلی جاتی ہیں۔ نوکرانیوں کی علامت یہ ہے کہ سر پر ذرا سی سفید ٹوپی ہوتی ہے جو سفید پٹیوں سے بندھی ہوتی ہے

اور سامنے سفید ایپرن لٹکتا رہتا ہے۔ مسٹر مین نے کہا ہمارا دادا بھی کیمسٹ تھا۔ باپ بھی کیمسٹ اور ہم دونوں بھائی بھی سند یافتہ کیمسٹ ہیں۔ ایک بہنوئی کیمسٹ ہے۔ میرا ایک سالا بھی کیمسٹ ہے۔ کیسی عجیب بات ہے لیکن اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ بعض پیشوں میں کیسے مطمئن ہیں۔

مینے اپنے ہوٹل کے قریب ایک مطبع میں کچھ اپنے کارڈ چھپنے کو دیئے تھے۔ اینڈروز صاحب سابق پرنسپل میو سکول آف آرٹ لاہور کی وہاں آمدرفت تھی انھوں نے میرا حال معلوم کر کے مجھے ملاقات کے لئے چٹھی لکھی۔ اور ایک روز وہ آئے۔ دیر تک ان سے ہر قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ ہندوستان کی آب وہوا کی ناموافقت کی وجہ سے انہوں نے لاہور کی نوکری چھوڑ دی تھی۔ اب لنڈن میں متفرق کام ڈرائنگ وغیرہ کا کرتے ہیں۔ اسی روز بازار میں گذرتے ہوئے مجھے ایک کالے رنگ کے صاحب کوٹ پتلون اور سٹرا ہیٹ پہنے ہوئے سامنے سے ملے اور مینے انہیں جھٹ پہچان لیا۔ تو ہمارے ملتان کے دوست میر صفدر حسین صاحب تھے جو اپنے تعلقے ایک بھاری مقدمہ کی اپیل پریوی کونسل میں دائر کرنے کو آئے ہوئے تھے۔ اور خوشی کی بات ہے کہ یہ کامیابی سے واپس گئے۔ میں نے ان سے پوچھا: گدس کی ٹوپی آپ نے باین ریش وفش کیوں پہنی۔ کہنے لگے جبتک مینے یہ ٹوپی نہیں پہنی تھی گلیوں میں لڑکے مجھے بلیکی بیلی کہتے تھے۔ لاہور کے میرے عزیز بیرسٹر لالہ گنپت رائے صاحب کے بھائی ڈاکٹر جنپت رائے صاحب نے مہربانی کر کے مجھے دو تین دفعہ لنڈن کے مختلف قابل دید مقامات دکھلائے۔ جن کے لئے میں انکا مشکور ہوں ڈاکٹر صاحب اب تعلیم ختم کر کے بالفعل وہیں پریکٹس کرتے ہیں (ان اوراق کے چھپنے کے وقت لاہور میں پریکٹس کر رہے ہیں) ہندوستان کے چند طالب علموں کے سوائے جو مجھے وقتاً فوقتاً ملتے رہے لاہور کے دو رؤسا سے بھی یہاں ملاقات ہوئی۔ رائے بہادر

لالہ مدن گوپال صاحب بیرسٹر اور دیوان نریندر ناتھ صاحب ڈپٹی کمشنر ہوشیار دنوں لنڈن میں وارد تھے۔ لالہ مدن گوپال صاحب نے جب میرے آنے کی کیفیت سُنی تو خود میرے ہوٹل پر مجھے ملنے گئے۔ لیکن میں اس وقت موجود نہ تھا۔ اور جب میں ڈاکٹر دھنپت رائے صاحب کے ساتھ ان کے ہوٹل پر ان سے جاکر ملا تو بڑے تپاک سے ملے۔ واپسی پر مجھے الاچیاں دیں اور مکان کے نیچے تک چھوڑنے آئے۔ لیکن دیوان نریندر ناتھ صاحب مجھے راستہ میں ایک روز لڈگیٹ سرکس کے سامنے مل گئے میں نے دیکھا ایک شخص سر پر پگڑی باندھے انڈیا آفس کا راستہ پوچھ رہا ہے میری ان سے پہلے ملاقات تھی۔ مگر میں نے انہیں پہچان لیا اور اپنا نام بتلایا۔ انہوں نے کہا میں نے تمہارے آنے کی خبر سُنی تھی۔ اور پھر انڈیا آفس کو چلے گئے۔

. . . .

مسٹر ضیاء الدین احمد بیرسٹر ایٹ لاء بھی ایک دو دفعہ میرے ہوٹل میں ملنے آئے۔ اور پھر مجھے سیر کو بھی ساتھ لے گئے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے اپنی زندگی کا مقصد یہ قرار دیا ہے کہ لنڈن میں رہکر مسلمانان ہندوستان کے حقوق کی حفاظت کروں۔ اور پارلیمنٹ میں داخل ہو جاؤں۔ پچھلے انتخاب کے موقع پر بوجہ آرمینا کے قضیہ کے کسی مسلمان ممبر کے کامیاب ہونے کی اُمید نہیں کی جا سکتی تھی۔ یہ بھی کہا کہ بعض مسلمان امرا جو یہاں آئے ہیں۔ میں نے انہیں صلاح دی ہے کہ لنڈن میں ایک مسلمانوں کا ہفتہ وار اخبار نکالنے کے لئے سرمایہ اکٹھا کریں مگر اب تک کسی نے توجہ نہیں کی۔ پھر کہا کہ لنڈن کے تمام بڑے بڑے اخبارات لنڈن ٹائمز پال مال گزٹ اور سینٹ جیمز گزٹ کے ایڈیٹروں کو جب ضرورت ہوتی ہے کہ کسی اسلامی معاملہ پر مضمون لکھیں تو وہ مجھ سے لکھوا لیتے ہیں۔ (اس کے بعد مولوی صاحب ہندوستان میں آگئے ہیں۔ اور بمبئی میں پریکٹس کرتے ہیں۔ اور قومی معاملات میں گہری دلچسپی لیتے ہیں)

اپاتھے کیریز ہال

لنڈن میں اپاتھیکریز ہال جو اخبار لنڈن ٹائمز کے دفتر سے قریب ہی ہے ایک نہایت معتبر اور معزز سوسائٹی اپاتھے کریوں یعنے دواسازوں کی ہے جو سنہ ۱۶۱۷ء سے قائم ہے۔ اس کے بعد بعض پارلیمنٹ کے ایکٹوں کے ذریعے سے اس سوسائٹی کو اس قدر اعتبار اور اختیار حاصل ہوئے کہ اب انگلینڈ اور ویلز میں جو لوگ اپاتھے کیری بننا چاہتے ہیں۔ وہ صرف اس سوسائٹی کے امتحان دیکر یونیورسٹی کی سند حاصل کر سکتے ہیں۔ مسٹر چپاوے اس معزز سوسائٹی کے سکرٹری اور سب سے بڑے افسر اس کارخانہ کے ہیں۔ انہوں نے مجھے ایک شام کو اپنے مکان پر کھانے پر بولایا یعنے انہوں نے مجھے اپاتھیکریز ہال کے تین سو سال کے بنے ہوئے تمام مکانات اور وہ کمرے دکھلائے جن میں یونیورسٹی کے امتحان ہوتے ہیں۔ اور ڈگریاں ملتی ہیں۔ پھر دوائی پیسنے کی بڑی بڑی چکیاں دکھلائیں جو انجن سے چلتی ہیں۔ انگلستان میں دواسازی کا یہ سب سے بڑا کارخانہ ہے۔ جب میں نے ان چکیوں کو دیکھا تو ان میں [illegible] پوڈر پس رہا تھا جو مقدمہ ہو کر ہندوستان کو بھیجا جاتا ہے۔ اور اسی سے وہ کونین بنائی جاتی ہے۔ جسے انگریز لوگ ہندوستان کا تحفہ سمجھا کرتے ہیں۔ پھر برقی روشنی کے بٹن دبا کر انہوں نے مختلف کمروں کو روشن کر کے دکھلایا۔ مسٹر چپاوے باوجودیکہ ہمیشہ دواؤں کے بیچ میں اصل وقت گزارنے والے ہیں تاہم انہیں [illegible] سائنس کی ترقی کے دیکھنے کا شوق ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے گھر تک برقی روشنی کا تعلق خود قائم کر رکھا ہے۔ ان کا گھر میرے ہوٹل سے بارہ میل کے فاصلہ پر ہوگا۔ اور وہاں تک لنڈن کی برقی روشنی کا سلسلہ نہیں جاتا۔ اس لئے انہوں نے ایک چھوٹا سا گیس انجن [illegible] اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے۔ اس کے ذریعہ سے برقی ڈائنمو کو چلایا کرتے ہیں اور ان کی بیوی بھی انجن اور ڈائنمو کو چلا سکتی ہیں۔ اس لئے اتنا کام وہ بھی کر سکتی ہے۔ جب یہ ایک روز مجھے اپنے چھوٹے سے ورکشاپ میں لیجاکر

انجن چلا کر دکھلا رہے تھے تو میں نے کہا کہ میں اصول برق سے واقف نہیں ہوں اس پر میرے میزبان نے کہا کہ میں خود اس سے ایسا ہی ناواقف تھا لیکن میں نے کتابوں کے ذریعہ سے اور ورکشاپ میں انگلیاں جلا کر ضرورت کے لائق یہ علم سیکھ لیا ہے۔ تم بھی ایسا ہی کرو اور چلتے ہوئے مجھے دو کتابیں اس کی پر دیں۔ یہ مجھے کچھ برقی کارخانوں میں لیجا کر بہت سے برقی سامان دکھلانا چاہتے تھے۔ اور ایک برقی کارخانہ میں چند روز کام سیکھنے کے لئے سپرد کرنا چاہتے تھے۔ مگر بدنصیبی سے میں زیادہ دیر لنڈن میں نہ ٹھہر سکا۔ اور ان کے ساتھ دریا پر شکار کے لئے جانے کے جو قرار داد تھے وہ بھی فسخ کرنا پڑی۔ جب شام کو میں ان کے مکان پر گیا تو میں نے واٹرلو سٹیشن سے ٹوکنہام تک دوم درجہ کا واپسی ٹکٹ دو شلنگ کو لیا۔ واٹرلو سٹیشن بہت بڑا ہے۔ چند منٹ میں گاڑی لب لب ہو گئی۔ یہاں گاڑیوں کے چھٹنے کا زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑتا۔ جب میں ٹوکنہام سٹیشن پر پہنچا راستہ میں ایک انگریز مسافر سے بات چیت ہوتی رہی تھی۔ اس نے کہا کہ یہاں سے ایک دوسری ٹرین کا پانچ منٹ انتظار کرنا ہے۔ چونکہ تم راستہ نہیں جانتے میں تمہیں اس سڑک پر ڈال آتا ہوں۔ وہ بیچارہ بھاگ کر مجھے اس مکان کے قریب چھوڑ گیا کہ جس پر مجھے جانا تھا۔ اس طرح کے چھوٹے چھوٹے مہربانی اور مسافر نوازی کے بہت سی مثالیں میں نے یہاں نوٹس کی ہیں۔ گو انگریز بڑی خاموش رہنے والی قوم ہے تاہم اجنبیوں سے بہت شفقت سے پیش آتے ہیں۔ جب میں اس گھر میں پہنچا تو صاحب خانہ بیگم صاحبہ پھولوں کے گلدستے بنا رہی تھیں۔ مجھے بہت تواضع سے بٹھایا۔ میاں کے آنے سے پہلے گلدستوں کو جا بجا سجا دیا۔ اور مجھ سے پوچھنے لگیں کہ تمہارے ملک میں تو پھول بہت ہوتے ہونگے۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ پھول تو بہت ہوتے ہیں۔ لیکن ہم کب انہیں ایسے شوق سے رکھتے اور ان سے کام لیتے ہیں۔ ایک روز اس سے پہلے بھی ایک لیڈی نے

مجھے کہی تھا کہ ہم لوگ ایک ایک پھول کو احتیاط سے پالتے اور اپنی میزوں پر سجاتے ہیں۔ غرض ہم کھانے پر بیٹھے۔ میں نے ابلی ہوئی مچھلی اور ابلا ہوا گوشت اور بقول ان کے ترکاریاں کھائیں۔ لیکن جب تلے ہوئے آلو آئے تو میں نے اپنا شبہ بیان کیا انہوں نے کہا ہم لوگ گرم موسم میں بالکل سور کے گوشت یا چربی کا استعمال نہیں کرتے۔ کھانے کے دوران میں مسز جیپاوے زیادہ تر ہندوستان کی عورتوں کے پردہ اور ستی اور طلاق کے متعلق نہایت تعجب سے سوالات پوچھتی رہیں۔ مسٹر جیپاوے نے مجھے کہا تم بہت صاف اور صحیح انگریزی بولتے ہو اسی طرح تین چار مرتبہ پیشتر بھی مجھے انگلستان کے کنبوں میں لوگوں نے ایسا ہی کہا ہے۔ یہ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ ہندوستان میں باضابطہ یہ زبان سکھلائی جاتی ہے۔ اور صرف اپنی زبان کو کسی اجنبی سے ذرا روانی سنکر متعجب ہوجاتے ہیں۔

انگریزوں کی خود پرستی

مسٹر جیپاوے آزاد خیال آدمی ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اکثر انگریز وسیع خیالات اور روشن طبائع رکھتے ہیں۔ مگر ان میں اپنی قوم کی عزت اور دوسری تمام قوموں کو اپنے سے برتر سمجھنے کا خیال ایسا گہرے طور پر متمکن ہو چکا ہے کہ وہ نکلتا ہی نہیں۔ سلسلہ گفتگو کے ماہین کہ انگریزوں کو لائق ہندوستانیوں کی عزت کرنی چاہئے۔ میرے میزبان نے کہا کہ پہلے میں بھی اسی بات کا قائل تھا کہ انگریزوں ہی کی عزت کرنی چاہئے اجنبیوں کی عزت کی کوئی ضرورت نہیں۔ مگر تھوڑا عرصہ گذرا ہے ہماری ایک کمیٹی میں کہ جس کا نام انا سسٹن ہے اور جو لندن کا ایک معزز مجمع ہے پریسیڈنٹ کے انتخاب کا معاملہ پیش ہوا۔ جو شخص عہدہ پریسیڈنٹ کے لئے منتخب کیا جانے کے لائق تھا۔ وہ انگریز نہیں تھا بلکہ یوروپ کے کسی دوسرے ملک کا رہنے والا تھا۔ مگر انگلستان کا نیچر لائیزڈ رعایا بن چکا تھا۔ تاہم اجنبی ہونے کی وجہ سے اسے بعض انگریز پسند نہ کرتے تھے۔ آخر میں نے کھڑے ہو کر

ایک تقریر میں یہ فقرہ بیان کیا۔ صاحبان تم اتفاقاً انگریز پیدا ہوئے ہو اور میں نے انگریز بننا پسند کیا ہے۔ چنانچہ مسٹر چٹاپاوے نے کہا کہ مجھ پر اس فقرہ کا بڑا اثر ہوا اور میں نے اس وقت سے مان لیا کہ لیاقت کہیں بھی ہو اس کی عزت کرنی چاہئے افسوس ہے کہ میں بوجہ لنڈن سے جلدی چلے آنے اور وہاں ایسے زمانہ میں پہنچنے کے کہ جبکہ بہت لوگ بوجہ تعطیل شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ ایسے بہت سے لوگوں سے نہ مل سکا کہ جن کے نام کے میرے پاس خطوط تھے۔ یا جنہوں نے کہ مجھے وہاں کے ملاقاتی ملاقات کرانا چاہتے تھے۔

انگلستان کی بہادر مائیں

لاہور گورنمنٹ کالج کے پروفیسر آرنولڈ صاحب جیسے خود فرشتہ سیرت ہیں ویسے ہی ان کے ماں باپ بھی خوش اخلاق اور نیک ہیں۔ میں ایک روز چیرنگ کراس سٹیشن سے سوار ہو کر ان کے مکان لوئی شام جنکشن کو ملاقات کے لئے گیا۔ یہ چھ میل کا سفر تھا۔ گرچھ میل نہیں پندرہ میل تک لنڈن کے ہر طرف آبادی ہی آبادی ہے کہیں سلسلہ مکانات کا ختم ہونے میں نہیں آتا۔ بہر صورت میں ان کے گھر پر پہنچا۔ پروفیسر صاحب کی والدہ صاحبہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ اور کہنے لگیں کہ تم میرے ٹام کے دوست ہو اس لئے میں بہت خوش ہوئی ہوں۔ مجھے کہ تم اسے پروفیسر آرنولڈ نہ کہو بلکہ ٹام کہو۔ مجھے پچھلے دنوں اس کی سخت بیماری کی خبر آئی تھی۔ جس سے مجھے اس کی جان کا اندیشہ ہو گیا۔ اور میں اسی فکر سے بیمار ہو گئی۔ اور تبدیل آب و ہوا کے لئے شہر سے باہر چلی گئی۔ ہر چند کہ میرے اور بھی لڑکے لڑکیاں ہیں کہ جن پر میں ناز کرتی ہوں۔ لیکن ٹام سے مجھے بہت محبت ہے پھر مجھے پروفیسر صاحب کی وہ تصنیف کردہ کتابیں نکال کر دکھائیں بلکہ کہ میرے اس بیٹے کے سوائے جو لاہور میں ہے میری ایک لڑکی انگلستان میں ہائی اسکول زنانہ کی انسپکٹرس ہے۔ دوسری دو لڑکیاں جزائر شرقی ہند میں سررشتہ تعلیم میں ملازم ہیں۔ ایک لڑکی پاس ہے جس کی گذشتہ جون میں شادی کی

ہے۔ اور داماد مسٹر رچرڈس بھی اِسی گھر میں رہتا ہے۔ اور ایک لڑکا فوج میں افسر ہے جو جبرالٹر میں مقیم ہے۔ یہ سُنکر پھر ایک مرتبہ انگلستان کی جوانمرد عورتوں اور بہادر ماؤں کو آفرین کہنے کو میرا دل چاہا۔ اُن کے لڑکے اور لڑکیاں اپنے وطن سے نکل کر دنیا کے مشارق و مغارب میں پھیل جاتے ہیں۔ جبھی تو انگلستان کی حکومت دنیا کے ہر حصہ پر پھیلی ہوئی ہے۔ ایک ہمارے ہندوستان کی مائیں ہیں کہ کبھی گوارا نہیں کرتیں کہ اُن کے بیٹے بیٹیاں آنکھ اوجھل ہوں۔ اس کے بعد اس محترم سن خوردہ لیڈی نے مجھے ایک الماری سے کئی چھوٹی چھوٹی چیزیں کھلونے اور چینی کے برتن دکھلائے جو یا تو اُس کے بیٹے بیٹیوں نے بھیجے تھے یا بچپن کے زمانہ سے اُس نے انہیں رکھا ہوا تھا۔ اور ہر چیز کے ساتھ ایک شان نزول تھی۔ یوروپ کے سب ملکوں میں یہ دستور عام پایا جاتا ہے۔ ہندوستانی عورتوں کو سوائے زیورات یا اثاث البیت کے اور کسی چیز سے دلچسپی نہیں۔ آرائش کی چیزوں یا چھوٹے موٹے تحفوں کے جمع کرنے اور محفوظ رکھنے کا ابھی اس ملک میں خیال پیدا نہیں ہوا۔

گرینچ شفاگاہ اور
بحری عجائب خانہ

کھانا کھا لینے کے بعد مسٹر اور مسز آرنولڈ مجھے گرینچ کا مشہور پارک اور ہسپتال دکھلانے کو ساتھ لے گئے۔ گرینچ ہسپتال پہلے شاہی محل تھا۔ پھر بحری سپاہیوں کا ہسپتال اور اب بحری تعلیم کا کالج ہے۔ اس میں ایک ہال انگلستان کے امیر البحروں کی تصاویر کا ہے۔ اور کئی بحری معرکوں کے مرقعے بھی ہیں۔ چند افسروں کے سنگ مرمر کے بت بھی ہیں۔ امیر البحر لارڈ نلسن کا وہ لباس بھی جو اس نے ایک گولی لگنے کے وقت پہنا ہوا تھا یہاں رکھا ہوا ہے۔ یہ ایک سیاہ کوٹ ایک واسکٹ۔ ایک برجس اور جورابوں کا جوڑہ ہے۔ آجکل کے کپڑوں کے مقابلہ میں یہ کیسے بھدے اور معمولی کپڑے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے

کہ اس زمانہ سے آجتک کپڑے بننے میں دُنیا نے کتنی ترقی کی ہے۔ امیر البحر کے
سر کے کچھ بال (چینیوں کی طرح انگریز بھی اس زمانہ میں بالوں کی چوٹیاں بناتے
تھے) اس کی تحریر کے چند نمونے۔ اس کے کھانے پینے کے دو ایک برتن۔
اُس کی شمشیر معہ طلائی نیام۔ اور ایک ہاتھی دانت کے کام والی توڑے دار بندوق
اور بارود دان کے جو سلطان ٹرکی نے جنگ نیل کی یادگار میں اُسے دی تھی
سب محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔ نلسن اور اس کے جہاز "وکٹری" (فتح) کی چند تصویریں
بھی یہاں تھیں جنہیں لوگ نہایت عقیدت سے دیکھتے تھے۔ اس مکان
کے سقف پر ایک نہایت عمدہ تصویر بطور "ایلگری" کے ایک اُستاد نے بنائی
ہے جو مدت تک پشت کے بل لیٹ کر اس تصویر کو بناتا رہا۔ مشہور ہے کہ ایک
دفعہ یہ اُستاد مصور اس تصویر کے بنانے اور اپنی دستکاری کو دیکھکر پسند
کرنے میں اسقدر محو تھا کہ اُس کا ایک قدم پیچھے پڑنے والا تھا۔ اور اس قدم کے
پیچھے پڑتے ہی وہ اس نشست سے جو اس کام کے لئے بنائی ہوئی تھی گر کر
مر جاتا۔ فی الفور اُس کے ایک شاگرد نے یہ خطرہ کی حالت دیکھکر تصویر کے منہ
پر رنگ کا برش پھیر دیا۔ اور اُستاد بجائے پیچھے قدم رکھنے کے اپنی تصویر بچانے
کو آگے کو بڑھا اور اُس کی جان بچ گئی۔ اس کے سامنے دوسرے مکان میں
ایک بحری عجائب خانہ ہے۔ اس میں بہت سے لکڑی کے جہازوں کے
چھوٹے چھوٹے نمونے اور جہاز سازی کے سمجھانے کے لئے جہازوں کے پرزوں کے
نمونے رکھے ہوئے تھے۔ جنگ ٹریفالگر کی حالت۔ فرانس اور انگلستان کے
جہازوں کے بیسیوں نمونے بنا کر انہیں اُسی پوزیشن میں رکھا گیا تھا کہ جس میں
معرکہ جنگ کے وقت وہ تھے۔ غرض جہاز رانی کے آلات اور تمام سامان متعلقہ
یہاں دکھلایا جاتا ہے۔ یہاں دریائے ٹیمز شہر کے اندر کی نسبت بہت چوڑا تھا۔
لندن کے دھوئیں کی وجہ سے یہ شاہی محلات ایسے سیاہ ہو رہے تھے کہ
سنتا ہے ایک دفعہ انہیں دھونے کی بھی کوشش کی گئی۔ مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی

یہاں سے ہم رصدگاہ گرینچ کو دیکھنے گئے جو گرینچ پارک میں ایک دوسرے شاہی محل کے پس پشت ہے کہ جس میں ملکہ الیزبیتھ رہتی تھی۔ گرینچ پارک بڑا وسیع اور بہت خوبصورت ہے۔ ہزاروں عورتیں بچے اور مرد یہاں گھاس پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور بعض کھانے پینے پھرنے کھیلنے اور تفریح میں مصروف تھے۔ اس قسم کی تفریح کا ہمارے ملک میں کوئی رواج نہیں۔ جس زمانہ میں کشمیری شالوں کی یوروپ میں قدر تھی۔ اس وقت امرتسر کے شال باف کشمیری کبھی کبھی اس قسم کی سیر و تفریح کے لئے کام سے تعطیل کر کے امرتسر کے باغات میں جاتے تھے۔ اور وہیں کھانے پکا کر دن بھر رہتے تھے۔ لاہور میں بھی بعض بعض حرفوں کے لوگ اکٹھے ہو کر سال میں ایک آدھ دفعہ شالامار باغ یا شاہدرہ کے باغ میں سیر کو جاتے ہیں۔ لیکن اس سے بہت کچھ بہتر طور پر انگلستان کے اکثر لوگ ہر اتوار کو بلکہ کئی لوگ ہفتے کا ساتواں دن سیر و تفریح کے لئے فرصت نکال لیتے ہیں۔ کیونکہ آج ہفتے کے روز سہ پہر کو ہم نے ہزار ہا تماشائی گرینچ پارک میں دیکھے تھے۔ افسوس ہے کہ رصدگاہ کو ہم لوگ اندر سے نہ دیکھ سکے۔ کیونکہ اس کام کے لئے پہلے سے اجازت لینی پڑتی ہے۔ اور عورتوں کو قطعاً رصدگاہ کے اندر جانے کی ممانعت ہے۔ غالباً اس لئے کہ ان کے لباس میں معدنیات کے اجزا زیادہ ہوتے ہیں کہ جن سے رصدگاہ کے مقناطیس وغیرہ موثر ہوتے ہیں۔ رصدگاہ ایک چھوٹی سی پہاڑی پر ہے۔ اس کے باہر وقت کے نہایت چھوٹے حصے بتلانے والا ایک کلاک لگا ہوا ہے۔ پارک کی سڑک کے دونوں طرف بھورٹ چیس نٹ کے سایہ دار درخت ہیں۔ اور بے شمار کرسیاں اور بنچیں لوگوں کے آرام کے لئے پڑی ہیں۔ سامنے بلیک ہیتھ کا خوبصورت قصبہ ہے۔ غرض شام کو پھر آ کر ہم مکان پر پہنچے۔ یہاں شام کے کھانے کا انتظار ہو رہا تھا۔ یورپ میں دوپہر کا کھانا ہی زیادہ کھاتے ہیں۔ شام کا بہت کم ہوتا ہے۔ کھانے پر ایک اور مہمان بھی تھا۔ اُسے یہ معلوم ہو کر بڑا تعجب ہوا کہ ہندوستانی مفلس

ملک ہے اور وہاں اکثر قحط رہتا ہے۔ اُس کا اس وقت تک یہ خیال تھا کہ اہل ہند کے پاس بہت سے چاندی سونے کے ہورڈس (Hoards) اندوختہ ہوتے ہیں۔

انگلستان میں مزدور کیا کما تا ہے

میں نے کہا ہندوستان میں ایک مزدور تین چار آنہ یومیہ کما تا ہے۔ اور قحط کے کاموں پر صرف آنہ ڈیڑھ آنہ یومیہ مسٹر رچرڈسن نے کہا تو وہ اس حالت پر شاکی نہیں ہیں میں نے کہا بلکہ بے حد مطمئن ہیں۔ اُس نے کہا انگلستان میں ایک مزدور کی شرح اجرت فی گھنٹہ ایک شلنگ دو پنس مقرر ہے۔ یا ہفتہ وار ایک مزدور تیس شلنگ یا دو پونڈ کما تا ہے۔ لیکن اس پر وہ خوش نہیں۔ وہ کہتا ہے میرے بچوں کی خوراک ٹیکس دینے والے (یعنے جو لوگ اُس سے آسودہ ہیں) دیں۔ میرے کپڑے بھی ٹیکس پر ملا دیں۔ اس قدر روپیہ جو مزدور کماتے ہیں زیادہ تر شراب خوری میں صرف کر دیتے ہیں۔ واضح رہے کہ شہر لنڈن میں بورڈ کونسلیں ۷ پنس فی پونڈ کا ایک ٹیکس لیکر غریبوں میں بانٹ دیتے ہیں۔ غرض اس سے یہ ہے کہ امیر جو زیادہ خرچ کر سکتے ہیں شہر کے گلی کوچوں کی درستی کا بوجھ ٹیکس پیر پڑتا ہے۔

کنبے کے تعلقات کی صفائی

جس طرح ہندوستان میں ایک کنبہ میں بیٹے پوتے سب ملکر رہتے ہیں۔ ایسے مشترک کنبہ کے خیال سے اہل انگلستان کانپ اُٹھتے ہیں۔ اُن کے خیال میں اس طریقہ میں نقص یہ ہے کہ کئی نوجوانوں کو تمام عمر بیکار پڑے رہنے کی ترغیب ہوتی ہے۔ اور یہ خیال اُنکا بالکل غلط نہیں ہے۔ انگلستان میں غریب مزدوری پیشہ لوگوں کے بچے تو سات آٹھ سال کی عمر میں کسی نہ کسی طرح کمانے لگتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات والدین بارہ چودہ سال کے بچوں کو کہدیتے ہیں کہ جاؤ کماؤ اور کھاؤ۔ اس لئے کئی لوگ شادی سے پہلے ہی علحدہ کماتے کھاتے ہیں

اور اگر والدین کے گھروں میں کھانا کھاتے اور سوتے ہیں تو انہیں کھانے اور سونے کے دام دیتے ہیں۔ مشہور ہے کہ ایک زمانہ میں مسٹر گلیڈسٹون مشہور وزیر اعظم انگلستان کا داماد اور ان کی لڑکی انہیں کے گھر میں رہتے تھے اور انہیں مکان کا کرایہ اور کھانے کے دام برابر دیتے تھے۔ یہ بات ذرا بھی خلافِ قیاس نہیں۔ خواہ صحیح ہو۔ یورپ میں رشتہ کا تعلق ہندوستان کی طرح زیادہ تر سنٹی منٹ (خیال اور وہم) پر مبنی نہیں ہوتا۔ بلکہ وہاں ہر بات کو عملی صورت دی جاتی ہے۔ یہ میرے سامنے کا ذکر ہے کہ ایک روز ایک میاں بیوی کھانے کی میز پر بیٹھے تھے۔ بیوی کا باپ بھی مہمان تھا۔ ابھی ان کی شادی کو چھ مہینے ہی گذرے تھے۔ اس لڑکی نے میز پر سب مہمانوں کے پیالیوں میں چائے ڈال دی۔ اور اپنے شوہر کی پیالی میں غلطی سے چائے نہ ڈالی باپ نے بیٹی کو کہا کہ آج سے چھ مہینے پہلے تم کبھی ایسا نہ کرتیں۔ مطلب یہ تھا کہ شادی سے پہلے تمہیں اپنے شوہر کا بہت زیادہ خیال تھا۔ بیٹی تو ہنس دی۔ لیکن داماد نے کہا کہ مجھے اپنی پیاری بیوی پر کوئی بدظنی نہیں۔ اور یہ ایک عام بات اہلِ یورپ کے خیال کے مطابق ہے۔ لیکن ہندوستان میں ایک نہایت عجیب اور اخلاق سے گری ہوئی بات سمجھی جاتی ہے۔ میرے ایک دوست نے اتفاق سے تیسری شادی کی۔ ماشاءاللہ دولہا میاں کی عمر پنتالیس سال سے کم نہ تھی۔ لیکن ان کے خسر بارے حیا اور تہذیب کے اپنے داماد کے سامنے کھانا نہ کھاتے تھے۔ اور داماد صاحب خسر صاحب کے سامنے کھانا نہ کھاتے تھے۔ اور اس طرح سوائے ہاں یا نہ کے اور باتوں کا سلسلہ بھی بہت کوتاہ تھا۔

لیڈیوں کا اعلیٰ نمونہ ایک روز میں مسز بک صاحبہ کے ملنے کو گیا۔ جو علیگڑھ کالج کے مرحوم پرنسپل مسٹر تھیوڈور بیک کی والدہ صاحبہ ہیں۔ ان کا مکان البینی سٹریٹ میں بہت عمدہ ہے۔ اس وقت یہ اپنے باغیچہ میں بیٹھی ہو

رہی تھیں۔ جب میں گیا تو ان کی دو بیٹیاں بھی پاس آ بیٹھیں۔ ان میں سے بڑی بیٹی حال ہی میں نمائش پیرس دیکھکر واپس آئی تھیں۔ اور خود نمائش کے بہت سے فوٹوگراف اُتار کر لائی تھیں۔ اور ان تینوں بیبیات کو ہندوستان اور خصوصاً مسلمانوں کی باتوں سے بڑی دلچسپی ہے۔ چھوٹی بیٹی علیگڑھ میں کئی سال تک رہ آئی ہیں۔ علیگڑھ کے بہت لوگوں کو جانتی ہیں۔ اور اب تک کالج میگزین کو شوق سے پڑھتی ہیں۔ مسز بیک صاحب نے کہا میرے بیٹے نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے واسطے وقف کر دیا تھا۔ اور بھی کئی باتیں مسز بیک اور مسلمانوں کی تعلیم کے متعلق ہوتی رہیں۔ بیک صاحب کی والدہ کے چہرے سے نہایت ذہانت اور اطمینان نمایاں تھا۔ ممکن تھا کہ کوئی ہندوستانی عورت اپنے متوفی بیٹے کا ذکر کر کے زار و قطار روتی۔ لیکن میں نے ایک دوست سے سنا ہے کہ جب مسز بیک کو اپنے لائق اور جوان بیٹے کے مرنے کی خبر پہنچی تو اس نے اتنی ہی بات مُنہ سے نکالی کہ افسوس میرا بیٹا مر گیا! اور اس کے بعد رضا بقضا ہو کر ذرا غم ظاہر نہ کیا۔ میں ایک روز پھر بھی چائے پینے کو یہاں آیا تھا۔ مسز بیک کے حالات کو دیکھکر اور باتوں کو سُنکر میں اُنہیں شائستہ لیڈیوں کا آئیڈیل (نمونہ) سمجھتا ہوں۔ آج یہیں مسٹر احسان الحق خلف صوبہ دار میجر نشتر خان بہادر غلام حسین صاحب رئیس جالندھر بھی آ گئے جو بیرسٹری کے لئے تعلیم پاتے ہیں۔ یہ یہاں والنٹیر ہیں میں رائل آرٹلری میں بھرتی ہو گئے ہیں (غالباً اس سے پہلے کبھی کوئی ہندوستانی انگلستان میں والنٹیر نہیں ہوا) اور دو ہفتے کیمپ میں رہ کر ابھی آئے تھے۔ یہ کیمپ میں خیموں کے نیچے سونے کے قصے سناتے رہے۔ آج اتوار کا دن تھا۔ جب ہم دونوں یہاں سے رخصت ہو کر بازار میں پہنچے تو میں نے دیکھا میرے پاس گاڑی کے لئے بھی پیسے نہیں تھے۔ اور میرا خیال تھا کہ بوجہ اتوار کے آج پونڈ کا بدل کہیں نہیں ملیگا۔ مسٹر احسان نے کہا

کرتمباکو کی دوکانیں کھلی رہتی ہیں۔ چنانچہ ہم ایک تمباکو کی دوکان میں گھسے اور دوکاندار عورت سے دریافت کیا کہ وہ ایک پونڈ کا بدل دے سکیگی۔ اس نے بڑی خوشی سے بدل دینا منظور کیا۔ مسٹر احسان نے کہا یہاں کے لوگ بہت اچھے ہیں۔ ہندوستان میں جاکر انگریز بالکل دوسری چیز بن جاتے ہیں یہاں مجھے کرکٹ میں کچھ کامیابی ہوئی ہے۔ اسپر لوگ مجھ سے ہاتھ ملاتے ہیں۔ اور خوش ہوتے ہیں۔ بالکل حسد نہیں کرتے۔

گلڈ ہال ہرچند کہ اب ۱۸۸۹ء سے لنڈن میں کونٹی کونسل بمنزلہ لنڈن کی میونسپل کمیٹی کے کام کرتی ہے۔ لیکن لنڈن کی اصل میونسپل کمیٹی یہاں کا گلڈ ہال ہے۔ گلڈ ہال در اصل لنڈن کے لئے میونسپل ٹاؤن ہال سے بہت زیادہ ہے۔ اور قدیم الایام سے لنڈن کے انتظام کا مرکز رہا ہے۔ بلکہ بلا مبالغہ کے تمام انگلستان کی ترقی اور تنزل کی تاریخ اسی سے وابستہ ہے۔ ایک مصنف نے لکھا ہے "جن تمام معرکوں میں شہر لنڈن نے امور سلطنت میں براہ راست دخل دیا ہے انپر غور کرنا دلچسپی سے خالی نہیں۔ اور اس کی مثال تاریخ انگلستان کو گلڈ ہال کی کھڑکیوں سے دیکھنے کی ہوگی" حقیقت میں انگلستان کی تمام آزادی حقوق اور کامیابی شہر لنڈن کی کوشش سے حاصل ہوئی ہے۔ اور اس تمام کوشش اور کشمکش کے لئے اہل لنڈن کا ملجا و ملجا گلڈ ہال تھا۔ مسٹر والٹر بیسنٹ مشہور ناولسٹ اور مورخ نے لنڈن اور اس کے مرکز گلڈ ہال کی طرف اشارہ کر کے لکھا ہے۔ "اصل اصول یعنی آزادی کی ضرورت باپ سے بیٹے کو ورثہ میں ملتی رہی۔ اہل شہر نے اسے اپنا مذہب بنا لیا۔ انہوں نے اس کا اعلان کیا اور وہ اس کے لئے لڑے۔ انہوں نے اسے جیت لیا۔ اور پھر ہار دیا۔ اور پھر ایک حصہ جیتا اور پھر ہار گئے۔ آخر کار انہوں نے اسے سالم و کامل جیت لیا۔ اور اس کے جیتنے میں انہیں اس قدر نفع ہوا کہ جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا۔ انہوں نے اپنے ورثا کے لئے

اور نیز ان سب کے لئے کہ جہاں انگریزی بولی جاتی ہے۔ آزاد شہروں میں آزاد
آدمیوں کے حقوق اور افراد اور جائداد کے حقوق غرض سب کو جیت کر چھوڑا۔
اس جیتنے کے بڑے کام کے لئے تمام مشورے اور انتظام گلڈ ہال میں ہوتے
تھے۔ گلڈ ہال کی حقیقت یہ ہے کہ تمام شہر لنڈن کے لوگ کہ جو قدیم الایام سے

لوری کمپنیاں

مختلف پیشوں میں مصروف تھے۔ انہوں نے اپنے اپنے
پیشوں کی جماعتیں (یعنے گلڈ) قائم کر لیں۔ مثلاً ٹالو چانڈلرس کمپنی (موم بتی
بنانے والے) کلاک میکرس کمپنی (گھڑیاں بنانے والے) ڈریپرس کمپنی (بزاز)
وہیل رائیٹس (گاڑیوں کے پہیے بنانے والے) وغیرہ انہیں پیشہ وروں کی
جماعتوں کو لوری کمپنیاں کہتے ہیں۔ لنڈن میں کل ایسی ۷۴ کمپنیاں یا گلڈ
(جماعتیں) ہیں۔ اور ان سب کے ملا کر آٹھ ہزار آٹھ سو ممبر ہیں کہ جنہیں
لوری مین یا فری مین کہا جاتا ہے۔ ان سب کمپنیوں کے عالیشان مکانات
اور کورٹ آف آرمس قدیم زمانے سے علیحدہ علیحدہ چلے آتے ہیں۔ ان کے پریزیڈنٹوں
کو ماسٹر اور سکرٹریوں کو وارڈن کہتے ہیں۔ جو مالی اور انتظامی کام کے ذمہ دار
ہیں۔ ان کے ممبر یا تو پیدائش اور یا میعاد ملازمت کے لحاظ سے مقرر ہوتے
ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی کمپنی کا ممبر اب بھی وہی پیشہ رکھتا ہو۔ جو
کمپنی کے نام سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ ممبر کچھ سالانہ چندہ دیتے ہیں۔ اور اگر ممبر
کبھی ناکارہ اور مفلس ہو جائے تو سوسائٹی اس کی بیوی بچوں کی پرورش
کے لئے کچھ مدد دیتی ہے۔ سال میں دو مرتبہ سب ممبروں کا جلسہ اور کھانا
کمپنیوں کے مکانوں میں ہوتا ہے۔ پھر سب لوری کمپنیوں کے ممبر گلڈ ہال
کے بڑے ہال میں جمع ہوتے ہیں۔ جبکہ ہر کمپنی کا محرر ہر ممبر کا نام پکارتا
جاتا ہے۔ یہاں یہ شیرف کا انتخاب کرتے ہیں۔

لارڈ میئر کا انتخاب

انتظامی کونسل کے ممبروں یا شریفوں یا پاسٹ ماسٹروں
میں سے کسی شخص کو کثرت رائے سے ہر سال لوری مین ۲۹ ستمبر کو لنڈن کا

لارڈ میئر منتخب کرتے ہیں۔ اس طرح شہر کی سول گورمنٹ لارڈ میئر یا بحیثیت الڈرمینوں و دو خیروں ۱۱ و ۲۲۰ کامن کونسل مینوں کے سپرد رہتی ہے۔ یہ گلڈہال لارڈ میئر کا سرکاری مکان یا شہر کا ٹاؤن ہال ہے۔ لارڈ میئر گلڈ ہال میں سب لوری کمپنیوں کی مجالس کونسل سمیت جلسہ کرتا ہے۔ اس جلسہ کا کمرہ ایک ہاؤس آف کامنز شہر لنڈن کہلاتا ہے۔ جس میں لارڈ میئر بحیثیت میر مجلس ایک بہت بلند کرسی پر بیٹھتا ہے۔ ممبر اس کے گرد گیلریوں میں بیٹھتے ہیں اس کمرہ میں شاہی خاندان کے موجودہ ممبروں کے سنگ مرمر کے بت رکھے ہوئے ہیں۔ پہلو کے ایک چھوٹے کمرہ میں لارڈ میئر شہر کے چھوٹے چھوٹے ڈیپوٹیشن قبول کرتا ہے۔ یہ مکان تین سو سال سے بنا ہوا ہے۔ اور اس کی چھت کی نقاشی آرائش تصویریں اور اس کا چوبی فرش جو نہایت خوبصورت ہیں سب اسی طرح ہی پورانے ہیں۔ لارڈ میئر لنڈن کا چیف مجسٹریٹ بھی ہوتا ہے۔ اور پولیس کا اعلےٰ افسر بھی۔ کیونکہ پولیس کا چہارم خرچ گلڈ ہال کی جائداد سے ادا کیا جاتا ہے۔ لارڈ میئر کے اپنے مکان منشن ہاؤس کی نچلی منزل سے حوالات کا کام لیا جاتا ہے۔ جہاں زیر تجویز ملزم رکھے جاتے ہیں۔ جب کبھی اہل شہر کسی مصیبت کی رفع داد یا کسی خوشی کے اظہار کا جلسہ کرنا چاہیں تو لارڈ میئر اس کا سرپرست ہوتا ہے۔ ہندوستان کے قحط زدگان کے لئے چند سال پہلے جو چندہ لنڈن میں جمع کیا گیا تھا۔ وہ لارڈ میئر ہی کی سرپرستی سے جمع ہوا تھا۔ اور اسی طرح جنگ ٹرنسوال کی امداد میں لارڈ میئر نے فنڈ کھولا تھا لارڈ میئر سال میں ایک دفعہ زمانہ کرسمس میں شہر کے بارہ سو سے زیادہ غریب بچوں کو مفت دعوت کھلاتے ہیں جو ریگڈ اسکول یونین منتخب کر کے بھیجتی ہے اور پچھلے سال پانچ ہزار پانچ بچوں کو جو حاضر نہ ہو سکے تھے کھانا مکانوں پر بھیجا گیا تھا۔ انتخاب لارڈ میئر کے بعد ایک روز لارڈ میئر کی مشہور شوکت مطلق سے اور طرح طرح کی نفیس سواریوں پر لارڈ میئر کا جلوس نکلتا ہے جس کے

بعد لارڈ میئر کا مشہور ڈنر ہوتا ہے جس میں لنڈن کے تمام امرا اور ارکان سلطنت وزیر اعظم تک شریک ہوتے ہیں۔ اور دعوت کے بعد وزیر اعظم کے لئے مناسب ہوتا ہے کہ اپنی گورنمنٹ کی پالیسی کے متعلق تھوڑی سی تقریر کرے۔ گویا کہ وہ باشندوں کے منتخب اشخاص کو اپنی حکومت کی طرف سے اطمینان دلاتا ہے۔ اب تک یہ دستور قدیم زمانہ کا چلا آتا ہے کہ جب ملکہ یا بادشاہ انگلستان شہر لنڈن میں آئیں (کیونکہ شاہی محلات ہمیشہ شہر کے باہر رہے ہیں) تو لارڈ میئر شہر کی چابیاں اُن کے پیش کرتا ہے۔ تب وہ شہر میں داخل ہوتے ہیں شہر کی حفظان صحت اور کئی ایک اوقاف کا انتظام بھی گلڈہال کی کمیٹیوں کے ماتحت میں زیر نگرانی لارڈ میئر رہتا ہے۔

گلڈہال کی تعمیر اور کتب خانہ وغیرہ

گلڈہال کی عمارت واقعی عالیشان ہے۔ اس کے بڑے کمرے کا مقابلہ یوروپ کی بڑی بڑی نامور عمارتوں کے ہالوں سے ہو سکتا ہے۔ جن کے عرض طول اور ارتفاع ذیل میں درج ہیں۔

نام عمارت	لمبا فیٹ	چوڑا فیٹ	بلند فیٹ
روم کے گرجا سینٹ پیٹر یا ڈگلی انگیلی کا ہال	۳۰۸	۷۴	۸۴
سلچسٹر میں رومن شہر کے باسلیکا کے کھنڈرات	۲۶۸	۶۰	—
وسٹ منسٹر ہال لنڈن	۲۳۸	۶۷½	۹۰
پاڈوا میں پلازو ڈیلا ایجون	۲۶۱	۸۸	۸۰
گرینسٹ ہاسپٹل لنڈن	۱۸۷	۵۱	۴۷
فلارنس میں پلازو ویکیو	۱۸۴	۷۴	۷۰
بیفیلڈ ہال ڈرہم	۱۸۰	۵۰	—
سینٹ جارجز ہال لورپول	۱۷۰	۷۴	۸۴
لوتا میں پلازو ڈل پوڈستا	۱۷۰	۴۶	—
ویسنزا میں پلازو ڈل ایجون	۱۹۹	۹۹	—

گلڈ ہال لندن	۱۵۲	۴۹½	۸۹
ٹاؤن ہال برمنگھم	۱۳۰	۶۵	۶۵

اس ہال میں بہت سی رنگین شیشہ کے دریچے لگے ہوئے ہیں۔ ہر دریچہ میں شہر لنڈن کی تاریخ یا انگلستان کی کسی تاریخی واقعہ کی تصویریں رنگین شیشہ میں ایک ایک لوری کمپنی یا کسی اورجماعت نے بڑی لاگت سے تیار کرائی ہیں ایک سیڑھی کے دونوں طرف دو بت گاگ میگاگ (Gog Magog) یعنے یاجوج ماجوج کے بنا رکھے ہیں۔ جنہوں نے اہل لنڈن کی کسی روایت کے مطابق شہر کی طرف سے کسی غنیم کو پچھاڑا تھا۔ ہال میں انگلستان کے بعض ناموروں کے بت رکھے ہوئے ہیں۔ ہال کے علاوہ اینٹی اوبی سمان ہال۔ کونسل چیمبر۔ الڈرمینس کورٹ روم وغیرہ سب کمرے بڑے تکلف سے بنے ہوئے ہیں۔ ان کی فرنیچر چھتوں اور دیواروں کی آرائش پر لاکھوں روپے خرچ ہوئے ہونگے۔ کونسل چیمبر میں انگلستان کے بڑے بڑے مصنفوں جرنیلوں اور مدبروں کے بسٹ (مجسمہ) رکھے ہوئے ہیں۔ گلڈ ہال کی لائبریری میں ایک لاکھ ۱۲ ہزار کتابیں اور بیس ہزار پمفلٹ (رسالے) ہیں۔ ایک ہزار پونڈ کی ہر سال نئی کتابیں خریدی جاتی ہیں۔ اور چار ہزار پونڈ اس کی نگہداشت کا خرچ سالانہ ہے۔ اس لائبریری کے ساتھ اخبارات کا ریڈنگ روم ہے جس میں ہر قسم کے اخبارات خصوصاً تجارتی رسالے اور اخبار جمع کئے جاتے ہیں۔ اور ڈائرکٹریاں بھی ہر قسم کی یہاں مہیا تھیں۔ یہیں میں نے سب سے زیادہ مقدار مختلف ڈائرکٹریوں کی دیکھی ہے۔ گو بعض ہوٹلوں میں بھی یوروپ کے مختلف ملکوں کی نرالی نرالی ڈائرکٹریاں دیکھی ہیں۔ میرے رفیق مسٹر جارج رچرڈس جو خود لوری میں ہیں مجھے گلڈ ہال دکھلا رہے تھے اور تمام کیفیت بتلاتے جاتے ہیں۔ لیکن وہاں کا ملازم بھی ایک شخص ہمارے ساتھ تھا۔ مسٹر رچرڈس نے شکریہ کے بعد چھ پنس اس کے ہاتھ میں رکھدیئے

تو وہ چلا گیا۔ پھر ایک دوسرے شخص نے مکان کے نیچے کا کرپٹ (تہ خانہ) دکھلایا۔ جو بجائے خود بڑا عظیم اور خوشنما ہال تھا۔ یہ بھی کئی سو سال کا ہے۔ اس میں فرنچ ہیوج ناٹ عبادت کیا کرتے تھے۔ اس شخص کو بھی چند قدم نیچے آ کر دو باتیں کرنے کے لئے مسٹر رچرڈسن چھ پنس دینے لگے۔ لیکن بیٹے اصرار کر کے خود دیئے۔ اُس نے کہا یہ یہاں بُری رسم ہے۔ جب کوئی شخص اپنے فرض منصبی کے علاوہ ذرا بھی کام کرتا ہے تو وہ ٹپ کی اُمید رکھتا ہے۔ خصوصاً بر اعظم یوروپ پر مشہور ہے کہ انگریز اپنا کرایہ نہیں گنتا۔ اس لئے اُسے وہ لوگ چند پیسے کم دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فرانسیسی نمائش پیرس میں انگلستان کے بکثرت شریک نہ ہونے کو محسوس کر رہے ہیں۔ گلڈ ہال کا عجائب خانہ بھی دیکھا۔ گلڈ ہال کے بڑے دروازہ کے سامنے پانی پینے کا چشمہ ہے۔ اسکے قریب صدہا دست آموز کبوتر گلڈ ہال کے ہیں۔ جنہیں قدیم الایام کے دستور کے مطابق یہاں کے افسر ہر روز دانہ ڈالتے ہیں۔ یہاں سے چل کر مسٹر رچرڈسن نے مجھے اپنی لوری کمپنی یعنے ٹیلو چانڈرس کا مکان دکھلایا۔ جو عالیشان سہ منزلہ مکان تھا۔ جس میں کونسل اور جلسہ دعوت اور انتظامی افسروں کے کمرے الگ الگ تھے۔

مچھلی کی منڈی اور کوئلہ کی منڈی

یہاں سے ہم لنڈن کی مچھلی بیچنے کی منڈی بلنگس گیٹ نامی میں گئے۔ یہ منڈی ایک ہزار سال سے مچھلی کے لئے مخصوص ہے۔ اور چونکہ کسی زمانہ میں مچھلی بیچنے والی عورتیں یہاں جمع ہو کر بدزبانی میں مصروف ہوتی ہونگی۔ اس لئے انگریزی زبان کی اصطلاح میں بلنگس گیٹ کے معنے گالی دینا ہو گیا ہے۔ اس مکان کا گھاٹ دریا سے ملحق ہے صبح مچھلی کی کشتیاں سمندر کی طرف سے دریا میں آتی ہیں۔ یہ کشتیاں اور جہاز صرف انگلستان کے سمندروں سے ہی نہیں آتے بلکہ سویڈن ناروے تک سے مچھلیاں بار کر کے آتے ہیں۔ منڈی میں جہاں تک نظر جاتی ہے

زندہ اور مردہ انواع و اقسام کی مچھلیوں کے ڈھیروں کے ڈھیر پلٹے جاتے ہیں لوگ بولی دیکر ان مچھلیوں کو آپس میں نیلام کر لیتے ہیں۔ اور پھر اور لوگوں کے ہاتھ بیچتے ہیں۔ گو فرش پتھر کا تھا۔ اور بیچ میں آہنے راستے پانی چھننے کے تھے۔ تاہم مکان گندہ ہو رہا تھا۔ سامنے بیسیوں گاڑیاں کھڑی تھیں۔ جن پر مچھلیوں اور جھینگڑوں وغیرہ کی ٹوکریاں لدی تھیں جو جا بجا شہر میں تقسیم کرنے کو نے جانیوالی تھے۔ یہاں کے تمام مزدور بہت غلیظ کپڑوں والے تھے۔ اس کے قریب ہی کوئلہ کا ایکسچینج تھا۔ ایک عالیشان مکان کے درمیان ایک گول حلقہ کے گرد نچلے فرش کی میزوں پر کوئلہ کی قیمت کی بولیاں دینے والے لوگ کھڑے ہوتے ہیں۔ اس کے اوپر تین منزلوں میں گیلریاں ہیں۔ جہاں سب کوئلہ کے سوداگروں کے دفتر ہیں۔ اور وہ خریداری کی بولیاں دیتے ہیں۔ پتھر کا کوئلہ یہاں بڑا اہتمم بالشان معاملہ ہے۔ اور اسی پر ان ملکوں کا تمام دارومدار ہے۔ یہاں سے ہم

ٹاور آف لنڈن

ٹاور دیکھنے گئے۔ شنبہ اور یکشنبہ کو یہ جگہ مفت دیکھنے کی اجازت ہے۔ دوسرے دنوں میں چھ پنس ہر شخص سے داخلہ کے لئے لیا جاتا ہے آج بوجہ ہفتہ کے کچھ دینا نہیں پڑا۔ لنڈن کا یہ نہایت مشہور اور تاریخی مکان قریب ایک ہزار سال پہلے قلعہ تھا۔ کبھی شاہی محل رہا۔ کبھی جیل خانہ اور کبھی دیوان عدالت۔ ایک بیان یہ ہے کہ اس کا وائٹ ہوس (سفید مکان) ہو من قیصر جولیس سیزر نے بنایا تھا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ ولیم فاتح انگلستان کے پہلے بادشاہ نے اسے بطور قلعہ کے تعمیر کیا تھا۔ زیادہ تر یہ بادشاہوں اور امیروں کے قیدخانہ کے لئے مشہور ہے۔ ویل ٹاور میں ملکہ الیزبتھ قیدری وائٹ ٹاور میں سر والٹر ریلی۔ بلڈی ٹاور میں شاہ ایڈورڈ چہارم کے دو بچے مارے گئے۔ اسلحہ خانہ میں قدیم زمانہ کے انگلستان یوروپ اور ہندوستان کی اسلحہ تلواریں بندوقیں۔ پستول اور ڈھالیں دیواروں پر آویزاں ہیں۔ کئی پتلے قد کے زرہ پوش سوار گھوڑوں پر چڑھا کر دکھلاتے ہیں۔ بعض نہیں

اکاسی پونڈ (ایک من) تک وزن کے ہیں۔ تعجب ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے
سوار اور گھوڑے انہیں کیسے اٹھاتے ہونگے۔ یہاں تلواروں اور کرچوں سے
کئی جگہ دیواروں پر گل صد برگ بنائے گئے ہیں۔ جن میں سینکڑوں نا کا
کرچیں توڑ کر اور ثابت لگادی ہیں۔ ایک جگہ تلواروں اور پستولوں کا
جنگلا بنا دیا ہے۔ شاہ اودھ کے جلاد کی بہت بڑی اور بھاری تلوار بھی
رکھی ہوئی ہے۔ اس کے سوائے بھی اسلحہ خانہ کے کمرے ہیں۔ مگر وہ دکھلائے
نہیں جاتے۔ اس مکان کے نیچے بہت سی پرانی توپیں اور گولے
پڑے ہیں۔ ان میں ایک توپ اٹھارہ فٹ لمبی ہے۔ جسے کہا جاتا ہے
کہ سلطان سلیمان عالیشان نے ہندوستان کے فتح کرنے کے لئے ڈھلی
تھی۔ مگر یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ توپ انگریزوں کے ہاتھ کہاں سے لگی۔
اسلحہ خانہ میں داخل ہونے کے لئے ایک گرجا میں سے گزرنا پڑتا ہے۔
یہاں ایک شخص صرف اسی لئے بیٹھا ہے کہ لوگوں کو کہے کہ گرجا کی تعظیم
کے لئے ٹوپیاں اتار دو۔ چنانچہ اس نے مجھے بھی کہا اور میں نے بھی ٹوپی
اتار دی۔ ایک کمرہ میں انگلستان کے شاہی زیورات ہیں۔ ان میں کئی
تاج اور کئی طلائی نمکدان مع دیگر زیورات شاہی کے رکھے ہوئے ہیں۔
خصوصاً جو تاج ملکہ وکٹوریا نے ۱۸۳۸ء میں اپنی تاجپوشی پر پہنا تھا وہاں
نمایاں تھا۔ کوہ نور ہیرے کی اس زمانہ کی نقل بھی ہے۔ جبکہ وہ مہاراجہ
رنجیت سنگھ کے بازو بند میں تھا۔ انگلستان کے تمام آرڈر اور تمغے مع
اصل فیتوں اور ہاروں اور ستاروں کے موجود تھے۔ ہندوستان کے خطاب
کے تمغے بھی تھے۔ یہاں وکٹوریا کراس کو دیکھ کر مجھے تعجب ہوا کہ ایک
چھوٹا سا لوہے کا ٹکڑا ہے۔ مگر اتنا موجب عزت سمجھا جاتا ہے کہ سپاہی اور
افسر اس کی خاطر میدان میں جانیں قربان کر دیتے ہیں۔ شاہی زیورات
جن میں سے اکثر موقعہ تاجپوشی پر شاہ ایڈورڈ ہفتم نے بھی بعض استعمال

ہیں تیس لاکھ پونڈ کی مالیت کے بتلائے جاتے ہیں۔ اور سنہ ۱۸۶۲ء کی آتشزدگی سے یہ اتفاق سے ہی سلامت نکلے۔ ٹاور کے برقنداز جنہیں بیف ایٹرز (Beaf Eaters) کہتے ہیں عجیب قسم کا بھنگم لباس پہنتے ہیں کہ جسے دیکھکر ہنسی آتی ہے۔ قدیم زمانہ سے یہاں کے برقنداز یہی لباس پہنتے آئے ہیں۔ مجھے بیف ایٹرز کا نام سنکر تعجب ہوا۔ کیونکہ اس لفظ کے معنے ہیں گائے کا گوشت کھانے والا۔ میں نے کہا اس نام کی تخصیص کی وجہ کیا ہے۔ آخر ٹاور کے گائڈ بک سے معلوم ہوا صحیح لفظ (Bouletiers) تھا جسکے معنے (Buffet) یعنے شراب وغیرہ کی دوکان کا خدمت گار ہے۔

ٹاور برج یہ عظیم الشان پل لنڈن ٹاور سے قریب ہی ہے۔ اور چونکہ شہر لنڈن کی گاڑیوں اور پیدلوں کی بڑی تعداد یہاں سے گذرتی ہے۔ اس لئے سنہ ۱۸۹۶ء میں اسے بڑا مضبوط تعمیر کیا گیا ہے۔ اس میں بڑے موٹے لوہے کے گرڈر استعمال کئے گئے ہیں۔ دونوں طرف لوہے اور پتھر کے بہت مضبوط پایوں پر لوہے کے بہت بھاری گرڈروں کا چھت ہے۔ لیکن بیچ کے بڑے درہ کے دونوں طرف پتھر کی بہت بلند عمارات ہیں۔ اور ان کے درمیان جو پل کا حصہ ہے۔ وہ جبکہ سٹیمر یہاں سے گذرتا چاہیں تو نیچے کی مشینوں کے ذریعہ سے بیچ سے دو ٹکڑے ہوکر دونوں طرف کی بلند عمارتوں سے بذریعہ زنجیروں کے جا لگتا ہے۔ اور جہاں سے کہ ابھی ہزاروں پیدل اور سینکڑوں گاڑیاں گذر رہی تھیں۔ وہ دریا بن جاتا ہے۔ گاڑیاں تو کچھ دیر کے لئے رک جاتی ہیں۔ لیکن پیدل اگر گذرنا چاہیں تو دونوں طرف کی بلند عمارات پر لفٹوں یا سیڑھیوں کے راستے سے چڑھکر بذریعہ ایک بلند پل کے دوسری طرف کو دوسری عمارت کی سیڑھیوں سے اتر سکتے ہیں۔ اس پل پر سے چار لاکھ سے زیادہ (ہی (۱۹۰۱ء) گاڑیاں ایک روز میں سنہ ۱۹۰۱ء میں گنیں۔ اور اب اس سے بھی آمد و رفت زیادہ ہوگی۔ اس پل کی تعمیر پر گلڈ ہال کے برج ہاؤس سٹیٹ کمیٹی کے بیس لاکھ پونڈ خرچ ہوئے۔ کیونکہ یاد رہے انجنیئرز کے پلوں کا خرچ

ایک ایسی جائداد سے دیا جاتا ہے جو گلڈ ہال کے سپرد ہے - اور پل کی سالانہ نگہداشت پر پندرہ ہزار پونڈ علاوہ خرچ ہوتے ہیں - لنڈن کی عظیم الشان عمارات پر جو جو خطیر رقمیں خرچ ہوئی ہیں انکے مقابلہ میں ٹاور برج کی رقم زیادہ نہیں سینٹ پال کے گرجا پر ڈیڑھ ملین پونڈ یعنے ساڑھے بائیس کروڑ ہندوستانی روپیہ - ہاؤس آف پارلیمنٹ پر جس میں گیارہ سو کمرے ہیں - اور ۸ ایکڑ اراضی پر واقع ہے تیس لاکھ پونڈ - انگلستان کے خلیج فورتھ کے ایک میل لمبے پل پر ساڑھے پچیس لاکھ پونڈ - اور بروکلن نیو یارک کے (۵۳۳۰) فیٹ لمبے پل پر اکتیس لاکھ پونڈ - اتنے لمبے پلوں کے مقابلہ میں صرف نوسو فیٹ لمبے ٹاور برج پر بہت لاگت آئی ہے - اسی لئے یہ تعمیر عجائبات زمانہ میں شمار ہوئی ہے - اتفاق سے جب ہم اس پل پر پہنچے تو اسی وقت دو سٹیمروں کے گذرنے کے لئے اسے اٹھایا گیا - یہ تماشا واقعی حیرت انگیز تھا کہ پل کے دو اتنے لمبے چوڑے آہنی پٹ مشینری کے زور سے دو منٹ میں خود بخود آسمان کو اٹھے جاتے ہیں - اور جب جہاز نکل جاتا ہے تو دو منٹ میں پھر مضبوط پل بن جاتا ہے - اور اسپر سے سینکڑوں گاڑیاں گذرنے لگتی ہیں -

بینک آف انگلینڈ مسٹر رچرڈسن نے مہربانی کر کے ایک دوست سے بینک آف انگلینڈ کے دیکھنے کے لئے بھی سفارشی چٹھی حاصل کی اور ہمیں بینک کے اسرار دکھلانے کے لئے ایک آدمی مل گیا - اور میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ تین چار گھنٹے اس پیچ در پیچ عمارت کی منزلوں میں کئی کمروں میں پھر کر نوٹوں اور سونے چاندی کی صورت میں اتنی دولت دیکھی ہے کہ بیچارے قارون کے چالیس خزانوں میں تو اس کا عشر عشیر بھی نہ ہوگا - پہلے ہم ایک کمرہ میں داخل ہوئے جہاں پونڈ (اشرفیاں) کلوں کے ذریعہ سے وزن ہو رہی تھیں - جو پونڈ وزن میں پورے ہوتے انہیں یہ مشینیں ایک جانب

ڈالتی جاتیں اور جو ہلکے ہوتے انہیں بائیں طرف پھینک دیتیں۔ چھتیس ہزار پونڈ یہ مشین دن بھر میں پرکھ لیتی ہے۔ جو افسر اس کام پر متعین تھا۔ اس نے ہمیں تولنے کا سب کام اچھی طرح دکھلایا۔ اور پھر لوہے کی بالٹی پونڈوں سے بھر کر مجھے کہا ذرا اٹھاؤ تو سہی میں نے بڑی مشکل سے اسے اٹھایا۔ لیکن میرا رفیق نہ اٹھا سکا۔ اسی کمرہ میں پونڈوں کے تولنے کی ایک مشین تھی جو دن میں لاکھوں پونڈ تول سکتی تھی۔ ایک کمرہ میں کئی الماریاں نوٹوں سے پُر تھیں جن میں سے ایک میں سے قریب آدھ سیر کے ہزار ہزار پونڈ کے نوٹوں کا گٹھا نکال کر ایک شخص نے میرے ہاتھ پر رکھ کر کہا۔ کہ یہ ایک ملین پونڈ (ڈیڑھ کروڑ ڈبل روپیہ) کے نوٹ ہیں۔ اور پھر جھٹ الماری میں رکھ کر تالا لگا دیا اب میں ہمیشہ یاد رکھونگا۔ کہ ایک وقت میرے ہاتھ میں بھی ڈیڑھ کروڑ روپے کے نوٹ تھے"۔ ایک دوسرے کمرہ میں چھوٹی چھوٹی دستی گاڑیوں میں دس دس سیر کی سونے کی اینٹیں رکھی ہوئی تھیں۔ اس کمرہ کے اندر تو ہمیں نہ لے گئے۔ لیکن ایک آدمی ایک گاڑی باہر کھینچ لایا۔ اور اس میں سے ایک اینٹ میرے ہاتھ میں رکھ کر کہا یہ خالص سونا ہے۔ اس میں سے سو دن کا شوقال مضروب ہوگی۔ ایک اور کمرہ دکھلایا جس میں چند چھوٹے چھوٹے ڈبے تھے کہ جن میں آج ہی صبح امریکہ سے اسی طرح کی سونے کی اینٹیں بند ہو کر بینک میں آئی تھیں۔ پھر بینک کے ڈائرکٹروں کی کونسل کا کمرہ دیکھا۔ اور ایک کمرہ جس میں ڈائرکٹروں کی سب کمیٹیاں نشست کرتی ہیں۔ یہ دونوں بڑے مکلف اور عالیشان کمرے تھے۔ ایک اور کمرہ میں کہ جہیں پبلک داخل ہو سکتی ہے۔ تیس چالیس کلارک نوٹ کیش کر دینے کے لئے بیٹھے تھے۔ جن میں سے بعض کے پاس صرف چاندی اور بعض کے پاس سونے کے سکے تھے۔ ایک اور کمرے میں دو تین سو کلارک بینکنگ کے کام میں مصروف تھے۔ ایک عالیشان کمرہ میں صرف سٹاک (کمپنیوں کے

فروخت ہوتے تھے۔ اور لون یعنے جنگی یا ملکی قرضوں کے لوگ حصے خریدتے تھے۔ ایک کمرہ بینک کی شاخوں کے انتظام کا تھا۔ ایک میں ہمیں وہ تاریخی نوٹ دکھلائے جو آگ میں جل گئے یا پانی میں گل گئے تھے۔ مگر ان کے تھوڑے بہت نشان مل گئے اور ان کی قیمت ادا کی گئی۔ لیکن یہاں بہت سے ایسے نوٹ بھی موجود تھے جو جعلی تھے اور لوگوں نے ان کے بنانے میں بڑی بڑی لیاقتوں کو خرچ کیا تھا۔ بعض میں تو انتہا کی کاریگری صرف کی گئی تھی لیکن بینک کے ملازموں نے انہیں تاڑ لیا۔ بینک آف انگلینڈ ۱۶۹۴ء میں قائم ہوا تھا۔ اور ایک نوٹ سنہ ۱۶۹۹ء کا ابتک موجود ہے۔ کہ جس سے پرانا کوئی موجود نہیں۔

ایک اور نوٹ دکھلایا گیا جو بیس پونڈ کا تھا ۱۷۷۵ء میں بینک نے اسے جاری کیا تھا۔ اور ۱۹۰۱ء تک بینک میں کیش ہونے کے لئے واپس نہ آیا۔ اس ایک سو پچیس سال کے عرصہ میں اگر یہ پانچ فیصدی سود پر سود در سود کے حساب سے لگایا جاتا تو (۸۹۰۵) پونڈ ۳ شلنگ ۷ پنس کی رقم بینک کو ادا کرنا پڑتی۔ جو شخص یہ نوٹوں کے عجائبات دکھلا رہا تھا اس نے بہت اخلاق اور توجہ سے ہمیں میگنی فائینگ گلاس سے جعلی نوٹوں کے میلے اور خراب حروف دکھلائے

بیس پونڈ کا سود در سود قریب نو ہزار پونڈ

ایک کمرہ میں لوہے کی الماریوں میں ہزار ہزار پونڈ کی سینکڑوں تھیلیاں تھیں ہر تھیلی ۱۷½ سیر بھاری تھی۔ اور الماری کے ہر خانہ میں ۸۰ ہزار پونڈ کی مالیت تھی۔ ایک کمرہ میں وہ تمام پرانے نوٹ جمع تھے کہ جن کا روپیہ بینک ادا کر چکا ہے۔ یہ معمولی لکڑی کے صندوقوں میں کمرے کی چھت تک بھری ہوئے تھے۔ انہیں ہر پانچ سال کے بعد جلا دیا جاتا ہے۔ اس کمرہ کے محافظ نے کہا کہ کل ادا شدہ نوٹ پانچ سال کے عرصہ میں تعداد میں اٹھتر ملین کے قریب ہو جاتے ہیں۔ اور ان سے (۱۳۰۰۰) صندوق بھرے جاتے ہیں جو

اگر پہلو بہ پہلو رکھے جائیں تو اڑھائی میل تک چلے جائیں۔ اگر ان نوٹوں کا
ڈھیر لگایا جائے تو ۵½ میل اونچا ہو۔ اگر ان کو سرے جوڑ کر پھیلایا جاوے
تو (۱۵۴۴۵) میل لمبے چلے جائیں گے۔ ان کی اصلی قیمت (۱۷۵۰۱۲۶۶۱۰۰
پونڈ اور ان کا وزن ۹۱ ٹن (۲۴۸۵ من) ہوگا۔ بینک کے کلرکوں نے ہمیں
ایسے عجیب حساب بتلائے اور ایسی توجہ سے سب چیزیں دکھلائیں کہ
مجھے معاً خیال پیدا ہوا کہ لنڈن کے اخباروں اور رسالوں میں جو ہر چیز کے
متعلق مفصل واقفیت اور دلچسپ اعداد چھپتے رہتے ہیں۔ یقیناً اس میں
ان کی واقفیت بہم پہنچانے والوں کا بھی کچھ حصہ ہے۔ تیسری منزل کے
کمروں میں پاس بک اور نوٹ چھاپنے والی مشینیں تھیں۔ جس طرح
انگلستان میں چلنے والے [illegible] چھپتے ہیں۔ (ملکہ بینک
آف انگلینڈ کی طرف سے چھپتے ہیں) ویسی ہی [illegible] انگلستان کے
[illegible] اور رسیدیں چھپتے ہیں۔ ایک تختہ لگا ہوا ہے [illegible] عجیب
[illegible]
طریقہ کسی کا عدد چھپنے کے بعد [illegible] نمبر بدل جاتے [illegible]
بھی دیکھا تھا۔ اس سے [illegible] مشین پر پانچ لاکھ [illegible] پونڈ
کے بینک آف انگلینڈ کے نوٹ چھپ رہے تھے۔ یہ نوٹ صرف ایک
رنگ میں چھپتے تھے۔ وہ بھی ایک ہی تاب میں نکلتے تھے۔ اس [illegible]
بینک کی حفاظت [illegible] گذرے
[illegible] مستری خانہ [illegible]
[illegible] کامیابی
[illegible] بینک کی عمارت کے اندر
تھے۔ [illegible] بینک کو ان کاموں کے لئے باہر سے [illegible] نہیں پڑتے۔ اور ایک ہزار
آدمی کل شاخوں میں ملازم تھے۔ [illegible] پونڈ [illegible] تنخواہوں کا سالانہ

خرچ ہے۔ انگلستان کے قومی قرضہ اسی کروڑ پونڈ کا حساب اور اس کے متعلق
انکم ٹیکس جمع کرنا بینک کے سپرد ہے۔ جس کے عوض اسے دو لاکھ پونڈ سالانہ
ملتا ہے۔ بینک کے دروازوں پر بیٹھنے والے چوبداروں کی وردیاں بھی دور
کے بیف ایٹروں کی طرح دو تین سو سال پہلے کی چلی آتی ہیں۔ جنہیں دیکھ کر
ہنسی آتی ہے۔ جس شخص نے ساتھ پھر کر سب مکانات دکھلائے تھے اسے
ایک شلنگ اور جن دوسرے لوگوں نے اپنے انجن یا مشین رکھے چیزیں دکھلائی
تھیں انہیں بھی دو دو تین تین پنس دیئے۔ لیکن برقی بائبل کے انجنیئر نے
پیسے لینے سے انکار کیا تھا۔ مسٹر رچرڈسن نے مجھے باہر آکر بتلایا کہ وہ جنٹلمین
تھا۔ اسے یہ بات ناگوار معلوم ہوئی ہوگی۔ بینک کا سرمایہ ایک کروڑ ساڑھے
چوالیس لاکھ پونڈ ہے کہ جتنا دنیا میں اور کسی بینک کا نہیں۔ اور نوٹوں کا اعتبار
قائم رکھنے کو بینک ہمیشہ دو کروڑ پونڈ کا سونا ذخیرہ میں جمع رکھتا ہے۔

لندن رائل ایکسچینج

رائل ایکسچینج بینک آف انگلینڈ سے دور نہیں۔ یہ ایک
بڑا عالیشان ہال ہے جس کی چھت شیشہ کی ہے۔ اور فرش
پتھر کا۔ عین وسط میں ملکہ معظمہ کا [illegible] سنگ مرمر کا بت
کھڑا ہے۔ صحن میں ایک خوبصورت چشمہ پانی پینے کا ہے۔ اور ایک عورت
کی پشت کی طرف چشمہ ہے جس میں [illegible] کا بت ہے جو دو بچے
اٹھائے کھڑی ہے۔ سامنے میدان میں ڈیوک آف ونگٹن کا برنجی گھوڑا
بت کھڑا ہے۔ [illegible] کے بہت قریب ہی [illegible]
[illegible] کی یادگاری بتوں کی وہ کثرت ہے کہ انکا حساب رکھنا مشکل ہے
رائل ایکسچینج میں سٹاک کے نرخ مقرر کئے جاتے ہیں۔ اسی عمارت کے
دو کمرے لائڈز کے مشہور جہازی بیمہ کار کے سپرد ہیں۔ اس کے دروازوں
پر بھی چوبدار بیٹھے تھے [illegible] عجیب قسم کی [illegible] وردی
پہنے ہوئے تھے۔ [illegible] میں [illegible] بیٹھے تھے جو

جہازوں میں بار ہونے والے مال تجارت یا مسافروں کی زندگیوں یا خود جہازوں کی سلامتی کے لئے بیمہ کر دیتے تھے۔ ایک دوسرے کمرہ میں ہر جہاز کی زندگی اور حالات کا رجسٹر تھا۔ جس میں اُس کے ہر سفر کے مال کا بھی حال درج ہوتا تھا۔ ایک پہلو کے کمرہ میں زرد کاغذ پر کئی تار لٹک رہے تھے جنمیں جہازوں سے متعلق آج ہی تازہ خبریں وصول ہوئی تھیں۔ کہ کوئی جہاز کہاں ہے۔ گویا کسی جہاز کے روانہ ہونے سے لیکر اُس کے کہیں جانے یا مقام کرنے یا واپس آنے یا ڈوب یا جلکر ضائع ہو جانے کی خبر لائیڈ کے دفتر میں ہر گھڑی آتی رہتی ہے۔ اور وہ ایک چھوٹے سے اخبار لائیڈس لسٹ میں چھپکر ہر روز مشتہر ہوتی رہتی ہے۔ جب ہم وہاں تھے تو جو لوگ لائیڈ کے انڈر رائٹروں کو ملنا چاہتے تھے۔ اُن کے نام ایک صاحب بلند آواز سے پکارتا تھا۔ کیونکہ اتنی بھیڑ میں سے کسی آدمی کا مل جانا سہل کام نہیں تھا۔

اخبار لنڈن ٹائمز کی قدردانی

لائیڈس میں کپتان کے کمرہ کی اوپر کی دیوار میں ایک سنگ مرمر پر ایک دلچسپ کتبہ کندہ ہے۔ جو اخبار لنڈن ٹائمز کی ایک بیش قدر خدمت کی یادگار ہے۔ ایک دھوکا بازوں کی جماعت جعلی ہنڈیاں لیکر براعظم یورپ پر گھوم رہی تھی۔ جس میں ایک شخص بوگل نامی صراف بھی تھا۔ اس بوگل نے ٹائمز کے مالکوں پر لائیبل کی نالش دائر کر دی۔ اور ٹائمز نے اسے صحیح قرار دیکر خوب ڈیفنس کیا۔ اور کو اس ٹائمز کے برمحل بھانڈا پھوڑ دینے سے دھوکا بازوں کی جماعت کا تو خاتمہ ہوگیا۔ لیکن بوگل کی دعوے میں عدالت سے فیصلہ ٹائمز کے خلاف صادر ہوا۔ اس پر لنڈن کے سوداگروں اور صرافوں نے ٹائمز کی اس خدمت کو نہایت پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ اور اس مقدمہ کے اخراجات ادا کر دینے کے لئے فوراً تجارت پیشہ لوگوں نے چندہ جمع کر دیا۔ مگر ٹائمز کے مالکوں نے اولوالعزمی کے ساتھ یہ رقم لینے سے انکار کیا۔ اور کہا کہ جو کچھ ہم نے

کیا ہے۔ صرف اپنا فرض ادا کیا ہے۔ اسپر چندہ جمع کرنے والوں نے اس رقم سے ٹائمز سکالرشپ" کے نام سے سٹی آف لنڈن سکول کو ایک معقول وظیفہ دے دیا۔ اور ایک کتبہ اس تمام کیفیت پر مشتمل لارڈ میئر کے دفتر میں اور ایک ٹائمز کے دفتر کے دروازہ پر نصب کرا دیا۔ آفرین ہے اخبار ٹائمز کی فرض شناسی اور بے نفسی پر۔ اور صد آفرین ہے لنڈن کے سوداگروں کی قدر دانی اور دور اندیشی پر۔

اخبار لنڈن ٹائمز ہر چند کہ لنڈن میں اب کئی سستے اخبار ٹائمز سے تعداد میں بہت زیادہ چھپتے ہیں۔ لیکن جو عزت ٹائمز کو بوجہ قدامت اور بوجہ زیادہ مالدار ہونے کے حاصل ہے۔ وہ دوسرے کسی اخبار کو حاصل نہیں گو مسٹر سٹیڈ کی رائے ہے کہ اب نئے اخبار ٹائمز کی ضرورت ہے۔ پورانا اخبار بہت زیادہ پورانے ڈھرے پر چلتا ہے۔ تاہم جو عزت اور اعتبار ایک اہل الرائے انگریز کی نظر میں اخبار لنڈن ٹائمز کا ہے۔ وہ کسی دوسرے اخبار کا نہیں۔ اُس کے نام کے گرد مرور مدت۔ خدمات اور رسوخ نے ایک ایسا شاندار خیالی ہالہ پیدا کر دیا ہے جو کسی دوسرے اخبار کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور اسی لئے لنڈن ٹائمز کو "انگلشمین کا براڈ شیٹ" کہتے ہیں اور بوجہ اس کے بعض موقعوں پر زور شور اور وثوق سے اظہار رائے کر دینے کے اسے "تھنڈرر آف دی برٹش سکوٹر" (برٹش سکوٹر کو چے کا گرجنے والا) بھی کہتے ہیں۔

لنڈن میں ایک روز کی سرگذشت لنڈن کے لوگ اسقدر مستعد ہیں کہ جو لوگ باہر سے بھی وہاں جاتے ہیں بقول "ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد" ان پر بھی اس ملک کی آب و ہوا یا اس نواح کا ایسا برقی اثر پڑتا ہے کہ وہ بھی غیر معمولی طور پر مستعد ہو جاتے ہیں۔ یا شائد مسافروں کے پاس وقت تھوڑا اور شغل بہت ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ بہت تنگ ہو

میں مصروف رہتے ہیں۔ میں یہاں اپنی ڈائری سے بطور نمونہ ایک روز کی کیفیت کسیقدر اختصار کے ساتھ درج کرتا ہوں جس سے میرے مندرجہ بالا بیان کی بخوبی تصدیق ہو سکتی ہے۔

"صبح میں ڈیڑھ پینی دیکر تیسرے سٹیشن ونسنگٹن سٹریٹ میں جا اُترا یہاں مکانات کا پتہ بڑی مشکل سے ملتا ہے۔ جب بڑی کوشش سے اس کوچہ میں اور اسی مکان پر پہنچ گیا کہ جہاں پہنچنا تھا تو تب یہی مکان کا پتہ ملا۔ لنڈن عجیب شہر ہے۔ یہاں [illegible] دوکانیں اور مکان اسقدر زیادہ ہیں کہ پاس رہنے والوں کو ہمسایہ کے مکان کا پتہ نہیں ہوتا۔ جب اندر جاکر مالک مطبع کو اپنا کارڈ دیا تو اس نے طبع کے مختلف صیغے دکھانے شروع کئے اس مطبع میں بلا کاپی رائٹ کتابیں۔ بچوں کے پڑھنے کی کتابیں اور مشنریوں کی لکھی ہوئی کتابیں اور چند [illegible] سے چھپتے ہیں جو نہایت سستے بکتے ہیں۔ کئی بڑی بڑی مشینیں چھپنے کے کام میں مصروف ہیں ایک بڑی روٹری مشین بھی کام کر رہی تھی۔ جس کی قیمت تین چار ہزار پونڈ یعنی پچاس ساٹھ ہزار روپیہ [illegible] تھی۔ [illegible] جب [illegible] گول لپٹے ہوئے [illegible] کتاب کی تقطیع کی تہ موڑ کر رکھتی جاتی تھی۔ ...... [illegible] کام [illegible] اور لڑکیاں کرتی ہیں جو ہر کی [illegible] سے [illegible] موڑتی جاتی ہیں۔ اور [illegible] مشینیں کا [illegible] موڑنے [illegible] خود ہی اٹھا لیتی تھی۔ [illegible] ......

مکان کی چوتھی منزل میں جلد بندی کی مشینیں کام کر رہی تھیں۔ چونکہ میں نے جلد بندی بذریعہ مشین [illegible] نہیں دیکھی تھی میں نے [illegible] کو کہا [illegible] یہ کام مجھے اچھی طرح سمجھا [illegible] ...... تصویروں کے بلاک [illegible] بنانے [illegible] لیتا ہے۔ بعض کتابوں کے رنگین [illegible] ہالینڈ سے چھپواتا ہے۔ اور بعض کے

اوراق سنہری بھی باہر سے کرتا ہے۔ مسٹر ہکس نے میری درخواست پر وعدہ
کیا کہ ہالینڈ کے رنگین چھاپنے والے کارخانہ کا نام مجھے بتا دیگا۔ لیکن جب
اُس نے اپنے شریک سے پوچھا تو معلوم نہیں اُس نے کیا کہا۔ کہ اس نے
یہ بہانہ کر کے مجھے ٹال دیا کہ ہماری معرفت ہی تم نے رنگین کام چھپوا لینا۔
کیونکہ ہمیں وہ بہت سستا چھاپ دیتے ہیں۔ یہاں میں نے انگریزی کی
بڑی بڑی کتابیں دیکھیں جو تین تین چار چار پونڈ کی ملتی تھیں۔ اور نئی اور
مجلد تھیں۔ پاس ہی [illegible] کی [illegible] عمارت تھی جس میں انکا مطبع
دفتر اور صنعت و حرفت کے کارخانے تھے ...... پھر اسی اسٹیشن پر سوار
ہو کر واپس [illegible] سٹیشن میں پہنچ گیا۔ اسی گاڑی میں کچھ انگلش مزدور
بیٹھے ہوئے تھے۔ جو ٹوٹی پھوٹی انگریزی بولتے تھے۔ میرے سر پر ترکی ٹوپی
دیکھ کر ایک نے کہا تم ترک ہو [illegible] میں نے کہا میں چھ سال
قسطنطنیہ [illegible] ترکی جانتا [illegible] کیونکہ اُن کے
ملک [illegible] انگریز [illegible] دیکھو یہاں روٹی
سستی [illegible] سٹیشن سے [illegible] کمپنی کی فرنیچر کی دکان
کے پاس سے گذرا۔ [illegible] سے بڑی فرنیچر کی دکان شاید دنیا میں نہ ہوگی۔
اس میں ایشیا کے سب ملکوں کے قالین موجود تھے۔ ایرانی جاپانی اور
ہندوستانی۔ بلکہ ہندوستان کے تو ضلعوں کے نام تھے۔ مثلاً مرزا پوری قالین
[illegible] قالین وغیرہ۔ [illegible] قالین کا نام نہیں دیکھا۔ ممکن ہے
اس فہرست میں کئی وہاں کے بھی ہوں۔ بہت ستھرا اور [illegible] بہت سستا
مال تھا۔ یہاں سے بڑے بڑے ذخیرے جمع کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ لوگوں کو
سستا مال ملتا ہے۔ یہاں سے بس پر سوار ہو کر پکاڈلی گیا۔ ایک پینی
میں بس کا فی لمبا سفر ہوتا ہے۔ یہاں ایک [illegible] سٹوران سے
کھانا کھایا۔ ایک مرغ [illegible] کی قیمت [illegible] (۱۲) [illegible] مرغ

سے ایسے کئی ٹکڑے نکل سکتے ہیں۔ یہاں سے بس پر سوار ہو کر چیرنگ کراس کو گیا۔ راستہ پوچھکر انڈیا آفس میں پہنچا۔ ایک دربان نے مجھے دوسری منزل میں بیجا کر ایک شخص کو کہا جو لفٹ میں بٹھا کر مجھے چوتھی منزل پر لے گیا۔ مسٹر اینڈروز نے جس مسٹر روز کے نام کارڈ دیا تھا۔ اُس کے دفتر سے معلوم ہوا کہ وہ پیرس میں ہے۔ اور اس کی جگہ مسٹر جارج برڈوڈ کام کرتے ہیں انکار اردلی میرا کام پوچھکر مجھے انڈیا آفس کی لائبریری میں لے گیا۔ یہ آفس جو اہل ہندوستان کی قسمتوں کا فیصلہ کرتا ہے بہت لمبا چوڑا ہے گورنمنٹ انگلستان کے تمام دوسرے آفس اور فارن آفس اسی سے ملے جلے ہیں۔ یہ بلاک عالیشان عمارات کا دور تک چلا جاتا ہے۔ اس کی پشت پر ایک بہت بڑا مربع صحن ہے جس کی دوسری جانب فارن آفس تھا۔ اسکی دوسری یا تیسری منزل کی بلندی پر مختلف ممالک مقبوضہ انگلستان اور خصوصاً ہندوستان کے باشندوں کے بت قد آدم یا اُس سے بھی بڑے بنے ہوئے دیواروں کے ساتھ کھڑے ہیں جو چاروں طرف پچاس ساٹھ سے کم نہ ہونگے۔ اب تو یہ بھی عمارت کی طرح سیاہ ہوگئے ہیں۔ لیکن جب بنے ہونگے بہت دلچسپ ہونگے۔ ان دفاتر کے ہوم آفس کا منزل کے پہلو کی پیشانی پر بھی دیوار میں ریلیف کی قسم کے بہت سے ایگوریکل بت بنے ہوئے ہیں۔ غرض جب میں انڈیا آفس کی لائبریری میں پہنچا تو لائبریرین نے مجھے مطلوبہ رپورٹ نکال دی۔ اس وقت اتفاقاً لائبریری میں ہندوستان کے دیسی اخبارات مدراس و بنگال کے ہفتہ وار مضامین کے کانفیڈنشل رپورٹیں رکھ رہا تھا۔ جب میں فارغ ہو کر واپس آیا تو اُسی اردلی نے مجھے راستہ نیچے تک دکھلا دیا۔ میں نے اُس کے ہاتھ میں چھ پنس کا سکہ رکھا تو وہ تھینک یو کہکر لوٹ گیا۔ یہاں سے میں فارن آفس میں پہنچا۔ تاکہ ٹرکی جانے کے لئے پاسپورٹ لوں تو ایک مددگی نے ساتھ بیجا کر مجھے

پاسپورٹ لے دینے کا کمرہ دکھلایا - اِن بڑی عمارتوں یا دوسرے سرکاری یا غیر سرکاری آفسوں کے اردلی تمہیں بڑی خواہش سے اُٹھکر راستہ بتلاتے ہیں - کیونکہ راستے اور کمرے عموماً پیچیدہ ہوتے ہیں - غالباً اس امید پر یہ مستعد آمادگی ظاہر کرتے ہیں کہ انہیں ٹپ ملیگا - جہاں ٹپ دینا مناسب ہو اگر تم نہ دو تو غالباً یہ منہ سے تو نہیں کہتے مگر سخت معیوب سمجھتے ہیں - اور تم جنٹلمین نہیں سمجھے جاتے - کیونکہ ان مہذب ملکوں میں یہ انکا حق سمجھا گیا ہے - فارن آفس کے پاسپورٹ والے افسر نے کہا کہ میرا لاہور سے لیا ہوا پاسپورٹ صرف اس کام آسکتا ہے کہ کلکتہ یا بمبئی میں اس کی مدد سے مجھے پاسپورٹ مل جاتا - جب میں نے اُس کی پشت پر یہ لکھا ہوا دکھلا دیا کہ انڈیا آفس مجھے یورپ کے کسی ملک میں جانے کے لئے پاسپورٹ دے سکتا ہے - تو اُس نے کہا کہ تم انڈیا آفس میں جاؤ - سر ولیم کو یہ دکھلا دو تاکہ وہ دو چار لفظ لکھدیں کہ یہ دستخط کسی افسر کا اس کا غذ پر درست ہے تو میں فوراً تمہیں ایک پاسپورٹ بنا دونگا - میں نے تامل کیا کہ اتنی دور جانا مشکل ہے - اُس نے کہا اِسی احاطہ میں سامنے چلے جاؤ - انڈیا آفس ساتھ ہی ملحق ہے (میں پہلی دفعہ ایک دور کے راستہ سے اوپر سے چکر لگا کر آیا تھا) غرض میں پھر گیا - معلوم ہوا کہ سر ولیم اس وقت کمیٹی میں مصروف ہیں - اُن کے اردلی نے کوشش کرکے وہیں پہنچکر مجھے ایک دو حرفی رقعہ لا دیا - کہ میں واقعی برٹش انڈین رعایا ہوں - افسوس ہے کہ میرے پاس اس وقت دوسرا چھ پینی کا سکہ نہ تھا - اس لئے مجھے مجبوراً اس شخص کو ایک شلنگ دینا پڑا - جو اُس نے تھینک یو کہکر لے لیا - چھ پینی میرے چھوٹے نہ رکھنے کا جرمانہ تھی اور اس شخص نے مجھے اور بھی قریب کے راستہ سے فارن آفس کی طرف اُتار دیا کہ صرف صحن طے کرکے وہاں جا پہنچا - اور فارن آفس کے افسر نے واقعی دو منٹ میں پاسپورٹ لکھدیا - اور دو شلنگ فیس مانگ لی - اور مجھے

نہایت اہلیت اور ہمدردی سے پتہ بتلایا کہ کس پتہ سے میں ترکی کانسل کے
پاس پہنچکر کس طرح اُس سے اس پاسپورٹ پر ویزا یعنے تصدیق کرالوں۔ یا
اگر روس یا رومانیا میں جانا ہو تو وہاں کے کانسلوں مقیم لنڈن سے تصدیق
کرالوں۔ اگر ہندوستان کے انگریز افسر بھی ہم لوگوں سے ایسی اہلیت
اور شرافت کا برتاؤ کریں تو کیسی اچھی بات ہو۔ اس نے مجھے بیٹھنے کو کرسی
دی۔ آتے جاتے ہاتھ ملایا۔ اور اٹھکر اٹلس سے میرا پیرس سے قسطنطنیہ تک
کا راستہ دیکھا کہ کن کن ممالک سے ہوکر گذرتا ہے۔ یہاں سے لوٹ کر
سٹرینڈ کے سرے پر پہنچا تھا کہ ایک شخص نے مجھ سے دریافت کیا کیا میں
مسلمان ہوں۔ اور میرے ہاں کہنے پر السلام علیکم کہکر مصافحہ کیا۔ اُس نے
بتلایا کہ میرا نام آل محمد ہے۔ میں صوبجات متوسط (ہند) کے مقام منڈلا
میں ڈپٹی کمشنر تھا۔ آگرہ کا باشندہ ہوں۔ شروع میں کیمبرج میں تعلیم پائی
تھی۔ اسلئے ہر پانچویں سال انگلستان کو آجاتا ہوں۔ اب انتظام قحط کے
کام میں محنت بہت کی تھی۔ اس لئے بیمار ہوگیا تھا۔ اور اب نوکری
سے قطع تعلق کرکے یہاں آیا ہوں۔ مسٹر آل محمد نے کہا اگر تمہیں عذر نہ ہو۔
تو پاس ہی میرا کلب ہے۔ وہاں چلکر بیٹھیں۔ میں ساتھ ہولیا۔ اتنے میں
ایک اور نوجوان ملا جسے مسٹر آل محمد نے کہا یہ میرا چچیرا بھائی ہے جو بار
میں تعلیم پاتا ہے۔ ہم سب نیشنل لبرل کلب میں پہنچے۔ کلب کی کتاب میں
نام لکھکر لفٹ کے ذریعہ دوسری منزل میں گئے۔ بڑے بڑے گدوں کی
آرام کرسیاں اور بہت سے کوچ پڑے تھے۔ جنپر کئی لوگ بیٹھے ہوئے چائے
پینے یا اخبار پڑھنے یا اونگنے میں مصروف تھے۔ مجھے تعجب ہوا کہ یہاں بھی
بعض لوگوں کو دن میں اونگھنے کی فرصت مل جاتی ہے۔ یہاں ہمنے بھی چائے
پی...... دوران گفتگو میں میرے میزبان نے کہا کہ پیسہ اخبار تو بہت مشہور
اخبار ہے۔ ایک دفعہ میرے برخلاف بھی اس میں چھپا تھا جبکہ میں ڈپٹی کمشنر

تھا۔ اور اس کے چچیرے بھائی نے کہا کہ میں خود اِسے خرید لاتا تھا۔ میں نے
اجازت مانگی تو وہ خود نیچے تک ساتھ آکر چھوڑ گیا۔ یہاں سے میں پیدل فلیٹ
سٹریٹ میں مسٹر جان ڈکنسن کے دفتر میں پہنچا۔ اور اس کے منیجر مسٹر لیوی سے
کاغذ کی قیمتیں دریافت کیں۔ اُس نے حساب کر کے بتلایا کہ انگلستان
میں ۱۵ پونڈ کے ریم سے باریک کاغذ تو بنتا ہی نہیں۔ اور جو بنتا ہے تو
گراں بنتا ہے۔ کیونکہ اس پر زیادہ محنت خرچ ہوتی ہے۔ اور اس کاغذ کی
قیمت پونے دو پنس فی پونڈ نٹ بتلائی۔ اس کے علاوہ ۲۵ شلنگ فی
ٹن پیکنگ اور لنڈن میں جہاز پر بار کرنے کا خرچ بتلایا۔ اور خود ہی کہدیا
کہ میں جانتا ہوں کہ وہی پرانی کہانی انگلستان میں مال کی گرانی کی دہرائی
پڑے گی۔ مگر مال عمدہ ہوگا۔ صبح والے مسٹر ٹکس نے اسے ٹیلیفون سے
پہلے ہی میری نسبت خبر کر دی تھی۔ ٹیلیفون کتنے آرام کی چیز ہے۔ خصوصاً
تجارت کے لئے تو ایک برکت ہے۔ یہاں سے مسٹر ڈی جے کیمرا اینڈ کمپنی کے
بلیک فرائرس میں گیا۔ اور ان سے لیتھو گراف چھاپنے کی مشینوں وغیرہ کے متعلق
بات چیت کی ...... یہاں سے مسٹر ٹامس کک اینڈ سنز ٹورلیٹ ایجنٹس
کے دفتر سے اپنے خطوط لیکر بعض کا وہیں جواب بھی لکھا۔ اور اپنے ہوٹل
کو لوٹتے ہوئے راستہ میں ویجیٹیرین رسٹوران سے کھانا کھایا۔ قریب
سوا گھنٹہ کے ہوٹل کے ریڈنگ روم میں بیٹھکر لنڈن کے پوسٹ آفس ڈائرکٹری
سے کچھ پتے تلاش کئے ...... تین لیڈیاں بھی اسی کمرہ میں بیٹھی اخبارات
پڑھ رہی تھیں۔ جو پالیٹکس کی ذرہ ذرہ بات سمجھتی تھیں۔ اور انٹرنیشنل لا پر
خوب گفتگو کر رہی تھیں۔ معلوم نہیں ہندوستان کے لوگ کب اخبارات
اس دلچسپی سے پڑھنے لگیں گے۔ باہر سے واپس آنے پر اسی ...... ایک
ہندوستانی طالب علم ملا مجھے ایک رقعہ ملا۔ کہ جس نے پہلی ملاقات پر مجھ سے
کچھ شلنگ قرض لئے تھے۔ وہ مجھے صبح سے چار مرتبہ یہاں دیکھ گیا ہے۔

اسے تنخواہ میں پھیر گیا۔ اور کہا کہ ابھی میرا خرچ گھر سے نہیں آیا۔ مجھے دو شلنگ اور دیدو۔ پھر بحث کے بعد مجھے ماننا پڑا۔۔۔۔۔ اس نے مجھے کہا کہ ابھی شام سے کیوں مکان پر پڑ رہے ہو۔ چلو لنڈن کی لائف دیکھو مگر میں نہ جا سکا۔ جب دوپہر کو میں انڈیا آفس سے واپس آ رہا تھا تو اُسی قطار دفاتر میں ایک سرکاری دفتر کے سامنے ایک دروازہ پر ایک اعلان حضور ملکہ معظمہ کی طرف سے چسپاں تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ آئندہ اُن کی رعایا نے انگلستان کسی ایسے ملک کو اسلحہ جنگ نہ بھیجا کرے جہاں وہی اسلحہ اُن کی رعایا یا فوج کے خلاف استعمال کئے جانے کا اندیشہ ہو۔ جیسا کہ آجکل ہو رہا ہے۔ ورنہ جہاں گورنمنٹ ایسے اسلحہ کا بھیجا جانا مناسب نہ سمجھے گی۔ وہ روک دے گی۔ اس اعلان کے پاس دروازہ کے قریب ہی ایک سپاہی پوری وردی پہنکر اور ہاتھ میں نیزہ تھامے گھوڑے پر سوار کھڑا تھا۔ اسی طرح ایک دوسرے دروازہ پر اعلان چسپاں تھا۔ اور شیخ سوار اس کے پاس بُت کی طرح کھڑا تھا۔ معلوم نہیں یہ سوار اس شاہی اعلان کی عزت کے لئے یا اس دفتر کی خدمت کے لئے ڈیوٹی پر تعینات تھے۔ راستہ میں ایک مکان تعمیر ہوتا دیکھکر مجھے خیال ہوا کہ ہندوستان کے مکانات کی طرح یہاں مزدوروں کو چار پانچ منزلوں تک تو ایک ٹیڑھا سیڑھی لیکر نہیں چڑھنا پڑتا۔ گو یہاں بھی ایک مستقل قسم کی پاڑ باندھی جاتی ہے جو غالباً تعمیر شروع ہونے سے پہلے ہی بنائی جاتی ہے۔ لیکن پھر اس کے اوپر کرین رکھکر ہر قسم کا مصالحہ اور اینٹیں اُٹھائی جاتی ہیں۔ جو بڑے آرام کی بات ہے۔ معمار بازار میں پہلے لکڑی کا پردہ بازار کی طرف سے اوٹ کے طور پر کھڑا کر لیتے ہیں۔ پھر اس کے پیچھے کام شروع کرتے ہیں تاکہ راہ رو انہیں دیکھ سکیں۔ کک صاحب کے دفتر سے نکلکر مجھے پیشاب کی حاجت معلوم ہوئی۔ سامنے زیر زمین یورینل ہے (یہاں کئی بازاروں کے چوکوں میں مردوں اور عورتوں کے لئے الگ الگ

زیر زمین ٹٹیاں یا پیشاب خانے ہیں) یہاں پیشاب کے لئے ایک ہی قطار ٹٹیوں کی تھی۔ صرف بیچ میں چھوٹے چھوٹے پردے تھے یعنے ستر گاہ تک سے۔ کمر کے اوپر سے سب لوگ ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔ پہلے تو مجھے حجاب معلوم ہوا لیکن جب ہر شخص ایک ہی بات کرتا ہو تو کسی کی بات نرالی نہیں معلوم ہوتی۔ البتہ پاخانہ کی ٹٹیاں بند دروازہ کے اندر ہیں۔ ان پیشاب کی ٹٹیوں پر ہر وقت پانی گرتا رہتا ہے۔ جس سے عفونت بالکل پیدا نہیں ہوتی۔ پیرس میں پیشاب کے لئے سر بازار چھوٹے چھوٹے خوبصورت آہنی پنجرے۔ بنے ہوئے ہیں۔ جنہیں وہاں کو شک کہتے ہیں۔ یہاں پردہ کا بہتر انتظام ہے۔ ایک ستون کے گرد پانچ چھ آدمی کھڑے ہو کر پیشاب کر سکتے ہیں۔ ایسے طور پر کہ ہر دو شخصوں کے درمیان ایک آہنی پردہ حائل ہوتا ہے۔ جس سے کسی کو دوسرا نظر نہیں آتا۔ اور نہ کپڑے پر پیشاب کی چھینٹیں پڑتی ہیں۔ ان میں بھی ہر وقت پانی جھرتا رہتا ہے۔ اور نیز انکے اندر خفیہ امراض اور قوت وغیرہ کے اشتہار چسپاں رہتے ہیں۔ لنڈن کی ٹٹیوں میں ایسے اشتہار نہیں تھے۔

انگلستان میں تعلیم نمائش پیرس کے لئے انگلستان نے جو رائل کمشن مقرر کیا تھا۔ اور اس کے صیغہ تعلیم کی سب کمیٹی نے تعلیم انگلستان پر ایک جامع رپورٹ لکھی تھی۔ اُس میں سے میں کسیقدر تفصیل کے ساتھ ذیل میں انگلستان کے ادنے اعلےٰ اور ٹکنیکل وغیرہ اقسام تعلیم کی کیفیت درج کرتا ہوں۔ گو یہاں یہ حالات طویل معلوم ہونگے لیکن فائدہ سے خالی نہیں۔ واضح رہے کہ انگلستان بھی یورپ کے اُن ممالک میں شامل ہے کہ جہاں بچوں کی جبری یا لازمی تعلیم کا قانون جاری ہے۔ اور واقعی آج جو ملک تہذیب اور شائستگی میں ترقی کرنا چاہے۔ اُسے جبری تعلیم کے سوائے چارہ نہیں۔ چنانچہ لنڈن میں تعلیم کا انتظام جس سکول بورڈ کے

ہاتھ میں ہے۔ اُسے اتنے بڑے شہر کے لاکھوں بچوں کی تعلیم کے لئے بہت
بڑا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ پانچ سے بارہ سال تک یا بعض حالتوں میں چودہ
سال کی عمر سے چھوٹا کوئی لڑکا یا لڑکی تعلیم سے محروم نہیں رہ سکتی۔ قانوناً
ان سے ابتدائی تعلیم کے لئے کوئی فیس بھی نہیں لیجاتی۔ کیونکہ ابتدائی
تعلیم ہر فرد رعایا کو مفت بہم پہنچانا گورنمنٹ کا فرض سمجھا گیا ہے۔ بلکہ انگلستان
میں تو یہ مسئلہ بھی آجکل در پیش ہے کہ غریب لوگوں کے بچوں کو کہ جنہیں
پیٹ بھر کر کھانا والدین نہیں دے سکتے۔ سکول کے وقت میں کھانا بھی
سرکار کی طرف سے ملنا چاہئے۔ حقیقت میں وہاں اس اصول پر حکومت
کی جاتی ہے کہ رعایا خود اپنی بادشاہ ہے۔ اور ٹکس دینے والے اپنی آپ
خود حکومت کرتی ہے۔ یعنے حکومت کے مختلف کاموں کے انتظام کے
لئے وہ لوگ مختلف اوصاف کے ممبر منتخب کرتے ہیں۔ اور وہ ممبر اپنے
منتخب کرنے والوں اور دوسرے اہل ملک کی سہولیت اور رفاہ کو مدنظر
رکھکر انتظام حکومت کرتے ہیں۔ ورنہ مفلس بچوں کو سکول میں کھانا دینے
یا ملک کے محتاجوں یا ایسے بوڑھے مردوں اور عورتوں کے لئے جو اپنا انتظام
خود نہیں کر سکتے ورک ہوس بنانے یا انہیں سرکاری خزانہ سے پنشنیں دینے
کی تجویز کرنے کے اور کیا معنے ہو سکتے ہیں۔

ایلیمنٹری یا ابتدائی تعلیم

بہرحال لنڈن سکول بورڈ کے ماتحت سکولوں میں
سنہ ۱۸۹۰ء میں ساڑھے چار لاکھ کے قریب بچے بڑھتے تھے۔ اور قریب تین
لاکھ کے بچے لنڈن کے دوسرے سکولوں میں تعلیم پاتے تھے۔ کیونکہ اب تک ان
والنٹری یعنے پرائیویٹ سکولوں سے کچھ مدرسے چلے آتے ہیں جو سکول
بورڈ قائم ہونے سے پہلے جاری تھے۔ اور اب تک سکول بورڈوں کے اسی
کی طرح ان کے خرچ کا کچھ حصہ بھی شاہی خزانہ سے ملتا ہے۔ سکول بورڈ
کو اہل شہر کی تعلیم کے لئے ایک قسم کا ریٹ یا ٹکس وصول کرنے کا اختیار

ہے۔ جو ۱۸۹۹ء میں شہر لنڈن سے ساڑھے بیس لاکھ پونڈ یا پونے چار کروڑ ہندوستانی روپیہ کے قریب وصول ہوا تھا۔ سکول بورڈ نے اپنے زمانہ قیام ۱۸۷۰ء سے لیکر ۱۸۹۹ء تک قریب پانسو کے نئے مدرسے لنڈن میں قائم کئے۔ اور ان مدرسوں میں صرف ساتویں سٹینڈرڈ و جماعت تک تعلیم دی جاتی ہے۔ اور چودہ سال سے کم عمر کا کوئی لڑکا جب تک کہ وہ ساتواں سٹینڈرڈ پاس نہ کرلے لنڈن میں فارغ نہیں رہ سکتا۔ انفنٹ کلاس میں تین سے سات سال تک کے بچے تعلیم پاتے ہیں۔ جنہیں کنڈر گارٹن کے اصولوں پر تعلیم دی جاتی ہے۔ اور لکھنے پڑھنے کے علاوہ اسباق الاشیا کے ساتھ گانا اور جسمانی ورزش بھی سکھلائے جاتی ہے۔ اور لڑکیوں کے سوائے چھوٹے لڑکوں کو بھی سوزن کاری کا کام سکھلایا جاتا ہے۔ اور ورزش لازمی ہے۔ ان سے بڑے لڑکوں کو انگریزی زبان کا لکھنا پڑھنا۔ حساب نقشہ کشی لڑکوں کو اور سلائی لڑکیوں کو جغرافیہ (معہ اسباق الاشیا) تاریخ۔ گانا۔ جسمانی ورزش اور کوئی زائد مضمون مثل الجبرا لڑکوں کو اور امور خانہ داری لڑکیوں کو یا فرنچ جرمن اقلیدس شارٹ ہینڈ وغیرہ بھی بشرطیکہ مدرسہ میں سکھلانے کا انتظام ہو۔ انگلستان کے ان ابتدائی مدارس میں ۱۹۰۰ء میں (۲۷۲۳۳) مرد (۶۹۱۳۹) عورتیں نائب مدرس تھیں کہ جنہوں نے ایک آدھ امتحان پاس کیا تھا۔ ان کے علاوہ (۱۵۴۷۶) زائد اُستانیاں تھیں کہ جنہوں نے کوئی امتحان تو پاس نہیں کیا تھا۔ مگر انسپکٹر نے انہیں منظور کیا ہوا ہے (۴۹۰۲) لڑکے اور (۲۲۵۷۸) لڑکیاں پیوپل ٹیچر۔ اور (۴۹۸) لڑکے اور (۱۸۷۹) لڑکیاں پروبیشنر تھیں۔ ان اعداد سے نمایاں ہے کہ انگلستان کی ابتدائی تعلیم میں بجائے اُستادوں کے اُستانیوں سے کس قدر کام لیا جاتا ہے۔ اور واضح رہے کہ دن بدن اُستانیوں کی تعداد اُستادوں کی نسبت بڑھ رہی ہے۔

سیکنڈری تعلیم

سکول بورڈ نے اپنی ایلیمنٹری سکولوں کے ساتھ ہائر گریڈ
سکول بھی قائم کئے ہیں۔ کہ جہاں لڑکے تھوڑی سی فیس دیکر وسطی درجہ کی
تعلیم حاصل کر سکتے ہیں جو ہندوستان کے ہائی سکولوں کے برابر مگر اُن سے
اچھی ہوتی ہے۔ بورڈ سکولوں سے فارغ ہوکر ہزاروں لڑکے تعلیم چھوڑ دیتے
ہیں۔ کیونکہ انہیں اور اُن کے والدین کو روٹی کمانے کی فکر دامنگیر ہوتی ہے
مگر چونکہ اِن لوگوں کی تعلیم بہت ادھوری ہوتی ہے۔ اس لئے اُن کی تعلیم
کو ترقی دینے کے لئے شہر لنڈن میں جا بجا "کونٹی نوایشن کلاسز" دن کے
مختلف اوقات میں یا شام کو کھلتی ہیں۔ لنڈن سکول بورڈ کی ایوننگ
"کونٹی نوایشن کلاسز" کے علاوہ ٹکنیکل ایجوکیشن کمیٹی کی جماعتیں بھی کھلی
ہوئی ہیں۔ جو کونٹی کونسل کی مدد سے چلتے ہیں۔ اِن کے علاوہ کئی ایک
پالی ٹکنکس ہیں کہ جن میں نقشہ کشی کمسٹری دھاتوں کے کام۔ کئی ایک آرٹ
اور سائنس اور غیر زبانیں سکھلائی جاتی ہیں۔ اِن میں سے چند بڑے بڑے
یہ ہیں۔ ریجنٹ سٹریٹ پالی ٹکنکس۔ بارو روڈ پالی ٹکنک۔ ساؤتھ ویسٹرن
پالی ٹکنک اور برک بک انسٹی ٹیوشن ہیں۔ اِن مدارس سے زیادہ تر غرض
یہ ہے کہ جو لڑکے دن بھر باقاعدہ تعلیم نہیں پا سکتے۔ وہ یہاں کے تجربہ کار
اُستادوں اور قیمتی آلات کی مدد سے آئندہ زندگی کے لئے بہت سے پہلوؤں
میں اپنی علمی اور دستکاری کے استعداد بڑھا سکتے ہیں۔ سیکنڈری تعلیم
کے متعلق اہل انگلستان کی بڑی خواہش خواہ مذہبی تعلیم کے خیال سے یا
ذاتی آزادی کے لحاظ سے ہمیشہ یہ رہی ہے کہ یہ باب تعلیم کا انتظام سرکار
کے ہاتھ میں نہ چلا جائے۔ سیکنڈری سکول زیادہ تر اوقاف اور عطیات پر
قائم ہیں۔ اِن میں سے بعض تو بہت قدیم اور بڑے بڑے دولت مند ہیں
اور بعض کا گذارہ بمشکل چلتا ہے۔ خصوصاً جن بعض کے اخراجات کا بعض
اراضیوں کی آمدنی گذارہ ہے۔ انہیں خشک سالی کے زمانوں میں بہت تکلیف

ہوتی ہے۔ بعض شرائط کے ساتھ ان مدارس کو سرکاری امداد بھی ملتی ہے۔ مثلاً اگر یہ سائنس کی تعلیم کا سامان بہم پہنچائیں۔ اور لیبورٹریاں قائم کرلیں تو گورنمنٹ کا سائنس و آرٹس ڈیپارٹمنٹ انہیں مدد دیتا ہے۔ یا اگر کچھ ٹکنیکل تعلیم کا انتظام کریں تو کونٹی کونسلیں ٹکنیکل تعلیم کے ماتحت مدد کر دیتی ہیں۔ انگلستان میں بڑے بڑے نامور پبلک سکول کہ جن میں سیکنڈری تعلیم دی جاتی ہے۔ ہیرو۔ ونچسٹر۔ ویسٹ منسٹر۔ چارٹر ہوس۔ رگبی۔ سٹی آف لنڈن سکول۔ کرائسٹ ہاسپٹل وغیرہ ہیں۔ جن میں ونچسٹر سنہ ۱۳۸۲ء سے جاری ہے۔ اور سینٹ پال سنہ ۱۵۰۹ء سے ہے۔ اور کون دوسرا ملک ہے جو اتنی پرانی مگر اعلےٰ پایہ کی تعلیم گاہیں کھلا سکتا ہے۔ کیمبرج اور آکسفورڈ یونیورسٹیاں تیرھویں صدی سے قائم ہیں۔

اعلےٰ تعلیم

انگلستان میں اعلےٰ ترین تعلیم کے دونوں مرکز آکسفورڈ اور کیمبرج ہیں۔ پہلے کے ساتھ ۲۲ کالج وہال علاوہ ۴ پرائیویٹ ہالوں کے اور دوسرے کے ساتھ ۱۷ کالج اور ایک ہوسٹل متعلق ہے۔ یونیورسٹی آف ڈرہم سنہ ۱۸۳۱ء سے قائم ہوئی۔ اس کے ساتھ ایک کالج آف میڈیسن اور سنہ ۱۸۷۱ء سے نیوکاسل میں ایک کالج آف سائنس متعلق ہے۔ لنڈن یونیورسٹی گو سنہ ۱۸۳۶ء سے قائم ہے۔ لیکن سنہ ۱۹۰۰ء سے اس نے علاوہ امتحان لینے کے تعلیم دینے کا کام بھی شروع کیا ہے۔ اور اس میں ۲۵ کالج یا سکول شامل ہو گئے ہیں جو آٹھ فیکلٹیوں میں تعلیم دیتی ہے۔ وکٹوریا یونیورسٹی سنہ ۱۸۸۰ء میں قائم ہوئی۔ برمنگھم یونیورسٹی سنہ ۱۹۰۰ء میں لیورپول یونیورسٹی سنہ ۱۹۰۳ء میں اور لیڈس یونیورسٹی سنہ ۱۹۰۴ء میں شفیلڈ میں بھی ایک یونیورسٹی قائم کرنے کی تیاری ہے۔ یونیورسٹی آف ویلز جو سنہ ۱۸۹۳ء میں قائم ہوئی۔ اس کے ساتھ تین کالج ہیں۔ سکاٹلینڈ میں چار یونیورسٹیاں ہیں۔ گلاسگو میں سینٹ اینڈریوز سنہ ۱۴۵۰ء میں قائم ہوئی۔ ایبرڈین میں

سنہ ۱۹۰۲ء میں ۔ایڈنبرگ میں سنہ ۱۹۰۲ء میں۔ کارنیگی ٹرسٹ سنہ ۱۹۰۱ء میں ہیں لاکھ پونڈ کے سرمایہ سے قائم ہوا جس کی غرض سکاٹلینڈ میں یونیورسٹی کی تعلیم کو ترقی دینا ہے۔ اس کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ پونڈ ہے۔ اور سنہ ۱۹۰۳ء کے سرما میں اس نے (۳۰۲۰) طلبا کی فیس (۳۰۵۱۱) پونڈ ادا کی۔ آئرلینڈ میں ڈبلن یونیورسٹی سنہ ۱۵۹۱ء میں قائم ہوئی۔ اور رائل یونیورسٹی آف آئرلینڈ سنہ ۱۸۸۰ء میں جس ملک کی کل آبادی چار کروڑ ہے۔ اس میں اعلےٰ تعلیم کا اس قدر انتظام ہے۔ تو کیا ہیں کروڑ ہندوستانیوں کے لیئے یہی پانچ یونیورسٹیاں کافی ہیں۔ اور اگر ایک دو ڈی نامی ٹیکنیکل یونیورسٹیاں اور قائم ہو جائیں تو کونسی بات ہے۔

زنانہ تعلیم سنہ ۱۸۶۹ء سے پہلے انگلستان میں لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام بہت ناکافی تھا۔ اس وقت سے لیکر سنہ ۱۹۰۰ء تک اسی سکول چیریٹی کمشنروں نے تمام ملک میں قائم کئے۔ گرلس پبلک ڈے سکول کمپنی نے جو سنہ ۱۸۷۲ء میں قائم ہوئی تھی۔ دو مس ایجوکیشن یونین کی امداد سے سنہ ۱۹۰۰ء تک ۳۴ سکول قائم کر لئے تھے۔ اور جب کہ آکسفورڈ میں سنہ ۱۸۸۴ء سے اور کیمبرج میں سنہ ۱۸۸۱ء سے اور نیز لنڈن اور وکٹوریا یونیورسٹیوں میں لڑکیوں کو ڈگری کے امتحانات میں شامل کرنا منظور کیا گیا ہے۔ اعلےٰ تعلیم نسواں کو انگلستان میں بہت ترقی ہوئی ہے۔

ٹکنیکل تعلیم سنہ ۱۸۸۰ء سے پہلے انگلستان میں ٹکنیکل تعلیم کی حالت نہایت پست تھی۔ اس وقت ملک کے دور اندیش لوگوں نے محسوس کیا۔ کہ دستکاری اور صنعت وحرفت میں غیر قوموں کا مقابلہ بہت سخت ہو گیا ہے۔ اور ٹکنیکل تعلیم کا ایکٹ پاس ہوا۔ اس میں ٹکنیکل تعلیم کی تعریف اس طرح کی گئی تھی۔ "سائنس و آرٹ کے اصولوں کی تعلیم جو دستکاریوں کے حق میں مفید ہو۔ اور سائنس اور آرٹ کی خاص شاخیں جو خاص

خاص دستکاریوں اور حرفتوں کے لئے مفید ہوں"۔ چنانچہ گورنمنٹ کی سررشتہ سائنس و آرٹ نے اس تعریف میں سوائے علمی زبانوں کے اور تمام حرفتوں اور پیشوں کی تعلیم شامل کرلی ہے۔ غرض اس ایکٹ کے مطابق تمام انگلستان کی کونٹی اور بورو کونسلوں نے گورنمنٹ کی سررشتہ سائنس و آرٹ کے ماتحت ٹکنیکل تعلیم کی کمیٹیاں قائم کرلیں سنہ ۱۹۰۳ء تک ۱۱۹ کونٹی بورڈوں میں سے ۴۴ نے اپنے یہاں ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ قائم کرلئے۔ ان میں سے تین کونٹیوں نے (۱۵۰) ایسے سکول اپنے یہاں جاری کئے۔ صرف اس سال لنکے شائر میں (۱۹) اور یارک شائر میں (۱۷) قائم ہوگئے یا ہوچکے تھے۔ اس لئے اسی ایکٹ کے رو سے (۲۱۵) سیکنڈری سکولوں نے سائنس کی تعلیم کا انتظام کرلیا۔ اور اسی قدر فزیکل کیمیکل لیبوریٹریاں قائم کرلیں اور ۷۷ ورکشاپ دستکاری کی تعلیم کے لئے تیار ہوگئے۔ ان کے علاوہ (۱۸) نئے سیکنڈری ہائر گریڈ سکول سائنس کی ضروری شاخوں کی تعلیم کے لئے قائم ہوگئے۔ جن پر (۷۶۴۴۳۹) پونڈ خرچ پڑا۔ جس میں سے اڑھائی لاکھ پونڈ صرف لنڈن نے خرچ کیا۔ لنڈن میں ٹکنیکل تعلیم صرف پالی ٹکنکس سکولوں کے ذریعہ دی جاتی ہے۔ کہ جن کا پہلے ذکر ہوچکا ہے۔ یہ حسب ذیل آٹھ سکول ہیں۔ بیٹرسی۔ بارورو۔ سٹی (برک بیک انسٹی ٹیوشن اینڈ سٹی آف لنڈن کالج) ناردرن۔ ریجنٹ سٹریٹ۔ ساؤتھ ویسٹرن۔ ووریچ اور نارتھمپٹن انسٹی ٹیوٹ۔ ان میں سے اکثروں میں ڈے سکول بھی جاری ہیں۔ لیکن عموماً شام کی کلاسیں زیادہ تر مختلف پیشے اور حرفے سکھلانے کا کام کرتی ہیں۔ بارورو پالی ٹکنک میں سنہ ۱۹۰۴ء میں نیشنل سکول آف بیکری (طباخی) اور ریجنٹ سٹریٹ پالی ٹکنک میں گاڑیاں بنانے کا ڈے سکول قائم ہوا کسی میں فزیکل ڈیپارٹمنٹ کسی میں کیمیکل انجینیرنگ الکٹرو کمسٹری میٹلرجی۔ ڈومسٹک اکانومی وغیرہ کے کورس سکھلائے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ کئی چھوٹے

ہرٹ سکول اور ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ ہیں۔ تعمیرات کے پیشے کی مختلف شاخوں میں اسقدر ترقی ہو رہی ہے کہ صرف ۱۹۳۸ء میں گولڈ سمتھ انسٹی ٹیوٹ اور ایسٹ لنڈن ٹیکنیکل کالج (پیپلز پیلیس) کے علاوہ صرف پالی ٹکنیک سکولوں میں بائیس سو طلبا نے بحساب دو گھنٹے روزانہ کے یہ کام سیکھے۔ اور مندرجہ بالا دونوں مدارس میں اور پانچ سو طلبا نے بھی پیشے سیکھے۔ واضح رہے کہ "تعمیرات" میں نجاری۔ معماری۔ سنگتراشی۔ آہنی نلکے لگانا پلاسٹر کرنا۔ نقاشی رنگ سازی سب کام شامل ہیں۔ صرف ۱۹۳۸ء میں چالیس ہزار پونڈ وظائف صنعت و حرفت کی تعلیم کیلئے شوق دلانے کیواسطے بتفصیل ذیل خرچ کیے گئے:-

۶۰۰- ابتدائی اضلاع کے وظائف
۷۰- وسطی اضلاع کے وظائف
۵- سینئر اضلاع کے وظائف
۴۰- سکول آف آرٹس کے وظائف
۱۰۰- جونیئر دستکاروں کے شام کی جماعتوں کے وظیفے۔
۱۲۰- شام کے وظائف سائنس اور ٹکنالوجی میں۔
۲- باغبانی کے وظیفے
۳- ابتدائی عملی باغبانی کے وظائف
۹- ڈومسٹک ایکانومی کی تربیت کے وظیفے
۵۵۴- جونیئر ڈومسٹک ایکانومی کی تربیت کے وظیفے۔

کئی ایک کالجوں میں اعلیٰ ٹکنیکل تعلیم کے شعبے قائم ہیں۔ زراعت کی تعلیم کے لئے کالج اور جماعتیں مخصوص ہیں۔ کہ جن کی تفصیل کی گنجائش نہیں۔ علاوہ بہت سے ٹکنیکل مدارس کے لنڈن میں سب سے بڑا ٹکنیکل کالج سٹی اینڈ گلڈز آف لنڈن انسٹی ٹیوٹ ہے۔ اس کے سنٹرل ٹکنیکل کالج کے

علاوہ ایک ٹکنیکل کالج میں ۲۵ پروفیسر اور (۹۳۶) طالب علموں کے گروہ ۲ ہشام سیکھتے ہیں۔ اور سکول آف ٹکنیکل آرٹس میں ۵ مدرس اور (۱۲۵) طلبا۔ لیبر (دھوبنے کے) ٹریڈس سکول میں ۱۶ مدرس اور (۱۲۰۰) طلبا ۱۹۰۸ء۔۱۹۰۹ء میں ٹکنیکل امتحانات کے نتائج پر اس کالج نے (۲۶۳) انعام تقسیم کئے تھے (۲۱) چاندی اور (۱۵۷) برنجی تمغے۔ (۴۸۲) پونڈ کے نقد انعام۔ اس سے ظاہر ہے کہ کس کوشش اور جد وجہد سے انگلستان اپنی ٹکنیکل تعلیم کی کمی پوری کر رہا ہے۔ اور ابھی لارڈ روزبری چاہتے ہیں کہ برلن کے عظیم الشان پالی ٹکنیکم کے نمونہ پر انگلستان میں ایک کالج بنانا ضروری ہے۔

لنڈن سے واپسی اور پیرس سے قسطنطنیہ تک

مقبضہ سعی ست کلید در روزی — خیر از کشش طفل دبستان بدمند
جہد کن تا نور تو رخشاں شود — تا سلوک و خدمتت آسان شود
ہمچو آہن ز آہن بد رنگ شو — در ریاضت آئینہ بے زنگ شو
ہر کہ رنجے دید گنجے شد پدید — ہر کہ جہدے کرد در صدرے رسید
(رومی)

سچ ہے العبد یدبر واللہ یقدر۔ ابھی لنڈن میں بعض مقامات مثل پارلیمنٹ وغیرہ کا دیکھنا اور بعض اشخاص سے ملاقات کرنا باقی تھا بلکہ بعض سے دعوتوں اور ملاقاتوں کی قرار دادیں ہو چکی تھیں کہ یکایک کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ بجائے لنڈن سے واپس چلے جانے کا ارادہ

کر لیا۔ کچھ دکانوں سے میں نے دو تین بکس کتابوں کے خریدے تھے۔ یہ کام میں نے اپنے ایجنٹ کو سپرد کر دیا کہ وہ کتابیں جمع کر کے لاہور کو روانہ کر دے اور میں ۲۷۔ اگست سنہ ۱۹۰۸ء کی شام کو ہوٹل کا بل ادا کر کے اور ہوٹل کے بعض ملازموں کو کچھ انعام دیکر وکٹوریہ سٹیشن سے ریل پر سوار ہو گیا بوجہ نمائش پیرس ہجوم بہت تھا۔ یہ لوگ کس قدر سفر کرتے ہیں۔ عورتیں مردوں سے کم تفریحی سفر نہیں کرتیں۔ اور اس لئے سٹیشنوں اور بازاروں کے ہجوم میں مرد اور عورتیں بخلاف بلاد مشرق بالکل مخلوط ہوتی ہیں۔ میں ابھی گاڑی سے باہر کھڑا تھا کہ دو نوجوانوں نے مجھ سے پوچھا تم عربی بول سکتے ہو میں نے کہا کسیقدر۔ انہوں نے کہا یہ بڑھیا لیڈی جو ہمارے ساتھ ہے سوائے عربی کے کوئی زبان بول نہیں سکتی۔ اور اب پیرس کو جا رہی ہے۔ ذرا اسے جہاز پر سوار کرا دینا اور اتار لینا۔ میں نے امداد کا وعدہ کر لیا۔ جب انگلش چینل پر پہنچے تو میں اُسے ساتھ لے کر کشتی پر گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بوجہ پیچھے رہ جانے کے مجھے جہاز پر بیٹھنے کو جگہ نہ ملی۔

[illegible] والوں کا عجیب نظارہ

سمندر آج بہت متلاطم تھا۔ اور ایسی حالت میں جو جہاز میں لیٹ جاتے ہیں وہ قے کم کرتے ہیں۔ مگر اس وقت کم و بیش سب لوگ قے کر رہے تھے۔ میں نے بھی دو تین مرتبہ قے کی۔ یہ عجیب وقت تھا۔ گرد و پیش ہر طرف سے قے کی صدا آ رہی تھی۔ جہاز کا سٹیورڈ ہر شخص کو قے کرنے کے برتن لا لا کر دیتا جاتا تھا۔ میں نے تختہ جہاز پر قے کر دی۔ جس پر اس نے قے پر تولیا ڈال دیا۔ اور بڑبڑاتا ہوا میرے لئے بھی ایک برتن اُٹھا لایا۔ ۲۸ کی صبح کو تین بجے جہاز نے لنگر کیا۔ اور ہم فرانس کی سرزمین پر اتر پڑے۔ ساڑھے سات بجے ریل پیرس پہنچی۔ کسٹم والوں نے اسباب کا معائنہ کیا۔ میرے ایک فولادی ٹرنک کا کہ جسے لنڈن سے بک کرا دیا تھا۔ تالا ٹوٹا ہوا اور رسوں سے باندھا

ہوا ملا۔ لیکن اُس میں سے کچھ نقصان نہیں ہوا تھا۔ سٹیشن سے گاڑی لیکر سیدھا مصطفیٰ خلیل آفندی کے مکان واقعہ سکے سینٹ چپل پر پہنچا کیونکہ اُس نے پچھلی دفعہ کہا تھا کہ اگر تم میرے قریب کے کسی ہوٹل میں ٹھیرتے تو تمہیں سہولیت ہوتی۔ پھر مسٹر مین سے ملاقات کی۔ اور اُسکے بعد دن بھر ملنے نمائش پیرس کے بعض حصوں کی سیر میں صرف کیا۔ چیز

نمائش پیرس پر آخری نظر

لنڈن میں ایک ماہ کے قیام میں ہندوستان کی تماشہ والی کمپنی پیرس سے کام بند کرکے چلی گئی تھی۔ سب پہلوان اور تماشہ گر لوٹ گئے تھے۔ میں لوہے معدنیات کان کنی کی کلوں جوتے بنانے۔ کپڑے سینے۔ کپڑے سے مصنوعی پھول بنانے والی اور انواع اقسام کی مشینوں کو دیکھ دیکھ کر حیران ہوتا تھا۔ ایسی ایسی عجیب محنت بچانے والی کلیں تھیں کہ ایک جگہ صرف مشینوں کی مدد سے چند منٹ میں مکمل بوٹ سی لیا جاتا تھا۔ آٹھ دس کلیں ایک حلقہ میں لگی تھی۔ تماشائی پہلے اپنا نام دیتے تھے۔ اور کاریگر چند منٹ میں باری باری سے اُن کلوں پر بوٹ مکمل کرکے اُن کے حوالہ کر دیتے تھے۔ اور قیمت لے لیتے تھے۔ درزیوں کے ایک کارخانہ نے لیڈیوں کے مومی بتوں کو نہایت خوشنما پوشاکیں پہناکر برقی روشنی میں ایک بازار بنا دیا تھا کہ ہزاروں لوگ اسپر گرے پڑتے تھے اور مومی بتوں پر جاندار ہونے کا یقین آجاتا تھا۔ ایک جگہ ایک چاکولیٹ بنانے کے کارخانہ نے اپنے کام کرنے کا نمونہ دکھلایا جسکے تمام عمل میں کہیں چاکولیٹ کو ہاتھ نہیں لگانا پڑتا تھا۔ سب کام مشین سے خودبخود ہوتا جاتا تھا۔ شام کو مصطفیٰ خلیل آفندی کے ساتھ ملکر کھانا کھانے کا وعدہ تھا۔ سٹیمر پر بیٹھکر عین وقت پر جا پہنچا۔ سٹیمر پیرس میں سب سے ارزاں سواری ہے۔ دس سنٹیم یعنے دو پیسے دیکر جتنی دور چاہو دریا کے رخ چلے جاؤ۔ کھانا کھاکر گاڑی منگائی اور اپنا اسباب فریب کے آیا۔

ہوٹل میں لے گیا۔ دو فرانک گاڑی والے کو دیئے۔ شہر کے اندر خواہ پانچ میل گاڑی لے جاؤ اور خواہ دس قدم اتنا ہی کرایہ دینا پڑتا ہے۔

۲۰ اگست۔ آج پہلے مصطفیٰ خلیل آفندی کے ہمراہ ایک نوجوان ترک سے قسطنطنیہ کے لئے معرفت کے خطوط لینے گئے۔ راستہ میں ایک نیوز ایجنٹ کی دوکان سے قریب ایک درجن کے فرانسیسی زبان کے مختلف رنگین چھپنے والے مذاقی اخباروں کے پرچے خریدے۔ یہاں کارٹونوں والے رنگین اخباروں کی بڑی کثرت ہے۔ جس سے زندہ دل فرانسیسیوں کا مذاق معلوم ہو سکتا ہے۔ اور ٹامس کک کے دفتر سے آئندہ سفر کرنے کے لئے ٹکٹ خریدنے کو چلا گیا۔

راستے کا فیصلہ پہلے تو ارادہ تھا کہ پیرس سے براہ ریل مارسیلز تک جاکر براہ جہاز نیپلز اور وہاں سے یونان اور قسطنطنیہ کو جاؤں۔ لیکن وہاں سے معلوم ہوا کہ پیرس سے براہ ریل روم و نیپلز اور وہاں سے برنڈسی تک جا سکتے ہیں۔ مگر آگے ایسا جہاز ملیگا جو ہفتہ میں صرف دو مرتبہ ایتھنز تک جاتا ہے۔ وہاں سے پھر جہاز ملیگا۔ جو ہفتہ میں دو بار قسطنطنیہ کو جاتا ہے اس راستہ کا کرایہ (۲۵۳) فرانک اور تخمیناً دس گیارہ روز راستہ میں خرچ ہونگے۔ دوسرا راستہ براہ ریل پیرس سے میونخ تک وسٹراس برگ دویانا و بیوڈاپسٹ وبلگریڈ وصوفیا وایڈریانوپل سے قسطنطنیہ تک ہے۔ اس میں صرف چار روز لگتے ہیں اور کرایہ بھی صرف (۱۹۷) فرانک دوم درجہ کا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مجھے ابھی پرسوں شب کا انگلش چینل میں بار بار جہاز میں قے کرنا بھی فراموش نہ ہوا تھا۔ قطع نظر اسکے یونان اور اٹلی کی زبانوں کی ناواقفیت نے بھی مجھے ادھر جانے روکا۔ جس قدر تجربہ آج تک غیر ممالک میں جانے کا مجھے ہوا ہے۔ اس سے اتنا تو مجھے یقین ہو گیا ہے کہ جن ممالک کی زبانوں سے تم بالکل ناآشنا ہو۔ وہاں کی سیاحت سے

تم بہت کم نفع حاصل کر سکتے ہو۔ تمہارا حصر دوسروں کے رحم اور مہربانی پر ہو گا
اور ذرہ ذرہ سی بات دریافت کرنے کے تم محتاج ہوتے ہو۔ اسی سے مجھے
یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ باوجود منہ میں زبان رکھنے کے تمہاری زبان تمہیں مدد
نہیں دے سکتی۔ اور تم اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے شخص سے کوئی ضروری
سے ضروری بات بھی دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر چند کہ وہ بھی بول سکتا ہے۔
لیکن تم دونوں ایک دوسرے کی زبان سے آشنا نہیں۔ حال میں پیرس
سے لے کر ویانا تک ایک ہی کمرہ میں میرے ساتھ چار روسی نزاد ہمراہ
سفر کر رہے تھے۔ جو تعطیلات میں پیرس سے واپس جا رہے تھے۔ ان میں سے
صرف ایک تھوڑی تھوڑی فرانسیسی بول سکتا تھا۔ جس سے کبھی کوئی بات
ہو جاتی۔ مگر باقیوں سے ۳۲ گھنٹے کے سفر میں ایک بات نہ ہوئی۔ غرض میں نے
قسطنطنیہ دیکھنے کے لئے یہ راستہ اختیار کیا۔ اگر ہندوستان سے آتے ہوئے
قرنطینہ کی مصیبت نہ ہوتی۔ اور میں مصر اور قسطنطنیہ دیکھ کر یورپ کو آتا۔ تو
یقیناً براہ امریکہ و جاپان و چین ہندوستان کو واپس جاتا اور وہی خرچ
پڑتا۔ جو اب اس راستہ میں پڑے گا۔

غرض میں نے قسطنطنیہ تک سیدھے ریل کے راستہ کا اورینٹ ایکسپریس
کا ٹکٹ لے لیا۔ اور پھر لائبریری فلے ماریان اے ویلانٹ سے مرتبہ کی
قسطنطنیہ کی ہینڈ بک ساڑھے سات شلنگ کو اور ایک فرانسیسی ڈکشنری
خریدی۔ فلے ماریان کی دوکان کتب بھی عجیب دوکان ہے۔ ایک چھوٹے
سے مثلث بلاک کے تینوں طرف یہی کتابوں کی دوکان ہے۔ اور بجز
اور ژال فروشی کے اسے ایسی گاہکی پڑتی ہے۔ جیسے کہ ریل کے ٹکٹ گھر
میں۔ یہاں سے پلاس ڈالا بیتوال کے قریب ترکی سفارت خانہ میں
پاسپورٹ پر ویزا کرانے گیا۔ مگر معلوم ہوا کہ اس کام کے لئے ترکی قونصلیٹ
میں جانا چاہئے۔ جو پلاس ڈالا آلما میں ہے۔ برقی ٹرام وے میں وہاں پہنچا

اور پانچ فرانک (۲ روپے) دیکر دستخط کرا لئے۔ اور سینٹ پیرس کے سینٹ مچل میں پہنچا۔ یہ جگہ پیرس میں سیکنڈ ہینڈ کتابیں بیچنے کے لئے مشہور ہے جیسے کہ لنڈن میں

پیرس کی کتابوں کی کباڑی

تک سیلر میں رو ہے۔ یہاں مستعمل کتابیں بیچنے والے دریا کے پشتہ پر جو کمر تک بلند ہے۔ اپنی کتابوں اور رسالوں کے گلاس کیس رکھ کر بیٹھتے ہیں۔ میں نے یہاں سے پانچ روپیہ کی کتابیں خریدیں اور خلیل مصطفی صاحب کے حوالہ کر دیں کہ وہ میرے ایک ٹرنک میں بند کر کے ہندوستان کو جہاز میں روانہ کر دیں۔ مگر وہ مجھے نہیں بھیجی گئیں۔ جیسا آگے چلکر معلوم ہوگا ۔ ۳۰۔ اگست پیرس۔ مسٹر مبین سے ملاقات کی۔ اور ان سے ہندوستان کے خطوط لئے۔ میاں عبد العزیز نے سیال کوٹ کے کوٹلی ورکس کے کچھ نمونے بھیجے تھے۔ انہیں میں نے پیرس کے بعض احباب کی لیڈیوں کی نذر کیا۔ جنہوں نے اس سامان کو بہت پسند کیا۔ (۲۵۰) فرانک جو پیرس کے ایک کوچہ کے بینک میں ایک دوست کی معرفت امانت رکھے ہوئے تھے وہ واپس لئے۔ اور ایک دو اور ملاقاتیں کرنے کے بعد پھر بڑی زیر زمین ریلوے پر جا کر بانارڈ و اموٹل ڈی الاوِل اور آئے برادرز کے بہت بڑی فرنیچر کی دکان دیکھی۔ یہی دوکان پیرس میں اس قسم کی دوکان ہے جیسے کہ لورمنگا سین یا بون مارشے ہے یا لنڈن میں ولیم وائیلی یونیورسل سپلائر کی دوکان ہے کہ جس سے ہر چیز ضرورت کی مل سکتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں نسبتاً ارزاں چیزیں جمع کی گئی ہیں۔ جو امرا کی ضرورت کے نہیں۔ بلکہ عوام الناس کی ضرورت کی ہیں۔ یہاں سے میں نے قریب دو پونڈ کے تحائف اور یادگاریں خریدیں۔ اور پھر اپنے مکان کراں ہوٹل سینٹ رنس میں پہنچکر ہندوستان کے لئے چٹھیاں لکھیں۔ کیونکہ کل پیرس سے روانہ ہو جانے کا قصد ہے۔

[illegible]

۳۱۔ اگست پیرس۔ آج بھی صبح کچھ خطوط ہندوستان

انگلستان اور قسطنطنیہ کے لئے ٹکٹ اور اسباب باندھ کر تیار ہوگیا۔ اور مصطفی خلیل آفندی کے ہمراہ گاڑی کرایہ کرکے سٹیشن کو روانہ ہوا۔ چونکہ سب ملکوں میں خاص خاص اشیا پر خاص خاص محصول ہیں۔ مثلاً فرانس میں موم بتی کا سرکاری اجارہ ہے۔ آسٹریا جرمنی۔ اور ٹرکی میں تمباکو کا۔ اس لیے چنگی کے افسر مسافروں کا اسباب دیکھتے ہیں۔ سرحدی سٹیشنوں پر تمہیں اپنا اسباب اُتار کر ایک کمرہ میں لانا پڑتا ہے۔ جو اسی غرض کے لئے بنا ہوا ہوتا ہے۔ وہاں ایک بیس پچیس گز کے یا اس سے بھی لمبے کونٹر پر سب لوگ اپنے اپنے پورٹ منٹو۔ بیگ اور ٹرنک وغیرہ کھول کر رکھ دیتے ہیں۔ چنگی کے افسر جس بیگ یا صندوق کو چاہیں اُس کا اسباب نیچے اوپر کرکے دیکھتے ہیں کہ کوئی قابل محصول چیز تو نہیں ہے۔ بعض اوقات تم سے دریافت کرتے ہیں کہ تمباکو شراب یا کوئی ایسی چیز تو نہیں۔ اور تمہارے جواب پر اعتبار کر لیتے ہیں۔ یورپ میں میں نے دیکھا ہے کہ عموماً لوگوں کے بیان پر اعتبار کیا جاتا ہے۔ اور اگر جنٹلمین کے بیان کو قابل اعتبار نہ سمجھا جائے تو نہ صرف بیان کرنے والے کی خفت منظور ہے۔ بلکہ بیان سننے والی کی عزت بھی اس امر کی مقتضی ہے کہ وہ مان لے۔ عموماً یہاں کے لوگ چھوٹے یا بڑے بلحاظ درجے کے برابر سمجھے جاتے ہیں۔ کیونکہ سب ملکوں میں قومی حکومت ہے اور حکومتوں کا حصہ کم و بیش پارلیمنٹوں اور پبلک کے ہاتھ پر ہے۔ اور قوم بھی رعایا کا ہی ایک حصہ ہوتی ہے۔ اس لئے پولیس یا ریل یا فوج یا سول کے افسر لوگوں پر اس قسم کا رعب اور دباؤ نہیں رکھتے۔ جیسا کہ ہندوستان میں میرا تجربہ ہے۔ بہرحال چونکہ چنگی کے افسر مختلف ممالک کی سرحدوں پر اسباب کا معائنہ کرتے ہیں۔ اور صندوق بار بار قلیوں سے نیچے اُتروا کر پھر ریل میں رکھوانے کی مزدوری دینی پڑتی ہے۔ اس لئے میں نے اس مرتبہ اپنے دونوں ٹرنک پیرس سے قسطنطنیہ بک کرا دینے مناسب سمجھے۔ اور اپنے ساتھ صرف

بینڈ بیگ ایک کمبل اور پشمینہ کی چادر بصورت بستر اور ایک چھاتا اور لاٹھی رکھی۔ ٹرنک وزن کرائے تو ۵ کیلوگرام (قریباً ۳۶ - ۳۷ سیر) نکلے فرانس کی ریلوں پر دوم درجہ کے مسافر کو ۴ کیلوگرام وزن مفت لے جانے کی اجازت ہے۔ یہ وضع کرنے کے بعد مجھ سے ۳½ فرانک کرایہ سب جرمن آسٹرین اور ٹرکش ریلوں کا لیا گیا۔ جو اتنے وزن کے لئے مجھے دینا بہت ناگوار ہوا۔ مسٹر مصطفیٰ خلیل سے بغلگیر ہو کر ریل پر سوار ہوا۔ اتنے میں اس کا پست قد شامی دوست بھی سٹیشن پر اس کے گھر سے پتہ دریافت کر کے پہنچ گیا۔ یہ شخص جاہل ہے مگر فرانسیسی صاف بولتا ہے۔ کیونکہ مدت سے یہاں رہتا ہے۔ عربی اس کی بولی ہے۔ اس نے ایک فرنچ عورت سے شادی کی ہوئی ہے۔ اور مصطفیٰ خلیل کے گھر میں ایک انگلش عورت ہوس کیپر ہے۔ یہاں سٹیشن پر دیکھا کہ بجائے انجن کی مدد کے گھوڑا جوت کر ریلوے گاڑیاں شنٹ کر رہی ہیں۔ اور ہمنٹ ایکسپرس پیرس سے ۱۲ - ۴۰ دوپہر کو روانہ ہوئی جس کمپارٹمنٹ میں میں بیٹھا تھا۔

ریل گاڑی میں گذارہ اس میں ایک روسی جوان لڑکی اور اسکا پندرہ سولہ سالہ بھائی ایک میاں بیوی جرمن اور ایک فرنسیسی اور تھا یہی چھ آدمیوں کی جگہ ہر کمپارٹمنٹ میں ہوتی ہے۔ شام تک جرمن مسافر چلے گئے۔ روسی لڑکی کا ایک بوڑھا رفیق ہمارے کمرے میں آ گیا۔ اور وہ دوسرے کمرہ میں چلی گئی کہ جہاں سب عورتیں جمع ہو گئیں تھیں۔ کیونکہ رات بھر اسی طرح بیٹھے بیٹھے جانا تھا۔ اور لیٹنے کو کوئی جگہ نہ تھی سوائے اس کے کہ ذرہ سامنے کی سیٹ پر پاؤں رکھ لئے۔ . . . . . .

. ایسی صورت میں لمبا سفر نہایت تکان دہ ہوتا ہے (کیم ستمبر میونک (جرمنی)) یورپ کے سفر اور ہندوستان کے سفر ریل میں بہت فرق ہے ہندوستان میں دوم درجے کے مسافر اگر کسی نیچے یا اوپر کی نشست پر

بستر جالیں اور لیٹ جائیں تو اُن کا حق سمجھا جاتا ہے کہ وہ اس بستر پر سو جائیں۔ ہر چند کہ یہاں بھی یہ تحریری قانون نہیں۔ لیکن یورپ کی ریلوں میں اوپر کی آویزاں نشست تو ہوتی ہی نہیں۔ نیچے کی نشستوں پر چار چار مسافروں کے بیٹھنے کے لئے الگ الگ جگہیں بنی ہوتی ہیں۔ جن کے مخمل کے گدیلے اتنے موٹے ہوتے ہیں کہ انسان اُن میں آرام کرسی کی طرح بیٹھ جاتا ہے۔ لیکن اُن میں سونے کے لئے جگہ نہیں ہوتی۔ اگر تم سفر میں سونا چاہتے ہو تو کچھ اور کرایہ اضافہ کرو۔ اور سونے کی گاڑی میں جو علیحدہ ہے جا کر سو رہو۔ اور اگر تکیہ چاہئے تو وہ بھی ایک شلنگ خرچنے پر رات بھر کے لئے مل جاتا ہے۔ غرض یہاں کی ریل ہو یا کوئی اور جگہ وہاں سوائے روپیہ کھینچنے کے مختلف صورتوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا سینکڑوں بہانے تمہاری جیب خالی کرنے کے موجود ہیں۔ جب تک تمہاری جیب میں کافی دام ہیں۔ تم خان صاحب بنے ہوئے ہو۔ ہر جگہ کسی خاندانی لارڈ یا امیر الامرا کی برابری کر سکتے ہو۔ لیکن جب تمہارے دام ختم ہو گئے تو تم ایک ادنےٰ۔ ایک رذیل اور ایک ناکارہ شخص ہو گئے۔ بلکہ یوں کہنا نادرست نہیں کہ ممالک یورپ میں مفلس ہونا جرم ہے۔ علاوہ سو نہ سکنے کے ریل میں کھانے پینے کی بھی اجنبی اور ناواقف کو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ بڑے بڑے سٹیشنوں پر ریفرشمنٹ روم تو ہیں۔ جہاں روٹی۔ چاء اور میوہ جات ملتے ہیں۔ لیکن تیز ریلیں ان پر بہت تھوڑا وقت ٹھیرتی ہیں۔ مثلاً زیادہ سے زیادہ تین منٹ۔ واقف لوگ تو بھاگ دوڑ کر کچھ کھا پی لیتے ہیں۔ لیکن میری مشکل ایک اور قسم کی تھی۔ اکثر سٹیشنوں پہنچے کو صرف بیر شراب اور کھانے کو ڈبل روٹی کے سنڈوچ ملتے ہیں۔ روٹی کو بیچ میں دو ٹکڑوں میں کاٹ کر اس کے بیچ میں ایک گوشت کا پارچہ رکھ کر دوسری تہ اوپر جما دی جاتی ہے۔ اور تمام یورپ کے لوگ سفر میں یہی کھانا

کھاتے ہیں۔ اب یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ یہ گوشت کس قسم کا ہے۔ انگلستان میں تو عموماً خنزیر کے گوشت کے سینڈوچ لوگ کھاتے ہیں۔ جو شخص بیئر نہ پیئے یا ایسے سینڈوچ کھانے سے محترز ہو اُسے ضرور تکلیف ہوتی ہے۔ چنانچہ ۲۴ گھنٹے کے سفر میں بیچ آدری کوٹ (سرحد فرانس و جرمنی) اور میونک اور سنباک (سرحد جرمنی و آسٹریا) پر صرف تین مرتبہ چاء پی اور روٹی کے چند ٹکڑے اور تھوڑے سے انگور کھائے۔ جو ہرگز کافی خوراک نہ تھی۔ یہاں دستور ہے کہ لمبے سفر والے سب مسافر اپنے ساتھ کچھ نہ کچھ کھانے کی چیزیں رکھتے ہیں۔ مثلاً اکثروں کے پاس میوجات سیب، انگور، بہی اور شیرینی اچھے تھے۔ اور ڈبل روٹی کے سینڈوچ بھی بہت لوگ ساتھ لاتے ہیں۔ اگر میں بھی دو تین روٹیاں اور کچھ میوجات ساتھ لاتا تو آرام میں رہتا۔ ایک سٹیشن پر چائے کی پیالی اور ٹوسٹ کی قیمت ایک مارک (۱۲؍) اور ایک پر ڈیڑھ مارک (۱۸؍) دیئے۔ جس ملک کی حدود میں سونے کا سکہ تڑوا کر چاندی کے سکے لئے جائیں وہی دوسرے ملک کی حدود میں بیکار ہو جاتے ہیں۔ یا بہت کم قیمت پر چل سکتے ہیں۔

آج دوپہر کو آسٹرین علاقہ سنباک سے شروع ہوا۔ آسٹرین کسٹم کے افسروں نے خود گاڑیوں میں گھس کر اسباب دیکھے۔ اور سبز ٹکٹ جہاں بہ ظاہر نکو چیاں دیئے رکھتوں سے بری ہے۔ یہاں کسی کسی چھوٹے سٹیشن پر دیہات کی عورتیں پانی پلاتیں اور مسافر انہیں ایک آدھ پیسہ دیدیتے لیکن آج مجھے پیاس ہی نہ تھی۔ کیونکہ کچھ کھایا نہ تھا۔ اور بھوک ایسی سخت تھی کہ ایک طرح کی بے چینی اور چند پاؤں میں سنسناہٹ معلوم ہوتی تھی۔ سو کبھی آٹھ پہر کا روزہ رکھنے سے بھی معلوم نہیں ہوتی یورپ کی آب و ہوا میں بھی بھوک زیادہ لگتی ہے۔ ایک سٹیشن سے دو چھوٹی چھوٹی ٹوکریاں انگوروں کی اسی کروزر یعنی آٹھ پیسہ کو خریدیں۔ انگور ڈنیہ پاڑے زیادہ خوش تھے۔ یہ لوگ فی

کے لفافوں یا ایسی ٹوکریوں میں دیتے ہیں۔ یہ خوشنما ٹوکریاں مشین میں موٹا کاغذ دبا کر بنائی جاتی ہیں۔ اور ایسے کام خوب دیتی ہیں۔ ویانا پہنچکر معلوم ہوا کہ ٹرین میں ہی کھانے کی گاڑی بھی تھی۔ مگر مجھے معلوم نہ تھی۔ پیرس سے جو روسی لڑکا میرے ساتھ بیٹھا تھا۔ اُس نے جو موٹا سا ناول دوپہر کو پڑھنا شروع کیا تھا۔ اُسے آدھی رات کو ختم کر دیا۔ اور میں بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ اُس نے اس عرصہ میں شائد ایک آدھ منٹ کے لئے کتاب سے سر اُٹھایا ہوگا۔ اس گاڑی میں بہت سے ایسے لوگ سوار تھے جو نمائش پیرس سے یوروپ کے ہر ملک کو واپس جا رہے تھے۔ اور بعض وہ لوگ تھے جو اوبر امیگو کا پیشن پلے دیکھنے جا رہے تھے جو ہر دس سال کے بعد ایکٹ کیا جاتا ہے۔ اور ایسی قابلیت سے یہ پلے ہوتا ہے کہ امریکہ تک سے لوگ اسکے دیکھنے کو جاتے ہیں۔ اور اس کے ٹکٹ پندرہ بیس روز یا مہینہ پہلے بکنے بند ہو چکے تھے۔ کیونکہ اور جگہ باقی نہ رہی تھی۔ شام کے پونے آٹھ بجے گاڑی

ویانا میں سفر توڑنا

ویانا میں پہنچی۔ ۳۱ گھنٹے لگاتار سفر کرنے کے بعد کہ جس میں سونے کا موقع نہیں ملا تھا میں تھک کر چور ہو گیا تھا۔ اس لئے ویانا میں اُتر پڑا۔ سٹیشن پر پھر میرا جنڈ بیگ دیکھا گیا۔ اور میں اُسی میٹرو پول ہوٹل کو گیا کہ جہاں پہلے بھی ٹھیرا تھا۔ کیونکہ ہوٹل کی گاڑی مسافروں کے لئے سٹیشن کے باہر کھڑی تھی۔ پیرس سے ویانا تک جس قدر علاقہ میں سے ریل گذری ہے وہ نہایت سرسبز آباد تھا۔ ان ملکوں میں چپہ بھر زمین ویران یا کلر یا بنجر نظر نہیں آتی۔ گھاس سے میدان فرش زمرد کی طرح آراستہ ہیں۔ درختوں کے ذخیروں اور گھنے جنگلوں سے جو جابجا نظر آتے ہیں۔ ملک نہایت شاداب اور دلچسپ نظر آتا ہے۔ زمین یوروپ بھر میں ناہموار نظر آتی ہے۔ میدان بہت کم ہیں۔ عموماً بلندی اور پستی پر بستیاں کھیت۔ جنگل۔ نہریں اور مکانات واقع ہیں۔ سڑک اِدھر اُدھر

چند مکانات پاس پاس اور کہیں پاشاں واقع ہیں۔ جو ایک گاؤں کہلاتے ہیں۔ ایک مکان کی نوکدار چوٹی بہت بلند اونچی چلی گئی ہے۔ یہ یہاں کا گرجا ہے۔ کوئی گاؤں ایک گرجا سے خالی نہ ہوگا۔ مکان عموماً کھپریل یا سلیٹ پوش ہوتے ہیں۔ کھیت کہیں بڑے نظر نہیں آئے۔ چھوٹے چھوٹے قطعات پر ہی یہ لوگ ایسا اچھا تردد کرتے ہیں کہ ایک کنبہ اپنی پرورش کر سکتا ہے۔ گو عموماً گھوڑے ہلوں میں جوتے جاتے ہیں۔ لیکن آج آسٹریا میں کہیں کہیں بیل بھی ہلوں میں جتتے ہوئے دیکھے ہیں۔ گھاس جیسے اس موسم میں سڑک کے دونوں طرف جا بجا زن و مرد کاٹنے اور خشک کرنے میں مصروف پائے گئے ہیں۔ شائد تخم سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ خودرو ہوتا ہے۔ عورتیں گھاس کاٹنے یا اپنی ترنگلوں سے خشک کرنے میں مردوں سے کم کام نہیں کرتیں۔ پھر خشک کر کے کبھی تو بارن میں ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ اور کہیں براعظم یورپ میں پنجاب کی توڑی (بھوسہ) کے دھڑوں کی طرح پرال وغیرہ سے باندھ کر ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ جب یہاں کی عورتوں کو کھیت کیار کے کام میں محنت کرتے دیکھا جائے تو یقین ہو جاتا ہے کہ ہندوستان کی عورتیں سوائے لہناریوں کے ہرگز انکے برابر مشقت کا کام نہیں کرتیں۔ اور اسی طرح وہ عورتیں ہیں جو یورپ کی فیکٹریوں میں کام کرتی ہیں۔ اور اپنے پسینہ سے روٹی کماتی ہیں۔ البتہ خوشحال لوگوں کی عورتیں عیش و آرام سے زندگی بسر کرتی ہیں۔ میں نے ہوٹل والوں سے کہا کہ مجھے کوئی سستا کمرہ دو۔ انہوں نے کہا کہ پانچ کراؤن روزانہ سے سستا ان کے یہاں کوئی کمرہ نہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جب میں کمرہ میں داخل ہوا اور کمرہ کی آسائش اور سامان کو دیکھا تو پھر مجھے خود جرأت نہ ہوئی کہ کرایہ کی تخفیف کا ذکر کروں۔

۴ ستمبر۔ ویانا۔ بوجہ اتوار کے سوائے تمباکو اور کھانے کی دوکانوں کے

اور سب دوکانیں شہر بھر میں بند تھیں - ایک قہوہ خانہ میں جاکر قہوہ پیا - یہاں کا دودھ والا قہوہ - یہیں سے مخصوص ہے - دودھ کی جھاگ اُٹھا کر گرم قہوہ کے شیشہ کے گلاس پر رکھدیتے ہیں جو بہت مزیدار معلوم ہوتا ہے - یہاں کثرت سے اخبارات موجود تھے - لنڈن کے دو تین بڑے بڑے اخبارات بھی اُن میں مل گئے یہ معلوم کرکے افسوس ہوا کہ کل سلطان المعظم کی جوبلی کی رسم قسطنطنیہ میں ادا ہوگی - اگر دو تین روز پہلے معلوم ہوتا تو میں یہ عظیم الشان جلوس دیکھنے کے لئے وقت پر قسطنطنیہ پہنچ جاتا - میں یہاں دو تین واقفوں کو ملنا چاہتا تھا - مگر بوجہ سفر میرا کارمیلا تھا - اور اسباب ساتھ نہ تھا شہر میں کوئی دوکان کھلی نہ تھی - اس لئے ملنا کل پر ملتوی رکھا - ویانا میں صرف جولائی سے اکتوبر تک اتوار کو دوکانیں بند رہتی ہیں -

ویانا میں اتوار کی وجہ سے کاروبار بند

قہوہ خانے

ویانا اور برلن میں قہوہ خانے جس کثرت سے ہیں اور جیسے پُر رونق ہیں - پیرس میں نہیں - اور لنڈن میں سرے سے ہی نہیں یہاں قہوہ خانوں کے مکانات کیسے عالیشان اور سب کیسے قیمتی اور مکلف ہیں - ان میں سینکڑوں اخبار خریدے جاتے ہیں کہ جتنے اچھے اچھے ہوٹلوں اور ریڈنگ روموں میں بھی نہیں ہوتے - ایک دفعہ چائے کی پیالی لیکر دن بھر اخبار پڑھتے رہو - لنڈن میں رسٹوریان بہت ہیں - مگر وہ بھی ایسے اعلٰے درجہ کے مکانات میں نہیں ہوتے - ویانا کا سولجر کیسا بنا ہوا ہے - اُس کی وردی کیسی مکلف ہوتی ہے - فرانس کا سولجر اُس کے روبرو کھیل معلوم ہوتا ہے - کیونکہ علاوہ پست قد ہونے کے اُس کی ڈھیلی وردی اور سُرخ پتلون نے اُسے بہت بھدا بنا رکھا ہے - ویانا اور برلن کی پولیس کانسٹبل بوجہ اپنی عمدہ وردیوں کے بڑے شاندار سپاہی معلوم ہوتے ہیں - ہندوستان میں ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ

پولیس مین

پولیس کی وردی ان سے اچھی نہ ہوگی۔ ہاتھوں میں دستانے۔ کمر میں تلوار لٹکتی ہے۔ سر پر ہلمٹ پیتل کی نوک سمیت ہے۔ لنڈن کا پولیس مین بلحاظ قدوقامت بہت ممتاز ہے۔ لیکن وردی کے لحاظ سے ان کے روبرو وہ سولین معلوم ہوتا ہے۔ مگر ان میں فوجی جھلک ہوتا ہے۔ ویانا اور برلن میں

قاصد کا رواج

یہ اچھی رسم ہے کہ بازاروں میں ایک خاص قسم کی وردی اور بلا پہنکر لائسنس دار قاصد کھڑے رہتے ہیں۔ جنہیں کوئی پیغام یا چیز دیکر کہیں بھیجو۔ خیانت نہیں کرینگے۔ لنڈن اور پیرس میں ایسا نہیں ہے۔ البتہ لنڈن میں پارسل جا بجا لے جانے کی گاڑیوں اور مزدوروں کے سروس مختلف کمپنیوں کے ہاتھ میں ہے۔ انہیں اطلاع دیدو تو شہر کے اندر جہاں چاہو پارسل پہنچا دینگے۔ آسٹریا میں تمباکو سرکار بیچتی ہے۔ تمام

تمباکو کا سرکاری اجارہ

تمباکو کی دوکانوں پر سرکاری آرمس لگے ہوئے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سرکاری دوکانیں ہیں۔ ساتھ ہی اکثر تمباکو کی دوکانوں پر ایک ترک کی تصویر کھچی لگی ہوئی ہے۔ جو لمبا قلیان پی رہا ہے۔ جس سے مطلب یہ ہے کہ اس دوکان میں ترکی تمباکو بکتا ہے۔ فرانس میں موم بتی کا سرکاری اجارہ ہے۔ ایسی صورت میں اگر امیر صاحب کابل اپنے ملک کے بادام اور پستہ سنجر کا اجارہ اپنے ہاتھ میں رکھیں تو کیا حرج ہے۔

اتوار کی قماربازی و شراب خوری

آج بڑی گھوڑ دوڑ ہونے والی تھی۔ وہاں پہنچا تو لاکھوں لوگوں کا مجمع تھا۔ جہاں ہزاروں روپے گھوڑدوڑ کی شرطوں اور قمار بازی میں جا رہے تھے۔ یہ سب کچھ جائز مگر اتوار کو دوکانیں نہ کھلیں کہ اس مقدس روز کی توہین ہوتی ہے۔ شہر سے باہر قہوہ خانوں میں ہزارہا مرد و زن شراب پی پی کر ناچ رہے تھے۔ خصوصاً بوہیمین لوگ ان کم بختوں کا عجیب مذاق ہے۔ باجا بجتا رہتا ہے اور ایک ایک قہوہ خانہ

میں دو ہزار کا مجمع ہے۔ سب کے سامنے بیئر کے تمبلر لبریز رکھے ہوئے ہیں۔ اِن میں سے بہت سے اُٹھ کر عورتیں اور مرد ایک دوسرے کی کمر تھام کر ناچنے لگتے ہیں۔ مگر یہ سب وہ عورتیں ہیں جو سروں پر بجائے ٹوپی کے رومال باندھتی ہیں۔ اور صنعت کار یا مزدوری پیشہ ہیں۔ یہاں مرد بھی دفتروں یا کارخانوں میں ایسی سیاہ ٹوپی (سکل کیپ) پہنتے ہیں۔ کہ جیسی ہندوستان میں بنگالی یا پارسی پہنتے ہیں۔ یہاں سے میں چڑیا گھر میں گیا کہ جسے برلن کی طرح ٹیئرگارٹن یعنے حیوانات کا باغ کہتے ہیں۔

(۳۔ ستمبر۔ ویانا) پیسہ اخبار کے لئے کچھ مضمون لکھا۔ ایک دوکان سے کالر خرید کر لگایا۔ پھر دو اکسپورٹ ایجنٹوں سے ملا۔ ان میں سے ایک صاحب سے سال بھر کے لئے پیسہ اخبار کے کاغذ کی بہم رسانی کا ٹھیکا کیا۔ کیونکہ گراں ہونے کی وجہ کاغذ گراں ہو رہا ہے۔ مسٹر سینسر کے ہمراہ آسٹریا کے بعض تجارتی اشیاء کی دوکانیں دیکھیں۔ سوڈا یا سپارکلٹس کہ جسے فوراً لیمونیڈ وغیرہ بنا لیتے ہیں میٹھے بہت دیکھے۔ کھانا مسٹر اور مسز سٹیل کے ساتھ کھایا۔ صاحب خانہ نے کہا تم صرف بقولات کیوں کھاتے ہو۔ میں نے کہا گوشت میں صرف یہودیوں کے یہاں سے کھاتا ہوں۔ تو اُنہوں نے کہا کہ ہم تو یہودی ہی ہیں۔ یہاں کے یہودیوں اور عیسائیوں میں لباس رنگ اور بول چال میں تو کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ شاید ناک سے پتہ لگتا ہوگا۔ مسز سٹیل نے کہا کل ہماری شادی کو پورے سات سال ہو گئے۔ بیوی کی عمر ۱۹ سال اور شوہر کی ۲۲ سال تھی۔ کہا اتنی کم عمر میں یہاں بہت کم لوگ شادی کرتے ہیں۔ شادی ہوتے ہی میاں بیوی الگ گھر میں رہنے لگے بیئر سامنے دو تین دفعہ میاں نے اپنی بیوی کا بوسہ لیا۔ غرض کھانے سے فارغ ہو کر مجھے مسٹر سیٹسن نے کئی قسم کی مشینیں دکھلائیں۔

لفافے بنانے کی مشینیں

لفافے بنانے کے لئے

دو مشینیں درکار ہوتی ہیں۔ ایک فرمے کاٹتی ہے۔ دوسری لفافے موڑکر گوند لگا کر مکمل کر لی جاتی ہیں۔ پہلی کی قیمت پانسو فلورن اور دوسری کی (۲۲۰) فلورن تھی۔ چھوٹے بڑے لفافوں کے لئے چند فرمے لینے پڑتے ہیں جن کی ہر ایک کی قیمت بالاوسط چالیس فلورن ہوگی۔ ایک گھنٹہ میں بزار سوا ہزار لفافے بن رہے تھے۔ اور ایک مرد و عورتیں کام کر رہے تھے فرمہ کاٹنے کی مشین میں ایک شخص نے ایک ریم کاغذ کا رکھدیا۔ اور سارے ریم کا فرمہ ایک دم میں کٹ گیا۔ ایک دوسرے کارخانہ میں آٹومیٹک مشین دیکھنے گئے جنھیں انگلستان میں "پینی ان دی سلاٹ" مشین کہتے ہیں۔ یعنے جن میں پینی یا کوئی سکہ ڈالنے سے اُن میں سے مٹھائی وغیرہ کوئی چیز خود بخود نکل آتی ہے۔ جو اس میں ڈالی گئی تھی۔ ایک جگہ مرغی کی شکل کی مشین میں ایک سکہ ڈالا تو مرغی نے انڈا نکال دیا۔ جس میں مٹھائی بند تھی۔ ایک حبشی کے اندر پیسہ ڈالا تو سگار نکل آیا۔ یوروپ میں ایسی مشینوں کا بہت رواج ہے۔ معلوم ہوا کہ اسٹریا سے بوٹ۔ بنٹ وڈ کرسیاں۔ سیپ کے بٹن۔ دیاسلائیاں۔ چھوٹا ریلا وغیرہ بہت سستی چیزیں ہیں جو ہندوستان میں زیادہ آتی ہیں۔

موی بتوں کی نمائش قریب شام ایک موی بتوں کی نمائش دیکھنے گئے کہ جسے یہاں پنوپٹی کم کہتے ہیں۔ اور جو چند مکانوں کی قلعت کے ایک زیر زمین تہخانہ میں تھی۔ اور شب و روز بجلی کی روشنی سے کام لیا جاتا تھا۔ اس نمائش میں بہت بہت عمدہ گروپ بتوں کے تھے۔ ایک جگہ بیس مصری عرب مع ایک گھوڑے اور ایک اونٹ کے کھڑے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یکایک مصر کے کسی بازار میں آگئے ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے بادشاہوں۔ شاعروں۔ ناموروں۔ مجرموں وغیرہ کے علیحدہ علیحدہ بت تھے۔ اور سنہ مشکرات والد کی ناشتے تھے۔ یہاں سے جا کر مسٹر شنیلہ

کے ساتھ ایک رسطوران میں کھانا کھایا۔ اور شام کو ویانا سے روانہ ہو جانے کے لئے اُن سے رخصت ہوا۔ مگر ہوٹل میں پہنچکر معلوم ہوا کہ وہ گاڑی چلی گئی ہے کہ جس میں جانا چاہئے تھا۔

۴۔ ستمبر۔ صبح ویانا۔ دوپہر بوڈاپسٹ (ہنگری) صبح ضروریات سے فارغ ہوکر۔ اور نپولئن یعنے فرانسیسی پونڈ تڑوا کر ہوٹل کا بل ادا کیا۔ ۲۰ فرانک کے نپولئن کے ۱۹۔ کرونا ملے۔ بجالیکہ فرانک اور کرونا قیمت میں برابر ہوتے ہیں۔ لیکن شام کو بوڈاپسٹ میں پہنچکر جو فرانسیسی پونڈ تڑوایا تو ۱۸ ہی کرونا ملے۔ ہوٹل سے روانہ ہونے کے وقت پورٹیر کو ایک کرونا اور ہوٹل کے مزدور کو ۳۵ کراؤزر دیئے۔ بجالیکہ اس سے پہلے اسی ہوٹل میں زیادہ ٹپ دیا تھا۔ سٹیشن پر سیکنڈ اور فرسٹ کلاس کے ویٹنگ روم میں فرنیچر کیسا نکلف تھا۔ کوچ کے گدیلے میں آدمی کھب جاتا ہے۔ ہندوستان کے ویٹنگ روموں کو اس سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ یہاں بھولے بھالے مسافر ضرور انہیں ریلوں پر سفر کرینگے آج راستہ میں زیادہ ہموار اور مسطح زمین ملی۔ ہنگری کا علاقہ زیادہ دہقانی ہے۔ کھیت بہت اچھے نہیں۔ لوگ غریب اور شکستہ حال معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں ہلوں اور گاڑیوں میں بیل نظر آتے ہیں۔ جنگل میں بعض کھیتوں میں صرف بطخیں پائی جاتی تھیں۔ جہاں انکے جھنڈ کے جھنڈ چرتے چگتے نظر آتے تھے۔ بمقابلہ ہندوستان میں مویشی کے لئے چارہ کی قلت کے یہاں چراگاہیں کتنی عام اور مویشی کتنے آسودہ ہیں ویانا سے پونے نو بجے چلکر پونے دو بجے بوڈاپسٹ پہنچے۔ میں گھوڑا گاڑی لیکر رویال ہوٹل کو گیا۔ ایک گلڈن (عہ) گاڑی کا کرایہ دینا پڑا۔ یہ بڑا عالیشان ہوٹل ہے۔ پہلے مجھے تیسری چھت پر پانچ کراؤن روزانہ کرایہ کا کمرہ دینے لگے۔ مینے کہا مجھے اس سے سستا کمرہ چاہئے۔

تو انہوں نے مجھے پانچویں چھت پر ساڑھے تین کراؤن کا کمرہ دیا۔ جس کا نمبر ۵۱۱
تھا جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ کتنا بڑا ہوٹل تھا۔ اور سامان بھی بہت
اچھا تھا۔ ایک برقی لیمپ کمرہ کی روشنی کے لئے اور ایک جدا میز پر
روشنی کے لئے تھا۔ جرمنی۔ فرانس۔ انگلستان سب جگہوں کی زبان
سے تھوڑی بہت آشنائی تھی۔ لیکن ہنگری کی زبان سے کہ جسے مگیار یا
مجیار کہتے ہیں۔ میں ایک لفظ نہیں سمجھ سکتا۔ مثلاً ہوٹل کو سزالوڈا کہتے
ہیں۔ رویال ہوٹل کے علاوہ

شہر بوڈاپسٹ کی رونق

اس شہر میں اور بھی بہت سے بڑے بڑے ہوٹل ہیں
باعث یہاں کے خوشنما منظر اور دریائے ڈینوب کے
خوبصورت ساحل کے۔ جو اس شہر میں سے گذرتا ہے۔ اور اس نواح
کے قدرتی چشموں کے کہ جن میں نہانے کے لئے لوگ دور دور سے آتے
ہیں۔ اور مریض چنگے ہو جاتے ہیں۔ یہاں تمام یورپ بھر سے سیاح آتے
رہتے ہیں۔ مکانات نہایت عالیشان ہیں۔ باشندے ہیں (۷۳۲۳۰۲)
آدمی آباد تھی۔ تمام ٹریم برقی طاقت سے چلتی ہے۔ دریا میں سٹیمر
چلتے ہیں۔ یہاں کے لوگ ایشیا اور یورپ دونوں اقوام کے ہیں۔ یہاں
ایشیائی باتوں کی جھلک کسی قدر بات چیت اور شکل میں بھی نظر آتی ہے۔
اکثر عورتیں عیسائی یا یہودی بہت ہیں) سروں پر سجلسکولی
کے رومال باندھتی ہیں۔ یہ مقام ہنگری کا دارالخلافہ اور یورپ کے اس
حصہ میں بڑا مرکز تجارت۔ تعلیم اور ترقی کا ہے۔ دوکانیں بڑی عالیشان
ہیں اور زر و مال سے بھری ہوئی ہیں۔ میں نے شہر میں دو تین چکر لگائے بلحاظ
تجارت کے عظمت اور بازاروں کی صفائی کے یہ مقام ذرا بھی ویانا سے
کمتر نہیں ہے۔ یہودیوں کے ایک قہوہ خانہ میں سو ڈیڑھ سو یہودی
عورتیں قہوہ پی رہی تھیں۔ اور دو تین نوجوان لڑکے انہیں شارنگی اور

طنبور بجا کر خوش کر رہے تھے۔ یہاں کئی عورتیں اور بچے ننگے پاؤں بھی پھرتے دیکھے۔ شہر میں جا بجا برقی ٹریموے چلتی ہے۔ کہیں بھی گھوڑے کی ٹریموے نہیں۔ بجالیکہ لنڈن پیرس اور برلن سب جگہوں میں اب تک گھوڑوں کی ٹریموے بھی ہے۔ شہر میں جا بجا بہت سے ناموروں کی رومین یادگاری بُت نصب ہیں۔ اور ایک عالیشان یونیورسٹی کی عمارت بھی ہے۔

۵۔ستمبر۔ بڈاپسٹ۔ صبح اٹھکر پیسہ اخبار کے لیئے ہفتہ وار چٹھی لکھی اور کچھ پرائیویٹ خط بھی لکھے۔ اور ہوٹل والوں کے حوالہ کئے کہ انھیں رجسٹری کرا کر رسیدیں لادیں۔

ایک نرالی بات — یہاں یہ بات نرالی دیکھی کہ ہر دوکان کی پیشانی پر بجائے بورڈ پر مالک دوکان کا نام یا نوعیت مال لکھنے کے اس مال کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ مثلاً دھوبی کی دوکان پر سفید قمیصوں اور کپڑوں کی تصویریں بنی ہوئی ہے۔ کہیں انگوروں کے خوشہ کی۔ کہیں بیئر کے اُبلتے ہوئے گلاس کی شہر میں پکے ہوئے سرخ ہندوانے بہت بکتے تھے۔ اور چونکہ ہندوانوں کی پھانکیں بھی بکتی تھیں تا کہ پیسہ دو پیسہ والا بھی ہندوانہ خرید سکے۔ ہندوانے بیچنے والی دکانوں پر کٹے ہوئے ہندوانوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ پہلے تو میں نے خیال کیا تھا کہ یہاں تعلیم کم ہے اور لوگ لکھے پڑھے نہیں۔ اس لئے دوکانوں کے بورڈ نہیں پڑھ سکتے ہونگے۔ لیکن پھر معلوم ہوا کہ ہنگری میں بھی تعلیم لازمی ہے۔ اور ہر گانوں جہاں مدرسہ جانے کے قابل بیس بچے بھی ہوں وہ ایک ابتدائی مدرسہ بنانے پر مجبور ہے۔ بہر حال بڈاپسٹ کی دکانوں کے تصویر دار بورڈ مجھے بہت پسند ہوئے۔ مجھے ایک دانت میں دنداں ساز سے سٹفنگ

گونگے کس طرح باتیں کرتے ہیں۔ — کرانے کی ضرورت تھی۔ بھلا دنداں ساز کا پتہ ملے کہاں تلاش کرنا۔ بازار میں جاتے ہوئے ایک دوکان

کے تختہ پر دانتوں کی بتیسیوں کی تصویریں دیکھکر یقین ہوگیا کہ یہ دنداں ساز کی دوکان ہے۔ اوپر جاکر مینے اشارہ سے دنداں ساز کو دانت دکھلایا۔ پہلے اُس نے سمجھا کہ دانت نکالنا ہے۔ اور زنبور سنبھالا۔ مجھے بڑی ہنسی آئی۔ اور مینے اسے اندر سے خالی دانت دکھلایا۔ اُس نے میرا مطلب سمجھکر تھوڑی دیر میں دانت بھردیا۔ اور چار کرونا اُجرت لی۔ یہاں گوشت کے قیمہ کو بکری کے دودھ میں بھر کر کباب بنانے کی عام رسم ہے۔ اور ایسے کبابوں کی لڑیاں اکثر دوکانوں پر لٹکتی نظر آتی ہیں۔ خربوزے اور ہندوانے خاصے سستے تھے۔ اور ہندوانے بہت خوش ذائقہ تھے۔ یہاں کئی لوگوں کے رنگ تو بالکل گندم گوں تھے اور بعض کے بالکل گورے چٹے۔ یہودیوں نے شراب کی دوکانوں پر بھی عبرانی خط میں "کوشر" یعنے حلال کی کلمہ لکھ رکھا ہے۔ شائد یہ مطلب ہوگا کہ یہودیوں کی بنائی ہوئی شراب ہے۔

بوڈاپسٹ میں گل بابا کا مقبرہ

یہاں "گل بابا" کے مزار کے نام سے ایک مسلمان ولی کا مقبرہ "گلاب کی پہاڑی" پر واقع ہے۔ جہاں اب تک ٹرکی اور دیگر اسلامی ممالک سے سیاح اور زائر اس مقبرہ کو دیکھنے آتے ہیں۔ گورنمنٹ آسٹریا ہنگری کے ذمہ اس کی نگہداشت اور نگرانی فرض ہے۔ کیونکہ سنہ ۱۶۹۰ء میں جبکہ بوڈاپسٹ کی حکومت ترکوں کے ہاتھ سے نکل کر عیسائیوں کے ہاتھ میں چلی آئی تو عہدنامہ میں ایک شرط یہ بھی لکھی گئی کہ عیسائی گورنمنٹ "گل بابا" کی خانقاہ کی نگرانی اور مرمت کراتی رہے۔ گل بابا ایک ترک بزرگ گذرے ہے۔ جس کا یہ قلعہ نما مقبرہ سرخ اینٹ کا سنہ ۱۵۴۳ء میں محمد پاشا اُس زمانے کے شہر بوڈا کے حاکم نے تعمیر کرایا تھا۔ ایک مسلمان سے مینے سُنا کہ یہاں اب تک اُس ولی کے ایک کیتا کی نسل اُس کی قبر کی محافظ چلی آتی ہے جو اُس کی کرامت شمار ہوتی ہے۔

میں ایک گائڈ بک کی مدد سے اکیلا دریائے ڈنیوب کے پل پر سے پیدل گذر کر اس مقبرہ کو دیکھنے گیا۔ گورنمنٹ ہنگری نے اس مقبرہ کے گرد ایک بہت بڑی عمارت بنا رکھی ہے۔ جس میں آج بھی مرمت لگی ہوئی تھی۔ عمارت کو سجانے کے لئے کئی ایک مٹی کے بُت اس مقبرہ میں جا بجا رکھے ہوئے تھے۔ شائد دنیا بھر میں اکیلا یہی ایک مسلمان کا مقبرہ ہوگا جو بتوں سے سجایا گیا ہوگا۔ بیچ کے احاطے کے ایک حجرہ میں گل بابا کی قبر ہے۔ قبر جو خام ہے زمین کے برابر ہے۔ دیواروں پر دو تین عربی قطعے ایک مکہ و مدینہ کا چھپا ہوا معمولی نقشہ آویزاں ہے۔ تین چار بھیڑ ی کے چمڑے پشم سمیت ایک دیوار سے آویزاں ہیں جو جائے نماز سمجھنی چاہئیے۔ ایک جوڑا لکڑی کی کھڑاؤں ہیں جن پر ایک نوٹ لکھا پڑی ہے جو شخص اس قبر کو دیکھنے کو آتا ہوگا وہ اسیر بطور یادگار اپنا نام پتہ لکھ جاتا ہوگا۔ میں نے بھی پنسل سے دستخط کر دیئے اس سے پہلے چند ایک ترکی دستخط تھے۔ اور ان سے کم عربی خط میں۔ لاطینی خط میں بہت تھے جن میں بعض عیسائیوں کے بھی تھے ہندوستان کے ایک شخص عبد الرحمن کا بھی دستخط تھا۔ اور بعض افغانوں کے بھی تھے دریائے ڈنیوب پر کہ جو اس شہر کے بیچ سے گذرتا ہے تین چار پل بنے ہوئے ہیں۔ اور سٹیمر بھی لوگوں کو ادھر اُدھر لے جاتے ہیں۔ لنڈن پیرس برلن سب شہروں کے دریاؤں سے ڈنیوب بہت بڑا ہے۔ سٹیمر کے راستہ واپس آکر امریکن کافی ہاؤس" (Coffee House) میں قہوہ پیا۔ اور لنڈن ٹائمز پڑھتا رہا)

عجیب واقعہ ایک ریسٹورانٹ سے کھانا کھا کر دس بجے ہوٹل میں جا سویا۔ راستہ میں ایک بازار میں ایک عورت نے میرے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا مٹی کا بُت پیش کر دیا۔ گوبولی سے نہیں مگر بشرہ سے میں

اُس کا مطلب تاڑ گیا۔ ہوٹل میں آکر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ادارہ حمدتول نے یہ تقریب کا طریقہ بنایا ہوا ہے۔ اور یہ وینس کا بُت ہوتا ہے۔ جو عشق کی دیوی تھی۔ یورپ کے کسی اور شہر میں مجھے ایسا واقعہ پیش نہیں آیا۔

پروفیسر ویمبری

۱۰ ستمبر بوڈاپسٹ۔ صبح کھانا کھا کر اس خیال سے واپس آیا کہ پروفیسر ویمبری مشہور مشرقی سیاح اور زباندان سے ملوں سچ کہتے ہیں کہ پیغمبر کے اپنے وطن میں کچھ قدر نہیں ہوتی۔ بڑی مشکل سے ہوٹل والوں نے اس کا پتہ ڈائرکٹری سے نکالا۔ اور ایک چٹھی دیکر قاصد اس کے پاس بھیجا گیا۔ یہ سرخ ٹوپی والے مزدور جو بوڈاپسٹ میں ہوٹلوں اور قہوہ خانوں کے سامنے کھڑے رہتے ہیں۔ قاصد کا کام کیا کرتے ہیں۔ کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ٹیلیفون نہیں ہے۔ ایک گھنٹے کے انتظار کے بعد قاصد نے کہا کہ پروفیسر صاحب گھر پر بہت انتظار کیا لیکن وہ باہر سے نہیں آئے۔ قاصد کو ساٹھ کراؤنز بیفائدہ دینے پڑے۔ اور چونکہ مجھے آج ہی یہاں سے رخصت ہوجانا تھا اس لئے پھر پروفیسر صاحب کی خبر نہ لے سکا۔ لاہور کے میرزا ضیاالدین اکمل کی بھی یہیں مقیم ہونے کی خبر تھی مگر اُن کا بھی پتہ نہ ملا۔ پھر میں یہاں کے کمرشل میوزیم کو دیکھنے کے لئے ٹرموے پر سوار ہوکر گیا۔ لیکن گائیڈ بک کے پتہ کے مطابق جب اس مکان پر پہنچ گیا تو معلوم ہوا کہ اب وہ میوزیم وہاں سے اُٹھکر دوسری جگہ چلا گیا ہے۔ کیونکہ میری گائیڈ بک سنہ ۱۹۰۸ء کی چھپی ہوئی تھی۔ پھر میں نے سرسری طور پر یہاں کے

ٹکنیکل ہائی سکول

ٹکنیکل ہائی سکول (ہائی نیکم) کو دیکھا کہ جس میں (۱۲۱) پروفیسر اور (۱۴۶۷) طالب علم ہیں۔ اور ان چار شعبوں میں تعلیم ہوتی ہے۔ یونیورسل ٹکنکس اور کمسٹری۔ آرکیٹکچر۔ مشین سازی

وانجنیری۔ ملک ہنگری میں ۲۳ زراعتی ٹرننگ سکول ہیں۔ ۵۵۲ ہر قسم کی دستکاریوں کے۔ ۱۵۵ تجارت کے۔ ۲۰۲ آرٹ اور موسیقی۔ ۲ کان کنی۔ اور ۱۹ فوجی وغیرہ۔ ان سب میں ایک لاکھ سے زیادہ طالب علم اور ساڑھے پانچہزار مدرس ہیں۔ گو میں ہوٹل کی پانچویں منزل میں رہا تھا لیکن ایک مرتبہ بھی مجھے سیڑھیوں کے راستہ سے نہیں چڑھنا پڑا۔ بلکہ لفٹ کے ذریعے اوپر جاتا رہا۔ پورٹر اور ہوٹل کے مزدور کو ایک ایک کرونا نذر کیا اور گاڑی منگا کر سٹیشن کو روانہ ہوا۔ گاڑی والے کو دو کرونا یعنے ایک شلنگ دینا پڑا۔ ہر چند کہ سٹیشن پر مجھے قلی کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اسباب بہت کم تھا مگر بوجہ سٹیشن پر کمروں اور پلیٹ فارموں کے کثرت اور زبان کی ناآشنائی کی ایک قلی ساتھ لیا۔ یہاں ریل کے قلیوں میں یہ دستور ہے کہ سب ملکر۔ پہلے سب مسافروں کا اسباب ایک کمرہ میں قطعاً باندھکر جمع کر دیتے ہیں۔ اور اسپر جا بجا سے نمبر لگا کر مسافر کو اس کا نمبر بتا دیتے ہیں۔ جب مسافر پلیٹ فارم پر پہنچکر گاڑی میں سوار ہونے لگتا ہے تو سامنے پلیٹ فارم پر بگیج کی ایک قطار دیکھتا ہے۔ جس میں اس کا بھی اسباب ہوتا ہے۔ اب وہ اپنا نمبر پکارتا ہے تو قلی اس کا اسباب اسکی گاڑی میں لے آتا ہے۔ اور قلی علاوہ بوجھ اٹھانے کے گاڑیوں میں سافروں کو جگہ بھی تلاش کر دیتے ہیں۔ میرے کمرہ میں جتنے مسافر تھے بلگراڈ تک جانے والے تھے۔ بلگراڈ سے ادھر مقام سمبلان میں سرویا کی سرحد پر کسٹم کے افسروں نے پہلے ریل میں ہی گھسکر اسباب کا معائنہ کیا پھر پاسپورٹ دیکھے۔ لیکن بلگراڈ میں پہنچکر سٹیشن کے ایک کمرہ میں سب لوگوں نے اپنا اپنا اسباب لے جا کر کسٹم والوں کو دکھلایا۔ جہاں اسپر معائنہ کے ٹکٹ لگائے گئے۔ اور ایک فوجی افسر نے سب مسافروں کے پاسپورٹ جمع کر لئے جو گاڑی چلنے سے پہلے گاڑی میں...

اسباب اور پاسپورٹوں کا معائنہ

آکر سب کو واپس تقسیم کئے۔ یہاں گاڑی بھی بدلی گئی۔ یہاں سے شام کے قریب گاڑی روانہ ہوئی۔ سڑک کے دونوں طرف سلسلہ کوہستان بلقان کی پہاڑیاں چلی گئی ہیں۔ بلگراڈ کے سٹیشن پر باشی بزوکی کا نمونہ بھی دیکھ لیا جو اس ملک میں ترکوں کے خلاف فساد مچانے میں مشہور ہیں۔ وہ جن کی لمبی ڈاڑھی لمبے سر کے بال اور لمبا سیاہ لبادا تصویروں میں دیکھا جاتا ہے اور ہاتھ میں چھوٹی سی صلیب بلکہ مفسدہ پردازوں کے آگے چلتے ہیں۔ رات بھر ریل میں بیٹھا رہا اور اس شعر کو دوہراتا رہا۔

بلغیریا اور اہل بلغیریا

درازی شب از مژگان من پرس
کہ یک دم خواب در چشمم گشت است

۷ ستمبر۔ سرویا و بلغیریا کے مابین اصبح گاڑی بلغیریا کے علاقہ میں پہنچ گئی۔ بلغیریا کے فوجی افسروں نے گاڑی میں گھس کر پاسپورٹ طلب کئے۔ اور دوسروں نے وہیں گاڑی میں اسباب دیکھ لیا جنہوں نے پاسپورٹ لئے تھے انہوں نے اگلے سٹیشن پر سب مسافروں کو واپس دیدیئے۔ میرا ارادہ صوفیہ میں تھوڑی دیر اترنے کا تھا۔ لیکن جب میں نے سٹیشن سے ہی دیکھا کہ شہر محض دامن کوہ میں سفالہ پوش یک منزلہ مکانوں کا ایک بے حیثیت سا مجموعہ ہے۔ اور نیز پیرس میں مجھے ایک ترک نے متنبہ کر دیا تھا کہ آجکل وہاں مسلمان محفوظ نہیں تو میں نے وہاں اترنا مناسب نہ سمجھا۔ سرویا اور بلغیریا کے سپاہیوں کی ٹوپیاں روسی سپاہیوں کی سی ہیں۔ جو بہت چست معلوم ہوتی ہیں۔ یوروپ میں آکر جب تم ان ملٹری سلطنتوں میں سے کچھ عرصہ گذرتے رہو۔ تو تمہاری آنکھیں ایک نئی قسم کی سپاہیانہ زندگی دیکھنے کی عادی ہو جاتی ہیں۔ جو تم نے پہلے نہیں دیکھی۔ جا بجا خوبصورت جوان خوشنما اور چست وردی پہنے شمشیر

پاؤں تک لٹکائے پھرتے نظر آتے ہیں۔ جو مشرقی یورپ میں اور بھی کثرت سے ہیں۔ بلکہ قسطنطنیہ میں تو ہزارہا شخص بازاروں میں طرح طرح کی سپاہیانہ وردیاں پہنے نظر آتے ہیں۔ جن میں سے بعض بہت خوشنما ہیں۔ البتہ عام بلغاروں کی پوشش دہلی یا لکھنؤ والوں سے بہت مشابہ ہے۔ یہ لوگ سب سے اوپر ایک صدری پہنتے ہیں جس کی آستینیں لمبی ہوتی ہیں اور پتلون تنگ پاجامہ کی طرح ہوتی ہے۔ جب تک ریل بلگیریا میں سے گذرتی رہی دونوں طرف پہاڑیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ اور بیچ میں سے وادی میں ایک ندی گذرتی تھی کہ جس کے کنارے ریل چلی جاتی تھی۔ پانچ بجے شام کو ایک سٹیشن تتری بازار میں پہنچے۔ یہاں سے ریل گاڑیوں پر ہلال اور ستارہ نظر آنے لگا۔ اور سٹیشنوں کے نام بھی ترکی خط میں لکھے ہوئے دیکھے۔ بلگیریا کی ابجد یورپ کی دوسری زبانوں کے خلاف روس سے مشابہ ہے۔ اور اس ملک کے باشندوں کا لباس بھی الگ ہے۔ اس ملک میں کوئی حرفت سوائے کاشتکاری اور مویشی چرانے کے نہیں معلوم ہوتی۔ ریل کے دونوں طرف کئی اور دھان کے کھیت تھے۔ کئی کاٹنے سے پہلے یورپ میں اوپر کی ڈنٹھل توڑ لیتے ہیں۔ اور خوشہ تنے کے ساتھ رہنے دیتے ہیں۔ دہقانوں کے [illegible] بہت [illegible] جو کے سے نالہ پوش جھونپڑے سے تھے۔ یہاں بیلوں [illegible] سے کھیتی کا کام لیا جاتا ہے البتہ چھوٹے چھوٹے ذیلے ٹٹو [illegible] جتے ہوئے دیکھے۔ اراضی بھی ویسی سرسبز نہیں جیسی کہ بڈاپسٹ تک تھی۔ آفتاب کی تمازت بھی زیادہ ہے۔ لوگوں کے رنگ ویسے سرخ و سفید نہیں جیسے کہ یورپ کے بالائی حصہ میں تھے۔ اکثروں کے رنگ ہندوستانیوں کے صاف رنگ کے سے ہیں اور بعض کے معمولی گندمی رنگ ہیں۔ کہیں کہیں زیادہ گورے مرد اور عورتیں بھی نظر آتی ہیں۔ علاوہ اس کے غریبی ہر بات سے نظر آتی

ہے۔ بلکہ عام لوگوں کی تہذیب پوشش اور بودوباش ہندوستان کے متوسط درجہ کے لوگوں سے بھی ادنےٰ معلوم ہوتی ہے خاص کا ذکر نہیں۔ شام کو ٹرکی

عثمانی علاقہ شروع ہوتا ہے

کا علاقہ مصطفیٰ پاشا سے شروع ہوا۔ جہاں ترکی عسکری ریل میں گھس آئے۔ بعض نے پاسپورٹ دیکھے اور بعض نے کسٹم کا اسباب۔ میرے پاس دو کتابیں تھیں ایک تحفہ عباسیہ جو مصر کی چھپی ہوئی ترکی زبان سیکھنے کے لئے لی تھی۔ اور دوسری مرے ہینڈ بک آف کانسٹنٹی نوپل جو قسطنطنیہ کی گائڈ بک تھی۔ یہ دونوں کتابیں کسٹم کے افسروں نے ٹرکی کے متعلق سمجھ کر لے لیں۔ اور میرے نام کا کارڈ بھی لے لیا تاکہ قسطنطنیہ پہنچکر مجھے اس پتہ سے لوٹائی جائیں۔ اور اسی طرح کئی مسافروں سے بھی معمولی کتابیں لے لی گئی تھیں۔ تمام علاقہ بلقان میں ناواقف مسافر کو زبان کی بڑی دقت ہوتی ہے۔ سوائے فرانسیسی کے کہ جس میں کسی کسی مسافر سے تھوڑی بہت افہام تفہیم ہو جاتی تھی۔ اور کوئی زبان کام نہیں دیتی تھی جرمنی بھی لوگ جانتے تھے۔ مگر انگریزی تو ایک دمڑی کو کہیں نہیں بکتی تھی۔ بعض لوگوں نے میری ترکی ٹوپی دیکھکر مجھ سے ترکی بولنی چاہی۔ یہاں کے عام لوگ صرف سرویا بلگیریا اور بوسنیا کی زبان یعنے چک جانتے ہیں۔ اور یہ لوگ اپنے آپ کو چک ہی کہتے ہیں۔ علاوہ زبان کے سکوں کے بڑی دقت ناواقف مسافر کو پیش آتی ہے۔ شام کو ایک شخص مسٹر وب اور اس کی ۱۲ سالہ لڑکی سے ملاقات ہوئی یہ انگریز مشنری ہے جو کوہ لبنان کے دُرزی لوگوں میں کام کرتا ہے۔ اور لنڈن سے لبنان کو واپس جا رہا ہے۔ یہ بیچارے برابر دو رات سے سوار ہوکر سیدھے جارہے تھے اور راستہ میں کہیں نہیں ٹھیرے تھے۔ اس لئے بدخوابی سے نہایت بیزار تھے۔ مگر چونکہ میرے ٹکٹ میں جو پیرس سے لیا تھا قسطنطنیہ تک پہنچنے میں دس روز کی گنجائش تھی۔

اس سلئے میں راستہ میں ٹھیر سکتا تھا۔ چنانچہ شام کو پونے نو بجے ریل اڈریا
نوپل میں پہنچے کہ جسے ترک ایدرنہ کہتے ہیں۔ اور ۳۱ گھنٹہ کے سفر کے
بعد میں یہاں ٹھیر گیا۔ ایک پولیس افسر جو یہاں اُترنے والے لوگوں کے
پاسپورٹ دیکھ کر اُن کے نام لکھ رہا تھا۔ اُس نے

اڈریا نوپل میں قیام

میرا نام پتہ بھی لکھ لیا۔ اور ایک حمال مجھے سٹیشن کے پاس ہی ایک دو
منزلہ مکان میں لے گیا کہ جسے جینک ہوٹل کہتے تھے۔ اگر اسے ہوٹل تسلیم
بھی کر لیا جائے تو یہ بہت ادنےٰ درجہ کا ہوٹل تھا۔ تاہم اس کا مالک کہتا
تھا کہ یہ پیر سیئر (یعنے اول درجہ کا) ہوٹل ہے اور پیرس ہوٹل ہے۔ حمال
نے اس خدمت کا بڑے اصرار سے ڈیڑھ غروش منظور کیا۔ ہوٹل سے کھانا
بھی بہت معمولی ملا۔ لیکن خربوزہ بہت عمدہ تھا جو کھانے کے بعد ملا۔ میرے
کمرہ کے اندر سے چٹخنی بھی درست نہ تھی۔ میں میز کو دروازہ کے سامنے
سرکا کر سو گیا۔ ہرچند کہ بستر بہت سخت تھا۔ مگر نیند اُس سے بھی سخت تھی
کیونکہ کل رات بھر جاگا ہوا تھا۔

۸ ستمبر اڈریا نوپل) صبح حوائج ضروری سے فارغ ہو کر ہوٹل سے باہر
نکلا تو معلوم ہوا کہ شہر اڈریا نوپل یہاں سے پانچ کیلومیٹر (قریباً تین میل) کے
ہے۔ ریل شام وا لا حمال موجود تھا۔ اُسے ساتھ لیکر شہر کو پیدل روانہ ہوا۔
سڑک بہت خراب تھی۔ کبھی پتھر کی سڑک بنی ہوگی۔ لیکن اب بہت شکستہ
تھی۔ آفتاب کی تمازت بھی تیز محسوس ہونے لگی۔ معمولی گرم کپڑے جو ابتک
پہنکر یورپ میں پھرا تھا۔ دشوار معلوم ہونے لگے۔ شہر کے سامنے ایک
دریا بہتا ہے جو دو پہاڑی نالوں کے ملنے سے بنا ہے۔ اور بہت بڑے
پاٹ کا ہے۔ اس پر تھوڑی مدت ہوئی ایک پل سلطان حال کے توجہ
سے بنا ہے۔ لوگ بہت غریب معلوم ہوتے ہیں۔ شہر کے بازار ان گھڑے
پتھروں کے بنے ہوئے ہیں۔ کہیں کہیں گڑھے بھی پڑ گئے ہیں۔ جن میں پانی

اور کیچڑ جمع ہے۔ مکانات سب یک منزلہ لکڑی اور پتھر کے بہت معمولی اور
چھوٹے چھوٹے ہیں۔ دوکانوں میں اسباب تجارت بھی کم ہے حالانکہ لیدرشہ
ٹرکی کے بڑے بڑے شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ دیسی دستکاری کی چیزیں بھی
سی ہیں۔ البتہ جا بجا نوجوان اور عمر رسیدہ ترک فوجی وردی اور سول
ڈریس میں بہت چاق چوبند اور خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ کہ جنکے کالر ٹائی
بھی درست اور صاف ہیں۔ پولیس سٹیشن میں آگ بجھانے کا انجن اور
پانی کی بالٹیاں دیسی بنی ہوئی تھیں جو خاصی تھیں۔ شہر میں پہنچکر مسلمان
نان بائی کی دوکان کچھ کچھ ہندوستان کی شکل صورت کی دیکھکر دل بہت
خوش ہوا۔ تین قسم کے سالن اور دو روٹیاں لیں۔ ڈبل روٹی کا بھی رواج
عام ہے۔ میرے ساتھ کے حمال نے بھی خود بخود روٹی لیکر کھانی شروع کی۔
اور اُس کا بھی دام مجھے دینا پڑا۔ گویا یہ خود ہی میرا مہمان بن بیٹھا تھا۔ چار
غروش ایک پارہ یعنے آٹھ آنے قیمت دینی پڑی جو یوروپ کے مقابلہ میں
نہایت ارزاں تھی۔ ترک لوگ سرخ مرچ بالکل نہیں کھاتے۔ اس لئے
ہم لوگوں کو ان کے سالن کسیقدر بے مزہ معلوم ہوتے ہیں۔ مگر جلدی ہی
مساجد لیدرشہ انسان ان کا عادی ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ شہر میں تین
مساجد قابل دید ہیں۔ اول جامع سلطان سلیم جو بہت بڑی مسجد ہے۔
اس کے چار مینار دور سے نظر آتے ہیں۔ صحن اور مسقف حصہ برابر برابر ہیں
صحن میں سنگ مرمر کا فرش ہے۔ یہاں مسجد کے صحن میں لوگ جوتا لیکر
چلے جاتے ہیں۔ وسط صحن میں وضو کے لئے فوارہ اور حوض ہے۔ جو سطح
مسجد سے بلند اور مسقف ہے۔ اور گرد وضو کے لئے ٹونٹیاں ہیں۔ اور
وضو کرنے والوں کے لئے سنگ مرمر کی بلند سلیں ہیں۔ مسجد کا اندرون
بہت عالیشان ہے۔ عین وسط میں مرمر کی ایک بارہ دری ہے۔ جس پر بہت
بلند کرسی کی سیڑھیاں چڑھکر پہنچتے ہیں۔ کاشی ورک بہت ہی خوشنما

آیات کلام مجید کے کتبے تعمیر میں نصب ہیں۔ مسجد کے خادم نے بتلایا کہ یہ کلمہ
طیب سلطان محمود کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ گیلری کی دائیں طرف
دوسری منزل پر ایک کتب خانہ ہے جس میں بارہ ہزار دینی کتب کا ذخیرہ ہے
بائیں طرف مستورات کے ادائے فریضہ نماز کے لئے جگہ بنی ہوئی ہے چھت
سے لوہے کی تاریں لٹکا کر ان سے صدہا گلاس روشنی کے لئے آویزاں ہیں
اور ایک اتنا بڑا جھاڑ شیشہ کا آویزاں ہے کہ جس سے بڑا میں نے کمتر دیکھا ہے
چند بڑے بڑے شمعدان پیتل کے بھی ہیں۔ جن میں تین فیٹ موٹی موم بتیاں
جلائی جانے کے لئے جگہ بنی ہوئی ہے۔ پھر مسجد عسکریہ دیکھی۔ ۳۵ × ۳۵ گز
مربع پر نو گنبدوں کا مسقف تھا جو بیچ کے چار ستون پایوں اور اطراف کی دیوار
پر بنے ہوئے تھے۔ روشنی ایک موٹے اور خوشخط قطعے معمولی سفیدی کے
اوپر لکھے گئے تھے۔ تیسری مسجد کا نام نقش بند تھا جس کا طول ۵۴ گز تھا
کسی زمانہ میں بہت شاندار ہوگی۔ سب مسجدوں میں قرآن رکھے ہوئے
تھے۔ لیکن اس آخری مسجد میں ایک بہت بڑا قرآن ایک گز لمبا پون گز
چوڑا اور ڈیڑھ بالشت موٹا رکھا ہوا تھا۔ اور یہ سب مساجد فرش فروش کے
لحاظ سے اچھی حالت میں تھیں۔ ان مساجد کے علاوہ ایک مسقف بازار
بھی دیکھا جسے یہاں کی مارکیٹ کہنا چاہئے۔ اس کے ایک حصہ میں صرف
بندوقوں چھریوں اور قفلوں کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ ایک دوکان کتب
سے ترکی سکے کی وقت میں پانچ قرش کو لیں۔ ایک فرانسیسی پونڈ یہاں ایک
صراف سے تڑوایا جس نے ۵-۵ قرش کے ۸ سکے اور ۴ قرش یعنی
۴۴ قرش دیئے۔ مجھے بعد قسطنطنیہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ اسے پچاس قرش
دینے چاہئے تھے۔ اور لطف یہ ہے کہ ان میں سے جب ایک دس قرش کا
سکہ آج ہی ایک دوسری جگہ تڑوانا پڑا تو اس شخص نے نصف قرش کاٹ
لیا۔ بڑی دقت یہ ہے کہ سوائے صراف کے یہاں کوئی اور دوکاندار کھرا کھوٹا

نہیں دیتا۔ دوکاندار اپنے سب چھوٹے سکے صرافوں کو دے آتے ہیں۔ جو انہیں معقول معاوضہ دیتے ہیں۔ اور پھر خود اور زیادہ لوٹتے ہیں۔ شہر میں قہوہ خانے بہت ہیں۔ ایک یونانی کی دوکان سے انگور اور خربوزہ لے کر کھایا جس نے صرف دس پارہ یعنے آدھ آنہ لیا۔ جو لاہور کے لحاظ سے بھی چار پانچ آنہ کی چیز تھی۔ یہاں سے اسٹیشن کو واپس جانے کے لئے ۳ قرش کرایہ کر کے گاڑی لی۔ راستہ میں گائیڈ نے مجھے کہا کہ تمہاری ٹوپی ٹھیک نہیں۔ اسے قالب کرا لو۔ ایک قالب والے کی دوکان کے سامنے گاڑی کو [illegible] کر کے پھر کی۔ [illegible] ٹوپی قالب کرنے کو دیدی۔ [illegible] یعنے ایک پیسہ میں دونوں ٹوپیوں کو قالب کر دیا۔ [illegible] ایک طرف [illegible] دیا تاکہ [illegible] طرف [illegible] پھرے۔ یہ قالب [illegible] ہیں۔ دوکاندار پہلے ٹوپی کو [illegible] پانی چھڑک کر [illegible] تیار کرتا ہے۔ اور پھر [illegible] کی صورت [illegible] کرا لیتے ہیں۔

[illegible]

[illegible] ٹوپی [illegible] کی [illegible] پارہ [illegible] ایک [illegible] خریدا۔ گاڑی میں [illegible] اور پھر [illegible] کا یہ قانون یاد آگیا [illegible] گاڑی [illegible] کا بھی [illegible] ٹپ [illegible] کی خدمت کے لئے دینا پڑتا ہے۔ اور یہاں گاڑی [illegible] میرا مال [illegible] کا [illegible] بھی ہے اور [illegible] بھی ہے۔ اور [illegible]

ایسا ہے کہ جب میں کچھ کھانے کا کہوں تو خود بخود شراب ہو جاتا ہے۔ یہ یونانی ہے اور کہتا ہے کہ افغانی جرمنی اور ترکی بول سکتا ہوں۔ ہوٹل کے چوبیس گھنٹہ کا کرایہ معہ دو وقت کے ناشتہ کے چار فرانک دیئے۔ اور شام کے نو بجے قسطنطنیہ کو جانے والی گاڑی میں سوار ہو گیا۔ گاڑی میں جگہ بہت تنگ تھی۔ اور رات بھر بڑی کشمکش اور گھنٹہ بیٹھے بیٹھے آنکھ لگی ہوئی۔ یورپ کی گاڑیوں میں صرف بیٹھنے کی جگہ ملتی ہے۔

قسطنطنیہ

۹۔ ستمبر۔ صبح سورج نکلنے کے ساتھ ہی ایک شخص نے چلتی ریل میں مجھے قسطنطنیہ کے بلند مکانات اور مینار دکھلائے جبکہ ابھی شہر ۲۵ میل دور تھا۔ اتنے میں بحیرہ مارمورا کی موجیں نظر آگئیں اور قسطنطنیہ تک ریل برابر سمندر کے کنارہ کنارہ چلتی رہی۔ ریل سے کچھ ترکی گاؤں بھی نظر آنے لگے۔ ان لوگوں کا پہناوا شکل و طریقہ بالکل مشرقی معلوم ہوتا گاؤں کے باہر لوگ زمین پر بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایک شخص کھیت سے تھوڑے فاصلہ پر کنارے کھڑا ہو کے ہاتھ باندھے کھڑا ہے۔ ایک آدمی کو نماز پڑھتا ہوا دیکھا ... ان سب کی ٹوپی چوغہ یا چھوٹی جاکٹ ... شہر میں کوٹ پتلون کا عام رواج ہے ... دوکانوں کا رخ ... کی چینی نظر آتی ... کوئی نہیں دیتا۔ البتہ بہت چوڑی ... سڑکیں سمندر کے کنارہ پر برابر ساتھ چلتی آتی ہے جو جا بجا سمندر سے ملی ہوئی ہے ... سمندر کا کنارہ شہر کے اس حصہ میں داخل ہو گئی ہے کہ جسے استانبول کہتے ہیں۔ الحمد للہ کہ ہم قسطنطنیہ کے اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ یہاں ایک پولیس کی جماعت لوگوں کے پاسپورٹ معائنہ کر رہی تھی۔ اور بعض افسر پچھلوں سے پوچھ کر پاسپورٹ نوٹ کرتے جاتے تھے۔ اور ساتھ ہی مسافروں سے دریافت کرتے تھے کہ تم کس ہوٹل میں ٹھہرو گے

میں اس سوال کا جواب دینے کو تیار نہیں تھا۔ کیونکہ میں نے ابھی کسی ہوٹل کا فیصلہ نہیں کیا تھا۔ اتنے میں میں نے ایک ہوٹل کے ایجنٹ کو دیکھا جو انگریزی بول رہا تھا۔ میں نے اُس سے ہوٹل کا نام دریافت کرکے پولیس والوں کو بتلا دیا کہ میں لنڈن ہوٹل میں ٹھیرونگا۔ پھر چونگی والوں کو اپنا ہنڈ بیگ دکھلایا۔ اور انگریز ہوٹل ایجنٹ کے ہمراہ پیدل غلطہ کے پل سے گزرتے ہوئے لنڈن ہوٹل کو چلا گیا جو بیک اوغلو (پیرا) میں واقع ہے۔ یہ حصہ یورپین لوگوں کی آبادی کا ہے۔ یہیں اُن کے متعدد ہوٹل اور تمام یورپین سفارت خانے ہیں۔ ہوٹل کی کتاب میں اپنا نام پتہ درج کرکے ایک چار فرانک روزانہ کا کمرہ لیا۔ اور اسباب وہاں چھوڑ کر خود اس خوبصورت اور دلکش شہر کی سیر کرنے کو پل غلطہ سے گذرتا ہوا نکل گیا کہ جس کے دیکھنے کی مدت سے آرزو تھی۔ ہرچند کہ میں یہاں بھی ویسا ہی اجنبی تھا جیسا کہ برلن یا بوڈاپسٹ میں تھا۔ لیکن معلوم نہیں کیا بات تھی مجھے یقین دلاتی تھی کہ میں یہاں بالکل اجنبی نہیں تھا۔ شاید یہ سرخ ترکی ٹوپیاں یا مساجد کے عالیشان بت یا ہلال و ستارہ کے نشان تھے۔ جو مجھے مانوس معلوم ہوتے تھے۔ اور ایک السلام علیکم کا پاس ورڈ مجھے یاد تھا جس پر یقین تھا کہ یہاں بہت سے بیگانے یگانے بن سکتے ہیں۔

میں ابھی اجنبی نہیں رہا تھا۔

اتنے دنوں یورپ میں رہنے سے مسلمانوں کا پکا ہوا کھانا کھانے کو جی ترس رہا تھا۔ اور کھانے کا وقت بھی تھا۔ میں بازار میں جب کھانے کی دوکان کو دیکھتا وہاں سے دریافت کرتا کہ "مسلمان لوقانتہ سی" (کیا یہ مسلمانوں کا لوقانتہ ہے) "خیر رومی" یعنی نہیں۔ عیسائی کی ہے۔ کیونکہ قسطنطنیہ میں عیسائی اور خصوصاً یونانی کو روم یا رومی کہتے ہیں۔ یہ لفظ بضم روم نہیں بلکہ بفتح روم ہے جیسے کہ شہر روم کبیر (Rome) کا تلفظ ہے۔ اور مسلمان کو ترک کہتے ہیں۔ ترکی زبان میں جہاں نفی کا اظہار منظور ہو وہاں بجائے یوق یا دگل کے

"خیر" سمجھتے ہیں۔ میں نے سیاحت ترکی کے شوق سے ہندوستان میں ہی تھوڑی
سی ترکی زبان سیکھی تھی۔ اور دوران قیام استنبول میں بھی ترکی سیکھتا رہا۔
اس لئے تھوڑی بہت سمجھ اور بول سکتا تھا۔ غرض جب کئی لوقنطوں یعنی
ریسٹورانٹوں سے یہی جواب ملا تو میں مایوس ہو گیا۔ اتنے میں میں پھرتا ہوا
ینی والدہ جامع کے پیچھے جو کھلی جگہ ہے وہاں آگیا۔ یہاں حمال اور مزدور
نان وکباب کھا رہے تھے۔ میں نے بھی ڈیڑھ غروش کے نان وکباب اور
دس پارہ کے انگور خریدے جو آدھ سیر سے کم نہ تھے۔ اور انہیں حمالوں کی طرح
کھانا ہاتھ پر رکھکر مزا پانی پینے کے داخل دفتر کیا مگر اس کے بعد خدا کا شکر
ہے کہ میں قسطنطنیہ میں بہت اچھی طرح آرام سے رہا۔ اور اکثر مجھے اول درجہ
کے لوقنطوں یا امرا کے یہاں کھانا کھانے کا اتفاق ہوا۔ پہلے تو میں پیرا کی
طرف سے ہوٹل چھوڑ کر استنبول کی طرف آیا۔ کیونکہ شیخ ولی محمد صاحب افغانی
شیخ تکیہ افغانی بکلر بکی نے جن سے میں پہلے بھی قسطنطنیہ میں ملا تھا۔ اور
جنہوں نے مجھے شروع میں بڑی مہربانی فرما کر قابل دید مقامات دکھانے میں بڑی
مدد دی تھی۔ اور بڑی تگ و دو اور کوشش سے میرا اسباب ترک سے جلدی
دلوا دیا تھا۔ مجھے سخت تاکید کی کہ اگر میں ترکوں کے معاشرت اچھی طرح معلوم
کرنا چاہتا ہوں۔ اور معمولی لوگوں سے ملنا چاہتا ہوں تو مجھے پیرا کا ہوٹل فوراً
چھوڑ دینا چاہئے [illegible] ہیں۔ اور استنبول میں کسی اچھے
لوقنطہ میں رہنا چاہئے۔ چنانچہ دوسرے ہی دن میں اپنا اسباب لنڈن ہوٹل سے
لے آیا۔ اور میسر ہوٹل میں جو باب عالی سے قریب ہی رکھا۔ اور صرف
ایک فرانک یعنی دس آنہ روزانہ کمرہ کا کرایہ مقرر کیا۔ مگر ۲۰ ستمبر سے
سید عبدالغفار صاحب کشمیری بڑے اصرار اور بڑے تقاضا سے مجھے اپنے
مکان پر ٹھیرانے کو لے گئے اور نہ صرف ۸ اکتوبر تک کہ جب تک میں قسطنطنیہ
سے روانہ نہیں ہوا انہیں کا مہمان رہا۔ بلکہ قریب قریب ہر روز وہ اپنا کام

ہمراہ کر کے مجھے قسطنطنیہ کے قابل دید مقامات مساجد بازار کارخانے مثل توپ خانہ فیس خانہ اور ترسانہ کے اور سیرگاہیں مثل بیوک آدہ و بیکوز وغیرہ کے دکھلاتے رہے اور بعض نامور علماء سے ملاقاتیں کراتے رہے کہ جن کے لئے میں اُن کا تہ دل سے مشکور ہوں۔ اب میں ایام اقامت قسطنطنیہ کی کیفیت بجائے روزانہ ڈائری کے صورت میں لکھنے کی کسیقدر اختصار سے لکھتا ہوں کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ پہلے ہی میں نے بہت اطناب کر دیا ہے۔

قسطنطنیہ

"بلدۃٌ طیبۃٌ و ربٌ غفور"

رامہ امر الفتح قوم اولون

حازہ بالفتح قوم آخرون

بازگو از نجد و از یاران نجد   تا در و دیوار را آری بوجد

بانی زنطین قدیم — سلطان محمد فاتح نے فتح کر کے ... جنگ جد قسطنطنیہ کو بروز پنجشنبہ

۲۵ مئی ۱۴۵۳ء مطابق ۲۰ جمادی الاول ۸۵۷ ہجری کو ۱۱۲۳ برس کی عیسائی حکومت سے نکال کر مسلمانوں کے قبضہ میں داخل کیا۔ گو اس سے بہت مدت پہلے یعنی ۶۵۸ قبل مسیح میں یہاں ایک یونانی آبادی ایک شخص بائی زاس کی سرپرستی سے قائم ہوئی تھی اور اسی لئے اس کا نام بائی زنطیم یا بائی زنطین رکھا گیا تھا۔ لیکن اس کی عظمت اور شہرت کی بنیاد اسی وقت سے شروع ہوئی کہ جبکہ رومن قیصر قسطنطین نے روم کو ترک کر کے ۳۳۰ء میں اسے سلطنت روما کا پایہ تخت قرار دیا اور اسکی

رومی قسطنطنیہ اور انقلاب سلطنت

آبادی اور ترقی پر بے انتہا کوشش کر کے ۱۱ مئی سنہ ۳۳۰ء کو چالیس روز کے جشن کے ساتھ روم جدید کا افتتاح کیا گیا۔ اس وقت سے لیکر امپیریل رومی لاطینی اور یونانی قیصر یکے بعد دیگرے حکمران رہے مگر یہ شہر کچھ ایسے دلکش اور ضروری موقع پر واقع ہے کہ ہمیشہ ایشیا اور یورپ کے فاتحوں کی نظریں اس پر لگی رہیں۔ اور اس قدر فوج کشیاں ہوئیں اور اتنی مرتبہ تاخت و تاراج ہوا کہ اس کی قدیم تاریخ محاصروں اور سلطنت گردیوں سے پر نظر آتی ہے۔ وون ہیمر مشہور جرمن مورخ نہایت اعتدال کی نظر سے اندازہ کرتا ہوا لکھتا ہے کہ کم از کم چوبیس مرتبہ اس شہر کا محاصرہ ہوا۔ اور چھ مرتبہ یہ بزور شمشیر فتح کیا گیا۔ اور کون جان سکتا ہے کہ کتنے لاکھوں بندگان خدا ان سلطنت گردیوں کے موقعوں پر تلف ہوئے ہوں۔ صرف سلطان محمد کی فتح کے موقع پر فریقین کے قریب لاکھ آدمی کام آئے اور ساٹھ ہزار سے زیادہ عیسائی زن و مرد مسلمانوں نے قید کئے۔

قسطنطنیہ پر ابتدائی اسلامی حملے

قرون اولیٰ کے فاتحان اسلام کی اولوالعزمی اور قسطنطنیہ کی شہرت و شوکت ایسی چیزیں نہ تھیں جو دیر تک ایک دوسرے سے پوشیدہ رہتیں۔ چنانچہ پہلے پہل امیر معاویہ کے عہد میں مسلمانوں نے [illegible] (سنہ [illegible]) میں قسطنطنیہ پر حملہ کیا۔ اور پھر مسلمہ بن عبد الملک سپہ سالار خلیفہ ولید بن عبد الملک نے کوشش کی۔ یہاں تک کہ مسلمانوں نے قسطنطنیہ پر سات حملے کئے۔ لیکن یونانی اپنی مضبوط فصیلوں پر سے نفط کی ہانڈیاں آتش یونان پھینک کر مسلمانوں کی صفوں کو پسپا کرتے رہے۔ پھر خلیفہ ہارون الرشید نے سنہ ۱۸۲ء میں اس شہر پر حملہ کیا مگر لشکر اسلام نے قسطنطین سے صلح کا عہد کر لیا۔ لیکن جبکہ سلطان مراد ثانی کے عہد میں ترکوں کو ہنگری سرویا بوسینیا دلیشیا اور البانیا میں کئی فتوحات حاصل ہو چکیں تو پھر انہیں قسطنطنیہ کی طرف

؎ خلیفہ ہارون الرشید کے بعد سلطان اورخان نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا اور قیصر روم کی لڑکی سے شادی کر کے صلح کر لی (مجلہ المعلومات معروضہ جنوری سنہ ۱۹۰۰ء)

توجہ ہوئی۔ اور نوجوان سلطان محمد نے تخت پر بیٹھتے ہی فتح قسطنطنیہ کی تدبیریں شروع کردیں۔ اور اسی غرض سے سلطان نے دو لاکھ فوج جرار ایڈریا نوپل میں اور تین سو جنگی کشتیاں گلی پولی میں تیار کیں۔ اور علاوہ چودہ باتریاں توپ خانہ کے ایک اتنی بڑی توپ بنوائی کہ جسے چلانے اور تیار کرنے کو سات سو آدمی درکار ہوتے تھے۔ جس میں بارہ من کا پتھر کا گولہ چلکر ایک میل تک مار کرتا تھا۔ اور جس کو پانچ سو جوڑیاں بیلوں کی کھینچکر ایڈریا نوپل سے قسطنطنیہ تک لائی تھی۔

سلطان فاتح کا محاصرہ قسطنطنیہ

اس وقت کے رومی قیصر کا نام قسطنطین ڈریگاس تھا ہرچند کہ اب اس کی سلطنت انتزاع کی حالت میں تھی۔ اور [illegible] تاہم قسطنطنیہ کی فصیلیں جو خشکی کی طرف سے تھیں [illegible] تین تہ کی ہوئی تھیں۔ اور سمندر کی طرف سے بھی مضبوط تھیں۔ [illegible] ان پر ترکوں کی متواتر گولہ باری جلدی کچھ نتیجہ نہ پیدا کر سکی۔ سمندر کی طرف جو حصہ شہر کا کم محفوظ تھا اور یہ وہی تھا کہ جو گولڈن ہارن [illegible] کی طرف واقع ہے اور رومی انجینیروں نے اس وجہ سے اس حصہ کو زیادہ مضبوط کرنے کی طرف توجہ نہ کی تھی کیونکہ انہوں نے مینار غلاطہ اور استنبول کے بیچ میں رکھ دیا جو اب ٹیک خانہ کے پس پشت ہے۔ ایک بہت بھاری آہنی زنجیر باندھ کر یہ راستہ سمندر کا بند کیا ہوا تھا۔ لیکن سلطان محمد نے راتوں رات باسفورس کے متصل [illegible] تختے بچھوا کر اور ان پر تیل اور چربی لگا۔ ڈیڑھ سو یا دو سو جنگی کشتیاں گولڈن ہارن میں [illegible] پاشا کے [illegible] یہ ایک [illegible] ایک ایسی تدبیر تھی [illegible] جو ان کشتیوں کے [illegible] سے بن گئی تھی۔ ہرچند کہ سلطان نے اس طرح خشکی کی راہ سے بحری بیڑہ سمندر میں لا ڈالنے کا ایک عجیب دانشمندی اور ہوشیاری کا کام کیا تھا۔ تاہم خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ

خشکی پر سے دو سو کشتیاں گذارنا

ترکوں کی بہادری کا سکہ یورپ میں بیٹھ جائے۔ اس لئے اُن کی دانشمندی کی تدبیر کے مقابلہ میں اُن کی بسالت اور شجاعت زیادہ کام آئی۔ چنانچہ شہر کی خشکی کی طرف جہاں تہری شہر پناہیں تھیں اور قیصر قسطنطین کا قیصر بلاچری واقع تھا وہیں ترکی منجنیقوں اور توپوں نے اور تہ قپو (دروازہ) پاس فصیل میں رخنہ کیا اور ہر چند کہ یونانی محاصرین کے تیروں اور گولیوں کی بوچھاڑ سے مطلع تاریک ہو رہا تھا۔ مگر سچا مسلمان لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کے نعروں سے آسمان کو پھاڑتے ہوئے فصیل پر چڑھ گئے۔ اور وہاں ترکی علم گاڑ کر پکار دیا کہ ہم نے شہر لے لیا۔ سلطان فاتح خود گھوڑے پر سوار اور

لشکر اسلام نے قسطنطنیہ فتح کر لیا

ہاتھ میں ننگی تلوار لئے ہوئے اپنی فوج کے حوصلے بڑھا رہا تھا۔ اس نے معاً دس ہزار ینی چری فوج کو شہر میں داخل کیا

قسطنطین بھی آخری دم تک "خدا اور کنواری کے واسطے" کے نعرے مار کر اپنی فوج کے حوصلے بڑھاتا رہا۔ مگر جب اس نے دیکھا کہ اس کے جان نثار اس کے سامنے ایک ایک کر کے مر گئے ہیں تو اس نے اس ڈر سے کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں گرفتار نہ ہو جائے پکار کر کہا کہ کیا اس وقت کوئی عیسائی نہیں رہا جو میرا سر تن سے جدا کر دے۔ مگر آخر ایک مسلمان کے نیزہ سے اس کا کام تمام ہوگیا۔ مورخ متفق ہیں کہ قیصر قسطنطین نے بھی داد شجاعت دینے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تھا۔ عجیب اتفاق کی بات ہے کہ جس طرح قسطنطنیہ کی سلطنت قسطنطین سے شروع ہوئی تھی۔ ایسے ہی اس کا خاتمہ بھی قسطنطین پر ہوا۔ ہر چند کہ بیسیوں کئی قومیں اور کئی خاندان حکمران رہے اس طرح سلطان محمد ثانی نے اس عظیم الشان شہر کو فتح کر لیا کہ جس پر اس سے پہلے ۲۹ حملے ہو چکے تھے مگر یہ اپنی فصیلوں کے مضبوطی کے ہمیشہ سلامت رہا تھا اور جس کے اندر تین لاکھ باشندے آباد تھے۔

مریم مقدس کا پیراہن اور فرشتہ کی لو۔ عیسائی پادریوں نے اہل شہر کو اعتقاد احمق

بنا رکھا تھا کہ ان کے خیال میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ کبھی ترک قسطنطنیہ پر قبضہ کر سکتے ہیں جو مقدس مریم کا شہر ہے۔ کیونکہ قدیم الایام سے قسطنطنیہ میں نعوذ باللہ خدا کی ماں کا ایک کرتہ رکھا ہوا تھا جس کی بڑی رسم و رسوم کے بعد سال میں تین مرتبہ رومی قیصر زیارت کیا کرتے تھے۔ اور پادریوں نے داستانیں بنا رکھی تھیں کہ ایک مرتبہ جب روسی فوج نے شہر کا محاصرہ کیا تھا تو حضرت مریم خود نمودار ہو گئی تھیں۔ اور روسی اپنے جہازوں پر بیٹھکر لوٹ گئے تھے۔ اسی خیال میں قسطنطین نے محاصرہ کے آخری دنوں میں مقدس پیراہن کا جلوس بھی شہر میں نکلوایا تھا۔ جبکہ فتحمند لشکر شہر کے اندر داخل ہوگیا۔ اس وقت تک یونانیوں کو یقین تھا کہ جب مسلمان آیا صوفیہ کے گرجا کے احاطہ میں داخل ہوں گے ایک فرشتہ آتشی تلوار لئے ہوئے آسمان سے اُترے گا۔ اور ان سب کا قلع قمع کر دے گا۔

راہب کی مچھلیاں

چنانچہ ایسے ہی خیالات ان لوگوں کے دلوں میں راسخ ہو چکے تھے۔ دروازہ سلوری قپوسی کے قریب ایک کنواں اب تک موجود ہے جسے عیسائی بالک لی کا مقدس کنواں کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ مشہور روایت وابستہ ہے جو ہر ایک سیاح کو بتلائی جاتی ہے کہ جب ترک شہر میں داخل ہو گئے تو یہاں ایک راہب بیٹھا مچھلیاں بھون رہا تھا۔ کسی نے اُسے آکر اس واقعہ کی خبر دی۔ اس نے غصہ سے کہا کہ یہ ناممکن ہے۔ میں تب یہ بات مانوں جب یہ مچھلیاں کڑاہی سے اچھل کر پانی میں جا گریں۔ چنانچہ جھٹ مچھلیاں پانی میں جا گریں۔ اور اس وقت سے اب تک اُن کی نسل اس کنوئیں میں چلی آتی ہے۔ اس سے ہمارا یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ قسطنطنیہ ایک ایسا طلسم بنا ہوا تھا کہ ترکوں کا اس پر قابض ہونا ناممکنات سے سمجھا جاتا تھا۔ مگر سلطان محمد فاتح نے اس طلسم کو توڑ دیا۔ اور سارے یورپ کی آنکھیں ترکی جلال و جبروت کے سامنے چوندھیا گئیں۔

خون آلود پنجہ کا نشان جواب تک باقی ہے

جس وقت فتح مند لشکر شہر میں داخل ہوا تو غازیوں کی تلواریں خون کے دریاؤں میں مچھلیاں بنکر تیر رہی تھیں۔ راستہ میں انٹ میدان سے گذرتے ہوئے سلطان نے تیمق سانپوں والی روئین لاٹ کو دیکھ کر اپنی جنگی تبر سے اس کا سر اوڑا دیا۔ عیسائی مورخ لکھتے ہیں کہ سلطان نے اس خیال سے اس کا سر اوڑا دیا تھا کہ اس میں کوئی طلسم نہ ہو۔ مگر اصل یہ ہے کہ سلطان اس شہر کو جو طرح طرح کے بتوں سے لبریز تھا۔ بتوں سے پاک وصاف کرنا چاہتا تھا کہ جس کی اب بھی بہت نظیریں موجود ہیں۔ انت میدان سے گذرکر سلطان گھوڑے پر چڑھا چڑھا۔ سب سے بڑے گرجا سینٹ صوفیا میں داخل ہو گیا۔ جہاں اب تک ایک ستون پر سلطان فاتح کا خون آلود پنجہ لگا ہوا نظر آتا ہے جو فتح کا ایک نشان سمجھا جاتا ہے۔ گو اب مرور زمنہ کے بعد اس کا رنگ بہت مدہم پڑ گیا ہے۔ اُسے دیکھکر تعجب ہوتا ہے کہ خواہ سلطان نے گھوڑے پر چڑھے ہوئے ہی وہاں پنجہ لگایا تھا تب بھی وہ بہت بڑا قدآور جوان ہو گا۔ ایک مورخ یہ بھی لکھتا ہے کہ چونکہ اس وقت تک ترکی سلطان بجائے دستخط کے رنگ میں ڈبو کر اپنا پنجہ ہی توقیعات سلطانی پر لگایا کرتے تھے۔ کیونکہ عثمان اول نے بوجہ ان پڑھ ہونے کے پہلے پہل رنگ کا پنجہ لگایا تھا۔ اس لئے سلطان فاتح نے بھی گویا صوفیہ کی دیوار پر اپنا دستخط کیا تھا۔

فاتحین کے شہر میں داخل ہو جانے پر عیسائی زن و مرد سینٹ صوفیہ کے گرجے میں جوق جوق پناہ لینے کو جمع ہو گئے تھے۔ پہلے تو فاتحین نے ان میں سے بعض کو مارا اور بعض کو لونڈی غلام بنالیا۔ لیکن ان میں جسقدر سلطان کے پہنچنے تک بچ رہے تھے۔ انہیں امان دی گئی۔ مگر جو چاندی سونے کے بت بنے ہوئے تھے

گرجا کو مسجد بنا دیا گیا

وہ توڑ ڈالے گئے۔ صلیبیں فوراً گرا دی گئیں۔ اور چھت اور دیواروں پر جو اعلےٰ درجہ کی موزائک کی بنی ہوئی تصویریں تھیں۔ انہیں

پلستر وغیرہ سے ڈھانپ دیا گیا۔ چنانچہ یکم جون ۱۴۵۳ء کو بروز جمعہ سلطان نے معہ اپنے دربار اور لشکر کے پہلی نماز اس عظیم الشان مسجد میں ادا کی۔ اور اس وقت سے اب تک اور انشاء اللہ ابد الآباد تک یہ مسجد ایک خدا کی عبادت کے لئے قائم رہے گی۔ قسطنطنیہ کے یونانی عیسائیوں میں ایک روایت مشہور ہے کہ ایا صوفیہ میں ایک پادری اپنی صبح کی (ماس) عبادت میں مصروف تھا جب مسلمان سپاہی مسجد میں داخل ہو گئے تو وہ انہیں دیکھکر مقدس برتن سمیت ایک سنگ خارا کی دیوار میں گھس گیا۔ جو اس وقت تک باہر نہیں نکلے گا کہ جب تک ترک قسطنطنیہ سے نہیں نکل جائینگے۔ اور اس کے نکلنے کے بعض لوگ برابر منتظر ہیں۔ لیکن امید نہیں کہ وہ کبھی بھی نکلے اور کبھی بھی خدا کے اپنے عبادت کے گھر کو بت پرستوں کی عبادت کے لئے دیدے۔

ترک قسطنطنیہ کبھی نہیں چھوڑینگے

اس کی ظاہر دلیل تو یہ ہے کہ قسطنطنیہ پر سات سو سال قبل مسیح سے لیکر ساڑھے چودہ سو سال بعد مسیح تک یعنے سوا اکیس سو سال میں کبھی کسی خاندان نے مسلسل دو سو سال تک حکومت نہیں کی ہوگی کہ اس کے بجائے کسی دیگر خاندان یا دوسری قوم کو حکومت نہ مل گئی ہو۔ مگر سلاطین خاندان عثمان بلا فصل ساڑھے چار سو سال سے قسطنطنیہ پر برابر حکومت کر رہے ہیں وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

اس تھوڑے سے تاریخی دیباچہ کے بعد اب میں شہر کی کچھ کیفیت بیان کرتا ہوں۔

قسطنطنیہ کے مختلف نام

میں ایک روز چند اہل علم احباب کے ساتھ قسطنطنیہ کے ایک قہوہ خانہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ذکر آیا کہ قسطنطنیہ کس کس نام سے پکارا جاتا ہے۔ چنانچہ اس وقت اتنے نام بتلائے گئے تھے۔ کانسٹنٹی نوپل۔ قسطنطنیہ۔ استانبول۔ اسلامبول۔ دارالسعادت۔ در سعادت۔ آستانہ۔ آستانہ علیہ۔ دولت علیہ۔ باب عالی۔ سبلائم پورٹ۔ پورٹ۔ پایۂ تخت سیف ثلاث الخلافہ

باب المراد اور بلدہ طیبہ اس کے علاوہ مثل بازنطیم کے دو تین قدیم نام بھی چلائے گئے ۔ یقیناً دنیا میں کسی دوسرے شہر کو یہ امتیاز حاصل نہیں جو اس دو عظیم الشان سلطنتوں کے شہر کو حاصل ہے ۔ یہاں تمام لوگ بول چال میں استانبول کہتے ہیں اور لکھنے میں درسعادت لکھتے ہیں ۔

استانبول ۔ غلاطہ پیرا اور توپخانہ

بحیرہ مامورا کے شمال میں آبنائے باسفورس کے دونوں کناروں پر شہر قسطنطنیہ سولہ میل تک پھیلا ہوا ہے لیکن اصل شہر استانبول و غلاطہ پیرا یورپین ساحل پر اور اسکدار یا سقوطری ایشیائی ساحل پر واقع ہیں ۔ اور ان کے مضافات دور تک لب آب پر پھیلتے چلے گئے ہیں ۔ استانبول اور غلاطہ پیرا کے مابین ایک سمندر کی چار میل سے زیادہ لمبی شاخ چلی گئی ہے ۔ کہ جسے یورپین گولڈن ہارن اور ترک استانبول لیمانی (خلیج استانبول) کہتے ہیں ۔ دو پلوں کے ذریعے شہر کے یہ دونوں بڑے حصے ملحق ہیں ۔ اصل شہر یا اسلامبول اصل قسطنطنیہ ہے ۔ کیونکہ رومیوں کے زمانہ میں غلاطہ پر بہت تھوڑی آبادی تھی ۔ اور اسکدار یعنے سقوطری ایک علیحدہ آبادی ساحل ایشیا پر سمجھی جاتی تھی ۔ استانبول میں ہی شہر کے تمام عظیم الشان و قابل دید عمارت مثل مساجد و مقابر کے قائم ہیں ۔ اور مسلمانوں کی بھی یہیں زیادہ آبادی ہے ۔ اس کی شکل مثلث اور رقبہ تیرہ میل کا ہے ۔ اور صرف اس کی خشکی کی طرف سے فصیلیں پانچ میل لمبی ہیں استانبول کی اصل اسلام بول[1] یعنے شہر اسلام معلوم ہوتی ہے ۔ کیونکہ یونانی زبان میں شہر کو پول یا پولس کہتے ہیں ۔ جیسے کہ قسطنطنی نوپل یا ایڈریانوپل کے اخیر میں موجود ہے ۔ بخلاف استانبول کے غلاطہ اور پیرا کی آبادی میں عیسائی زیادہ ہیں ۔ غلاطہ میں تجارتی کوٹھیاں ۔ بینک ۔ جہازوں کی ایجنسیاں صرافہ اور یورپین کارخانوں کے ایجنٹ رہتے ہیں ۔ سو پیرا جو زیادہ بلندی پر واقع ہے صرف یورپین آبادی ہے جہاں ہوٹل پھر سب یہاں کے مدنظر

[1] ایک ترک مصنف کی رائے میں اسلامبول اسلام پول کا مخفف ۔ بولمک ترکی مصدر کے معنی پانا ہے ۔ یعنے اسلام نے جس شہر کو پایا ۔ مگر ایک یورپین مؤرخ لکھتا ہے کہ یہ قسطنطنیہ کا ہی [illegible] eis ten Polin [illegible] کے ہیں ۔

یورپین یا لیونتائن یونانی اور ارمنی رہتے ہیں اور تمام یورپین ہوٹل اور ممالک غیر کے سفارت خانے بھی یہیں ہیں۔ اور یوروپ کی ہر ایک زبان اس کے کوچوں میں بولی جاتی ہے۔ غلاطہ کے نام کی وجہ تسمیہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ یہاں گال (اہل فرانس) آکر مقیم ہوئے تھے۔ پیرا چونکہ غلاطہ کے بیرونی طرف واقع ہے۔ اس لئے اسے یہ نام ملا۔ توپخانہ بھی غلاطہ کا ایک حصہ ہے جو ساحل سمندر کے متوازی قصبہ دولمہ باغچہ تک چلا گیا ہے۔ جہاں توپ سازی کے کارخانے اور سرکاری عدالتیں ہیں۔

پل غلاطہ کی رونق مسافر خواہ بذریعہ جہاز بحیرہ مارمورا کے راستہ آئے یا یوروپ سے ریل کے راستے پہنچے پہلے استانبول اور غلاطہ کے پل کے پاس اترتا ہے۔ اور قسطنطنیہ میں سب سے بارونق حصہ بھی پل غلاطہ ہے۔ صبح سے شام تک جس وقت بھی یہاں سے گذرو پل پر آنے جانے والوں کا تانتا بندھا ہوا ہوتا ہے۔ پیدل سوار۔ عورت مرد بوڑھا جوان ترک عرب انگریز یہودی گورے کالے سپاہی خواص عوام غرض سبھی یہاں سے گذرتے ہیں۔ نہ صرف ایشیا اور یورپ بلکہ دنیا کی ہر قوم کے آدمی ہر وقت اس پل پر موجود ہوتے ہیں۔ دیکھو وہ سامنے ایک عرب جبہ پہنے عمامہ باندھے آرہا ہے پیچھے سے ایک انگریز یا امریکن چھاتا تانے ہوئے گذر جاتا ہے۔ ایک فقیر کا ہر میلا کچیلا عمامہ اور ہاتھ میں کچکول ہے جو تم سے سوال کر رہا ہے۔ ایک ارمنی پھٹے پورانے چیتھڑوں سمیت ایک بھاری بوجھ اٹھائے ہوئے جارہا ہے۔ ایک نہایت سیاہ چہرہ حبشی عمدہ ترکی لباس پہنے گھڑی کی طلائی زنجیر لٹکاتے ہوئے گذر رہا ہے۔ قریب سے دیکھنے سے اس کے چہرہ کی سیاہی چمکتی ہے۔ یہ ضرور بڑا دولت مند شخص ہوگا۔ شاید حرم سلطانی یا کسی بڑے پاشا کے حرم میں بڑا معتبر خواجہ سرا ہے۔ ایک عورت سیاہ رنگ کے ریشمی فراجہ میں سر سے پاؤں تک چھپی ہوئی گذر رہی ہے۔ مگر آنکھیں اور ناک اس سفید

باریک پشماق سے بلبر نظر آتے ہیں۔ جو اس نے منہ پر ڈالا ہوا ہے۔ پاؤں میں اونچی
ایڑی کا نازک بوٹ بھی ہے۔ اگر یہ خاتون کسی اونچے گھرانے کی ہوتی تو اس کے ساتھ
کوئی خواجہ سرا یا نوکر ضرور ہوتا۔ ایک یونانی ایک نرالی وضع کی کلیون والی
سفید پیٹی کوٹ پہنے ایک چھوٹی سی پیشواز سے مشابہ ہے۔ اور اس کے اوپر
طلائی کام کی واسکٹ سے تمکن جاتا ہے۔ ایک فرنگی میم ایک انداز سے
شمشیر لٹکائے جاتی ہے۔ ایک فربہ اندام مخضب ریش پاشا کے سر پر ایک نوکر
نے چھاتا لگایا ہوا ہے۔ ذرہ بچ کے چلنا پیچھے سے گاڑی آرہی ہے۔ دائیں
کو جھکے تو ایک گڑھے سے ٹھوکر کھاتے کھاتے بچے۔ ادھر سے ایک ایرانی
شخص ڈاڑھی اور پاؤں تک لمبا چوغہ پہنے جا رہا ہے۔ ایک خونخوار ہیئت کا
بخارائی ترکمان بھیڑی کے چمڑے کی پوستین اور ٹوپی اور لمبے موزہ نما بوٹ پہنے
آہستہ آہستہ گذرتا ہے۔ ہر چند کہ موسم خاصا گرم ہے۔ ایک لبنانی تل شہد
اور مٹھائی بیچتا پھرتا ہے۔ سامنے سے ایک بلغار اور ایک یونانی میوہ کی
خونچے لئے آتے ہیں۔ آہا کیسے مزہ دار انگور ہیں۔ بچے اخبار بیچتے پھرتے
ہیں۔ تین چار لڑکے پل کے ایک سرے پر کچھ کسے کسائے گھوڑے زین
سواری کے واسطے لئے کھڑے ہیں۔ وہ دیکھو ایک بوڑھا شیخ کہ جس کی
سرخ ٹوپی پر ایک سفید چھجی لپٹی ہوئی ہے ایک گھوڑے پر سوار ہو گیا ہے
اور لڑکا گھوڑے کے پیچھے پیچھے خود بھی بھاگنے لگا ہے۔ ایک بوڑھے
ترک کے سر پر ایک تختہ کا ٹکڑا ہے اور ہاتھ میں ایک چھوٹا سا مونڈھا ہے
کہ جہاں رکھے گا وہیں دوکان بنا لیگا۔ اس کے کپڑوں کی وضع ویسی نہیں
جیسے کہ باقی سب تعلیم یافتہ اور مہذب ترکوں کی ہے جو سوائے سرخ ٹوپی
کے باقی بالکل انگریزوں کے سے سیاہ کوٹ پتلون پہنے ہوئے تمام رستے
دائیں بائیں گذر رہے ہیں۔ ایک سقا کٹورے چھنکاتا ہوا پانی پلانے کو تیار
ہے۔ یہ سامنے سے لمبے لبادوں والے دو شخص سروں پر سفید نمدے کی

اونچی اونچی ٹوپیاں پہنے ہوئے مولوی درویش گذر رہے ہیں۔ یہ ایشیائی بیوی
ہے کہ جس کی زلفیں بے ہنگم لمبی لٹک رہی ہیں۔ اور بہت بڑی سی ناک
ہے۔ کیونکہ یوروپ میں یہودیں کے بعض شکل میں اہل یوروپ سے کچھ فرق
نہیں۔ اور معلوم نہیں کس کس وضع اور قطع کے لوگ اس پل پر سے
ہر وقت گذرتے رہتے ہیں۔ جب گاڑیاں اور چھکڑے اور آدمی گذرتے ہیں
یا گھوڑے اور گدھے چلتے ہیں تو نیچے سے پل کے دیئے تختے چیختے ہیں۔ فقیر
بھیک مانگتے ہیں۔ سودا بیچنے والے اپنی اپنی صدائیں لگاتے ہیں تو کان
پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اسپر مستزاد یہ ہے کہ چاروں طرف سے سٹیمروں
کی سیٹیاں سنائی دیتی ہیں۔ جو باسفورس کے دونوں کناروں کی آبادیوں
کو دن میں ہر وقت روانہ ہوتے اور واپس آتے رہتے ہیں۔ کیونکہ یہ جو دریا
میں پل کے دونوں طرف بڑے بڑے لکڑی کے مکانات ہیں یہی دونوں
طرف جانے والے جہازوں کے سٹیشن ہیں۔ اور یہیں شہر کے بہترین قہوہ
خانے اور رسٹوران بھی ہیں کہ جہاں بہت عمدہ کھانا اور قہوہ وغیرہ سے
لوگ شاد کام ہوتے ہیں۔ اور ہر وقت میلہ سا لگا رہتا ہے۔

دلکش منظر آبنائے باسفورس کی دونوں طرف ڈھلوان پہاڑیوں پر
گیلری کی طرح جو شہر کے مکانات شاہی محلات مساجد کے سفید گنبد مینار
اور آبادیاں میلوں تک پھیلی گئی ہیں۔ انہوں نے منظر کو اس قدر دلکش
اور دلبر بنا دیا ہے کہ کوئی قلم یا پنسل کما حقہٗ اس کی کیفیت بیان نہیں
کر سکتی۔ اور نہ اس کے دیکھنے سے طبیعت سیر ہو سکتی ہے۔ کناروں سے
نشیب سے لیکر بلندی تک مکانوں کا نیچے اوپر چلا جانا دن کو اور کیا رات
کو عجیب نظارہ پیدا کرتا ہے۔ خصوصاً رات کو جبکہ تمام شہر میں چراغ روشن
ہوتے ہیں۔ اور ان کی روشنی پانی میں منعکس ہوتی ہے۔ نقاش قدرت نے
ایسا خوبصورت نقشہ کھینچا ہے کہ ایک عالم اسے دیکھکر دنگ ہو رہا ہے۔ پل

غلاطہ پر استنبول اس کے تمام مینار گولڈن ہارن اور اس سے پرے حضرت ایوب انصاری کی خانقاہ۔ غلاطہ۔ پیرا۔ بیرونی لنگر گاہ اس کے بے شمار جہاز اور کشتیاں اور ایشائی ساحل کا نہایت خوشنما منظر دیکھنے میں آتا ہے ایک یورپین مصنف لکھتا ہے کہ شاعر مصنف اور مصور نے صدہا اور بارہا کوشش کی ہے کہ گیت یا نثر یا رنگ آمیزی کے ذریعہ سے اس شہر کی خوبصورتی کا نقشہ کھینچے۔ مگر کسی کو اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ کیونکہ قسطنطنیہ کو کماحقہ بیان کرسکنا مشکل ہے۔ اور کوئی ترانہ قلم یا موقلم پورے طور پر اس کیفیت کو ظاہر نہیں کرسکتے جو ایک اجنبی کی آنکھ جو بحیرہ مارمورا کی طرف سے عمدہ موسم میں آتا ہو۔ پہلے پہل اس شہر کو دیکھکر محسوس کرتی ہے۔ یہ سجائے کسی اصلی شہر کے جو اینٹ پتھر یا چونہ سے تعمیر ہوا ہو نیا۔ ترالف لیلہ کے کسی جادو کے شہر سے مشابہ معلوم ہوتا ہے۔ جب اس کی پہلی نگاہ صبح کی صاف روشنی میں ان سات چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں پر پڑتی ہے جو ہر طرح کی عمارات سے آراستہ ہوئی ہیں۔ اور ان میں قوس قزح کے سارے رنگ پائے جاتے ہیں۔ ایک سفید مرمر کی کوشک چند سرو کے درخت ایک مسجد کا سر بلند گنبد نازک مینار یا کسی مسجد کے طلائی کلسوں والے گنبد خوش رنگ مکانوں کے اوپر سے نظر آتے ہیں۔ کہ جنپر آفتاب کی روشن کرنیں پڑکر نیلگون آسمان کے سامنے اور آبنائے باسفورس کے شفاف پانی کے اوپر کہ جس میں انکا عکس آئینہ کی طرح پڑ رہا ہے عجیب دلکش منظر دکھاتی ہیں۔ تو اسے ایک ناقابل بیان منظر نظر آتا ہے۔ اور اسی کا نام قسطنطنیہ ہے۔

پروفیسر میکس مولر کا خیال ہے کہ مارمورا کی طرف سے دیکھنے والوں کو قسطنطنیہ کا منظر ایسا خوبصورت نظر آتا ہے کہ سٹاک ہولم نیپلز اور ڈینس تینوں کی خوبصورتی ملا کر اس کے برابر ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ یہ تینوں

شہر لب بحر واقع ہیں۔ بلکہ وینس تو بحر کے اندر آباد ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور نیپلز کی خوبصورتی کی بابت انگریزی زبان میں مثل مشہور ہے مرنے سے پہلے نیپلز کو دیکھ لو۔ اس سے بڑھ کر اور کیا تعریف قسطنطنیہ کے خوبصورت طبعی اور مصنوعی مناظر کی ہو سکتی ہے۔

پل غلاطہ کا محصول گذر

استنبول اور غلاطہ کے درمیان آمد و رفت کے لئے ایک ہی راستہ نہیں بلکہ سلطان ایوب کی طرف ایک اور بھی پل ہے کہ جسے اندرونی یا عذاب قپو پل کہتے ہیں۔ یہ دونوں پونٹوں برج ہیں کہ جن کے نیچے سے جہاز گذر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہزاروں لوگ شہر کے ایک طرف سے دوسری طرف چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں بھی ہر وقت گذرتے رہتے ہیں کہ جنہیں کیک یا کائک کہتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اس پل کی رونق کا کچھ اندازہ نہیں۔ پل غلاطہ یا بیرونی پل جسے ترک لوگ سلطان کوپری سی یا قرا کوئی کوپری سی بھی کہتے ہیں۔ (ترکی میں پل کو کوپری کہتے ہیں) اسے سلطان عبد المجید خاں کی والدہ نے قدیم کشتیوں کے پل کی جگہ تعمیر کرایا تھا۔ پل کے دونوں سروں کے قریب یہ آدمی آدھی درجن سفید لمبے کرتے پہنکر کون کھڑے ہیں۔ یہ لوگ محصول گذر وصول کرتے ہیں جو ہر شخص سے ایک مٹاک یا اون یارہ لیا جاتا ہے جو قسطنطنیہ کا ایک پیسہ ہے مگر قیمت میں ہندوستان کے دھیلے کے برابر ہے۔ گھوڑوں یا سواروں سے ایک تہائی اور گاڑیوں کا محصول ۲½ قرش مقرر ہے۔ تخمینہ کیا گیا ہے کہ قریب چار ہزار پونڈ ہر روز محصول گذر سے وصول ہوتے ہیں۔ جو سلطان المعظم کسی یتیم خانہ اور غریب خانہ پر خرچ کر دیتے ہیں۔

گولڈن ہارن

یہ دونوں پل اسی سمندر کی شاخ یا خلیج پر بنے ہوئے ہیں کہ جسے یورپین گولڈن ہارن کہتے ہیں۔ اور یہ نام آج سے نہیں بلکہ قدیم زمانوں سے چلا آتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ چونکہ تجارتی جہازوں کے لئے یہ نہایت عجیب بندرگاہ ہے کہ جس میں بارہ سو جہاز ایک وقت میں

سما سکتے ہیں۔ اور بوجہ بہت گہرا ہونے کے بڑے سے بڑے جہاز بھی اس میں داخل ہو سکتے ہیں۔ اس لئے یہ دنیا بھر میں بڑا بندرگاہ ہے۔ اور ایسے موقع پر واقع ہے کہ یورپ اور ایشیا کے تجارت کی منڈی ہے۔ اسے قدیم یونانیوں نے یہ نام دیا۔ بعض کا خیال ہے کہ بحیرہ مارموڑا اور بحیرہ اسود دونوں طرف سے یہاں مچھلیاں بکثرت جمع ہو جاتی تھیں۔ اس لئے قدیم ماہی گیروں نے اسے یہ نام دیا۔ خواہ کوئی اور وجہ نہ ہو مگر اپنے خوبصورت منظر کی وجہ سے یہ طرح حصہ سمندر کا یقیناً زریں شاخ کہلانے کا مستحق ہے کہ جس کی شکل بارہ سنگھے کے سینگ سے بہت مشابہ ہے۔ اسکی زیادہ سے زیادہ چوڑائی دہانہ کے قریب ایک ہزار گز سے زیادہ نہیں۔

مخلوط آبادی چونگی۔ ڈاکخانہ وغیرہ

آبادی مرِز ہینڈ بک ٹو کانسٹنٹی نوپل سنہ ۱۹۰۵ء اور بلیکز گائیڈ ٹو کانسٹنٹی نوپل سنہ ۱۹۰۷ء میں قسطنطنیہ کی آبادی آٹھ لاکھ اسی ہزار درج ہے۔ مگر ساتھ ہی مصنف نے تسلیم کیا ہے کہ صحیح آبادی معلوم نہیں ہو سکتی۔ لیکن سٹیٹسمین ییئر بک جو بہت معتبر کتاب ہے۔ اور ہیزلس اینوال کے سنہ ۱۹۱۰ء کے ایڈیشنوں میں اس شہر کی آبادی گیارہ لاکھ پچیس ہزار اور ولایت قسطنطنیہ کی آبادی بارہ لاکھ تیس ہزار درج ہے[1]۔

مختلف اقوام کی آبادی مگر اس آبادی میں دنیا کی ہر قوم کے لوگ تم و بیش شامل ہیں۔ جیسا کہ آپ سفرنامہ کی سیر میں دیکھ چکا ہوں۔ ایک یورپین مصنف ہیرائش نے اس خیال کو بہت عمدگی سے ظاہر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے قسطنطنیہ خاص کسی ایک قوم کا شہر نہیں۔ بلکہ اس میں مختلف قومیں آباد ہیں جن میں سے نہ اس قوم کا شہر کہہ سکتے ہیں۔ اور نہ اس کا۔ اہل لنڈن اور اہل پیرس سے جو مفہوم ہوتا ہے۔ وہ اہل قسطنطنیہ کے الفاظ میں نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ اس شہر میں کوئی ایسی قوم آباد نہیں جو تعداد میں اوروں سے بہت ہی زیادہ اور زبان عادات اور معاشرت میں یکساں ہو۔ اس میں شک نہیں کہ ترک یہاں کے

[1] کتاب ہٰذا کی تصنیف کے بعد اخبار علمیہ مطبوعہ مطبع سرکاری مصر میں جو قریب زمانہ میں چھپی ہے قسطنطنیہ کی آبادی تیرہ لاکھ سے زیادہ بتائی ہے اور یہی اعداد صحت سے زیادہ قریں معلوم ہوتی ہے۔

بادشاہ ہیں۔ اور مسلمانوں کی آبادی فرداً فرداً سب عیسائی اقوام سے زیادہ ہے۔ لیکن اُن کی مجموعی تعداد سے کم ہے۔ اور علاوہ اس کے مسلمانوں میں بھی ترک ہی نہیں۔ بلکہ ایرانی عرب شامی حبشی وغیرہ سب مسلمان اقوام شامل ہیں۔ ساڑھے نو لاکھ کی آبادی کی تقسیم بلحاظ مذاہب و اقوام حسب ذیل کی گئی ہے۔ اسی نسبت سے بارہ یا تیرہ لاکھ کی آبادی کا تخمینہ لگا سکتے ہیں

مسلمان	۳۸۴۹۱۰
یونانی (عیسائی)	۱۵۲۷۴۱
یونانی لاطینی (")	۱۰۸۲
ارمنی (")	۲۲۰۰۰۰
رومن کیتھالک دیسی (عیسائی)	۴۴۳۴۲
پروٹسٹنٹ (")	۸۱۵
بلغار (اہل بلگیریا) "	۴۳۷۷
یہودی	۴۴۳۶۱
غیر ممالک کے باشندے	۱۲۹۲۴۳
میزان	۹۴۳۵۷۵

زبانوں اور رسم ورواج کا اختلاف یہی وجہ ہے کہ شہر میں کئی بولیاں بولی جاتی ہیں۔ کئی بولیوں میں اخبار چھپتے ہیں۔ مختلف دوکانوں کے نوٹس بورڈوں پر پانچ پانچ سات سات زبانوں میں اور سڑکوں کے نام اتنی ہی خطوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ اسی لحاظ سے مختلف تہذیب خیالات مذاہب اور رسم ورواج کے لوگ یہاں آباد ہیں۔ ترک جمعہ کو تعطیل کرتے ہیں۔ یہودی ہفتہ کو اور عیسائی اتوار کو اور یہی اختلاف بدنصیبی سے حکومت عثمانیہ کے بہت بڑی مشکلات میں سے ایک ہے۔

تمدن اور عظمت کرنل اسمعیل بک سرینگ انسپکٹر مدارس جنگی مصر نے

اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ قسطنطنیہ میں (۳۵۴) سرائیں (۱۰۰) حمام (۵۰)
یا اس کے قریب شاہی محلات و مکانات (۱۹۴) سپاہیوں کی بارکیں
اور پولیس کی چوکیاں ہیں۔ مسجدوں کی تعداد (۴۷۵) ہے (۵۲۰) اسلامی
مدرسے (۱۳۸) مدارس عالیہ (۴۵) کتب خانے (۲۳۱) دیر (۱۸) شفاخانے
اور (۱۷۰) گرجے ہیں جن میں سے (۹۰) رومیوں (۴۰) ارمنوں کے (۱۰)
لاطینیوں اور باقی دوسرے عیسائی فرقوں کے۔ معلوم نہیں یہ اعداد کہاں
تک قابل اعتبار ہیں۔ سالنامہ معارف میں جو ۱۹۰۰ء میں قسطنطنیہ میں طبع
ہوا ہے اور سرکاری پبلیکیشن ہے۔ قسطنطنیہ کے اڑتالیس قلمی کتب خانوں (۴۸) اخبارات و رسائل
(۹۰) مطابع اور (۳۴۹) ہر قسم کے مکاتب کی فہرست دیکھی ہے۔ اور مزید گائیڈ بک میں لکھا ہے کہ
استنبول خاص میں حمام (۱۳۰) ہیں۔ در قطع نظر دیگر مضافات و ملحقات
کے (۵۰۰) معمولی مسجدیں اور (۲۳۰) جامع مسجدیں ہیں۔ بہر حال یہ قول
جو ایک یورپین مصنف کا یورپین لوگوں میں نقل کیا جاتا ہے۔ درست نہیں
کہ قسطنطنیہ میں اتنی مسجدیں ہیں۔ سال کے ہر دن میں ایک نئی مسجد میں
جا کر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ دو سال تک برابر ہر روز ایک
مسلمان ایک نئی مسجد میں جا کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ اور پھر بھی بعض مساجد
ایسی ہونگی کہ جن میں وہ نہ جا سکا ہوگا۔ کیونکہ قمری سال میں (۳۵۴) روز
ہوتے ہیں۔ اور دو سالوں کے صرف (۷۰۸) دن ہوئے۔ سچ یہ کہ آخری
بیان کے مطابق جامع اور معمولی مساجد ملا کر کل (۷۳۰)[1] مساجد استنبول
میں موجود ہیں۔ ترکوں کے قدیم پایۂ تخت بروصہ کی نسبت بھی یہی مشہور
ہے کہ وہاں کے مسلمان سال کے ہر دن میں ایک نئی مسجد میں جا کر نماز
پڑھ سکتے ہیں۔ یعنی وہاں اتنی مساجد ہیں تاہم مندرجہ بالا اعداد سے کم و
بیش اندازہ لگ سکتا ہے کہ قسطنطنیہ کتنا بڑا شہر ہے اور وہاں کے
باشندوں کی ضروریات کے لئے کیا کیا سامان موجود ہیں۔ بقول مزید

[1] قاموس الاعلام ترکی مطبوعہ ۱۳۰۶ھ میں اسکے ترکی مصنف نے لکھا ہے کہ خاص شہر میں (۱۰۸) مسجدیں
اور ملحقات میں (۳۴۲) کل (۴۵۰) مساجد ہیں۔

پیشہ وروں کے رجسٹری شدہ مجالس اس شہر میں (۲۷۵) ہیں۔ جیسے قصابوں نان بائیوں حجاموں وغیرہ کی۔

سلطنتیہ زمانہ عروج میں

مصر کے رسالہ الہلال میں چھپا تھا۔ کہ ایک معتبر شخص نے ۹۹۲؁ھ میں جبکہ سلطنت عثمانیہ اپنے پورے اوج ترقی وکمال پر تھی۔ شہر قسطنطنیہ کی آبادی کی بابت حسب ذیل فہرست مرتب کی تھی۔ یہ فہرست سلطان سلیمان قانونی متوفی ۹۷۴؁ھ کے زمانہ سے بعد کی ہے۔

مسلمانوں کے محلے (۲۲۵) بڑی مسجدیں (۴۰۰) محلوں کی معمولی مسجدیں (۴۴۹) اعلےٰ درجہ کی عمارتیں (۵۰) مکتب خانے (۱۹۵۲) خانقاہیں (۱۰۰) فقیروں اور درویشوں کے تکئے (۳۰۵) دولابی چشمے (کنوئیں) (۴۰۰) حراسین (۵۰۸) بڑے میدان (۱۲) حمام (۸۷۰) عیسائیوں کے محلے (۴۸۵) یہودیوں کے محلے (۲۸۵) گرجے اور کنیسے (۴۲۷)

کسٹم سے اسباب چھوڑانا

قسطنطنیہ پہنچنے کے دوسرے روز میں شیخ ولی محمد صاحب افغانی کے ہمراہ چونگی خانہ سے اپنا اسباب چھوڑانے گیا جو پیرس سے قسطنطنیہ کو بک کرادیا تھا۔ یہاں چار گھنٹہ کی متواتر تکلیف کے بعد اسباب ملا۔ البتہ اس میں جو دو تین معمولی کتابیں اور اخبارات تھے وہ نکال لئے گئے کہ محکمہ تفتیش کے اطمینان کے بعد بھیجے جائینگے۔ یہ بھی شیخ صاحب کی بیحد تگ ودو کا نتیجہ تھا کہ کوئی آٹھ سات محرروں کے ہاتھ سے کاغذ نکلے۔ تین چار جگہ ان پر ٹکٹ لگائے گئے اور دستخط لئے گئے۔ میں اس تگ ودو اور انتظار میں بہت پریشان ہوگیا تھا۔ لیکن شیخ صاحب نے کہا کہ تمہارا کام تو اتنی جلدی ہوا ہے کہ کبھی میں نے کسی کا یہاں ہوتا دیکھا نہیں۔ لیکن جب ہندوستان پہنچکر بمبئی سے مجھے اپنا اسباب بحری کسٹم سے چھوڑوانا پڑا تو مجھے قسطنطنیہ کی کسٹم

کی کوئی شکایت باقی نہ رہی۔ کیونکہ ایک گورے اہلکار نے مجھے بہت دق کیا۔ اور پانچ روپے پر فیصلہ ہوتا تھا۔ مگر میں نے گوارا نہ کیا۔ اور کسٹم سے گذرنے کی پوری تکلیف گوارا کی۔

رشوت خوری کا الزام انگریزی سفرناموں اور اخباروں میں میں نے اکثر شکایت پڑھی ہے کہ ترک افسر بڑے رشوت خوار ہوتے ہیں۔ خصوصاً چونگی وغیرہ پر اگر وہ تمہیں دق کرلیں تو ایک دو فرانک ان کے ہاتھ میں رکھدو تب وہ اسباب کھولینگے ہی نہیں۔ ممکن ہے کہ یہ صحیح ہو۔ کیونکہ آخر ترک اہلکار بھی انسان ہی ہوتے ہیں۔ زر دنیا میں سب جگہ اپنا کام کرتی ہے۔ جیسا کہ یورپ اور ہندوستان میں بھی دیکھا جاتا ہے۔ لیکن میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ترک افسر نے رشوت لی ہو۔ یا بوجہ کچھ انعام نہ ملنے کے مسافر کو دق کیا ہو بجائے اس کے میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ ترک بہت خلیق اور مسافر نواز ہیں۔ البتہ رحمدل اور مشرقی لحاظ یا مروت یا حیا ان میں زیادہ ہے۔ اور جو کام اور ملکوں میں رشوت لیکر اہلکار کرتے ہیں یہ صرف لحاظ و مروت سے کردیتے ہیں۔ اس کی ایک دو مثالوں کا ان اوراق میں بھی ذکر کرونگا۔

مروت یا لحاظ کا اثر مجھے جو کتابیں مصطفیٰ پاشا کے سٹیشن ریلوے پر اور پھر میرے اسباب میں سے قسطنطنیہ میں لی گئی تھیں۔ وہ آٹھ دس روز تک اس دفتر میں جاکر لینے کا موقع نہ ملا۔ اس عرصہ میں مجھ سے ایک بارسوخ شخص سے ملاقات ہو چکی تھی۔ چنانچہ ان کے ہمراہ میں اس دفتر میں گیا۔ وہاں سے سوائے مرتیز ہینڈ بک آف کانسٹنٹی نوپل کے باقی سب کتابیں فوراً مل گئیں۔ مگر معلوم ہوا کہ وہ کتاب اسی دفتر کے کسی دوسرے افسر کے پاس ہے۔ میرے رفیق سے اور اس افسر سے ملاقات تھی۔ اس افسر نے پہلے ہمارے لئے قہوہ منگوایا۔ پھر کہا کہ یہ کتاب تو ممنوع ہو چکی ہے۔ تاہم میرے رفیق نے باوجود اس افسر کے انکار کئے بے تکلفی کی وجہ سے

وہ کتاب اُس سے چھڑا لی۔ اور اُس پر دونوں ہنستے رہے۔ اسی طرح قسطنطنیہ سے بیروت کو چلتے ہوئے ایک سید صاحب ہمارے ہمراہ جہاز پر سوار ہوئے یہ نواح بصرہ و بغداد کے کسی با اثر عرب قبیلہ کے سردار کے بھائی تھے۔ جو مصلحتاً کئی سال استنبول میں نظر بند رکھے گئے تھے۔ مگر اب ان کو وطن جانے کی اجازت ملی تھی۔ جس جہاز پر اور جن مختلف بندرگاہوں میں کہ جہاں جہاز ٹھیرتا اور مسافر اُترتے یہ سید صاحب ہر شخص سے نہایت بے تکلفی سے پیش آتے اور لوگوں کو اوغلم یعنی بیٹا بیٹا کہکر پکارتے اور سب لوگ بھی ان کے سبز عمامہ اور ریشمی جبہ کے جو نشان شرافت سمجھا جاتا ہے۔ بہت عزت کرتے۔ ایک شخص کی جہاز پر ان سے بہت ملاقات ہوئی تھی۔ مگر اس کے پاس بہت سا اسباب تجارت بھی تھا۔ جس کا جہاز سے اُترنے پر خاص محصول چونگی لیا جاتا۔ ایک بندر پر جب یہ اترا تو عرب سید صاحب نے چونگی کے افسر کو بڑے تحکم سے کہا یہ میرا بیٹا ہے اس کے اسباب کا محصول معاف کردو۔ چنانچہ چونگی کے افسر نے اس سے ایک پائی نہ لی۔ اور صرف لحاظ و مروت سے سرکاری رقم کا نقصان کر دیا۔ سمجھا کہ کسی دوسرے ملک میں سوائے رشوت لینے کے اور کسی طرح اسباب نہ چھوڑا جاتا۔

صیغۂ تفتیش کتب پہلے تو مجھے ترکوں کی یہ نرالی رسم بہت ناگوار گذری کہ اس طرح بے ضرر کتابیں بھی مسافروں سے چھین لیتے ہیں کہ جنہیں واپس لینے میں انہیں غیر ضروری خرچ اور تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ لیکن بعد میں محمود بے صاحب محتسب درآمد کتب اور بعض دیگر فہمیدہ احباب سے اس بارہ میں گفتگو کرنے پر مجھے ترکوں کی مشکل اور معذوری کا کچھ صحیح طور پر اندازہ ہونے لگا۔ کیونکہ یہاں کے ارمنی کتابیں چھاپ کر حدود عثمانیہ کے اندر لانے کی ہر طرح سے کوشش کرتے ہیں۔ اور اپنے بچوں کو ایسی مفسدانہ کتابیں پڑھانی

چاہتے ہیں۔ قسطنطنیہ کے ساٹھ فیصدی باشندے ضرور کوئی نہ کوئی یورپین زبان جانتے ہیں۔ اس لئے سلطنت کو مجبوراً ایسی کتابوں کے روکنے کا انتظام کرنا پڑا۔ جس کے لئے صیغہ تعلیم کے ساتھ ہی تفتیش کتب و اخبارات کا ملحق کر دیا گیا ہے۔ اس لئے جو کتابیں یا اخبارات کہیں سے بھی حدود ٹرکی کے اندر داخل ہوں وہ پہلے اس صیغہ کے ارکان کو رپورٹ کے لئے بھیجی جاتی ہیں جنہیں یہ ملک میں داخل ہونے کے قابل سمجھتے ہیں۔ وہ تقسیم کر دیتے ہیں۔ باقی ضبط کر کے تلف کر دیتے ہیں۔ بیشک سلطنت کو ہر ایک حق اپنی قلمرو میں ایسا قانون نافذ کرنے کا ہے۔ لیکن اگر اسی قانون میں ذرا سی اصلاح کر دی جائے۔ تو بلا مطلب فوت ہونے کے لوگوں کی تکلیف کم ہو سکتی ہے۔ اوّل جن لوگوں سے ملک میں داخل ہونے کے وقت کتابیں لی جاتی ہیں۔ اُن کا پتہ لے لیا جائے۔ اور بہت جلد یعنی دو چار روز میں اگر اُن کی کتابیں غیر مضر ثابت ہو تو سرکار کی طرف سے کتاب اُن کے مکان پر بھیجدی جائے اور بصورت اُن کے ملک سے باہر چلے جانے کے اُن کی سفارت کے سپرد کر دی جائے۔ کیونکہ اجنبی کو بہت سے محکموں میں پھر کر کتاب تلاش کرنے کی نسبت اُس کا چھوڑ دینا بہتر معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر کتاب خفیف سی مضر معلوم ہو۔ تو اُس اجنبی کی مرضی کے مطابق وہ جس غیر ملک میں چاہے اُسے لوٹا دیا جائے۔ بصورت کتاب کے قابل اتلاف ثابت ہونے کے اُس کے مالک کو اس مطلب کی اطلاع دے دی جائے کہ اُسے تلف کیا گیا ہے۔

ممنوع کتابیں واضح رہے کہ اتنی قسم کی کتابوں کی درآمد ممنوع ہے۔ اوّل جن میں سلطنت کی توہین یا اُس کی نسبت غلط اور بدگمانی کے خیالات درج ہوں۔ دوم جس میں دین اسلام کی توہین مقصود ہو۔ سوم کسی غیر ملک کا چھپا ہوا قرآن یا علاوہ مطبع عثمانی کے کسی مطبع کا چھپا ہوا قرآن۔ کیونکہ سوائے مطبع عثمانی کے اور کسی مطبع کو قرآن مجید چھاپنے کی اجازت نہیں ہے۔ چہارم

کوئی کتاب جس میں حضرت سلطان کی تصویر ہو۔ چنانچہ میرے پاس ویانا کے ایک عجائب خانہ کی باتصویر فہرست تھی۔ جس میں سلطان المعظم کی تصویر تھی۔ وہ فہرست ضبط کی گئی۔

نہ صرف ملک کے اندر جانے والی کتابوں کی نگرانی کی جاتی ہے۔ بلکہ ملک سے باہر جانے والی کتابوں کی سختی سے نگرانی کی جاتی ہے۔ اور اس منطق کی مجھے سمجھ نہیں آئی۔ بالفرض اگر کوئی شخص مضر کتابیں ملک سے باہر لیجانا چاہتا ہے تو اُسے ایسی کتابیں لے جانے دی جاویں۔ "خس کم جہاں پاک"۔ لیکن یہاں کتابوں کے سنسرشپ کے محکمہ نے ایک معائن کتب جنگی کے محکمہ میں مقرر کیا ہوا ہے۔ جو ہر ایک کتاب کا سرورق دیکھتا ہے کہ اس پر مجلس معارف کی طرف سے "رخصت" یعنی اجازت درج ہے۔ واضح رہے کہ معارف یعنی سررشتہ تعلیم سے متعلق ایک شاخ اس مطلب کی شامل ہے کہ وہ ملک کی تمام تصنیفات کا چھپنے سے پہلے معائنہ کرے۔ اور جن کتابوں یا جن رسالوں کے چھپنے کی رخصت دے۔ وہی چھپ کر شائع ہو سکتے ہیں۔ یہ محکمہ دیکھتا ہے کہ کوئی کتاب بلا رخصت تو نہیں چھپی۔ یا کوئی ایسی کتاب جو اس محکمہ کے اجراء سے پہلے چھپی تھی انھیں نہیں یا کوئی ایسی کتاب بھی کہ جس کی رخصت تو اس محکمہ نے دے دی تھی۔ لیکن یہ بھی مناسب نہ تھی۔ ایسی کتابیں ضبط کر لی جاتی ہیں۔ بجائیکہ بیچارے مسافر سے ایسی کتاب لے لینے کے ان کتب فروشوں سے بازپرس کرنی چاہیے۔ جو ایسی کتابوں کو فروخت کرتے ہیں۔ ہاں کوئی ایسا قرآن بھی قلمرو سے باہر نہیں جانے دیا جاتا۔ جو مطبع عثمانیہ کا چھپا ہوا نہ ہو۔ بجائیکہ صرف ۱۰۰ سال سے اس مطبع کو قرآن شریف چھاپنے کی اجازت دی ہے۔ جن کی صحت میں کامل توجہ کی جاتی ہے۔ یعنی جب سے مشہور ہوا ہے کہ روس نے کلام مجید سے جہاد کی آیات نکال کر کوئی جلد چھاپی تھی۔ لیکن اس سے پہلے کے لاکھوں

مطبع عثمانیہ کے صحیح قرآن

قرآنوں کی بفروخت ممنوع ہے۔ یہ بھی بیان کر دینا قرین انصاف ہوگا کہ گو یہ قرآن گراں ملتے ہیں۔ لیکن اس مطبع کے قرآن مجید بہت خوشخط اور صحیح ہیں۔ بعض قدیم خطاطوں کے قرآنوں کی عکسی نقلیں لے کر اُن کو تصرف سے محفوظ رکھا گیا ہے۔ اور گویا کہ اُن کی صحت کا ایک سرکاری محکمہ ذمہ دار ہے۔

صیغہ تفتیش کتب ہر چند کہ دولت عثمانیہ نے اِن سب قسم کے قابل اعتراض کتابوں کی مداخلت روکنے کا بہت مستحکم بالشان انتظام کیا ہوا ہے۔ تاہم ایک رخنہ اُس میں باقی ہے اور وہ بڑا سا رخنہ ہے۔ اور محکام ترکی کی یہ شکایت بالکل بجا ہے کہ جو لوگ اپنی قابل اعتراض کتابیں یا اخبار سفراں ممالک غیر کے ڈاک کے ساتھ قسطنطنیہ میں منگوا لیتے ہیں۔ یا غیر ممالک کے ڈاک خانوں کے ذریعہ سے پارسل و اخبارات وصول کر لیتے ہیں۔ اُن محکمہ کی محتسب کی کچھ دسترس نہیں۔ اِسلئے وہاں سائل سے غیر ملکی کتابیں و اخبار روزمرہ حدود سلطانی میں داخل کرتے رہتے ہیں۔ مگر ترکی حکام اُسکے تدارک سے بے بس ہیں۔

دول غیر کے ڈاک خانے تمام مہذب دنیا کے خلاف قسطنطنیہ اور بعض دیگر قصبات و بندرگاہان دولت عثمانیہ میں یہ نئی بات دیکھی جاتی ہے کہ سوائے ترکی ڈاک خانوں کے پانچ دول یورپ کے اپنے اپنے ڈاکخانے علیحدہ قائم ہیں۔ مثلاً غلاطہ میں انگریزی فرانسیسی آسٹرین جرمنی اور روسی ڈاک خانے علیحدہ علیحدہ موجود ہیں جہاں جن لوگوں کے نام کے خط یا پارسل کہیں سے بھی آتے ہیں۔ وہاں سے وہ خود آ کر لے جاتے ہیں۔ کیونکہ ڈاکخانے خود خطوط تقسیم نہیں کرتے۔ مقصد اِن علیحدہ ڈاک خانوں کے قیام کا یہی ہے کہ اِن دولتوں کو ترکی ڈاک خانہ پر بسلامتی ڈاک پہنچا دینے کا اعتبار نہیں ہے۔ اس لئے یہ اپنے اہتمام سے ڈاک پہنچاتے ہیں۔ اور اس طرح جو قابل اعتراض کتاب یا اخبار کوئی شخص چاہے کسی دولت کے ڈاک خانہ

کی معرفت منگوا سکتا ہے۔ اور قسطنطنیہ سے باہر بھی بھیج سکتا ہے۔ کیونکہ قسطنطنیہ سے باہر بھیجے جانے کے بھی بعض کتب تاریخ وغیرہ کی ممانعت ہے۔

ممالک غیر کے ڈاکخانوں کی گتھی نہیں سلجھتی۔

مندرجہ ذیل اقتباس انسائیکلو پیڈیا برطانیہ کا سے اس بارہ میں پڑھ کر سلطنت عثمانیہ کے مشکلات کا اندازہ کیجئے:۔ اپریل سنہ ۱۹۰۱ء میں سلطان المعظم کو ترکی سفیر متعینہ پیرس نے اطلاع دی کہ ینگ ٹرکش پارٹی کی کمیٹیاں قسطنطنیہ میں اپنی طاقت کی انتہا کی تیاریاں کر رہی ہیں۔ اور غالباً جون میں کسی نہ کسی قسم کی شورش ہوگی۔ اسکا تدارک اس طرح ہو سکتا ہے کہ غیر طاقتوں کے ڈاک خانوں میں جو ڈاک کے تھیلے سربمہر ترکی ڈاک خانہ سے گذرتے ہیں۔ انہیں کھول کر دیکھ لیا جائے مگر مابین الاقوام عہدناموں کے رُو سے یہ تھیلے کھولنے کی اجازت نہیں۔ یہ بجنسہ سربمہر غیر طاقتوں کے پوسٹ ماسٹروں کو ملنے چاہئے۔ اس قاعدہ کے خلاف ۷ مئی کو ترکی حکام ڈاک خانہ نے غیر طاقتوں کے ڈاک کے تھیلوں کو پھاڑ کر مشکوک خطوط ضبط کر لئے۔ اور باقی ماندہ ڈاک اُن کے حوالہ کر دی۔ آسٹریا فرانس برطانیہ اور جرمنی کے سفارتوں نے کہ جن کی ڈاک کے تھیلے پھاڑے گئے تھے۔ باب عالی کی اس کارروائی پر ایک مضمون کا اعتراضی نوٹ بھیجا۔ اور اپنی اپنی گورنمنٹوں کو رپورٹ کر کے مشورہ طلب کیا دوسرے روز سفارتوں نے پولیس بحری سپاہیوں اور ملاحوں کی ایک جماعت کشتیوں پر ڈاک کے جہاز کی طرف روانہ کی تاکہ اپنے اپنے پوسٹ آفسوں کے خطوط کی تھیلیوں پر قبضہ کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا کیا۔ ترکی حکام ڈاک خانہ نے کچھ مزاحمت نہ کی۔ البتہ یہ کہا کہ ترکی ڈاک خانہ بیرونی ڈاک کا انتظام نہ کریگا۔ چنانچہ سفیروں نے اپنی خاص قاصد کے ذریعہ روانہ کر دی۔ باب عالی نے سفیروں کے اعتراض کا یہ جواب دیا کہ ڈاک کی تھیلیاں کھولنے میں ہم حق بجانب تھے۔ لیکن سفیروں نے باب عالی کے رقعہ کو تسلیم نہ کیا۔

بلکہ واپس کر دیا۔ ایک ہفتہ بعد سلطان المعظم نے بحری نمائش کی ذمت سے مجبور ہو کر اپنے وزیر خارجیہ کو دول یوروپ کے سفارتوں میں بھیجکر اطلاع دی کہ جلالت مآب نے ڈاک کی تھیلیوں کے متعلق جو حکم دیا تھا اُسے منسوخ کر دیا ہے اور با قاعدہ وعدہ کیا گیا کہ ممالک غیر کے ڈاک خانوں میں پھر کبھی مداخلت نہ کی جائیگی۔ سفیروں نے اِن شرائط کو ایک متفقہ رقعے میں تسلیم کیا۔ اور ۲۸ مئی کو اپنی گورنمنٹوں سے تصدیق کرالی۔"

ترکی ڈاک خانہ سنہ ۱۹۰۲ء میں تمام قلمرو میں (۱۲۹۷) ڈاک خانے تھے کہ جنہوں نے اندرون ملک میں پونے دو کروڑ کے قریب خطوط اور پوسٹکارڈ اور ساڑھے اُنتیس لاکھ سے زیادہ اخبارات تقسیم کئے۔ اور بین الاقوام ڈاک خانوں کی مدد سے سوا اسّی لاکھ خطوط اور سوا چبیس لاکھ اخبارات تقسیم کئے۔ جن مقامات میں ڈاک خانے نہیں وہاں بھی محصول زائد دینے پر ڈاک خانہ خطوط پہنچا دیتا ہے۔ ابھی یہاں ڈاک خانہ استقدر مکمل نہیں ہوا ہے جیسا کہ ہندوستان کا صیغہ ڈاک خانجات ہے۔ اول یہ کہ قسطنطنیہ میں کوئی لوکل ڈیلوی کا انتظام نہیں اور شہر کے ایک حصہ کا خط دوسرے حصہ میں نہیں جا سکتا۔ ایک دفعہ یہ انتظام کیا گیا تھا مگر جلدی ہی بند کر دیا گیا۔ دوسرا یہ کہ لوگوں کو غیر ملک کے خطوط ڈاک خانوں سے جا کر لانے پڑتے ہیں۔ جنہیں اہل شہر ترکی ڈاک خانہ سے زیادہ معتبر سمجھتے ہیں۔ ایک دفعہ مجھے ایک ترک نے کہا تھا کہ ہر چند کہ ہم نہیں چاہتے کہ محصول خط کا ایک پیسہ بھی جو ہماری گورنمنٹ کو مل سکتا ہے کسی دوسرے کو دیں لیکن پھر بھی کئی مرتبہ غیر ممالک کے ڈاک خانوں میں خط پوسٹ کرتے ہیں۔ اور جو غیر ممالک کے اخبار یہاں آتے ہیں۔ اُن کے بُری گت بنتی ہے۔ ایک جب خانے کے خریدار نے مجھے تبلایا تھا کہ دو دو تین تین مہینہ کے بعد مجھے جب خانے کے پیچ محکمۂ تفتیش سے فارغ ہونے کے بعد ملتے ہیں۔ اس لئے اگر انگریزی ڈاک خانکی معرفت

اخبار بھیجا کریں۔ تو جلدی مل جائینگے بشرح محصول ممالک غیر کے لئے نصف اونس
کی چٹھی کا ایک قرش ہے۔ مگر اندرون ملک کے لئے جہاں ریل اور سٹیمر کے ذریعہ
چٹھی جلدی پہنچ سکتی ہے۔ ایک قرش اور اندرون کے ملک کے دور دراز مقامات
کے لئے دو قرش فی خط مقرر ہے۔

ٹیلیگراف مگر ترکی ڈاکخانوں کی نسبت ترکی تار کا انتظام بہت عمدہ ہے۔
جو یورپ اور ہندوستان سے بھی سستا ہے۔ شہر و مضافات کے بعض حدود
کے اندر ہر بیس لفظ کی تار کے لئے اڑھائی قرش یعنے پانچ آنے دینے پڑتے ہیں
اور ان سے زائد ہر دس لفظ کے لئے نصف محصول ہے۔ اس لئے شہر کے اندر
خطوط کا کام بھی ترک زیادہ تر تار برقی پیغامات سے لیا کرتے ہیں۔ اب جبکہ
ہندوستان میں چار آنہ کا تار بھی جاری ہو گیا ہے۔ اب بھی ترکی تار کی ارزانی
سے دو چند کے قریب گراں ہے۔ اور اس نرخ کو ترکی زبان کی ساخت نے اور ارزاں کر دیا ہے
ہمیں جانا ہوگا کو ترکی زبان میں کہتے ہیں گیتملیغز۔ اور انگریزی میں We must go یعنے اردو اور
انگریزی دونوں زبانوں میں یہ تین تین لفظ کا فقرہ ہے۔ مگر ترکی میں صرف ایک لفظ کی شکل
میں یہ فقرہ سما گیا ہے۔ ترکی میں تار برقی کا سلسلہ تخمیناً ایک میل پر پھیلا ہوا ہے اور کل تاروں کا طول
(۳۹۸۰۰) میل ہے (۷۰۰) تار گھر ہیں۔ گذشتہ سال میں کل (۲۰۰۷۲۹۴) تار برقی بھیجے گئے

لباس۔ خوراک۔ مکانات معاشرت اور اخلاق و آداب

لباس ترکوں نے یورپ کے ڈریس کو ایسا پورے طور پر اختیار کر لیا ہے
کہ اگر ان کی سرخ ٹوپی کو یورپین ٹوپی سے بدل دیں تو ان میں اور یورپین اقوام
میں ذرا تفاوت نظر نہ آئے۔ یونانی ارمنی اور بلغیرین عیسائی جو یہیں صدیوں سے
آباد ہیں۔ ان کے رنگ بمقابلہ ترکوں کے میلے نظر آتے ہیں۔ ترک جنٹلمین سیاہ
رنگ کوٹ زیادہ پہنتے ہیں۔ جیسے کہ تمام یورپ اور خصوصاً انگلستان میں دستور
ہے۔ جو گریبان سے ایسا ہی تنگ ٹھوڑی کے نیچے بند ہوا ہوتا ہے جیسا کہ انگریزوں کا
ہوتا ہے یا بند ہوتا۔ ان کا پتلون کسی قدر اہل یورپ سے ڈھیلا ہوتا ہے کہ جس سے نماز

پڑھنے میں بھی دقت نہیں ہوتی۔ سوائے سُرخ ٹوپی کے متوسط اور اعلےٰ درجہ کے ترکوں کا لباس بالکل اہل یوروپ کا سا ہوتا ہے۔ اور چونکہ یہودی اور عیسائی بھی ایسے ہی لباس کے ساتھ ترکی ٹوپی پہنتے ہیں۔ اور رنگ سب کے یکساں گورے ہوتے ہیں۔ اس لئے لباس سے مسلمان یا عیسائی کی شناخت نہیں ہو سکتی ہے۔ عیسائیوں نے نہ صرف ترکوں کی ٹوپی ہی اختیار کرلی ہے جو سرکاری ملازمت میں تو انہیں پہننی لازمی بھی ہے۔ بلکہ ترکوں کی طرح بعض عیسائی تسبیح پھیرتے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ سر بازار ٹہلتے ہوئے۔ اور جب بعض ایسے یورپین کو

عیسائی بھی تسبیح پھیرتے ہیں

جن کے سر پر ہیٹ ہوتی ہے اور وہ روش عام سر بازار تسبیح پھیرتے جاتے ہیں۔ تو دیکھکر عجب لطف آتا ہے۔ بعض دوکاندار مزدور دستکار اور علما، ابھی پورانی قسم کا لباس پہنتے ہیں۔ علما تو واسکٹ کے اوپر

علما کا لباس

ایک لمبی عبا پہنتے ہیں جس کے تکمے نہیں لگاتے۔ اور سر پر ترکی ٹوپی کے اوپر ایک سفید کپڑے کی پٹی باندھتے ہیں کہ جسے لفہ کہتے ہیں۔ تمام قدیم مدارس کے طلبا بھی جو مذہبی تعلیم پاتے ہیں ایسے ہی سُرخ ٹوپی پر لفہ باندھتے ہیں۔ اور یہی طلبا ہیں کہ جنہیں یورپین اخبارات کے نامہ نگار سوفطہ اور گروہ متعصب مفسدہ پرداز مضمون لکھا کرتے ہیں۔ علما کے پاجامے بھی کسیقدر کھلے ہوتے ہیں۔ اور نیچے کبھی پائنچوں کی طرح بٹن لگائے جاتے ہیں۔ عام لوگ خصوصاً دیہات کے اکثر قدیم ترکی لباس پہنتے ہیں۔ جو سلطان محمود ثانی مصلح کے یورپین لباس اور سُرخ ٹوپی کو ترکوں میں رواج دینے سے پہلے مروج تھا۔ اِنکے پاجامے کسیقدر شلوار نما ہوتے ہیں۔ اور کوٹ جن کی آستینیں تنگ ہوتی ہیں اور سینہ بند سے زیادہ لمبے نہیں ہوتے پہنتے ہیں۔ اور سروں پر ٹوپی کے اوپر چھوٹے سے رومال باندھتے ہیں یا صرف ترکی ٹوپی پہنتے ہیں حمال وغیرہ لوگوں کا یہی لباس رہتا ہے۔

ترکی بوٹ یا توزرہ

ترکی بوٹ ترکوں کی خاص ایجاد ہے۔ جو ظاہرا تو بالکل

یورپین بوٹ کی طرح معلوم ہوتا ہے لیکن دراصل یہ دوہرا بوٹ ہے۔ ایک ہلکا مگر مکمل فل بوٹ لاسٹک والا ایک نیم بوٹ یا گورگابی کے اندر ہوتا ہے اور ایڑی کے پیچھے ایک لوہے کا چھوٹا سا کھٹکا ایسے طور پر لگا ہوا ہوتا ہے کہ دوسرے پاؤں کے بوٹ سے دبانے سے وہ کھل جاتا ہے۔ اور باہر کا حصہ اُتر جاتا ہے۔ اور باقی ہلکا سا فل بوٹ جو اندر ہوتا ہے وہ پہنے ترک برابر فرش بلکہ مسجدوں میں بھی چلے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ پاک صاف ہوتا ہے۔ اور اُس سے نماز بھی پڑھتے ہیں۔ اندرونی بوٹ کو بھی برابر ایڑی ہوتی ہے جو بیرونی پردہ کی ایڑی کے اندر کھب جاتی ہے۔ مجھے چند روز قسطنطنیہ میں رہنے کے بعد جبکہ ترکوں کی ملاقات کا کئی مرتبہ اتفاق ہوا تو ایک قوندرہ خریدنے کی ضرورت پڑی جو میں نے چار مجیدی کو خریدا۔ اور باقی عرصہ قسطنطنیہ میں وہی پہنے رہا۔

گھروں کے اندر فرش ترکوں کے گھروں کے اندر ہر حصہ میں ہر غریب یا امیر کے یہاں حسب مقدور فرش ضرور ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ مجھے ایک دوست نے بتلایا کہ حمالوں کے گھروں کے اندر بھی ایک آدھ قالین ضرور بچھا ہوا ہوگا۔ خواہ وہ کتنا ہی پورانا یا کم قیمت ہو۔ اور متوسط الحال اور امیروں کے یہاں تو کئی کئی ترکی قالین ہوتے ہیں۔ میرے میزبان سید عبدالغفار آفندی کے گھر کے اندر کہ جہاں میں قریب دو ہفتہ کے مقیم رہا۔ کئی قالین بچھے تھے جن میں سے کوئی آٹھ دس پونڈ سے کم کا نہ تھا حالانکہ وہ ایک معمولی دوکاندار ہیں۔ اور چونکہ آب و ہوا اس ملک کی سرد ہے۔ وہ لوگ بوٹ اُتار نہیں سکتے۔ اور نہ اہل یوروپ کی طرح بوٹ فرش پر لا سکتے ہیں۔ کیونکہ انہیں اسلامی طہارت ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ اس لئے جتنی دیر وہ گھر کے اندر رہتے ہیں۔ اگر وہ کپڑے نہ اتاریں تو ترکی بوٹ کا اندرونی حصہ پہنے رہتے ہیں۔ اور باہر جاتے ہوئے داخلہ کے دروازہ میں سے بیرونی حصہ یا گورگابی

اوپر چڑھا لیتے ہیں۔ جو ایک پورا بوٹ بن جاتا ہے۔ اور ظاہرا بالکل دو بوٹ نظر نہیں آتے۔

داڑھی سوائے جماعت علما یا مشائخ یا بعض حمالوں کے شائد ہزار میں سے ایک آدھ کی داڑھی منڈی ہوئی نہ ہوگی۔ یا شائد جتنے لوگ لنڈن یا پیرس میں داڑھی رکھتے ہوں اتنے ہی ترک داڑھی والے نظر آئینگے۔ کہتے ہیں کہ بوجہ یوروپ میں واقعہ ہونے اور یورپین افواج کا مقابلہ کرنے کے شیخ الاسلام کے فتوے کے مطابق ترکی لشکر میں مدت سے داڑھی منڈوانے کا رواج ہے۔ مساجد میں جو لوگ نماز پڑھنے جاتے ہیں اُن میں زیادہ تر پتلون پوش اور داڑھی منڈے ہوئے لوگ ہوتے ہیں۔ اس لئے اس ملک میں داڑھی منڈوانا شعار اسلامی کے خلاف نہیں سمجھا جاتا۔ البتہ جب کوئی سلطان تخت نشین ہوتا ہے تو اگر وہ حالت شہزادگی میں داڑھی منڈواتا تھا تو اب اُس کے لئے داڑھی رکھنا ضروری ہوجاتا ہے۔

ترکی ٹوپی ترک اپنی ٹوپی کو طربوش نہیں بلکہ فس (Fez) کہتے ہیں۔ اور سلطانی کارخانہ ٹوپی سازی کو فس خانہ ہمایونی کہتے ہیں۔ چونکہ انگریزی میں فیض (Fez) لکھا جاتا ہے۔ اور یہ بھی خیال ہے کہ پہلے مراکش کے شہر فیض سے اس قسم کی ٹوپی کا رواج ہوا تھا۔ اس لئے ہندوستان میں بھی لوگ اسے فیض یا فیز کہتے ہیں۔ ترکی میں پہلے پہل سلطان محمود مصلح نے اس ٹوپی کو رواج دیا۔ اور خود بہت بڑا سلطانی عمامہ جیسا کہ تمام سلاطین آل عثمان مدیوں سے پہنتے آئے تھے اور جو کہ بجنسہ اُن کے مرقدوں کے اوپر اس وقت تک جا بجا قسطنطنیہ میں رکھے ہوئے ہیں۔ اُتار کر یہی ٹوپی پہنی۔ چنانچہ سلطان محمود ثانی پہلا سلطان ہے کہ جس کی قبر پر بجائے عمامہ کے ایک سرخ ترکی ٹوپی رکھی ہوئی ہے۔ سلطان عبدالعزیز نے اس ٹوپی میں اصلاح کی اور اسے

نیچے سے چوڑا اور بلندی میں کم کر دیا۔ چنانچہ اب تک یہ فیشن انہیں کے نام سے مشہور ہے۔ قسطنطنیہ میں فوجی سپاہی بہت بلند ٹوپی پہنتے ہیں باقی لوگ چھوٹی ٹوپی استعمال کرتے ہیں۔ مگر چونکہ وہاں ٹوپیاں صاف کرنے کی دوکانیں جابجا پر ہیں۔ اور دو پیسے دے کر ہر وقت ٹوپی صاف اور سخت بن سکتی ہے۔ اس لئے ٹوپیاں بہت خوبصورت اور ستھری معلوم ہوتی ہیں۔

ترکی ٹوپیوں کا سلطانی کارخانہ

حضرت ایوب کو جاتے ہوئے سٹیمر کے گھاٹ سے فس خانہ سجا یوں بہت قریب ہے۔ ٹوپیاں بنانے کا صرف یہی ایک کارخانہ قسطنطنیہ میں ہے۔ اور یہ سرکاری ہے۔ اس میں علاوہ ٹوپیوں کے بقدر بانات اور کشمیرہ تیار ہوتا ہے۔ جو تمام عثمانی افواج کی ضرورت کے لئے کافی ہوتا ہے۔ اور قالین بھی بنائے جاتے ہیں۔ فس خانہ عامرہ مدیر معاونی بکباشی عاصم افندی نے ہمیں کارخانہ کے مختلف حصے دکھلائے۔ یہ کارخانہ صرف اون کے سامان کا ہے۔ سوت کے کپڑے کا ایک دوسرا سرکاری کارخانہ قری کوئی کے پاس واقع ہے۔ یہاں پہلے پشم سے سوت بنایا جاتا ہے پھر بُنا جاتا ہے۔ پھر کپڑے کو بانات کشمیرہ ٹوپیوں کے لئے مشینوں سے گف بنایا جاتا ہے۔ ایک مشین میں ایک قسم کے پودے کے ڈھینڈی لگا دیتے ہیں جو اونی کپڑے کی گرد تنکے وغیرہ دور کر کے صاف کر دیتے ہیں۔ پشم دھونے نچوڑنے اور خشک کرنے کی مشینیں بھی دیکھیں۔ ان میں سے ایک پشم دھونے کی مشین یہیں بنائی گئی ہے۔ کیونکہ اسی کارخانہ کے اندر ایک بڑا ورکشاپ بھی ہے کہ جہاں اس کی مشینوں کی شکست و ریخت کی مرمت بھی ہوتی رہتی ہے۔ گف بنانے کے بعد ان کپڑوں کو رنگا جاتا ہے۔ ٹوپیاں اسی قسم کی گول مشینوں پر بنی جاتی ہیں کہ جن پر جورابیں بنی جاتی ہیں۔ البتہ وہ ان سے بڑی ہوتی ہیں۔ کیونکہ ٹوپی کا گھیر جوراب سے بڑا ہوتا ہے۔ بعض جوراب کی طرح گول بنتی ہیں۔ اور ان پر چندیا پیچھے لگائی جاتی ہے۔ اور بعض نئی

ئه یہ کارخانہ جاپانی جس میں قالین ریشم کے کپڑے اور ترکی ٹوپیاں بنتے ہیں شہر سے بہت [illegible] ہے۔ [illegible] اور ریشم [illegible] بھیجا جاتا ہے۔ یہیں بنایا جاتا ہے

مشینوں سے ایسی بنتی ہیں کہ صرف ایک طرف سے انہیں سلائی کرنی پڑتی ہے یہ پہلے سر سے بہت بڑی ہوتی ہیں۔ مگر گٹ کرنے کے عمل میں سکڑ کر موٹی ہو جاتی ہیں۔ پھر انہیں سرخ رنگا جاتا ہے۔ سلطان المعظم کے لئے بھی اس کارخانہ میں ٹوپیاں بنتی ہیں۔ مگر وہ ایک خاص طرز کی اور زیادہ دبیز ہوتی ہیں۔ جو یہاں کسی اور کو نہیں ملتیں مگر سلطانی توشہ خانہ کا افسر یہاں سے ہر ہفتہ لے جاتا ہے۔ یہاں جرابیں اور بنیان بھی بنتی ہیں۔ آجکل کارخانہ میں مشینیں اضافہ کی گئی ہیں۔ اور تعمیر بھی بڑھ رہی ہے۔ اس صورت میں کام بہت بڑھ جائیگا اب بھی یہاں کی ٹوپیاں اور کپڑہ جو فوج کے کام سے بچتا ہے اس کی بازار میں فروخت کے لئے دوکانیں موجود ہیں۔ یہاں کے ایک عام ترکی ٹوپی بازار میں ۱۲ غروش کو ملتی ہے۔

ستر ہزار ٹوپیاں روزانہ خرچ ہے

اسی اثنا میں ایک انگریز اسے سائکس نامی باشندہ مانچسٹر بھی کارخانہ میں آگیا جو ترکی بولتا تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ پہلے اسی کارخانہ میں دس سال تک ٹکینک رہا ہے۔ مگر اب بشکایت ناقدردانی کام چھوڑ بیٹھا ہے۔ اُسنے بتلایا کہ یہاں سے ہزار سے دو ہزار تک ٹوپیاں روزانہ تیار ہوتی ہیں۔ حالانکہ سلطنت عثمانیہ کے کل خرچ کے لئے ستر ہزار روزانہ کا اندازہ کیا گیا ہے۔ اس کارخانہ میں ڈیڑھ ملین کیلو دیسی اون سال تمام میں خرچ ہوتی ہے۔ اور کارخانہ کا کل خرچ سالانہ دو لاکھ پونڈ ہے۔ ماہوار تنخواہ صرف چار سو پونڈ ہے۔ بیکباشی عاصم نے بتلایا کہ سب سے باریک ریشہ والی آسٹریلیا کی اون ہے۔ اس میں سے دھونے کے بعد سو میں سے ۵۰ حصے باقی رہ جاتے ہیں۔ دیس کی اون سے ۵۰ فیصدی اور دو بریچہ (عثمانی) اُون سے بھی اسیقدر۔ عسکری ٹوپیوں میں آسٹریا کی اُون میں چوتھا حصہ دو بریچہ اُون ڈال لی جاتی ہے۔

کارخانہ کے مزدور اور دستکار

سوائے اس کارخانہ کے ایک حصہ کے کہ جہاں

پچاس راچھ بانات بنتے ہیں۔ اور وہاں مزدور کام کرتے ہیں۔ باقی ایک سو بیس راچھوں پر عسکری دسپاہی کام کرتے ہیں۔ کل پندرہ سو آدمی ہیں جو عسکری یہاں رہیں۔ انہیں جنگ پر نہیں بھیجا جاتا۔ اور علاوہ کھانے کپڑے کے ایک مجیدی (اڑھائی روپے) ماہوار تنخواہ دی جاتی ہے۔ اس ملک میں تمام سپاہیوں اور فوجی افسروں کو کھانا سرکار سے ملتا ہے۔ مثلاً ایک یوزباشی سو آدمیوں کے افسر کو بارہ اوقہ روٹی۔ اسیقدر چاول اتنا ہی گوشت اور نمک مرچ مصالح ایندھن اور گھوڑا ہے تو گھاس بھی۔ صابن روغن زیتون وغیرہ سب ضروریات بصورت جنس سرکار سے ملتی ہیں۔

یتیم بچے بھی کام سیکھتے ہیں

اس کارخانہ میں علاوہ مزدوروں اور عسکریوں کے یتیم بچے بھی کام سیکھتے ہیں۔ پاس ہی ایک مدرسہ ہے۔ یہ ایک روز پڑھتے اور ایک روز یہاں آکر کام کرتے ہیں۔ چونکہ بدقسمتی سے ترکوں کے یورپین ہمسائے اکثر انہیں جنگ میں مصروف رکھتے ہیں۔ اور یہ بیچارے شہید ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے یتیم بچوں کی تعداد زیادہ معلوم ہوتی ہے سلطنت کا یہ کام قابل تعریف ہے کہ اپنے اکثر کارخانوں کے ساتھ ایک ایک مدرسہ یتیم بچوں کا بنا دیا ہے۔ جہاں یہ یتیم بچے نوشت و خواند کے ساتھ دستکاریاں بھی سیکھتے رہتے ہیں۔

ترکوں کو یہ صدی میں کتنے جنگ کرنے پڑے

اپنے مندرجہ بالا بیان کی تصدیق میں میں ابوالضیب آفندی ایک نامور ترک پبلشر کی جنتری سے جدول درج کرتا ہوں جس سے معلوم ہوجائیگا کہ انیسویں صدی عیسوی میں کتنے سال ترکوں کو اپنے ہمسایہ عیسائیوں کے ساتھ جنگ میں مصروف رہنا پڑا۔ اور کتنے سال امن نصیب ہوا۔

(ایک صدی میں ترکی جنگوں کی جدول)

سنہ ۱۸۰۰ء	✗	✗	سنہ ۱۸۳۰ء	سنہ ۱۸۴۰ء	سنہ ۱۸۵۰ء	سنہ ۱۸۶۰ء	سنہ ۱۸۷۰ء	سنہ ۱۸۸۰ء	سنہ ۱۸۹۰ء
۱	✗	✗	۳۱	۴۱	۵۱	۶۱	۷۱	۸۱	۹۱
۲	✗	✗	۳۲	۴۲	✗	✗	۷۲	۸۲	۹۲
۳	✗	✗	۳۳	۴۳	✗	✗	۷۳	۸۳	۹۳
✗	✗	✗	✗	۴۴	✗	۶۴	۷۴	۸۴	۹۴
✗	✗	✗	✗	۴۵	✗	۶۵	✗	۸۵	۹۵
✗	۱۷	✗	✗	۴۶	✗	✗	✗	۸۶	۹۶
✗	۱۸	✗	✗	۴۷	۵۷	✗	✗	۸۷	✗
✗	۱۹	✗	✗	۴۸	۵۸	✗	✗	۸۸	۹۸
✗	✗	✗	✗	۴۹	۵۹	✗	۷۹	۸۹	۹۹

اس نشان (✗) سے مطلب ہے کہ اس سال میں جنگ رہی ۔ اور جس خانہ میں سنہ کا عدد لکھا گیا ہے صدی کے اس سال میں امن رہا ۔

ترکوں کی تعریف میں ایک انگریز مسٹر سائکس نے مجھے بتلایا کہ ترک بہت اچھی قوم ہے ۔ اور میں اپنے اس سال کے ان درمیان رہنے کے تجربہ کے بنا پر کہتا ہوں کہ ترک دل کے بہت نیک اور بڑی اہلیت اور شائستگی والی قوم ہے ۔ مہمان نوازی ان کی بہت بڑھی ہوئی ہے ۔ خصوصاً دیہات کے لوگوں کی ۔ کہا کہ میں ایک مرتبہ شہر سے دو روز کی مسافت پر دیہات میں گیا تھا ۔ ایک خاندان نے میری دعوت کی ۔ یہ ہر روز ایک دُنبہ میرے لئے ذبح کرتے یا ترکی مرغ پکاتے ۔ یہ بھی کہا کہ سلطان المعظم بڑے روشن ضمیر اور دانشمند ہیں ۔ مگر اُنکے مشیر اور اہلکار اچھے نہیں ۔ رعایت اور سفارش بہت چلتی ہے

انگریزی کونسل کی رائے برٹش فارن آفس کی ڈپلومیٹک وکانسلر رپورٹ بابت قسطنطنیہ سنہ ۱۸۹۵ء میں مندرجہ ذیل سطور میں کارخانہ سلطانی کی طرف

اشارہ کیا ہے۔ برٹش کانسل لکھتا ہے۔

"پہلے جو اونی کپڑا انگلستان سے گورنمنٹ ٹرکی فوجی استعمال کے لئے خریدتی تھی اب وہ قریب قریب خریدنا بند کر دیا ہے۔ کیونکہ گورنمنٹ نے اپنا کارخانہ کپڑے کا بنا لیا ہے۔ جو اُن کے تمام فوجی ضروریات چلا دیتا ہے۔ اس مل میں پندرہ سو آدمی ملازم ہیں۔ اور (۱۲۵) راچھے ہر قسم کے موٹے اور باریک فوجی کپڑوں کے لئے ہیں۔ اس سال (۱۹۰۸ء میں) پچیس لاکھ کیلو دیسی اون اور ایک لاکھ کیلو آسٹریلیا کی اُون خرچ ہوئی۔ اس مل سے (۲۰۰۰) میٹر موٹا (۹۵۰) میٹر باریک فوجی کپڑا روزانہ اور ایک ہزار ٹوپیاں پانچ سو جوڑے موزے۔ اور ساڑھے سو فوجی کمبل تیار ہوتے ہیں۔ ۱۹۰۸ء میں دس لاکھ میٹر فوجی کپڑا تیار ہوا تھا۔ ٹوپیوں کی تیاری خاص دلچسپی کا کام ہے۔ اور انگریزی دستکاری کو اس سے فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ ٹوپی یا تو سیلنڈر والی بنگ مشین پر یا پنکھے کی شکل والی پر بُنی جاتی ہے۔ اور پھر اسی سی کر گنت کیا جاتا ہے۔ اور رنگ کر پریس میں دبایا جاتا ہے۔ اور پھندنا لگایا جاتا ہے اندازہ کیا گیا ہے کہ اسی ہزار پونڈ سے ایک لاکھ پونڈ سالانہ کی ٹوپیاں قلمروے ٹرکی میں داخل ہوتی ہیں کہ جنکا زیادہ حصہ آسٹریا سے آتا ہے۔"

آسٹریا کی ٹوپیاں

جیسے کہ اوپر کے اقتباس سے ظاہر ہے زیادہ تر ٹوپی قلمروے عثمانی میں آسٹریا سے آتی ہے۔ اور وہاں کے ٹوپی کے کارخانے بھی جنیے دیکھے ہیں بلکہ ایک جبکہ میں ویانا کے سب سے بڑے ترکی ٹوپیاں بنانے کے کارخانہ کے دفتر میں تھا تو ایک قسطنطنیہ کا سوداگر بھی اس وقت وہاں تھا۔ جس نے پچاس ہزار درجن ٹوپیاں خریدی تھیں۔ آسٹرین لوگ ان ٹوپیوں اور ان کے تھیلوں پر جو ٹکٹ لگاتے ہیں انپر ترکی اور مصری تصویریں بناتے اور عبارتیں لکھتے ہیں۔ تاکہ پہننے والوں کو جنہیں نہ معلوم ہوں بلکہ ان میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ٹوپیاں ٹرکی سے منگائی ہیں۔ بجائے اسکے ٹرکی کی

بنی ہوئی ٹوپیاں قسطنطنیہ کے لوگوں کے لئے بھی کافی نہیں۔

گھر کے اندر کا لباس ترک جب باہر کا کام کاج کرکے گھر میں آتے ہیں تو فوراً کوٹ پتلون اتار کر کرتے کے اوپر ایک کھلا اور ٹخنوں تک لمبا اور ڈھیلا اچکن پہنتے ہیں کہ جسے وہ انتری کہتے ہیں۔ یہ عموماً سوزنی کام کے ریشمی یا سوتی اور کئی مختلف رنگوں کی ہوتی ہیں۔ اور ایک ڈھیلا پاجامہ سر پر معمولی سکل کیپ اور پاؤں میں سلیپر پہنتے ہیں۔ گویا جب یورپین لباس سے رہائی پاکر آرام کرتے ہیں۔ تو اپنے گدگدے اور نرم مِندروں اور تکیوں پر بیٹھتے اور لیٹتے ہیں

مسند ہر گھر کے ساتھ حسب حیثیت ایک ایسا کمرہ یا دیوان خانہ ہوتا ہے۔ جو فرش فروش اور پردوں سے آراستہ ہوتا ہے۔ اور اس کی دیواروں کے ساتھ چاروں طرف موٹے موٹے گدوں والے کوچ لگے ہوئے ہوتے ہیں کہ جنہیں یہ مِندر کہتے ہیں۔ گویا دیواروں کے ساتھ ایک بنچ سی لگا کر اسے اور نیز اس کے پشت کی دیوار کو موٹے موٹے اور مختلف رنگ دار گدوں سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ کہ جس پر آرام سے بیٹھنے کو ہر شخص کا جی چاہتا ہے ترکوں کے یہی مندر مصر اور شام اور عرب میں بھی پھیل گئے ہیں۔ ترک گدیلے والی اور آرام کرسیوں کو بصد پسند کرتے ہیں کہ سرکاری دفتروں کے نہ صرف افسروں بلکہ محرروں کے پاس بھی بیٹھنے کو ایسے موٹے موٹے اور نرم گدوں سے آرام کرسیاں ہیں کہ دیکھ کر ان پر بیٹھنے کو جی للچا جاتا ہے۔

گھر کے اندر کا لباس ترک جب باہر کا کام کاج کرکے گھر میں آتے ہیں تو فوراً کوٹ پتلون اتار کر کرتے کے اوپر ایک کھلا اور ٹخنوں تک لمبا اور ڈھیلا اچکن پہنتے ہیں کہ جسے وہ انتری کہتے ہیں۔ یہ عموماً سوزنی کام کے ریشمی یا سوتی اور مختلف خوشنما رنگوں کی ہوتی ہیں۔ اور ایک ڈھیلا پاجامہ سر پر معمولی "سکل کیپ" اور پاؤں میں سلیپر پہنتے ہیں گویا جب یورپین لباس سے رہائی پاکر آرام کرتے ہیں۔ اور اپنے گدگدے اور نرم مسندوں اور تکیوں پر بیٹھتے اور لیٹتے ہیں۔ ایک ایسا کمرہ یا دیوان خانہ ہوتا ہے جو فرش فروش

اور پردوں سے آراستہ ہوتا ہے۔ اور اسکی دیواروں کے ساتھ چاروں طرف موٹے موٹے گدیلوں والے کوچ لگے ہوتے ہیں کہ جنہیں یہ تھیندر کہتے ہیں۔ گو یا دیوار کے ساتھ ایک بنچ سی لگا کر اُسے اور نیز اسکی پشت کی دیوار کو موٹے موٹے اور سلک سپرنگ والے گدّوں سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ کہ جس پر آرام سے بیٹھنے کو ہر شخص کا جی چاہتا ہے۔ ترکوں کے ہی سند مصر اور شام اور عرب میں بھی پھیل گئے ہیں۔ ترک گدیلے والی اور آرام کرسیوں کو اسقدر پسند کرتے ہیں کہ سرکاری دفتروں کے نہ صرف افسروں بلکہ محرروں کے پاس بھی بیٹھنے کو ایسے موٹے موٹے اور نرم گدّوں کے آرام کرسیاں ہیں۔ کہ دیکھکر ان پر بیٹھنے کو جی للچا آتا ہے۔ لیکن بعض نئی روشنی کے دلدادوں نے اب اپنے دیوان خانوں کو یورپ طریقہ سے بھی سجانا شروع کردیا ہے۔

زنانہ لباس اور پردہ ترک عورتوں کے لباس پر یورپین لباس نے اسقدر اثر کیا ہے کہ ان کا لباس نصف یورپین ہوگیا ہے۔ خصوصاً اونچے گھرانوں میں تو عورتیں اور لڑکیاں بالکل پیرس کے فیشنوں کے دلدادہ ہیں۔ چنانچہ قسطنطنیہ کے روزانہ اخبارات میں "نئی پاریس سودہ گری" (پاریس کے نئے فیشنوں) کے اشتہارات ہوتے ہیں۔ مگر گھر سے باہر نکلنے کے وقت وہ اس لباس کے اوپر ایک لمبا سیاہ گاؤن پہن لیتی ہیں جسے فراجہ کہتے ہیں۔ اور سامنے سے پاؤں تک اسکے بٹن بند کرلئے جاتے ہیں۔

فراجہ و یشماک سر کے اوپر ایک چھوٹی سی چادر اوڑھی جاتی ہے کہ جسے چارشف کہتے ہیں۔ یہ پچھلی طرف گاؤن یا فراجہ سے ٹانک دی جاتی ہے۔ اور سامنے کو اس سے آدھی پیشانی ڈھکی رہتی ہے۔ نصف پیشانی دونوں آنکھیں اور ناک کا کچھ حصہ برہنہ چھوڑ کر باقی چہرے کو گاز کے ایک نہایت باریک رومال سے ڈھکا جاتا ہے۔ جو پچھلی طرف سے ٹانکا جاتا ہے۔ جو یشماک کہلاتا ہے۔ یہ اتنا باریک ہوتا ہے کہ قریب سے دیکھنے سے اسمیں سے چہرہ کا رنگ اور شباہت معلوم ہو سکتے ہیں۔

مگر ایسی بیہودہ حرکت وہاں کوئی نہیں کرتا۔ دیہات کی بعض عورتیں بجائے نقاب کے
بجائے ململ کا ایک سفید رومال سر سے نیچے چہرہ پر لٹکا لیتی ہیں [illegible]
صرف دو آنکھوں کے لیے سوراخ ہوتے ہیں۔ کسی عیسائی اور یہودی عورت
بھی ستردار لباس پہنکر باہر نکلتی ہیں [illegible] ذرا بھی [illegible] بیٹھنے والی [illegible]
عورت ترکن یا مسلمان نہیں ہوتی۔ [illegible] بارہ سال [illegible] کی لڑکیاں [illegible]
کو بدل جاتی ہیں۔ [illegible] ہوتا ہے۔
اس سے بڑی عمر کی ان عورتوں کی [illegible] باہر نکلنے پر [illegible]
ان کی شادی نہ ہوجائے [illegible] پردہ کرتی ہیں۔ لیکن شادی ہونے کے
بعد پردہ کی سختی [illegible] کی جاتی ہے۔

پردہ کے ساتھ گھروں سے نکلنا

قسطنطنیہ کے [illegible] قدیم [illegible]
[illegible]
طرح [illegible] جیسے [illegible]
ویسے ہی [illegible] جاتی ہیں
ملکہ بازاروں میں [illegible]
تک اس [illegible] جاکر [illegible]
لیتی ہیں [illegible]
کہ خالی [illegible]
اور [illegible] کے ہمراہ [illegible]
یا کوئی [illegible]
تھا تو [illegible] عزا [illegible]
نہیں ہوتی۔ والد [illegible] مرحوم [illegible] میں [illegible] کی تھی
ایک دفعہ واقعہ [illegible] ایک [illegible] جا رہی تھی۔
کسی مرد کا اس سے [illegible] یا [illegible] عورت کے ہاتھ میں [illegible] تھا۔

اس نے تیسٹ روچا ریخ چیاسے جڑ ہوئے ہیں ۔ اور بازار کے سب دوکاندار اٹھ کر
اسکی مدح کرتے تھے ۔ اس فرد کو سوقت مارے شرم کے چوستے قابل نہیں تھا
تھا ۔ کہ میں پہنچ کر [illegible] سب اپنا شہر کو اس نے تہذیب اور شرافت کا خیال
ہو [illegible] عورتیں ضروری کام کاج
[illegible] اور [illegible] کے لیے [illegible] جہاں عام
لوگوں [illegible]

[illegible]

علاوہ عیسائی عورتوں کے ترک عورتیں بھی آجکل عام طور پر لکھنے پڑھنے سے واقف ہیں
سلطنت کی طرف سے تعلیم نسواں ہائی سکول کے درجے تک دی جاتی ہے۔
اور لڑکیوں کو خصوصاً سینا پرونا اور کشیدہ کا کام سکھایا جاتا ہے [illegible]
میں ایک دوست کی لڑکی کے ہاتھ کا کام دیکھا ہے جو [illegible]
کیلئے زیور شمار ہو سکتا ہے۔ جب تک میں قسطنطنیہ نہیں آیا تھا میرا خیال تھا
کہ اکثر ترکوں نے یورپ کی عورتوں سے شادی کی ہوئی ہے [illegible] معلوم ہوا ہے کہ صرف
یہی کہ ترکوں کی [illegible] انہوں نے تو
انہیں پردہ میں ڈال رکھا ہے [illegible] چھپتی۔

پردہ کی پابندی اس سے پہلے عورتیں [illegible]
اور لوگوں سے بات چیت [illegible] سکتی
تھیں۔ اب کچھ عرصے سے [illegible]
کہ کوئی ایسے لباس والی عورت گھر سے [illegible] شوہر یا باپ۔
بھائی ہی کیوں نہ ہو [illegible]
والے کو [illegible]

شرعی پردہ آزادی [illegible] ترکوں میں [illegible] سخت پردہ نہیں کیا گیا
جیسا کہ ہندوستان کے شریف مسلمانوں میں رواج ہے۔
یہاں تک کہ عورت [illegible] عورتوں کو [illegible]
میں سمجھا جاتا ہے [illegible] سواریوں
[illegible] معلوم ہو جائے [illegible] گھروں سے کبھی
باہر نہیں نکلنے دیا جاتا۔ [illegible]
شرعی پردہ کے ساتھ بازار سے سودا سلف خرید لاتی ہیں اور اس طرح اپنے گردوپیش کے
حالات سے واقف ہونے کی وجہ سے زیادہ سمجھدار ہوتی ہیں۔ بلکہ وہ سیر و تفریح کے
لئے بھی شہر سے باہر تفریح گاہوں میں اپنے مردوں کے ساتھ جاتی ہیں۔ اور وہاں جنگل

میں سینکڑوں ایسی بیگمات کی پارٹیاں الگ الگ بیٹھی کھاتی پیتی اور تازہ ہوا اور سبزہ زار کا لطف اٹھاتی رہتی ہیں جس کا ذکر کسی دوسری جگہ کیا جائیگا۔ ایسے ہی ترکی بیگمات [illegible] مگر قبرستان میں جاکر بیٹھتی ہیں۔ قسطنطنیہ کے قبرستان سرو شمشاد وغیرہ سے [illegible] نہایت خوشنما جگہیں ہوتی ہیں۔ اور یہاں پاس ہی حال میں قہوہ پیتی ہوئی دیر تک بیٹھی رہتی ہیں۔ اور مرد ان کے قریب نہیں جاتے۔

یورپین فیملیاں

چونکہ ترک یورپ میں رہتے ہیں اور بہت سی یورپین اقوام میں زیادہ رہتے ہیں ترکوں کا یورپین عورتوں سے شادیاں کرنا کوئی اچنبا بات نہیں۔ لیکن حقیقت [illegible] یورپین بیویوں سے شادی کرتے ہیں۔ اور جو کرتے بھی ہیں [illegible] پردہ میں رکھ سکتے ہیں۔ مجھ سے ایک واقف کار ترک نے بیان کیا تھا۔ کہ ہمارے مسلمان [illegible] کبھی کبھی عیسائی بیویاں لے آتے ہیں۔ مگر وہ انہیں [illegible] ترک عورتیں یورپین عورتوں سے زیادہ حسین اور خوش رنگ [illegible]؟

[illegible] ترکی زنانہ

[illegible] جانے کا ذکر [illegible] بتایا ہے کہ وہ بھی [illegible] جیسی کہ اسکی [illegible] مسلمان مذہب ہیں۔ سفر [illegible] ایک ترک امراء کی [illegible] مگر وہ سوائے اپنے [illegible] کرتیں۔ [illegible] تنہا باہر جانے کے آزاد [illegible] وہ مطمئن نہیں۔ مگر ساتھ ہی [illegible] نماز اور [illegible] کو اپنے گھر کے کاروبار [illegible] نہایت مصروف اور نہایت مطمئن بھی پایا ہے۔ جیسا کہ [illegible] پاشا کی خاتون کا ذکر آیا ہے۔ مگر یہ معمولی بات ہے۔ کیا یورپ کی آسودہ [illegible]

ابتک زیادہ تر بناؤ سنگار اور ناول پڑھنے میں مصروف نہیں رہتیں؟ اور وہ کب اپنی حالت پر قانع ہیں۔ لنڈن میں حقوق ووٹ حاصل کرنے پر ہر روز عورتوں کی پولیس سے مڈبھیڑ ہوتی رہتی ہے۔

قومی آمیزش بعض یورپین مصنفوں کا ترکوں کی نسبت یہی خیال ہے کہ سینکڑوں سالوں کے دوران میں خوب صورت سرکاشین جارجین یا بلگیرین اور یونانی وغیرہ یوروپین اقوام اور غیر جنسی عورتوں کو بطور مملوکہ خرید کر ترک انہیں بیویاں بناتے رہے ہیں۔ اسلئے ان کی نسل میں ترکی خون بہت کم رہ گیا ہے۔ ساتھ ہی وہی مصنف کہتے ہیں [illegible] خانہ بدوشی [illegible] کی عادات موجود ہیں۔ [illegible] تہذیب نے ان کی [illegible] کے اندر زیادہ گہرا اثر نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے [illegible] مخلوط ہیں۔ ترکی خون ان میں بہت کم آمیزش ہوئی ہے۔ اور وہ بھی بڑے بڑے شہروں میں۔ اور ان لوگوں میں تہذیب بھی کافی موجود

کھانے کا طریقہ ترک [illegible] میز پر بیٹھ کر چھری کانٹے کے رو سے کھانا کھاتے ہیں [illegible] کورس بار بار آنے کے بجائے سب کھانے بڑے بڑے تھالوں میں ایک ہی میز پر رکھ دیئے جاتے ہیں اور کھانے والے جسمیں سے چاہتے ہیں تھوڑا تھوڑا اپنی پلیٹوں میں نکال کر کھاتے ہیں۔ [illegible] کے لوگ کبھی کبھی کانٹے کی بجائے ہاتھ سے ہی کھانا کھاتے ہیں۔ مگر چھری ضرور استعمال کرتے ہیں۔ البتہ علما اور بعض عوام بجائے میز کے ایک پست سے تخت پوش یا چوکی پر کھانا رکھ لیتے ہیں۔ اور اسکے گرد بیٹھ جاتے ہیں زمین پر دستر خوان بچھا [illegible] بہت آرام کا طریق ہے۔ یہ لوگ صرف چمچے وہ بھی چوبی استعمال کرتے ہیں۔ البتہ قسطنطنیہ میں علما بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ میزوں پر بیٹھکر کھا لیتے ہیں۔ قسطنطنیہ میں کئی قسم کی عمدہ روٹیاں اور شیرمال بکتے ہیں۔ مگر ڈبل روٹی کا بھی عام رواج ہے۔ نان بھی استعمال ہوتے ہیں

شادی کا کھانا میرے اثنائے قیام میں نصرت علی آفندی کی صاحبزادی کی

شادی تھی۔ میں بھی وہاں مدعو تھا۔ مہمانوں کے لئے صبح سے سہ پہر تک کھانے کا وقت مقرر تھا۔ جو دو چار آدمی آتے انہیں کھانا دیا جاتا۔ پہلے میز پر ایک قاب شادی کے چوربا (شوربا) کا لایا جاتا۔ سب لوگ اپنے اپنے چمچوں سے اس قاب سے شوربا لیتے اور ڈبل روٹی کے ٹکڑہ کے ساتھ کھاتے۔ پھر پلاؤ آیا۔ پھر قورمہ اور زردہ جس میں آدھا پانی اور آدھے چاول تھے۔ ترکوں کے کھانوں میں پانی بہت ہوتا ہے۔ زردہ کے اوپر چند دانہ [illegible] اور چند مغز پستہ رکھے تھے۔ دو ارمنی عورتیں میز پر خدمتگاری کا کام کرتی تھیں۔ اور کھانے لاتی جاتی تھیں۔ دونوں گندمی رنگ کی قبول صورت تھیں۔ نصرت علی صاحب نے ہم سے دریافت کرنے پر [illegible] کہا کہ [illegible] عثمانی ہیں۔ [illegible] انہوں نے اس سے اتفاق کیا۔ کھانے سے پہلے اور اخیر [illegible] لوگوں کو ایک [illegible] سے سجے ہوئے [illegible] میں لیجا کر ہاتھ دھلایا جاتا۔ اور کھانے کے اخیر پر معطر [illegible] لایا جاتا۔ مگر دلہن [illegible] ایک ڈولی شیرینی کی کھانے کو دیجاتی۔ دلہن کی عمر [illegible] سال کے قریب ہوگی۔ اس نے ترکوں کے مدرسے میں تعلیم پائی تھی۔ [illegible] بہت خوبصورت [illegible] تھی۔ دولہا [illegible] برس کا ہوگا۔ [illegible] شادی [illegible] ادا کی گئی۔ اور رخصتانہ پرسوں [illegible] مردوں کی ضیافت کا دن تھا۔ کل اور پرسوں عورتوں کی ضیافت ہونے والی تھی۔ [illegible] عبد الغفار آفندی [illegible] شادی کی [illegible] کے [illegible] کی [illegible] بھی عام رواج ہے۔

رسم بسم اللہ نصرت علی صاحب کی چھوٹی لڑکی کی رسم بسم اللہ بھی اسی تقریب کے ساتھ ادا کی گئی۔ لڑکی کو جو پانچ یا چھ سال کی ہوگی نئے کپڑے اور سر پر خوبصورت تاج

پہنا کر گاڑی میں بٹھایا گیا تھا۔ اس کے گلے میں ایک سنہری کام والا جزدان ڈالا گیا تھا
جیسے کہ قسطنطنیہ کے بازاروں میں فروخت ہوتے ہیں۔ اس کے آگے یہ ترکی [illegible]
گیت گائے جاتے تھے جیسے کہ ہمارے یہاں [illegible] کے وقت کتب کے
اٹھ کے جاتے [illegible] نہایت دلچسپ سماں پیدا ہو گیا تھا۔

ربنا انا اعطینا [illegible] ما نشا — قد وهبت رحمة منك [illegible] ما نشا
الصلاة [illegible] بالغداة و [illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible] حمید [illegible] نظام
[illegible] — [illegible] شوکت [illegible] الی یوم القیام
[illegible]

آفتاب [illegible] — [illegible] عید
[illegible] — [illegible]
[illegible]

اچھا پانی [illegible]
[illegible] اچھا پانی
[illegible] بھی
[illegible] لیکن
[illegible]
[illegible]
[illegible]
اور [illegible] اچھا پانی [illegible] بھی
پانی کی تجارت [illegible] مکان کے پاس
ان کے [illegible] اور شہر میں ان کے اس پانی
کے بیچنے کی دکانیں ہیں۔

[illegible] سلطان [illegible] کی تعریف [illegible] ہے۔

میوہ جات میوہ جات کی یہاں افراط ہے۔ خصوصاً انگور اور خربزہ جو عموماً لوگ تنکلوں میں
بھی کھانے کے ساتھ ملتے ہیں۔ نہایت لذیذ ہوتے ہیں۔ قسطنطنیہ اور نواح میں
انواع واقسام کے انگور پیدا ہوتے ہیں۔ ترکوں میں روٹی کے ساتھ بھی انگور اور نمک
کھانے کا رواج ہے۔ اور حقیقت میں یہ بہت مزہ دار کھانا ہوتا ہے۔ ترکوں میں یہ
فارسی شعر اسکے متعلق مشہور ہے ؎

خداوندے کہ ہست از خواب وخور دور　　　اگر خوردے بخوردے نان وانگور

خربزے نہایت شیریں ہوتے ہیں اور تربوز بھی بہت اچھے۔ اسکے علاوہ سیب امرود
وغیرہ کئی قسم کے اور میوے بھی بہت عمدہ اور ارزاں [illegible] ہیں۔

قہوہ خانے اور قہوہ یہاں کے قہوہ خانے گو بالکل یورپ کے سے شاندار نہیں۔ تاہم ان کی
نقل ضرور ہیں۔ اور یہاں بڑے خیمت ہیں۔ میزیں ان میں بھی سفید سنگ
کی رکھی ہوتی ہیں۔ بعض قہوہ خانوں میں لوگ صرف درختوں کے نیچے یا آسمانی سائبان کے
نیچے ہی بیٹھتے ہیں اور کھلے بازاروں میں بیٹھتے ہیں۔ مگر بہت اچھے قہوہ خانے باسفورس کے کنارہ پر ہیں
غرضیکہ ہر قہوہ خانہ میں عمدہ قہوہ ملتا ہے۔ قہوہ پینا ترکوں کی گھٹی میں داخل ہے
لیکن یہ یورپ کے کافی [illegible] کی [illegible] کافی [illegible] کافی یعنی شیر
قہوہ نہیں۔ بلکہ وہ [illegible] کے [illegible] ہوتا ہے۔ جو ایک [illegible] کے
برابر پیالی میں [illegible] پیتے ہیں۔ [illegible] کہ [illegible]
پالا [illegible] بھی [illegible] ہیں [illegible] کیونکہ [illegible] دن میں دس
کے بہاں جاؤ [illegible] [illegible] فرض سمجھے گا اور
پاس بیٹھے اور لوگ [illegible] دفتروں تک یا
دفتروں کے [illegible] کی [illegible] اور دفتر
میں قہوہ تیار کرنے والے لازم ضرور ہیں۔ جو ہر وقت قہوہ بناتے رہتے ہیں۔ امرا
کے گھروں میں قہوہ تیار کرنے والے ملازم خاص ہوتے ہیں۔ ان کا کام سوائے بڑی
احتیاط اور عمدگی سے قہوہ تیار کرکے اپنے مالکوں کو پلانے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

انہیں کہیں جو کسی صاحب کے پاس ذرا زیادہ دیر بیٹھنے کا موقع ہوا تو قہوہ سے دوسری دفعہ بلکہ تیسری دفعہ بھی اپنی سیاہ شکل کو دکھلائی ۔ مگر ننھی سی پیالی میں جسکو فنجان کہتے ہیں ۔ یہ سیال یا مرکب چند قطرات سے زیادہ نہیں ہوتا کیونکہ زیادہ حصہ تلچھٹ سے بھرا ہوا ہوتا ہے جو چھوڑ دیا جاتا ہے ۔ مزہ یہ ہے کہ باوجودیکہ شیرینی ڈال لینے سے بھی یہ بکیت خوش مزہ شربت نہیں بنتا ۔ مگر کھانے کے بعد ترک تلخ قہوہ پیتے ہیں ۔ جو میرے رائے میں کریلا اور نیم چڑھا سے کم نہیں ہوتا ۔ مگر یہاں یہ چیز شاہ پسند ہے ۔ قدیم الایام سے بلکہ ترک سلاطین کے وظیفہ کے ساتھ ایک کئی لاکھ سالانہ کی رقم بطور خرچ قہوہ کے مقرر چلی آتی ہے ۔ غرض ترکوں میں قہوہ سے بڑی تواضع ہے ۔ جیسا کہ کسی ایرانی کے اسکے شعر سے ظاہر ہے ؎ ۔

اہل ترکان آرہ شدہ بر تواضع بس تیون
ایکی فنجان قہوہ شدہ برلولہ کسکین تتون

یعنے ترکوں کے درمیان یہی تواضع کافی ہے ۔ کہ قہوہ کے دو پیالیوں کے ساتھ ایک گولہ تمباکو کا پیتے ہیں ۔ اسکے جواب میں ترک ایرانیوں کو یہ شعر سناتے ہیں ۔ ؎

عطائے بزرگان ایران زمین ❖
دو فنجان چار سبت چمچہ ترش ❖

قہوہ خانوں میں بیٹھنے کی جگہ اچھی ہوتی ہے ۔ اور جو شخص ایک پیالی قہوہ پی لے وہ جتنی دیر چاہے بیٹھا رہے ۔ میں نے ایک شخص کو کہا کہ اس قہوہ میں تمہیں کیا لطف آتا ہے ۔ اُس نے مجھے ایک عرب کا شعر اس کی مدح میں سنایا ۔ جو میری طرح یہاں نو وارد تھا ۔ اور اس قہوہ سے بیزار تھا ۔ اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ اس قہوہ میں تین صفات ہیں ۔ جو تینوں عزیز کی ہیں ۔ یعنی جلا ہوا ۔ کڑوا اور سیاہ ۔ ہر چند وہ بیزار ہے بہت درست ہے

اجنبی کے لئے اہل استنبول کے اوضاع و اطوار اور زبان سے واقف ہونے یا ملاقات پیدا کرنے کا یہ قہوہ خانے بہت عمدہ ذریعہ ہیں۔ ہر قسم کے لوگ فرصت کے وقت یہاں تھوڑی دیر بیٹھتے اور دل بہلاتے ہیں۔ یہاں روزانہ اخبار پڑھنے کو ملتے ہیں۔ اور لمبے لمبے نیچوں والے شیشہ کے حقے پینے کو۔ شطرنج اور بلیرڈ کھیلنے کو۔ لیکن قسطنطنیہ میں دستور ہے کہ شام کے بعد جبتک عشا کی نماز نہ ہو جائے کوئی شطرنج وغیرہ کھیل نہیں کھیلا جاتا۔ جس سے اسلام کا اعزاز مدنظر ہے۔ کھانے کے بعد یہاں جو تلخ قہوہ پیتے ہیں۔ لیکن میں شکر کی (شیرین) مانگ لیتا تھا۔

لوقنطے یہاں کے رسٹوران یا لوقنطے بہت اچھے ہیں۔ گو غریب لوگ صرف روٹی اور انگور لیکر پیٹ بھر لیتے ہیں۔ یا صرف روٹی اور کباب پر بھی گذارہ کرتے ہیں جس سے دو آنہ سے ایک جوان شکم سیر ہو سکتا ہے۔ لیکن عام لوگ جن رسٹارنٹوں میں کھانا کھاتے ہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ یورپ کی طرح یہاں بھی ہزاروں مرد گھروں پر کھانا نہیں کھاتے اور رسٹارنٹوں سے گذارہ کرتے ہیں) البتہ بہت عمدہ کھانے ملتے ہیں۔ رسٹوران کے کھانوں کی ایک فہرست سے جو آگے چلکر درج کی جاتی ہے۔ معلوم ہو سکتا ہے کہ کس طرح ان لوگوں نے یورپ اور ایشیا کے کھانوں کو مخلوط کر لیا ہے۔ گو اچھے سے اچھے کباب اور پلاؤ اور سالن مشرقی طریق کے یہاں ملتے ہیں۔ مگر چھ آنے سے بارہ چودہ آنے تک ایک شخص کا ایک وقت کا خرچ ہوتا ہے۔ جو یورپ کے شہروں سے آدھا بھی نہیں۔ لیکن پل غلاطہ کے سامنے کے بہت عمدہ لوقنطہ میں کہ جسے عثمانی لوقنطہ کہتے ہیں۔ مگر دراصل عیسائیوں کا رسٹوران ہے۔ اس سے دوگنا خرچ ہو جاتا ہے۔ مگر یہاں کھانا بھی بہت اچھا ہوتا ہے۔ اور بڑے بڑے معزز لوگ اور افسر یہاں کھانے کو آتے تھے۔ یہاں ایک نوجوان ترک عبدہ جو یدمین سیاحوں کا ترجمان ہے اور انگریزی فرانسیسی جرمنی روسی۔ یونانی

بلغاری اور ترکی سات آٹھ زبانیں جانتا ہے۔ مجھے ملا اور قہوہ سے میری تواضع کی۔ اور کہنے لگا کہ میں نے آجتک یہاں کبھی معزز ہندوستانی مسلمان نہیں دیکھا ان لوقنطوں میں یورپین طریقوں نے یہانتک نفوذ کیا ہے کہ مہمان جب میز پر بیٹھتا ہے تو یوروپ کے رسٹارنٹوں کی طرح کھانوں کا کاغذ بھی اُسکے سامنے رکھدیا جاتا ہے۔ کہ جسے جرمن "سپائز کارٹ" کہتے ہیں۔ اس پر سب کھانوں اور میوجات وغیرہ کے نام چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور کچھ جگہ خالی چھوڑی جاتی ہے۔ لیکن جو اس روز موجود نہیں ہوتے وہ نام کاٹ دیئے جاتے ہیں اور خالی جگہ نئے کھانوں کے نام لکھے جاتے ہیں۔ عربی بولنے والوں اور ترکی بولنے والوں کے لوقنطے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ جہاں پیسے ہی گاہک بھی جاتے ہیں بہت سے لوقنطے عیسائیوں کے ہیں۔ لیکن وہاں مسلمان بلکہ علما بھی کھانا کھاتے ہیں۔

بعض ترکی کھانے

بے انصافی کی بات ہوگی کہ میں ترکی کھانوں کے لطف میں ناظرین کو شریک نہ کروں۔ اس بہت طول طویل دلچسپ فہرست کے سرے پر ایک صاحب چُوربا نامی ممتاز ہیں۔ چوربا ہمارے شوربا کی دوسری شکل ہے۔ لیکن اسکے نام میں اتنا تغیر نہیں ہوا۔ جتنا کہ ترکوں نے اس کی شکل میں کردیا ہے۔ خصوصاً شادی کا چُوربا ایک عجیب چیز ہے۔ یہ بڑے تکلف کا کھانا ہوتا ہے مگر مجھے اندیشہ ہے کہ کم ہندوستانی اسے پسند کرینگے۔ نمک اور مرچ ترک بھی زیادہ آشنا نہیں۔ ہلدی سے بھی زیادہ واقف نہیں۔ تاہم بعض کھانے بہت عمدہ ہیں۔ ایک کھانے کا نام "دولمہ" ہے جو ٹماٹر۔ ولایتی بینگن بتاہی جسکو عرب اور مصری دبیبی (ڈوما) کہتے ہیں۔ غرض بینگن یا کدو یا کھیرا اندر سے خالی کرکے اس کے جوف میں قیمہ اور چاول پکا کر بھر دیئے جاتے ہیں۔ اور پھر نہیں پکایا جاتا ہے جو لذیذ بن جاتا ہے۔ امید ہے کہ ناظرین اس کتاب میں تمام ترکی کھانوں کی کیفیت سننے کی مجھ سے امید نہیں رکھیں گے۔ صرف مثالات کے ذکر پر اسکو ختم کرتا ہوں

ہندوستان میں اسے یخنی کہتے ہیں۔ ایک روز ایک ترکی لوقنطہ درشوربان میں کھانا کھانے گیا۔ اور کھانوں کی فہرست کو دیکھ کر میں نے لوقنطہ کے ملازموں پر اپنی کھانوں کے ناموں کی ناواقفیت ظاہر کرنی مناسب نہ سمجھی۔ میں نے خشلما کا نام معتبر سمجھکر اسے طلب کیا۔ تو میرے سامنے یخنی رکھی گئی۔ میں نے سمجھا خدمتگار کو میری بات کے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ میں نے دوبارہ بطور تاکید لے خشلما کا نام دکھلایا۔ تو ثابت ہوا کہ میں نے اسی کی فرمایش کی تھی۔ اور بیرنگ اور بے بو یخنی کا پیالہ بلا رغبت پینا پڑا۔ کیونکہ اسپر پیسے خرچ ہو چکے تھے۔

ایک اول درجہ کے لوقنطہ کے کھانوں کی فہرست

ذیل میں میں ایک ترکی لوقنطہ کے روزانہ کھانوں کی فہرست بعینہ مع بعض کھانوں کے ناموں کے ترجمہ کے درج کر دیتا ہوں۔ تاکہ ناظرین اندازہ کر سکیں کہ ترک کیا کیا کھاتے ہیں۔ بعض کھانوں کے نام اس فہرست پر چھپے ہوئے تھے۔ اور بعض قلمی اور سب کی قیمت قلمی لکھی جاتی ہے۔

لوقنطہ عثمانیہ عمومی حاجی براہیم

(استنبول۔ حمیدیہ جادہ سندہ نومرو ۱۴) ۱۵ ستمبر سنہ ۱۳۰

پارہ	غروش		پارہ	غروش	
	۱	ات صولی (شورب)	۲۰	۲	ات خشلماسی (ابلا ہوا گوشت)
	۱	چوربا (شوربا)		۲	دانہ (بچھڑا)
	۱	شعریہ (سویان)		۳	پلیج (مرغ بریان)
۲۰	۱	ستارنہ صاچہ لی (کمرونی)		۳	” صنوق (سرد)
۲۰	۱	قیوں پاچہ سی (بکری کا پاچہ)		۳	” بکنبیلی
۲۰	۱	پیلاو (پلاؤ)		۳	” آکشیلی (لیمون ربیضہ)
	۳	” پچیلی (جزرہ پلاؤ)	۲۰	۲	نان کباب
	۲	صوبورکی (گوشت)		۲	ازمیر کوفتہ سی (سمرنا کے کوفتے)

پارہ	غروش		پارہ	غروش	
۴۰	۲	ات قرازتمہ ی (ات۔ گوشت)		۴	فیلہ صوتہ
۴۰	۲	بوط ” (ران)		۴	” پیورطلی
۴۰	۲	بوط فرولی (فرون : تندمیں)	۲۰	۴	” بزلیالی وسنطارلی
۲۰	۳	بوط صنوق	۲۰	۲	قوملت پانہ (کٹلٹ)
	۳	سبزہ لی کباب (کباب سبزی)	۲۰	۲	اوملت (آملیٹ)
	۳	یوغورت لی کباب (خیرات والے)	۲۰	۲	صحانده پیورطہ (انڈہ)
	۲	طاس کباب		۳	” پنیرلی (قیمہ لی رسو پنیر و قیمہ)
	۲	اورمان کباب (اورمان جنگل)	۲۰	۲	بیبر صالیچہ لی وطواسی (مرغ
	۲	آدجی (شکار)			سبزیات (ترکاریاں)
۲۰	۲	بقچہ بان کباب		۲	بامیات لی (گوشت بھنڈی)
	۲	کوفتہ کبیبولی اسقرہ (قسم کباب)		۳	درلوگوہ جی (ایک قسم کی حلیم)
	۳	جگر طوا صنوبالی	۲۰	۲	طوا اس طولمہ سی (شاش)
	(۳)	لبکرک (گردہ)		۳	اسپناق کبابلی (پالک مع کباب)
	۲	شیش کباب (سیخ کباب)		۳	” سیورطلی (مع بیضہ)
۲۰	۲	لوبا اسقرہ (اندرون ران)		۳	بادنجان موسقہ (بینگن گوشت)
۲۰	۲	تیسوں کلباستی (بکری گوشت کا پارچہ)		۳	بادنجان سلکرہ (بینگن بعبل مصالح)
	۳	طاشہ (بچھڑا)		۳	” بورہ کی۔
	۳	بوفتک اسقرہ (بلا ہڈی گوشت کا ٹکڑا)	۲۰	۲	قباق طولمہ سی (کدو کا دولمہ)
۳۰	۳	بوفتک رطلی (ایضاً مع بیضہ مرغ)			زیتون یاغلی (روغن زیتون والا کھانا)
	۴	” بزلیالی وسنطارلی (ایضاً مع		۲	بادنجان طولمہ سی (بینگن روغن زیتون)
		مشروکمب)		۲	بامیہ (بھنڈی مع زیتون)
۲۰	۳	فیلد طوا اسقرہ		۲	چاتی تفصولیہ سی (باقلہ مع ایضاً)

پارہ	قروش		پارہ	قروش	
		سلاتہ لر (سلاد کے اقسام)	۲۰	۱	محلبی (فرنی)
	۱	سیاہ خاویار			یمشہ لر (میوے)
	۱	یشیل " (سبز)		۳	اوزوم (انگور)
		بالقلر (مچھلی کے اقسام)		۳	قاوون (البطیخ)
	۳	چلیج شیش (کباب ماہی)		۳	قارپوز (خربزہ)
		کمپوستو (حلویات - مربہ جات)			پنیرلر (اقسام پنیر)
	۳	الما (سیب)		۱	بیض (سفید)
	۳	تقلوو (قسم مٹھائی) پراٹھے کی طرح		۱	قاشقر (گول)
		سوشکر یا لیاشکر ()	۲۰	۱	فلمنگ (ہالینڈ)
	۳	صاقصی بورم (قسم از حلوہ)	۲۰	۱	غرادیر
۲۰	۱	صوت لاج (کھیر)	۲۰		قہوہ
۲۰	۱	ارمیک حلوہ سی (سوجی کا حلوہ)			———

مکانات کی وضع اور منظر

ترکی مکانات میں بخلاف ہندوستان کے مکانات کے صحن نہیں ہوتے کیونکہ یہ سرد ملک ہے۔ اور مکان جزیادہ تر لکڑی اور شیشہ کے ہوتے ہیں تین تین چار چار منزلوں کے بنائے جاتے ہیں۔ نچلی منزل میں عموماً باورچی خانہ اور گودام رکھا جاتا ہے۔ بعض مکانات کے پہلو یا احاطہ کے اندر خانہ باغ بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ میں جہاں سید عبد الغفار صاحب کے مکان میں رہا تھا۔ ہر چند کہ مکان چھوٹا ہی تھا لیکن اُسکے بھی ایک پہلو میں بہت چھوٹا سا گلبن تھا۔ اور نصرت علی صاحب کے مکان کے پیچھے بھی ایک باغ تھا جو محلہ بھر کا مشترکہ تھا۔ کئی محلوں میں ایسے مشترکہ باغ بھی ہیں۔ گھروں کے اندر کی صفائی نہایت مبالغہ سے کیجاتی ہے۔ ہاتھ منہ دھونے کا باسن جیسا کہ ریل کے پہلے دوسرے درجہ میں لگا ہوا ہوتا ہے۔ اور پاخانہ کا مقام عموماً تنگ

کے بنے ہوئے ترکی گھروں میں رہتے ہیں کیا مجال ہے کہیں ایک تنکا بھی پڑا ہو۔ اور گرد کا نام و نشان بھی پایا جائے۔ وجہ یہ ہے کہ یہاں پنجاب کی طرح آندھیاں تو آتی نہیں نہ اتنا گرد ہی موجود ہے۔ امرا کے مکانات کے فرش جو سنگ مرمر وغیرہ پتھروں کے ہوتے ہیں ہفتہ وار دھوئے جاتے ہیں۔ صاحب خانہ بیگم خود نوکرانیوں کو ساتھ لیکر صفائی کراتی ہیں۔ یہاں گھروں کے دروازے ہمیشہ بند رہتے ہیں اور جب باہر سے کوئی آکر دروازہ کھٹکھٹائے تو صاحب خانہ یا اُن کی خادمہ اندر سے دروازہ کھولتی ہے اور اسے داخل کر کے پھر دروازہ بند کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ تمام یورپ میں بھی دستور ہے۔ گھروں کے اندر فرش علی قدر حیثیت ضرور ہوتا ہے۔ امرا کے گھروں میں اعلےٰ درجہ کی ترکی قالین ہوتے ہیں۔ لیکن غربا کے گھروں میں بھی بوریا کے فرش پر ایک آدھ قالین ضرور ہوتا ہے۔ اور صفائی تو ایسی ہوتی ہے کہ ایک محال کے گھر میں بھی دو تولہ گرد نہیں مل سکیگا۔ جن لوگوں کو سلامتی اور حلق کے لئے علیحدہ علیحدہ مکانات رکھنے کا مقدور نہیں۔ وہ اپنے مرد دوستوں سے گھر کے اندر ہی پردہ کرا کر ایک کمرہ میں ملاقات کرتے ہیں بیٹھنے اور کھانے کے کمرے عموماً علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔

زمین پر سونا قسطنطنیہ میں ترک چارپائی یا کوچ پر نہیں سوتے بلکہ زمین پر بستر بچھا کر سوتے ہیں۔ زمین پر دو تین موٹے موٹے گدیلے بچھا دیتے ہیں۔ جنکی موٹائی بالشت بھر اونچی ہو جاتی ہے۔ اور صبح کو اٹھکر ان گدیلوں کو لپیٹ الماریوں میں بند کر دیا جاتا ہے۔ جو اسی غرض کیلئے دیواروں میں لگائی ہوئی ہوتی ہیں۔ اور اسی کمرہ کو نشستگاہ وغیرہ کے کام میں لاتے ہیں۔ اور بارہ مہینے مکانوں کے اندر سوتے ہیں کیونکہ یہ سرد ملک ہے۔

چوبی مکانات چونکہ قسطنطنیہ میں زلزلے بہت آتے ہیں چنانچہ آخری جولائی ۱۸۹۴ء

سنہ ۱۹۰۵ء میں آیا تھا۔ جس سے بڑی بڑی عالیشان مساجد اور قدیم زمانہ کی بہت مضبوط تعمیرات کو بھی بہت نقصان پہنچا تھا۔ اسلئے یہاں مکانات عموماً لکڑی کے بنائے جاتے ہیں۔ گو بعض امرا کے عالیشان مکانات کوشکین[1] اور کنار بحر پر یالیاں[1] ہیں۔ اور کئی سلطانی سرائیں (محلات) سنگ اور سنگ رخام کے بڑے بڑے سنگین بھی ہیں۔ مگر عام چوبی مکانات ہیں۔ بوجہ چوبی مکانات کے شہر میں آتشزدگی کے واردات بہت ہوتی ہیں۔ احمد مدحت صاحب منسٹر محکمہ صحت عامہ نے مجھے بتلایا تھا کہ قسطنطنیہ میں آتشزدگی کی وارداتیں اتنی ہوتی ہیں۔ کہ بیمہ کمپنیوں نے اندازہ کیا ہے کہ ہر تیس سال کے اندر شہر بالکل نیا تعمیر ہو جاتا ہے۔

آگ بجھانے کا سامان

آگ بجھانے کے لئے گو اب کچھ عرصہ سے ایک فایر برگیڈ بھی قایم ہوا ہے۔ لیکن ابھی اُسکی ایسی اچھی حالت نہیں ہو سکتی جیسی کہ لنڈن یا برلن میں ہے۔ برلن میں انٹر ڈر لنڈن (سب سے بڑے بازار) کے ایک دروازہ میں تین راستے ہیں۔ دو راستوں سے عام لوگ گذرتے ہیں۔ لیکن بیچ کا راستہ صرف قیصر جرمنی کے استعمال کے لئے مخصوص ہے۔ اور اسکے بعد آگ بجھانے کا انجن بھی اسمیں سے گذر سکتا ہے۔ لیکن جس طرح برلن کے اس نہایت وسیع بازار کے مقابلہ میں قسطنطنیہ کے تنگ اور پیچیدہ کوچے کوئی نسبت نہیں رکھتے ویسے ہی یہاں کے فائر برگیڈ کی حالت بھی سمجھنی چاہیئے۔ چونکہ قسطنطنیہ کے اکثر بازار اور کوچے بہت تنگ ہیں۔ اسلئے یہاں آگ بجھانے کے ایک قسم کے چھوٹے چھوٹے انجن صندوقوں کی شکل کے مروج ہیں

[1] وسنہ وسنہ کوشک یا کشک محلات۔ یالی یا یالی مکان برلب بحر۔ توناق مکان خورد وبزرگ اندرون آبادی سرائے کا لفظ صرف سلطانی محلات سے مخصوص ہے ۱۲۔

کہ جو ہر محلہ میں ایک رکھا ہوا ہے۔ آگ کے اطلاع ملنے پر انہیں آگ بجھانے والے فوراً کندھوں پر اٹھا کر مقام آتشزدگی کو بھاگ جاتے ہیں۔ اگر رات ہو تو ایک شخص "یانگن وار" یانگن وار" (یعنی آگ ہے آگ ہے) پکارتا ہوا کوچوں میں سے گذر جاتا ہے۔ محلہ کے چند بیکاروں اور آوارہ لوگوں کو سرکار کی طرف سے ہر روز کی روٹی اور کپڑا ملتا ہے۔ اور اس کے عوض میں جب انہیں آگ کی خبر پہنچے تو وہ فوراً انجن کندھوں پر اٹھا کر آتشزدگی کے مقام کی طرف بھاگ جاتے ہیں۔ دس پانچ تو ان میں اہل خدمت ہوتے ہیں اور کچھ اور بیکار ساتھ مل جاتے ہیں۔ مگر یہ بھی شکایت ہے کہ بعض دفعہ جس گھر میں آگ لگتی ہے بدمعاش لوگ آگ بجھانے کے بہانے سے کچھ اسکا اسباب بھی لے اڑتے ہیں۔ سوائے ان پانی اچھالنے کے انجنوں کی آگ بجھانے والی ایک جماعت کھرپیوں اور آہنی ہک والی بانسوں سے مسلح ہوتی ہے۔ جو آتشزدہ چوبی مکانات کو جڑ سے اکھاڑ دیتے ہیں۔

آگ کی اطلاع کے مینار آتشزدگی سے شہر کو اطلاع دینے کے لئے تین بلند مقامات پر دیدبان متعین ہیں۔ غلاطہ مینار برغلاطہ میں، مینار سرعسکر پر استنبول میں اور کاندلی کے نیچے ایک بلند پہاڑی پر۔ ان دیدبانوں کو جب کبھی کہیں آگ نظر آتی ہے تو یہ فوراً دن کے وقت ان میناروں سے ایک سرخ گولہ آویزاں کرتے ہیں اور رات کے وقت ایک سرخ غبارہ روشن کر کے بلند کرتے ہیں۔ تو اس سگنل کے قریب توپ چلائی جاتی ہے۔ مینار سرعسکری سے گولے چلائے جاتے ہیں۔ اور مینار غلاطہ سے دن کو جھنڈیاں بلند کی جاتی ہیں۔ جنکی تعداد سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کونسے حصہ شہر میں آگ لگی ہے۔ اور رات کو لالٹینیں دکھلائی جاتی ہیں۔

حمال
یہاں کے حمال واقعی ایک خاص جماعت ہے۔ یہ بہت سا بوجھ پیٹھ پر اٹھا کر بڑے طمطراق سے آہستہ آہستہ چلتے ہیں۔ اور واقعی اتنا بوجھ اٹھاتے ہیں کہ تعجب ہوتا ہے کہ کیوں اسکے نیچے دب کر گر نہیں پڑتے۔ ان کا بھی ایک میر یعنی افسر ہوتا ہے۔ جیسے کہ یہاں باقی تمام پیشہ وروں کے بھی ہیں۔ اور مختلف گروہوں نے آپس کے قرار داد سے شہر کے مختلف حصے آپس میں بانٹے ہوئے ہیں۔ ایک روز ایک نووارد یورپین نے ایک ایسے حمال کو ایک بلند راستہ پر چڑھتے ہوئے دیکھکر عجیب پر مذاق ریمارک کیا۔ اُسنے کہا کہ یورپ کے انسداد ظلم حیوانات کی انجمنوں کو قسطنطنیہ کے حمال کی طرف بھی ضرور توجہ کرنی چاہیئے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ عموماً یہ بڑے بڑے مضبوط اور توانا ورارمنی ایشیا کوچک سے آتے ہیں اور انہیں اتنے بوجھ کی پرواہ بھی نہیں ہوتی۔

بوٹ صاف کرنے والے
قسطنطنیہ میں بوٹ روغن کرنے والے بہت کثرت سے ہیں۔ اور ان کے اڈے ان کے پیرس اور لنڈن کے ہم پیشہ لوگوں سے زیادہ خوبصورت بنے ہوئے ہیں۔ اور بخلاف ان کے یہ روغن کی شیشیوں کی ایک چھوٹی سی الماری اور بیٹھنے کو ایک چوکی گویا ایک خاصی چھوٹی سی دوکان ساتھ رکھتے ہیں۔ اور بوٹ کو بھی بڑی محنت سے صاف کر کے شیشہ بنا دیتے ہیں۔

کتے
یورپین سیاحوں کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ قسطنطنیہ کی گلی کوچوں میں کتے بہت زیادہ نظر آتے ہیں۔ اور یہ ایسے خوبصورت اور پلے ہوئے بھی نہیں ہوتے جیسے کہ یورپ میں پالتو کتے ہوتے ہیں۔ مگر ایسے خارشتی اور اپاہج بھی نہیں جیسے کہ ہر ایک یورپین سیاح اپنے سفرنامہ میں انہیں ظاہر کرتا ہے۔ ان کتوں کی کثرت کی وجہ میری سمجھ میں یہ آئی ہے کہ یورپ کے دوسرے شہروں میں چونکہ عیسائی لوگ کتوں کو گھروں میں پالتے ہیں۔ یہاں تک

کر لیڈیاں ان کو بھی انہیں بغل میں دبائے پھرتی ہیں یا مرد اپنے ہمراہ لئے پھرتے ہیں
اسکے کہ انسان کا سب سے بڑا دوست اور خادم سمجھتے ہیں۔ بخلاف اسکے ترک اپنے
مذہب کے رو سے کتے کو نجس سمجھتے ہیں۔ اسلئے اسے گھروں میں نہیں گھسنے
دیتے۔ اور سب کتے بازاروں اور کوچوں میں ہی جمع رہتے ہیں۔ تو ان کی کمیت
بہت زیادہ نظر آتی ہے۔ اسلئے یہ ایسے طمطراق سے سڑکوں کے بیچ میں سو کر
بیٹھتے ہیں کہ انہیں گاڑیوں کے گذرنے کا بھی کچھ خوف نہیں ہوتا۔ گاڑیبان
بھی جہانتک ہوسکتا ہے کتے کو گاڑی کے نیچے دبجانے سے بچاتے ہیں۔
خواہ انہیں چکر کاٹ کر گاڑی گذارنی پڑے۔ ان کتوں نے شہر کے مختلف
حلقے آپس میں تقسیم کر رکھے ہیں۔ اسلئے اگر کوئی اجنبی کتا کسی دوسرے علاقہ میں
چلا جائے یا کوئی کتا اپنے مالک کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔ یہ اسپر سخت حملے
کرتے ہیں۔ اور اسکی گت بناتے ہیں۔ گو گلیوں کی غلاظت پر بھی ان کی گذر
اوقات ہوتی ہے۔ لیکن زیادہ تر رحمدل ترک انہیں ارادتاً روٹی ٹکڑا گھروں سے
لاکر دیتے ہیں۔ میرے میزبان بعض اوقات کھانا کھا کر ہاتھ میں ایک دو روٹیاں پکڑ
لاتا تھا اور گلی کے کتوں کو توڑ کر ڈال دیتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہاں بہت
لوگ ایسا ہی کرتے ہوں گے۔ کیونکہ کتے لوگوں کے گھروں کے اندر تو بوجہ گھروں
کے دروازے ہمیشہ بند رہنے کے کبھی گھس ہی نہیں سکتے۔ ایک روز میں
ایک قبرستان ۴ سے گذر رہا تھا تو وہاں دو شخصوں کے قبروں پر
ان کا عہدہ سگباشی پڑھکر مجھے حیرت ہوئی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا
کہ ینی چری فوج کے زمانہ میں قسطنطنیہ میں سگ باں کا عہدہ بھی ہوتا تھا جو شہر
کے کتوں کو کھانا دینے کا ایک صیغہ تھا۔ مگر ان لوگوں کے ساتھ ہی وہ سلسلہ
بند ہو گیا۔ کتوں کے متعلق یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک دفعہ سلطان عبدالعزیز نے
کتوں سے تنگ آکر اور انہیں جہازوں میں بھر کر ایک غیر آباد جزیرے میں بھیجا
تھا۔ اسپر کسی شخص نے کتے کے زبانی ایک موثر اپیل کسی اخبار میں چھپوائی

آگے بڑھ کر سلطان نے پھر کتوں کو قسطنطنیہ میں بلا لیا۔ اسی طرح ایک قدیم روایت مشہور ہے کہ ترکوں کے سلطنت کے ابتدا میں ایک دفعہ غنیم نے شہر پناہ کے نیچے سرنگ لگائی کہ جس کا پتہ کتوں نے بھونک بھونک کر لگایا۔ جس پر لوگوں نے غنیم کو بھگا دیا۔ اور کتوں کی زیادہ توجہ سے خدمت کرنے لگے۔ بہرحال کتے قسطنطنیہ کا ایک خاص انسٹی ٹیوشن ہیں جو ترکوں کے رحم دلی کی بنیاد پر قائم ہے۔

دندان شکن جواب

انگریزی میں ڈائری آف این آئیڈل وومن ان کانسٹنٹی نوپل ایک بہت اچھی لکھی ہوئی کتاب ہے۔ مصنفہ جو ایک انگریز عورت ہے بڑی عالمہ اور تار سنجیدہ معلوم ہوتی ہے۔ مگر بدنصیبی سے اسے ترکوں میں کوئی بات پسند نہیں آئی۔ وہ انہیں جاہل اور نیم وحشی کہتی ہے اور ان کی ہر بات میں نقص بتاتی ہے۔ قسطنطنیہ کے کتوں سے ان میم صاحبہ نے بڑی ہمدردی ظاہر کی ہے۔ یہ کہتی ہیں یہ ترکوں کے رحم دلی نہیں ظلم ہے کہ وہ ان بے زبانوں کو ایسی بد تر حالت رکھتے ہیں۔ بہتر ہے کہ انہیں مار ڈالیں اور اس عذاب سے انہیں نجات دیں۔ انہیں ناشکری کی وجہ سے یہ مبتلا ہیں۔ وہ لکھتی ہیں کہ یورپ میں کتوں کی آنکھ میں جو روشنی اور محبت کی گرمجوشی ہوتی ہے ویسے قسطنطنیہ کے کتوں کی آنکھ میں نہیں پائی۔ ایک اور انگریز لیڈی جو پروفیسر ٹینس مو جیسے عالم کی بی بی ہیں وہ اپنے سفر نامہ قسطنطنیہ میں لکھتی ہیں کہ مجھے تو یہاں کے کتے ذرا برے نہیں معلوم ہوتے۔ اور نہ ان سے ایسی زیادہ بد سلوکی ہوتی ہے۔ نیز وہ لکھتی ہیں۔ بیشک قسطنطنیہ کی گلیوں میں کتے بھی بہت ہیں۔ حمال بھی ہیں۔ گلیاں بھی تنگ ہیں مگر یورپ کی گلیوں اور بازاروں کی طرح ان میں شرابی زن و مرد گرتے پڑتے نظر نہیں آتے۔ کہ جہاں شراب اکثر جرموں کی ذمہ دار ہے۔ فاحشہ عورتوں کا نام و نشان نہیں اور نہ کھلے بندوں رنڈیاں پھرتی ہیں۔

واضح رہے کہ اسلامی قانون کی نظر میں تمام سلطنت عثمانیہ میں کوئی فاحشہ عورت تسلیم نہیں کیجاتی۔ گو ایک شامی نے مجھے بتلایا تھا کہ قسطنطنیہ میں سترہ ہزار رنڈیاں ہیں۔ شاید ایسا ہو کیونکہ اتنا بڑا غدار شہر ہے۔ جس میں آدھے سے زیادہ آبادی عیسائیوں اور یہودیوں وغیرہ کی ہے۔ تاہم وہ سر بازار نمائش کے لئے نہیں بیٹھ سکتیں۔ جیسا کہ کریچن یوروپ میں دستور ہے کہ جہاں پادری صاحبان اتوار کو تعطیل کرانا مذہبًا ضروری سمجھتے ہیں۔ بلکہ کوئی مسلمان عورت رنڈی نہیں بن سکتی۔ ورنہ اسکی زناکاری ظاہر ہونے پر مرد اور عورت دونوں کو شرعی تعذیر دی جاتی ہے۔ اگر مسلمان مرد کسی عورت کے مکان میں پکڑا جاسے تو اسے تین روز تک محبوس کیا جاتا ہے۔ ایسا ہی رمضان میں کوئی مسلمان بازار میں کھانا ہوا پکڑا جائے تو اسے سزا دیجاتی ہے۔ یا مسلمان بدمست بازار میں پایا جائے۔ تو اسے تعذیر کی جاتی ہے۔ مگر کبھی کوئی مسلمان شاذ و نادر ہی اس حالت میں پایا جاتا ہوگا۔ تمام یورپ کے فوجی سپاہیوں کے لئے شراب کھانے پینے کا ایک ضروری جزو ہے۔ مگر ترک سپاہی اسکے نام تک سے آشنا نہیں۔ اور یہ اسلام کی ایک بہت بڑی برکت ہے۔

مسلمانوں کو شرعی سزائیں

ترکی حمام اور حجام

اگر کسی ترکی چیز نے یورپ بھر میں غیر معمولی عزت اور شہرت حاصل کی ہے۔ تو وہ ترکی حمام اور ترکی تولئے ہیں۔ ٹرکش باتھ اور ٹرکش ٹاول عیش تفریح اور حفظ صحت کے بہترین اعلٰے وسائل سمجھے جاتے ہیں اور ان کی نقل کرنے کی ہر جگہ کوشش کیجاتی ہے۔ قسطنطنیہ میں پہنچکر طبعًا سیاح کو ترکی حمام کے دیکھنے کا شوق ہوتا ہے۔ چنانچہ میں اپنا حمام اور حجام کا پہلا تجربہ یہاں نقل کرتا ہوں۔ کیونکہ حجام بھی حمام کا ایک جزو سمجھے جاتے ہیں۔ بعض لوگ تو حمام کے اندر ہی حجامت کراتے ہیں۔ مگر بعض حجاموں کی دوکانوں پر کراتے ہیں۔ حجام کی دوکان بڑے بڑے شیشوں اور عطر و خوشبو کی شیشوں

سے خوب سجی ہوئی ہوتی ہے۔ ایک یا دو الماریاں ترکی تولیوں سے پُر ہوتی ہیں۔ مجھے حجام نے ایک خاص حجامت کی کرسی پر ایک بڑے شیشہ کے سامنے بٹھلا دیا۔ اور خوب طرح تولئے گردن کے گرد لپیٹ دیئے تاکہ ایک کٹا ہوا بال بھی کپڑوں پر نہ پڑے اور پھر قینچی اور مشین کے استرہ سے حجامت کردی۔ حجامت کے بعد بال بہت احتیاط سے صاف کئے۔ غالباً حجامت کے اس طریقہ میں یورپین رواج بہت کچھ داخل ہو گیا ہے۔ تاہم قسطنطنیہ سے لیکر شام اور مصر تک حجام کی دوکانیں سب جگہ بہت نفیس اور دلکش دیکھی گئی ہیں۔ میں نے حجامت کی اجرت دریافت کی تو اُس نے کہا جو دو گے سو لے لونگا۔ اور جو نہ دو گے تو بھی پرواہ نہیں۔ اور اسطرح بیچارہ غرض سے نیہ۔

حمام کی کیفیت حمام کے دروازہ میں داخل ہوتے ہی دونوں پہلوؤں میں دو کمرے ہیں۔ جنمیں سے ایک میں حمام کا خزانہ اور دفتر ہے اور دوسرے میں چار کاؤچ بڑے بڑے بھاری گدیلوں سے لدے ہوئے ہیں جنپر لوگ جھٹ کپڑے اتارتے ہیں۔ یا غسل سے فارغ ہو کر تھوڑی دیر کپڑے پہننے سے پہلے تولیوں کے غلافوں میں لپٹے ہوئے ستاتے میں تاکہ پسینہ خشک ہو جائے۔ یہاں ایک تولئے میں ہر شخص کے کپڑے باندھکر الگ رکھ دیتے جاتے ہیں۔ کسی کے جیب میں جو نقدی یا گھڑی وغیرہ ہو اُسے ایک الماری کے خانہ میں جو دروازہ میں پڑی ہے مقفل کرکے چابی مالک کو دیجاتی ہے۔ اور فارغ ہو کر وہ خود قفل کھولکر اپنا اسباب نکال لیتا ہے۔ کپڑے اتارنے کے بعد غسل کرنے والے کو لکڑی کے کھڑاویں پہنائی جاتی ہیں۔ اور بازو سے پکڑ کر ایک شخص اُسے حمام کے بڑے ہال میں لیجاتا ہے۔ یہ بہت بڑا مکان ہے جسکے چاروں طرف بلند گیلریاں ہیں۔ بعض لوگ انہی گیلریوں پر کپڑے اتارتے ہیں۔ اسکے آگے

ایک چھوٹا کمرہ ایک پہلو میں ہے ۔ اگر کسی کو حمام میں داخل ہوتے ہی گرمی زیادہ محسوس ہو تو وہ یہاں سستانے کو بیٹھ جائے ۔ ورنہ اندر داخل ہو جائے جو ایک بلند گنبد والا مکان ہے ۔ اسکا تمام فرش سنگ مرمر کا ہے ۔ بیچ میں ایک مرتفع چبوترہ ہے ۔ جس پر دو تولئے بچھا کر اور دو تکیئے لگا کر مجھے لٹا دیا گیا ۔ ایک اور شخص بھی آ کر وہیں لیٹ گیا ۔ جسے حمام کا ملازم دیر تک دباتا رہا ۔ اس مکان کے پہلوؤں میں چار کمرے ہیں ۔ جہاں مرمر کی دیوار میں چھوٹے چھوٹے حوض بنا کر دو دو ٹونٹیاں لگا دی گئی ہیں ۔ ایک میں سے گرم اور دوسری میں سے سرد پانی ان حوضوں میں پڑتا ہے ۔ پاس کئی مسی طشتریاں پڑی ہیں ۔ لئے جسقدر پانی کوئی چاہے ۔ اپنے جسم پر ڈالا کرے پندرہ منٹ یہاں ٹھیرنے کے بعد مجھے ایک خدمتگار ایک پہلو کے کمرہ میں لے گیا اور مجھے کیسہ کرنے لگا ۔ اسکے بعد کسی ریشہ دار چیز میں صابن لگا کر خوب ملا کر جھاگ کی تہ چڑھا دی گئی ۔ جسے جتے پانی سے دھو دیا ۔ آدھ گھنٹہ گذرنے کے بعد مجھے باہر کے کمرہ میں لایا گیا ۔ جہاں دو تین تولیوں سے ایک شخص نے میرا بدن پونچھا ۔ میں نے خود اپنا بدن پونچھنا چاہا تو معلوم ہوا کہ یہ حمام کے خدمتگار کا ہی کام ہے ۔ تولئے بڑی کثرت سے استعمال کئے جاتے ہیں اور حمام کے داخلہ کے کمرہ میں ایک قطار دھوئے ہوئے رنگ برنگی تولیوں کے الماریوں کی پڑی ہے ۔ ہال میں سے گذر کر میں داخلہ کے کمرہ میں ایک کاؤچ پر جا لیٹا ۔ جہاں بہت پسینہ آیا ۔ ایک شخص نے مجھ پر اور دو تین تولئے ڈال دیئے ۔ لوگ یہاں دیر تک لیٹے رہتے ہیں ۔ کیونکہ جو مجھ سے پہلے کے بیٹھے ہوئے تھے ۔ وہ ابھی یہیں پڑے تھے ۔ کپڑے پہنے نقدی سنبھالی اور حمام کی اجرت دریافت کی ۔ ایک شخص نے شیشہ سامنے رکھدیا جسکے بعد میں سنا کہ کیسہ کی اجرت اڑھائی تین غروش ہے ۔ لیکن میں نے ایک مجیدک (پانچ غروش کا سکہ) دیا ۔ اس پر انہوں نے اور تقاضا کیا تو پانچ

پٹن فروش لیتے ہیں - یعنے ہندوستان کے ایک روپیہ کے برابر - لیکن بعض امرا ایک مجیدی (چوہرا) یا ایک اشرفی بھی دیجاتے ہیں - میرے سامنے ایک ترک ایک مجیدی دے گیا تھا -

ترکوں کے اخلاق و آداب

کوئی اجنبی شخص جو قسطنطنیہ دیکھکر واپس جاتا ہے سب سے بڑا اچھا اثر جو وہ اپنے ساتھ لے جاتا ہے - یقیناً ترکوں کے حسن اخلاق اور ملنساری خاکساری رحمدلی اور مہمان نوازی کا ہوتا ہے - چھوٹے سے بڑے ترک عہدہ دار سے ملا ہوں یہی خیال پیدا ہوا ہے - بیشک ترک حسن اخلاق کے لحاظ سے دنیا بھر میں فرد ہیں - کیا وزرائے سلطنت اور کیا کارخانہ توپ سازی یا جہاز سازی کے افسر جو ڈیوٹی پر تھے - یکساں حسن سلوک سے پیش آتے تھے - اور واقعی ترک بڑی کیسی شائستگی اور مروت سے پیش آتے ہیں - کیسے حلیم متواضع اور شگفتہ ہوتے ہیں - اگر ان کا شکریہ ادا کیا جاوے تو آپ شرمندہ سے ہو کر "استغفر اللہ" کہتے ہیں - گویا کہ وہ ہرگز اس شکریہ کے لائق نہیں - ان میں حیا اور لحاظ بہت ہوتا ہے - جو اہل مشرق کی مخصوص صفت ہے - اتنے وضعدار ہیں کہ ہر بات مانتے جاتے اور اقرار کرتے جاتے - کوئی بات اپنی مرضی کے خلاف ہو تو صاحب کو خوش اور مشکور کرنے کے لئے مان لیتے ہیں - [illegible] میں نے دیکھکر یہ بارہا خیال کیا ہے کہ ترکوں کو ابھی یورپین بننے کے لئے ایک بہت عرصہ درکار ہوگا - ان میں تواضع اور خلق اس قدر زیادہ ہے - کہ شاید یہ کبھی یورپ کی دوسری قوموں کی طرح دو رُخے اور بے لحاظ نہیں ہو سکیں گے - ترکوں کا عام ادب [illegible] - جب ترک آپس میں ملتے ہیں تو ان میں اہل لکھنؤ کی طرح بہت سے مودبانہ تعریفوں کا تبادلہ ہوتا ہے - مثلاً ایک شخص پوچھتا ہے - "مزاج شریف" آپ کی دعا - الحمدللہ خدا کا شکر ہے آپ کا مزاج شریف تو اچھا ہے - دوسرا کہتا ہے "الحمدللہ آپ کی مہربانی سے بہت اچھا ہے لیکن

[illegible] مقدس زبان کی طرح ترکی میں بھا [illegible]
[illegible] کے سینے سے تعبیر کرتے ہیں۔ صبح کا سلام ہے۔ قبول شریف [illegible]
آپ کی قبول شریف خدا کرے بخیریت رہے۔ دعائیہ کلمہ ہے۔ ایک خدمت
خدمت کے لئے ایک دوسرے کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ اور کہتا ہے "چوق ممنون
اولدم" نہایت ممنون ہوا۔ "بک چوق مشکور اولدم" نہایت ہی مشکور ہوا ہوں۔
شخص مقابل کے لئے لازم ہے کہ ازراہ کسر نفسی کہے "استغفر اللہ"۔ ایک شخص
دوسرے کو کہتا ہے کہ تم پہلے سیڑھیوں پر چڑھو۔ وہ ازراہ ادب کہتا ہے "امان"
یعنی یہ نہ ہوگا۔ مجھے اس سے امان دیجئے۔ رخصت ہونے یا ملاقات کے وقت
بھی دعائیہ کلمات بھی کہے جاتے ہیں۔ مثلاً "اللہ امانت اولسون" "اللہ عافیت
اولسون"۔ ایک مصدر بیورن ہے۔ جس کے معنے فارسی میں فرمودن ہے۔ ترکی
زبان میں اس قدر تملق اور نزاکت ہے کہ مخاطب ہر کلام کے شروع کرنے کے لئے
بیورن کہا جاتا ہے۔ مثلاً آگے چلئے۔ یا کھانا کھائیے یا آئیے۔ یا جائیے غرض
ہر کام کے لئے ہر وقت "بیورن آفندم" "بیورن آفندم" کہتے رہتے ہیں۔ "آفندم" ترکی
میں مخاطب کرنے کا عام کلمہ ہے۔ اس کے معنے ہیں۔ میرے صاحب۔ جیسے عرب
کہتے ہیں "یا سیّدی!" لیکن ترکی میں در حقیقت بھی آپس میں باتیں کرتے ہوئے ایک
دوسرے کو آفندم کہتے جاتے ہیں۔ لڑکی اور لڑکا۔ باپ۔ استاد یا سب بڑوں کو۔
بیوی۔ شوہر کو۔ دوست اور ملاقاتی ایک دوسرے کو آفندم کہتا ہے۔ شروع میں
شہزادگان آل عثمان کا خطاب آفندی تھا۔ مگر اب ہر شخص کو بطور انگریزی
لفظ مسٹر یا فرانسیسی موسیو، جرمن ہر، یا اطالین سینر کے آفندی کہا جاتا ہے
یعنی ہر شخص آفندی کہلانے کا مستحق ہوا۔ تو اب اچھے آدمیوں کو بے آفندی کہا
جاتا ہے اور بادشاہوں کو پاشا آفندی۔ "حضرتلری" یعنی حضرت شاہ "عزت
[illegible]۔ "دولت عالی حضرتا"۔ مخاطب کے لئے گفتگو میں عام طور پر استعمال کئے جاتے ہیں

غرض ترکی زبان میں بہت سے تکلفات اور القاب و آداب کے کلمات موجود ہیں۔ اور ان سے اس زبان کے بولنے والی قوم کی خوش اخلاقی اور آداب شستگی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

رحمدلی اور خیرات ترک رحمدل اور خدا ترس بھی بہت ہیں۔ اور مفلسوں اور فقیروں کی فیاضی سے مدد کرتے ہیں۔ بلکہ بے زبان جانوروں پر بھی مہربانی کرتے ہیں قسطنطنیہ اور تمام ملک میں لاکھوں کروڑوں روپیے کے وقف املاک ایسے ہیں کہ جسکا ذکر کسی دوسری جگہ درج ہے۔ اگر شہر میں سینکڑوں لنگر خانے اور مہمان سرائیں اور تکئے وقف ہیں تو راستوں میں سینکڑوں چشمے اور سبیلیں ہیں۔ جو سب ان کی رحمدلی اور فیاضی کے ثبوت ہیں۔ یہ نہیں دیکھ سکتے کہ خود کھائیں اور کوئی محتاج پاس بیٹھا دیکھتا رہے۔ ان کے یہاں یہ مثل مشہور ہے "تبزلی اوریزباقر قیامت اوناکا پر" (یعنی کھائے اور ایک دیکھے تو قیامت بھی نہ آجائے) اسلئے جب کوئی شخص کھانے لگتا ہے۔ تو پاس والے آدمی کو بھی ساتھ شامل کر لیتا ہے۔ ان کی ایسی عادات کی وجہ سے اگر خود غرض اہل یورپ انہیں دیوانے کہیں تو بجا ہے۔ ایک طور پر یہ قوم سچے متوکل ہیں۔ اگر آج کے کھانے کے لائق ان کے پاس ہو تو کل کے لئے کہتے ہیں "بوگون بلی یم یارین اللہ کریم" (آج تو کھا بیٹا اور کل اللہ کریم ہے۔ یعنی خدا رزاق ہے پہنچا دیگا۔) ترکوں میں کھانے اور پینے کے تکلفات میں بہت خرچ کیا جاتا ہے۔

ترکی سلام ترک آداب مجلس میں مہمان کی بہت عزت کرتے ہیں ملنے کیوقت انکے ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہیں۔ رخصت کے وقت مصافحہ کرنے کے بعد دایاں ہاتھ بہت نیچے لیجاکر و جھک کر فرشی سلام کرتے ہیں۔ سلام کرنے میں جھک کر ہاتھ پہلے سینہ پھر پیشانی پر رکھتے ہیں۔ جب سب لوگ سلام کر کے اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ جاتے ہیں تو ایک مرتبہ نیم ایستادہ ہو کر پھر دوبارہ ہاتھ

کے اشارہ سے اسی طرح سلام کرتے ہیں۔ جیسا کہ رخصت کے مصافحہ کے وقت کرتے ہیں۔ یہ دوہرا سلام ان کے بے حد تکلف اور اخلاق کا نشان ہے۔ رخصت کے وقت مصافحہ کرنے کا طریقہ بہت عام نہیں۔ اور نہ عموماً السلام علیکم زبان سے کہا جاتا ہے۔ بلکہ زیادہ تر محض ہاتھ کے اشارات سے ہی ادا کیا جاتا ہے۔

ترک بچوں کا سلام

ترکی بچوں کے سلام کرنے کا طریقہ تو مجھے نہایت پیارا معلوم ہوتا تھا۔ جب کوئی چھوٹی لڑکی یا لڑکا تمہیں ملیگا تو وہ یا تو تمہارے پاؤں تک ہاتھ لیجا کر اپنا ہاتھ چوم لیگا۔ گویا کہ اسنے قدمبوسی کی۔ اور یا اپنا دایاں ہاتھ تمہارے طرف بڑھا دیگا۔ جسکا مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ تم اپنا ہاتھ اسکے نیچے سے ہاتھ پر رکھدو۔ اور جب تم اسکے ہاتھ پر اپنا الٹا ہاتھ رکھتے ہو۔ تو وہ پہلے اسپر بوسہ دیتا ہے۔ اور پھر اسے پیشانی پر لگاتا ہے۔ گویا دست بوسی کرتا ہے۔ کبھی تمہارے دامن کو بھی بوسہ دیتے ہیں۔

ترک حبشیوں سے نفرت نہیں کرتے

ترک ہر چند کہ نہایت گوری قوم ہے۔ لیکن جس طرح کہ یورپ اور امریکہ کے دوسری عیسائی گوری قومیں کالے یا گندمی رنگ کے آدمیوں کو انسان نہیں سمجھتیں۔ یا کمتر درجہ کا انسان سمجھتی ہیں ترک ایسا نہیں سمجھتے۔ میں نے قسطنطنیہ میں بعض اوقات اس امر کو نوٹس کیا کہ ترک حبشیوں کو بالکل حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ قدیم زمانہ سے ترک سلاطین حرم سرا کا بڑا داروغہ یعنے "قزلر آغاسی" حبشی خواجہ سرا ہی رکھتے ہیں۔ کہ جسکا عہدہ پہلے زمانوں میں صدر اعظم سے بھی بلند سمجھا جاتا تھا۔ مگر خواجہ سراؤں کو اختہ کر دیا جاتا تھا۔ جس سے ان کی ڈاڑھی نہیں نکلتی۔ ابتک بہت لوگوں کے پاس حبشی مرد اور عورتیں خدمتگار ہیں۔ اور ترک انہیں برابر کا انسان سمجھتے ہیں۔ حبشی خواجہ سرا سے حرم سلطانی

کے اور بھی بہت سے اونچے گھرانوں میں ہیں۔ اور کیسی عزت اور آسائش
سے رہتے ہیں۔ بعض ترکوں نے حبشی عورتوں سے نکاح بھی کئے ہیں
اور اُن سے جو بچے پیدا ہوتے ہیں وہ سوسائٹی اور قانون کی نظر میں
برابر سمجھے جاتے ہیں۔ بازاروں سے جو حبشی خادمہ عورتیں گذرتی ہیں۔
انکا بھی لباس کیسا پردہ دار ہوتا ہے۔ اور سوائے منہ کے جسم کا کوئی حصہ ننگا
نہیں ہوتا یلہ پشم کا لباس انہیں کیسا سجتا ہے۔

عرب مصری اور ایرانی

قسطنطنیہ میں ہزارہا عرب شامی اور مصری رہتے ہیں جن میں
سے بہت سے مدرسہ سلطانیہ۔ مدرسہ حربیہ اور مدرسہ بحریہ
کے شاگرد اور کئی فوجی ملازم بھی ہوتے ہیں۔ بہت سے خواجہ یعنے معلم ملا
بھی ہیں۔ چونکہ یہ مقام اُن ممالک کا پایہ تخت ہے کہ جہاں عربی بولی جاتی
ہے۔ اسلئے بکثرت عربی بولنے والے لوگ یہاں جمع رہتے ہیں۔ اور
ایک عربی دان شخص صرف اِن لوگوں سے ملکر کام چلا سکتا ہے۔ بعض قہوہ
خانوں اور لوقنطوں میں اسی لئے عربی دان خادم رکھے جاتے ہیں۔ نوجوان
شامی اور مصری کہ جنکے رنگ بھی گورے ہوتے ہیں لوگ شکلوں میں ترکوں سے
کم نہیں سمجھتے۔ کالر اور کف بھی خوب ستھرے رکھتے ہیں۔ اور عربی بولتے
ہوئے کیسے بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ اور جب یہ عرب فرفر فرنسیسی زبان
بولتے ہیں تو اور بھی عجیب معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایرانی بھی بہت سے
بغرض تجارت قسطنطنیہ میں سکونت رکھتے ہیں جو شہر کے ایک علیحدہ حصہ
میں رہتے ہیں۔ مگر ان کی دوکانیں جا بجا پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ لوگ اپنا قومی
لباس ہمیشہ نہیں چھوڑتے۔ ایام محرم میں خان والدہ میں کہ جو ان کی آبادی
کا مرکز ہے۔ زور شور سے عزاداری کرتے ہیں۔ کہ جسے ترک اور خصوصاً
یورپین سیاح جو اس زمانہ میں استنبول میں موجود ہوتے ہیں۔ دیکھنے کے
لئے جمع ہوتے ہیں۔

راستہ میں سگار سلگانا یہاں بھی پیرس کیطرح راستہ چلتے ناواقفوں کی اشارہ کرکے سگار سلگا لینے کی رسم جاری ہے ۔ اور سلگا چکنے کے بعد اس شخص کو سلام کیا جاتا ہے کہ جسکے سگار سے سگار سلگایا گیا ہے خلیق اور مہمان نواز ترک بھلا کس طرح کسی کی درخواست کو مسترد کر سکتا ہے

جیلخانوں میں بیکار قیدی یہاں کے جیلخانوں میں قیدیوں سے کوئی سرکاری کام نہیں لیا جاتا ۔ اور سرکار کیطرف سے قیدیوں کو اتنا ہی کھانا ملتا ہے ۔ جتنا کہ فوجی سپاہیوں کو ملتا ہے ۔ لیلۃ القدر، مولود النبی، سالگرہ سلطانی یا جشن تخت نشینی سلطانی کی تقریب پر لمبی قید والے قیدیوں سے ایسے لوگ رہا بھی کر دیئے جاتے ہیں ۔ کہ جو اپنی اسیری کی تین چوتھائی مدت گذار چکے ہیں ۔

باغ اور بوستان یہاں نہ صرف شہر کے اطراف میں بلکہ شہر کے بیچ کے محلوں میں بھی باغات ہیں ۔ بلکہ بہت سے گھروں کے اندر بھی حسب توفیق چھوٹے بڑے گلبن ہیں ۔ مگر حوالی شہر میں روملی اور اناطولی کے دونوں اطراف میں بہت سے بوستان میوہ دار ہیں ۔ اسلئے بقولات اور میوہ جات خصوصاً انگوروں کی اس شہر میں کثرت ہے ۔ محلوں کے باغات میں لوگ (زن و مرد) تفریحاً چہل قدمی کرتے ہیں ۔ اور محلہ کے سب ساکنیں اسے اپنا مشترکہ باغ سمجھتے ہیں ۔ علاوہ اسکے قبرستانوں کے سرو بھی حوالی اور اطراف شہر میں اسقدر پھیلے ہوئے ہیں کہ شہر میں ہر طرف سرسبزی کی کثرت نظر آتی ہے ۔

مخبری مشہور ہے کہ قسطنطنیہ میں مخبری کا انتظام بہت بڑھا ہوا ہے لیکن لوگوں کا تو خیال ہے کہ خدا جانے کتنے ہزار آدمی شہر میں اس کام پر متعین ہیں شاید جو فقیر تم سے خیرات مانگ رہا ہے یہی مخبر ہے ۔ شاید جو لڑکا تمہارا بوٹ سیاہ کر رہا ہے یہی مخبر ہے ۔ شاید جس لوکنطہ میں تم کھانا کھا رہے ہو اسکا مالک مخبر ہے ۔ جب مجھے شہر میں آئے تین چار روز گذر گئے تو ایک

صاحب جو مجھ سے راستہ میں ملے تھے۔ اور انہیں میرے فروکش ہونیکا مکان معلوم نہیں تھا مجھے ملنے کو آ گئے۔ اور انہوں نے بتلایا کہ میں نے پولیس سے دریافت کیا تھا۔ کہ تم کہاں ٹھیرے ہو۔ اور مجھے فوراً معلوم ہو گیا تھا۔ کہ پہلے تم فلاں جگہ ٹھیرے تھے۔ پھر فلاں مکان کو چلے گئے اور وہاں فلاں فلاں شخص تم سے ملنے آئے ہیں۔ مگر یہ سلسلہ دنیا کی ہر ایک سلطنت میں کم و بیش جاری ہے۔

پہرہ والے چوکیدار

سوائے حصہ غلاطہ کے جو یورپین آبادی ہے۔ قسطنطنیہ میں رات کے وقت بازار بہت سویرے بند ہو جاتے ہیں۔ اور بازاروں میں روشنی بہت ہی کم ہوتی ہے۔ خصوصاً جو شخص یورپ کیطرف سے آئے اور وہاں ۲-۳ بجے صبح تک بازاروں میں رونق دیکھ کر آئے اُسے یہ کیفیت بہت عجیب معلوم ہوتی ہے۔ عشا کے بعد پہرہ والے چوکیدار بازاروں کے فرش پر ڈنڈے مارتے ہوئے اِدھر اُدھر گذرتے نظر آتے ہیں۔ بعض اوقات یہ لوگ ڈنڈا فرش پر مار کر رات کے گھنٹے بتلاتے ہیں۔

مساجد گرجے و قبرستان

کیا یہی بات کم عجیب ہے۔ کہ اس شہر میں معبدوں کو پہلے اصنام کی پرستش کے لئے تعمیر کیا گیا تھا۔ ان میں سے بعض میں بعدہ تثلیث اور آخیر میں اب توحید کا غلغلہ بلند ہو رہا ہے۔ یہ حال آیا صوفیہ اور کئی ایک مشہور مساجد کا ہے جو عیسائی گرجوں سے کسیقدر ترمیم کے بعد مسجدیں بنائی گئیں۔ لیکن اسکے سوائے بہت سی ایسی مساجد ہیں کہ جو ویسی ہی عظیم الشان

ترک سلاطین کا تعمیر مساجد کا شوق

ہیں مگر سلاطین ترک نے خود تعمیر کی ہیں۔ قسطنطنیہ میں ترک سلاطین کا دستور ہو گیا تھا۔ کہ جو نیا سلطان تخت نشین ہوتا تھا وہ اپنے نام سے ایک اس سے عظیم اور عجیب تر مسجد تعمیر

کرکے چھوڑنا چاہتا تھا۔ کہ جو اس سے پہلے سلطان نے اسی خیال سے تعمیر کی تھی۔ ایک یورپین مصنف لکھتا ہے۔ کہ سلطانوں کو تعمیر مساجد کا شوق اسقدر بڑھ گیا تھا۔ کہ یہ ضرب المثل ہو گئی "A Sultan always lives while he is building."
(یعنے ایک سلطان جبتک تعمیر کرتا رہتا ہے زندہ رہتا ہے) ایسے ہی ایک مصنف ہندوستان کے سلاطین مغلیہ کی عالیشان اور خوبصورت عمارات کی نسبت لکھتا ہے کہ "وہ جنات کی طرح تعمیر کرتے تھے۔ اور مصوروں کی طرح آرائش کرتے تھے" غرض اسطرح قسطنطنیہ میں بہت سی عالیشان مسجدیں جمع ہو گئیں

عظیم الشان مساجد پر ایک نظر

کہ جنکی نظیر روئے زمین پر کسی ملک میں ملنی مشکل ہے بعض مسجدیں تو ایسی عالیشان۔ ایسی خوبصورت اور پرشوکت ہیں کہ ان سے باہر نکلنے کو جی نہیں چاہتا۔ جامع ینی والدہ۔ جامع سلطان بایزید۔ جامع سلطان احمد۔ جامع سلطان محمد فاتح۔ اور جامع سلطان سلیم وغیرہ ایسی عالیشان مساجد ہیں۔ کہ جن کی تعمیر میں لاکھوں روپیہ صرف ہوا ہوگا لاہور کی مسجد شاہی یا دہلی کی مسجد شاہی کی طرح صرف ایک ایک گنبد کی سقف کے برابر ان کی پہنائی نہیں۔ اور نہ احمد آباد کی مشہور ستونوں والی مسجد کی طرح ان میں ستونوں کی بھرمار ہے۔ گو یہ تینوں مسجدیں بھی اپنی اپنی جگہ بے نظیر ہیں لیکن یہاں کی مساجد میں دو یا چار ستون بہت بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ مثلاً جامع سلطان احمد میں چار ستون سنگ مرمر کے ہیں۔ ان میں سے ایک کے گرد میں پھرا تھا۔ جسکا دور ۳۳ قدم تھا۔ جو گز گز بھر چوڑی اور چار چار گز بلند مرمر کی سلوں سے بنا ہوا تھا۔ ان ستونوں کے بیچ میں بڑا گنبد اور گرد نصف گنبد بنے ہیں اور بہت چوڑی جگہ پر محیط ہو جاتے ہیں۔ کہ جن میں ہزارہا آدمی ایک وقت نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس سقف جگہ کے گرد ایک گردش ہوتی ہے۔ عموماً

مقصورہ سلطانی

محراب کی بائیں جانب بقدر ایک منزل کے بلند مکان ہوتا ہے جسکی

جالیاں جالیدار بنائی جاتی ہیں۔ اسمیں سلطان وقت نماز پڑھتا ہے اور اسے مقصورہ سلطانی کہتے ہیں۔ سلطان کو اس طرح دوسرے نمازیوں کی نظروں سے مستور کرنے کی غرض یہ ہوتی ہے۔ کہ ان کی توجہ منتشر نہ ہو۔ نیز سلطان کو یہ بات یاد دلانے کے لئے کہ وہ بھی دیگر بنی نوع انسان کی طرح فانی اور کمزور ہے دو شخص اُس کی نماز کے وقت سلطان کے دائیں بائیں کھڑے کئے جاتے ہیں۔ بلکہ قدیم زمانہ میں دستور تھا کہ جب سلطان وقت نماز جمعہ کے لئے مسجد میں داخل ہوتے تو دو بچے اسکے سامنے آکر سلام کرتے اور چلاتے کہ خدا کی نظر میں سلطان اور پست قامت انسان برابر ہیں۔ محراب کی دائیں جانب منبر ایک منزل سے بھی بلند ہوتا ہے جس پر سیڑھیوں سے چڑھتے ہیں۔ ایک اور جگہ وسط کے قریب مرتفع بنائی جاتی ہے۔ جس پر مکبّر بیٹھتا ہے۔ اور امام سے تکبیریں سنکر اسے دہراتا ہے۔ جس کی آواز مسجد میں ہر جگہ پہنچتی ہے۔ محراب کے دونوں طرف موم کی بہت موٹی موٹی بتیاں عموماً ایک گز محیط کی رکھی رہتی ہیں۔ لیکن جامع ایا صوفیہ میں تو دو گز کے قریب محیط کی موم بتیاں ہونگی۔ جو محراب کے گرد دو عالیشان سفید ستون معلوم ہوتے ہیں۔ ہر چند کہ جامع ایا صوفیہ تمام مساجد میں زیادہ عالیشان ہے کہ جسکی عظمت اور شوکت اور لاگت دیکھکر کوئی شخص تعجب کئے بغیر نہیں رہ سکتا تاہم جب دوسری مساجد میں جائیں۔ تو ان کو ایا صوفیہ سے کم کہنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ یہاں کی پانچ چھ دوسری اول درجہ کی مسجدیں ایک نہ ایک پہلو میں جامع ایا صوفیہ سے فائق ہونگی۔ جیسے یورپ میں گرجوں میں دیکھا ہے کہ بہت قیمتی پتھر اور موزائک کی گلکاری اور رنگین شیشوں کے دریچے لگانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گیا۔ مگر ان کے مقابلے میں بادیہ ممالک عثمانیہ کی مساجد بھی کسی طرح کم نہیں۔ سلطان احمد کی مسجد کے اندر تمام چینی کا بینظیر کام ہے۔ اور گنبدوں اور محرابوں میں بہت سی خوشخط آیات کلام مجید لکھی ہیں۔ سلطان بایزید کی مسجد کے دریچوں میں رنگین شیشے لگے ہیں۔ جن میں

مختلف رنگوں سے کلمہ طیب بنایا گیا ہے۔ اور یہ رنگین شیشے بوجہ قدیم ہونے
کے نہایت بیش قیمت چیز شمار ہوتے ہیں۔ جیسے مسجد سلطان احمد کے چینی کے
کام کے بھی یورپین تاجر بیش قیمت سمجھتے ہیں۔ جامع سلطان مصطفےٰ جامع
شہزادہ باشی اور مسجد یشی جامع میں علاوہ مسجد سلطان سلیم اور سلطان بایزید
کے دیواروں پر چینی کا کام ایسا اعلےٰ نصب کیا گیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ
تمام دیوار ایک ہی چینی کے ٹکڑے سے بنی ہوئی ہے۔ اور ان سب مساجد
میں بھی محراب کی جانب کھڑکیوں میں رنگین شیشوں میں کلمہ طیب اور اسمائے
حسنےٰ لکھے ہوئے ہیں۔ عموماً قسطنطنیہ کی مساجد کی تعمیر قریب قریب ایک ہی اصول
پر مبنی ہے یعنی ایک بڑا وسیع گنبد اور اس کے گرد چار نصف گنبد ہوتے
ہیں۔ اور یہ سب سقف علاوہ دیواروں کے چار پیلپایوں پر قائم ہوتا ہے
میں نے جامع سلطان سلیمان قانونی کا اندازہ کیا تھا۔ طول و عرض ۲۲ ، ۷۲
قدم تھا۔ اس جامع کے اندر بھی دو پیلپایوں کے نیچے وضو کے لئے دو ٹنکیں
بنی ہوئی ہیں۔ جیسے خوشخط جلی۔ نسخ اور ثلث خط کہتے ہیں ان مساجد کی دیوار
اور چھتوں پر چینی اور دوسرے رنگوں میں اور سنہری حروف کی لکھے ہوئے دیکھے
ہیں۔ ایسے پہلے نہیں دیکھے۔ بعض قطعات خوشخط ان مسجدوں میں آویزاں ہیں
جو مشہور ہے کہ سلطان سلیم اور سلطان محمود ثانی کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے
ہیں۔ جو بڑے خوش خط گزرے ہیں۔ ہر مسجد میں کئی قرآن پڑے رہتے ہیں
اور ایسے ہی سلاطین عثمانیہ کی تربتوں پر جو اس شہر میں کئی ایک ہیں۔
اچھے اچھے قلمی قرآن پڑے ہیں۔ ایا صوفیہ کے صحن میں کوئی ستون یا
پیلپایہ نہیں۔ (جو ایک درمیانی گنبد اور دو نصف پہلوؤں کے بڑے
بڑے گنبدوں سے مسقف ہے)۔ لیکن شمالی جنوبی نصف گنبدوں
کو چار چار عالیشان سنگ خارا کے ستونوں نے الگ کر دیا ہے۔ کہا جاتا
ہے۔ کہ آج دنیا میں ان کے ساتھ کے ستون موجود نہیں۔ سنگ سماق

کے بڑے بڑے ستون یہاں کی کئی مساجد میں موجود ہیں۔ ایا صوفیہ کے بڑے گنبد سے جو ریشمی رسے کے لئے آہنی جھاڑ لٹکا ہوا ہے۔ جس میں گلاس آویزاں ہیں۔ اسکا قطر دس گیارہ قدم ہے۔ یعنی اس سے آدھی جگہ میں دنیا میں کئی مسجدیں تعمیر ہوئی ہونگی۔ یہاں دستور ہے۔ کہ جس قدر زمین مسجد کے زیر سقف ہوتی ہے اتنی پر ہی صحن ہوتا ہے۔ کہ جسکے وسط میں ایک پانی کا حوض یا چشمہ بنا ہوا ہوتا ہے۔ اور اس صحن میں لوگ جوتے سمیت آتے ہیں۔ مگر شام اور ہندوستان کی مساجد میں صحن میں بھی جوتہ لانے کا رواج نہیں۔ یہ تمام جامع مسجدیں فرش فروش اور عظیم الشان آہنی جھاڑوں سے آراستہ ہیں۔ جمعہ اور عیدین کو سب میں قالینوں کا فرش کیا جاتا ہے۔ قسطنطنیہ میں صرف جامع مسجدیں (۲۴۰) بتلائی جاتی ہیں۔ علاوہ مساجد کے یہاں اکثر سلاطین عثمانی کے تربے بھی قابل دید ہیں۔ جو عموماً مساجد کے متصل تعمیر کئے جاتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض بوجہ عمارت کی خوبی کے بھی قابل لحاظ ہیں۔ اور ان کی حفاظت اور نگرانی بہت احتیاط سے کی جاتی ہے۔

جامع ایا صوفیہ

جامع ایا صوفیہ پہلے ایک رومی گرجا تھا۔ جسکی بنا پہلے پہل قسطنطین اعظم بانی قسطنطنیہ نے سنہ ۳۲۵ء میں چوبی گرجا کی بنیاد ڈالی تھی اسکے جل جانے کے بعد اسی جگہ پر ۲۳ فروری سنہ ۵۳۲ء کو قیصر جسٹینین نے ایک عظیم الشان سنگین مسجد کی بنیاد ڈالی۔ جو قریباً دس لاکھ پونڈ یا ڈیڑھ کروڑ روپیہ کی صرف سے پانچ سال دس ماہ میں بنکر تیار ہوا۔ دس ہزار معمار اس پر بڑی سرگرمی سے مصروف رہے۔ قیصر نے قریباً کا سپید سنگ مرمر کا

۱۔ جامع کے مصداق وہ مساجد ہیں جن میں علاوہ حرم مسجد کے اسکا باغ بانی مسجد کی قبر ایک چاردیواری میں محدود۔ اور اسکے متعلق کئی مکانات مثل کتب مدرسہ کتب خانہ مطبخ اور طالب علموں کے رہنے کے حجرے وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ محبوب عالم

کا سبز مرمر۔ لیبیا کا نیلا مرمر۔ سنگ سیاہ مرمر۔ باسفورس کا سیاہ دا[illegible]
والا سفید مرمر۔ تھسلی اور اپیرس کا سنگ مرمر۔ مصر کا سنگ ستارا۔ اور سنگ
سماق منگوا کر اسکی تعمیر میں لگایا۔ قدیم یونانی عمارات کا بہت سا مصالح اتھنز
وغیرہ مقامات سے منگوا کر اسمیں استعمال کیا۔ قدیم مذاہب کے بہت سے
معبدوں نے اسکے خاطر اپنا مصالح نذر کر دیا۔ ایتھنس اور اسیرس کے ستون
اس میں لگائے گئے۔ ہیلیوپلس اور افیسس کے سورج اور چاند کے مندروں
کے مینار اور اسی طرح پیلاس (واقعہ ایتھنز) فیبس (واقعہ ڈیلاس) اور سائبل
(واقعہ سیزیکس) کے ستون اسکے کام آئے۔ اور انہوں جواہرات سے اسکے
قربانگاہ وغیرہ مقامات کو آراستہ کیا گیا۔ جب عمارت ختم ہوئی تو قیصر جسٹنین
اس میں داخل ہوا اور کہا:۔ "بڑی شان ہے اس خداوند کی جسنے ایسی عظیم
الشان عمارت کی تکمیل کی مجھے توفیق دی۔ سلیمان میں تجھ سے سبقت لے گیا!"
آیا صوفیہ قریباً ایک مربع شکل کی عمارت ہے۔ غلام گردش اور محراب کو چھوڑ
کر جنوباً شمالاً (۲۳۵) فیٹ اور شرقاً غرباً (۲۵۰) فیٹ وسیع ہے۔
بیچ کے گنبد کا قطر ۱۰۷ فیٹ اور چھت کا ارتفاع ۱۸۵ فیٹ ہے۔ باوجود
اس وسعت کے گنبد کا عمق ۴۹ فیٹ سے زیادہ نہیں۔ کل (۱۰۷) ستون
سنگ سماق اور رخام کے ہیں۔ جنکا قطر تین چار ہاتھ سے کم نہ ہوگا۔ قدیم
زمانہ کا تانبے کا دروازہ ابتک موجود ہے۔ جسپر تصویریں بنی ہیں ہر چند کہ
گنبد کے اندرونی بت مٹا دیئے گئے ہیں۔ لیکن ابھی تک گنبد کے نیچے
چاروں کونوں پر ملائکہ مقربین کی تصویریں بنی ہوئی ہیں کہ جنکے چھ چھ پر
ہیں۔ اور اگرچہ سفیدی میں سے کہ جو ترکوں نے ان تصویروں پر پھیر دی ہے۔
ابھی تک ان کے دھندلی سی شکلیں نظر آتی ہیں۔ ساتھ ہی چاروں کونوں
پر مسلمانوں نے چار بڑی بڑی ڈھالوں میں خلفائے راشدین ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ علیؓ
کے نام تیس تیس فیٹ بلند سنہری حروف سے خوشخط جلی قلم پچاک جی زادہ

له اس کے علاوہ اسد اور بھی ایسی ہی ڈھالیں آویزاں ہیں۔

مصطفےٰ چلبی مشہور خطاط کے لکھے ہوئے آویزاں ہیں۔ اور یہ خلفائے راشدین بلکہ اللہ و محمد (صلعم) کے نام آویزاں کرنے کی رسم یہاں کی تمام مساجد میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس گرجا کو مسجد بنانے میں سوائے اسکے اور کسی بڑی اندرونی تبدیلی کی ضرورت مسلمانوں کو پیش نہیں آئی۔ کہ اسکے سابقہ محراب کے اندر جو بیت المقدس کے رخ پر بنی ہوئی تھی۔ ایک چھوٹی محراب ذرا ترچھی کرکے کعبۃ اللہ کی جانب بنا دی گئی ہے۔ اور اسی لحاظ سے تمام مسجد کا فرش بھی ذرا ترچھا کرکے بچھا ہوا نظر آتا ہے البتہ بیرونی طرف سے سلاطین عثمانی نے وقتاً فوقتاً کچھ تغیرات اسکے دریچوں وغیرہ میں کئے ہیں۔ اور بجائے صلیب کے اسکے اوپر سلطان مراد ثانی نے پچاس ہزار ڈوکٹ کے خرچ کا چاند کا ہلال لگایا جو اتنا بلند ہے۔ کہ کہتے ہیں صاف موسم میں بروصہ سے بھی نظر آسکتا ہے +

امام کا شمشیر برہنہ لیکر خطبہ پڑھنا

محراب کے قریب ایک منبر بنا دیا گیا ہے جس پر کئی سیڑھیاں چڑھکر امام جمعہ اور عید کا خطبہ پڑھتا ہے۔ صدہا سال سے یہ رواج چلا آتا تھا کہ امام کے ہاتھ میں اسوقت ایک برہنہ شمشیر ہوتی تھی۔ جو اس بات کی علامت تھی کہ اس مسجد پر بزور شمشیر قبضہ کیا گیا۔ اور ایسے ہی یہاں کے تین چار دیگر مساجد کے امام ہی جو انہیں حالات میں مسلمانوں کو حاصل ہوئی تھیں۔ شمشیر بکف ہوکر خطبہ پڑھتے تھے۔ مگر معلوم ہوتا ہے اب کچھ عرصہ سے یہ رواج نہیں رہا۔ امام کے دائیں بائیں دو علم لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ جن سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ یہ سلطنت عیسائیوں اور یہودیوں دونوں قوموں سے چھینے ہوئے ہے۔ محراب کے قریب ایک مرتفع مکان بنام محفل ہمایوں بنا ہوا ہے کہ جسمیں سلاطین سابقہ نماز ادا کیا کرتے تھے۔ اور یہ محفل اور کئی مساجد میں بھی نظر آتی ہے۔ کہ جسے مقصورہ سلطانی بھی کہتے ہیں۔ امام جو لباس پہنکر امامت کراتے ہیں۔ اس سے ان کے مدارج کا پتہ ملتا ہے۔ غرضکہ

سینٹ صوفیا بھی کہ عیسائیوں کا فخر تھی - ویسی ہی آیا صوفیہ ان پانچ صدیوں میں مسلمانوں کو رہی ہے -

جامع بایزید و تربہ

سلطان بایزید ثانی نے آٹھ سال میں اس عالیشان مسجد کو تعمیر کرایا تھا - اسکا حرم عثمانی طرز تعمیر کا عمدہ نمونہ اور بڑا وسیع ہے - سنگ مرمر سماق وغیرہ کے ستونوں کے دالان ہیں - یہ ستون سب سرتاپا ایک ہی پتھر کے بنے ہوئے ہیں - حرم میں سرو اور بلوط کے درخت ہیں کہ جنپر اور نیز مسجد کے گنبدوں اور دوسرے حصوں میں ہزاروں کبوتر رہتے ہیں - اسی لئے اسے کبوتروں والی مسجد بھی کہا جاتا ہے - مشہور ہے کہ ایک غریب عورت نے سلطان بایزید کی خدمت میں ایک جوڑا کبوتروں کا نذر کیا تھا - سلطان نے مسجد کے نذر کر دیا - اسی جوڑے کی اولاد یہ ہزاروں کبوتر ہیں - کہ جنکی خوراک مسجد کے فنڈ سے مقرر ہے - اور لوگ انہیں قابل تعظیم سمجھکر نہیں مارتے - مسجد کے حرم میں ایک بازار لگا رہتا ہے - اور خطوط نویس اور تسبیح بیچنے والے بھی بہت ہوتے ہیں - مسجد کے دریچوں میں رنگین شیشے سے کلمہ طیبہ لکھا ہوا تھا - اور اندر سینکڑوں ہزاروں طالب علم استادوں سے سبق پڑھ رہے تھے - مسجد کے پچھلی طرف سلطان بایزید کا تربہ ہے - جسکے جنگلے پر صنعت کا عمدہ کام ہے - قبر پوش پر ایک اتنا بھاری عمامہ رکھا ہوا ہے - جو ململ کے تین تھان ملاکر باندھنے سے بنے - معلوم ہوا کہ یہ سلطان موصوف کا اصل عمامہ اسی طرح بندھا ہوا ہے - کہ جیسا اس کے عہد میں باندھا جاتا تھا - تاج جو قبر پر آویزاں تھا - وہ خالص سونے کا بنایا گیا -

جامع سلطان فاتح و تربہ

یہ بڑی عظیم مسجد ہے - جو کلیسائے حواریوں کی جگہ پر تعمیر کی گئی ہے کہ جہاں قیاصرہ سنگ سماق اور سنگ مرمر کے مقبروں میں مدفون تھے - لیکن لاطینیوں نے ۱۲۰۴ء میں ان قبروں کو برباد کر ڈالا - خصوصاً اسکا مدرسہ سب سے بڑا ہے - جہاں آٹھ ہزار طلبا تعلیم پاتے ہیں - مسجد کے بڑے دروازہ پر یہ حدیث نبوی کندہ ہے - لتفتحن القسطنطینیۃ فلنعم الامیر

امیرھا ولنعم الجیش ذالک الجیش (تم قسطنطنیہ کو فتح کرو گے مبارک ہوگا اسکا امیر اور مبارک ہوگا اسکا لشکر مسجد کے قریب طلبا کے لئے صدہا حجروں کی قطاریں بنی ہوئی ہیں۔ ایک طرف علما اور مشاہیر کا قبرستان ہے چنانچہ غازی عثمان پاشا کی قبر بھی انہیں میں ابھی تازہ بنی تھی۔ ان میں نئی قبروں کے کتبے بہت خوبصورت ہیں۔ یہاں خاص اجازت سلطانی سے مشاہیر قوم دفن ہوسکتے ہیں۔ مسجد کی ایک طرف بہت کھلی جگہ مسافروں کے اترنے کے لئے پڑی ہے جیسے کہ سلطان فاتح کے عہد میں تھی۔ دوسری طرف خارج کی زینت ہے۔ جسکا جنگلا زرنگار ہے۔ اور اوپر بہت بڑا عمامہ رکھا ہے۔ مسجد کی ایک طرف ایک منڈی ازاں اشیار کی تھی۔ جہاں عموماً سفید پگڑی والے طلبا نظر آتے تھے۔ یہاں دیکھکر مجھے یاد آگیا۔ کہ انگریزی اخبارات جس طلبائے مساجد قسطنطنیہ کو سوفطا کہکر ذکر کرتے ہیں کہ وہ بڑے پُرجوش اور خوفناک ہیں۔ وہ واقعی ایک بارعب جماعت ہے۔ مسجد کے ساتھ ایک لنگر ایک شفاخانہ ایک مہمان سرائے اور ایک حمام بھی ہے۔ ۱۷۶۶ء کے زلزلہ میں یہ مسجد بالکل برباد ہوگئی تھی۔ مگر سلطان مصطفےٰ ثالث نے اسے ازسرِنو تعمیر کرایا۔

جامع مسجد سلطان احمد سلطان احمد اول نے ات میدان کے جنوب مشرق میں ۱۶۰۸ء سے ۱۶۱۴ء تک تعمیر کرائی۔ سلطان کو اس کی تکمیل کا اسقدر شوق تھا۔ کہ ہر ہفتہ میں خود آکر ایک دفعہ اسکی تعمیر میں اپنے ہاتھ سے مدد دیتا۔ حرم مسجد میں بہت سے درخت چھ مینار کئی مدرسے لنگر خانے اور مقبرے ہیں۔ جب یہ مسجد تیار ہوئی تو اسوقت صرف بیت اللہ کی مسجد ایسی تھی کہ جسکے چھ مینار تھے۔ سلطان نے جب اپنی مسجد میں چھ مینار بنوائے تو شریف مکہ نے بڑی شکایت کی۔ سلطان نے اُسے خاموش کرنے کے لئے کعبہ شریف کا ایک ساتواں مینار تعمیر کرادیا۔ یہ مسجد ۲۳۵ فیٹ لمبی اور ۲۱۰ فیٹ چوڑی ہے

یہ مسجد انتہا سے زیادہ با قاعدہ بنائی گئی ہے ۔ ہر جگہ دوسری جگہ کا جواب
ہے۔ اسلئے ایک یورپین مبصر فرگوسن اسے اس مسجد کا عیب بتاتا ہے
وہ کہتا ہے۔ کہ اگر اس مسجد کو چار برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ تو چاروں
حصے بعینہ ایک دوسرے پر طابق النعل بالنعل ہوں گے۔ چاروں طرف
کی چیزیں یکساں ہیں۔ وہی ایک بات ہر طرف نظر آتی ہے۔ ہر دیوار کا
طرز عمارت یکساں ہے۔ اتنی ہی کھڑکیاں اور اسی قدر درمیانی فاصلہ۔ قبلہ
کی طرف جتنی آرائش و زیبائش ہے وہی اور اطراف میں بھی ہے۔ تاہم مسجد
فیشن مبیح کا ایک عالیشان ایوان جس کی سنگین سقف چار بڑے بڑے سنگین
لیکن اندر سے خالی ستونوں پر واقع ہو۔ دل پر ایک عجیب اثر پیدا کرتا ہے۔
شاید یورپین مبصر ایسا سمجھتے ہوں۔ مگر ہماری نظروں میں تو یہ مسجد غیر معمولی طور
پر خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔ منبر مسجد جو سنگ مرمر کا ہے۔ مکہ معظمہ کے منبر کی
نقل ہے۔ اس پر سے وہ تاریخی فتوے پڑھا گیا تھا۔ جس نے خوفناک فوج
ینی چری کی ہستی کا پاس کے اس میدان میں خاتمہ کرا دیا۔ مسجد احمدیہ کی سالانہ
آمدنی دو لاکھ قرش ہے۔ اور یہ مسجد بھی مثل جامع سلیمانیہ کے بطور قومی بنک
کے استعمال ہوتی ہے کہ جہاں لوگ لاکھوں روپیہ کی اشیا بطور امانت
رکھ جاتے ہیں۔ مسجد کے باغ میں سلطان احمد اول۔ عثمان ثانی اور مراد رابع
کے تربے ہیں۔ یہ مسجد ایک حد تک سرکاری مسجد کہلا سکتی ہے۔ کیونکہ سلطان
معہ خدم و حشم جب جاتے ہیں۔ مولود شریف عیدین اور کاروان حجاج کی روانگی
کے موقعوں پر یہاں تشریف لاتے ہیں۔ مسجد میں روشنی کے لئے جست کے
لوہے کے خوبصورت فریم چاروں طرف لٹکتے ہیں۔ جن میں گلاس آویزاں
ہیں۔ اور خوبصورت ہانڈیاں اور شتر مرغ کے انڈے لٹکتے ہیں۔ قطعات
بھی بہت خوشخط ہیں جن میں سے مجھے بتلایا گیا تھا۔ کہ ایک قطعہ سلطان محمود
کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ سلاطین عثمانیہ میں کئی سلطان خوش خط گذرے ہیں

جامع سلیمانیہ یہ سلطان سلیمان اعظم کی مسجد ہے جو مشہور ترک معمار سنان نے
بنایا ہے۔ سینٹ صوفیا کے نمونہ پر سن ۱۵۵۰ء سے لیکر چھ سال میں تیار
کی گئی تھی۔ اور مثل دیگر سلطانی مساجد کے اسکے ساتھ بھی حرم روضہ اور کھلا میدان
موجود ہیں۔ حرم مسجد کے چاروں طرف دالان ہیں جنکے اوپر چھوٹے چھوٹے
چوبیس گنبد سنگ یشب اور سنگ خارا کے ہیں۔ فرش بھی تمام سنگ مرمر کا
ہے۔ عین وسط میں وضو کے لئے ایک حوض ہے جس پر ایک گنبد ہے۔
حرم کے تینوں جانب دالانوں میں سنگ مرمر کی بنچیں بنائی گئی ہیں۔ چوتھی
جانب مسجد ہے۔ چاروں کونوں پر چار مینار ہیں۔ مسجد کی لمبائی چوڑائی بالترتیب
۲۰۰ بلحاظ ۲۲۵ فیٹ ہے۔ اور اندر سے سقف حصہ یعنی ۲۰۰ قدم لمبا اور اتنا
ہی چوڑا ناپا تھا۔ اندرونی عمارت چار خوشنما ستونوں پر قائم ہے۔ گنبد
کے بڑے محرابوں کے نیچے جالیدار کھڑکیاں سنگ خارا کے نہایت خوشنما
ستونوں پر بنائی گئی ہیں۔ جو از سرتا پا ایک پتھر کے ہیں۔ جو قاعدہ اور چوٹی سمیت
۴۰ فیٹ بلند ہیں۔ ستونوں کے اوپر ایک بالاخانہ ہے جو مسجد کے چاروں
طرف ہے۔ بالاخانہ کے شمالی حصہ میں ایک بند احاطے میں بے شمار

قومی امانتی بینک صندوق چاندی سونے اور بیش قیمت اشیاء سے بھرے ہوئے
امانتاً رکھے ہیں۔ گویا یہ مقام ایک بڑا قومی امانتی بینک ہے
جہاں ہر قیمتی چیز امانتاً رکھی جا سکتی ہے۔ سب اشیاء درج رجسٹر کر کے ایک رسید
دیجاتی ہے اور جبتک یہ رسید نہ دکھلائی جائے امانتی چیز مالک کو واپس
نہیں مل سکتی۔ گو اس مسجد کا گنبد بوجہ ایا صوفیہ سے چھوٹا ہونے کے
درجہ عظمت میں نہیں ہو سکتا تاہم بوجہ اپنی موزونیت اور حسن عمارات کے مجموعی
نظر میں اس سے بہت فائق ہے۔ اندرون مسجد کے دیواروں اور ستونوں
کو رنگ برنگ کے سنگ مرمر کے بیلوں سے آراستہ کیا گیا ہے سبحان

مقصورہ (محفل سلطانی) پر سنگ مرمر کا نہایت عمدہ کام ہے۔ اور کھڑکیوں کے
رنگین شیشوں پر اعلیٰ درجہ کی گلکاری موجود ہے۔ یہ کھڑکیاں مشہور
ترک آئینہ ساز سرخوش ابراہیم نے بنائی تھیں۔ گنبد کے اوپر اور مسجد کی دد
دیوار پر بہت سی آیات قرآنی نہایت خوشخط حروف میں کندہ ہیں۔ کہ جنہیں مشہور
ترک خوشنما قارا حصار نے لکھا تھا۔ مسجد کی مغرب میں دو مقبرے ہیں ایک
سلیمان اول اور اسکی بیوی خرم کا ہے۔ جو روس سے لڑائی میں پکڑی ہوئی
آئی تھی اور اسکے سلطان کے مزاج پر اسقدر قابو ہو گیا تھا کہ گویا خود مختار
سلطان تھی۔ دوسرے میں سلطان سلیمان اول سلیمان ثانی اور احمد
ثانی مدفون ہیں۔ ان مقبروں کی عمارت نہایت خوشنما ہے اور سنگ مرمر
اور سنگ یشب کے آٹھ ستونوں پر ایک گنبد گلکاری سے آراستہ بنا ہوا
ہے۔ سلاطین کی قبروں پر تاج دھرے رکھے ہیں۔ اور بانی مقبرہ کی قبر کے
گرد سنگ بینکر کا کٹہرا ہے۔ قبروں پر ایسے ہی حریر کے غلاف ہیں۔ جیسے
کہ غلاف مکہ کے ٹکڑے حاجی ہندوستان میں لایا کرتے ہیں۔ اور کئی کئی
قرآن ایک ایک قبر پر ہیں۔ دیوار پر چینی کے حروف میں نہایت خوشخط
آیت الکرسی کندہ ہے۔ مسجد سلیمانیہ کی سالانہ آمدنی تین لاکھ قرش ہے
جو مخصوصاً علمی اور خیراتی کاموں میں صرف کیجاتی ہے۔ حرم مسجد کے گرد
تمام خیراتی کاموں کے مکانات بنے ہوئے ہیں۔ سلطان سلیمان کے مقبرہ
پر ایک دو گز مربع کا حرم بیت اللہ کا پیتل کا بہت عمدہ ماڈل رکھا ہوا تھا

مسجد شہزادہ باشی سلیمان عالیشان نے اپنے بیٹے محمد کے نام پر اس مسجد
کو تعمیر کیا تھا۔ جو اسکی چہیتی ملکہ سلطانہ خاصکی کے بطن سے تھا اور عین
عالم شباب میں مر گیا تھا۔ یہ پہلی مسجد ہے جو مشہور ترکی معمار سنان
نے اپنے ہاتھ سے تعمیر کی تھی۔ اور بوجہ نفاست اور آبداری یہ عمارت شہر
بھر میں سب سے زیادہ خوشنما ہے۔ چار ستونوں پر ایک بھاری گنبد قائم

ہے - جسکے چاروں طرف چار نصف گنبد ہیں - دو ہلکے خوشنما مینار ہیں - مسجد
کے کتبے سب عکسی ہیں جو چینی کا کام اور رنگین شیشے ولایتی ہیں - پاس
ہی شہزادہ کا تربہ ایک ہشت پہلو گنبددار عمارت ہے شہزادہ کے
کپڑے ایک پہلو کے کمرہ میں رکھے ہیں - جو لیلۃ القدر کو مقبرہ پر اوڑھائے
جاتے ہیں - مقبرہ کے اندر اعلیٰ درجہ کا چینی کا کام ہے - قبر کے اوپر
شہزادہ کا جلی تخت آویزاں ہے - اور کئی خوشخط قرآن پڑے ہیں -
جنمیں ایک کا بہت جلی خط ہے کوئی بالشت لمبے صفحہ پر صرف پانچ
سطور ہیں -

جامع و تربہ والدہ سلطان عبدالعزیز

یہ مسجد نئی ہے اور بہت بڑی بھی نہیں مگر سب سنہری
سنگ مرمر اور دوسرے قیمتی پتھروں سے مصنعت اور بنا
والدہ سلطان عبدالعزیز نے بنائی تھی - صرف ایک گنبد ہے سقف کے
سب سے خوشخط خط نسخ و ثلث کے کتبوں سے مزین ہے - اس کی
آمدنی سے ایک محمودیہ نام مدرسہ چلتا ہے - مقابل میں بانیہ کی تربت
بہت اچھی حالت میں ہے - کیونکہ اسکے ساتھ وقف بہت کچھ ہے -
اس تربت میں سب سے بڑھ کر تبرکات ہیں - اور گو بیش سبھی تربوں میں
بیش قیمت تبرکات پائے جاتے ہیں - یہاں کی ایک دیوار میں ایک
سیاہ پتھر نصب ہے - جو حضرت خیر کائنات کے ترب مبارک کا بتایا جاتا
ہے - ایک موئے مبارک - حضرت فاطمہ کا نقاب - اویس قرنی کا تاج
حضرت عائشہ صدیقہ کا برقعہ - مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی چابیاں بطور تبرک
موجود ہیں جو کہ سب دیکھنے والوں کو دکھلاتے ہیں - اور یہاں کے قریب ہی

تربہ و مدرسہ تبرکات

اسی بازار میں سلطان سلیم ثالث بن سلطان مصطفیٰ
ثالث بن سلطان مصطفیٰ خان بن سلطان احمد ثالث کے مقبرے میں تبرکات
بہت سے ہی بڑے بڑے جامے رکھے ہیں - آنحضرت کا ایک موئے مبارک

یہی اس تربت میں محفوظ ہے معتبر ہوکہ شیلف پر نہایت خوشخط آل نقش وابقہ المرتبۃ۔ ثم الیہ ترجعون ثم فاعتبروا یا اولی الابصار وغیرہ کلمات کندہ ہیں۔ حجروں کے کونوں پر بھاری بھاری شمعدان چاندی کے پڑے ہیں۔ اور طاقوں پر قرآن مجید ہیں۔ قریب ہی جامع لالی ہے۔ جسے سلطان محمد

جامع لالی

ثالث نے ۱۰۱۵ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ ایک بلند سطح پر واقع ہے۔ جہاں سے بحیرہ مارمورا اور بیدی کلہ کا بہت عمدہ منظر نظر آتا ہے۔ اندرون مسجد میں پانچ مینار سپید مرمر کے ہیں۔ جنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ بقصر بابل کے کھنڈرات اور قصر ہیروڈ نیس (دوائع مارس) سے لائے گئے تھے۔ مسجد کے نام کی یہ وجہ مشہور ہے کہ ایک فقیر اپنے سر میں ہمیشہ گل لالہ رکھا کرتا تھا۔ اور اس لئے لالی یعنی لالہ والا مشہور تھا۔ اسنے سلطان سے درخواست کی کہ یہ مسجد میرے نام پر مشہور کیجائے۔ اس عالیشان عمارت میں رنگین شیشوں کے کئی دریچے ہیں۔ اور محراب کیطرف کلمہ طیب اللہ جل جلالہٗ۔ محمد رسول اللہ کے نہایت خوشخط کتبے کندہ ہیں۔

مساجد میں گھڑیاں

یہاں سب مساجد میں ایک یا ایک سے زیادہ گھڑیاں ہوتی ہیں۔ جنمیں سے بعض صحیح وقت دینے میں شہر بھر میں مشہور ہیں۔

مسجدوں کی صفائی

خدام مسجدوں کی صفائی کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ کیا مجال کہیں ایک تنکا یا گرد وہ پڑا ہے۔ جاروب کش یہاں بھی یہاں اسی طرح کھڑے ہو کر لمبا جھاڑو دیتے ہیں۔ جیسے یورپ میں دستور ہے۔ ہندوستان کی طرح جھک کر چھوٹا جھاڑو استعمال نہیں کرتے۔ جمعہ اور دوسرے مبارک ایام پر مساجد میں عمدہ قالینوں کا فرش کیا جاتا ہے جو دیگر اوقات میں لپیٹ کر رکھے رہتے ہیں۔ اور روشنی سے مساجد کو دلہنوں کی طرح سجایا جاتا ہے۔

سلطان محمود و عبدالعزیز کے تربے

تربوں کے سرکی طرف ان سلاطین کے

زمانوں کے مختلف فیشنوں کی ترکی ٹوپیاں رکھی ہیں۔ سلطان عزیز کی ٹوپی نسبتاً بڑی اور نیچی ہے۔ سلطان محمود جس طرح اپنی ٹوپی پر جواہرات کا ستارہ لگایا کرتے تھے۔ ویسا ہی لگا ہوا ہے۔ نہایت قیمتی تبرک پوشش پر کلمہ طیب اور آیات قرآنی کاڑھی ہوئی ہیں۔ پاس چند بڑی بڑی رحلوں پر اعلیٰ درجہ کے خوشخط قرآن پڑے ہیں۔ رحلوں پر صدف کا کام اور چاندی کے خوشنما پترے لگے ہیں۔ اور منبروں پر آیات قرآنی کندہ ہیں۔ ان میں سے ایک کلام اللہ یاقوت نامی (غلام خلیفہ مستعصم باللہ) مشہور خطاط کا لکھا ہوا ہے۔ کہ جس نے اپنی عمر میں ایک ہزار کلام اللہ لکھے تھے۔ اور ایک خلیفہ ہارون الرشید کے ایک غلام کا لکھا ہوا نہایت مطلا و مذہب ہے۔ اس مرقد میں ایک عظیم الشان جھاڑ آویزاں ہے جو ملکہ معظمہ انگلستان نے سلطان عبد العزیز کو بوقت سیاحت انگلستان تحفتہً دیا تھا۔ دو موئے مبارک دو صندوقچوں میں محفوظ ہیں۔ جنہیں سے ایک سلطان محمود اور ایک سلطان عزیز کے قبضہ میں تھا۔ ایک قدم مبارک بھی ہے۔

زیارات اور آثار متبرکہ کی کثرت

قسطنطنیہ میں جسقدر موئے مبارک اور دیگر زیارات سلاطین بیگمات وامرائے ترکی نے جمع کئے ہیں۔ ہر چند کہ انہوں نے ان کے حصول پر لاکھوں روپے خرچ کئے ہوں گے۔ اور ان کی اصلیت کی نسبت بہت تحقیقات کی ہوگی۔ تاہم بوجہ اپنی کثرت کے کسی شخص کو شک پیدا کرنے کے لئے کافی ہیں۔

یعقوب خان سفیر کاشغر نے ایک طغرا (قطعہ) سلطان عبد العزیز کے نذر کیا تھا۔ جو یہاں آویزاں ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ روس کے ترکستان پر قابض ہونے سے پہلے ترکی سے اس ملک کے کیسے تعلقات تھے ؎

عبد العزیز خان کہ بچوگان عدل و داد — گوئے شہنشہی ز شہان جہان ربود
شاید چنیں بس است کہ در ملک کاشغر — خطبہ بنام و سکہ بسیم و بزر بود

یرالتی جامع مسجد

یعنے زیر زمین مسجد۔ غلطہ میں کنارہ بحر پر یہ عجیب اور وسیع زیر زمین

مسجد دیکھی - جو محرابوں کے ایک سلسلہ پر زمین دوز بنی ہوئی ہے - اندر اوپر عالم
مکانات سکنی بنے ہوئے ہیں - صرف ایک کوٹھے میں ایک چراغ ٹمٹما رہا تھا -
جسکے اندر تاریکی چھائی ہوئی تھی - یہ چراغ شب و روز ہمیشہ جلتا رہتا تھا - معلوم ہوا
کہ اسکے اندر جو قبریں ہیں ان میں سے بعض صحابہ رسول اللہ کے ہیں - جو محاصرہ
قسطنطنیہ کے وقت اسی مقام پر شہید ہوئے تھے - اس مسجد کے اندر بھی بہت سے
لوٹے اور ایک صحیح وقت بتانے والا کلاک آویزاں ہیں -

سلطان ایوب انصاری

حضرت خالد ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ جو مدینہ منورہ کے
رہنے والے ایک جلیل القدر صحابی تھے - یہ آپ کا مزار
پر انوار ہے - جو خلیج قسطنطنیہ کے سرے پر واقع ہے - [illegible] ہجری میں امیر
معاویہ نے جو لشکر رومیوں پر جہاد کرنے کے لئے روانہ کیا تھا - آپ اسمیں شریک
تھے - اور دوران محاصرہ قسطنطنیہ میں بیمار رہکر آپکا انتقال ہوگیا - اور یہیں دفن
کئے گئے - جب سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ کو فتح کیا تو ایک ولی کامل کی
نشاندہی سے آپ کی قبر کا پتہ چلا - چنانچہ یہ عالیشان عمارت تعمیر کرادی جو حضرت
کا مقبرہ ہے - اسی مقبرہ کی وجہ سے قسطنطنیہ کے اس حصہ کا نام بھی سلطان
ایوب مشہور ہے - ہزارہا زائرین کا ہر وقت یہاں مجمع رہتا ہے - مقبرہ
کے اندر مطلا اور خوشخط قرآن مجید خوبصورت رحلوں پر ہر طرف رکھے ہوئے
ہیں - اور آیات قرآنی و ادعیہ ماثورہ کے جلی خوشخط قطعات دیواروں
پر آویزاں ہیں - مقبرہ کے بیرونی جانب بھی بہت سا چینی کا کام نہایت
عمدہ نصب ہے - اور کئی کتبے کندہ ہیں - سامنے دو بہت بڑے درخت ایک
بلند چبوترہ پر ہیں - کہ جنکا گھیر بیس بیس گز سے کم نہ ہوگا - مشہور ہے کہ اس
مقام پر آپ کو شہادت نصیب ہوئی تھی - صحن کے سامنے ایک عالیشان
گنبد والی مسجد ہے - مسجد اور مقبرہ کے ایک پہلو میں ایک بہت بڑا
صحن ہے - جسمیں وضو کرنے کا گول مسقف حوض ہے - اس جگہ

اور ان درختوں پر ہزاروں کبوتر بیٹھے ہیں جنکو خوش خلق غلہ لئے موجود رہتا ہے
اور زائرین انکے پیسے دیتے ہیں۔ علاوہ ان کا غلہ کبوتروں کو ڈال دیتا ہے
اسی مسجد میں جو مقبرہ کے پاس ہے سلطان محمد فاتح کے زمانہ سے
لیکر ابتک سلاطین عثمانیہ کی کمر میں سلطان عثمان خان کی تلوار باندھی
جاتی ہے۔ اور اس طرح ان کی رسم تاجپوشی ادا ہوتی ہے۔ علاوہ ان کے
ستر دیگر صحابہ رسول اللہ استنبول کے محاصرہ میں شہید ہوئے تھے
اور ان کی تربتیں بھی جا بجا موجود ہیں۔ اور شہر ہر طرف زیارت گاہوں
سے لبریز ہے۔

مزارستان یا قبرستان

یہاں کے قبرستان بھی اپنی وضع اور طرز کے لحاظ سے
نرالے ہیں قسطنطنیہ میں عیسائیوں سے قطع نظر
مسلمانوں کے بہت سے قبرستان ہیں۔ ترکوں کے قبرستان کی بڑی
علامت سرو کا درخت ہے۔ قبر کا سفید سنگ مرمر کا تعویذ اور بالین
کی طرف سنگ مرمر کا عمامہ یا ترکی ٹوپی تراش کر نصب کئے جاتے ہیں۔
جو علامت اس بات کی ہے کہ قبر کے اندر کوئی مرد دفن ہے۔ جو عمامہ
یا ٹوپی پہنا کرتا تھا۔ لیکن عورت کی قبر پہ پاؤں کی طرف ایک پتھر کسی قسم
کا زیور یا ایک درخت کی ٹہنی کھود کر نصب کر دیتے ہیں۔ اگر مرحومہ صاحب
اولاد تھی تو ٹہنی کے پھولوں اور پتوں کی تعداد سے اسکا پتہ مل جاتا ہے
قدیم زمانہ کی قبروں کے عماموں کے چھوٹے یا بڑے ہونے سے اس
بات کا پتہ لگتا ہے کہ متوفی کا سوشل درجہ کیا تھا۔ اگر عمامہ ایک طرف
کو جھکا ہوا ہو تو اس سے مطلب ہوتا ہے کہ مدفون سلطان کے حکم
سے قتل کیا گیا تھا۔ اور یہ طریقے قدیم سے چلے آتے ہیں۔ غریبوں کی
قبر پہ فقط ایک سرو کا درخت یا پاؤں کی طرف ایک ان گھڑا پتھر نصب
ہوتا ہے۔ اوسط طبقہ کے لوگ قبر پر ایک چوڑا تعویذ بنواتے ہیں

اور سر کی طرف تراشیدہ پتھر لگوانے ہیں۔ اور ان قبروں تمام پھٹے اور بعض اوقات انپر گیندنا اور بہت سے نقش و نگار ہوتے ہیں۔ کسی کتبوں کے اخیر میں یہ درخواست ہوتی ہے۔ کہ مدفون کی روح کو فاتحہ پڑھکر بخشتے جاؤ۔ ان مسلمان قبرستانوں میں بہت سے ہنود خاندانوں کے رہتے ہیں۔ جو چند روپیہ کا درخت کی حکومت میں شریک ہیں سرو صنوبر کی خوشبو سے خیال کیا جاتا ہے کہ وبائی مادوں کا اثر یہاں نہیں پہنچتا اس کے پتھروں پر علاوہ نام ولدیت عمر و تاریخ وفات کی کوئی آیت قرآنی بھی ہوتی ہے۔ عورت کی صورت میں اسکے شوہر کا نام بھی درج ہوتا ہے اور پتھروں کے حروف بجائے گڑے کھودنے کے ابھرے ہوئے ہوتے ہیں۔

بجوک مزارستان چونکہ مسلمانوں کی قبروں کے نیچے ہمیشہ جگہ تنگ رہتی ہے اور کبھی اپنا قبرستان کھودنا پسند نہیں کرتے اسلئے قسطنطنیہ کے گرد قبرستان میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ استنبول کا بجوک مزارستان یعنے بڑا قبرستان سلطان ایوب سے یدی کلہ تک چلا گیا ہے۔ لیکن سقوطری کا بڑا قبرستان ایکدرخت ہائے سرو کا تین مربع میل کا جنگل ہے۔ استانبول کے پشت سے نیک ترک اس بڑے قبرستان میں دفن ہونا پسند کرتے ہیں جنمیں ان کے خیال میں لاکھوں نہایت نیک بخت مسلمان مدفون ہیں۔ اور نیز یہ ایشیا براعظم پر واقع ہے۔ کہ جسپر مکہ اور مدینہ ہیں۔

مقامات قابل دید و قابل سیر

تاریخی کام بین قسطنطنیہ میں دو قسم کے مقامات قابل دید ہیں ایک تو وہ قدیم عالیشان عمارات اور بوسیدہ کھنڈرات ہیں کہ جو بلحاظ تاریخی وقعت کے سیاح کے لئے بیحد دلچسپی رکھتے ہیں۔ جیسے کہ عالیشان مساجد و محلات

آتش میدان یا سرائے ہمایون وغیرہ اور دوسری دو زیب گاہیں ہیں جو اپنی خوب صورتی کے باسفورس کے کناروں یا متصل جزیروں میں بیج خال و علم ہیں۔ اور یہاں کو تعطیل کے روز قسطنطنیہ کے ہزاروں لاکھوں زن و مرد تفریح اور تفنن کے لئے جاتے اور روح افزا مناظر اور جان بخش آب و ہوا کا لطف حاصل کرتے اور کھا پی کر دن گذار دیتے ہیں۔ یہاں خوشنما چشمے جاری ہیں۔ اور خوبصورت سبزہ زار اور لالہ زار سایہ دار درختوں کے ساتھ ملکر جنت کا عالم پیدا کر دیتا ہے۔ ان میں سے مشہور کاغذخانہ۔ چاملیجہ۔ سقطار۔ باغچہ سی آق چیبوقچی ولی آفندی چایرلری۔ کوک صو۔ کوچک صو۔ کستانہ صوئی۔ قندیلی صوئی اور حرجیر صوئی ہیں۔ اور علاوہ بغاز کے مارمورا میں بیوک آدہ لو کی جگہ سیر کی کیفیت اپنے موقعہ پر درج ہے) ھکبہ لی (جہاں بحری کالج ہے) اور قینہ لی وغیرہ جزائر ہیں۔

حوالی شہر یوں تو استنبول کے تمام منظر ہی نہایت دلکش ہیں لیکن بغاز کے دونوں جانب یورپ اور ایشیا کے ساحلوں پر نفس شہر سے لیکر سیلوں تک کنارے پر خوبصورت پالیٹوں دلربا کوشکوں اور خوشنما مسکنوں کی قطاریں چلی گئی ہیں جو باسفورس کے نیلگوں پانی کے مقابلہ میں نہایت دلآویز معلوم ہوتی ہیں۔ یہ مواضعات مضافات شہر میں شامل ہیں اور یہاں تک جانے آنے والوں کیلئے دونوں طرف سٹیمر صبح سے شام تک چلتے رہتے ہیں۔ روم ایلی یعنی یورپین ساحل پر یہ مشہور قریے ہیں۔ اورتہ کوئی۔ ارناؤد کوئی۔ بیبک۔ روم ایلی حصار۔ امیرگان۔ استینیہ۔ ینی کوئی۔ طرابیہ۔ بیوک درہ۔ صاری یر۔ اور روم ایلی قواغی اور اناطولی یعنی ایشیائی ساحل پر یہ ہیں۔ قوزغونجق۔ بگلربکی۔ چنگل کوئی۔ وانی کوئی۔ قندیلی۔ اناطولی حصاری۔ کانلیجہ۔ چبوقلی۔ انجیر کوئی۔ بیقوز اور اناطولی قواغی۔ مسافر کو ان میں سے چند ایک قریوں کا دیکھ لینا دلچسپی سے خالی نہیں ہوتا۔

سرائے ہمایوں اس سے پہلے کسی قدر تفصیل سے مساجد عظیم الشان کا ذکر ہو چکا ہے جو قسطنطنیہ کی ناک ہیں۔ اور انہیں ہر مسلم و غیر مسلم سیاح بڑے شوق اور استعجاب سے دیکھتا ہے۔ اسکے بعد سرائے ہمایوں قابل دید ہے۔ جو قدیم رومی اور یونانی سلاطین اور اسکے بعد ترک سلاطین کے محلات شاہی رہے ہیں مگر اب اسمیں قصر ہمایوں، خزینہ ہمایوں (کہ جسکے عجائبات الف لیلہ کی کہانیوں کے ہم پلہ ہیں) ضرب خانہ اور عجائب خانہ وغیرہ ہیں۔ اسکے بعض حصے کہ جنمیں عجائب خانہ وغیرہ ہیں سب لوگ دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن خزینہ سلطانی کے دیکھنے کے لئے خاص سلطانی ارادہ صادر ہوتا ہے۔ اسلئے سب لوگ اسے نہیں دیکھ سکتے یہاں بہت قدیم درخت اور وسیع باغات ہیں۔ اور ایک جگہ ایک پتھر پڑا ہے جو ہر رہنما یہ بتلایا کرتے ہیں کہ قیصر قسطنطین اسپر سے اپنے گھوڑے پر سوار ہوا کرتا تھا۔ یہ وسیع محلات قسطنطنیہ کی حیرت انگیز تاریخ کا خلاصہ ہیں۔ ان کے تاریک تہ خانوں میں بہت سے بدنصیب شہزادے شہزادیاں اور وزراء جانیں دے چکے ہیں اور کئی سلطان زبردست اور چیرہ دست ینی چری لیڈروں کے غصہ کا شکار ہو چکے ہیں۔ مگر بعد کے ترک سلاطین نے اپنے لئے مختلف مقامات پر عالیشان محلات تعمیر کرائے ہیں۔ جیسے دولمہ باغچہ۔ قصر چراغان۔ قصر یلدیز۔ اور بعض دیگر نزہت گاہوں میں بھی خوبصورت محلات ہیں انمیں قصر یلدیز سلطان حال نے بنایا ہے کہ جسکے وسیع باغات رمنے۔ جانور خانے۔ جھیلیں اور مکانات میلوں تک ایک دیوار کے اندر چھپے ہوئے ہیں۔

آثار عتیقہ قدیم رومی اور یونانی قیصروں کے زمانہ کی اب بہت کم نشانات شہر میں باقی رہ گئے ہیں۔ تاہم یورپ کے ہزارہا سیاح اور عالم کہ جنہوں نے رومی یونانی کتابوں میں اس زمانہ کے قسطنطنیہ کی بہت حالات پڑھے ہوئے ہیں گائیڈ اور گائیڈ بکوں کی مدد سے ان آثار قدیمہ کی بڑے شوق سے زیارت کرتے ہیں۔ اور ان کے تلاش میں شہر کے قدیم فصیلوں کو دیکھتے مارے مارے پھرتے ہیں

ان میں سب سے دلچسپ عمارت تو جامع ایا صوفیہ ہے - جو پہلے گرجا تھی - علاوہ بریں کوچک ایا صوفیہ - اور بعض دیگر مساجد جو گرجوں سے بنائی گئی ہیں - لیکن قسطنطنیہ میں زلزلے بہت آتے ہیں - اسلئے سینکڑوں سالوں میں یہ عمارات بار بار گریں اور اب ان میں سے اکثر میں سوائے چند ستونوں یا دیواروں کی کوئی قدامت باقی نہیں رہی - شہر کے اندر دو قدیم تحت الارض پانی جمع رکھنے کے مخزن یعنے یری باتان اور بن بر درک ہیں - ات میدان میں ایک برنجی لاٹ - چنبرلی طاش نامی لاٹ - اور قیز طاش کی علاوہ بعض قدیم فصیلیں ہیں - یہ فصیلیں قسطنطین اعظم بانی شہر نے تعمیر کی تہیں - مگر بعد و کئی مرتبہ گریں اور دوسرے قیصر دوبارہ تعمیر کیں - اب خراب حالت میں باقی ہیں - کہ جنمیں خشکی کی طرف سات اور سمندر کی طرف چودہ دروازے ہیں جو اکثر ابتک موجود ہیں - اور یدی قلہ وغیرہ بعض اور متفرق آثار بہی ہیں کہ جنکی کسیقدر کیفیت یہاں درج کرنا بے موقعہ ہوگا -

ات میدان یا ہپوڈ روم — ات ترکی میں گھوڑے کو کہتے ہیں - اور ہپوس بہی یونانی میں گھوڑے کو کہتے ہیں - اور ڈراماس دوڑنے کو - چونکہ اس میدان میں قدیم رومی و یونانی سلاطین گھوڑوں اور رتھوں کی دوڑیں کرایا کرتے تھے اسلئے اسکا یہ نام ہوا - اس میدان کی تاریخ بہت حیرت انگیز اور طویل ہے - قیصر قسطنطین سے بہی پہلے اس میدان اور اسکی متعلقہ عالیشان عمارات کی بنیاد رکھی گئی تھی کہ جنمیں سے اب ایک بہی موجود نہیں - اور ان کی بجائے مسجد سلطان احمد نے جنوب مشرق میں اور مدرسہ حرفت نے جنوب مغرب میں بہت سی جگہ دبالی ہے - اور جن دنوں میں قسطنطنیہ میں تہا - اس میدان کے مشرقی سرے پر قیصر ولیم شہنشاہ جرمنی کا چشمہ تعمیر ہو رہا تھا - ہپوڈروم صرف گھوڑ دوڑ کا میدان ہی نہ تھا بلکہ یہاں ہر قسم کی پبلک کی دلچسپی کے کام ہوتے تھے - یہاں نئے بادشاہوں کی تاجپوشی کی منادی ہوتی تھی - فتحمند جرنیل فتح کے جشن مناتے تھے - مجرموں کو پہانسی دیجاتی تہی - اور بداعتقادوں کو زندہ جلا دیا جاتا تھا - وحشی جانوروں کی نمایش

اور سیاں و دنگل کے تماشے ہوتے تھے - کہ جنہیں خود قیصر معہ اپنی درباریوں کے امراء کی بیگمات معہ اپنی سہیلیوں کے بالاخانوں میں بیٹھکر دیکھا کرتے تھے گویا ہپوڈروم کا مرکز ایک محور تھا - جسکے گرد یہ تمام دنیا گھومتی تھی - یہیں ۵۳۲ء میں مشہور لڑائی قیصر جسٹینین اعظم اور سرکس کی باغی جماعتوں میں ہوئی تھی - کہ جسکی وجہ سے جسٹینین کو تخت چھوڑنا پڑا اور تیس ہزار اہل شہر کی خون کی ندیاں بہ گئیں - گھوڑدوڑوں کی رقابت کی وجہ سے یہاں دو فریق بن گئے تھے جنہیں کئی مرتبہ تلوار چل جاتی تھی - غرض بارہا یہاں کے تماشائیوں نے کشت و خون کے معرکے دیکھے - لیکن آخری خونریز معرکہ وہ تھا - جبکہ سلطان محمود ثانی نے اسی اتمیدان میں ینی چری فوج کی سخت بغاوت کو ۱۸۲۶ء میں ایسی طرح زور سے کچلا کہ اس زبردست فوج کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا - غرض قسطنطنیہ کی قدیم تاریخ اس میدان کے حالات سے لبریز ہے - اس تاریخی میدان میں کئی نہایت بیش قیمت تاریخی یادگاریں تھیں - مگر اب اکثر ان میں سے تلف ہو گئیں

ستون اژدر و ثعبان

اب صرف دو قدیم ستون اس میدان میں استادہ ہیں - ان میں سے ایک کا نام سرپنٹ کالم یعنی ستون اژدر ہے - جو بیس فٹ بلند ہے یہ پیتل کا ستون بہت سا زمین میں گڑا ہوا ہے - جو تین سانپوں کے آپس میں لپٹنے سے بن گیا ہے - جو مشہور ہے کہ ڈلفی کے مندر سے لایا گیا تھا - جب سلطان محمد ثانی فتح قسطنطنیہ کے بعد ایا صوفیہ سے نکلکر یہاں آیا تو اُسے سمجھا کہ یہ بھی شاید کوئی طلسم ہے - اور اسنے اپنی بھاری جنگی تبر سے انکا سر اُڑا دیا - دوسری اونچی پتھر کی لاٹ ہے - جو تھیوڈوسیس اعظم کے نام سے مشہور ہے - یہ مصر کے سنگ خارا سے تراشی گئی ہے - جہاں تھوتمس ثالث نے ہیلیوپولس کے مندر پر اسے چڑھایا تھا - اور قیصر تھیوڈوسیس نے اسے وہاں سے لاکر اس میدان میں نصب کیا - اس پر ہیروغلیفی کے منقش نقوش کندہ ہیں جو اس کی تاریخ پر بہت روشنی ڈالتے ہیں - تیسرا جنرل حاشیہ یعنے حلقہ دار پتھر کا ستون قریب کا

طارق (مرتبخ) بازار میں استادہ ہے جسے قسطنطین اعظم روما سے اٹھا لایا تھا۔ یہ جوپیٹر اسپولابولو دیوتا کا جستی بت تھا۔ آتشزدگی سے یہ ستون جل گیا تھا۔ اسلئے اسے ستون محروق بھی کہتے ہیں سنہ ۱۷۰۱ء سے اسپر جستی حلقے چڑھے ہوئے ہیں۔

بن بردرک یعنے ایک ہزار و ایک ستون کا حوض۔ یہ بھی ات میدان کے قریب ہی ہے۔ قسطنطین کے عہد میں یہ زیر زمین حوض شہر کے لئے پانی کا مخزن تھا مگر اب بالکل خشک پڑا ہے اور اسمیں کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا ہے۔ پہلے اس میں ایک ریشم کا کارخانہ بھی جاری رہا ہے۔ شاید پہلے اسمیں ایک ہزار ایک ستون ہوں مگر اب تو ۲۱۲ ستونوں کے تین منزلوں یعنے ۲۲۴ سنگیں ستونوں سے مرکب ہے جو ۹ قطاروں میں استادہ ہیں۔ واقعی یہ وسیع حوض عجائبات میں شمار ہونے کے لائق ہے

یدی قلہ یا ہفت برج یہ ایک قدیم اور شکستہ قلعہ ہے جو سلطان محمد ثانی نے ایک قلعے کی بجائے سنہ ۱۴۵۸ء میں تعمیر کیا تھا۔ اور چونکہ اسمیں سات برج تھے مگر اب صرف چار باقی ہیں۔ اسلئے اس نام سے مشہور ہو گیا۔ یہ قسطنطنیہ کے جنوب مغربی کناروں کے اس مقام پر واقع ہے جہاں شہر کی فصیلیں بحر مارمورا سے جا ملتی ہیں۔ مسٹر لنڈن کے ٹاور اور پیرس کے بسٹائل کے جیل کی طرح پہلے یہ قلعہ شاہی جیلخانہ کے طور پر کام آتا تھا۔ جب سلاطین آل عثمان کا ستارہ اوج اقبال پر تھا۔ اور تمام دول یورپ ان سے کانپتی تھیں۔ اسوقت جب کبھی کوئی سلطان کسی دولت یورپ کی سلطنت سے ناراض ہوتا اور اسے لڑائی کا اعلان دیتا تو اس سلطنت کے سفیر کو اس قلعہ میں قید کر دیا جاتا تھا۔ آخری سفیر جو اس طرح قید ہوا وہ فرانسیسی سفیر تھا جو سنہ ۱۷۹۸ء میں قید کیا گیا تھا۔ ایک مینار پر چند عبارات کندہ ہیں جنمیں اہل وینس وغیرہ اشخاص کی قید کا ذکر ہے جو سنہ ۱۶۷۱ء اور سنہ ۱۷۸۶ء کی بابت قید ہوئے تھے۔ غرض ترکوں پر ایک وہ زمانہ گذر چکا ہے کہ جس سلطنت کے سفیر کو چاہتے تھے یدی قلہ میں قید کر دیتے یا مار ڈالتے تھے۔ اور ایک اب یہ

زمانہ گذرتا ہے۔ کہ کسی سلطنت کی رعایا میں سے کسی شخص کا مطالبہ اگر باب عالی ادا نہ کرے تو بعینہٖ اس سلطنت کا جنگی بیڑہ ترکوں کے دھمکانے کے لئے آن موجود ہوتا ہے۔ یدی قلہ میں ایک زمانہ میں خود ترک سلاطین بھی قید اور مقتول ہوئے۔ جبکہ ینی چری فوج کا عروج تھا تو انکے سرغنہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض ہو کر بعض بدنصیب سلاطین عثمانیہ کو تخت سے اتار کر اسی قید خانہ میں قید کرتے یا مار ڈالتے تھے۔ علاوہ سلاطین کے کئی صدرائے عظام اور ان سے کم درجہ کے ارکان دولت کے سر تن سے جدا کر کے اس قلعہ کے مورچوں سے لٹکائے گئے۔ ایک چھوٹا سا احاطہ یہاں "سروں کا مکان" کہلاتا ہے کہ جسمیں مجرموں کو قتل کر کے ان کے سروں کے انبار لگائے جاتے تھے۔ اور ایک "خون کا کنواں" تھا۔ کہ جسمیں مقتولین کے سر ڈالے جاتے تھے۔ مگر اب وہ پاٹ دیا گیا ہے۔ آجکل یدی قلہ بالکل ویران اور منہدم ہو رہا ہے۔ میں ان برجوں میں سے ایک پر ایک ترک فوجی افسر کے ہمراہ چڑھا تھا۔ ڈیڑھ سو سیڑھیوں سے زیادہ ہوں گی۔ چار پانچ منزل بلند مکان بڑے بڑے پتھروں کا معلوم ہوتا تھا۔ اور چونکہ سب منزلوں کی چھتیں اس برج کے گر چکی تھیں اسلئے اوپر سے ایک بہت گہرا کنواں سا نظر آتا تھا۔ چاروں طرف سارے بلند مینار شکستہ اور خراب پڑے ہیں۔ بیچ میں میدان میں کھیتی کی جاتی ہے اور ایک ویران مسجد بھی قلعہ کی حالت پر آنسو بہا رہی ہے۔

عجائب خانے قسطنطنیہ میں صرف دو عجائب خانے ہیں جنمیں سے ایک عجائب خانہ آثار قدیمہ ہے کہ جسے "موزہ ہمایونی" یعنے "امپیریل میوزیم" کہتے ہیں۔ اور دوسرا ینی چری فوج کے لباس کا عجائب خانہ ات میدان میں ہے۔ موزہ ہمایونی سرائے ہمایوں کے اندر کچھ حصہ ایک مشہور قدیم خوبصورت عمارت چینلی کوشک یعنی چینی کی بارہ دری میں ہے اور کچھ حصہ ایک نئے دو منزلہ عالیشان مکان میں جو عجائب گاہ کے لئے تعمیر کیا گیا ہے۔ رکھا گیا ہے

پانچ قرش فیس داخلہ ہے۔ اور پانچ قرش کو ایک ترکی زبان کی فہرست عجائب خانہ ملتی ہے۔ کہ جس میں آثار قدیمہ کی مفصل کیفیت درج ہے۔ کہ جو ممالک عثمانیہ کے مختلف مقامات سے کھود کر یہاں جمع کیے گئے ہیں۔

آثار عتیقہ پہلے پہل سنہ ۱۸۵۰ء میں باب عالی نے آثار عتیقہ کے عجائب خانہ کی طرف توجہ کی اور یہ اشیا سینٹ آئیرینی کے کلیسیا میں جمع کی گئیں۔ جو سنہ ۱۸۷۴ء میں موجودہ مقام کو منتقل کی گئیں۔ لیکن سلطان عبد الحمید خان ثانی کے عہد میں ادھر غیر معمولی توجہ کی گئی اور سلطنت کے مختلف مقامات میں جہاں قدیم خرابوں کے آثار تھے۔ وہاں کے حفریات سے بہت سی بیش قیمت چیزیں برآمد ہوئیں۔ یوروپین ماہران علوم عتیقہ گورنمنٹ ہائے انگلستان جرمنی اور فرانس کی امداد سے آئے دن قلمروئے عثمانی سے عجیب و غریب اشیائے عہد قدیم کھود کر لے جاتے تھے۔ کہ جس سے یوروپ کے عجائب خانے بے حد دولتمند ہو گئے تھے۔ ترکوں کو بھی خیال آیا۔ کہ ایسی بیش قیمت اشیا، کہ جو لاکھوں کروڑوں روپیہ کو بھی دستیاب نہیں ہو سکتیں ملک کے باہر نہیں نکلنے دینا چاہیئے۔ اتفاق حسن سے عجائب خانہ کا انتظام سابق وزیر اعظم ادہم پاشا کے بیٹے حمدی بے صاحب کے سپرد ہوا جو طبعًا آرٹسٹ اور اینٹی کویرین پیدا ہوئے تھے۔ ہز ایکسیلنسی حمدی بے نے نہ صرف ملک کے مختلف حصوں کے حفریات سے اپنے عجائب خانہ کو پُر کیا۔ بلکہ خود صیدا میں جا کر جو ساحل بحر روم سے چند سو گز کے فاصلہ پر ہے اپنی نگرانی میں آثار عتیقہ کھدوانے شروع کیے۔ اور سنہ ۱۸۸۷ء میں اسقدر کامیابی ہوئی۔ اور ایسے بیش قیمت قدیم

بے نظیر حجر ہائے صیدا زمانہ کی لاشوں کے سنگ مرمر کے تابوت نکلے کہ جس کے نام یوروپ کے علما نے آرکیالوجی وغیرہ میں شور مچا دیا تھا بقول پروفیسر میکس مولر یورپ میں اخبارات میں واہی تباہی بیانات چھپتے تھے۔ کہ کیوں ترک ان بیش قیمت خزانوں کو ہمارے سپرد نہیں کر دیتے۔ جو ان کے اہل ہیں

انکا کیا حق ہے ۔ کہ ایسی بیش قیمت چیزیں اپنے پاس رکھیں ۔ غرضیکہ یورپ سے آ کر کیا دیکھتے ہیں حیران ہیں کہ وہ بے نظیر قدیم چیزیں جو وہ پہلے با تعرض لاکر اپنے عجائب خانوں میں رکھا کرتے تھے ۔ اب قسطنطنیہ کے عجائب خانہ میں رکھی گئی ہیں ۔ مگر بہرحال وہ اسوقت قسطنطنیہ کے عجائب خانہ میں محفوظ ہیں ۔ کہ جس پر ایک ترک ناز کر سکتا ہے ۔ کیونکہ اہل الرائے متفق ہیں کہ یورپ کے کسی بادشاہ کے متعلقہ عجائب خانہ میں ایسا عمدہ مجموعہ سارکوفیگی (قدیم شاہی لاشوں کے تابوتوں) کا نہیں ہے ۔ جیسا کہ اب قسطنطنیہ کے اس عجائب خانہ میں موجود ہے ۔ خاص سکندر اعظم کا سفید سنگ مرمر کا عالیشان تابوت مع سپر لوش یہاں رکھا ہے ۔ جسے (فہرست عجائب گاہ میں) نمبر ۶۸ (۳۷۰) پر "مزار سکندر کے نام سے مشہور ہونیوالی لحد کبیر" لکھا ہے ۔ اور اسکے اردگرد چاروں طرف جو بت کھودے گئے ہیں ۔ انکی تاویل و تعبیر اس فہرست کے سات صفحوں میں درج ہے ۔ چنانچہ ایک پہلو میں ایرانیوں اور یونانیوں کے اس عظیم محاربہ کا نقشہ کھودا گیا ہے ۔ جو ایسوس یا آربل کے محاربے سے مشہور ہے معنی بے صاحب نے جس قابلیت سے ان تابوتوں اور تعویذوں کی بتوں اور گُلوں کی تعبیر کی ہے اسپر یورپین مبصر عش عش کرتے ہیں اور جسکی تصدیق پروفیسر کیس مولر نے بھی کی ہے ۔ تابوت سکندری کے قریب چار اور سنگ مرمر کے تابوت ہیں جو گو اتنے بڑے نہیں لیکن بہت ہی اعلےٰ قسم کے ہیں ۔ ایک مصر کے بادشاہ کا سیاہ سنگ خارا کا تابوت مع اسکی لاش کے پاس ہی ہے اور اور کتنے آثار قدیم ہیں کہ جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ۔ لیکن مبصروں کی نظر میں قدیم زمانہ کی گزشتہ تاریخ کی یہ سب بیش قیمت ابواب ہیں ۔ پاس ہی ایک الماری میں ایک کھوپری مع کچھ سیاہ بالوں کے رکھی ہے جو مجھے بتلایا گیا کہ سکندر اعظم کی ہے ۔ میں دیر تک اس کھوپری اور اسکے ساتھ کے بالوں کو بنظر عبرت دیکھتا رہا ۔ اور بے ساختہ میرے منہ سے نکلا ؎

اے سکندر نہ رہی تیری بھی عالمگیری　　کتنے دن آپ جیا جس نے دارا مارا

اور کہ ۔ سہ

شیشہ گری کی قدر ہے اسکی نہیں　　ڈرے ہے جب کاسہ سر فغفور کا

آثار عثمانی بالائی منزل میں بعض آثار سلاطین عثمانی موجود ہیں جنہیں سلطان سلیم اور سلطان محمود فاتح کے تخت ہیں۔ بعض سلاطین کے قرآنوں کی جلدیں آجتا اعلےٰ درجہ کی صندکاری کی جمع کیگئی ہیں۔ کوتاہیہ کی ساختہ چینی کے بہترینہ کے نمونے ہیں جو یورپین ساختہ چینی سے ذرا بھی کم نہیں۔ ان میں ایک چار گز بلند انگیٹھی چینی کے بنی ہوئی ہے۔ اسکے گرد تمام آیۃ الکرسی لکھی ہوئی ہے۔ ایک جانماز پر لکھا ہوا تھا عجلوا بالصلوٰۃ قبل الفوت وبالتوبہ قبل الموت۔ ایک صندوقچہ پر سلطان سلیم کے دستخطی عربی اشعار ہتے۔ قلعہ دیار بکر کی ایک ڈیڑھ بالشت لمبی قدیم زمانہ کی چابی۔ ترک خطاطوں کے خوشخط عربی فارسی قطعات وغیرہ اشیا گلاس کیسوں میں سجائی ہوئی تھیں مگر اکثر حصہ میں ابھی بہت اشیا، جمع نہیں ہوئیں۔

ینی چری فوج کا عجائب خانہ یہاں صرف پلاسٹر آف پیرس کے بت ینی چری فوج کے تمام عہدہ داروں اور افسروں کے معہ ان کی اصلی ہیئت کے پوشاک کے رکھے ہوئے ہیں جیسے کہ وہ لوگ اس زمانہ میں پہنا کرتے تھے۔ مثلاً اس فوج کے قاضیوں۔ جلادوں۔ افسروں۔ سپاہیوں۔ اردلیوں وغیرہ کے عجیب عجیب وضع کے لباس خصوصاً نرالے عمامے تھے۔ غالباً ایک سو کے قریب بت ہوں گے۔ مگر ایک کے سر کی پوشاک دوسرے سے نہیں ملتی تھی۔ اسقدر مختلف اور عجیب غریب ہیئتوں کی ٹوپیاں اور پگڑیاں جمع کرنے سے واقعی ایک عجائب خانہ بن جاتا ہے۔ اور ینی چری فوج کا رعب خود بخود دلوں پر بیٹھ جاتا ہے۔ یہاں کے دربانوں اور چھاتے رکھنے والوں کو بخلاف یورپ کے کچھ دینا نہیں پڑتا۔ لیکن سرکاری

دفتروں اور نظارت خانوں میں چھاپے رکھنے والے ملازموں کو دس پارہ کا سکہ دینا پڑتا ہے۔

ینی چری فوج دولت عثمانی کی تاریخ کے صفحے ینی چری فوج کے بہادرانہ اور پہلو بہ پہلو جابرانہ اور سفاکانہ کارناموں سے بھرے ہوئے ہیں۔ یہاں ان حالات کی اندراج کی گنجائش نہیں۔ مگر اس عجیب فوج کے متعلق ایک دو تاریخی امور کا معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ پہلے پہل سلسلہ آل عثمان کے دوسرے سلطان اورخان نے ۷۲۶ھ کو تخت نشین ہو کر قاضی جندرہ لو قرہ خلیل اور دیگر اعیان دولت کے مشورہ سے اس سپاہ کی بنیاد ڈالی۔ ترکی افواج مہمات یوروپ میں جن عیسائی بچوں کو گرفتار کرتی تھی۔ انہیں اسلامی اصول پر تربیت دیکر بالغ ہونے پر اس فوج میں بھرتی کیا جاتا تھا۔ اور انہیں شادی کرنے کی اجازت نہ تھی۔ چنانچہ ۱۸۲۶ء تک یہ سلسلہ قایم رہا۔ اور ینی چری لوگوں کے بڑے بڑے نامور افراد وزارت اور سپہ سالاری کے درجوں تک پہنچے۔ مگر جب اس فوج کو بیحد طاقت حاصل ہوگئی تو اسنے بڑی بڑی بدعتیں کرنی شروع کیں۔ جس وزیر یا مدبر کو چاہتے قتل کرا دیتے۔ اور جس سلطان کو چاہتے تخت سے اتار دیتے۔ جب یہ ظالم ناراض ہوتے تو اپنی بارکوں میں اپنی ہانڈیاں الٹ کر دیتے تھے۔ کہ جنہیں دیکھکر تمام شہر استانبول کے دل بلکہ تمام سلطنت عثمانیہ کی بنیادیں لرز جاتی تھیں۔ آخر کار سلطان محمود مصلح نے ان کی تشدد اور ظلم سے تنگ ہو کر سلطان احمد کی مسجد میں جیتکر پہلی مرتبہ علم نبوی بلند کیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ ینی چری دشمنان دین ہیں۔ ان پر ہر مسلمان کو جہاد کرنا واجب ہے۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں توپ بندوق اور تلوار سے سات ہزار ینی چری اُس میدان میں مارے گئے اور ہمیشہ کے لئے انکا خاتمہ ہوگیا۔ اب سوائے تاریخ کے اوراق اور قسطنطنیہ کے ینی چری عجائب گھر اور قبرستانوں کے اور کہیں انکا نشان باقی نہیں۔

بازاروں کا نقشہ بعض مسجدوں اور دوسرے کھلے مقامات پر ہفتہ وار بازار

پازار" لگتے ہیں۔ اور جیسے ہندوستان میں جمعہ کے بازار لگتے ہیں وہاں "جمعہ بازار" (منگل کے بازار لگتے ہیں) ترکی زبان میں سودا کرنے کو پازار لک کہتے ہیں۔ بعض بازاروں میں سرراہ سڑکوں پر قصاب بانس کے تین پائے کھڑے کر کے سالم بکرے ٹانگ دیتے ہیں۔ اور خریداروں کو ساتھ ساتھ گوشت کاٹ کر دیتے جاتے ہیں۔ بازاروں میں سے نان بائی گدھوں پر روٹیوں کے ڈھیر لادے ہوئے لئے جاتے ہیں۔ سقے پانی پلانے کے لئے پانی کے برتن (بڑے ڈول کی شکل کے) پیٹھ پر باندھے ہاتھ میں کٹورے چھنکاتے جاتے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر ہندوستان کے سقے یاد آجاتے ہیں۔ بعض خونچے والے پیٹھ پر سودا لادے رہتے ہیں۔ اور ہاتھ میں ترازو رکھتے ہیں جس سے سودا تول کر دیتے جاتے ہیں۔

خاص خاص مال کے بازار۔ استانبول میں بھی دیگر ممالک مشرق کی طرح سوائے عام بازاروں کے بہت سے بازار ایسے ہیں کہ جنہیں ایک ہی قسم کے مال کی دوکانیں ہوتی ہیں۔ جیسے پھول پھل اور ترکاریوں کا بازار گولڈن ہارن کے کنارہ پر۔ زین فروشوں کا بازار مسجد سلطان محمد ثانی کے پاس مصر چارشوسی والدہ جامع کے پاس جو مسقف بازار ہے۔ اور جسمیں خصوصیت سے جڑی بوٹی کی دوائیں اور سامان خانہ داری اور مستورات کی آرایش کی چیزیں مثل نحل حنا وغیرہ کے بکتی ہیں۔ صحاف کتب فروشوں کا بازار رات بازار چمڑے کے کام والوں اور اسپ فروشوں کا بازار۔ اور بیوک چارشو یعنے بڑا بازار وغیرہ۔ چارشو ترکی زبان میں بازار کو کہتے ہیں۔ جو غالباً فارسی چارسو" (چاروں طرف) سے لیا گیا ہے۔

بیوک چارشو یہ بازار قسطنطنیہ کے سوائے اگر دنیا کے کسی اور شہر میں بھی ہوتا تو وہاں کے عجائبات میں شمار ہوتا۔ یہ اتنا وسیع بازار ہے کہ اسمیں چودہ ہزار کمرے دوکانوں کے ہیں۔ ناظرین سمجھ لیں۔ کہ کئی ایک بازار ایک مختصر

طول کے پہلو بہ پہلو اگھٹے رکھکر اوپر سے دباؤ کی چھت ڈال دی گئی ہے اور طولاً عرضاً سب طرف سے باقی اطراف کو راستے جاتے ہیں اسلئے دو بڑے اور بازار جو اسکے اندر ہیں نا واقف کو اسقدر پیچ در پیچ معلوم ہوتے ہیں کہ میں کوئی دس مرتبہ اسکے اندر گیا تھا۔ لیکن مجھے اسکے راستوں کی کوئی سمجھ نہ آئی۔ چھت کے چھوٹے گنبدوں سے جو بہی روشنی آتی ہے۔ اسی سے یہ بازار روشن رہتا ہے۔ عین وسط میں جو احاطہ ہے اُسے ترک بُدستان یا بزستان کہتے ہیں کہ جسکی اصل بزازستان ہے۔ اور یہاں ہتھیار ظروف چینی اور عجیب وغریب اشیاء فروخت ہوتی ہیں۔ اور نیلام بھی ہوتے ہیں اس بڑے بازار میں بھی مختلف مال بیچنے والوں مثل جوہریوں اشیائے عتیقہ بیچنے والوں بزازوں وغیرہ کی دوکانیں یکجا ہیں۔ سو کے قریب عتیقہ اشیائی اور بندوقیں تلواریں بیچنے والوں کی دوکانیں ہوں گی۔ چاندی سونے اور جواہرات کے زیورات یہاں ہر وقت تیار بکتے ہیں۔ کشیدہ کے رومال بیچنے والوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ سوائے طغرائے سلطانی کے اور کوئی اشعار یا آیات واقوال رومالوں پر کاڑھنے کی اجازت نہیں۔ بہرحال بیوک چارشو ترکوں کے سب سے بڑی منڈی ہے۔ جسمیں ہر ایک چیز بکتی ہے یورپین فیشن داخل ہونے سے پہلے تمام امرا غربا یہیں سے سب چیزیں خریدتے تھے۔ لیکن اب امرا وروسا زیادہ تر پیرا کے بڑے بازار دیگراں روپیوں سے یورپین سامان خرید لیتے ہیں۔ کہ جہاں کی بعض بڑی دوکانیں یورپ کی اچھی اچھی دوکانوں کے پایہ کی ہیں۔ اور یہاں گویا بالکل یورپ کا نقشہ ہے

بیوک چارشو کی پہلی رونق

جنگ روم وروس سے قبل جبکہ ان بازاروں کی حالت فروغ پر تھی۔ مسٹر البرٹ سمتھ نے اپنی کتاب اے منتھ ایٹ کانسٹنٹی نوپل" میں اسے اسطرح بیان کیا ہے" یہ کہنے سے کہ سقف پوش بازاروں کی قطاریں میلوں تک چلی گئی ہیں۔ حیرت زدہ سیاح کو کچھ

بدودیگرے جیسیوں منظر نظر آتے ہیں۔ ایک گھنٹہ تک متواتر سیر کرنے میں کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ اسی قسم کی زمین اور اشیا۔ پھر نظر آئیں۔ اور متواتر اس عرصہ میں چاروں طرف جواہرات سونا ہاتھی دانت۔ کشمیری شال چینی ریشم کا سامان۔ مثلاً ہتھیار۔ قیمتی عطریات۔ مثلاً صندلیاں۔ آئینے۔ مراغہ کا چمڑا۔ عنبر کی منہال وغیرہ اشیا دیکھنے میں آتی ہیں۔ چھوٹی سی چھوٹی گلی میں بھی نگاہ جا پڑتی ہو۔ تو ہر قسم کو نئے کے رنگ آنکھوں میں پھر جاتے ہیں۔ ایسے عجیب وغریب حرکات اور بول چال سے عجیب کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ بہت کم اور کسیقدر اندازہ اس عظیم الشان منڈی کا ہو سکتا ہے جو ان اشخاص کی ضروریات کو پورا کرتی ہے۔ کہ جنکا تذکرہ جا بجا الف لیلہ میں موجود ہے۔

تعلیم قدیم وجدید اعلٰے مکاتب اور تعلیم نسوان

تعلیم قدیم اسوقت مملکت عثمانی میں دو قسم کی تعلیم کا رواج ہے۔ تعلیم قدیم و تعلیم جدید۔ تعلیم قدیم کی بنیاد تو اساس سلطنت کے ساتھ چھ سو سال اول سے پڑ چکی تھی۔ جبکہ اس سلسلہ کے دوسرے سلطان ارخان نے ازنیق میں پہلا مدرسہ قایم کیا تھا۔ اسکے بعد دیگر سلاطین نے سلطنت کی ترقی کے ساتھ ہی سینکڑوں مدرسے اور دارالعلوم قائم کئے۔ لیکن جب یورپ کے علوم جدیدہ اور سائنس کی روشنی سے یکایک ترکوں کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں تو آج سے کم وبیش ایک سو سال پہلے ترکوں کو یورپین علوم کی اشاعت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ پہلے پہل سلطان سلیم خان ثالث کے عہد ۱۷۸۹ء تا ۱۸۰۸ء میں چند مکاتب عسکری قایم ہوئے۔ اور ملک میں ترقی صنایع کا لحاظ کرکے جدید علوم کی اشاعت کی ضرورت پر ۱۲۵۳ھ میں مجلس امور نافعہ کے سامنے ایک رپورٹ پیش کیگئی۔ اس رپورٹ میں ایک یہ فقرہ درج ہے۔ :

لہ حالنامہ معارف ۱۳۱۶ء مطبوعہ قسطنطنیہ صفحہ ۱۶۔

جیسے کہ علوم دینی وسیلۂ نجات آخرت ہیں ویسے ہی تمام فنون بھی معاشرت نوع بنی آدم کے کمال کا ذریعہ ہیں۔ ازانجملہ علم ہیئت پر تسہیل سیر سفائن کا مدار ہے کہ جس پر امور تجارت کا رواج اور ترقی منحصر ہے۔ اسی طرح علوم ریاضی امور حربیہ اور انتظام عسکر کے لئے لازمی ہیں۔ دیگر عقل کے عقل کو حیرت میں ڈالنے والی مفید ایجادیں مثل وابور (سٹیمر) کے میدان میں نکل آئی ہیں۔ علوم جدیدہ کی توسیع اور اشاعت اور نئے سرے سے فنون کثیرہ کے ظہور سے صنعت و حرفت کے پیشوں میں بہت سہولیت پیدا ہو گئی ہے۔ چنانچہ ایک سو آدمیوں کے ذریعہ سے جو کام ہو سکتا تھا اب علم کے زور سے ایسے آلات تیار ہو گئے ہیں کہ ان کی مدد سے ایک آدمی اس کام کو کر سکتا ہے۔ برعکس اسکے جاہل اور نادان لوگ پہلے سے بھی تنگدستی اور عسرت میں مبتلا ہو جائینگے۔"

اس اقتباس سے صاف روشن ہے۔ کہ جب ترکی مدبروں نے سٹیمر کو دیکھا۔ جو پہلے پہل سنہ ۱۸۰۰ء میں امریکہ اور انگلستان میں جاری ہو گیا تھا۔ اور یوروپ کی دوسری ایجادوں کی طرف توجہ کی تو انہیں علوم جدیدہ کی ضرورت کا قائل ہونا پڑا۔ لیکن جب سلطان محمود مصلح نے قدیم سلطانی عمامہ اور قبا کو سرخ ٹوپی اور سیاہ کوٹ پتلون سے بدلکر یورپین وضع اختیار کی اور فوج کو یورپین طرز پر مرتب کیا۔ تو ترکی میں علوم جدیدہ کی بنیاد کو اور ترقی ہوئی۔ اور پھر سلطان عبدالمجید اور بالآخر ان کے بیٹے یعنے موجودہ سلطان عبدالحمید ثانی کے زمانہ میں اس آخری تعلیم کو اور بھی رونق حاصل ہوئی۔

مکتب اور مدرسے اسلئے ترکی میں قدیم اور جدید دونوں قسموں کی تعلیم کے مدرسے پہلو بہ پہلو اس وقت بھی موجود ہیں۔ تمرات کے ناصل میں اتنی تمیز ملحوظ رکھی گئی ہے۔ کہ جن مدرسوں میں قدیم طریقہ کے مطابق اعلےٰ درجہ کی دینی تعلیم کے ساتھ نوشت و خواند اور قدیم علوم پڑھا

جاتے ہیں انہیں مدرسہ کہتے ہیں۔ اور یہ اکثر مساجد کے متعلق ہیں۔ چنانچہ قسطنطنیہ کے بعض مساجد کے متعلق ایسے کئی کئی مدرسے جاری ہیں۔ اور جن میں علوم جدیدہ مثل ریاضی و سائنس وغیرہ کے سکھلائے جاتے ہیں۔ انہیں مکتب کہتے ہیں۔ مکتبوں سے تعلیم پا کر لوگ سرکاری ملکی اور جنگی ملازمتیں حاصل کرتے ہیں۔ اور مدرسوں سے تعلیم پا کر قاضی اور مفتی اور امام بنتے ہیں

تعلیم قدیم کی حالت جس طرح تعلیم جدید روز افزوں ترقی کر رہی ہے۔ تعلیم قدیم متنزل معلوم ہوتی ہے۔ پانچ چھ سو سال پہلے کے لئے جو طریقہ تعلیم مدرسوں کے مقامات طالب علموں کے رہنے کے حجرے اور ان کی خوراک کا انتظام مناسب اور موزون تھا وہ اب بالکل بے ڈھنگا اور بے اثر معلوم ہوتا ہے۔ اسلئے ان کم و بیش بیس ہزار طالب علموں کی حالت جو استانبول میں سفید پگڑی والے مشہور ہیں۔ وہاں کے علما، اور خصوصاً شیخ الاسلام کی توجہ کی سخت محتاج ہے۔ یہ بیس ہزار طالبعلم علاوہ ٹرکی کے عرب مصر شام ترکستان روس اور خراسان تک سے علوم دین کے شوق میں کھنچے چلے آتے ہیں۔ علما کی طرح ان دینی علوم کے طلبا کا لباس بھی لازمی طور پر سرخ ٹوپی پر سفید لفہ اور ایک لمبے سیاہ جبہ پر مشتمل ہونا لازمی ہے۔ اور اس لباس کی بہت عزت کی جاتی ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی اس لباس والا شخص کسی رنڈی کے مکان یا شراب خانہ میں دیکھا جائے۔ تو پولیس کو اسے فوراً گرفتار کر لینے کا حق حاصل ہے۔ خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔ میں نے قسطنطنیہ کی مساجد کو دیکھتے ہوئے تعلیم قدیم کا طریقہ بہت اچھی طرح دیکھا۔ اور فاضل الشہیر السید الشیخ عبداللطیف آفندی اسباطوی مدرس جامع سلطان فاتح سے پوری کیفیت معلوم کی۔ یہ صاحب اصلاً موصل علاقہ عراق کے ہیں کہ جہاں مٹی کا تیل بہت نکلتا ہے۔ اور جہاں کچھ مدت سے روس نے قبضہ کر لیا ہے اور مٹی جو پہلے تھا اسے چھوڑ کے ہجرت کر آئے ہیں۔ ان کا بیان ہے۔ کہ سفید پگڑی والے طلبا ر پندرہ بیس ہزار رہیں گے۔ اور پانچ سو مدرس انہیں تعلیم دیتے

ہوں گے۔ کہ جنمیں سے قریب آٹھ ہزار طلبا اور آدھے مدرس صرف جامع سلطان محمد الفاتح میں پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔ کہ جو یہاں کا سب سے قدیم مدرسہ ہے۔ اسکے بعد بترتیب کم جامع سلطان بایزید۔ جامع سلیمانیہ۔ جامع سلطان احمد۔ جامع ایاصوفیہ و جامع کبشکطاش اور مسجد حضرت ابوایوب انصاری خالد ابن زید میں تعلیم پاتے ہیں۔ اور کل ۱۴۶-۱ ایسے مدرسے اس وقت شہر میں موجود ہیں۔

صورت معاش ان تمام طالب علموں کو روزانہ دو بڑی روٹیاں اور مدرسین کو تنخواہ مد اوقاف سے ملتی ہے۔ اور ماہ رمضان میں ہر طالب علم کو پانچ مجیدی سلطان للعظم جیب خاص سے عطا کرتے ہیں۔ علاوہ اسکے ماہ رمضان میں جو ان کی تعطیل کا زمانہ ہوتا ہے۔ یہ طلبا قسطنطنیہ سے باہر جاکر دیہات و قصبات سے زکوۃ و خیرات وصول کر لاتے ہیں۔ اور اسطرح سال بھر کا خرچ فراہم کر لیتے ہیں۔

سر رشتہ وقف ترکی میں وقف ایک بہت بڑا صیغہ سلطنت کا ہے۔ یعنے سلاطین سابقہ اور امرائے ترکی نے اسقدر جائدادیں مسجدوں تربوں اور مدرسوں کے نام وقف کی ہیں۔ کہ ان کا انتظام بجائے خود ایک اہم کام ہوگیا ہے۔ ان وقفوں سے ہر روز ہزارہا مساکین کو کھانا دیا جاتا ہے۔ مینے جامع لالیلی کے احاطہ میں ایک مکان دیکھا جو مطبخ کا کام دیتا ہے اور اس میں اسقدر کھانا پکتا ہے۔ جو ہر روز پانچ چھ سو مفلسوں اور محتاجوں کو تقسیم کیا جاتا ہے۔ کہ جنمیں اکثر طالب علم بھی ہوتے ہیں۔ انہیں مطبخوں سے بعض درگاہوں اور تکیوں کے مجاوروں کو روز کی روٹیاں تقسیم کیجاتی ہیں۔ المختصر یہ کہ استنبول کی مسجدیں اور سلاطین کی مقبروں سے اسقدر اوقاف متعلق ہیں کہ میرے ایک رفیق نے جامع لالیلی کے مطبخ کے پاس مجھے بتلایا تھا کہ ان کی آمدنی سے سالتمام میں ۲ لاکھ عسکریوں کا خرچ چل سکتا ہے۔ بلکہ گذشتہ جنگ روس کے بعد کسی نے سلطان عبد الحمید خان کو صلاح دی تھی۔ بلکہ فتوی بھی مل گیا تھا کہ بصورت

ضرورت مجاہدین کے لئے مال وقف حلال ہے۔ مگر سلطان نے فرمایا کہ اپنے آباؤ اجداد کی خیرات جاری کو بند کر دینے کی نسبت سلطنت کو قربان کر دینا بہتر ہوگا۔

طرز تعلیم قدیم

اکثر عظیم الشان مساجد کے وسیع سقفوں اور گنبدوں کے نیچے ستونوں کے ساتھ اور جابجا منتشر سو پچاس یا بیس پچیس استاد جسقدر کہ کسی مسجد کے وقف میں گنجائش ہو طالب علموں کو تفسیر و حدیث فقہ اصول معانی وغیرہ کا سبق دیتے دیکھے جاتے ہیں۔ شاگردوں میں بڑی ریش و بروت والے بلکہ اُدھیڑ ہوتے ہیں۔ استاد اس بلند آواز سے ترکی زبان میں لکچر دیتے ہوتے ہیں کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی ساتھ ایک بڑے تکیہ کی قسم کے بلند گدیلہ پر پالتی مار کر بیٹھے ہوتے ہیں۔ اور ان کے سامنے ایک چھوٹی سی میز ہوتی ہے۔ جامع بایزید میں ان میزوں پر ہاتھی دانت کا بھاری کام ہوا ہوا تھا۔ اور ہلال و ستاروں کے درمیان کچھ حروف عربی کندہ تھے۔ طلبا استادوں کی چاروں طرف گھیرا ڈالے زمین پر بیٹھے تھے اور ان میں بعض اونگھ بھی رہے تھے۔

سفید پگڑی اور فوجی خدمت سے بریت

یہ بھی معلوم ہوا کہ فوجی خدمت[1] سے محفوظ رہنے کے لئے جو قلمرو عثمانیہ میں لازمی ہے۔ بعض لوگ سفید پگڑی اور دینی تعلیم اختیار کر لیتے ہیں۔ شہر قسطنطنیہ تمامہ فوجی خدمت سے محفوظ ہے۔ لیکن باقی تمام مملکت کے سترہ سال سے اوپر کی عمر کے جوان فوج میں بھرتی

[1] کتاب قوانین عثمانی مطبعہ کارخانہ مہینہ اقبال میں دولت علیہ عثمانیہ کے جمیع قوانین سیاسی و انتظامی درج ہیں۔ اور سلطنت ترک کے تمام سرکاری محکمہ جات فوجی و مالی کی کل قوانین اور ضابطوں کے متعلق ہر ایک بات اس سے معلوم ہو سکتی ہے۔ مثلاً کون کون لوگ کن کن اسباب سے فوجی خدمت سے مستثنے ہو سکتے ہیں۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۰۷، ۱۰۸ ا میں درج ہے۔

کر لئے جاتے ہیں۔ بشرطیکہ تنہا وہی اپنی ماں یا بیوی یا بہن کے کفیل نہ ہوں۔
مذہبی طلبا اور علما بھی فوجی خدمت سے بری ہیں۔

ابتدائی تعلیم عام ٹرکی میں ابتدائی تعلیم مکاتب میں ۷ سے ۱۱ سال کے لڑکوں اور ۷ سے ۱۱ سال کی لڑکیوں کے لئے قریب قریب لازمی ہے۔ تمام قلمرو عثمانی میں ہر قسم کے سکول (۳۰۴۲۳) ہیں کہ جنہیں (۱۳۳۱۲۰۰) شاگرد تعلیم پاتے ہیں۔ جو کہ کل آبادی میں ۲۴ سے ایک کی نسبت[1] سے ہیں۔

مکاتب کے تین درجے مکتب تین درجوں کے ہوتے ہیں۔ (۱) ابتدائی (۲) رشدی (۳) اعدادی جو ہمارے یہاں (۱) پرائمری (۲) مڈل (۳) ہائی ڈیپارٹمنٹ اور (۳) کالج ایف اے کے درجہ تک کے مطابق کہے جا سکتے ہیں مگر ان میں علاوہ دنیاوی تعلیم کے دینی تعلیم اور قرآن مجید ضرور پڑھایا جاتا ہے۔ ابتدائی مکاتب سے قطع نظر باقیوں میں فرانسیسی زبان اور ریاضی اور علوم طبیعی بھی سکھلائے جاتے ہیں۔ غیر مسلم بچے مذہبی تعلیم کے لئے مجبور نہیں ہیں۔ مگر کیا قسطنطنیہ اور کیا سلطنت کے دوسرے بلاد میں عیسائیوں اور یہودیوں نے اپنے علیحدہ مدرسے بھی بنائے ہوئے ہیں۔ کہ جنکی تفصیل سرکاری سالنامۂ "معارف" میں درج ہوتی ہے۔

ملکی اور حربی مکاتب ہر ایک رشدی اور اعدادی مکتب یا ملکی ہوتا ہے یا حربی۔ مدارس جو طالب علم ابتدائی مدرسوں سے فارغ ہو کر ان میں داخل ہوتے ہیں۔ وہ اسی وقت فیصلہ کر لیتے ہیں کہ اپنی عمر ملکی خدمت میں گذاریں گے یا جنگی میں۔ کیونکہ ان مکاتب کی تعلیم ختم کر کے پھر وہ اسی قسم کی ملکی یا حربی اعلےٰ مکتب میں داخل ہو سکتے ہیں۔

قسطنطنیہ کے مکاتب ابتدائیہ شہر قسطنطنیہ میں بقول قاموس الاعلام کل پانسو سے

[1] ٹرکی میں ایک حد تک تعلیم جبری ہے [illegible] مفصل کیفیت کتاب قوانین عثمانی سے معلوم ہو سکتی ہے

زائد ہر قسم کے چھوٹے بڑے اور خاص خاص علوم و فنون کی تعلیم کے مکاتب ہیں۔ اور اسی طرح سلطنت کے تمام حصوں اور دیہات و قصبات میں ابتدائی اور رشدی مدرسے پھیلے ہوئے ہیں۔ ابتدائی مکاتب کے لحاظ سے قسطنطنیہ کے بارہ مرکز قرار دئے گئے ہیں۔ اور ہر ایک مرکز میں حسب ذیل (۲۴۲) مکاتب ہیں۔ کہ جنہیں لڑکے اور لڑکیاں پڑھتی ہیں۔ ان میں سے بعض صرف لڑکوں اور بعض لڑکیوں کے لئے مختص ہیں۔ اور بعض میں ذکور و اناث دونوں جدا جدا تعلیم پاتے ہیں۔ اور یورپ کی طرح لڑکی لڑکیوں کے مکسڈ (مخلوط) مدرسوں کی طرح اکٹھے مِل جُل کر نہیں پڑھتے۔

۱۔ ایسرائی مرکز میں	۲۸ مکتب	۷۔ چنگل کوئی مرکز میں	۱۹ مکتب
۲۔ سلطان احمد مرکز میں	۲۱ "	۸۔ اسکدار مرکز میں	۳۴ "
۳۔ طوپخانہ مرکز میں	۱۴ "	۹۔ خصکی مرکز میں	۲۱ "
۴۔ ایوب مرکز میں	۱۲ "	۱۰۔ بشکطاش مرکز میں	۳۳ "
۵۔ سلطان سلیم مرکز میں	۱۶ "	۱۱۔ امیر بخاری مرکز میں	۲۲ "
۶۔ قاسم پاشا مرکز میں	۱۶ "	۱۲۔ خاتیح مرکز میں	۱۹ "

مکاتب خصوصیہ

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل مکاتب خصوصیہ ہیں جنہیں سے بعض پرائیوٹ فیاضی سے چلتے ہیں اور بعض کے مدرسین بعض خدمت کے لئے اپنا وقت عزیز صرف کرتے ہیں۔ ان میں سے اکثر نہاری یعنے دن میں کھلنے والے ہیں اور بعض لیلی و نہاری یعنے رات اور دن دونوں وقت طلب کی سہولیت کے لئے کھلتے ہیں۔ تاکہ جو لوگ دن کو پڑھنے کی فراغت نہیں حاصل کر سکتے وہ رات کو پڑھ لیا کریں۔

مکتب حمیدی در بشکطاس نہاری	خلیلیہ محمودیہ
" " برائے اناث	صالحہ خاتون یا حدیقۃ المعارف
شمس المعارف (مکتب شمسی) نہاری	(ذکور و اناث)

دارالعلم	مکتب فیض (دیلی دنہاری)
دارالادب	صرائے جدید
مکتب عثمانی۔ (ذکور واناث)	رہبر معرفت (دیلی دنہاری)
دارالتعلیم	اثر ترقی
برہان ترقی (دیلی دنہاری)	شعلہ ترقی
شمس المکاتب (〃) (ذکور واناث)	دارالتحصیل
حدیقہ معرفت	آلتونی زادہ مکتبی (ذکور واناث)
دارالفیض حمیدی	ہدایت تحصیل
تشویقیہ	دارالعرفان مکتبی
مشرق فیوضات	جلال بک اناث مکتبی
میزان ترقی	مدرسہ ادبیہ
روضہ ترقی۔	ترقی (ذکور واناث)

مکاتب رشدیہ استنبول میں اس درجہ کے سترہ مدرسے لڑکوں کے لئے اور بارہ لڑکیوں کے لئے مخصوص ہیں۔ ان کے علاوہ سات عسکری رشدیہ مدرسے بھی ہیں جو محکمہ جنگ کے ماتحت ہیں۔

(مکاتب رشدیہ ذکور)	(مکاتب اناث)	(مکاتب رشدیہ عسکریہ)
(۱) عشیرت مکتبی	(۱) لیلی ونہاری قزصنایع مکتبی	(۱) بیطر رشدی عسکریسی۔ (بیطاری کا مکتب)
(۲) بایزیدیہ مرکز رشدیسی	(۲) دارسعادت نہاری قزصنایع مکتبی	(۲) ایوب رشدی عسکریسی
(۳) محمودیہ مرکز رشدیسی	(۳) اسکدار قزصنایع مکتبی	(۳) صغوق چشمہ رشدی عسکریسی
(۴) لوندقیلی مرکز رشدیسی	(۴) یرکون اناث رشدیسی	(۴) بشکطاش رشدی عسکریسی
(۵) فاتح مرکز رشدیسی	(۵) بشکطاش اناث رشدیسی	(۵) فاتح رشدی عسکری
(۶) داود پاشا مرکز رشدیسی	(۶) فندقلی اناث رشدیسی	
(۷) ایاصوفیہ مرکز رشدیسی	(۷) اسکدار اناث رشدیسی	
(۸) اسکدار مرکز رشدیسی	(۸) سلطان احمد اناث رشدیسی	

مکاتب رشدیہ عسکریہ	مکاتب اناث	مکاتب ذکور
(۹) قرہ مصطفےٰ پاشا رشدیہ عسکریہ	(۹) ایپب اناث رشدیہ	(۹) بکتاش رشدیہ
(۱۰) طوپ طاشی رشدی عسکریہ	(۱۰) محلہ قرآنی اناث رشدیہ	(۱۰) غلطہ رشدیہ
	(۱۱) ات بازار اناث رشدیہ	(۱۱) فیضیہ رشدیہ
	(۱۲) کوچک مصطفےٰ پاشا اناث رشدیہ	(۱۲) قاضی کوئی حمیدیہ رشدیہ
		(۱۳) میرکون رشدیہ
		(۱۴) بکلربیگی رشدیہ
		(۱۵) طوپ قپو رشدیہ
		(۱۶) آری قپو کز رشدیہ
		(۱۷) جیل سنز کمپنی (گنگوں کا مکتب)

مکاتب اعدادیہ یا کالج ان کے علاوہ کئی ایک اعلےٰ درجہ کے مکاتب پایہ تخت میں موجود ہیں کہ جنہیں کالج کہہ سکتے ہیں۔ اور ان میں مختلف علوم و فنون سکھلائے جاتے ہیں۔ اور یہاں سے سند یافتہ نوجوان سلطنت کے اعلےٰ ملکی اور جنگی وغیرہ عہدوں پر فائز ہوتے ہیں۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ مکتب ملکیہ شاہانہ
۲۔ مکتب حقوق شاہانہ (لاکالج)
۳۔ مکتب طبیہ ملکیہ شاہانہ (میڈیکل کالج)
۴۔ مکتب صنائع نفیسہ شاہانہ (آرٹ سکول)
۵۔ مکتب سلطانی (آرٹس کالج)
۶۔ مکتب نواب رقاصیہ مستقیم کالج
۷۔ مکتب دارالمعلمین (ٹریننگ کالج)
۸۔ حمیدیہ تجارت مکتب عالی (کمرشل کالج)
۹۔ مکتب حربیہ شاہانہ (ملٹری میڈیکل)
۱۰۔ مکتب طبیہ عسکریہ شاہانہ (ملٹری میڈیکل کالج)
۱۱۔ مہندسخانہ بری ہمایون (انجینئرنگ کالج)
۱۲۔ مکتب بحریہ شاہانہ (نیول کالج)

(۱) دارالمعلمات (استانیوں کا نارمل سکول) (۲) دارالشفقہ (یتیموں کا مکتب دہلی) (۳) درسعادت مکتب اعدادی (۴) اسکدار مکتب اعدادی ملکی (۵) نمونہ ترقی مکتبی (اعدادی رشدی و ابتدائی) اعلےٰ درجہ کے مکاتب ہیں۔

بحری مکاتب مکتب بحریہ شاہانہ کے سوائے وزارت بحری کے متعلق مندرجہ ذیل اور بحری مدرسے بھی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکی مجبور ہو رہی ہے کہ اپنی بحری حالت کو سنبھالے۔ کیونکہ اسکے بحری تعلقات ایسے ہیں کہ سوائے بحری قوت کے استواری کے اسکی زندگی معرض خطر میں رہے گی۔ علاوہ اسکے اسکی بحری سرحدات اسے بحری مستعدی کے لئے مجبور کرتی ہیں۔ ترکی کی کوسٹ لائن (ساحل بحر) بہت طویل ہے۔ وہ بحری مدرسے یہ ہیں۔ (۱) مکتب بحریہ شاہانہ نہاری اور لیلی تجارتی جہازوں کے قپودان (کپتان) بنانے کا مکتب (۲) ترسانہ عامرہ (صیغہ تعمیر جہازات) کے اندر ماکینہ (مشینری کے) عملیات کا مکتب (لیلی) (۳) غرب قپو کا تجار قپودان مکتبی (نہاری) (۴) کمرک قولری مکتبی (یعنے بحری پولیس اور ماربرتی کا کام سکھلانے کا مکتب) (لیلی) (۵) شعبۂ بحریہ و منشائے کتاب عسکری مکتبی (نہاری) (۶) ترسانہ عامرہ کے اندر بحریہ صنائع اور اعمالات کا بچوں کی بریگیڈ کا مکتب (لیلی) (۷) مرکز بحریہ کے ہسپتال کے اندر اجزاجی و تیمارجی مکتبی (کمپونڈروں اور زخمیوں کی تیمارداروں کا مکتب) (لیلی)

جنگلات اور معدنیات کے مدرسے نظارت (وزارت) جنگلات اور معدنیات وغیرہ کے متعلق بھی یہ دو تین خاص مکاتب قائم ہیں۔ (۱) مکتب صنائع (۲) حلقلی مکتب زراعت۔ (۳) ملکیہ مکتب بیطاری۔ واضح رہے کہ زراعت و معدنیات کی ترقی کی طرف آجکل سلطان المعظم کی بڑی توجہ ہے۔ اور ترکی مدبر سمجھتے ہیں۔ کہ اس صیغہ میں جسقدر ہم ترقی چاہیں کر سکتے ہیں صنعت وحرفت کی ترقی کی طرح اسکے راستہ میں کوئی روک ٹوک نہیں۔

مکاتب پایۂ تخت کی اتنی لمبی فہرست سے اتنی بات تو ضرور پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ ترکی میں تعلیم عامہ کا دور دورہ ہے۔ اور عثمانی رعایا میں دن بدن تعلیم اور ترقی پھیلتی جاتی ہے۔ گنجائش مانع ہے۔ کہ میں مجبو

با وسکاتب میں سے بعض کے معائنہ کا تفصیلی ذکر کروں۔ تاہم دو ایک کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ لیکن اس سے پہلے میں ابتدائی رشدی اور اعدادی مکاتب کا نصاب تعلیم بتلانا چاہتا ہوں۔ تاکہ اس سے اندازہ ہو سکے کہ اس ملک میں کس درجہ کی تعلیم ہوتی ہے۔

ابتدائی مکاتب کا پروگرام

ابتدائی مکاتب کی مدت تعلیم تین سال ہے۔ اور حسب ذیل مضامین کے لئے سبق ہفتہ وار شاگردوں کو پڑھائے جاتے ہیں۔ کہ جن کی تعداد ہر سال کی جدول میں علیحدہ علیحدہ درج ہے:۔

مضامین	سال اول (ہفتہ وار سبق)	سال دوم ہفتہ وار سبق	سال سوم ہفتہ وار سبق
الف بے	۱۲	۰	۰
قرآن عظیم الشان	۱۲	۹	۵
تجوید	۰	۲	۲
علم حال (تعلیم دینیات)	۲	۳	۳
اخلاق	۰	۲	۲
صرف عثمانی	۰	۰	۲
املا	۳	۳	۲
قرائت	۳	۲	۱
ملخص تاریخ عثمانی	۰	۰	۲
مختصر جغرافیائے عثمانی	۰	۰	۲
حساب	۱	۲	۲
خوش خطی	۱	۲	۱

لیکن دیہاتی مدارس ابتدائی کے نصاب میں مضامین اخلاق۔ صرف و نحو عثمانی۔ ملخص تاریخ و جغرافیہ عثمانی شامل نہیں بلکہ ان کی جگہ کچھ دہقانی امور سکھائے جاتے ہیں

علم حال اس بات کا اندازہ بتانے کے لئے کہ ان مضامین میں طلبہ کو کہاں تک مہارت پیدا کرانی پڑتی ہے۔ میں مضامین علم حال اور اخلاق کا مفصل بیان درج کر دیتا ہوں۔

سال اوّل میں ہفتہ میں دو سبق دینیات کے دیئے جاتے ہیں۔ لڑکوں کو علم حال کی پہلی کتاب اور لڑکیوں کو مختصر علم حالؒ نامی رسالہ کے اسقدر مضامین زبانی یاد کرائے جاتے ہیں کہ صرف فرائض حفظ ہو جائیں۔

سال دوم ہفتہ میں تین سبق۔ لڑکوں کو علم حال کے دوسری کتاب شروع کرائی جاتی ہے۔ پہلے حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کی صفات ذاتی اور صفات ثبوتی۔ دوم حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر پیغمبر آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کے درمیانی پیغمبران عظام کے قرآن کریم میں مذکور شدہ نام۔ سوم بنائے اسلام۔ صفات ایمان۔ افعال مکلفین۔ اعتقاد اور عمل میں ہمارا مذہب۔ چہارم نماز غسل آبدست تیمم روزہ اور زکوٰۃ کے فرض۔ پنجم نماز پنجگانہ۔ وتر۔ نماز عید۔ تراویح۔ اور نماز جنازہ۔ ششم آنحضرت صلعم کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ۔ تاریخ تولد نبوی۔ نسب جلیل۔ واقعہ اصحاب الفیل۔ ہفتم پنج وقتہ نمازوں میں پڑھے جانے والے سبحانک اللہم التحیات الخ۔ اور صلوٰۃ اور وتر نماز کی دعائے قنوت ازبر کرانا۔ لڑکیوں کو بھی یہی مضمون پڑھانے خصوصاً قزلر خواجہ سیؒ (لڑکیوں کا استاد) نامی رسالہ پڑھانا۔

سال سوم ہفتہ میں تین سبق۔ اور ان میں تمام ضروری ضروری دینی واقفیت شامل کر دی گئی ہے۔ مگر قلت گنجائش اس لمبی تفصیل کے اندراج کی مانع ہے۔

اخلاق اخلاق کی تعلیم دوسرے سال سے شروع ہوتی ہے اور دوسرے اور تیسرے سال میں دو دو سبق ہفتہ میں دیئے جاتے ہیں۔ سال اول میں اخلاق نامی رسالہ سے یہ مضامین سکھائے اور ذہن نشین کئے جاتے

ہیں۔ خدائے تعالیٰ۔ اسکے پیغمبروں اور کتابوں پر ایمان۔ سنت کا اتباع
قدرت الٰہی۔ امیر المومنین ہمارے بادشاہ کی تابعداری۔ عقل۔ زبان۔
اخلاق سئیہ۔ جھوٹ۔ دوزبانی۔ غیب۔ انانیت۔ حسد۔ حیلہ بازی
بے شرمی۔ مسخراپن۔ غرض۔ بطالت۔ بیکاری۔ انتظام وسلیقہ۔ سعی
ابنائے جنس پر رحم۔ خیروحسنات۔ کاروبار۔ حفظ صحت۔ دوسرے سال
میں رسالہ رہنمائے اخلاق کے ذیل کے مضامین بخوبی سکھلائے اور
سمجھائے جاتے ہیں۔ انسان کا تمام حیوانات سے فرق۔ جوانی۔ علم۔
عبادت۔ رعایت۔ زیانکاری۔ سنگدلی۔ بدلگامی۔ تحقیر۔ انسانیت۔
صداقت۔ نیک ساتھی۔ عظمت ووقار۔ عناد۔ پاکیزگی۔ سخاوت۔
بخل۔ مدد۔ الفت۔ ادب وحرمت۔ حقوق برادرانہ۔ عفت۔ حمیت۔

رشدیہ اور اعدادیہ مدارس کا نصاب

ان مکاتب میں مندرجہ ذیل مضامین کے سبق ہر ہفتہ میں اسقدر پڑھائے جاتے ہیں۔ جو ذیل کے جدول میں ہر سال کے لئے علیحدہ علیحدہ درج ہیں۔ اور ان دونوں درجوں کی مدت تعلیم سات سال ہے۔

مضامین تعلیم	تعداد دروس: پہلے سال	دوسرے سال	تیسرے سال	چوتھے سال	پانچویں سال	چھٹے سال	ساتویں سال
تجوید قرآن کریم وعلوم دینیہ	۳	۳	۳	۳	۳	۳	۳
ترکی زبان	۶	۵	۳	۲	۱	۰	۰
اخلاق	۱	۱	۰	۱	۱	۱	۰
ادبیات اور قرائت رسمیہ	۰	۰	۰	-	۰	۲	۲
عربی	۲	۲	۲	۲	۲	۱	۱
فارسی	۰	۲	۲	۲	۱	۰	۰
فرانسیسی	۰	۰	۳	۳	۴	۴	۵
خلاصہ قوانین۔	-	۰	۰	۰	۰	۱	۰

(بقیہ) مضامین تعلیم	سال پہلا	سال دوسرا	سال تیسرا	سال چوتھا	سال پانچواں	سال چھٹا	سال ساتواں
حساب	۳	۲	۲	۲	۱	۰	۰
اصول دفتری (دفاتر کی کارروائی)	۰	۰	۰	۰	۱	۰	۰
جبر مقابلہ و علم مثلثات	۰	۰	۰	۰	۳	۲	۰
ہندسہ (اقلیدس مع مساحت)	۰	۰	۱	۱	۲	۱	۰
توزموگرافیا (علم ہیئت)	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۱
میکینکس۔ فزکس۔ کیمسٹری	۰	۰	۰	۰	۰	۳	۳
موالید (حیوانات۔ نباتات و جمادات)	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۴
جغرافیہ	۲	۲	۲	۲	۲	۲	۱
تاریخ	۰	۲	۲	۲	۲	۱	۱
علم ثروت (پولیٹیکل اکانومی و تجارت)	۰	۰	۰	۰	۰	۱	۱
علم اشیاء	۱	۱	۱	۱	۱	۰	۰
حفظ صحت	۰	۰	۱	۱	۰	۰	۱
خوش خطی	۲	۱	۱	۱	۱	۱	۱
رسم (نقشہ کشی و مصوری)	۱	۱	۱	۱	۱	۱	۰
یونانی (رومی یا بلغاری زبان (بعض بعض مدارس میں))	۰	۰	۰	۲	۳	۲	۱

علم ثروت مضامین بالا میں سے علم ثروت کے نصاب کی کسیقدر تفصیل درج کیجاتی ہے سوا اعلےٰ مدارس کے صرف آخری دو سالوں میں سکھلایا جاتا ہے۔ کاش یہ ضروری علم ہندوستان کے مدرسوں میں بھی سکھلایا جاتا تو ان مجبور طالب علموں کی فوجوں کو جو روٹی کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں اس سے بہت مدد ملتی۔

چھٹے سال میں علم ثروت کی تعریف اور غایت۔ علم ثروت کی تقسیم۔ ثروت

کا حاصل کرنا۔ثروت کا انقسام۔اسکا تداول اور اسکا ہلاک کرنا۔ثروت حاصل کرنے کے وسائل۔زمین اور قوائے طبیعیہ۔سعی ودعمل۔صنعت عمال۔ اور صنائع کی آزادی (یعنے ان پر سے قید اٹھا دینا) صنائع کے اقسام۔تجارت۔سرمایہ کے اقسام۔صنعت و حرفت کے فوائد۔ثروت پر حق تملک۔اور حق وراثت اراضی کی آمدنی۔محصولات اراضی کے حاصل کرنے تقسیم کرنے اور تداول کرنے کے متعلق قواعد۔ہیج محصولات اراضی کی قیمت۔اصول زراعت کی قسمیں۔سرمایہ سے آمدنی۔زیادتی سرمایہ۔روزانہ مزدوری۔مبادلہ کے اقسام۔قیمت قیمتوں کے تقرر و تبدل اور موازنہ کرنے سے متعلق قواعد۔متداول قیمتیں۔مصارف استحصالیہ۔رقابت۔انحصار۔کفایت شعاری۔

ساتویں سال میں:۔ نقدی۔نقدی کو جنس سے کس نظر سے ممتاز سمجھتے ہیں۔چاندی اور سونے کے سکے۔موافق سکے۔سکوں میں خالص دھات اور کھوٹ۔سکوں کا انتظام۔بائی میٹلزم اور مانومیٹلزم۔اعتبار مالی۔بنکوں کی قسمیں۔بنک نوٹ۔سرکاری بنک۔سلطنت کی مالی ضمانت سرکاری قرضوں کی بڑی بڑی قسمیں۔کرنسی نوٹ۔گورنمنٹ پرامیسری نوٹ قرضوں کی تحویل۔ایکسچینج یا صرافہ۔تجارت خارجی اور داخلی۔تنزل تجارت کے اسباب اور علاج۔مانگ اور بہم رسانی تجارت۔درآمد و برآمد۔درآمد و برآمد کا مقابلہ۔تجارت کی آزادی۔حمایت تجارت کا اصول۔معاہدات تجارتی۔محصولات چونگی۔بیمہ مال تجارت اور بیمہ کے اقسام۔علم ثروت کے اصول مالیہ سے تطبیق۔تکلیف متناسب۔تکلیف مترقی وغیرہ۔

یونیورسٹی سلطان المعظم کے جلوس کی پچیسویں سالگرہ کے موقع پر جبکہ میں بھی قسطنطنیہ میں تھا۔ایک مکمل یونیورسٹی قائم کی گئی تھی۔مگر اس کی تفصیل مجھے معلوم نہیں ہو سکی۔گو یونیورسٹی کے لئے لائق پروفیسر ترکوں میں کافی موجود ہیں۔اور جہاں ضرورت ہوتی ہے۔جیسے کہ فوجی تعلیم یا

کارخانہ جہاز سازی یا صیغہ طبابت وغیرہ اسمیں یورپین اُستاد کسی میں بھی ترکوں کو تامل نہیں ہوتا امید ہے کہ اب تک یہ یونیورسٹی بخوبی کام کرتی ہوگی۔

مکتب عشایرہ جو چند مکتب میں نے خود دیکھے ہیں۔ ان میں سے بعض کا حال یہاں درج کرتا ہوں مکتب عشیرت دیکھنے کے لئے میں نے ہز ایکسیلنسی احمد مدحت صاحب رئیس روم محکمہ صحیہ سے لیٹر آف انٹروڈکشن لی تھی۔ سلطان المعظم نے جیب خاص سے (۱۷۰۵۵۳۳) غرش کی لاگت سے اس مدرسہ کو قبایل عرب کے سرداروں کے بچوں کی تعلیم کے لئے ۱۳۰۹ھ میں قائم کیا تھا۔ جب میں نے اسے دیکھا تھا تو پچاس لڑکے یہاں سے تعلیم پاکر نکل چکے تھے۔ اور قریب تین سو کے زیر تعلیم تھے۔ جو یمن حجاز نجد۔ شام۔ طرابلس۔ صنعا۔ تبخاری طنجہ جاوا اور سماٹرا کے مسلمانوں کے بچے تھے۔ یہ طالب علم عموماً عرب اور شام کے خیمہ نشین شیوخ کے بچے ہیں۔ جو یہاں سے تعلیم حاصل کر کے اپنے اپنے قبیلوں میں جاتے ہیں۔ اور وہاں بطور مدرسوں کے استادوں یا ملازمان سرکاری کے مدنیت اور شائستگی پھیلاتے ہیں۔ بالفعل اس مدرسہ میں شام عرب یمن طرابلس بصرہ حجاز بغداد بنغازی (افریقہ) درنہ (افریقہ) کردستان۔ ٹولین (صرف ایک لڑکا) اور سماٹرا وجاوا (۲ لڑکے) کے طلبا تعلیم پاتے ہیں مدت تعلیم پانچ سال ہے۔ یہاں سے طلبا فارغ ہوکر مدرسہ حربیہ کو جاتے ہیں۔ جہاں مکتب عشیرت والوں کی تعلیم کے لئے ایک علیحدہ کلاس ہے ان سب لڑکوں کا خرچ حضور سلطان المعظم جیب خاص سے ادا کرتے ہیں

اس مدرسہ کا بورڈنگ ہوس یہ سب لڑکے بورڈر ہیں۔ جیسے کہ یہاں کے اکثر بڑے بڑے تعلیم گاہوں میں ریزیڈنشل طریقہ جاری ہے۔ میں نے ان کے کھانے اور سونے کے کمرے دیکھے۔ سب کے آہنی کاٹ تھے اور عمدہ بستر اور کونسٹر میں یہاں کے باقی تمام مدارس سے اعلیٰ تھی کیونکہ

آخر یہ ترک مہانان سلطانی ہیں۔ باقی تمام مکاتب کی طرح یہاں کے طالب علموں کی بھی سکول کی وردیاں ہیں۔ مدرسہ کیطرف سے علاوہ وردی کے ہر طالب علم کو حسب ذیل کپڑے ملتے ہیں۔ ۱ جوڑہ جوراب۔ ۲ قمیص رڈلی) ۳۔ تونذرہ (دوہرا بوٹ) ۲ جوڑہ البسہ۔ ۲ شدیل (رومال) ۴ چماشیر (اندر پہننے کے کپڑے) ۴۔ تولیا۔ اسکے سوائے ڈیرہ مجیدی ماہوار جیب خرچ۔ دوپہر اور شام کے کھانوں کے سوائے صبح کا ناشتہ بھی ملتا ہے۔ ماہ اگست سنہ ۱۹ء کے کھانے کا خرچ فی طالب علم رجسٹر سے دیکھا تو ۲۱۷ اقرش ۷ اپارہ تھا۔ عبدالمحسن حسینی ساکن بیت المقدس اسکے منیجر ہیں میرے سوال پر بتلایا گیا۔ کہ اگر کوئی ہندوستانی شریف زادہ بھی یہاں پڑھنا چاہے۔ اور پہلے سلطان المعظم سے درخواست کرکے اسکے لئے اجازت لیجائے تو اجازت ملنی قرین قیاس ہے۔ یہ مدرسہ براہ راست زیر نگرانی سلطانی ہے۔

کتب سلطانی قسطنطنیہ کے کالجوں میں بطور آرٹس کالج کے یہ سب سے ممتاز مکتب ہے۔ میں سید عبدالغفار صاحب کے ہمراہ اسے دیکھنے گیا۔ عبد الرحمن شرف آفندی جو مدرسے کے ڈائرکٹر یا مدیر ہیں بہت اخلاق سے پیش آئے۔ اور انہوں نے قہوہ سے ہماری تواضع کی۔ آپ قسطنطنیہ کے معلمین اور ایجوکیشنسٹ لوگوں میں سے ہیں۔ اور تاریخ وجغرافیہ پر کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ آپ نے سلاطین ہند کے کچھ حالات ترکی میں تلمبند کئے تھے جو مجھے سناتے رہے اور ہندوستان کے کچھ اچھی تاریخوں کے نام دریافت کئے۔ گو یہ فارسی جانتے تھے۔ لیکن بول نہیں سکتے تھے اردو کی اصل کی نسبت کہا کہ قپچاق کے لشکر کا نام پہلے اردو تھا۔ آپنے نہ صرف اپنے مدرسہ کا پروگرام دیا بلکہ دولت عثمانیہ کے سررشتہ تعلیم کا ایک مفصل سالنامہ بھی عنایت کیا جو سترہ سو صفحہ حجم کی ایک ضخیم کتاب ہے

سالنامہ معارف | میں نے اسکے سوائے بھی ایک رپورٹ سر رشتہ تعلیم کی حاصل کی تھی جسمیں تمام مملکت کے مدارس کے نام درجے اور تعداد طلبہ وغیرہ درج تھی۔ لیکن اس سالنامہ کے سامنے اسکی کچھ حقیقت نہیں۔ یہ سالنامہ یونیورسٹی کے کیلنڈر کی طرح ہے جسمیں عثمانی سر رشتہ تعلیم کی تاریخ۔ تمام وزرائے تعلیم کے حالات زندگی۔ تمام مکاتب اعلےٰ کے نصاب تعلیم اور دستورالعمل بلکہ شروع سے لیکر سال حال تک ان میں سے کامیاب ہونے والے طلبا کے نام معہ ان کے موجودہ رتبوں اور ملازمتوں کے درج ہیں۔ کتب خانوں مطبعوں اخبارات وغیرہ کی فہرستوں کے علاوہ تمام مملکت کے مکاتب ومدرسین کی مطول فہرستیں بھی اس میں موجود ہیں۔ اور حقیقت میں ترکوں کی تعلیمی بیداری اور کارگذاری کا یہ ایک نہایت عمدہ ثبوت ہے۔ دولت عثمانیہ کی سرکاری رپورٹیں کہ جنمیں ایک یہ سالنامہ بھی ہے۔ نہایت تکلف اور اہتمام سے عمدہ کاغذ پر پر تکلف چھپائی اور جلد بندی کے شائع کیجاتی ہیں۔ مدیر صاحب نے اپنے ایک نائب کو جو انگریزی جانتا تھا۔ ہمیں مدرسہ اور بورڈنگ ہوس دکھلانے کا حکم دیا۔ یہ عمارت کئی منزلوں کی ہے۔ اور اسمیں پڑھنے کے کمرے شفاخانہ باورچی خانہ سائینٹیفک آلات کا کمرہ۔ عجائب خانہ۔ اور ڈارمی ٹوریز یعنے طلبا کے سونے کے کمرے بھی ہیں۔ سونے کے تین بڑے بڑے کمروں میں آٹھ سو بستر موجود تھے۔ کیونکہ اس مدرسہ میں ان دونوں آٹھ سو طلبا تعلیم پاتے تھے۔ مگر ان میں سے بعض بورڈنگ ہوس میں نہیں

طالب علموں کے اقسام | رہتے علاوہ مسلمانوں کے بہت سے عیسائی اور یہودی بچے بھی یہاں رہتے ہیں۔ اور علاوہ فیس دینے والوں کے کئی ایک مفت بھی تعلیم پاتے ہیں۔ کیونکہ اس مکتب کے دستورالعمل کے مطابق بعض لڑکوں کو بالکل مفت بھی تعلیم دیجاتی ہے۔ اور دن کے سوائے رات کو بھی تعلیم دیجاتی ہے

چنانچہ ان کی تفصیل اس طرح ہے :-

لیلی								نہاری		میزان	
مسلم		غیر مسلم		مسلم		غیر مسلم					
مفت	فیس والے	مفت	فیس	مفت	فیس والے	مفت	فیس والے			مسلم	غیر مسلم
۲۱۰	۲۲۳	۱۱۳	۹۹	۱۸	۵۷	۲۳	۷۱			۵۰۸	۳۰۶

مدرسہ کا اسٹاف فیس اور بورڈنگ

اس قدر شاگردوں کو اکاسی استاد بہت سے علوم وفنون کی تعلیم دیتے ہیں۔ بارہ افسر انتظام کا کام کرتے ہیں اور (۳۸) خدمتگار ملازم ہیں۔ استادوں میں سے قریب ایک تہائی کے فرانسیسی اور جرمن اور باقی ترک ہیں۔ کل سالانہ خرچ پچیس ہزار پونڈ ہوتا ہے جسمیں سے سات آٹھ ہزار پونڈ لڑکوں کی فیس سے وصول ہوجاتا ہے۔ فیس کے لحاظ سے تین قسم کے طالبعلم ہوتے ہیں :-

(۱) اول وہ کہ جو داخلی کہلاتے ہیں۔ اور چالیس پونڈ سالانہ سال میں دو مرتبہ کرکے فیس ادا کرتے ہیں۔ خوراک۔ لباس۔ بچھونے۔ صفائی۔ مرمت۔ روشنی۔ کاغذ۔ قلم۔ دوات وغیرہ اخراجات سب اسی میں شامل ہیں بلکہ ڈاکٹر کا معالجہ اور مصوری۔ موسیقی اور جمناسٹک کی تعلیم بھی اسیمیں شامل ہے۔

(۲) دوم جو نصف داخلی کہلاتے ہیں۔ ان کی فیس بیس پونڈ ہے سوائے طعام شب اور رات کے قیام کے باقی سب حقوق ان کے داخلی طلبا کے برابر ہیں۔

(۳) خارجی جنکی فیس دس پونڈ سالانہ ہے سوائے مصوری خط عثمانی اور جمناسٹک کے باقی کل تعلیم انہیں بھی دیجاتی ہے۔ اور ان مضامین میں سے ہر ایک کے لئے بھی باجازت ڈیڑھ سو غرش داخل کرکے استفادہ کرسکتے ہیں اس کے علاوہ ہر طالب علم کو پندرہ پونڈ بغرض پوشاک داخلہ کے وقت دینے پڑتے ہیں۔

معافی ہے عثمانی سے جو کم استطاعت لوگ سالم فیس نہیں ادا کر سکتے وہ سلطنت سے استرحام کی درخواست کرتے ہیں کہ ان سے نصف یا دو تہائی فیس لیجائے اور بعض سالم فیس کے معافی کے بھی درخواست کرتے ہیں۔ جب ان لوگوں کی ایسی درخواستیں قبول ہو جاتی ہیں۔ تو باقی فیس جیب سلطانی اور وزراء امرائے استنبول کی جیبوں سے ادا کی جاتی ہے۔ اور اس طرح سب طلبا فیس دینے والے یا فری یکساں حیثیت اور حالت میں پڑھتے اور رہتے سہتے ہیں۔

بورڈنگ میں نگرانی بورڈنگ میں طلبا کی نگرانی بہت احتیاط اور تاکید سے کی جاتی ہے۔ سوائے تعطیل کے وقت کے طلبا کے عزیز اور ملاقاتی بھی ایسے بات چیت نہیں کر سکتے۔ اور نہ کمرہ ملاقات سے خارج ان سے مل سکتے ہیں۔ کوئی بیرونی شخص طالب علم کے کنبہ اور ڈائریکٹر کی اجازت کے سوائے اس سے ملاقات نہیں کر سکتا۔ شاگردوں کو زیادہ پیسے ساتھ رکھنے کی اجازت نہیں۔ طلبا جو بیمار ہو جاتے ہیں۔ ان کے گھر والوں کو ان کی کیفیت سے وقتاً فوقتاً خبر دیجاتی ہے۔ تندرستوں سے علیحدہ بستر ایک کمرہ میں رکھے جاتے ہیں۔ تاکہ ڈاکٹر ان کا علاج بخوبی کر سکے۔

مذہبی تعلیم اور تربیت کا اس قدر لحاظ ہوتا ہے کہ مسلمان طلبا کو امام بالالتزام مسجد میں باجماعت نماز پڑھواتا ہے۔ اور غیر مسلم طلبا کو بھی ان کے مذاہب کے معبدوں میں بالالتزام احتیاط کے ساتھ پہنچایا جاتا ہے کیونکہ سلطنت کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے مذہب کی پابندی سے زیادہ نیک اور سلطنت کا وفادار ہو سکتا ہے۔

نصاب تعلیم مدت تعلیم اس کالج میں چھ سال ہے۔ البتہ تین سال سکول کے شامل کر لینے سے نو سال ہو سکتی ہے۔ تعلیم دو طرح کی دیجاتی ہے ایک تو ترکی زبان کے ذریعہ اور دوسری اسکے پہلو بہ پہلو فرانسیسی زبان کے ذریعہ اور ظاہر ہے کہ چھٹے سال کے طلبا کیا ترکی اور کیا فرانسیسی کے ذریعہ سے اچھی

دونوں زبانوں کے ذریعے تمام علوم متداولہ میں اعلیٰ درجے کی مہارت پیدا کر لیتے ہیں۔ اسی لئے دولت عثمانیہ یہاں کے سند یافتگان کو اپنے تمام دفاتر اور محکموں میں عہدے دینے کا اقرار کرتی ہے تاکہ اس بات کا اندازہ ہو سکے کہ چھ سال میں یہاں کس درجہ تک تعلیم دی جاتی ہے میں دونوں ترکی اور فرانسیسی نصاب آخری سال کے ذیل میں درج کرتا ہوں۔

چھٹے سال میں ترکی زبان کے ذریعہ ان مضامین میں تعلیم دی جاتی ہے (۱) کتابت رسمیہ اور بلاغت میں تکمیل کی جاتی ہے (۲) عربی زبان کے ترجمے کی تکمیل کرائی جاتی ہے۔ اور ترکی سے مطابقت (۳) فارسی علم ادب کے تدریس (۴) دول اسلامیہ کی تاریخ ختم کیجاتی ہے (۵) ترکی سے فرانسیسی اور فرانسیسی سے ترکی میں ترجمہ کرنے کے اصول ذہن نشین کئے جاتے ہیں (۶) حسن خط میں سابقہ کیطرح مستعد طلباء کو خط نقش تر میں بھی عبارت کرائی جاتی ہے (۷) فقہ میں مجموعہ زہریہ نامی کتاب

اور فرانسیسی زبان کے ذریعہ اس سال میں یہ تعلیم ملتی ہے (۱) فرانسیسی زبان میں مضمون نگاری۔ فرانسیسی لٹریچر۔ اور اسکی تاریخ۔ (۲) حکمت نظری میں معرفت نفس۔ منطق اور علم اخلاق۔ (۳) علوم ریاضی میں ہندسہ رسمیہ۔ ہندسہ مستویہ۔ مبادی فن میکینکس۔ اور کاسموگرافی (۴) علم طبعی اور علم کیمیا میں سے طبیعیات میں۔ علم برق۔ علم صدا اور روشنی کی تکمیل تک۔ اور کیمیا میں آرگینک کیمسٹری تمام (۵) علم موالید میں علم نباتات اور علم طبقات الارض۔ (۶) تاریخ عمومی یعنی یونیورسل ہسٹری کا بقیہ (۷) جغرافیہ عالم کی تکمیل و تکرار (۸) حفظ صحت (۹) تربیعات ریاضیہ۔ وغیرہ۔

مدرسے کی عالیشان عمارت سے گرد و شہر کے نہایت بارونق اور ایک بلند حصہ پر واقع ہے باغات اور ورزش کے لئے وسیع گراؤنڈ ہے۔ اور داخلے کے قریب پولیس کا پہرہ ہے جو یہاں کی ہر سرکاری عمارت کا لازمی

جزو ہے۔ دیمبر میں سنے ترکی اخبارات میں پڑھا کہ آتشزدگی نے اس مدرسہ کی عمارات کو سخت صدمہ پہنچا۔

طالبعلموں کی وردی

یہاں سب مکاتب کے طالبعلم اپنے اپنے سکول کی وردی پہننے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور وہ وردی صرف مدرسہ کیوقت ہی نہیں پہنی جاتی۔ بلکہ شہر میں بھی صبح شام طالب علم اس وردی میں چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ فوجی اور دیگر سکولوں کے شاگرد گورے گورے ترک بچے اور عرب زادے ان سیاہ وردی کے کوٹوں اور سرخ ٹوپیوں میں کیسے سجتے ہیں۔ ان کے کوٹوں کے کالروں پر مدرسہ کا نام اور رجسٹر نمبر خوشخط نسخ میں کاڑھا ہوا ہوتا ہے۔ خوبصورت خط نسخ کو جو عروج یہاں حاصل ہے اسے دیکھکر طبیعت خوش ہوتی ہے۔ جو چیز ہمارے یہاں کس مپرسی کی حالت میں ہے۔ یہاں اسکے قدردان موجود ہیں۔

مکتب صناعت وعلوم عالیہ

یہاں کا مکتب صنائع نفیسہ ہندوستان کے مختلف آرٹ سکولوں کے درجہ کا ہے اور سلطانی عجائب گاہ کے سابق وزیر اعظم ادہم پاشا کے بیٹے حمدی بے کی کوشش سے ۱۸۸۱ء میں کھولا گیا اور اب انہیں کے زیر نگرانی ایک خاص مجلس صنائع نفیسہ کی حمایت میں جاری ہے۔ اسمیں دو سو یتیم بچے آہنگری اور نجاری کی ہر شاخ اور چھاپہ خانہ اور بعض دیگر شعبہائے فنون کا کام سیکھتے ہیں۔ یہ لوگ رہتے اور کھاتے پیتے بھی یہیں ہیں۔ علاوہ روٹی کپڑے کے ہر لڑکے کو کچھ نقد ماہوار ملتا ہے جو منتظم اس کے لئے جمع رکھتے ہیں۔ جب یہ لڑکا تین چار سال کی میعاد تعلیم کے بعد کام سیکھ کر نکلیگا تو اسے یہ نقدی جو جمع کی گئی ہے دیجائیگی تاکہ روپے کے ذریعہ سے جو بیس سے تیس اشرفی ہو سکتی ہیں۔ اپنی دکان جاری کر سکے۔ یہ بہت بڑا فیض عام کا کام ہے۔ مدرسہ کے منیجر رفعتلو عبداللطیف آفندی (دواخلیہ مدیر معاون) اور دوسرے استادوں رستم محمد معلم برا اور محمد سعید

طرز معماری عرب و رسم نے بنے کا رخانہ اس مدرسہ کے سب حصے دکھلائے
لکڑی میں صدف اور ہاتھی دانت مرصع کرنے اور لکڑی میں بیل بوٹے بنانے کا
کام سیکھنے کے لئے دو معلم قسطنطنیہ سے مصر میں بھیجے گئے تھے۔ جو وہاں سے
یہ قدیم عربی صنعت سیکھ کر آئے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے لٹو خراد کر کے ان سے
روشن دان اور جھروکے پردہ دار بناتے ہیں۔ جو بہت خوشنما کام ہے۔ لکڑی
کے انواع و اقسام کے کام کے علاوہ لوہے کے جنگلے۔ زراعت کے آلات
مثل ہلوں۔ بیج بونے کی کلوں۔ آٹا پیسنے کی چکیوں اور چھوٹی مشینوں اور
کاریگروں کے اوزاروں کے بھی بنائے جاتے ہیں۔ ایک چھوٹا سا انجن
بھی مجھے دکھلایا گیا۔ جو یہاں کے طالبعلموں نے بنایا ہے۔ اور
چلتا ہے۔ ایک گیس انجن کی طاقت سے مشینیں چلتی ہیں۔ کئی ایک خراد
کام کرتے ہیں۔ مدرسہ کی عمارت بڑی عالیشان ہے۔ اور ابھی عمارت
اضافہ ہو رہی ہے۔ اس کے علاوہ بغداد میں بھی ایک صنعت و حرفت کا
مدرسہ ہے۔ اور مملکت کے بعض دیگر مقامات میں چھوٹے چھوٹے مدرسے
ہیں۔ جب میں یہ مدرسہ دیکھنے گیا۔ تو دربان نے اندر جانے سے روکا۔ اسی
حیص بیص میں ایک نوجوان مدرسہ سے باہر جا رہا تھا۔ اس نے شیخ علی محمد
صاحب افغانی شیخ تکیہ قادریہ بیکلر بیگی سے جو میرے ہمراہ تھے۔ میرا پتہ

ترکی اخبارات کا اثر

معلوم کیا۔ تو وہ بڑے شوق سے ملا اور خوشی سے اندر لے
گیا۔ وجہ یہ ہوئی کہ ایک دو روز پہلے یہاں کے چند اخبارات
میں میری نسبت کچھ تعریفی جملے چھپ چکے تھے۔ جو اس نے پڑھے تھے
جب اخبارات میں کچھ میری کیفیت چھپی تو کئی شخص مجھے پوچھنے لگے کہ
تمہیں فلاں شخص ہو۔ منجملہ دوسرے اصحاب کے اسی شام کو بیروت کے
ایک اخبار روضۃ المعارف کے ایڈیٹر صاحب جو یہاں کسی کام پر آئے
ہوئے ہیں۔ مجھے ملنے آئے۔ اور دوسرے روز سید عبد الفتاح صاحب کشمیری

بھی کہ جس کا ذکر کسی دوسری جگہ درج ہے۔ اور بعض دیگر صاحبان بھی تشریف لائے۔

نصاب تعلیم صنائع نفیسہ یعنے مصوری کے اقسام۔ روغنی اور آب رنگوں کی نقاشی۔ معماری۔ بیل دبُت اتراشی۔ حکاکی۔ لکڑی پر کام کھودنا۔ دھاتوں کا کام کرنا عملی طور پر ورکشاپ میں سکھلایا جاتا ہے۔ اور علمی طور پر آثار عتیقہ کی تاریخ۔ اور تشریح۔ اصول دفتری حساب اور ریاضی تاریخ صنائع۔ فن تزئینات وغیرہ اس مدرسہ میں سکھلایا جاتا ہے۔ پندرہ سے پچیس سال کی عمر کے لڑکے اس مدرسہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔ اور ان کے امتحانات سہ ماہی وار لئے جاتے ہیں۔ اور سال میں دو مرتبہ یہاں کی اشیا کی نمائش کیجاتی ہے۔

تعلیم نسوان

تعلیم نسوان لڑکوں کی تعلیم کے ساتھ لڑکیوں کی تعلیم کا بھی بہت اچھا انتظام کیا گیا ہے۔ رئی (پرائیویٹ) اور حکومتی دونوں قسم کے کئی مدارس پایہ تخت میں اور نیز مملکت کے اکثر بلاد میں جاری ہیں۔ ذیل میں میں ابتدائیہ یعنے پرائمری اور رُشدیہ یعنے مڈل و ہائی سکولوں کا نصاب تعلیم درج کرتا ہوں تاکہ معلوم ہو جائے کہ چھ سال کے عرصہ میں جو ان دونوں درجوں کے لئے مدت تعلیم مقرر ہے۔ کیا کیا مضمون کتنے گھنٹے روزانہ کے حساب سے پڑھائے جاتے ہیں۔ یہ جدول اگلے صفحہ پر درج کیا جاتا ہے:۔

اناث ابتدائیہ و رشدیہ مکاتب

مضمون تعلیم	ہر جماعت میں ہر ہفتہ میں ہر مضمون کی اتنے گھنٹے تعلیم ہوتی					
	سال اول	سال دوم	سال سوم	سال چہارم	سال پنجم	سال ششم
الف با و شفاہی معلومات	۱۸	۰	۰	۰	۰	۰
قرآن کریم معہ تجوید	۴	۶	۵	۳	۲	۱
علوم دینیہ	۰	۲	۲	۲	۲	۲
قرأت	۴	۴	۴	۲	۱	۱
املا	۴	۴	۳	۲	۱	۱
کتابت	۰	۰	۰	۰	۱	۱
قواعد لسان عثمانی	۰	۰	۲	۲	۱	۲
عربی	۰	۰	۰	۰	۲	۲
فارسی	۰	۰	۰	-	۱	۱
حسن خط	۰	۲	۲	۱	۱	۱
دروس اشیا و معلومات نافعہ	۲	۲	۲	۱	۱	۱
ادارہ بیتیہ (انتظام خانہ داری)	۰	۰	۰	۲	۲	۲
اخلاق	۰	۰	۰	۱	۱	۲
حفظ الصحت	۰	۰	۰	۰	۱	۱
حساب	۲	۲	۲	۲	۱	۱
جغرافیہ	۰	۰	۰	۲	۲	۲
تاریخ	۰	۰	۰	۲	۲	۱
دستکاری	۲	۲	۲	۲	۲	۲
میزان	۱۸	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴

نصاب کی تفصیل — یعنے سال اول میں تین گھنٹے روزانہ اور پھر پانچ سال تک چار گھنٹے روزانہ لڑکیوں کو تعلیم دینی کافی سمجھی جاتی ہے۔ متفرقہ معلومات میں چھوٹی چھوٹی ابتدائی واقفیت کی باتیں درج ہیں۔ مثلاً آدمی کے بڑے بڑے اعضاء ملک کے مشہور حیوان۔ باغ کے درختوں کے نام۔ حفظ صحت کی موٹی موٹی ہدایات۔ سامنے نظر آنے والی چیزوں کے نام اور محل استعمال۔ رنگ۔ اوقات۔ گرما سرما۔ حواس خمسہ اور استانیوں کی طرف سے حسن تربیت و آداب ونصیحت کی کہانیاں۔ وغیرہ۔ علاوہ ازیں جو کتابیں چھ سال کے لئے مقرر ہیں اُن میں علاوہ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ وغیرہ کی ضروری واقفیت کے عقائد اور مسائل فقہ بکثرت بتلائے جاتے ہیں۔ اور چھٹے سال میں تو اسقدر مذہبی واقفیت بہم پہنچائی جاتی ہے۔ کہ کئی چھوٹے موٹے مولوی کہ جنکی واقفیت کنز اور قدوری سے باہر نہیں ہوتی دنگ رہ جائیں۔ مضمون قرأت میں کچھ موسیقی بھی سکھلائی جاتی ہے۔ اسباق الاشیاء میں اسقدر چیزیں دیہات اور گھر سے باہر کے شامل ہیں کہ ترک لڑکیاں باوجود پردہ کے سب باہر کی چیزوں کی ماہیت سے واقف کہی جاسکتی ہیں۔ مگر ادارہ بیتیہ یعنے انتظام خانہ داری کا مضمون جو لڑکیوں

انتظام خانہ داری کے لئے سیکھنا سب سے ضروری ہے۔ چوتھے سال ہفتہ میں دو سبق دیکر سکھلایا جاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے زنانہ مدارس میں بھی یہ مضمون داخل کیا جائے اسلئے اسکے موٹے موٹے عنوان درج کردیتا ہوں۔

حصہ اوّل مسکن۔ گھر کی عورتیں۔ مسکن کی حفاظت اور عورتیں۔ اصول حرارت وروشنی۔ (۱) مسکن کا انتخاب۔ (۲) گھر کی چیزوں کا موقع سے رکھنا صحت کی ضروری شرائط۔ تقسیمات داخلی۔ ہوا کی تجدید وتصیح رہنے کے مکانات کا درجہ حرارت۔ (۳) گھر کی چیزیں اور آلات ضروری

سامان مطبخ - کوچ - کرسی اور میز - پردے - قالین - بحالت دعہ بحفظ
کی عمدہ محافظت - گھر کی عورتوں کی اچھی حفاظت سے خونچہ اور عطر کے
سامان کی صفائی - چاندی کی اشیا اور مطبخ کے سامان کی صفائی اور
ستھرا پن (۴) تابنے - پیتل - جواہرات - چاندی کے گلٹ اور دیگر
اشیا اور آلات اور تصویروں کے چوکھٹوں اور کتابوں کی صفائی -
کمروں کی کھیتوں مچھروں وغیرہ کا دور اور ضائع کرنا (۵) اصول حرارت:
ایندھن - پتھر کا کوئلہ - کوک - لکڑی کا کوئلہ - جلنے والی چیزوں کے خواص
گھر کے آتشدان کے شرائط - انگیٹھیاں مختلف قسم کے چولھوں اور
انگیٹھیوں کے لئے مقررہ احتیاطیں وغیرہ (۶) روشنی کے اصول
مثل تیل - موم بتی - چراغ - روغن زیتون - گاس - مٹی کا تیل - لیمپ -
شمعدان - روشنی خانہ -

قسم ثانی لباس کپڑوں کی حفاظت - انہیں پاک صاف کرنا -
داغ دھبے پڑنا - سلائی اور سلائی کا سامان - (۷) لباس - کپڑوں کی
مرمت - نیچے کے کپڑے بنیان کی قسم کے - جورابیں وغیرہ - بستر پوش
دسترخوان - میز کے دستمال - سوتی کپڑے وغیرہ - (۸) کپڑے پاک
صاف کرنا - کپڑے کے صندوقوں میں کپڑوں وغیرہ سے حفاظت
سجی اور سوڈے والا پانی - صابون کا پانی - کپڑوں کو دھونے کے بعد
محفوظ رکھنا - استری کرنا - اور استعمال کرنا - (۹) داغ دھبے پڑنا - دھبے
دور کرنے کا صابن اور پانی - قہوہ - سیاہی - تیل اور ہر چیز کے داغ دھبے
دور کرنا (۱۰) سلائی کا کام - سلائی اور کشیدہ کی سوئیاں - نقاشی و کشیدہ
جورابیں بننا - موٹی و باریک سوئیاں - اسکے بعد پانچویں سال پھر ہفتہ
میں دو سبق دیئے جاتے ہیں -

قسم ثالث ذخائر اور لوازم - سامان غذا کی حفاظت - گوشت

مچھلی۔سبزی۔مچھر۔ناشتہ۔شکر۔قہوہ۔چائے۔ اور شربت
(۱۱) روٹی۔پنیر یا دہی یا روٹی کے خمیر کرنے کی ماہیت روٹی پکانا۔ سامان خوراک کو کیڑوں سے محفوظ رکھنے کے طریقے۔نمکین مچھلی۔انڈے گندہ ہونے سے محفوظ رکھنا۔ مکھن اور زیتون کے تیلوں کی حفاظت
(۱۲) تازہ اور خشک ترکاریاں۔ ٹماٹو (بینگن) اور تازہ پھلیوں اور پتوں والی سبزیوں کی حفاظت۔ترشیوں کی اقسام۔خشک میوجات تازہ اور خشک انگور۔ اخروٹ۔شکر۔قہوہ۔چائے (۱۳) انواع و اقسام کے آچار مربے اور شربت۔

قسم رابع گھر کا دوائی خانہ (۱۴) ہاتھوں اور ہونٹوں کے ملنے کے خانے۔ دانتوں کے لئے دینجن۔مسواک اور دانتوں کے خلال ایک مبتدی کے ضروری علاج۔جوشاندے۔ خیساندے۔ دودھ اور یخنی کے عمدہ اور مقوّی استعمال۔ (دو سال گذشتہ میں سیکھے ہوئے سبق کا تکرار)

چھٹے سال بھر ہفتہ میں دو سبق دیئے جاتے ہیں

قسم خامس۔ خانگی طبابت اور حفظ صحت۔ (۱۵) غذا کا انتخاب اور بہم رسانی۔ اصول غذا۔کھانے کے وقتوں کا تعین اور انتظام بچوں اور بوڑھوں کے غذا کا اصول۔بچوں کی پرورش۔قواعد حفظ صحت۔نیند۔حمام کرنا۔تعفن دفع کرنے والی ادویات۔بخور اور غسل (۱۶) طبابت بیتیہ۔زخم خراب قسم کے۔چیرا پھاڑا جانا۔کٹ جانا یا چمڑا اتر جانا۔جلنا وغیرہ (۱۷) پاؤں کو پانی میں رکھنا اور بیماری سے شفا بخشنے والے اصول۔ گھر کے لئے ایک طبیب کا انتخاب۔

قسم سادس بیگم خانہ کے وظائف اخلاقی (۱۸) آداب اور مراسم معاشرت۔ نوکرانیوں کا انتخاب۔نوکرانیوں کیلئے کام کاج کے قواعد

اور ان کی خوراک ۔ (۱۹) گھر کا حساب کتاب رکھنا ۔ (۲۰) متفرق علوم پانی ۔ انگیٹھیوں اور آتشدانوں کی صفائی ۔ کوڑا کرکٹ ۔ مالک مکان اور کرایہ دار کے مابین شرائط و تعلقات ۔ (تینوں سالوں کے سبق دوہرانا)

یقیناً جن خوش نصیب لڑکیوں کو مندرجہ بالا نصاب کے مطابق امور خانہ داری میں تعلیم ملے ۔ ان کی اور ان کے متعلقین کی زندگی نہ صرف آرام و آسائش سے گذرے گی ۔ بلکہ ان کی اولاد جاہل ماؤں کی اولاد سے مزید زیادہ لائق اور روشن ضمیر تیار ہوگی ۔

ان تفصیل مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ اخلاق کی تعلیم بھی پورے طور پر دیجاتی ہے ۔ جغرافیہ اور تاریخ میں ضروری اور ملکی اور اسلامی تاریخ اور معلومات کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے ۔ اور دستکاری میں ہر قسم کے کشیدہ جالیاں اور لیسیں بنانا شامل ہے ۔

لڑکیوں کے صنائع مکاتب

”صنائع مکتبی“ وہ مدرسے ہیں کہ جنہیں بجائے چھ سال کے سات سال میں اسیقدر تعلیم دیجاتی ہے جتنی کہ لڑکیوں کے رشدیہ مدارس کے نصاب میں درج ہے ۔ مگر اسمیں سینے پرونے کی دستکاریاں سکھلانے پر بہت وقت خرچ کیا جاتا ہے ۔ اور ہر قسم کے عمدہ سے عمدہ کپڑے کاٹنے اور سینے اور ان پر ریشم اور طلا کے کشیدے کاڑھنے کپڑے کے پھول بنانے ۔ جرابیں ۔ لیسیں بنانے ۔ گھر کے تمام انتظام کرنے ۔ اور طرح طرح کے کھانے اور مٹھائیاں تیار کرنے کے طریقے بڑے اہتمام سے سکھلائے جاتے ہیں ۔ سلائی کی مشینوں کا سمجھانا بیل بوٹوں کے نقشے اور کپڑوں کے فرمے وغیرہ سب نصاب میں شامل ہیں ۔ اور یہاں عملی کام بہت ہوتا ہے اسکے علاوہ لڑکیوں کی رات کے مدرسے الگ ہیں ۔ تاکہ جو لڑکیاں کسی وجہ سے دن کے مدرسہ میں تعلیم

نہ پا سکیں وہ رات کے مدرسوں میں داخل ہو جائیں۔ واضح رہے کہ دس سال تک کی لڑکیوں کو قانوناً پردہ کی پابندی نہیں ہے اسلئے مدرسوں کو ایسی لڑکیاں کھلے منہ جاتی ہیں۔ اسکے بعد البتہ مروجہ پردہ کے ساتھ جاتی ہیں۔

دار المعلمات

ان کے علاوہ ایک دار المعلمات ہے کہ جہاں لڑکیوں کے مدرسوں کے لئے استانیاں تیار کرنے کے واسطے تین سال کا کورس تعلیم مقرر کیا گیا ہے۔ یہاں باقی تو وہی سب مضامین سکھلائے جاتے ہیں جو مدارس ابتدائی اور رشدی کے نصاب میں داخل ہیں۔ لیکن طریقہ تعلیم اور موسیقی دو علیحدہ مضمون ہیں۔ موسیقی کے متعلق اسقدر بتلا دینا مناسب ہے۔ کہ اسکا تینوں سال ہفتہ میں صرف ایک سبق ہوتا ہے اور اسمیں بھی بالفعل صرف پیانو باجا بجانا سکھلایا جاتا ہے۔ سروں کے نوٹوں اور اصول کو یاد کرایا جاتا ہے۔ مگر یہ مضمون ابھی تک اختیاری ہے سنہ ۱۸۹۹ء میں اس مدرسہ میں (۵۶۰) لڑکیاں تعلیم پاتی تھیں۔ اور ابتدائے قیام سنہ ۱۲۸۹ھ سے لیکر سنہ ۱۳۱۵ھ تک (۳۴۸) استانیاں سند حاصل کر چکی تھیں۔ مہتمم مدرسہ حاجی حافظ خلوصی آفندی ہیں جو بڑے فاضل اور نامور مدرس ہیں۔ ان کے علاوہ حساب ہندسہ۔ عربی۔ فارسی۔ قرآن علوم دینی اور تعلیم خط کے چھ اور مدرس مرد ہیں۔ اور باقی انیس سند یافتہ استانیاں ہیں۔ علوم متنوعہ اور دستکاری کے اول معلم صدیقہ خانم ہیں۔ جنہیں دوم درجہ کا تمغہ شفقت سلطان المعظم کی طرف سے ملا ہوا ہے۔ اور تین اور استانیوں کو سوم درجہ کے تمغے ملے ہوئے ہیں۔ ان میں سے صرف تین عیسائی عورتیں ہیں۔ اور باقی سب مسلمان ہیں۔

شاعرہ مصنفہ و اخبار نویس ترک خاتونیں

جبکہ ایسی اچھی تعلیم ترک خاتونوں کو مل رہی ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے۔ کہ بہت جلد ترک خاتونیں بھی

اپنی یورپین بہنوں کی طرح مزید تعلیم سے پورے طور پر متحلی نہ ہو جائیں۔ نپولین نے ایک وقت کہا تھا کہ فرانس کی ماؤں کو لائق بناؤ تا کہ فرانسیسی قوم سب کی سب لائق ہو جائے۔ سلطان عبدالحمید خان نے اسکی بہت عمدہ تعمیل کی ہے۔ اور ترکوں میں اب لائق تعلیم یافتہ مصنف اور اخبار نویس عورتیں پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ چنانچہ احمد مدحت صاحب نے مجھے بتلایا تھا کہ اسوقت قسطنطنیہ میں کم از کم ۵۰ عورتیں شاعرہ۔ مصنف۔ اخبار نویس اور مضمون نگار اور فرانسیسی زبان میں ماہر ہیں۔ جنمیں چوٹی پر فاطمہ علیہ خانم بنت جودت پاشا مرحوم عالمہ۔ مصنفہ۔ شاعرہ فلسفی ہے۔ ایک اور لیلی نگار خانم نام شاعرہ اور مصنفہ بہت مشہور ہے۔ فاطمہ نعمت اللہ جو ابھی بیس اکیس سال سے بڑی نہیں ہے۔ مگر بڑی ہوشیار لکھنے والی ہے۔ مقبولہ لمعان ایک مشہور دیندار صوفیہ اور شیخہ تھی۔ جسکا انتقال ہو گیا ہے۔ شادیہ خانم یہاں نسوان کے اخبار خانملرہ مخصوص غزتہ کی ڈائرکٹرس ہے۔ یہ اخبار عورتوں اور بچوں کے لئے بڑی قابلیت سے نکالا جاتا ہے جو یورپ کے دیگر بلاد کے اسی مطلب کے اخبارات کے ہم پلہ ہے۔ ان میں سے بعض کو حضرت سلطان کی طرف سے چاندی سونے کے تمغے ملے ہوئے ہیں۔

ترک خاتونوں کے مخصوص نام

ترکی بی بیوں کے بہت سے نام تو عرب۔ مصر۔ ہندوستان اور افغانستان وغیرہ بلاد اسلامی کی عورتوں کے ناموں سے مشترک ہیں۔ لیکن بعض نام صرف ترکی سے مخصوص بھی ہیں۔ ترکی مدارس زنانہ کی طلبۃ العلم کے ایک دو سو ناموں کی فہرست سے ذیل کی فہرست زنانہ ناموں کی مرتب کی گئی ہے۔ اس میں شروع کے ناموں کے ساتھ جو عدد لکھے گئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نسبت سے یہ نام زیادہ ہر دلعزیز اور مستعمل ہیں اور باقی کمتر۔ مثلاً فاطمہ

سب سے زیادہ مستعمل نام ہے۔ اسکے بعد امینہ اور خیریہ وغیرہ۔ فہرست یہ ہے۔
فاطمہ (۱۰) امینہ (۷) خیریہ (۷) خدیجہ (۶) عائشہ (۶) زہرا (۴) عزیزہ (۴)
لطیفہ (۳) منیرہ (۳) سکینہ (۳) حسینہ (۲) نجیبہ (۲) سحر (۲) حمیدہ (۲)
شریفہ (۲) عادلہ (۲) فطانت (۲) علیہ (۲) نفیسہ (۲) ثروت (۲) محمدی خانم
(۲) فتوح خانم۔ رویدہ۔ فاطمہ نگار۔ نگینہ۔ فرزانہ۔ جمیلہ۔ الفت۔ نازک
مثال۔ زعفر۔ فاطمہ زہرا۔ نزیہہ۔ مائدہ۔ شاہندہ۔ افاقت۔ عدویہ عزیز
فاطمہ۔ سعدیہ۔ گل زمین۔ نارینہ۔ بیلدیز۔ عفیفہ۔ حسیبہ۔ امثال نور صبیحہ
حسن ملک۔ لبابہ۔ عفت۔ رفیقہ۔ عائشہ نظیرہ۔ موہبہ۔ کاملہ۔ قدریہ
ثانیہ۔ محبہ۔ مذینب۔ سلیمہ۔ لبیبہ۔ نکہت۔ عطیہ۔ صائمہ۔ شوکت۔ زینت
مقبول۔ فتحیہ۔ ماجدہ۔ سحر۔ احسان۔ عنایت۔ تک خانم۔ سامیہ۔ جمال
فخریہ۔ فکریہ۔ ہرمز۔ معادل۔ کلثوم۔ جمالیہ۔ زینہ۔ ہاجرہ۔ خالدہ۔ صفیہ
عائشہ سعیدہ۔ بزمیہ۔ مقدس۔ صابرہ۔ مبارہ۔ کبیرہ۔ زہرہ۔ شاذیہ
نادرہ۔ عفیفہ۔ نسیمہ۔ فائزہ۔ فخریہ۔ کاظمیہ۔ سعادت۔ پاکیزہ۔ شاذیہ
صدقیہ۔ مردانہ۔ فہیمہ۔

اخبار رسالے مطبعے کتابیں۔ زندہ مصنف اور کتب خانے

میں نے اقدام۔ صباح۔ معلومات۔ ثروت۔ ترجمان حقیقت وغیرہ یہاں کے
تمام بڑے بڑے روزانہ اخبارات کے دفاتر دیکھے۔ یہاں سب اخبارات کے
دفاتر میں ساتھ ساتھ اشاعت و فروخت کتب کا سلسلہ بھی موجود ہے۔ اور
معلوم ہوتا ہے۔ کہ اخبار کا کام ہندوستان کی نسبت بڑے سرمایہ سے کیا جاتا
ہے۔ کاغذ کے گودام چھاپنے کی مشینیں ٹائپ۔ اور ملازموں کی تعداد سب
اس امر کی شاہد ہیں۔ اخبارات کی شکل و صورت بھی بہت عمدہ ہے۔ عموماً

اخبارات اور پبلشنگ

دفتروں میں ایڈیٹر اس طرح کام کرتے دیکھے گئے کہ پانچ چار ایڈیٹر سب ایک بڑے کمرہ میں ایک بڑی میز کے گرد کام کے لئے بیٹھ جاتے ہیں۔ اور اخبار ختم کر لیتے ہیں۔ معلوم ہوا اس وقت اقدام سب سے زیادہ چھپنے والا ترکی اخبار ہے۔ اس سے پہلے صباح کی اشاعت زیادہ تھی۔ لیکن چونکہ اسکا مالک ارمنی ہے۔ آرمینین کے فساد کے بعد اسکی وہ بات نہیں رہی۔ ترکی کا مشہور قاموس الاعلام چھ جلدوں میں صباح ہی کے مطبع میں چھپا ہے۔ جو میں نے (۲۱۰) قرش کو خریدا۔ ترکی زبان میں غالباً یہی ایک سائیکلوپیڈیا جغرافیہ اور تذکرہ اور تاریخ کا ہے۔ دفتر اقدام سے دو بہت عمدہ کتابیں اصطلاحات العلوم عربی اور موضوعات العلوم دو جلد ترکی خریدیں۔ جب میں اول کتاب کی قیمت دے چکا تو احمد جودت صاحب مالک اقدام سے ملا۔ اور جب انہیں معلوم ہوا کہ میں نے قیمتاً کتاب خریدی تھی۔ تو انہوں نے افسوس کیا اور دوسری کتاب کی قیمت نہیں ادا کرنے دی۔ ترجمان حقیقت کے دفتر سے ایک بہت عمدہ کتاب بطور ہدیہ ملی جو اس اخبار نے ثروت فنون کے ساتھ ملکر بغرض امداد مصیبت زدگان کریٹ چھاپی تھی۔ اور جس میں ٹرکی کے تمام نامور اہل قلم نے ایک ایک مضمون مفت لکھا تھا۔ معلومات کے مالک طاہر بک صاحب کا مطبع سب سے بڑا تھا۔ اور

طاہر بک صاحب کا مطبع

یہاں سے علاوہ ترکی معلومات روزانہ۔ ترکی ثروت روزانہ ترکی معلومات ہفتہ وار۔ عربی معلومات ہفتہ میں دو بار اور ثروت فرانسیسی روزانہ دسب مع تصاویر شائع ہوتے تھے۔ ثروت فرانسیسی کا ایڈیٹر جو ترک تھا۔ بالکل یورپین معلوم ہوتا تھا۔ اور جب میں اسے ملا تو اسکی میز کے پاس کھڑکی میں ایک کتا پڑا سوتا تھا۔ مالک مطبع طاہر بک صاحب مجھے پہلی مرتبہ بے اعتنائی سے ملے۔ جسکا ذکر میں نے اپنے ایک میزبان

سے کیا۔ اسپر مجھے پھر ایک روز طاہر بک صاحب کے مطبع میں لیگیا۔ اور معلوم
نہیں طاہر بک کو کیا سمجھایا کہ اس دفعہ تو بہت خاطر مدارات سے پیش
آیا۔ اور خواہش سے کہا کہ میرے ترکی۔ فرانسیسی اور عربی اخبارات کے
محرر (ایڈیٹر) ساتھ کے کمرہ میں جمع ہیں۔ وہ تم سے معاملات ہندوستان
کی بابت کچھ انٹرویو کریں گے۔ انہیں جو ہو سکے بتاؤ۔ چنانچہ ان لوگوں
نے بعض سوالات نسبت تعلیم مسلمانان ہند و تجارت و زراعت و حرفت و
بواعث قحط و نسبت مصنفان زمانہ حال دریافت کیے۔ میں فارسی کا
جلال بک مترجم جرائد روسی اور انگریزی میں غالباً ایوب کو بتاتا جاتا تھا۔
رخصت ہونے کے وقت طاہر بک نے اپنے یہاں کے کئی مطبوعہ ترکی
ناول مجھے ہدیۃً دیئے۔ میں نے سنا تھا کہ سلطان المعظم کی طاہر بک پر بڑی
نظر لطف ہے۔ اور اُسے کئی تمغے بھی ملے ہوئے ہیں۔ لیکن ہندوستان
پہنچنے سے تھوڑا عرصہ بعد مصری اخبارات سے معلوم ہوا کہ کسی قصور پر
اُسکا مطبع ضبط کر لیا گیا۔ تمام اخبارات بند ہو گئے۔ اور خود بیچارہ طاہر
بھی نظر بند کر دیا گیا۔ طاہر بک کے مطبع کی با تصویر کتاب بترکات علی
ایسی خوبصورت اور خوشنما چھپی ہوئی ہے کہ یورپ کی بہترین کتابوں کے
مقابلہ میں پیش کیجا سکتی ہے۔

ترکی اخبارات کے ماخذ

میںنے دیکھا کہ یہاں کے اخبارات زیادہ تر فرانسیسی اور جرمنی
زبانوں کے اخبارات کے ترجمے چھاپا کرتے ہیں
اور روسی بلگیرین اور یونانی زبانوں کے اخبارات سے بھی اقتباس کرتے
ہیں۔ اور اخبارات کے ایڈیٹر اور مترجم یہ سب زبانیں جانتے ہیں۔ لیکن
ان کے درمیان میںنے کوئی انگریزی جاننے والا شخص نہ دیکھا۔ آخر ترجمان
حقیقت کے آفس میں مجھے ایک ترک ایڈیٹر ملا جو انگریزی بھی خوب
بولتا تھا۔ میںنے پوچھا کہ تم نے انگریزی کس طرح سیکھی۔ تو اُسنے بتایا کہ میں

میں میری گورنس ایک انگریز عورت تھی۔ اور اسکے بعد بھی میںنے اس زبان کو سیکھا ہے۔ میںنے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے۔ میںنے کسی ترکی اخبار کے دفتر میں کوئی انگریزی اخبار نہیں دیکھا۔ حالانکہ انگریزی اخبارات مثل لنڈن ٹائمز۔ ڈیلی میل اور ٹیلیگراف وغیرہ کے فرانسیسی اخبارات تان اور فگارو وغیرہ سے زیادہ صرف اور محنت سے تیار کئے جاتے ہیں اور ان سے اعلےٰ پایہ رکھتے ہیں۔ ترک اڈیٹر نے جواب دیا کہ ہم انگریزی اخبارات کو پسند نہیں کرتے۔ ان میں بڑا "ٹھینگا" (فضول) درج ہوتا ہے۔ میںنے اُسے قایل کرنا چاہا۔ مگر اُسنے ایک نہ سنی۔ بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک تو فرانسیسی زبان کا وہاں زیادہ دخل ہے اور دوسرا چونکہ انگریزی پالیسی کچھ مدت سے ٹرکی کے مخالف ہے اسلئے انگریزی اخبارات کو وہاں ناپسند کیا جاتا ہے۔

بعض پابندیاں جہاں ترک اخبار نویسوں کو یہ آزادی حاصل ہے کہ اخبار کے اڈیٹر سرکار کے ہر قسم کے ملازمتوں پر بھی ممتاز ہیں۔ اور بطور اعزازی کے اخبارات کے دفاتر میں بھی کام کرتے ہیں۔ وہاں ان کے لئے یہ پابندی سخت ہے۔ کہ کوئی اخبار نویس کسی غیر سلطنت میں نہیں جا سکتا ورنہ اس سے سخت بازپرس کیجاتی ہے۔ حالانکہ اخبار نویسوں کو ہی سب لوگوں سے زیادہ ممالک غیر کی سیاحت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسکے سوائے ترکی اخبارات کے سنسر کے فرائض کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ کسی دوسری سلطنت کے بادشاہ یا حکومت کی تعریف یہاں کے اخبارات میں درج کرنے کی اجازت نہیں۔ غیروں کی نکتہ چینی سے بھی یہاں تک احتراز کیا جاتا ہے۔ کہ واقعات کا ذکر تک نہیں کیا جاتا۔ مثلاً جب قیصر جرمنی نے اپنی افواج چین کو بھیجتے ہوئے چینیوں کی جنگلی کے متعلق تقریر کی تھی تو تمام یورپ کے اخبارات نے اسپر لے دے کی

ترکی اخبارات نے بالکل اس قضیہ کا ذکر تک نہیں کیا کہ جیسے کوئی پر
تحریر کیسی پابندی کی گئی تھی۔ ہمبرٹ شاہ اٹلی جب قاتل سے مارا
گیا تو ترکی اخبارات صرف اس قدر لکھ سکے کہ شاہ اٹلی نے انتقال
کیا۔ وقس علیٰ ہذا۔

ہفتہ وار و ماہوار پرچے

علاوہ اخبارات روزانہ کے قسطنطنیہ میں کئی ایک ہفتہ وار اور
ماہوار رسالے بھی طبع ہوتے ہیں۔ مسجد بایزید کے متصل جو
کتب فروشان سے ایک روز یعنے ترقی۔ ارتقا۔ ثروت فنون۔ معتمد
ادب۔ خانسلرہ مخصوص غزتہ اور چوجک لرہ مخصوص غزتہ کے پرچے خریدے
ان رسالوں میں اچھے اچھے لکھنے والے مضامین نظم و نثر لکھا کرتے ہیں جو
ترکی لٹریچر کے عمدہ نمونے سمجھے جاتے ہیں۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں شہر قسطنطنیہ میں کل
(۳۰۶) اخبار اور رسالے شائع ہوتے تھے

سرکاری اخبارات

علاوہ پایۂ تخت کے اخبارات کے کہ جنہیں جنگی گزٹ
کی طرح بعض رسمی یعنے سرکاری پرچے ہی ہیں متعلقات کے ہر ضلع سے ایک
رسمی اخبار شائع ہوتا ہے۔ مثلاً بیروت کے اخبار کا نام بیروت ہے اور
دمشق کے اخبار کا نام شام ہے۔ اور ان کا ایڈیٹر سرکاری ملازم ہوتا ہے۔
ان میں علاوہ بعض سرکاری اعلانات اور نرخ اجناس وغیرہ سرکاری خبروں
کے عام خبریں بھی چھپتی ہیں اور ان اضلاع کی رعایا انہیں بطور اخبارات
خریدتی اور پڑھتی ہے

ترکی ٹائپ

ترکی اخبارات کا ٹائپ بہت خوبصورت خط نسخ کا ہوتا ہے
جو استانبولی ٹائپ کے نام سے مشہور ہے۔ معلوم ہوا کہ اس ٹائپ کے خرید
کر ملک سے باہر لیجانے کی اجازت نہیں۔ صرف اس شک پر سے
کہ ترکی رعایا ممالک غیر میں جا کر حکومت عثمانی کے خلاف اخبارات نہ شائع
کرے۔ ترکی ٹائپ کے کیس میں حروف کے (۳۰۵) خانے ہوتے ہیں

میں شمار کئے جاتے ہیں اس ٹائپ کا موجد ایک مطبع ترکی پبلشر ضیا بک ہے جنہیں سے سلطنت کے کسی ناراضگی کی وجہ سے مطبع ضبط ہو جانے کے بعد قید و دیگر فوبیہ میں بھلا دیا گیا تھا۔ مطبع ضیا بک کی جنتریاں یورپ کی بہترین جنتریوں کے مقابلہ کی ہیں۔

غیر ملکوں کے اخبارات کا مطالعہ

چونکہ یہاں کے اخبارات آزاد نہیں ہیں اسلئے قدرتاً جو ترک کوئی غیر زبان سوائے ترکی کے جانتے ہیں وہ غیر زبانوں کے اخبارات پڑھنے کے شائق رہتے ہیں۔ اسلئے بہت سے فرانسیسی، اطالی، انگریزی، جرمنی اور یونانی وغیرہ زبانوں کے اخبارات غیر ممالک سے آکر شہر میں بکتے ہیں۔ اور شاید ترکی حکام ان اخبارات کی درآمد بند کر دیتے لیکن غیر ممالک کے ڈاکخانوں اور قنصل خانوں کے ذریعہ سے یہ اخبارات ہر وقت ملک کے اندر آتے رہتے ہیں۔ حدود مملکت کے اندر بھی سوائے ترکی کے فرانسیسی، یونانی، آرمنی، بلغاری وغیرہ کئی زبانوں کے اخبارات چھپتے ہیں۔ مگر ان کی کافی نگرانی کی جاتی ہے۔

پریس پر چنگی ٹیکس

سلطان المعظم کے جشن حکومت بست و پنجسالہ کی تقریب پر ترکی زبان کے اخبارات تو دو پارہ کا ٹکٹ ہر پرچہ پر لگا کر چھاپنے سے معاف کئے گئے ہیں۔ لیکن دوسری زبانوں کے اخبارات پر ابھی یہ ٹکٹ لگتا ہے۔ مگر یہ اخبارات تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ ہر اشتہار اور ہر کاغذ کے پرزہ پر جو شائع کیا جاوے یا کہیں آویزاں یا چسپاں کیا جاوے یہ ٹکٹ لگانا ضروری ہے۔ مثلاً کسی دوکان پر صرف اسقدر لکھ کر کاغذ چسپاں کیا جائے کہ "دوکان خالی ہے"۔ تو اس پر بھی یہ ٹکٹ ہوگا۔ یا ریل کا ٹائم ٹیبل ہو یا کسی حکیم کا ... اللہم کا اشتہار ہو۔ غرض ہر پرچہ پر ٹکٹ لگانا لازمی ہے۔ ایک زمانہ میں انگلستان کے اخبارات پر بھی ایسا ہی ٹیکس قائم تھا مگر جب وہ معاف کیا گیا تو اخباروں کو بڑی ترقی ہوئی۔ اسلئے آج ا

قسم کا کمس انگلستان کے اخبارات پر ہوتا - تو حالت موجودہ سے نصف یا چہارم لٹریچر بھی وہاں سے شائع نہ ہوتا - مگر میں پھر لکھنے پر مجبور ہوں کہ ٹرکی بوجہ اپنی مختلف الاقسام رعایا کے ایسی پابندیوں کے لئے مجبور اور ایک حد تک حق بجانب ہے -

شاہ ایران کی سیاحت استنبول

جب میں پیرس میں تھا تو شاہ مظفر الدین شاہ ایران مرحوم بھی پیرس میں تھے - لیکن جب میں انگلستان کو گیا تو شاہ کجکلاہ ایکس اشاپل کے چشموں پر پانی کا علاج کراتے رہے - اور میرے قسطنطنیہ کے دوران قیام میں وہ بطور سلطان المعظم کے محترم مہمان کے یہاں تشریف لائے لیکن بخلاف پیرس کے یہاں ان کی خاطر و مدارات کی کوئی انتہا نہ تھی - اور قطع نظر سلطنت کی طرف سے پرتکلف میزبانی ہونے کے اہل شہر شاہ کجکلاہ کی زیارت کے بیحد شائق تھے - ۔ ستمبر کی صبح کو ہم لوگ سویرے ہی گاڑی لیکر سٹیشن پر پہنچے - تو معلوم ہوا کہ شاہ معظم کو اگلے سٹیشن پر اترنا ہے جو حوالی شہر میں ایک موضع اور ریلوے سٹیشن ہے - ہزاروں تماشائی معمولی سٹیشن کو جا رہے تھے - ہم نے بھی ٹکٹ لیا اور گاڑی میں سوار ہو گئے ہر چند کہ گاڑی میں جگہ کی تنگی تھی اور ہمارے کمپارٹمنٹ میں بھی کئی لوگ آ گئے - لیکن دس کی مقررہ تعداد سے ایک شخص بھی زیادہ گاڑی میں نہ بیٹھا جو اس وقت بھی بیٹھے تو لوگوں سے یہ کہہ جن لوگوں نے یورپین ٹوپی پہنی ہوئی تھی - جب وہ گھسنے کی کوشش کرتے تو ان کے برابر تو یہ تہذیبی سے نہیں البتہ ان کے چلے جانے کے بعد ان پر ایک قہقہہ لگایا جاتا - جس سے میں سمجھا تھا کہ ٹرکی میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق اس قدر ابھی موجود ہے - غرض سٹیشن پہنچے تو وہاں بہت بڑا ہجوم تماشائیوں کا تھا - تھوڑی دیر بعد حضرت شاہ کی گاڑی بھی آئی - فوج اور پولیس کا انتظام حفاظت مبالغہ سے کیا گیا تھا - ریل کی لائن پر میلوں تک دونوں طرف کچھ کچھ فاصلہ پر سوار تعینات کئے گئے تھے جہاں

شاہ گاڑی میں بیٹھکر سٹیشن کو روانہ ہوئے کہ جسکے ذریعہ سے وہ قصر یلدز کو جانیوالے تھے۔ سٹیشن کی ایک قطار بیرقوں اور جھنڈوں سے آراستہ کھڑی تھی۔ اور ان میں فوجی باجہ بج رہا تھا۔ اسوقت سینکڑوں ایرانی جو استقبال کے لئے یہاں آئے تھے۔ بیحد خوش نظر آتے تھے۔ شہر میں بھی ایرانیوں نے اپنی دکانوں اور مکانوں کو خوب سجا رکھا تھا۔ دوسرے۔ شہر کے بازاروں میں سے جس جسطرف سے شاہ مظفر الدین گذرے ان کی حفاظت کا بڑا اہتمام کیا گیا تھا۔ جا بجا فوج متعین تھی۔ میں اسوقت معلومات کے دفتر میں تھا۔ کہ حضرت شاہ کی سواری

شاہ اور ترکی اخبارات

سفارت ایران کو جاتی ہوئی ادھر سے گذری۔ شاہ کا رنگ صاف اور موچھیں بہت لمبی تھیں۔ تین ترک افسر آپ کے ہمراہ گاڑی میں بیٹھے تھے۔ اور ساتھ بہت سی گاڑیوں میں ایرانی اور ترک افسر جلوس میں تھے۔ ترکی اخبارات اس روز اور اس سے پہلے روز تمام شاہ مظفر الدین کے حالات اور تصویر اور عام ایران کی تاریخ و جغرافیہ اور فارسی اشعار تبریک سے لبریز تھے۔ میں نے طاہر بے صاحب مالک معلومات کو کہا کہ میری طرف سے بھی یہ دعائیہ شعر چھاپ دیجئے۔ ؎

اقلیم پارس را غم از آسیب دہر نیست
تا بر سرش بود چو توئی سایۂ خدا

انہوں نے مجھے کہا کہ اسکے ساتھ چند سطر فارسی میں لکھ دو۔ جب میں یہ سطر لکھنے لگا تو مجھے خیال آیا کہ اگر میں انگلستان یا ہندوستان کے کسی اخبار میں اسوقت شاہ کجکلاہ کے متعلق لکھتا تو انہیں صلاح دیتا کہ سیاحت یورپ سے کچھ علمی فائدہ اپنے ملک کو پہنچائیں۔ نہ کہ اپنے پدر بزرگوار کی طرح اپنی ذات تک ہی اسکے فوائد محدود رکھیں۔ لیکن جبکہ شاہ سلطان المعظم کے مہمان خاص ہیں تو ترکی اخبارات ان کی نسبت کوئی ایسی بات چھاپ نہیں سکتے بلکہ دنیا کے کسی بادشاہ کی نسبت کوئی ایسی تحریر چھاپنا سوء ادب سمجھتے ہیں۔ جو ان کے

قانون پریس کی نظر میں گستاخی پر محتمل ہوتی ہے۔

کتابوں کی اشاعت

گو دولت عثمانیہ میں پریس کو آزادی حاصل نہیں۔ لیکن پریس کو خاصی ترقی حاصل ہے۔ پایۂ تخت میں علاوہ اخبارات کے (۸۹) مطابع جاری ہیں۔ جنہیں علاوہ ترکی زبان کی بہت سی یورپین اور خصوصاً یونانی۔ عبرانی ارمنی اور بلگیرین زبانوں کی کتابیں ٹائپ اور پتھر پر چھپتی رہتی ہیں۔ مگر کتب کے چھپنے سے پہلے صیغہ تعمیر کے محکمہ تفتیش و معاینہ کتب سے ان کے چھاپنے کی اجازت حاصل کرنی پڑتی ہے۔ اس محکمہ میں کتاب کے تمام مضامین کے مطالعہ کے بعد جو مضامین یا الفاظ چھاپنے کے لائق نہیں سمجھے جاتے وہ کاٹ دیئے جاتے ہیں اور باقی کتاب چھاپنے کی اجازت دیجاتی ہے۔ اس محکمہ کے نظامنامہ میں درج ہے۔ کہ ممالک محروسہ شاہانہ میں طبع ہونے والے تمام کتب دینی اور رسائل اخلاقی متنوعہ فنیہ ادبیہ اور سیاسیہ اور رسائل موقتہ مع نقشہ و تصاویر و الواح و میڈل۔ وارث اور ممالک محروسہ میں داخل ہونے والی مطبوعات اجنبیہ کے خوفناک اندراجات کی نگرانی کے لئے یہ محکمہ قائم ہے۔

علوم مفیدہ کی کتابیں

ترکی علوم مفیدہ اور یورپین سائنس و لٹریچر کے ترجمے یورپ کی مختلف زبانوں سے بکثرت کرکے چھاپ رہے ہیں۔ فرانسیسی جرمنی روسی۔ یونانی اور انگریزی زبانوں کی کتابوں کے ترجمے بہت ہو چکے ہیں۔ مگر ان میں سے پہلی دو زبانوں کی کتابیں زیادہ ترجمہ کی گئی ہیں۔ خصوصاً جنگی اور فوجی علوم کی کتابیں نسبتاً بہت زیادہ چھاپی گئی ہیں۔ احمد مدحت صاحب نے مجھے عزت آفندی مہتمم کتب خانہ کے نام ایک رقعہ اس مطلب کا دیا تھا۔ کہ دار الشفقہ عسکری اور دیگر مدرسہ کی کس قدر کتابیں عثمانی زبان میں چھپی ہیں۔ افسوس ہے۔ کہ میں ان سے دریافت نہ کر سکا۔ مگر عام خیال یہ تھا کہ پانچ ہزار سے زیادہ ایسی جدید کتابیں ترجمہ ہو کر چھپ چکی ہیں۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اسوقت کوئی علم اور فن ایسا نہیں کہ جسکی کتابیں یورپ کے کسی زبان میں ہوں اور ترکوں نے

ان کا ترجمہ یا خلاصہ نہ چھاپ لیا ہو۔ اسکے ساتھ ہی عربی اور فارسی کتابوں کے ترجمے اور خلاصے بھی شایع ہوتے جاتے ہیں۔ اور دن بدن لوگوں کی توجہ تصنیف و تالیف کی طرف بڑھ رہی ہے۔ سنہ ہجری کے سررشتہ تعلیم کی رپورٹ میں قریب دو ہزار کے ایک سال میں شایع ہونیوالی کتابوں کی فہرست اسکا درج ہے۔

واضح رہے۔ کہ یہاں کی کتابیں ہندوستان کی کتابوں سے اچھے کاغذ چھپائی اور جلد بندی کی ہوتی ہیں۔

زمانہ حال کے ترک مصنف اور اہل قلم

عربی اور فارسی کی طرح ترکی نظم کا ذخیرہ بھی کم دلچسپ موجود نہیں۔ جیساکہ ایک ترک پاشا کی مرتب کردہ ضخیم کتاب "خرابات" سے ظاہر ہے۔ کہ جسمیں عربی اور فارسی شعرا کے پہلو بہ پہلو سینکڑوں ترکی شعرا کے کلام کا بھی انتخاب درج کیا گیا ہے۔ ایسے ہی ترکی نثر کا بھی بہت بڑا ذخیرہ زمانہ قدیم اور اوسط کا موجود ہے۔ لیکن یہاں میری توجہ صرف زمانہ حال کے زندہ ترک مصنفین اور اہل قلم کی طرف ہے۔ چنانچہ قسطنطنیہ میں میں نے ایک فہرست زندہ ترک مصنفین کی احمد مدحت آفندی صاحب اور بعض دیگر مصنفین کی مدد سے تیار کی کہ جنہیں سے نوجوان مصنف واخبار نویس ترکی شہلی زادہ خالد ابیہ نے سب سے زیادہ مدد دی تھی۔ چنانچہ اس فہرست میں مصنفین کے نام معہ ان کے مقدار تصنیف اور ان کی یورپین زبانوں کی واقفیت کی کیفیت لکھے درج ہیں۔ اس سے ناظرین اندازہ کرسکتے ہیں کہ اسوقت بھی بہت سے مستعد ترک اہل علم تصنیف و تالیف کے میدان میں تگ و دو میں مصروف ہیں۔

احمد مدحت آفندی۔ سرآمد ترک مصنفین زمانہ حال نے تاریخ، فلسفہ دینیات اور خصوصاً عیسائیوں کے رد میں ایک سو سے زیادہ کتابیں تصنیف و تالیف کی ہیں۔ چند زبانوں میں فارسی اور فرانسیسی بول سکتے ہیں۔ عربی میں

بہی بات چیت کر سکتے ہیں۔ دیگر عربی کو غیر زبان نہ سمجھکر یہاں شمار نہیں کیا گیا) حفظ حفظان صحت کے افسر اعلیٰ ہیں۔ عمرہ ۵ سال (چونکہ یہ فہرست ۱۸۹۵ء میں مرتب کی گئی تھی۔ اسلئے تعداد تصانیف اور عمر سب اسی زمانہ تک اندازہ کیگئی ہے)

انہوں نے اپنی تصنیفات سے مجھے یہ کتابیں ہدیہ دی تھیں۔ جولان۔ مداخر ۳ جلد۔ نزاع علم و دین۔ ا جلد۔ بشایر ۲ جلد۔ بشیر فواد۔ استبشار۔ بن تمم فاطمہ علیہ فائز۔ [1]

محمود اسعد آفندی:۔ تاریخ اسلام۔ قوانین ملکی۔ علوم طبعی۔ فقہ۔ علم کلام میں بیس سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ انگریزی۔ فرانسیسی۔ جرمنی۔ اور اٹالی زبانوں میں بات چیت کر سکتے ہیں۔ وزارت مالیہ میں عہدہ۔ حقوق مشاور۔ دستیر قانونی اور دارالفنون اور ملکیہ اور حقوق مکتبوں میں پروفیسر ہیں۔ عمرہ ۵ سال۔ انہوں نے بہی اپنی متعدد تصنیفات مجھے دیں۔

صالح ذکی بک۔ ریاضی۔ علوم طبعیات پر کتابیں اور قاموس ریاضیات تصنیف کی ہیں۔ رصدخانہ میں مدیر۔ اور ملکیہ مکتب اور دارالفنون میں معلم۔ فرانسیسی بولتے ہیں۔ عمر تیس سال۔

شمس الدین سامی بک:۔ قاموس اور لغات کی قسم کی کئی ضخیم کتابیں مرتب کی ہیں۔ جنمیں قاموس الاعلام چھ جلد بہت عمدہ سائیکلوپیڈیا ہے۔ اس کی وسعت معلومات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ابراہیم کے نام کے حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے لیکر زمانہ حال کے ابراہیم پاشا تک قریبا پانچسو آدمیوں کے حالات درج کئے ہیں۔ ترکی سے فرانسیسی اور فرانسیسی سے ترکی میں علیحدہ لغتیں لکھی ہیں۔ اور عربی سے ترکی میں۔ اور سب سے آخر قاموس ترکی مکمل لکھی ہے تفتیش عسکری کمیشن میں باشی کاتب۔ فرانسیسی بولتے ہیں۔ عمر ۵۰ سال۔

---

[1] چنانچہ اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی کارخانہ پیسہ اخبار میں شائع ہو گیا ہے۔ جس میں زمانہ حال کی سب سے نامور ترک خاتونوں کے حالات درج ہیں۔ اور فاطمہ علیہ احمد مدحت آفندی کے شاگرد بھی ہیں

خالد ضیا بک ادبا سے ہیں۔ متعدد اخلاقی فسانے تصنیف اور ترجمہ کئے۔ ادارہ رژی میں تحریرات ترکی کے مدیر ہیں۔ فرانسیسی انگریزی اور جرمنی جانتے ہیں۔ عمر پچیس سال۔

موسیٰ کاظم آفندی:۔ علم کلام پر مضامین لکھے ہیں۔ مدرس ہیں۔ عمر ۴۵ سال

ان کے علاوہ اکرم بک (استاد) محمد جلال بک (شاعر) مخلی زادہ طاہر بک مصطفیٰ رشید بک اور خلیل ادیب بک مشہور ادبا میں شمار ہوتے ہیں۔

شعرا توفیق فکرت بک۔ ثروت فنون کے ایڈیٹر۔ ہر ہفتہ اخبار میں ایک نظم لکھتے ہیں۔ ان کے رباب شکستہ نامی ناول اور نیچرل مضامین مشہور ہیں۔

عصمت بے:۔ بہت سی نیچرل اور غزل کے پیرایہ میں نظمیں کہیں۔ بالفعل رسالہ مصور ترقی کے ایڈیٹر ہیں۔ جنگ روم و یونان پر دیباچۂ ظفر نامی کتاب تصنیف کی۔

فائق اسعد۔ غزل اور ہر قسم کی نظم بھی لکھتے ہیں۔

مختار بک:۔ مدرسہ عسکریہ کے سکرٹری ہیں۔ مدائح خوب لکھتے ہیں۔

جناب شہاب الدین:۔ ثروت فنون کے لئے نظم لکھتے ہیں۔

شیخ وصفی آفندی:۔ تصوف کے رنگ میں شعر کہتے ہیں۔ کئی تصانیف میں ایک جذبات نامہ مشہور ہے۔

نادر بے ابن کمال (اصلی نام اکرم بے ہے) ان کا باپ ترکی لٹریچر کا ریفارمر اور مشہور ترکی مصنف تھا۔ خود بھی اہل کمال ہیں۔

ایڈیٹران اخبارات

توفیق بے سلانیک لی۔ ترجمان حقیقت کے چیف ایڈیٹر اور جنگی سرکاری گزٹ کے ایڈیٹر بڑے لائق شخص ہیں۔ اور پچیس سال سے اس خدمت پر مامور ہیں۔ عمر بیالیس سال۔ ساٹھ کتابیں ترجمہ اور تالیف کیں۔ جنہیں سے ایک سرسری یہودی مشہور ہے۔ اور بارہ جلدیں

تاریخ پر ہیں۔
حسین جاہد بے :- ایڈیٹر ثروت فنون۔ خوب لکھتے ہیں۔ نوجوان عمر میں۔ لٹریچر پر بعض کتب کے مصنف ہیں۔
خالد ایوب بے :- نوجوان آدمی ہیں۔ دس ناولوں کے مصنف جنہیں ایک اسلام غوغا ہے۔ اور گوریلا بچوندہ دیکھنے راہبوں کے ماہیں) جیالوجی پر ایک کتاب تمّا شا" کے نام سے لکھی ہے۔ اخبار ثروت کے ایڈیٹر۔ اور حقوق شاورے کے دفتر میں اہلکار ہیں۔
عبد اللہ زہدی بک - صبح کے چیف ایڈیٹر۔ فسانے لکھتے ہیں۔
شناسی :- ایڈیٹر اقدام۔ مشہور شناسی کے صاحبزادہ ہیں جو کمال بے کی طرح ترکی لٹریچر کے ریفارمر گذرے ہیں۔
مصطفےٰ رفیق بے - ترجمان حقیقت کے ایڈیٹر مدحت آفندی کے بھتیجے ہیں۔ انگریزی فرانسیسی اور جرمنی خوب جانتے ہیں۔
محمد خالد بک :- ایڈیٹر صباح۔ فرانسیسی جانتے ہیں۔
احمد راسم بک - نہایت مشہور ایڈیٹر معلومات و ثروت۔
لطیف سروری بے - ایڈیٹر معلومات و ثروت۔ فارسی بھی جانتے ہیں قابل آدمی ہیں۔
علی کمال بے :- بہت اچھا لکھنے والے ہیں (ان دنوں بغرض تعلیم قانون پیرس میں گئے)
احمد جودت بک - مالک اخبار اقدام۔ فرنچ و جرمن جانتے ہیں۔ خوب لکھتے ہیں۔ محکمہ پولیس کے عہدہ دار بھی ہیں۔
محمد جودت بک :- مالک و ایڈیٹر ترجمان حقیقت۔ سوسائٹی کے ایک حصہ کے مدیر بھی ہیں۔

ولد چلبی - مولوی (معتقدین مولانا روم سے) ہیں۔ ترکی	متفرق اہل علم

لکھے ہیں۔
نجیب عاصم مشہور مستشرق ہیں۔ ترکی زبان کی فلالوجی کے ماہر ہیں۔ فرانسیسی کو بھی جانتے ہیں۔
عبدالرحمن بے شرف ۔ مدیر کتب سلطانی۔ تاریخ و جغرافیہ پر کتابیں لکھی ہیں۔
ابو ضیا توفیق ۔ مصنف ہیں۔
علی نظیم بیک ۔ بیانو و فن تعلیم کے ماہر ہیں کئی کتابیں لکھیں اور ترجمہ کی ہیں۔
خواجہ حسین آفندی ۔ مترجم و شارح رسالہ الحمیدیہ۔
ذہنی آفندی ۔ حکایت نویس اور معلم۔

مصنفہ بیگمات فاطمہ علیہ خانم۔ زمانہ حال میں سب سے عالم ترک خاتون ہیں ان کے استاد مدحت آفندی صاحب نے ان کے حالات تعلیم و زندگی پر ایک رسالہ تصنیف کیا تھا۔ جو کارخانہ پیسہ اخبار میں ترکی سے اردو میں ترجمہ ہو کر چھپ چکا ہے۔ یہ فرانسیسی زبان اور علوم جدیدہ میں بخوبی ماہر ہیں۔ اور ترکی بیگمات پر جو اعتراض یورپین اخبار نویسوں نے کئے ہیں۔ ان کی انہوں نے خوب تردید کی ہے۔ باقی مصنف اور اہل علم بیگمات کے نام کسی دوسری جگہ درج ہیں۔

مطبع عثمانیہ : باب عالی کی طرف سے صرف ایک مطبع عثمانیہ کو اجازت ہے کہ وہ قرآن مجید صحت سے چھاپے اور بیع کرے۔ دفعہ سلطنت عثمانی کے اندر اور کسی مطبع کو قرآن چھاپنے کی اجازت نہیں۔ وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ روس نے ایک دفعہ ایسا قرآن جب چھاپا تھا۔ کہ جس میں جہاد کے متعلق تمام آیات خارج کر دی تھیں۔ سوائے اسکے کئی عیسائی شخصوں کے مطابع سے قرآن مجید کے چھاپنے میں خیانت کا اندیشہ ہے۔ اور یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں۔ اگر سلطنت صرف ایک مطبع کو یہ اجارہ دیکھے جہاں تک سنا ہے۔ سلطنت برطانیہ کے اندر انجیلیں اور بائیبلیں چھاپنے کا حق صرف آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کو حاصل ہے۔ غرض اگر اسمدو میں جو دو

سلطنت کوئی قرآن ایسا مل جائے کہ جس پر مطبع عثمانیہ کی مہر نہ ہو تو اسے پولیس
ضبط کر لیتی ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ اس مطبع سے قرآن مجید بہت صحت
اور خوبصورتی سے شائع ہوتے ہیں۔ میں نے بھی روانگی کے وقت یہاں سے
تین کلام اللہ خرید کئے تھے۔ ایک سجاوندی مطلا مصحف ۸۰ غرش (۱۰ روپیہ)
کو۔ دوسرا آیت بر کنار مشہور خطاط عثمان کے قرآن کی نقل بذریعہ عکس ۱۴
غرش۔ اور تیسرا شکر زادہ مشہور کاتب کا ۱۵ غرش کو۔

شرکت صحافیہ ایک اور نامور مطبع شرکت صحافیہ ایرانیہ کے نام سے والدہ خان
کے اندر واقع ہے۔ اسمیں شرائع اسلامیہ پر اور خصوصاً عربی فارسی کی ٹکسالی
بڑی کتابیں طبع ہوتی ہیں۔ یہ مطبع ایرانیوں کے مشترکہ سرمایہ سے معقول
پیمانہ پر جاری ہے۔

کتب فروش گو شرقی زبانوں کی کتابیں شہر استنبول میں کئی جگہ بکتی ہیں
مگر دو بازار ان کے لئے مخصوص ہیں۔ چارشو کبیر سے قریب جو بازار صحافہ ہے
وہاں ایک تاجر کتب ابن ہاشم الکتبی بجوار جامع بایزید سے میں نے کچھ کتابیں لیں
اس نے حافظ عبدالرحمن صاحب سیاح امرتسری اور شیخ نورالدین صاحب شاہ
کتب مصریہ کانپور کے خطوط مجھے دکھلائے کہ وہ بھی اس سے کتابیں خریدتے
ہیں۔ اور بتلایا کہ میرے ایک بھائی عمر ہاشم الکتبی کی دوکان کتب مصر میں جامع
ازہر کے جوار میں ہے۔ اور دوسرے محمد ہاشم الکتبی کی شام میں بجوار جامع اموی
ہے۔ اسی سے معلوم ہوا کہ جو کتابیں ممالک مصر و شام سے استنبول میں آتی
ہیں ان پر آٹھ فیصدی محصول چونگی لیا جاتا ہے۔ اور جو یہاں سے مصر یا بلد
کو جاتی ہیں۔ ان پر بھی ایک فیصدی محصول لیا جاتا ہے۔
غلاطہ و پیرا کی طرف جو یورپین حصہ شہر کا ہے۔ اسمیں ہر قسم کی یورپین
کتابیں بکتی ہیں۔ چنانچہ ایک دوکان کا پتہ یہ ہے Lorenkz & Keez
054, Grand Rue Pera, Constantnople,

اسی طرح زرد گرات ایک کارخانہ Abdullah Freres, 452 Grand
سے ملتے ہیں۔ Rue Peru. Constantinople.

قلمی کتب خانے

دنیا کے اسلامی شہروں میں شاید قسطنطنیہ ہی ایک ایسا شہر ہے کہ جس میں سنتالیس کتب خانے قلمی کتابوں کے اس وقت موجود ہیں۔ ان میں سے بعض ہر چند کہ بلحاظ تعداد کتب کے بہت ہی چھوٹے ہیں۔ جیسے کہ کتب خانہ امیر خواجہ کمانکش (۱۳۰ کتب) کتب خانہ حکیم اوغلی جامع شریفی (۱۹۰ کتب) الحاج مصطفےٰ افندی (۲۶۰ کتب) بشیر آغا (۲۰۰ کتب) لیکن بعض میں بڑے بڑے ذخیرے بھی ہیں مثل کتب خانہ جامع آیا صوفیہ (۵۳۰۰ کتب) لالہ لی (۳۸۴۴) عاطف افندی (۲۸۵۰) کتب خانہ عمومی بجوار جامع بایزید (۸۰۵۳) ولی الدین افندی (۴۴۸۳) عاشر افندی (۲۲۶۴) کوپریلی زادہ محمد پاشا (۱۳۱۱) اسعد افندی نقیب الاشراف (۳۴۹۳) کتب خانہ تیمیہ (۲۲۵۲) نور عثمانیہ (۵۰۳۰ کتب) کتب خانہ فاتح (۳۰۰۳ کتب) وغیرہ ظاہراً آٹھ ہزار یا پانچ ہزار یا تین یا دو ہزار کتابیں جو ان میں بڑے سے بڑے کتب خانوں میں ہیں وہ بمقابلہ یورپ کے بڑے بڑے کتب خانوں کے بہت حقیر معلوم ہوتے ہیں کہ جنمیں لاکھوں جلدوں کی تعداد موجود ہے۔ لیکن یورپ کے کتب خانوں میں بھی ایسی قلمی خوشخط قدیم نایاب کتابیں اس قدر نہیں ہوں گی کہ جتنی قسطنطنیہ کے کتب خانوں میں باوجود زمانہ حال کے بے ترتیبی اور بے سر و سامانی کے موجود ہیں۔ کیونکہ ان کل کتب خانوں کی مجموعی تعداد اکثر ہزار سے متجاوز ہے۔ لیکن ان کتابوں کی قدامت کمیابی خوشخطی اور صحت کے مقابلہ میں ان کی یہ تعداد بہت بڑی ہے۔ ان میں بہت سی بے نظیر عدیم المثال نسخے قدیم عربی کتب تاریخ فلسفہ ادب ریاضی طب حکمت تصوف تفسیر و حدیث اور فقہ و علوم و فنون کے ایسے ہیں۔ کہ جنکے دوسرے نسخے نہیں موجود ہیں اس سے قدیم ترکوں کے علم دوستی اور کتابوں کی محبت کا پتہ ملتا ہے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ آج کل ایسے بے بہا جواہر کی طرف لوگوں کو کچھ توجہ نہیں۔ بڑے بڑے بہت

لوگ جو ان کتب خانوں میں مطالعہ کے لئے آتے ہیں وہ معمولی متعدل مذہبی کتابیں پڑھکر چلے جاتے ہیں۔ مگر ان کتب خانوں کے واقفوں نے ان کے اخراجات کا انتظام کر دیا ہوا ہے۔ مگر بعض کے ساتھ ایسے مختصر وقف ہیں جیسے کہ تعداد ان کی کتابوں کی ہے۔ ان کے لئے الماریوں تک میسر نہیں ہو سکتیں۔ چبوتروں پر کتابیں پڑی ہیں۔ بہتر ہے کہ سلطان اعظم کہ جنہوں نے خود کتب خانہ حمیدی کے وقف سے کتب خانوں سے ہمدردی اور محبت کا ثبوت دیا ہے۔ مصر کے خدیوی کتب خانہ کی طرح ان سب کتب خانوں کو ایک جگہ جمع کر دیں۔ اس سے وقف کی غرض میں کوئی نقص نہیں آسکتا۔ بلکہ ایک شخص جو ایک کتب خانہ کی کتابیں پڑھنے کو جائیگا وہ سب کی کتابوں کے دیکھنے کے قابل ہو سکیگا اور سب کی فہرست یکجائی ہی مصر کے کتب خانہ خدیوی کی طرح بہت عمدہ بالغرض کی کتاب بنجائے گی۔

ان کتب خانوں کی تاریخ تاسیس

گو ان میں سے بعض کتب خانوں کی تاریخ تاسیس معلوم نہیں ہو سکتی۔ تاہم جن کی تاریخ معلوم ہے ان میں سے کوئی [illegible] ہجری سے پہلے قائم نہیں ہوا۔ جیسے کتب خانہ اسی خان سلطان [illegible] امیر خواجہ کمانکش [illegible] میں۔ حمیدیہ [illegible] میں۔ ینی جامع [illegible] میں۔ نور عثمانیہ [illegible] میں۔ مہرشاہ سلطان [illegible] میں۔ جورلیلی علی پاشا [illegible] سلطان فاتح [illegible]۔ بلکہ زیادہ تعداد ان کتب خانوں کی ہے۔ جو تیرھویں صدی کے وسط میں قائم ہوئے ہیں۔ اس سے تعجب ہوتا ہے کہ یہ زیادہ تر ترکوں کی شان و شوکت یا علمی ترقی کا عہد نہیں تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ جن کے یہاں بیش قیمت مجموعے ہوں گے۔ انہوں نے ان کی سلامتی اسی میں دیکھی ہو گی کہ بجائے ذاتی حفاظت کے انہیں قومی حفاظت میں سونپ دیا جائے۔ کاش ہندوستان کے مسلمانوں میں بھی یہ خیال سرایت کر جائے۔ اور وہ اپنی قلمی کتابوں کو ملک کے دو چار بڑے بڑے مرکزوں میں جمع کر کے قوم کے سپرد کر دیں تو ایک لاکھ قلمی کتابیں

کا جمع ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ کہ جو دوسری صورت میں یا کیڑے کھا جاتے اور یا نا خلف انہیں ردی میں بیچ ڈالتے یہاں بعض کتب خانوں کے دروازوں پر "فیہا کتب قیمۃ" لکھا ہوا نظر پڑتا ہے۔

ترک مشاہیر سے ملاقاتیں اور اُن کی رائیں

سید عبد الغفار صاحب سید عبد الغفار صاحب کہ جنکا ذکر پہلے بھی آ چکا ہے۔ دراصل ہندوستانی نہیں بلکہ حضرات خطۂ کشمیر سے ایک بے نظیر شخص ہیں۔ جب ہمارا میں انہوں نے میرے یہاں پہنچنے کی خبر سنی تو ہوٹل میں آکر مجھ سے ملے۔ اور چند روز بعد تقاضا کرنے لگے کہ بجائے ہوٹل میں رہنے کے میں اُن کے مکان پر چلکر رہوں۔ باوجود کئی روز تک انکار کرنے کے ان کا اصرار غالب آیا۔ چنانچہ میں ہوٹل سے اٹھکر ان کے مکان میں دو ہفتہ تک مہمان رہا۔ اور مجھے اس بات پر ناز ہے کہ میرے ہموطن کیسے با اخلاق اور مہمان نواز ہوتے ہیں۔ سید عبد الغفار صاحب جنہیں اُن کے دوست غفار آفندی کہتے ہیں۔ اور جو کہ یہاں دولتمند کا ایک بڑا وسیع حلقہ اور اکثر معزز اور با رسوخ لوگوں تک رسائی اور دوستی رکھتے ہیں پچیس سال سے انہوں نے یہاں کا توطن اختیار کیا ہوا ہے۔ اور یہیں شادی بھی کی ہے۔ انہوں نے اپنا کام چھوڑ کر چند ذیل رید مقامات کار خانے اور دفاتر سرکاری دکھائے ہیں اور بہت مدد کی ہے۔ ذیل آدمیوں سے ملایا جن میں شیخ سید ابو الہدیٰ صاحب شیخ سادلی احمد حقی آفندی نامور ترک مصنف وغیرہ حضرات تھے۔

شیخ سید ابو الہدیٰ صاحب شیخ سید ابو الہدیٰ صاحب حضرت سلطان المعظم کے بہت بڑے معتمد علیہ اور یہاں کے اول درجہ کے حضرات میں سے ہیں۔ بلکہ بتعلق دیگر بعض ذات سلطانی کے بلحاظ رسوخ اور منزلت کے یہ دوسرے شخص ہیں۔ میرے رفیق جب ان سے ملاقات کا وقت مقرر کر چکے

تو میں یکشنبہ کے روز ان سے ملنے گیا۔ قصر یلدز کے متصل کباسی کی حدود کے اندر
شیخ ظافر شاذلی کے تکیہ کے پاس سے گذر کر ہم ان کے مکانات پر پہنچے جو عین کنارہ
دریا پر واقع ہیں۔ چنانچہ ان کے مکان کی ایک سمت سے کہ جہاں انہوں نے
مجھ سے ملاقات کی باسفورس کے نیلگوں پانی اور اس میں سٹیمروں کے چلنے کا
دلفریب نظارہ کبھی بھولنے کے قابل نہیں۔ کہ جو قصر یلدز کی حفاظت کیلئے
یہاں ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ ان کے مکان کے اندر مہمانوں اور مسافروں
کے قیام اور آرام کے لئے کئی مکانات ہیں۔ حلقہ درویشاں کے لئے تکیہ اور مسجد
اور صحن میں ایک خوشنما باغ ہے۔ شیخ ابوالہدیٰ صاحب کا وطن شام ہے
بیس سال کے قریب عمر میں علوم دینی کی تعلیم سے فارغ ہو کر قسطنطنیہ میں پہنچے
اور اسی زمانے میں انہوں نے ایک کتاب تصنیف کی۔ جو سلطان عبدالعزیز مرحوم
نے نہایت پسند کی اور انہیں حلب کا قاضی مقرر کر کے بھیجدیا۔ یہ فرماتے ہیں کہ اس کے
بعد میں نے ہر علم (جس سے ان کی مراد علوم اسلامیہ سے ہے) کی تشریح میں ایک
کتاب لکھی ہے۔ اور میری تصنیفات پورے دو سو کے قریب عربی زبان میں ہیں
جن میں اکثر طبع اور نشر ہو چکی ہیں۔ لیکن سلطان عبدالحمید خان ثانی نے تخت
پر متمکن ہونے کے بعد انہیں اپنے پاس بلا کر مشیران خاص میں شامل کر لیا اور
تب سے یہ نہایت معتمد الیہ ہیں۔ شیخ صاحب بڑے قوی ہیکل۔ دراز قامت اور
وجیہ آدمی ہیں۔ بال زیادہ سفید ہیں۔ اطلاع دینے کے بعد آدھ گھنٹہ انتظار
کرنے پر ایک خادم خبر لایا کہ شیخ صاحب حرم سرا سے صرف ہماری ملاقات کے
لئے برآمد ہوئے ہیں۔ اور ہمیں ان کے پاس لے گئے۔ شیخ صاحب کھڑے
ہو گئے۔ میرے رفیق نے مصافحہ کر کے ان کے ہاتھ چومے پھر میں نے مصافحہ
کیا۔ شیخ صاحب نے ہمیں ایک ایک سبز پتہ ایک پودے کا جو پاس ہی گملے میں لگا
توڑ کر رکھا ہوا تھا۔ دیا۔ جب میرے رفیق نے رسمی طور پر میری ان کی خدمت میں
شناسائی کرادی تو شیخ صاحب نے عربی زبان میں مجھ سے خطاب کرنا شروع

ہر چند کہ شیخ سید ابوالہدیٰ صاحب بڑے فاضل جید بڑے معتمد الیہ مشیر سلطانی
اور بڑے شیخ طریقت ہیں۔ لیکن بدنصیبی سے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اسلام
کی بدنصیبی ہے ان کے اور ایک دوسرے پیر طریقت دو اعلیٰ درجہ کے شیخ اور
کے مابین کہ جسکا نام شیخ ظافر ہے اور وہ بھی حضرت مقربین سلطانی میں تنقیص
سلطان کے مرشد ہیں۔ کچھ تنقیص ہے۔ جسکی وجہ سوائے اسکے کچھ معلوم نہیں ہوتی
کہ سعد عالم کہ شیخ صاحب کو ذات شاہانہ کے حضور میں بہت کچھ رسوخ حاصل ہے
یہاں بطور جملہ معترضہ شیخ ظافر صاحب کی مختصر کیفیت بھی درج کرنے کے لائق ہے
مشہور ہے کہ جبکہ ابھی سلطان المعظم عالم شہزادگی میں تھے۔ اور سلطان عبدالعزیز
سلطان وقت تھے۔ تو شیخ ظافر نے جو کہ مکہ میں اپنے مرشد کے پاس رہتے تھے
قسطنطنیہ میں آکر شہزادہ عبدالحمید خان کے پاس پہنچکر انہیں کہا کہ مجھے رسول اللہ
نے خواب میں یہ بشارت دی ہے کہ آپ کی سلطنت میں بڑے انقلابات ہونگے
ہیں۔ اور آخر آپ سلطان بن جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ میں اسوقت اپنے
وظیفہ میں سے ایکہزار قرش ماہوار تمہارا وظیفہ مقرر کرتا ہوں۔ اگر تمہاری بات سچ
نکلی تو دیکھا جائیگا۔ چنانچہ جب اس خواب کا ایک حصہ درست نکلا تو سلطان نے
شیخ ظافر سے بیعت کر لی اور اب یلدز سرائے کے قریب انہیں ایک تکیہ دیا ہوا ہے
اور وہ بیشمار ترقی وظیفہ پاتے ہیں۔ اور شاذلی گروہ کے شیخ ہیں۔ سال گذشتہ میں خیال
کیا جاتا ہے کہ انہیں شیخ ظافر صاحب کی تحریک سے ایک شخص نے ایک رسالہ
بنام السامیر بطور ایک ڈرامہ کے لکھکر مصر کے اخبار المؤید کے مطبع میں چھپوایا تھا
جسمیں شیخ ابوالہدیٰ صاحب کی نسبت توہین کیگئی تھی۔ اور سفیہانہ ذاتی حملے
ایسے عالیجاہ اور فاضل شخص پر کئے گئے تھے۔ چنانچہ اخبارات مصر اور اسکندریہ میں بھی
اسکا چرچا ہوا تھا۔ شیخ صاحب نے مجھے اخبار نویس سمجھکر پہلے اسی واقعہ کے
متعلق گفتگو شروع کی۔ پہلے فرمایا کہ دنیا میں جہالت اور فتنہ زندقہ اور الحاد اور
کفر کی تاریکی کا زور ہے۔ اور بندہ پروری اور نیکی اور شکر و احسان کی کساد بازاری ہے

شیخ صاحب عربی کیسی فصاحت اور روانی سے بولتے تھے۔ اور بات بات پر قرآن وحدیث سے استناد کرتے جاتے تھے۔ اور گفتگو کے درمیانی وقفوں میں ہر وقت درود اور تسبیح وتہلیل پڑھتے جاتے تھے۔ آپ نے اس رسالہ کی تصنیف کے متعلق کہا کہ شیخ ظافر کا دادا یہودی تھا۔ تاریخ کریں جو حال میں طبع ہوئی ہے اسکا ذکر درج ہے۔ پھر کہا کہ وہ جاہل اور بے تمیز ہے جو مجھ سے حسد کرتا ہے۔ سلطان المعظم نے جو تکیہ اسکے ذکر حق کے لئے بنا دیا ہے اسمیں اسنے میرے خلاف ایک شخص کو چند روپے دیکر ایک رسالہ لکھوا دیا۔ اور یہ ایک معجزہ ہے کہ کاتب خود پہلے سے جلدی ہی مر گیا۔ اس رسالہ کی پانچ ہزار جلدیں تقسیم کرنے کے لئے ایک شخص اونٹ پر بار کر کے طرابلس میں لیجا رہا تھا۔ اسے ایک شخص نے راستہ میں مار ڈالا اور تمام جلدوں کو آگ لگا دی۔ ایک اور شخص جمال الدین افغانی جو دہریہ اور بے دین تھا اور اس مشورہ میں شریک تھا۔ اسکی زبان پر سرطان ہوا۔ اسکا جبڑا چیر دیا گیا۔ اور اسکا گلا بھی نکال ڈالا گیا۔ اور وہ اس عذاب سے مرا۔ ایک اور شخص محمد فاضل پاشا ساکن مالابار (ہندوستان) کہ جسپر میں نے بہت احسان کئے۔ اور اسکی سفارش کی اور اسے عزت دلوائی۔ مگر وہ بھی میرے خلاف مشوروں میں شریک ہوتا ہے۔ سب لوگ اسکی مخالفت پر ہنستے ہیں اور اسکا اثر صرف بازاری لوگوں پر ہوتا ہے۔ میرا تو کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ مجھے یہ قصہ سنکر صدمہ ہوا کہ مسلمان کہیں بھی مسلمان نہیں رہے۔ ؎ بہر زمین کہ رسیدیم آسمان پیداست۔ پھر شیخ صاحب

شیخ صاحب کی تصانیف

نے اپنی نسبت فرمایا کہ تئیس سال کی بات ہے کہ جبکہ میں نوجوان تھا۔ اور ابھی ریش وبروت کا آغاز تھا۔ تو میں نے ایک کتاب عربی میں تصنیف کی۔ اور وہ جب سلطان عبدالعزیز مرحوم کی خدمت میں پیش ہوئی تو انہوں نے میری عمر کے لحاظ سے میری کتاب کو نہایت پسند کیا۔ اور مجھے علما میں ایک بڑا ممتاز عہدہ دیا۔ اب پچیس سال سے حضرت سلطان ایدہ اللہ سلطانہ نے مجھے اپنی خدمت میں بلوایا ہوا ہے۔ میں نے ہر علم وفن

میں ایک سو ستر کے قریب کتابیں تصنیف کی ہیں۔ جنہیں سے آٹھ دس عربی کتابیں رخصت ہونے کے وقت مجھے بھی عطا کیں۔ جو زیادہ تر تصوف اور طریقہ شاذلیہ کے متعلق ہیں کیونکہ شیخ صاحب فی زمانہ شیخ الکل ہیں۔ ان میں ایک دیوان نعت اور ایک شرح حزب البحر بھی تھی۔ ہندوستان کے ذکر پر پھر کہا کہ ہندوستان کے ایک اخبار نے مجھے بڑا کہا سجا لکھا میں استانبول میں ہوں اور وہ ہند میں ہے۔ نہ اسنے مجھے دیکھا ہے اور نہ اسکے پاس کوئی شہادت ہے جیسی کہ شریعت یا قانون طلب کرتا ہے۔ اور وہ بہتان باندھنے سے نہیں ڈرا۔

مسلمانوں کی حالت پر تمثیل

فرمایا کہ مسلمانوں کی حالت اسوقت بہت زار ہے کیونکہ وہ مسلمان نہیں رہے۔ ایک قصہ سنایا کہ ایک دولتمند شخص عنین تھا۔ اسکے یہاں ایک لونڈی تھی۔ لونڈی نے اس شخص کو کہا کہ تمکو خدا نے دولت اور حشمت دی ہے اور اولاد نہیں دی۔ تم مجھے صحبت کرو کہ تمہیں اولاد مل جائے۔ اُسنے کل کا وعدہ کیا۔ اور پھر کل کو کل کا وعدہ کیا۔ اسی طرح بار بار کرتا رہا۔ یہی حال مسلمانوں کا ہے۔ دنیا میں یہ بڑی کثرت سے ہیں کہ دیکھنے والے ان کی تعداد سے گھبراتے ہیں۔ لیکن دراصل یہ عنین کے مانند ہیں کہ ان میں کوئی صلاحیت نہیں۔ اور اور کئی امور پر ڈیڑھ گھنٹہ تک باتیں ہوتی رہیں۔ اتنے میں ان کے صاحبزادہ حسن بے بھی آگئے۔ جنہوں نے تین مرتبہ اپنے باپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ اور پھر اسی ہاتھ کو سر اور آنکھوں پر لگایا اور بیٹھ گئے۔ یہ صاحب سلطنت میں ایک اعلےٰ عہدہ پر مامور ہیں۔ جو صرف درجہ وزارت سے نیچے ہے۔ فرنچ جانتے ہیں اور بڑے با اخلاق و مروت ہیں۔ رخصت کے وقت شیخ ابو الہدےٰ صاحب نے فرمایا کہ بیوک آدہ (جزیرہ) بہت پر فضا جگہ ہے۔ وہاں ایک دو شب میرے مخدوم[1] (بیٹے کو کہتے ہیں) کے گھر میں جا کر ٹھیرو۔ ہم نے منظور کیا۔ اور ایک روز مقرر کر کے رخصت ہوئے۔

[1] ترک مخدوم بیٹے کو اور کریمہ بیٹی کو کہتے ہیں۔

شیخ ابوالہدیٰ صاحب سے ایک دوسری ملاقات

ایک روز پھر آپ کی خدمت میں ملاقات کیلئے گئے۔ تو ہمارے ساتھ دو مصر کے اخبار نویس بھی چلے گئے۔ جو یورپین لباس اور ترکی ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔ انہیں شیخ صاحب پون گھنٹہ تک زمانہ موجودہ کے انصاف کے مقابلہ میں حضرت عمرؓ کے انصاف اور عدالت کے قصے بتلاتے رہے۔ جب یہ شخص جانے لگے تو انہوں نے تین تین مرتبہ ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ اور آنے کے وقت بھی تین تین مرتبہ ان کے دامن عبا کو چوما تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ مسلمان تھے یا عیسائی تو شیخ صاحب نے جواب دیا کہ میرے سامنے تو انہوں نے کلمہ پڑھا اور مجھے بتلایا کہ مسلمان ہیں۔ اور میں نے ان کی بات پر اعتبار کیا اور اسکی تردید کی ضرورت نہ سمجھی۔ ورنہ یہ مسلمان نہیں معلوم ہوتے۔ اتنے میں ایک نوکر ان کی ٹوپی کو اٹھا کر لایا تو کہنے لگے کہ اس کے ماں اور باپ دونوں خالص بیٹے نجیب الطرفین سید ہیں۔ میرے رفیق نے کہا کہ والی بیروت کے نام مجھے ایک معرفت کا خط لکھ دیں تو کہا کہ اگر ایسا کروں تو وہ کچھ اور مانگنے کو میرے سر پر سوار ہو جائیگا۔ البتہ کسی اور شخص کے نام چٹھی کل لکھ رکھونگا۔ چنانچہ ایک خط بیروت اور ایک دمشق کے لئے لکھکر مجھے بھیج دیئے۔

چونکہ شیخ صاحب موصوف سلطنت عثمانیہ کے ایک نہایت ممتاز شخص ہیں اور بعض اوقات یورپین اخبارات میں بھی ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت سلطان المعظم ان کے مشوروں پر کاربند ہوتے ہیں اسلئے میں نے ان سے جو گفتگو ہوئی ہے اُسے مختصاً درج کر دینا مناسب سمجھا۔

عجیب داستان

شیخ سید ابوالہدیٰ صاحب کو حضور سلطان المعظم میں کس طرح اسقدر رسوخ حاصل ہوا۔ اُنکی نسبت جو داستان قسطنطنیہ میں مشہور ہے وہ اُن کے ایک مرید نے مجھے اس طرح بتلائی۔ کہ شروع میں جبکہ سلطان عالی بخت خلافت پر متمکن ہوئے تو شیخ ابوالہدیٰ کو حلب کا شیخ الاسلام بنا کر بھیجدیا۔ لیکن ایک روز خواب میں دیکھا کہ سلطان ایک کشتی میں سوار ہیں۔ اور کشتی طوفان میں پھنس گئی ہے۔ اور قریب ہے

کہ غرق ہو جائے۔ کہ غیب سے ایک ہاتھ نے آکر کشتی کو تھام کر کنارہ پر لگا دیا ہے
اور دیکھا تو وہ شیخ ابو الہدیٰ کا ہاتھ تھا۔ چنانچہ سلطان المعظم نے اسی وقت سے
انہیں بلا کر اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔

بیوک آدہ کی سیر

بیوک آدہ (یعنی جزیرہ کلاں) ایک جزیرہ بحیرہ مارمورا میں قسطنطنیہ
سے دس بارہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اسکا یونانی نام پرِن کیپو ہے۔ اور پرنسز
آئلینڈس (جزائر شہزادگان) میں یہ سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ ترکی زبان میں بڑے
جزیرہ کو بیوک آدہ کہتے ہیں۔ پرنسز آئلینڈس نو جزائر کا مجموعہ ہے کہ جنمیں سے بعض
بالکل غیر آباد ہیں۔ اور بعض جو آباد ہیں ان میں سے جزیرہ ہلکی پر دوسری آبادی
کے علاوہ سلطانی بحری کالج واقع ہے۔ بیوک آدہ نہایت پُرفضا نزہت گاہ
ہے۔ قدیم زمانہ میں معزول بادشاہوں یا تکلیف دہ شاہزادوں کو ان جزائر میں
جلا وطن کر دیتے تھے۔ اسلئے ان کا یہ نام ہو گیا۔ آجکل نامور یورپین سیاح۔ اور
قسطنطنیہ کے آسودہ حال لوگ سیر و تفریح کے لئے یہاں آتے ہیں اور یہاں کے دلکش
منظر اور صحت بخش آب و ہوا سے محظوظ ہوتے ہیں۔ ترک خوبصورت منظروں اور
تفریح گاہوں کے بڑے شائق ہیں اور قسطنطنیہ کے گرد و پیش بہت سے دلکش
سبزہ زار مثل کاغذ خانہ وغیرہ ہیں۔ اور جزیرے اسی کام کے لئے
مخصوص ہیں۔ سید ابو الہدیٰ صاحب کی دعوت کے مطابق ہم نے پل گلاطہ
سے سٹیمر پر سوار ہو کر بیوک آدہ کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں سمندر کا نظارہ
نہایت دلفریب تھا۔ اس سفر میں سید صاحب کے [illegible] ایک نواسی بھی ساتھ تھی
تھے۔ راستہ میں جگہ بجگہ دلکش سمندری کنارے کی عمارات نظر آتی تھیں جن میں
سے ایک مسجد بھی تھی۔ اور بہت سے طالب علم درس و تدریس میں مصروف
تھے۔ مگر افسوس کہ جہاز ٹھہرا نہیں کالج کو دیکھ نہ سکے۔ سید ابو الہدیٰ صاحب کے عالیشان
مکان پر پہنچے جو بالکل یورپین طرز کا بنا ہوا تھا۔ شام کو کھانا ہوا یا تو وہ بھی یورپین
طریق پر تھا۔ ترکی کھانے [illegible] متعدد کرسی تھے۔ بعد

پر بعض تصاویر تھیں اور دیواروں پر صاحب خانہ اور ان کے بعض اعزا کی تصاویر تھیں۔ عموماً بجائے تصاویر کے یہاں مکانات خوشخط قطعات سے سجائے جاتے ہیں

زمین پر سونا مگر سونے کے وقت زمین پر بجائے چار پائیوں کے ہر شخص کے لئے وہی موٹے گدے بچھا دیئے گئے۔ اور بستروں کے ساتھ مہمانوں کو ایک ایک لحاف اور ایک ایک بڑا تکیہ بھی مل گیا۔ مگر رات کو کھٹملوں نے بہت ستایا جو ایسی نفیس جگہوں پر بھی بہتات کرتے ہیں۔ صبح گاڑی لیکر ہم نے جزیرہ کے گرد چکر لگایا۔ نہایت دلکش جگہ ہے۔ ترکی یہاں سے نکلنے کو نہیں چاہتا۔ پہلے یہاں سب عیسائی یونانی رہتے تھے۔ اب صرف آٹھ دس سال سے ترکوں کی آنکھیں کھلی ہیں۔ کہ یہاں کی زندگی پر لطف ہے۔ اور وہ مکان خرید کر یہاں آباد ہوئے ہیں۔ دن بھر شہر میں رہتے ہیں اور شام کو یہاں چلے آتے ہیں۔ ایک ریسٹوران میں قسطنطنیہ کی بہت سی یونانی عورتیں قہوہ پی رہی تھیں۔ صبح کا وقت سمندر کا کنارہ۔ ایک عیسائی عورت اور مرد ناچ رہے تھے۔ ایک شخص باجا بجا رہا تھا جس سے نہایت دلکش سین پیدا ہو گیا تھا۔ ع

آدمی نیست کہ عاشق نشود فصل بہار
ہر گیاہے کہ بنوروز نروید حطب ست

میرے دونوں دوست سید عبد اللطیف اور حسن بے صاحب حاکم غالباً کسی تلخ میوہ سے شاد کام ہوئے۔ مگر میں محروم رہا۔ قسطنطنیہ سے آتے ہوئے سٹیمر کا کرایہ پانچ غروش ریا تھا۔ مگر جاتے ہوئے دس بارہ کم لگے۔ جسکی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ حکومت کی طرف سے شہر سے تفریح کے لئے باہر جانیوالوں پر دو پیسے اسلئے زیادہ لئے جاتے ہیں کہ ان سے ایک خستہ خانہ (ہسپتال) کے فنڈ میں مدد ملتی ہے۔ اس طرح معدل ترک اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی امداد کا ہر وقت خیال رکھتے ہیں یا

سب سے بڑا زندہ ترک مصنف ان چند ترک اہل الرائے سے جن سے میں یہاں ملا ہوں ایک بزرگ احمد حکمت صاحب، نہایت معزز و ممتاز بزرگ ہیں۔ یہ بہت نامی

مصنف فسانہ نگار۔ اخبار نویس اور مذہبی مباحثہ کی کتابیں لکھنے والے ہیں۔
اس ملک میں سرکاری ملازمت کے لئے اخبار نویسی مانع نہیں ہے۔ اسوقت
بھی احمد جودت صاحب چیف ایڈیٹر و مالک اخبار اقدام پولیس میں افسر ہیں۔
اسی طرح احمد مدحت صاحب باوجود سرکاری ملازم ہونے کے اخبار نویس
بھی تھے۔ چنانچہ یہاں کے سب سے پرانے اخبار ترجمان حقیقت کے یہ مالک
وایڈیٹر تھے۔ جو اب ان کے چھوٹے بھائی محمد جودت صاحب کی ایڈیٹری
میں نکلتا ہے۔ احمد مدحت صاحب کو تیس سال پہلے عیسائی مذہب کی
تردید میں کتابیں لکھنے کی ضرورت معلوم ہوئی۔ ان کے مذہبی خیالات بالکل مشابہ
کے سرسید احمد خان مرحوم کے خیالات کی طرح آزاد ہیں۔ خصوصاً معجزات اور
خوق العادت باتوں کی تفسیر کے متعلق۔ اسلئے انہیں یہاں کا نیچری کہنا چاہیئے
اور انکا خیال ہے کہ مثنوی مولانا روم قرآن مجید کی بہت اچھی تفسیر ہے لیکن
جب میں نے سرسید مرحوم کا ان سے ذکر کیا۔ تو انہوں نے کہا کہ میں نے اس بزرگ
کا آجتک نام بھی نہیں سنا۔ اور ان کی تصنیفات دیکھنے کا شوق ظاہر کیا مگر
بوجہ اردو زبان سے ناواقف ہونے کے افسوس کیا۔ یہ فارسی۔ عربی اور فرانسیسی
بہت عمدہ جانتے ہیں۔ چنانچہ اپنی آخری تصنیف کا مسودہ مجھے دکھلایا۔ جو
ترکی زبان میں زیر طبع ہے۔ لیکن یہ اس کو فرانسیسی میں بھی ترجمہ کر رہے ہیں
ان کے بھاری چہرہ پر ان کا لمبا لٹکتا چوڑا داڑھا بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔
ان سے ملاقات کے وقت میرے ایک رفیق نے مجھ سے کہا کہ جسقدر فرانسیسی
لوگوں میں وکٹر ہیوگو مشہور مصنف گذرا ہے۔ اتنا ہی ترکوں میں احمد مدحت مشہور
مصنف ہے۔ اور یورپ میں بھی بہت شہرت رکھتا ہے۔ بہرحال تین چار
ملاقاتوں تک نوبت رہی۔ مجھے ان صاحب سے بہت سی ایسی باتیں دیار عثمانی کے
متعلق معلوم ہوئیں۔ جنہیں ہر شخص بتلانے کی قابلیت نہیں رکھتا۔

ترکی میں ادبی تعلیم میں نے ایک روز انہیں کہا کہ جبکہ روس نے اپنی فوج سرحد

میں اردو سیکھنے کا ایک مدرسہ قائم کیا ہوا ہے اور جرمنی اور دیگر ممالک یورپ میں سنسکرت و عربی کے مدارس قائم ہیں تو بوجہ مسلمانان ہند کے ہم مذہب ہونے کے ترکوں کو بھی اردو کا نصاب اپنے بعض مدارس میں داخل کرنا چاہئے جو ترکی کی طرح عربی فارسی سے مرکب ہونے کی وجہ سے بہت سہل ہے۔ انہوں نے کہا تمہاری تجویز تو بہت عمدہ ہے۔ لیکن ابھی ہمیں کئی اس سے زیادہ ضروری کام درپیش ہیں۔ اور حقیقت میں انکا خیال بالکل صحیح تھا۔

عثمانی تاریخ کے تین دور

ایک روز انہوں نے تفصیل کے ساتھ ترکوں کی تاریخ کے دور ابتدائی زمانہ وسطی اور عہد جدید کا ذکر کرکے بتلایا کہ ہمارا دور ابتدائی بخلاف دیگر اقوام کی تاریخ کے نہایت روشن تھا۔ زمانہ وسطی نہایت تاریک اور عہد جدید میں پھر کسیقدر روشنی نظر آنے لگی ہے۔ جب چھ سو سال پہلے ترکوں نے قسطنطنیہ فتح کیا تو ان کی شائستگی کی حالت ایسی اچھی تھی۔ کہ ان میں جلاد تک موجود نہ تھا۔ کیونکہ اسکی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی۔ اور نہ ان میں خواجہ سرا و مخنث کا دستور تھا۔ مگر مخنث کی رسم تو یونانیوں میں جاری تھی

ترکوں میں جلاد اور خواجہ سرا تک نہ تھے

جو اول تو اپنی عورتوں کی حفاظت کے لئے اور دوم لونڈوں کو بے ریش و بے بروت رکھنے کے واسطے انہیں اختہ کر دیتے تھے۔ کیونکہ ان لوگوں میں اغلام کی بری عادت جاری تھی۔ واضح رہے کہ مردوں کو مخنث بنا دینے سے انہیں ریش و بروت پیدا ہی نہیں ہوتیں۔ جیسے کہ خواجہ سراؤں کی حالت ہوتی ہے۔ غرض ترکی سوسائٹی کی حالت اس زمانہ میں بہت اچھی تھی۔ دو سو سال بعد زوال آنے لگا یہانتک کہ تاریکی کی شب یلدا چھا گئی۔ آخر جب ترکوں نے روس سے کریمیا میں جنگ کی اور یورپی سلطنتوں نے اسمیں دخل دیا اور یورپین فوجیں قسطنطنیہ میں گیا تو ترکوں نے پہلے پہل (کہ جسے چالیس پنتالیس سال گذرے ہوں گے) ان کی فوجیں جہاز اور سامان جنگ دیکھ دنگ رہ گئے۔ سلطان محمود ثانی

ینی چری فوج کو غارت کیا۔ اسکے بعد منتظم فوج کی اصلاح شروع ہوئی۔ لیکن ترکوں کی اصل بیداری کو تیس سال سے زیادہ نہیں گذرے۔ اور گذشتہ پچیس سال میں موجودہ سلطان کے عہد میں جو ترقی ہوئی ہے یہی دراصل نئی ترکی کی زندگی کی عمر ہے۔ بتلایا گیا کہ سلطان المعظم نے کس قدر خیرات کی اور رفاہ عام کے کاموں پر ان پچیس سال میں خرچ کیا ہے۔ کتنے نئے مدارس اور ملی شفاخانے قائم کئے ہیں۔ [illegible] طرح گذشتہ دس سال میں دارالعشیرت میں خانہ بدوش عربوں کے بچوں کی تعلیم ہوتی ہے۔ اور اس طرح ان عربوں کی فوج بنائی گئی ہے۔ دولت کے دخل و خرچ کے صحیح شائع کرنے کی وجہ کیا ہے دار الشفقہ و مدرسہ یتیماں، اور کئی دوسرے مدرسوں اور ہسپتالوں پر کس قدر خرچ ہوتا ہے۔

ملکی مدارس

اسوقت شہر میں بارہ ملکی مدارس ہیں جنہیں حکومت نے قائم کیا [illegible] ان بارہ مدارس کے علاوہ مختلف فرقوں کے ہیں۔ اور پرائیویٹ چندہ اور فیس سے یہ مدارس چلتے ہیں۔ قسطنطنیہ میں مدرسہ میں جانے کے عمر کے لڑکوں میں سے اسی فیصدی تعلیم پاتے ہیں۔ اور [illegible] مخصوص [illegible] اخبار نسوان کی ایک کاپی جو ان کی ایڈیٹر نے دی تھی۔ مجھے شکریہ [illegible] دکھایا کہ عورتوں کی تعلیم بھی بڑی ترقی کر رہی ہے۔ بتلایا گیا کہ کس قدر ترکی تعلیم یافتہ عورتیں اسوقت شہر میں موجود ہیں کہا جسقدر ترقی کیا ہے [illegible] انکے مقابلہ میں بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ مگر ایک بیداری پیدا ہو گئی ہے۔ عوام الناس بھی بیخبر نہیں ہیں کہ وزیر و امیر صرف خواب و خور اور عیاشی کی فکر رکھتے ہیں

علمائے ہند کی شہرت

احمد مدحت صاحب نے اپنے آزاد مذہبی خیالات کی نسبت فرمایا [illegible] کی نسبت مجھے قرآن مجید سے اطمینان نہیں ہوا تھا۔ اور ہندوستان کے پادریوں کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ اسوقت بہت سے ترک گمراہ ہو رہے تھے۔ ہندوستان کے علما نے [illegible] دل سے شکر گذار ہیں کہ [illegible]

کے وقت میں ہمیں اُن کی طرف سے مدد ملی اور خدا کے ایک نیک بندے مولوی رحمت اللہ صاحب ہندی مہاجر مکی مرحوم نے مذہب نصاریٰ کی جو رد دیکھی تھی اس سے ہمیں بہت فائدہ ہوا۔ چنانچہ ہم نے ان کی کتاب کا ترکی میں ترجمہ کیا۔ اور اُسکے بعد رد نصاریٰ میں خود متعدد کتب میں لکھیں۔ اور ان سے ہم لوگوں پر نصاریٰ کے مذہب کا بطلان ظاہر ہوا۔ اب تو میری رائے میں یہود و نصاریٰ کے مذاہب ایسے لچر ہیں کہ مذہب کہلانے کے لائق نہیں۔ اسی طرح ایک دوسرے موقعہ پر ایک دمشقی عالم نے مجھ سے کہا تھا کہ عرب شام اور ترکی میں تو سب علما سرکاری عہدوں کے لئے علم دین سیکھتے ہیں۔ آفرین ہے علمائے ہند کے جو محض دین کی خاطر دین کا علم حاصل کرتے ہیں۔

ایک ترک کی ایجاد

ترکوں کی ذہانت کے متعلق ذکر کیا کہ ہمارے عجائب گھر میں نومسٹیکس سکوں کے مجموعہ کو دیکھو۔ وہ لندن کے برٹش میوزیم کے مجموعے سے زیادہ مکمل ہے۔ اس میں مدیر میوزیم کے چھوٹے بھائی غالب بیگ نے خوب رکھا ہے۔ ایک نیا کلاسیفیکیشن داخل کی ہے۔ آج تک صرف تاریخی لحاظ سے نومسٹیکس کے کلاسیفیکیشن و جماعت بندی آ جاتی تھی۔ اُنہوں نے جغرافیہ کے لحاظ کو بھی اس میں دخل دیا ہے اور یہی جماعت بندی تمام یورپ نے اب تسلیم کی ہے۔ یہ بھی کہا کہ نومسمیٹکس حدیث اس خطہ دنیا کے قدیم سکوں کا نام ہے جو ترکی وسط ایشیا ہندوستان ایران افغانستان وغیرہ ممالک پر مشتمل تھے۔

بیکقوز کی سیر اور دلکش نظارہ

قسطنطنیہ سے رخصت ہونے سے پہلے میں حمید رحمت آفندی سے اُن کے مکان پر ملنے کا وعدہ کر چکا تھا جو شہر سے دس بارہ میل دور آبنائے باسفورس کے ایشیائی کنارہ پر ایک نہایت پر فضا اور دلکش موضع بیکقوز میں واقع ہے۔ شہر والے عموماً باسفورس میں بیتی رہتے ہیں اور دونوں کناروں کے بیسیوں دیہات میں لوگوں کو لانے لیجانے

رہتے ہیں ۔ یہ جمعہ کا دن تھا اور ہزاروں تماشائی تفریح کے لئے ان موقعات
اور مختلف تفریح گاہوں کو جاتے آتے تھے ۔ میرے رفیق نے سٹیمر پر توقع دلا
درجہ ا کا ٹکٹ لیا ۔ جسکے لئے دو کس کے واسطے نو عدد ش دیئے گئے ۔ سٹیمر اپنے
سیر اس طرف کے ہر چھوٹے بڑے بندر پر ٹھیرتا جاتا تھا ۔ آج جو خوبصورت
سینری اور دلکش منظر باسفورس کا دیکھا ۔ وہ مدت تک فراموش نہیں ہو سکتا ۔
دونوں طرف خوبصورت نیلگوں پانی کے ڈھلوان کناروں پر چوبی مکانات
تعمیر ہوئے ہوئے تھے ۔ جنکے دریچوں سے خوبصورت پردے لٹکتے تھے
اور دریچوں میں پھولوں کے گملے پڑے تھے ۔ اکثر مکانات کی بنیادیں سطح
آب سے اٹھتی ہیں ۔ اور اسوجہ سے منظر وینس جیسا بنجاتا تھا ۔ پہاڑیوں کی
چوٹیوں تک منزل بمنزل مکانات اور باغات کا جنبوڑا نہایت دلاویز تھا
اور یہ پہلو منظر وینس سے بہت فائق تھا ۔ سابق خدیو اسمٰعیل کے محلات بھی اسی طرف ایک پہاڑی
کی چوٹی پر ہیں ۔ مرصع بادشاہ باغچہ سرائی کے پاس ایک یہودی کا چینی اور شیشہ کا بہت بڑا کارخانہ
واقع ہے جہاں جس کو کام چلتا ہے ۔ رومیلی (ایشیا) اور اناطول (یورپ) کے ساحلوں پر سلطان فاتح کو
بنا ہوئے قلعات ۔ دیسا حصار یعنی دیکھے جو فتح قسطنطنیہ سے پہلے بنائے گئے
تھے ۔ قلعوں کے برج اور فصیلیں اسی طرح پہاڑیوں کے فراز و نشیب پر چڑھتی
ہوئی ہیں کہ جہاز پر سے دیکھنے سے ان سے نقشہ کھنچتا ہوا نظر آتا ہے ۔

زمین کی سرسبزی اور زراعت کا فائدہ

احمد مدحت صاحب کا مکان بڑا عالیشان ساحل بحر پر
واقع ہے ۔ وہاں ایک ... سے سٹیمر کھڑا ہے کتنے
جوان کے چشموں سے اچھا پانی شہر میں فروخت کے لئے لیجاتے تھے آج
ہی جسقدر باتیں ترکوں کی موجودہ حالت اور آئندہ امیدوں کے متعلق لئے
ہوئیں انکا خلاصہ نقل کرنے کے قابل ہے ۔ انہوں نے بیان کیا کہ زمین
کی پیداوار کے لحاظ سے ترک جاپانیوں سے زیادہ خوش نصیب ہیں جاپان
ایک مربع میل میں ڈیڑھ سو آدمی کے قریب آباد ہیں ۔ مگر ترک اپنے رقبہ میں

صرف سات کس بستے ہیں۔ ٹرکی میں ایک مربع میٹر زمین کی قیمت صرف آدھا عروش ہے۔ یا ایک ڈالر (۱۲۰۰) مربع میٹر اراضی پانچ پونڈ کو بھی نہیں بکتی۔ زمین کی اس قدر ارزانی ترکوں کو کاشتکاری کی ترغیب دیتی ہے۔ کیونکہ ۲ کیلوگرام غلہ گندم فی کیلوگرام = ۲ ½ پونڈ یا رطل) کی تیاری پر صرف تین فرانک (دو روپیہ) خرچ ہوتے ہیں۔ مگر زمیندار کو اسکی بابت ۶ فرانک (۴ روپیہ) ملتی ہے۔ زمین ایسی اچھی ہے کہ اسمیں بالکل کھاد ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ اور نہ رواج ہے۔ (اور میں نے خود دیکھا ہے کہ کھاد کشتیوں میں بھر کر باسفورس میں ڈبو دی جاتی ہے۔ جس سے مجھے بڑا تعجب ہوا) عام جگہوں میں ایک دانہ سے پچاس دانے اور عاقرہ زمینوں میں ایک دانہ سے سو سوا سو دانہ پیدا ہوتا ہے۔ زمین کی برکت اور بینا ہٹ کے فقدان یعنے باشندوں کے سادہ عادات کیوجہ سے ترک اسی میں آسودہ ہیں۔

آبادی - ٹکس ٹوپی قرضہ وغیرہ

کل ملک کی آبادی بائیس ملین (دو کروڑ بیس لاکھ) ہے۔ جسمیں نصف عورتیں ہوں گی۔ باقی گیارہ ملین میں سے عرب کرد اور کئی دوسری قومیں جو دو ملین نفوس سے زیادہ ہوں گی ترکی ٹوپی نہیں پہنتیں۔ اور سب پہنتے ہیں۔ سرکار کی کل سالانہ آمدنی سولہ ملین لیرہ (ایک کروڑ ساٹھ لاکھ پونڈ) ہے۔ اور سلطان عبدالحمید خان ثانی نے اسی آمدنی میں سے گذشتہ پچیس سال میں بہت سا قومی قرضہ اتار دیا ہے۔ جو لیکر ایک پیسہ قرضہ نہیں لیا۔ مگر سلطان عبدالعزیز خان مرحوم و مغفور نے اپنی سولہ سالہ حکومت میں ڈیڑھ سو ملین (پندرہ کروڑ) پونڈ قرضہ لیا تھا۔ یعنے سوا نو لاکھ پونڈ قرضہ جنگ کریمیا کے باقی تمام ترکی فوجی قرضہ سلطان عزیز کے وقت کا ہے۔ ہر ترک کو نصف پونڈ سے زیادہ ہر قسم کے سرکاری ٹکس سالانہ نہیں دینے پڑتے۔ دو گھنٹہ تک ہر قسم کی گفتگو کے بعد مجھے احمد مدحت صاحب نے

انکا کتب خانہ

اپنا کتب خانہ دکھایا جسمیں عربی فارسی ترکی کی حدیث فقہ

اور تصوف کی کتابوں کے علاوہ زیادہ تر فرانسیسی زبان کی کتابیں تھیں۔ جنمیں سے میں نے چند فرانسیسی زبان کی بڑی بڑی کتابوں کے نام نوٹ کرلئے جو حسب ذیل ہیں۔

یونانی مصنفین کے کلام کا مجموعہ (لائبریری ہاشٹے) پچاس جلدیں۔

لاطینی مصنفین کے کلام کا مجموعہ مرتبہ ایم نیسارڈ۔ چوبیس جلدیں۔

پیشیورس پیشیورسک۔ ساٹھ جلدیں۔

تاریخ عمری فیلسوفی (از کونٹ ڈے سیگور) بہت سی جلدیں۔

تاریخ کلیسیا (از لیے فلودے) چالیس جلدیں۔

لاگران سائیکلو پیڈی (فرانسیسی) تیس جلدیں۔

سائیکلو پیڈیا ہاؤ الاروز۔ متعدد جلدیں۔

آخر میں انہوں نے مجھے فرانسیسی رسالہ لاروز سائیکلو پیڈک ریویو دکھلایا جسمیں ترک اور ترکی کی حالت پر ایک مضمون میں احمد حمدی آفندی کو ترکی نشانویسوں کا اُستاد بتلایا گیا تھا۔ غرضکہ ان کی شہرت نہ صرف ترکوں میں ہے بلکہ یورپ کے علمی حلقوں میں مسلّم ہے۔ یورپ کے اورئینٹل کانفرنس میں یہ ترکی گورنمنٹ کی طرف سے کئی مرتبہ وکیل ہوکر گئے ہیں۔ اور سٹاک ہالم کے کانفرنس میں عربی فلسفہ کے صیغہ کے میر مجلس تھے۔

دستکاری کی سرد بازاری

سلطنت عثمانیہ کی تجارت اور صنعت و حرفت کی حالت بہت ردی ہے۔ میں نے یہاں کے کئی اہل الرائے حضرات سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ آپ کے بازار یورپ کی اشیا سے پُر ہیں۔ اور ترکی میں کوئی ایسی چیز یا دستکاری نہ ہے جو عام طور پر نہیں بنتی۔ جو غیر ممالک کو بھیجی جائے۔ یا اسی ملک میں ہی عام طور پر صرف ہو۔ وہ دستکاری چیز سرنا کے قالین ہیں۔ جو دنیا بھر میں مشہور رہیں اور جنکی نقل آج تک اہل یورپ امریکہ نہیں کرسکے۔ یہ دو لاکھ لیرہ (پونڈ) عثمانی کی تجارت ہے۔ کسی قدر ریشم اور پارچہ بافت کی صنعت باقی ہے۔ لیکن ردی اور

اور دوسری خام پیداوار کی اشیاء کی طرح بہت سا ریشم خام بھی یورپ کے کارخانوں میں جاتا ہے اور وہاں سے تیار ہو کر آتا ہے۔ یہاں کمک کے دو بڑے بٹ جنکو تو ندرہ کہتے ہیں۔ اور جو خاص ترکی کی ایجاد ہے۔ اور یہاں کی ضرورت کی چیز ہے۔ وہ بھی اکثر روس سے بنکر آتے ہیں۔ جو یہاں کی ساخت سے سستے بکتے ہیں۔

احمد جودت صاحب

احمد جودت صاحب مالک و ایڈیٹر اخبار اقدام نے مجھے بتلایا کہ یہاں کی صنعت و حرفت کا یورپ کے صنعت و حرفت کے کارخانوں نے ستیاناس کر دیا ہے۔ کوئی دو سو سال پہلے سلاطین عثمانیہ نے دول یورپ کو بطور رعایت اجازت دی تھی کہ وہ اپنی اشیائے تجارت یہاں لاکر فروخت کریں۔ اور اس سلطنت کے عہدنامے بھی لکھے گئے تھے۔ اس وقت ترکی نے مال کی قیمت پر صرف آٹھ فیصدی شرح محصول درآمد یعنی ڈیوٹی مقرر کی۔ اس وقت کے بعد دنیا کی صنعت و حرفت کے کارخانوں میں بڑا انقلاب ہو گیا ہے۔ اہل یورپ اب بہت ارزاں اشیاء تیار کر سکتے ہیں۔

یورپین مال درآمد پر صرف آٹھ فیصدی ڈیوٹی

مجھے ایک قہوہ پینے کی چھوٹی سی پرچ اور پیالی دکھلا کر کہا کہ یہ دونوں اب قسطنطنیہ کے بازاروں میں نصف قروش یعنی ایک آنہ کو بکتی ہیں۔ جو یورپ سے بنکر آتی ہیں۔ بجائیکہ خود سلطنت ترکی میں چینی کے برتن بنانے کے کئی کارخانے تھے مگر وہ اتنا ارزاں مال نہیں تیار کر سکتے۔ کیونکہ ان کے یہاں زمانہ حال کی ترقی یافتہ مشینیں استعمال نہیں ہوتیں۔ اسلئے وہ سب بند ہو گئے ہیں۔ اور اب یورپین کارخانے اتنے آگے بڑھ چکے ہیں کہ جبتک غیر معمولی کوشش نہ کی جائے اور بہت سا سرمایہ نہ لگایا جائے ان کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ ورنہ ایک قصبہ کوتاہیہ تمام و کمال چینی برتن بنانے میں مصروف رہتا تھا۔ مگر اب یہاں ایک بھی گھر اس صنعت کا نہیں رہا۔ [illegible]

کوتاہیہ میں چینی برتنوں کی صنعت کا خاتمہ

اس سے کم نقصان پہنچا ہے۔ جتنا کہ چینی برتنوں کے کام کو ٹرکی میں پہنچا ہے۔ میں نے یہاں کے عجائب خانہ میں۔ جسکو "تموزی خانہ" کہتے ہیں کوتاہیہ کی چینی کی بنی ہوئی چیزوں کے نمونے دیکھے جو یورپ کی ساختہ اشیا سے عمدہ ہیں۔ مگر چونکہ آج ارزاں نہیں اسلئے ان کا بازار سرد ہو گیا ہے۔ میں نے اس اخبار نویس دوست سے دریافت کیا کہ اسکا تو یہی نتیجہ ہے کہ ٹرکی میں صنعت و حرفت کو کبھی ترقی نہ ہوگی۔ انہوں نے کہا جب تک ممالک غیر کی اشیا کی درآمد بھاری ڈیوٹی لگا کر بند نہ کیجائیگی۔ ٹرکی کی ساختہ اشیا کو ترقی نہیں ہو سکتی۔ مگر دول یورپ ڈیوٹی بڑھانے نہیں دیتیں۔ جیسا کہ حال میں صرف ۳ فیصدی اضافہ کرنے کی صلاح دی گئی تھی۔ مگر بوجہ ان کی مخالفت کے تجویز رہ گئی۔ حالانکہ روس بعض اشیاء پر چالیس پچاس فیصدی قیمت کے برابر بھی محصول درآمد لیتا ہے۔ اسلئے کہا کہ ٹرکی نے دستکاریوں میں فوقیت حاصل کرنے کی بالفعل امید منقطع کر لی ہے البتہ زراعت کی طرف توجہ زیادہ مبذول کی ہے۔ جسمیں بہت کچھ بہتری کی امید ہے۔ میں نے کہا کہ جس طرح گورنمنٹ جرمنی اپنی بیٹ شوگر تیار کرنے والی رعایا کو بونٹی دیتی ہے تا کہ غیر ممالک کے مقابلہ میں وہ سستی شکر بنا سکیں ویسا گورنمنٹ عثمانیہ کیوں نہیں کرتی۔ انہوں نے کہا کہ اسمیں بھی کامیابی کی امید نہیں۔ ٹرکی کے مقابلہ میں دول یورپ نے مینوفیکچرز چیزوں کی آدھی قیمتیں لینے پر آمادہ ہو جائینگے۔

محمود اسعد افندی جبکہ میں نے لاہور سے ایک ہفتہ وار انگریزی اخبار "ڈی سن" جاری کیا تھا اسوقت سمرنا کے ایک ترک افسر محمود آفندی بھی اس اخبار کے خریدار تھے۔ جو اوسوقت اپنے آپ کو سمرنا کی عدالت عالیہ کے چیف جج لکھا کرتے تھے۔ اور انگریزی میں خط و کتابت کرتے تھے۔ اب جو قسطنطنیہ میں پہنچا تو احمد مدحت صاحب اور بعض دیگر اصحاب نے مجھے ان سے ملنے کی صلاح دی۔ مگر مجھے خیال نہیں آیا کہ ان سے تو روحانی ملاقات

پہلے سے حاصل ہے - آخر خالد ایوب نوجوان مصنف نے کہ جنسے ملاقات پہلے
ایڈیٹوریل سٹاف میں ملاقات ہو چکی تھی - میرا ذکر محمود اسعد افندی سے کیا
وہ مجھے پہچان گئے اور ان کے ماتحت تھے۔ ملاقات کا پیغام بھیجا - چنانچہ میں
ان کے دفتر صیغہ فینانس میں ان سے ملا - یہاں آپ نائب وزیر مال ہیں -
مملکت عثمانیہ میں قانون حقوق وراثت میں اتھارٹی سمجھے جاتے ہیں - اور
دارالخلافہ کے یونیورسٹی کالج میں قانون کے لکچرار ہیں - اور کثیر تصانیف کے مصنف
ہیں - محمود اسعد صاحب مجھے مل کر بہت خوش ہوئے اور شکایت کی کہ مجھے قسطنطنیہ
پہنچکر انہیں کے یہاں قیام کرنا چاہئے تھا - چہ جائیکہ میں ملنے ملاتک نہیں -
اصرار کیا کہ اب انہیں کے مکان پر ٹھیروں - آج پہلی دفعہ انہوں نے شربت
منگوا کر پلایا - بحالیکہ یہاں سوائے قہوہ کے کسی اور نے مجھے کچھ نہیں پلایا تھا

پانچ سال کے خط -

دوسری شام کو حسب وعدہ سید عبدالغفار اور میں ان کے مکان
پر کھانا کھانے کے لئے پہنچے - لیکن چونکہ شہر کے ایک بہت دور
کے حصہ سے آئے تھے - اسلئے بجائے ۱۰ بجے اَلا تُرکا کے ۱۲ بجے شام کو
پہنچ سکے - اور اس زحمت کے لئے معذرت کی - انہوں نے میرے دو خطوط
اکتوبر و نومبر ۱۹۰۸ء کے جو میں نے انہیں لکھے تھے - مجھے نکالکر دکھائے جنہیں
دیکھکر میں دنگ رہ گیا کہ انہوں نے اتنی مدت سے ان خطوط کو محفوظ رکھا ہوا تھا
ان میں میں نے انہیں لکھا تھا کہ انشاءاللہ سفر قسطنطنیہ کے دوران میں سمرنا میں آپ سے
ضرور ملونگا - اسعد آفندی صاحب نے کہا کہ گو مجھے سینکڑوں خطوط آتے
ہیں اور میں نے بیسیوں اخبارات خریدے لیکن تمہارے اخبار اور تمہارے خطوط
سے نہ جانے مجھے شروع ہی میں کیوں ایسی الفت ہو گئی تھی کہ میں تمہیں فراموش
نہ کر سکا -

ترکی کھانا

اتنے میں میز پر کھانا لایا گیا - اور ہم کھانے کے کمرہ میں گئے - سوائے
میزبان کے ان کے تین چار بھائی بھتیجے بھی مع ان کے شاگرد خالد ایوب کے کھانے

میں شامل تھے۔ پہلے شوربا آیا۔ جیسے کہ انگریزی کھانوں میں پہلے سُوپ آتا
ہے۔ ایک ہی برتن میز کے وسط میں رکھا گیا۔ جس میں سے ہر شخص اپنا اپنا چمچہ
بھر لیتا تھا۔ اسکے بعد گوشت سادہ اور دو تین قسم کا ترکاریوں میں پکا ہوا
گوشت آیا۔ پھر ایک شیریں کھانا فرنی فالودہ کی قسم کا ٹکڑے کیا ہوا آیا۔
پھر "بورک" نامی کھانا آیا جو ایک موٹے پراٹھے کی طرح تھا۔ اور اسکی تہوں
میں برشتہ انڈے تھے۔ اخیر میں پلاؤ آیا۔ لیکن اسے بہت کم ہاتھ لگایا گیا۔
کیونکہ سب سیر ہو چکے تھے۔ اور سب سے آخر تازہ فروٹ آیا۔ جس میں انگور۔ اور
خربوزہ اور تربوز کے چھلے ہوئے قاشیں تھیں۔ کھانے سے فارغ ہو کر ہاتھ
دھوئے۔ یہاں سیلابچی کے بیچ میں ایک جگہ صابن رکھنے کی ہوتی ہے۔ سادہ
اسی کے اوپر سب ہاتھ دھوتے ہیں۔ جس سے صابن گیلا ہو کے کیچڑ سا ہو کر
ہاتھوں میں لگ جاتا ہے۔ کھانے کے بعد ڈیڑھ گھنٹہ تک باتیں ہوتی رہیں
پھر انہوں نے اپنا فوٹو گرافوں کا البم دکھلایا۔ اور کہا کہ حضرت سلطان کے
جشن بست و پنج سالہ کی تقریب میں جو یہاں کی یونیورسٹی میں سائنس اور
قانون کے صیغے بڑھائے گئے ہیں۔ ان میں سے میں بھی ایک لیکچرار مقرر ہوا ہوں۔
ہر روز تین گھنٹے دفتر حقوق مشاورت میں کام کرتا ہوں۔ اور دو گھنٹہ یونیورسٹی میں
پھر مجھے اپنا کتب خانہ دکھلایا۔ جس میں زیادہ فرانسیسی عربی اور چند انگریزی کتابیں
تھیں۔ قانون فلسفہ اور فیزیکل سائنس کی کتابیں بہت تھیں۔ مجھے اپنی تصنیف
سے ایک تاریخ طبعی (نیچرل ہسٹری) دو جلد اور ایک اصول فقہ دی۔ اس سے
پہلے انہوں نے لاہور میں بھی مجھے دو تین کتابیں اپنی تصنیفات سے بھیجی تھیں
رخصت کے وقت انہوں نے مجھے اپنے دو فوٹوگراف دیئے۔ اور میرا فوٹو
گراف طلب کیا۔

محمد سلیم آفندی ایڈیٹر کا ذکر

بیروت کے اخبار ثمرات الفنون کے ایڈیٹر محمد سلیم الآفندی جو
چند بار مجھے ملنے آئے مجھے ایک روز کہنے لگے کہ تمہارے

نشان پہنے مجیدی کی سفارش ہو چکی ہے۔ میں نے کہا یہ نہیں ہو سکتا۔ نہ مجھے کبھی سے اسکی آرزو کی ہے۔ نہ کبھی ایسے افسر سے ملا ہوں کہ جنکے متعلق یہ کام ہو۔ اسلئے یہ گپ ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ تمہاری بابت اخبارات میں کیفیت دیکھکر خود بخود تمہاری سفارش کردی گئی ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر ذات علی نے کہا کہ اخبار میں تمہاری کیفیت پڑھکر سید سیف الدین صاحب نے جو شیخ سید ابو الہدے صاحب کے داماد ہیں مجھے کہا تھا کہ اسے ضرور نشان ملنا چاہئیے آخری روز جب میں ہز اکسیلنسی محمود اسعد آفندی صاحب سے ملنے گیا تو انہوں نے مجھے بتلایا کہ ہز اکسیلنسی محمد حسن صاحب نے تمہارا ذکر باش کاتب ہمایونی سے کیا تھا۔ اور وہ شکریہ سن کر خوش ہوئے تھے۔ بہتر ہے کہ مابین ہمایوں میں جا کر انہیں مل آؤ۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ میں قسطنطنیہ سے روانگی کی تیاری کر چکا تھا۔ اسلئے انہیں مل نہ سکا۔ باش کاتب ہمایونی سلطان المعظم کے سب سے بڑے سکرٹری ہوتے ہیں۔

ایک اردو دان شامی

ایک روز میں اخبار معلومات کے دفتر میں گیا تو ایک صاحب مجھے بڑے تپاک سے ملے۔ اور اردو بولنے لگے۔ معلوم ہوا کہ انکا نام محمد سعید طرابلسی ہے۔ جو دس سال تک ہندوستان کے مختلف اسلامی مدارس حیدرآباد وغیرہ میں مدرس عربی رہے ہیں۔ مالیر کوٹلہ میں ہندوستانی بی بی سے شادی کی اور اب اُسے قسطنطنیہ میں اپنے ہمراہ لائے ہوئے ہیں۔ اور آجکل عربی معلومات کے ایڈیٹر یا مترجم اور ۸ ہی سو قرش ماہوار پر ہیں۔ چنانچہ انہوں نے پیسہ اخبار اور بعض دیگر اردو اخبارات نکلائے کہ جنکے ترجمے انہوں نے ابھی عربی میں معلومات کے لئے کئے تھے۔ شامی صاحب نے بھی مجھے قسطنطنیہ کے بعض مقامات دیکھنے اور لوگوں سے ملانے میں مدد دی۔ اور جب میں ہندوستان میں واپس آیا تو کچھ عرصہ بعد لاہور میں بھی مجھے ملے اور میرے پاس بیٹھے۔ غالباً اپنی ہندوستانی بی بی کو یہاں چھوڑنے کے لئے آئے تھے

عظیم زادہ جمیل بیگ صاحب شامی صاحب نے عظیم زادہ جمیل بیگ صاحب سے ملاقات کرائی۔ جو معلومات عربی کے چیف ایڈیٹر اور ملکی زبان کے ایک سربرآوردہ مضمون نگار اور اعلےٰ پایہ کے خط ثلث کے خوشنویس ہیں۔ اصل ملازمت ان کی محکمہ سنسر (محتسب اخبارات) کے دفتر کی رکنیت ہے یہ دراصل دمشق کے ایک نامور خاندان روساکے ممبر ہیں۔ مجھے بڑی مہربانی سے ملتے تھے۔ اور قسطنطنیہ سے روانہ ہونے سے پیشتر مجھے بطور تذکار دیا وگاہ چند اوراق میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اقوال نہایت اعلےٰ درجہ کی عربی خوشخطی کا نمونہ لکھکر دیئے۔ علاوہ اسکے دمشق میں اپنے چچیرے بھائی کے نام ایک معرفت کا خط بھی دیا جس سے مجھے دمشق میں بہت مدد ملی۔ اور میں نے ان کا عظیم الشان خاندانی مکان دیکھا کہ جسے قیصر جرمنی نے بھی دمشق میں پہنچکر دیکھا تھا۔

عربی خوش خطی قسطنطنیہ اور دیگر بلاد عثمانیہ میں ابتک خط نسخ کی خوش نویسی کی بہت قدر کیجاتی ہے۔ اور اچھے اچھے خطاط اسوقت تک موجود ہیں۔ کہ جنکی تحریرات کے نمونے فوٹوگرافوں یا کتبوں اور کتابوں میں وہاں جابجا نظر آتے رہتے ہیں۔

آمدورفت کے ذریعے اور وسائل

سڑکیں قسطنطنیہ کی سڑکیں بیشک اچھی نہیں۔ جو سب ان گھڑے پتھروں کی بنی ہوئی ہیں۔ سوائے بعض کے جو گھڑے ہوئے پتھروں سے بنائی گئی ہیں یا جنپر کنکریٹ کوٹا گیا ہے۔ جو مسافر یورپ کی طرف سے یورپ کی عجیب وغریب سڑکیں دیکھتا ہوا آئیگا۔ وہ سب سے پہلے قسطنطنیہ کی سڑکیں دیکھکر ضرور حیران ہوگا۔ علاوہ اسکے شہر کی گلیوں اور بازاروں میں اس قدر فراز و نشیب ہیں کہ بعض مقامات میں بازاروں میں بعد و چہار منزل کے برابر سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں

جیسے کہ پہاڑی مقامات میں ہوتی ہیں۔ کیونکہ یہ شہر بھی سات پہاڑیوں پر واقع ہے۔ جب میں احمد حسن آفندی صاحب سے پہلی مرتبہ ملا۔ اور انہیں معلوم ہوا کہ میں یورپ کی سیاحت سے واپس جا رہا ہوں۔ تو انہوں نے فوراً خود بخود شہر کی سڑکوں کے مضمون کو چھیڑ دیا۔ اور کہا کہ ہمارے شہر کے بازار یورپ کے شہروں سے بہت خراب ہیں۔ اور جو شخص یورپ کے شہروں کو دیکھ آئے اُسے یہ سب بُرے کھٹکتے ہیں۔ لیکن اسکی ایک وجہ اور وہ یہ ہے کہ حقیقتہً یورپین تاجر اور دولتمند لوگ یہاں رہتے ہیں کہ جن کے

یورپین آبادی کچھ میونسپل ٹیکس نہیں دیتی

یہ عالیشان اور سنگین مکان تم دیکھتے ہو۔ یہ سلطنت کو ایک پائی کسی قسم کا ٹیکس نہیں ادا کرتے سوائے اکثر تعمیری مال درآمد پر چونگی دینے کے۔ جیسے کہ سلطان [illegible] یورپین سوداگروں کو اپنے ملک میں [illegible] اپنے سبب کچھ رعایتیں کر رکھی ہیں [illegible] کے وقت ان معاہدوں پر دستخط کر لیتا [illegible] ان دولتمند یورپین سوداگروں سے ایک پائی میونسپل اخراجات کے لئے وصول نہیں کر سکتی۔ اسلئے غریب ترکوں سے جو کچھ وصول ہوتا ہے اسی سے بری بھلی یہاں کے بازاروں کی تعمیر و مرمت ہوتی ہے۔

کرایہ کے گھوڑے

قسطنطنیہ میں نہ تو ویسی گاڑیاں [illegible] تمام امور مرفوت [illegible] ہوتے ہیں بلکہ یہاں کے کرایہ کے گھوڑے ہی زین سواری کے [illegible] ہیں کیونکہ بوجہ بازار اور گلیاں تنگ اور نشیب و فراز ہونے [illegible] نشیب کے گڑھے بہت کام دیتے ہیں۔ [illegible] بازاروں اور گلیوں میں صرف چال سے ہی نہیں چلائے جاتے بلکہ دوڑ سے چلائے جاتے ہیں۔ اور گھوڑوں کے ساتھ [illegible] ہوتے ہیں انہیں پیچھے

چابک مار کر دوڑائے جاتے ہیں۔ اس شہر میں جلدی پہنچنے کے لئے یہ اچھی سواری ہے۔ پہلے میں نے سمجھا تھا کہ سوار گھوڑا دوڑا کر اس نوکر پر ظلم کرتا ہے۔ لیکن پیچھے معلوم ہوا کہ یہ لڑکے خود گھوڑا بھگاتے ہیں۔ چونکہ شہر کے کئی حصوں میں بہت ترچھی چڑھائیاں ہیں ان پر گھوڑا اسطرح چڑھتا ہے۔ جس طرح آدمی سیڑھیوں پر چڑھتا چلا جاتا ہے۔ اور اسکا سائیس پتھروں پر ننگے پاؤں ہانپتا ہوا ساتھ ساتھ چلا جاتا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ یورپین طرز کی گاڑیوں کے رواج سے پہلے یہاں ایسے گھوڑے بہت زیادہ ہوتے تھے۔

بخشش اور ٹپ میں فرق

ایک روز غیر ممالک کی ڈاک کا وقت قریب تھا۔ میں نے جلدی ڈاک خانہ پہنچنے کے لئے چار غروش کو گھوڑا کرایہ کیا۔ یہ کرایہ پیشگی دیا جاتا ہے۔ میں نے ایک چرک (پانچ غروش کا سکہ) کرایہ والے کو دیا۔ اُس نے بڑی سماجت سے ایک چھوٹے سے بچے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ تمہارے ساتھ دوڑیگا۔ یہ غروش بھی واپس نہ لو۔ واقعی بچہ بہت چھوٹا تھا سات آٹھ سال سے بڑا نہ ہوگا۔ اگر مجھے پہنچنے کی جلدی نہ ہوتی تو میں گھوڑے کو ہرگز نہ دوڑاتا۔ مگر پھر بھی بعض تنگ گلیوں میں گاڑیوں اور راہرووں کے ہجوم کیوجہ سے آہستہ چلاتا گیا۔ یورپ اور یہاں کی خدمات میں فرق یہ ہے کہ یہاں ٹپ دینے کا بالکل ذکر نہیں کہ جیسے یورپ کے مزدور اور خدمتگار اپنا حق سمجھتے ہیں۔ مگر کبھی کبھی خدمت کرنے والے یہاں محنت سے زیادہ مانگ لیتے ہیں یا منت سماجت سے مانگا ہوا تقاضا کرتے ہیں کہ جسے یورپین بخشش کے نام سے بدنام کرتے ہیں۔ ہاں ایک دفعہ ایک کشتی والے نے جھگڑا کر کے دو تین غروش زیادہ لئے۔ یہ کل ٹپ یا انعام یا بخشش سمجھ لیجئے۔ جو اپنی مرضی کے خلاف مجھے دینے۔ ایک ماہ کے قیام استنبول میں رہا۔ ورنہ کسی شخص نے مجھ سے کوئی بخشش نہیں مانگی جو ناجائز ہو۔ بجائے یورپ کے جو شہر میں ہر کھانے کے بعد۔ یہ ہوٹل چھوڑنے کے بعد۔ ہر ذرہ سی خدمت کے بعد ٹپ دینا

لازمی ہوتا ہے۔ پیرس میں تو یہاں تک ترقی ہوئی ہے۔ کہ گاڑیوں کی شرح کرایہ مقرر
کرکے گائیڈ بکوں میں لکھ دیا ہے۔ کہ علاوہ کرایہ کے انعام پانے کے گاڑیبان
امیدوار ہیں۔ اور بعض دفعہ جب بڑا سکہ گاڑیبان کو دیا تو اس نے علاوہ کرایہ مقررہ اپنا ٹپ
بھی خود ہی رکھ لیا۔ اور بقایا پیچھے لوٹا دیا۔ اگر ممالک مشرق میں کوئی مفلس مزدور
خدمت کرنے کے بعد واسطے نکال کر دو چار آنے مانگ لے۔ تو یورپ کے سفید کوٹ
اور کالر والے جنٹلمین مزدوروں کی ناجائز مصادرہ سے ہزار درجہ قابل معافی ہے
ملک انگلستان کی اس بارہ میں تعریف کرنا ضروری ہے۔ کہ ٹپ کی رسم وہاں
بھی ہے لیکن دینا کی طرح ٹریوے کے کنڈکٹروں تک کو نہیں دینا پڑتا۔ یورپ
میں تمام عجائب خانوں اور اس قسم کے قابل دید مکانوں بلکہ دفتروں اور کچہریوں
کے دروازوں پر چھاتے اور لاٹھیاں رکھنے کے لئے کوئی عورت یا مرد مقرر ہوتا ہے
اور جو سرکاری عجائب خانے مفت بھی دیکھے جاتے ہیں۔ وہاں بھی ایک پینی
(ایک آنہ) تو ضرور چھاتا رکھنے والے کو دینا پڑتا ہے۔

گاڑیاں پیرا اور استنبول کے کئی مقامات میں گاڑیوں (اعرابوں) کے اڈے ہیں
گاڑیاں خوبصورت وکٹوریا قسم کی بہت اچھی ہوتی ہیں۔ اور سب دو گھوڑے والی
ہوتی ہیں۔ کیونکہ بوجہ جابجا کے چڑھائیوں کے ایک گھوڑا کام نہیں دے سکتا۔ کرایہ
گھنٹہ یا مقدار راہ یا ذاتی غرض کے لحاظ سے کیا جاتا ہے۔ مگر یہ بات گاڑی والے
سے پہلے کہہ دینی چاہیئے۔ کہ کس طریقے سے کرایہ دیا جائیگا۔ رات کو دن کی نسبت کچھ
شرح زیادہ ہے۔ دن کے وقت بیس منٹ کے سواری کیلئے پانچ قرش مقرر ہیں
اور شام سے آدھی رات تک ساڑھے سات اور آدھی رات سے صبح تک دس
قرش۔ اور دن بھر فی گھنٹہ پندرہ قرش یعنی جو منجملہ یورپ کے بہت
ارزاں ہے۔ یہ گاڑیاں بلدیہ یعنی میونسپلٹی کے زیر نگرانی رہتی ہیں۔

اسپی ٹریوے پیرا اور استنبول دونوں طرف گھوڑے کی ٹریوے کی تین
لائنیں جاری ہیں۔ لیکن چونکہ رستے تنگ ہیں۔ اسلئے ٹریوے کی ہر گاڑی کے

آگے ایک وردی پوش آدمی ہاتھ میں چھوٹا سا ترم لئے بجاتا ہوا دوڑتا جاتا
ہے۔ اور اسی لئے دوسری سڑکیں کراس کرنے کے لئے جو بہت کم ہیں دیر تک
گاڑیوں کو اس کی گاڑی کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ ان گاڑیوں میں عورتوں
کے بیٹھنے کے لئے علیحدہ پردہ دار جگہ ہے۔ درجہ اول اور دوم دو درجے جو ہیں
کرایہ میں بہت تھوڑا سا فرق ہے۔ [illegible] دنیا میں کسی ملک میں ٹرموے یا بس
میں درجوں کا فرق نہیں [illegible] ان کی فرش [illegible] بجول پر
مقرر ہے۔ بعض [illegible] سڑک پر چڑھنے کے لئے چار چار گھوڑے جتے
جاتے ہیں۔

زیر زمین ریلوے

[illegible] غلطہ کی نسبت پیرا بہت بلندی پر واقع ہے۔ اسلئے پل غلاطہ
[illegible] کے [illegible] پہاڑی کے اندر زیر زمین راستے
کھودے گئے ہیں جنہیں [illegible] گھنٹے بعد تک
[illegible] کے بعد [illegible] سے نشیب
کی طرف [illegible] گاڑی انجن اور
[illegible] ہے [illegible] کے ذریعہ
[illegible] کی طرف کی گاڑی
[illegible] طرف کے [illegible] اسمیں بھی
[illegible] درجہ اول درجہ
[illegible]

[illegible] طرف ریلوے نہیں

[illegible] کے [illegible] روزانہ
[illegible] چھوٹی
[illegible] ہوتی ہیں۔ (۳)
[illegible] بہ قرینہ کو ساحل

مارمورا پر روزانہ دو ٹرینیں جاتی ہیں۔ اور ہی لوکل ٹرینیں روزانہ قزل طوپراق
تک کوئی مال [illegible] کے درمیان آتی جاتی ہیں مضافات کے
رہنے والے [illegible] اہل شہر ان لائینوں کو بہت
استعمال کرتے ہیں [illegible] ہم مثل چیتے رہتے ہیں
ریلوں [illegible] سو تراشیں وان ترک بھی
ہوتے [illegible] ہے۔

کیک کشتیاں [illegible] سے زیادہ اور زیادہ
پر لطف [illegible] گولڈن ہارن کی ساکن
[illegible] ہزاروں کشتیاں چلتی نظر آتی
ہیں [illegible] کیک یا کائیک کشتی
تیز رفتار [illegible] ہوتا ہے۔
اگر [illegible] بڑی کشتیوں سے
[illegible] کیک ہی ترک بولتی
[illegible] کہتے ہیں۔ [illegible]
[illegible] مقرر ہیں۔ جہاز
سے [illegible] شہر کے مختلف حصوں
کے درمیان [illegible] بہت کام آتے ہیں
حبیبہ [illegible] مقامات تک حبیبہ ہی جاتے
ہیں [illegible] کے جو مسافر یا اسباب
[illegible] پر نظر آتا ہے
[illegible] کی آمدورفت
[illegible] چھوٹے چھوٹے سٹیشن مقرر ہیں

[illegible] جنہیں سو کرزی دریائی خرچتی
[illegible]

یہ ترکوں کی وطنی کمپنی ہے۔ مگر اسمیں مسلمان عیسائی سب شریک ہیں۔ یہ سٹیمر پل غلاطہ سے لیکر ساحل باسفورس کے تمام مضافات کے دیہات تک دن میں بار بار جاتے آتے رہتے ہیں۔ جو ان میں سے ساحل یورپ کی طرف چلتے ہیں ان کے مستول پر سبز جھنڈا اڑتا ہے اور جو ساحل ایشیا پر چلتے ہیں ان پر سرخ جھنڈا۔ مگر جو باری باری دونوں طرف جاتے آتے رہتے ہیں۔ وہ دونوں رنگ کے ترکی جھنڈے اڑاتے ہیں۔ پل پر جہاں ان سٹیمروں کا سٹیشن ہے ان

بغاز کے دونوں طرف کی آبادیاں

جہازوں کے دونوں طرف کے سٹیشنوں کے نام ترکی اور لاطینی حرفوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ یورپین ساحل کے سٹیشن یہ ہیں۔ قباطاش۔ بشکطاش۔ اورتہ کوئی۔ کورو چشمہ۔ ارناؤط کوئی۔ بیبک۔ روملی حصار۔ بویاجی کوئی۔ ایرگیان۔ استنیا ینی کوئی۔ تھراپیا۔ کیچ برونو۔ بیوک درہ۔ سرار برونو۔ ینی محلہ اور روملی کواک۔ اور ایشیائی ساحل پر یہ ہیں۔ سکوتری۔ قزغنجک۔ بےلربے۔ چنگل کوئی۔ وانی کوئی۔ کندلی۔ اناطولی حصار۔ قانلیجہ۔ پاشا باغچہ۔ بیکوس اور اناطولی کواک۔ تھوڑے عرصہ کے بعد ہر طرف سٹیمر روانہ ہوتے رہتے ہیں۔ ایک علیحدہ لائن سکوتری کی طرف ایک ایک گھنٹہ کے بعد سٹیمر روانہ کرتی ہے۔ اور گولڈن ہارن کمپنی پندرہ پندرہ منٹ کے بعد پل سے سلطان ایوب تک سٹیمر بھیجتی ہے۔ ان کے علاوہ مخصوصہ کمپنی کے سٹیمر پرنسز آئیلینڈ کو بھی روانہ ہوتے رہتے ہیں۔ کرایہ فاصلہ کے لحاظ سے لیا جاتا ہے۔ مثلاً پل سے روملی کواک تک جو یورپین ساحل کا آخری سٹیشن ہے اور دو اڑہائی گھنٹہ کا سفر ہے۔ اول درجہ کا کرایہ کہ جسے ترک شروش کہتے ہیں۔ سوا پانچ قرش ہے۔ اور دوم درجہ عام لوگ ہوتا ہے۔

ایوب اور شاہ صغری تک خلیج استانبول میں کام کرتی ہے اور شرکت مخصوصہ مجیدہ اور ساحل کنارہ کے دیہات اور جزیروں میں آمد و رفت کا سلسلہ جاری رکھتی ہے۔

پردہ دار عورتوں کے لئے سٹیمروں میں بھی علیٰحدہ جگہ بنی ہوئی ہے۔ سیاحان تفریح باسفورس کے دونوں طرف یہ خوبصورت نظارے دیکھنے کے لئے ایک یا کئی بار ان سٹیمروں کا ضرور سفر کرتے ہیں۔ خواہ انہیں ان بہت سے مواضعات میں کسی میں کام ہو یا نہ ہو۔ مگر مجھے تین چار مرتبہ دونوں ساحلوں پر بعض اصحاب کی ملاقات کے لئے جانا پڑا۔

سٹیمروں کی لائنیں ہر چند کہ سالک خانہ میں بیروت بہت بڑا بندرگاہ ہے۔ تاہم کوئی ایسا انتظام موجود نہیں ہے کہ قسطنطنیہ اور بیروت کے مابین کبھی روزانہ سروس جہازوں کی جاری ہو۔ اور چوروسی۔ اطالی۔ یونانی۔ فرانسیسی آسٹرین اور انگریزی کمپنیاں ان بندروں کے درمیان جہاز چلاتی ہیں۔ ان میں کسی ترک کی ایک پیسہ تک کی شرکت نہیں۔ قسطنطنیہ کے مضافات کی آمدورفت کے لئے ایک جہازوں کی کمپنی بنام "شرکت خیریہ" جاری ہے۔ جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ البتہ مخصوصہ ان جہازوں کی ترکی ملکہ ابیض بحری کی ملکیت ہے۔ ان کے علاوہ شمالی سندروں میں جو سٹیمروں کی لائنیں جاری ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے:-

آسٹرین لائن:- ٹریسٹ سے قسطنطنیہ۔ سمرنا اور تمام ساحل اسکندریہ تک۔ اسکی ایک شاخ ڈینوب میں چلتی ہے کیستنجہ۔ وارنا۔ اور اناطولی و اناطولیہ سے بحیرہ خضر کے بندروں کو جاتی ہے۔

مصری لائن:- خدیوی ڈاک کے سٹیمروں کی کمپنی۔ جو پہلے گورنمنٹ مصر کی ملکیت تھی۔ مگر اب ایک انگریزی کمپنی کا مال ہے۔ جو اسکندریہ سے قسطنطنیہ کو جاتی ہے اور راستہ میں بیریٹس۔ سمرنا اور ساحل شام کے بندروں سے گذرتی ہے۔

انگریزی لائنیں۔ ایک لنڈن کی اور چار لیورپول کی بحری کمپنیاں ان سمندروں میں جہاز رانی کرتی ہیں۔

فرانسیسی لائنیں:- ایک ڈاک کی لائن مارسیلز سے قسطنطنیہ اور سمرنا کو جاتی ہے اور بحیرہ خضر اور ساحل شام کے بندروں سے بھی تعلق رکھتی ہے - دو دو تجارتی جہازوں کی لائنیں ہیں۔

یونانی:- ایک لائن ٹریسٹ سے پیریس، قسطنطنیہ اور بحیرہ خضر کے بندرگاہوں تک

اطالی:- ایک لائن ٹریسٹ وینس [illegible] برنڈزی، سمرنا، قسطنطنیہ اور بحیرہ خضر کے بندروں تک اور ایک لائن ماسیلز سے [illegible] قسطنطنیہ تک

روسی:- ایک لائن اوڈیسہ سے قسطنطنیہ اور بحیرہ خضر کے بندروں تک اور ایک لائن اوڈیسہ سے قسطنطنیہ اور ساحل شام کے بندرگاہوں اور مصر تک -

ترکی:- مخصوصہ کمپنی کے جہاز قسطنطنیہ سے [illegible] تک - وارنہ اور طرابزون تک جاتے ہیں [illegible] اور طرابزون کے مابین مخصوصہ کمپنی ترکی محکمہ بحری کی [illegible] - اور کرتی کمپنی گو ترکی [illegible] ہوئی ہے اسکے علاوہ سلطنت عثمانیہ کی [illegible] سفروں کی لائنیں ہیں [illegible]

عثمانی بحری تجارت [illegible] میں سلطنت عثمانیہ کی بحری [illegible] (۵۱۰۰ [illegible] کشتوں کی [illegible] سٹیمروں [illegible] جہاز تمام [illegible] داخل ہوئے [illegible] وزن [illegible] کل [illegible] سٹیمر [illegible] انگریزی [illegible] یونانی [illegible] ۔

عثمانی ریلوے لائنیں [illegible] میں جبکہ سلطان عبدالحمید خان کی دور اندیشانہ توجہ سے قسطنطنیہ کا [illegible] تعلق [illegible] یورپ کے ساتھ [illegible] ہوا ہے۔

سنہ ۱۹۱۰ء میں یورپین و ایشیائی ٹرکی میں ریلوے لائینوں کی طوالت حسب ذیل تھی۔

یورپین ٹرکی میں:-	میل	سمرنا ایدین ریلوے	۳۳۰
اورینٹیل ریلیں	۸۱۵	سمرنا قصابا	۳۲۱
سالونیکا موناسٹر	۱۳۵	مرسینا ادانا	۴۲
سالونیکا وادی اغلاج	۳۱۷	یافا یروشلیم	۵۴
میزان یورپین ٹرکی	۱۲۶۹	حجاز ریلوے	۲۹
ایشیائی ٹرکی:-		بیروت دمشق	۹۱
بغداد ریلوے (قونیہ سے ارغلی		دمشق مزیریب	۶۰
تک)	۱۲۵	حیفا درعا	۱۰۵
اناطولی ریلوے	۶۳۰	میزان ایشیائی ٹرکی	۱۲۰
مدانیہ بروصہ	۲۵	کل میزان	۳۰۱۹

لیکن آخر سنہ ۱۹۱۰ء تک اس تعداد میں بھی ترقی ہوئی ہے۔ مثلاً حجاز ریلوے آخر سنہ ۱۹۱۰ء تک ساڑھے سات سو میل سے زیادہ تیار ہو چکی ہے اور سنہ ۱۹۱۰ء کے آخر تک مکہ تک قریباً بارہ سو میل تیار ہو جائیگی۔ بغداد ریلوے کا اجارہ جو جرمنوں کو دیا گیا تھا اُسکے رو سے وہ اناطولیا لائین کو قونیہ سے ادانا، موصل، بغداد اور بصرہ تک توسیع دینے کا قصد رکھتے ہیں۔ کہ جسکی کئی برانچ لائنیں ہونگی اور خلیج فارس کے ایک بندرگاہ تک اسے توسیع دی جائیگی۔ جو کہ نسیشن اناطولیہ ریلوے کمپنی کو عطا کیا گیا تھا وہ بغداد ریلوے کمپنی کو منتقل کر دیا گیا ہے۔ کہ جسکا ہیڈ کوارٹر قسطنطنیہ میں ہے۔ اسکا پہلا سکشن (۱۲۵) میل کا قونیہ اور ارغلی کے مابین اکتوبر سنہ ۱۹۰۴ء میں کھولا گیا تھا۔ بیروت دمشق لائین کو حمص اور حماتک توسیع دیگئی ہے اور ابھی اسے حلب تک بڑھایا جائیگا۔ حیفا لائین کہ جسکا کانسیشن گورنمنٹ ٹرکی نے واپس خرید لیا ہے ترقی کر رہی ہے۔ اور ایک سکشن ۸۶ میل کا حیفا سے

آگے ستمبر ۱۹۰۸ء کو جاری کر دیا گیا ہے۔ لیکن اسے مقام رابغ پر مکہ ریلوے سے ملحق کر دیا جائیگا۔ اور اس لائن پر حیفا حاجیوں کی آمدورفت کے لئے مفید ہوگا۔ حمیدیہ حجاز ریلوے نے البیسی دمشق مزیریب ریلوے کے متوازی چلنے کی [illegible] کر جسے شاید گورنمنٹ خرید کر مکہ لائن کا ایک جزو قرار دیدے۔ ستمبر ۱۹۰۸ء تک [illegible] ۵۰۰ میل پر مسافروں کی آمدورفت جاری ہو گئی تھی [illegible] اکتوبر ۱۹۰۸ء کو سلطان المعظم نے مکہ سے جدہ تک حمیدیہ حجاز ریلوے [illegible] منظور فرمایا [illegible] ۱۹۰۹ء کی سالگرہ تک تیار ہو کر [illegible] ہو چکا [illegible] ہے کہ ایشیائے کوچک اور عرب میں سلطان المعظم ریلوں کو [illegible] توسیع دینا چاہتے ہیں۔ جس سے ملک کی دولت کے ساتھ [illegible] کا بے اندازہ بڑھ رہا ہے۔ گو ہندوستان کے تیس ہزار [illegible] ریلوے کو کوئی نسبت نہیں [illegible] پالیسی کا نتیجہ ہے جو [illegible]

اسلامی حکومت کی شان اور اس کی بے تعصبی

[illegible] دیگر مسلمان سلطنتوں [illegible] اور [illegible] ویسے ہی [illegible] اختیار و اقتدار [illegible] عیسائی [illegible] اسلام علیہم [illegible] ہیں۔ [illegible] حکومت کا صدر [illegible] اور شیخ الاسلام مذہب کا افسر ہے۔ گو [illegible] شیخ الاسلام کے تقرر میں علماء [illegible] کے نام نہایت عزت سے [illegible] شیخ الاسلام [illegible]

جماعت علماء کا صدر ہوتا ہے۔ بلکہ تمام محکمہ [illegible] کا عزل ونصب اور انتظام اسکے اختیار میں ہوتا ہے۔ اور سلطنت میں قضات سے درجہ بدرجہ علماء کو مشاہرے ملتے ہیں۔ بڑے بڑے جج مقنن واضعان قوانین اور علم ادب کے اساتذہ علماء کی جماعت میں ہی ہوتے ہیں۔ اسلئے ایک لائق شیخ الاسلام بہت کچھ رسوخ ملک کی بہتری کے لئے استعمال کرسکتا ہے۔

شرعی عدالتیں گو سلطنت کے [illegible] آئین [illegible] شریعت نبوی اور خلفاء راشدین کے [illegible] مبنی ہیں۔ مگر اسکے علاوہ کچھ اور قوانین سیاسی اور ملکی بھی مدون [illegible] گئے ہیں جو بین الاقوام ضروریات کے لئے درکار رہتے۔ سلطنت [illegible] عدالتوں کی ضرورت پیش آئی جیسے شرعی اور قانونی۔ مگر زیادہ تر شرعی عدالتوں کا رواج ہے۔ چنانچہ غلاطہ کی عدالت قضا کو دیکھنے کے بعد [illegible] یادداشت میں قلمبند کی تھیں۔ یہاں ایک مسند پر دو قاضی بیٹھتے ہیں۔ جنہیں یہاں حاکم کہتے ہیں۔ ان میں سے ایک نائب [illegible] تنخواہ ہے۔ دو دوسرا جیف کہ جسکی تنخواہ ستر [illegible] کے طور پر انہیں اور بھی قریب [illegible] سے آمدنی ہوتی ہے۔ جو لوگ انہیں تنخواہ دیتے ہیں۔ بڑے قاضی صاحب کا نام حسن بن خیر اسعد تھا۔ ان عدالتوں میں ملکیت [illegible] تقسیم جائداد فروخت اراضی وغیرہ قسم کے مقدمات [illegible] جنکا فیصلہ شرعی طور پر ہوتا ہے۔ اور ان [illegible] سمجھا جاتا ہے۔ اور اراضی دعوے [illegible] ایک قاضی ہوتا ہے [illegible]

انقلاب قوانین [illegible]

میں ہی ہمارے لئے قہوہ لایا گیا۔ اسوقت ایک مقدمہ عدالت کے پیش تھا جسمیں زبانی شہادتیں لیجارہی تھیں۔ اور ایسی خانگی طور پر گفتگو ہورہی تھی کہ جسمیں دروغگوئی کا اندیشہ نہ تھا۔ اور بالکل نڈر ہوکر فریقین بے تکلفی کی باتیں کر رہے تھے۔ قاضی صاحبان اہل مقدمہ کو اور وہ انہیں آفندم (میرے صاحب) کہکر پکارتے تھے۔ معلوم ہوا کہ ایسی اور تین عدالتیں غلطہ میں ہیں۔ اور استانبول میں پندرہ سے زیادہ ہونگے۔ ہر ولایت میں کئی کئی ایسی عدالتیں ہیں۔

دیہات کے امام

جیسا کہ میں پہلے بیان کرچکا ہوں دیہات یا قصبات ہر جگہ کے اماموں کو سرکاری خزانہ سے تنخواہ ملتی ہے۔ تین چار سو غروش سے ہزار تک انہیں زمیندار جنس کے موقعوں پر اگر خوشی سے کچھ دیں تو بہتر ورنہ وہ کچھ دینے کو مجبور نہیں۔ نکاح کا روپیہ دینے کو بھی مجبور نہیں۔ نیز ملا ایک تنخواہ کے سرکاری عہدہ دار سمجھے جاتے ہیں۔ جمعہ نمازوں کی نقل و حرکت اور مسجد کی پیوند کے معاملات سے سرکار کو مطلع کرتے رہتے ہیں۔

رمضان جیسا نہیں

جیسے یہ بیان کرچکا ہوں ایک روز جیسا کہ قسطنطنیہ میں ماہ رمضان میں لوگ ساری ساری رات جاگتے رہتے ہیں اور دن کو سوتے ہیں۔ رات کو قہوہ خانوں میں بیٹھے گپیں ہانکتے تھیٹروں میں جاتے اور مسجدوں میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ سحری کھاکر دن کو سو رہتے ہیں۔ شام کو ٹھیک افطار کے وقت بڑی ترتیب سے ۔ سب لوگ روزہ کھولکر تھوڑا کھانا کھاتے ہیں۔ بہت لوگ اوروں کے روزے کھلوانے کیلئے افطاری کا انتظام کرتے ہیں۔ اکثر مالداروں کی دعوتیں کرتے ہیں اور علاوہ کھانا کھلانے کے کھانے والوں کو دو دو چار چار دس دس پونڈ تک ایک رقم بنام دیش کراسی (دانتوں کا کرایہ) دیتے ہیں۔ جو رسم ہندوستان کے رئیسوں کے وتیرہ سے بہت ملتی جلتی ہے۔ خود سلطان المعظم تمام

ماہ فوج مقیم دارالخلافہ کی دعوت کرتے رہتے ہیں۔ آج چار کل دس ہزار سول
اسمٰعیلیوں کو روزہ کھلوا کر کھانا کھلایا جاتا ہے۔ اور سوا افسروں کے
ان تمام سپاہیوں کو ایک ایک ماہ کی تنخواہ بطور انعام دیجاتی ہے۔
سلطان امرا کی دعوت کرکے انہیں قیمتی تحائف دیتے ہیں۔ رمضان میں سرکاری
دفاتروں کو صرف دو دو گھنٹے کھلتے ہیں۔ ورنہ یہ مہینہ قومی اور مذہبی
تعطیل کا سمجھا جاتا ہے۔ دفتروں کے کام کا بقایا جو شعبان میں بہت
بڑھ جاتا ہے۔ پورا کیا جاتا ہے۔ راتوں کو مساجد کے میناروں پر خوب
روشنی کیجاتی ہے۔ عید کی نماز کے بعد لوگ مصافحہ کرتے ہیں۔ اور آپس
میں دوست احباب اور رشتہ دار شکر تقسیم کرتے ہیں۔ ہمسایے اور عزیز دوسرے
روز برتنوں میں شکر ڈالکر ایکدوسرے کے گھر لیجاتے ہیں۔ عید اور اس سے دوسرے
دن میں پانچ پانچ دفعہ نماز کے وقت سب توپخانوں سے توپیں چلتی رہتی
ہیں۔ اور مملکت کے تمام بڑے شہروں میں ان توپوں کا رواج ہے۔
عید کے روز سلطانی دربار بڑے تزک و احتشام سے ہمایون جو ہے تقریب
دولمہ باغچہ میں ہوتا ہے۔ عید کو ترک بیرام کہتے ہیں۔ اور عید قربان کو قربان
بیرامی۔ عید قربان کے روز ہزاروں بلکہ لاکھوں دنبے اور بکرے اتنے
بڑے شہر میں ذبح ہوجاتے ہیں۔ صرّہ امین کی روانگی کہ جسمیں ہر سال
سلطانی تحائف شریف مکہ کیطرف روانہ کئے جاتے ہیں ماہ شعبان
میں ہوتی ہے۔ سلطان بنفس نفیس اس مذہبی رسم کو سرانجام دیتے ہیں
ان سب باتوں سے اسلامی سلطنت کی پوری جھلک پڑتی ہے۔

جمعہ کی تعطیل ہرچند کہ سلطان اور خصوصاً ترک عیسائیوں کی نسبت اپنے دین
میں زیادہ پابند ہیں تاہم جیسے التزام سے ممالک یورپ میں مذہبی لحاظ
سے اتوار کو مقدس دن سمجھکر تعطیل کیجاتی ہے یہ بات قسطنطنیہ میں نظر
نہیں آتی۔ اسکی وجہ یہ نہیں کہ گورنمنٹ عثمانیہ جمعہ کو عام تعطیل نہیں

کرتی [illegible] بازگ جمعہ کی نماز [illegible] [illegible] سب
کی کثرت اسبارو [illegible] ساہی ٹیک آ [illegible] سٹن وغیرہ
عیسائی شہروں میں تو قبل دوپہر [illegible] جانے کی ہی کھلی ہوتی
اور ڈاک ٹک کا تقسیم ہونا بند رہے۔ [illegible] قسطنطنیہ میں جمعہ کو نہ صرف سب
دوکانیں ہی کھلی ہوں۔ بلکہ چونکہ تجارت قریب قریب سب عیسائیوں کے
ہاتھ میں ہے۔ اتوار کو دوکان [illegible] بزرگ [illegible] وغیرہ بعض
سرکاری محکمے بھی اتوار کو [illegible] عیسائی
زیادہ ملازم ہیں۔ گو یہودی [illegible] اپنی سبت
یعنی ہفتے کے روز تعطیل [illegible]
اپنے گھنے لیکر [illegible] [illegible]
[illegible] اور بعض دیگر [illegible] بنائی تھی
تہیں۔ اتنک [illegible] جمعہ کا
خطبہ پڑھتے تھے۔ [illegible] معلوم
ہوتا [illegible] کوئی ایسی
بات [illegible] لوں کی جوش
بالقصہ [illegible]

محکموں اور دفتروں میں مساجد

[illegible] بھی دیکھا
کہ دفتر کے [illegible] آنیا جاتا ہے
مگر پھر دیکھا کہ اسی طرح اور [illegible] کے دفتروں میں بھی مساجد موجود ہیں
مسجد [illegible] معارف [illegible] اچھی حالت
میں تھی [illegible] مساجد [illegible] عثمان علی
حسن حسین کے [illegible] ایک بڑا
کے ساتھ ایک نہایت عمدہ [illegible] علی نصرت صاحب

بیٹھکر باتیں کرتے رہتے - اسکے بعد [illegible] تعمیرات اور ابواب عسکری
وصحیہ کی مساجد کو دیکھا جو سب [illegible] سے بڑی تھیں -

آرمینوں کی شورش اور قتل

بہت سے یورپین سیاح جب قسطنطنیہ میں آکر سلطان المعظم کی [illegible] شخصی تعلیمی زندگی کی کوشش اور عیسائی رعایا سے انکے بے تعصب [illegible] سلوک دیکھنے میں تو دنگ رہ جاتے ہیں کیونکہ وہ جو کچھ انہوں نے یورپ میں سلطان المعظم کی نسبت سُنا ہوا تھا - یہاں [illegible] اُسکے برعکس کیفیت دیکھتے ہیں - اور کہتے ہیں کہ کسطرح جو شخص ایسا رحمدل اور مہذب سلطان ہو وہ آرمنی عیسائیوں کے قتل کا حکم دے - جیسے ہی قسطنطنیہ میں کئی آدمیوں سے آرمینوں کے واقعہ کی کیفیت دریافت کی - جسکا خلاصہ یہ ہے کہ آرمینوں کے مفسدہ پرداز [illegible] مدت سے تیاری کر رہے تھے کہ بغاوت کرکے مسلمانوں کا قتل عام کردیں - ان کی [illegible] سے اسلحہ وغیرہ کا بہت بڑا انتظام [illegible] طمنچے تو ایک ایک [illegible] کہ اتنی پرانی سلطنت کو [illegible] خفیہ مخبری بڑا زبردست [illegible] آرمینیوں نے بغتۃً انتظام کر لیا [illegible] کے عہدے بھی آپس میں تقسیم کرلئے آخرش [illegible] تھا یا اور کئی مسلمان مارے گئے [illegible] انہوں نے جلسے کی [illegible] میں سے [illegible] مسلمانوں کا مقابلہ شروع کردیا - اور ہزاروں آرمینیوں کو ڈھیر کردیا - مگر [illegible] ایک بھی سپاہی نہ تھا بلکہ عام لوگ [illegible] اور سرکاری طور پر کہا گیا تھا کہ ۲۵ ہزار آرمنی مارے گئے - مگر [illegible] ایک لاکھ تیرہ ہزار سے کم نہیں

مارے گئے تھے۔ صرف قسطنطنیہ میں گیارہ ہزار اور دیار بکر میں بیس پچیس ہزار۔ ان کی آن میں مردوں اور دیہات تک میں ہزاروں آرمینی مارے گئے۔ امید کی جاتی ہے کہ اب آرمینی بہت مدت تک شورش کرنے کے لائق نہیں رہے۔

حکومت ترکی کس قدر [illegible] کرتی ہے

لیکن کیا یہ واقعہ دیگر عیسائی اقوام بلقان سے جو ترک ہمیشہ دست و گریبان رہتے ہیں۔ اس لئے پیش آتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کو عیسائیوں سے تعصب ہے مگر ایسا ہوتا تو ترکی کی رعایا میں عیسائیوں کو وہ مراعات حاصل نہ ہوتیں جو اب انہیں حاصل ہیں۔ اور سلطان فاتح کے زمانہ سے عیسائی بطریقوں کے متعلق چلی آتی ہیں۔ کہ وہ نہ صرف اپنے اپنے ہم مذہبوں کے مذہبی حاکم ہوتے تھے۔ بلکہ ان کے [illegible] حکومت بھی خاص سلاطین نے انہیں کے سپرد کی ہوئی تھی۔ مگر [illegible] بعض وجوہات ہیں کہ جن سے ترکوں اور عیسائیوں کے درمیان [illegible] معرکہ جدال و قتال گرم رہتا ہے۔ کوئی سلطنت روئے زمین پر ایسی نہیں ہے جو اپنے سے دیگر مذہب کے رعایا کے معبدوں کی مالی مدد کرتی ہو جیسی کہ ترک عیسائی گرجوں کی کرتے ہیں۔ کوئی سلطنت ایسی ہے کہ جس نے اپنے سے غیر قوم و غیر مذہب کے لوگوں کو وزارت اور امبیسیڈری سفارت کے ذمہ دار عہدے دیئے ہوں جیسے کہ سلطنت عثمانیہ نے ارمنیوں وغیرہ عیسائیوں کو دیئے ہوئے ہیں۔ اور اسی پر ترک متعصب غیر مہذب اور عیسائیوں کے دشمن سمجھے جاتے ہیں۔ بخلاف یورپ کے دیگر سلطنتوں کے سلطنت عثمانیہ کا سرکاری مذہب اسلام ہے لیکن نہ صرف عیسائی بطریقوں کو سلطنت کے خزانہ سے رقم ملتی ہے۔ بلکہ سلطنت ان کو سرکاری عہدہ دار شمار کرتی ہے اور نہ صرف ایک عیسائی فرقہ کو بلکہ جدا جدا سب کو سلطنت نے تسلیم کیا ہوا ہے۔ شروع میں ہی ترکی سلاطین نے اپنی رعایا کو مسلم اور

غیر مسلم دو حصوں پر تقسیم کرکے غیر مسلم رعایا کی اقسام کو بلحاظ مذہب ملتیں قرار دیا تھا۔ سنہ ۱۸۳۰ء تک چار غیر مسلم ملتیں سلطنت تسلیم کرتی تھی۔ یعنی رومن کیتھالک۔ یونانی۔ ارمنی۔ یہودی۔ لیکن اس تاریخ کے بعد پروٹسٹنٹ بلگیرین۔ میرونائٹ اور نسطورین بھی الگ الگ ملتیں تسلیم کی گئیں۔ سلطان محمد فاتح اور اس کے جانشینوں نے عیسائی پیٹریارکوں (بطریقوں) کو سلطنت کے بڑے بڑے افسر مقرر کر دیا تھا۔ جن کے ہاتھ میں اپنے مقتدیوں کے بہت سے مذہبی اور ملکی اختیارات جو ہے تھے۔ یہاں تک کہ عیسائی بطریق سزا دے سکتے ہو سزا کے قابل تھے کوئی اسکا ہم مذہب یا شفیقہ قید کیا جا سکتا تھا۔ بطریق ہر وقت دربار شاہی کے ممبروں تک رسائی رکھتے تھے۔ دربار کی رائے ان کے ہم مذہبوں اور مقتدیوں کی نسبت معتبر سمجھی جاتی تھی۔ لیکن سنہ ۱۸۵۶ء میں سلطان عبدالمجید خان ثانی نے جو گلخانہ میں خط شریف لکھا۔ اس نے عیسائی ملتوں کے طرز حکومت کو بالکل بدل دیا۔ اس نے ان ملکوں کے عیسائیوں میں ایک نیا خیال پیدا کر دیا۔ قانون کی نظر میں سب یکساں ہو گئے ہیں۔ اور کہ بطریق کی جگہ اس کے کسی ہم مذہب کو سزا نہیں دلا سکتی۔ اس سے حوصلہ پا کر بلاد عثمانیہ کے عیسائیوں نے اپنے بطریقوں کے ظلم سے اپنے حقوق چھیننے میں زور لگانا شروع کیا۔ سب سے پہلے ارمنی میدان میں نکلے۔ اور ... کی کشمکش کے بعد انہوں نے اپنے بطریق سے تمام ملکی اور مذہبی اختیار سنہ ۱۸۶۰ء کی ایک صدارت عظمیٰ کے حکم کے مطابق لے لئے۔ اس حکم کے رو سے دو مجلسیں بصدارت بطریق قرار پائیں ایک میں پادری مذہبی معاملات کا بندوبست خود ایک عام مجلس اس قوم کی منتخب کرتی ہے۔ اس طرح کل اختیار اپنی حکومت کا ان قوموں کے ہاتھ میں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس لحاظ سے ٹرکی کی مسلمان رعایا سے اچھی حالت میں ہیں۔ آرمینیوں کی کامیابی دیکھ کر دوسری ملتوں نے بھی اسی طرح کی

کونسلیں اپنے قومی انتظام کے لئے قائم کرلیں۔ اور اب ہر ولایت میں پارلیمنٹ کی مانند ایک ایسی پراونشل کونسل موجود ہے تاکہ تمام دنیا میں غیر مذہب قوموں کو غیر مذاہب فاتحوں کے ہاتھ سے یہی رعایتیں حاصل ہوجائیں۔ جو ٹرکی میں مسلمان فاتحان کے ہاتھ سے عیسائی اور یہودی رعایا کو حاصل ہیں۔ تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس سے بہتر اور کونسی صورت مفتوح ملتوں کے لئے ہوسکتی ہے

تبادلہ سکہ۔ تجارت اور دستکاریوں کی کساد بازاری

تبادلۂ سکہ مسافر کو قسطنطنیہ ٹرکی میں تبادلہ سکہ کی بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ کچھ تو چھوٹے سکے ہی کم ہیں اور کچھ مصنوعی طور پر غلاطہ کے ارمنی یونانی اور یہودی صرافوں نے کہ جنکی سیکڑوں چھوٹی چھوٹی دوکانیں قسطنطنیہ کے بازار میں ہیں مصنوعی طور پر یہ مشکل پیدا کر رکھی ہے۔ جیسا کہ میں ایدرنہ کے بیان میں ذکر کرچکا ہوں ایک فرانسیسی پونڈ خوردہ کرانیکا صرافت ڈیڑھ قرش لے لیتے ہیں اور پھر بجائے چھوٹے چھوٹے سکے یعنی پیسے دینے کے چک دیتے ہیں۔ جو پانچ پانچ غروش کے ہوتے ہیں۔ یا مجیدی دیتے ہیں۔ جو بیس غرش کے ہوتے ہیں۔ اور ان لوگوں نے خوردہ دینے میں مجیدی کی قیمت ہی انیس غروش کر رکھی ہے۔ بحالیکہ چک دو غرش کا سکہ ہے۔ مگر اس کے توڑنے میں بھی دس بارہ یعنی دو پیسے لے لیتے ہیں۔ اور ان صرافوں نے ایسا جتھا بنایا ہوا ہے کہ تمام چھوٹے سکے کچھ کمیشن دے کر ٹریمے اور غلطہ کے پل اور تمام دوسرے مقامات سے کہ جہاں ایسے سکے جمع ہوتے ہیں خرید لیتے ہیں۔ اور پھر بھاری کمیشن لیکر لوگوں کو خوردہ دیتے ہیں۔ اس میں یہ بڑے بڑے فریب کرتے ہیں۔ اگر تم پونڈ تڑاؤ گے تو تمہیں چار مجیدی اور چار چک اور کچھ غرش دینگے۔ ممکن نہیں کہ بلا دوسری کمیشن لینے کے ان میں سے ایک اور مجیدی کا خوردہ کردیں۔ اگر ٹریمے پر سوار ہونے لگو۔ اور

مجیدی یا چرک پیش کرو تو دکاندار پہلے اُس سکہ کے خوردہ کرنے کی کمیشن لیکر
پھر شلنگ کی قیمت رکھ لیگا - کئی دفعہ دوکاندار سے آدھی مجیدی کا سودا لو - تو
بلا کمیشن باقی مجیدی کا خوردہ دینے میں تامل کرتا ہے - پایۂ تخت سے باہر
اس سے بھی زیادہ تکلیف ہے - کئی سکے بالکل نامنظور کرتے ہیں - علاوہ
اسکے سمرنا - روڈس - اسکندریہ میں جہاں کوئی چاندی کا سکہ توڑا یا تو [illegible]
کا نیا سکہ ملا - جو قسطنطنیہ میں نہیں چلتا اور پھر ہر شہر میں مجیدی - غرش اور شلنگ
کی قیمت الگ الگ ہے - یہ معاملہ اس ملک میں مسافر کو سخت تکلیف دیتا ہے
اور بوجہ مختلف سکوں سے ناواقفی کے نقصان بھی ہوتا ہے - میں نے سنا ہے
جنگ روس کے بعد سلطان عبدالحمید خان غازی نے کچھ اصلاح سکوں کے
بارہ میں کی ہے - اور کوئی سکہ ملک سے جمع کر کے منسوخ بھی کیا ہے اور
اسکی بجائے نیا ضرب کیا ہے - بلکہ تمام پارے جو ابھی مضروب ہوئے ہیں
اور مروج نہیں ہوئے - وہ بھی میں نے دیکھے - ذات سلطانی نے وہ تمام نوٹ
جو جنگ روس کے زمانہ میں ملک میں پھیلے ہوئے تھے - قیمت دیکر خریدے
اور تلف کئے - جس سے میرا مطلب یہ ہے کہ سکہ کے معاملہ کی جانب باوجود
اسقدر مالی مشکلات کے بہت کوشش کی ہے - امید ہے کہ آپ ان مختلف سکوں
کے صرافوں کی کمیشنوں کو بھی منسوخ فرمادیں گے کیونکہ سلطنت کے کاغذ یا سکہ
سے تبادلہ کو اسکی رعایا کا منظور نہ کرنا سلطنت کے حکم کی خلاف ورزی کرنا ہے -
میں نے سنا ہے کہ ان صرافوں نے یہانتک سود بڑھایا ہوا ہے کہ بعض محکموں
سے نوکروں کی تنخواہیں بڑے منافع کے ساتھ خرید لیتے ہیں - مثلاً ایک شخص
کا اوقاف سے کچھ مشاہرہ مقرر ہے - اور کئی ماہ سے اسے وصول نہیں ہوا
وہ حاجتمند ہے - وہ صراف کے پاس جا کر اپنے تین یا چار ماہ کے مشاہرات ایک
چوتھائی یا ایک تہائی کم قیمت پر فروخت کر دیگا - صراف اُسے نقد روپیہ اُسی وقت
دے دیگا - اب صراف کا اس محکمہ کی تنخواہ دینے والے افسر سے ایسا تعلق ہے

کرو دن تو فوراً وصول کر دیگا - میں سے شک ہوتا ہے کہ ترکی حقوق اکیلے تجارت
کے طور پر نہیں رہتا ہوگا - چل غلاظت سے گذرتے ہوئے اگر تمہارے پاس
چک ہے تو پل والے محصول سے ایک شلنگ کے ساتھ ایک شلنگ
چک سے توڑ دانی بھی کاٹ لینگے - اور اسی طرح بیسہ دار لے اور سلطنت
روکھا [illegible] بھی کرتے ہیں منزل کے [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] ضروری ہے -

دو مثالیں

قسطنطنیہ سے [illegible] [illegible] [illegible]
ہیں اپنے پاسپورٹ پر تصدیق کرانے گیا - [illegible] کرنے کیلئے
ایک مجیدی دی - تو انہوں نے [illegible] [illegible] مجیدی [illegible]
کا ٹکٹ لگا کر باقی خوردہ واپس دیا - اسی طرح جب میں نے واپسی پر جہاز کا
ٹکٹ لیا تو اسکی قیمت ایک دینار عثمانی تھی - لیکن پونڈ کا بقایا دیتے ہیں
جہاز کے دفتر نے اتنا تامل کیا کہ ٹکٹ کا دام واپس لینے کو تیار ہو گیا جب
تک کہیں سے بقایا نہ لاوے اپنے پاس سے تو دیا - میں نے سنا تھا کہ جب پچھلا
جشن سلطانی کی تقریب پر بہت سے سکے چلائے گئے جہاں سب جاری ہوئے
وہ سب صرافوں نے لے لئے تاکہ بازار میں نہ آنے پائیں - بہت لوگ چاندی اور
سونے کے سکوں کو جمع کر کے [illegible] کر دیتے ہیں - مجھے ایک روز ایک
ایسا شخص ملا جس نے ایک یونانی صرّاف سے لے دیدیا [illegible] ایک کتب
فروش سے لیکر دیا تھا - اسی نے ادھر سے [illegible] دیا -

ترکی سکوں کے نام اور قیمتیں -

ترکی سکے تینوں قسم کے سونے چاندی اور نکل کے
ہوتے ہیں - نکل کے بعض سکوں میں بھی ملاوٹ [illegible] جاتا
اور چاندی ملائی گئی تھی - [illegible] [illegible] - [illegible] جیسے خوب فروش
سکے ہیں اور یورپین بیشتر ہندوستان کے [illegible] [illegible] کے دو
[illegible] کے برابر ہوتا ہے - مگر یورپ کے مختلف ممالک یا ترکی کے سکے

[illegible] سکے کی [illegible] کم و بیش ہوتی [illegible] ہے

تفصیل سکہ	[illegible]	[illegible]	[illegible] فرق	[illegible]
طلائی [illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	
[illegible]		[illegible]	[illegible]	
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	
چوتھائی لیرہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	
چاندی کا مجیدیہ		[illegible]	[illegible]	
نصف مجیدیہ		[illegible]	[illegible]	
چوتھائی مجیدیہ یا چرک یا [illegible]		[illegible]	[illegible]	
[illegible]		[illegible]	[illegible]	
[illegible]		۱	[illegible]	
[illegible]	[illegible]	۵	[illegible]	
[illegible]		[illegible]	[illegible]	
[illegible]		[illegible]	[illegible]	
[illegible]		[illegible]	۱	
[illegible]		[illegible]	[illegible]	
۵ پارہ		[illegible]	[illegible]	

[illegible] جیسے [illegible] پارہ [illegible] مجیدیہ کا [illegible]
[illegible] جاتا ہے [illegible] کا [illegible]

مجیدی چاندی کا چار چرک یا بیس قرش کا۔ لیرہ یعنے ترکی پونڈ (اور نصف پونڈ) سونے کا سو قرش کا۔ لیکن چونکہ لیرہ سونے کا ہے۔ اور اصل قیمت برائے نام سونے کے سو قرش ہیں جو اصل میں سونے کے قرش موجود نہیں اسلئے چاندی کے سکے (۱۰۸) قرش ملتے۔ مگر مجیدیہ بیس قرش کا سکہ ہے۔ لیکن پبلک یا سرکاری مطالبات میں ۱۹ قرش کا محسوب ہوگا۔ اس قسم کی پیچیدگیوں سے صرافوں کی چاندی ہوتی رہتی ہے۔ انگریزی پونڈ کے ۱۱۰ قرش ملتے ہیں۔ اور فرانسیسی پونڈ کے ۹۵ + عجیب بات یہ ہے کہ تمام قلمرو عثمانیہ میں سکے کی قیمت ایک نہیں۔ مثلاً جب مسافر قسطنطنیہ سے سمرنا میں پہنچتا ہے اور وہاں بیس قرش کا سودا خرید کر ایک مجیدی ادا کرتا ہے۔ تو دکاندار اسے بارہ قرش واپس لوٹاتا ہے۔ گویا یہاں مجیدی ۳۲ قرش کا ہوگیا۔ اور مختلف اشیاء کے خریداری میں بھی قیمت مختلف ہوجاتی ہے۔ مثلاً تمباکو خریدنے میں مجیدی ۲۵ قرش کا ہے تو افیون خریدنے میں ۳۰ قرش کا۔

وزن مجھے تو صرف ارقہ اور تسطار رہنے کا اتفاق ہوا ہے۔ ترکی میں ۱۸۸۹ء سے فرانس کا عالمگیر عشری یعنے میٹرک سسٹم تا نوتا جاری ہوگیا ہے۔ اور ترک گو وزن نئے اندازہ کے مطابق کرتے ہیں۔ مگر انہوں نے اپنے قدیم اوزان کے نام نہیں بدلے۔ مثلاً

۱۔ کیلوگرام	۱۔ اوقہ
۱۰۔ کیلو	۱۔ بتمان
۱۰۰۔ کیلو	۱۔ قنطار
۱۰۰۰۔ کیلو	۱۔ چیکی۔

شمار وقت میں عجیب خلاف جو شخص ہند، افغانستان یا یورپ کے قلمرو عثمانیہ میں پہنچے اُسے پہلے پہل یہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ جب اُسکی گھڑی پر صبح کے چھ بجتے ہیں۔ ترک کہتے ہیں بارہ بج گئے۔ بات یہ ہے

کہ ترک وقت کو صحیح قاعدہ قدرت کے مطابق غروب آفتاب سے شمار کرتے ہیں
اسلیے شام سے لیکر صبح تک ان کے بارہ بجتے ہیں اور صبح سے شام تک پھر بارہ
اور یہ چوبیس گھنٹے ایک دن کے ہوئے۔ یہ قسم زیادہ معقول معلوم ہوتی ہے۔ لیکن
چونکہ اہل ہند انگریزی طریق اوقات سے مانوس ہیں انہیں یہ بات مصر کے
اور استانبول میں کہ جہاں عثمانی طریق مروج ہے اجنبیا معلوم ہوتی ہے۔ مگر چونکہ
یورپ یہاں بھی بہت ہیں اور ہر روز آتے رہتے ہیں۔ اسلیئے جب یوروپین
صاحب سے وقت بتلاتا ہو تو کہتے ہیں "الافرنگا" یعنے بطریق افرنجی یہ
فرانسیسی محاورہ ہے۔ اور اسکے مقابلہ میں پھر ترکی طریقہ کو "الاترکہ" کہتے ہیں

صنعت و حرفت کے کارخانے اور دستکاریاں

جیسا کہ میں کسی دوسرے مقام پر لکھ چکا ہوں یہاں کا
ترسانہ یعنے جہازسازی کا کارخانہ سو اپنی تمام شانو
کے مکمل ہے۔ توپ خانہ کا بھی مکمل "فابریقہ" موجود ہے۔ زیتون برنو کے
فشنگ خانہ اور دمیر خانہ کا حال بھی مفصل بیان کر چکا ہوں۔ فسخانہ کی
کیفیت بھی لکھ چکا ہوں کہ جہاں ٹوپیاں اور بانات۔ فوجی وردیوں کے لیو
بنتی ہے۔ بلکہ ہیرکہ کے کارخانہ میں بھی قالین بانات اور ٹوپیاں بنتی ہیں۔
اور ان سب کارخانوں میں ہزارہا دستکار اور مزدور کام کرتے ہیں۔ مگر یہ سب
سرکاری ہیں۔ رعایا کے کارخانوں اور مشترک کمپنیوں کا کچھ ذکر نہیں
صرف ایک چینی برتنوں کا "جام فابریقہ" اور بعض کارخانے مٹی کے
بچنے ٹھکول وغیرہ کے ہیں۔ اسکے اوپر دستی کام کرنیوالے کئی ریشم کے
کارگاہ ہیں۔ کہ جنمیں جانمہ نامی ایک قسم کا نہایت نفیس لباس تیار ہوتا ہے
اور ریشم کے چارشعت (برقعے یا چادریں) بنتی ہیں۔ کپڑے اور چمڑے پر
اعلیٰ درجہ کا ندوزی کا کام بے نظیر ہوتا ہے۔ تولیئے اور مشہور قالین
سلطنت کے دوسرے مقامات میں بنے جاتے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ
ان محدود دستکاریوں سے کبھی کوئی قوم آسودہ یا دولتمند نہیں ہوسکتی

تجارت و حرفت سے بے توجہی

غرض کہ قلمروئے عثمانی میں بھی مسلمان رعایا کو تجارت اور صنعت و حرفت کے کارخانوں کی طرف مطلق توجہ نہیں۔ جہاں اس قوم کے ہاتھ میں سلطنت ہے۔ وہاں اسکی حالت اس سے بھی ابتر ہے۔ کہ جہاں یہ سلطنت کھو چکی ہے۔ جہاں تک میں معلوم کر سکا ہوں بلحاظ تجارت اور حرفت اور نیز دولت کے وہ باشندے بعض قسطنطنیہ کے مسلمان ہندوستان کے مسلمانوں سے بھی گئے گذرے ہیں۔ اگر چند وزرا یا خاندانی امیروں میں پانچ دس ایسے ہیں جو دولتمند ہیں۔ تو اس سے قوم کی دولتمندی پر اثر نہیں پڑ سکتا۔ بحیثیت مجموعی یہاں مسلمان مفلس ہیں۔ شہر قسطنطنیہ کی تمام تجارت یونانیوں۔ ارمنیوں یا ممالک غیر کے یورپین تاجروں کے ہاتھ میں ہے۔ اور مسلمانوں کا حصہ صرف سرکاری ملازمت پر ہے۔ کہ جس کی تنخواہ کی اوسط دو پونڈ ماہوار سے زیادہ نہیں۔ جو اس ملک میں صرف زندگی گذارنے کے لئے مشکل کافی ہیں۔ بہت کم دکانیں ترکوں کے ہاتھ میں ہیں۔ اور اگر چند ہیں بھی تو وہ بھی بنئے۔ بقال۔ تنبولی۔ [illegible] ہیں۔ اور وہ بھی گذشتہ فساد ارمنی کے بعد [illegible] گئی ہیں۔ [illegible] وہ دکانیں عیسائیوں کی ہیں۔ غرض سب مسلمان تہی دست ہیں۔ یہ حال قسطنطنیہ ہی کا نہیں بلکہ تمام قلمروئے عثمانی کا یہی حال ہے۔ سمرنا میں تجارت [illegible] یونانیوں اور دیگر یورپین اقوام کے ہاتھ میں ہے۔ سمرنا کا ایک شخص جو اسی جہاز میں مسافر تھا۔ جس میں کہ میں تھا بتلاتا تھا کہ تمام تجارت اور کاروبار یہودیوں کے ہاتھ میں ہیں۔ جو خوب دولتمند ہیں۔ مگر مسلمان تمام محتاج ہیں۔ کیونکہ ان کے ہاتھ میں نہ کوئی پیشہ ہے اور نہ تجارت اور دوکانداری۔ دمشق اور بیروت میں بھی مسلمانوں کا افلاس ضرب المثل ہے۔ کیونکہ وہاں کی تمام تجارت بھی عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔

ان حالات پر غور کرنے سے مجھے یقین ہو گیا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا افلاس

زوال سلطنت کا سبب نہیں ... ان کا ... [illegible]
کیونکہ ترکوں کے ہاتھ میں ... بہت بڑی سلطنت ... [illegible]
ایک مفلس ... [illegible]
بے توجہی ... [illegible]
خواہ یہ دنیا ... [illegible] ہے

جہاں ... [illegible] سخت در بازار

[illegible]

دیکھا ہے۔ "دعائے سلطان سبب غفران" - اور اسپر اضافہ ہے کہ جب ترک عیسائیوں سے جنگ کرتے ہیں تو ہمیشہ اسے مذہبی جہاد باور کر کے میدان میں جاتے ہیں۔ میدان میں "اللہ! اللہ!" کا نعرہ زور شور سے ایسے ہجوم یعنی دھاوے کے وقت بلند کیا جاتا ہے۔ گذشتہ جنگ یونان کے موقعہ پر جو اعلان حرب باب عالی سے شائع کیا گیا تھا۔ اسمیں یہ الفاظ بھی تھے۔ کہ خدائے تعالے کے فضل اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت کی مدد سے ہمیں فتح حاصل ہوگی"

ترکوں کی جنگی قابلیت

ایک روز مصطفیٰ نوری صاحب ایک ترک افسر نے جنگ یونان اور گذشتہ جنگ روس میں اپنی شرکت کے متعلق بہت سی باتیں بتائیں۔ جنکا ماحصل یہ تہا کہ مسلمان ترک بڑے بہادر ہیں۔ یورپین مدبر اور ماہران فنون جنگ کہتے تھے۔ کہ درہ ملونا سے ترکی فوجیں تین ماہ سے کم مدت میں اور ایک لاکھ سپاہی تلف کرنے کے سوائے نہیں گذر سکینگے لیکن صرف سوا تیرہ روز میدان جنگ میں پہنچ گئی۔ کہ ترکی فوج نے ۲۲ گھنٹہ میں درہ ملونا کو سر کر لیا۔ اور ان میں سے [illegible] آدمی شہید ہوئے۔ دستور ہے کہ حملہ کرنے کے وقت ترک سپاہی اللہ اکبر کے نعرے بلند کرتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ گذشتہ جنگ یونان کے موقعہ پر جب ان نعروں سے میدان جنگ گونج گیا تو یونانی سست پڑ کر بھاگ گیا۔ روس کے جنگ کے متعلق بتایا کہ ترکوں کے ایک رجمنٹ نے روسیوں کی دس بیس رجمنٹوں کو کاٹ کر رکھدیا تھا۔ روسی کاٹتے کاٹتے ترک سپاہیوں کے ہاتھ شل ہوگئے تھے۔ بیان کیا کہ ایکدفعہ جب ایک روسی کمانڈر کے پاس ایک پیغام لیکر گیا تھا۔ اُسنے مجھے کہا کہ تمہارے سپاہی گدھے ہیں کہ اگر ایک ہزار بھی ہو سکتے ہیں۔ تو دس پندرہ ہزار روسی سپاہیوں پر حملہ کرنے سے نہیں ڈرتے۔ حالانکہ ان کی موت یقینی ہوتی ہے۔ میں نے جواب دیا کہ ہمارا مذہبی تعلیم یہ ہے کہ موت وقت مقررہ سے ایک دم نہیں ٹل سکتی۔ اور نہ مقام مقررہ سے

آگے پیچھے ہو سکتی ہے۔ اسلئے ہم لوگ اس اطمینان سے دشمن پر حملہ کرتے ہیں کہ اگر موت لکھی ہے تو کسی طرح مل نہیں سکے گی۔ اور اگر نہیں لکھی تو ہمیں کوئی مار نہیں سکتا۔ روسی افسر نے تعجب سے پوچھا کہ کیا یہی عقیدہ تمہارے تمام عسکریوں کے دلوں میں بھی جاگزین ہے۔ اور جب میں نے ہاں میں جواب دیا تو اُسنے کہا کہ اگر میرے پاس ایسی فوج ہو تو میں شرطیہ تمام یورپ کو فتح کر لوں اس روسی افسر نے کہا کہ اگر روسی فوج کو ایک روز مقررہ مقدار راشن سے کوئی چیز کم ملے یا شراب کی مقدار مقررہ ہی نہ ملے تو اس بیچد بیگی کو ناپسند کر کر ہتھیار رکھدیتے ہیں۔ لیکن بمقابل اسکے ترکی سپاہیوں کو اگر روٹی بھی نہ ملے تو آخری دم تک لڑتے ہیں۔ کیونکہ وہ جنگ کو دنیاوی نہیں بلکہ ایک مذہبی کام سمجھتے ہیں۔

موجودہ جنگی حالت ایک اور نوجوان ترک جنگی افسر نے کہ جسنے یورپ میں فن حرب میں تعلیم پائی ہے۔ بتلایا کہ میرے خیال میں اسوقت ترکی فوج سے صرف جرمن فوج فن جنگ میں فائق ہوگی۔ لیکن بہادری میں ترکی فوج یقیناً اس سے فائق ہے بمقابلہ گذشتہ جنگ روم و روس کے زمانہ کے اسوقت کل کے نوجوان فوجی افسروں کے سینوں میں ملک و قوم کی محبت کا جوش موجزن ہے۔ فنون جنگ کی باریکیوں سے ترک خوب ماہر ہیں اور ... کے ... کسی یورپین قوم سے دوم درجہ کے نہیں۔ ... کہ ... ہیں ... صرف ہمت اور وقت کی خواہش ہے ... اسوقت ہم اپنی بات کے سچے ثابت ہونگے

ہر طرف شاندار فوجی وردیاں غرض ... ترک یورپ کی عیسائی سلطنتوں کی ... زبان ... سب تک موجود ہیں۔ ورنہ ان کا یورپ ... مدت سے ... قسطنطنیہ میں نووارد شخص کو ہر طرف سوائے انواع و اقسام کی فوجی وردیوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ ان میں سے اکثروں پر طلائی ... کا کام کثرت سے ہوتا ہے۔ اور یہ لوگ ہر وقت ...

پہنے رہتے ہیں کہ جنہیں سے اکثروں کے سینوں پر ایک یا کئی کئی تمغے چمکتے نظر آتے ہیں۔ بازاروں میں۔ قہوہ خانوں میں۔ دفتروں میں۔ سٹیشنوں میں افسر فوجی وردی پہنے۔ شمشیر کمر میں لٹکائے ہر روز ہزاروں ترک نظر آتے ہیں۔ کیونکہ یہاں کی حکومت خالص ملٹری حکومت ہے۔

فوج کی اصلاح کے متعلق ایک بڑی بات جو ہز مجسٹی سلطان عبدالحمید خان کو سوجھی ہے۔ وہ حمیدیہ آلائی کی ترتیب ہے۔ یہ فوج ۵۰ ہزار اور ایک لاکھ کے درمیان ہوگی۔ جرمن۔ حجاز اور بغداد کے صحرا نشین عربوں سے بھرتی کی گئی ہے یہ بادیہ نشین لوگ قدرتی سپاہی ہیں۔ اور ان کے بھرتی ہونے سے نہ صرف عرب کے عشیرتوں پر ہی ٹرکی کا قبضہ مضبوط ہو گیا ہے۔ بلکہ بوقت ضرورت بڑی کام کی فوج ثابت ہوگی۔ اور اپنے بانی کے لئے بڑی دست غلط بخش بینی کا ثبوت دیتی ہے۔ اسی خیال کے مطابق سلطان المعظم نے گذشتہ دس سال سے اپنی جیب خاص کے خرچ سے ۱۳۰۸ء سے (۱۰۵۵۳۳) عرش کے مستقل لاگت سے استنبول میں ایک مدرسہ عشیرت قائم کر رکھا ہے۔

ترسانہ عامرہ (صیغہ بحری)

چونکہ پچھلے دنوں سلطنت ٹرکی نے اپنے ۸ جنگی جہازات مرمت کے لئے بعض یورپین ملکوں میں بھیجے ہیں۔ اس سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ ترک ان جہازوں کی خود مرمت نہیں کر سکتے۔ مگر یہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ استانبول میں ایک بہت بڑا سرکاری کارخانہ جہازوں کی مرمت کرنے اور نئے جہاز تیار کرنے کے لئے موجود ہے۔ اسے ترسانہ کہا جاتا ہے۔ اور ایک اس سے چھوٹا ترسانہ سمرنا میں ہے۔ میں نے قسطنطنیہ کا ترسانہ دیکھا۔ اس میں ایک حصہ جنگی جہاز تعمیر اور مرمت کرنے کا ہے اور دوسرا توپیں اور گولے ڈھالنے کا۔ میں سید عبدالغفار صاحب کے ہمراہ پہلے نظارت امور بحر میں گیا۔ یہ بڑی عالیشان سہ منزلہ عمارت ہے۔ بیچ میں ایک مربع صحن شیشہ سے مسقف ہے۔ اس صحن سے لیکر دوسری منزل ہشت رفیع ستونوں پر استادہ ہے

جنہیں سے ہر ستون سنگ مرمر کے چار ستونوں کے جوڑنے سے بنا ہے۔ وسط صحن میں وضو کرنے کا سنگ سفید کا مسقف حوض ہے۔ یہاں سے ترسانہ قریب ہی ہے۔ یہاں نائب مدیر معاون صاحب نے مہربانی کر کے ہماری قہوہ سے تواضع کی اور ایک ماتحت افسر ہمیں ترسانہ کے مختلف صیغے دکھلانے کیلئے ساتھ کر دیا۔ ترسانہ کے افسر اعلے حسنی پاشا ایک تجربہ کار آدمی ہیں جنہوں نے یہیں کے بحری کالج میں تعلیم پائی ہے۔ ان دونوں قسم کے کارخانوں پر جو ترک افسر مقرر تھے۔ وہ انگریزی بول سکتے تھے۔

ترکی افسروں کی زباندانی

یورپین زبانوں کے متعلق ترکوں نے بھی وہی طریق اختیار کیا ہے جو جاپان کا ہے۔ بحری افسر انگریزی جانتے ہیں۔ بری فوج کے لئے فرانسیسی زبان سیکھنا لازمی ہے۔ لیکن جرمنی اور روسی اختیاری ہیں مگر اب اکثر لوگ جرمنی سیکھتے ہیں۔ جسقدر لوگ ہندوستان میں انگریزی جانتے ہیں اتنے ہی یہاں فرانسیسی جانتے ہیں۔ ترک افسر جو سرکاری خط وکتابت غیر قوموں سے کرتے ہیں۔ وہ فرانسیسی زبان ہی میں کی جاتی ہے۔ یہاں کے منصفوں نے مجھے اپنے کتب خانے دکھلائے۔ جو اسی طرح فرانسیسی سائیکلوپیڈیوں اور کتابوں سے بھرے تھے جیسے کہ ہندوستان میں ہم لوگوں کے انگریزی کتابوں سے ہیں۔ قسطنطنیہ کے ترسانہ کے توپخانہ کے افسر اعلے احمد حسن

ترسانہ کا توپخانہ

کمانڈر امپیریل آٹومان نیوی نے بتلایا کہ اس نے دو دفعہ انگلستان کے توپ سازی کے کارخانوں میں۔ جن میں ایک آرم سٹرانگ نامی ہے اور دو مرتبہ جرمنی کے کرپ کے توپ سازی کے کارخانہ میں جا کر کام سیکھا ہے اور اب جو کچھ نیا بنے سو وہ ہے کہ اسکی نگرانی میں جو توپیں اس وقت قسطنطنیہ میں بن رہی ہیں۔ وہ آرم سٹرانگ اور کرپ سے کسی طرح خراب نہیں۔ جسے ذرا سے ذرا دیکھا۔ ایک ۲۰ انچ منہ کی بہت بڑی توپ تیار ہوئی تھی۔ اور دو چھوٹی ۱۳ چکس توپیں ۱۲ سنٹی میٹر کی جرمنی کے آخری نمونہ کے مطابق تیار پڑی تھیں۔ جنکی جلا ہو رہی تھی۔ بہت سی فولاد کی ڈلیوں کو توپ بنانے کے لئے برمایا جا رہا تھا اور توپیں بنانے

کا ہر قسم کا عمل جاری تھا۔ ایک پانچ گزوں والی ماچس تیار کی گئی تھی کئی
ایک چھوٹی توپیں بھی تیار پڑی تھیں۔ بڑی توپ آٹھ ٹکڑوں سے مرکب تھی
قریب ہی ایک بہت بڑا ورکشاپ فولاد ڈھالنے کا ہے۔ جسمیں ۴۰ ٹن
(۱۱۲۰) من فولاد کا بوتہ ایک وقت میں ڈھل سکتا ہے۔ کہ جسے کہ ڈھلتے ہوئے
میں نے بچشم خود دیکھا۔ گویا کہ پانی کے طرح پگھلتے ہوئے سُرخ لوہے کا ایک دریا بہا دیا جاتا
ہے۔ جتنی بڑی نالی توپ کی بنانی منظور ہو اتنی بڑی کٹھالی میں فولاد کا بوتہ ڈھال
لیتے ہیں۔ اور پھر اسے خراد پر چڑھاتے اور اندر سے برمے سے سوراخ نکالتے ہیں
ایک اچھی توپ کا مکمل کرنا کوئی سہل اور جلدی کا کام نہیں۔ کئی بڑی بڑی مشینیں
اس کام کے لئے درکار ہوتی ہیں۔ میں نے اس شخص سے کہا کہ جب یہ مشینیں خود بنانے
لگو گے۔ تب سمجھا جائیگا کہ تمہارے کارخانے مکمل ہیں۔ اُس نے کہا یہ ٹھیک نہیں
کیونکہ ہر چند کہ انگلستان میں آرمسٹرانگ کا توپ سازی کا کارخانہ بہت بڑا اور بہت
مکمل ہے تاہم وہ اپنی مشینیں آپ نہیں بناتے۔ ہر چند کہ اگر وہ بنانا چاہیں
تو بنا سکتے ہیں۔ مگر وہ اس اصول کو مانتے ہیں کہ ہر کارخانے میں جو چیز تیار ہوتی ہے
وہ اس کارخانہ کی مخصوص چیز ہوتی ہے جو وہ اس دوسرے کارخانہ سے
جو دوسری چیز کے بنانے میں مصروف رہتا ہے۔ اچھی بنا سکتا ہے۔ میں نے کہا
کہ ضرورت کے وقت اس کارخانہ کو مشینیں جیسی کہ مقصد کے دوسرے
کارخانہ سے مل سکتی ہے۔ لیکن بڑی گڑبڑ یہ ہے کہ اگر سلطنت جنگ میں مصروف
ہو۔ تو اسے وہاں کے کارخانے سے چیز نہیں مل سکیگی۔ اسی کارخانہ کے ایک
ورکشاپ میں ان توپوں کے سانچے بن رہے تھے۔ کہ اندازاً ابھی نے
نہیں بنایا کہ اس سال توپ سازی کا کارخانہ بہت بڑھا دیا گیا ہے۔ جس سے
امید ہے کہ سال تمام میں یہاں سے ہر قسم کی چھوٹی بڑی سو توپیں تیار ہو جایا کرینگی
یہ بھی معلوم ہوا کہ فولاد تیار کرنے کیلئے نہیں بلکہ دھات یورپ سے خریدنی پڑتی ہے
ہر چند کہ قلمرو عثمانی میں ہر قسم کی معدنیات افراط سے موجود ہیں۔ مگر غالباً کانیں

سے فن میں کافی ترقی نہ ہونے کے وجہ سے یہ محتاجی دامنگیر ہے ۔ جہاز سازی کے
کارخانہ میں اسوقت ایک کروزر "خداوندگار" نامی اڑھائی سو فیٹ لمبا آہن پوش
زیر تعمیر ہے ۔ اور ایک بہت بڑا (۴۸۰) فیٹ لمبا جہاز "عبدالقادر" نامی جواب بن
رہا ہے ۔ اور جو ہمیں نامکمل حالت میں دکھلایا گیا ۔ عبدالقادر جب تیار ہو گیا تو
اول درجے کا جنگی زرہ والی (آہن پوش) جہاز ہوگا ۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان
لوگوں کو اس جہاز کی تعمیر جلدی ختم کرنے کا ذرہ بھی فکر نہیں ۔ پہلے اسی کارخانہ
سے حمیدیہ نامی ایک جنگی زرہ پوش جہاز ساڑھے تین سو فیٹ لمبا تیار ہوا ہے
جسکی زرہ نو انچ موٹی فولاد کے ہے ۔ لیکن وہ جس نقشہ پر تیار ہوا ہے ۔ وہ
پچیس سال کا کہنہ ہے ۔ اور جنگی جہازوں کی تعمیر میں ہر روز نئی باتیں پیدا ہوتی
رہتی ہیں ۔ اسلئے ہرچند کہ یہ جہاز ساخت میں نیا ہے ۔ تاہم فیشن کے لحاظ سے
پرانا ہے ۔ بہرحال کارخانہ کے سپرنٹنڈنٹ عارف بے قائم مقام صیغہ تعمیر
جہازات کو یقین ہے ۔ کہ وہ ہر قسم کے جنگی جہاز عمدہ سے عمدہ بنا سکتا ہے ۔
جیسا کہ کسی اور سلطنت کے کارخانہ میں بن سکتے ہیں ۔ کیونکہ اس کارخانہ میں
جہاز سازی کا کل سامان موجود ہے ۔ لوہا اور کوئلہ ملک سے کافی نکل سکتا ہے
گو کچھ لوہا ممالک غیر سے بھی منگوایا جاتا ہے ۔ اور ہر قسم کے چھوٹے بڑے زرہ والے
جہاز بنوا سکتے ہیں ۔ مگر معلوم نہیں سلطنت کی اسمیں کیا مصلحت ہے کہ وہ کم
کام نہیں لیتی ۔ جنگ یونان کے زمانہ سے ہی کارخانہ میں کام کرنیوالوں
کی تعداد کم ہے ۔ لیکن حال میں جو جہاز دیگر ممالک یورپ کو مرمت کیلئے بھیجے
گئے ہیں ۔ انہیں اتنی جلدی تکمیل کرانا منظور تھا ۔ کہ ان کارخانوں میں اتنی جلدی
نہ ہو سکتے ۔ معلوم ہوا کہ ۲۵ سال پہلے جہاز سازی کے کاریگروں میں ۵۰
۔ ۴۰ انگریز کاریگر ملازم تھے ۔ مگر اب صرف پانچ چھ ہیں ۔ کیونکہ یہ لوگ ۲۰۔۲۵
پونڈ ماہوار تنخواہ لیتے ہیں ۔ اور یہی کام ترک کاریگر ۔ ۸ پونڈ ماہوار میں کرتے
ہیں ۔ اس کارخانہ میں صرف ایک ترک کاریگر کو ۔ ۱ پونڈ ماہوار ملتے ہیں باقی

سب کو اس سے کم۔ ان کارخانوں میں بھی کچھ بچے کام سیکھتے ہیں۔ جو یتیم بھی ہیں۔

بحری عجائب خانہ ایک بحری اشیا کا عجائب خانہ بھی ترسانہ کے متعلق ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس عجائب خانہ میں بہت کم چیزیں ہیں۔ جو عجائب سمجھی جا سکتی ہیں۔ خصوصاً اس شخص کی نظر میں کہ جس نے انگلستان کے گرینچ کے بحری عجائب خانہ کو دیکھا ہو۔ تاہم جو کچھ ہے سُن لیجیے۔ باہر کے جنگلے کے ستونوں کے سروں پر سنگ مرمر کے بڑے بڑے گولے جڑے ہوئے تھے۔ جو سلطان فاتح نے فتح قسطنطنیہ کے وقت استعمال کئے تھے۔ عجائب گاہ میں جہازوں کے چند ماڈل تھے۔ حمیدیہ۔ ہیبت نما اور سہام ایک تارپیڈو بوٹ وغیرہ کے ماڈل تھے جو اسی ترسانہ میں بنے ہیں۔ فن بحر کے معلومات کی ترکی اور انگریزی کتابیں کئی الماریوں میں بند تھیں۔ دو تین کمروں میں قدیم ترکی امیرالبحروں کی چھپی ہوئی تصویریں تھیں۔ اور تین چار ترکی بحری جنگوں کے متعلق بنی ہوئی تصویریں آویزاں تھیں۔ ایک تصویر پر لکھا تھا کہ قپودان دریا پیالہ پاشا نے ۱۱ شعبان ۹۶۷ ہجری مطابق ۱۵۶۰ء کو جزیرہ جربہ کے قریب تمام یورپ کے متحدہ بحری فوجوں کو شکست دی۔ ایک تصویر حسین پاشا ترکی امیرالبحر کے بیڑے کے وینس پر حملہ کرنے کی شاہد ہے۔ نیچے کے دو چھتوں میں پرانی بندوقیں برچھیں اور توپیں اور بہت سے تارپیڈو بھی رکھے ہوئے ہیں۔

ترسانہ کے علاوہ قسطنطنیہ میں دو اور کارخانے توپ اور گولے گولیاں بنانے کے ہیں۔ ان میں سے میں ایک کو دیکھ سکا جو زیتون بردن کے نام سے شہر سے چند میل دور ہے۔ اور دوسرے بڑے توپوں کے کارخانہ کو بوجہ شاہ ایران کے آنے کی تیاریوں کے میں نہ دیکھ سکا۔

زیتون بردن کا کارخانہ گولے گولیاں بنانے کا

اس کارخانہ میں ہنری مارٹینی اور ل باڈی بندوقوں کی گولیاں اور مختلف قسم کی توپوں کے گولے بنائے جاتے ہیں۔

جب ہم اس کارخانہ میں پہنچے تو محمد شاکر صاحب (طوپ خانہ عامرہ یہ منسوب انجنیئر صنائع آلاتی مکتب مدیری) اور مصطفیٰ نوری صاحب (اطفائیہ برنجی طابور بکباشی ورسومات اماتنی طلوبہ مکتب مدیری) دو فوجی سکول ماسٹروں نے جو میرے رفیق کے آشنا تھے۔ ہمیں تمام کارخانہ پھر کر دکھلایا۔ یہ بہت بڑا کارخانہ ہے۔ جس میں مختلف مکانات مختلف چیزوں کے بنانے کے لئے مخصوص ہیں۔ مثلاً ایک طرف ماسر بندوق کی گولیاں بنانے کے لئے لمبی بارکیں شروع ہوتی ہیں۔ پہلے گولی کی کیپسول بنتی ہے۔ جسے پیتل کے پترہ سے کاٹنے اور صاف کرنے کے لئے دس بارہ علیحدہ علیحدہ مشینیں ہیں۔ آگے کارتوس کا خول بنانے اور کیپسول لگانے کی کئی مشینیں ہیں۔ غرض اٹھارہ کاریگروں کے ہاتھ سے نکلکر ایک گولی تیار ہوتی ہے۔ آجکل کارخانہ کے مکانات کی توسیع ہو رہی ہے اور نئی کلیں لگ رہی ہیں۔ اس سے پہلے دن میں صرف چالیس ہزار گولیاں بن سکتی تھیں۔ اب دن میں ساڑھے تین لاکھ گولیاں اور اڑھائی سو گولے تیار ہو سکتے ہیں۔ گو بوجہ نئی مشینیں لگنے اور نیز تعطیلات کے کام بند ہے۔ تاہم بعض جگہ ترک لڑکے اور آدمی کام کر رہے ہیں۔ جن میں کوئی عیسائی یا یورپین نہیں۔ ایک مدرسہ اعدادیہ صنائع بھی کارخانہ کے اندر قائم ہے۔ جیسا کہ بعض اور دستکاری کے کارخانوں

کارخانوں کے اندر مدارس صنائع

مثل تفنگ خانہ اور ترسانہ وغیرہ میں بھی ہیں۔ ان صنعت و حرفت کے مدرسوں میں یتیم اور محتاج طلبا تعلیم پاتے ہیں۔ یہ لوگ دن کا کچھ حصہ پڑھتے ہیں اور باقی حصہ کارخانہ میں کام کرتے ہیں۔ ان سے بہتر کاریگر مشکل سے مل سکیگا۔ اس مدرسہ میں قریب ایک ہزار لڑکوں کے ہوں گے۔ ان لڑکوں کے فری ہینڈ ڈرائینگ اور مشین ٹولس کے ڈیزائین میں نے دیکھے جو میری اجنبی نظر میں برلن کے ٹیکنیکل ہائی سکول کے لڑکوں کے ایسے ہی کام کے برابر تھیں۔

یہاں بھی توپیں ڈھلتی ہیں

گولیوں کے سوائے مختلف دھات کی چھوٹی بڑی توپ

کے گولے بھی یہاں مختلف حصص ورکشاپ میں ڈھلتے ہیں۔ لوہا بالکل پانی کی طرح پگھلا ایک بڑی کٹھالی سے بذریعہ مشین سانچے میں ڈالتے ہیں۔ جو زمین میں گڑھا ہوتا ہے۔ اسطرح گولا ڈھال لینے کے بعد اسکے گرد تانبے کے پترے بذریعہ مشین باندھے جاتے ہیں۔ ایک جگہ گذشتہ جنگ یونان میں یونانیوں سے چھینے ہوئے ۱۲ سنٹی میٹر کے گولے بھی جمع تھے۔ توپوں کی گاڑیاں بھی یہیں بنتی ہیں۔ ایک جگہ ایک گاٹلنگ گن (سریع آتش) دیکھی جو قیصر جرمنی نے سلطان المعظم کو تحفۃً بھیجی تھی۔ چنانچہ اس کارخانہ میں اسکی نقلیں بن رہی تھیں۔ ایک جگہ تلواریں بن رہی تھیں۔ جو پہلے بیس عدد روزانہ سے زیادہ نہ بن سکتی تھیں۔ اب نئی مشینری سے چار سو تلوار روزانہ بن سکے گی۔ ایک جگہ پتیل اور تانبے کا پترہ چوڑا کیا جاتا تھا۔ ایک جگہ فولاد ڈھال کر توپیں ڈھالنے کی مشین تھی یہاں ایک ہائیڈرالک ہتھوڑا دیکھا جسنے آہستہ سے ایک موٹی لکڑی کو دو بار چورا کر دیا۔ یہاں سے توپوں کے بیرے ڈھلکر جاتے ہیں جنہیں ایک دوسری جگہ سوراخ چھیدا جاتا ہے۔ ایک جگہ تین تین چار چار سو سال کی پرانی توپوں کا ڈھیر دیکھا جنہیں سے بعض لاہور کی بھنگیوں والی توپ سے بھی بڑی تھیں۔ ایک زمانہ میں ترک یوروپ میں سب سے اچھے توپ ساز تھے۔ اور ان سے بڑی اور عمدہ توپیں کوئی نہیں بناتا تھا۔ مگر اب مشین گنوں کے مقابلہ میں وہ توپیں بیکار ہیں۔

اب بھی ترک بہترین توپیں بناتے ہیں	توپوں کے متعلق ایک روز احمد حقی افندی نے مجھے بتلایا تھا کہ یوروپ میں صرف تین کارخانے ہیں جہاں

سلہ سلطان محمد فاتح نے ایک توپ اتنی بڑی فتح قسطنطنیہ کے لئے بنوائی تھی کہ جسمیں بارہ من وزنی پتھر کا گولہ رکھکر ایک میل تک پھینکا جاتا تھا۔ سات سو آدمی اسکے چلانے اور رکھنے پر متعین تھے ایڈریانوپل سے قسطنطنیہ تک یہ پانچسو جوڑیاں بیلوں کی کھینچکر لائی تھیں۔ اور تین ہزار سپاہی اسکی حفاظت پر مامور رہتے۔

بہترین فولاد تیار ہوتی ہے - اول کرپ جرمنی میں - دوم آرم سٹرانگ انگلستان میں - سوم کارندری قسطنطنیہ میں - کارندری کے فولاد کی توپیں جو جنگ یونان میں آزمائی گئی تھیں - ان میں سے اس جنگ میں ایک بھی نہیں ٹوٹی بجائے یورپ کی ساختہ توپوں میں سے جو اس جنگ میں زیر استعمال تھیں بعض ٹوٹ گئی تھیں۔

ایک ترکی افسر محمد شاکر افندی مدیر مدرسہ طوب خانہ نے اپنی تصنیف سے

جغرافیہ ایک مختصر جغرافیہ عالم مجھے ہدیتہً دیا - اسمیں ایک جگہ درج ہے کہ سلطنت عثمانیہ کے ماتحت سب سے زیادہ مسلمان آباد ہیں - مینے اس فقرہ پر اعتراض کیا تو مصنف صاحب نے کہا مصلحت ملکی اس بات کی مقتضی ہے - کہ چھوٹے بچوں کے دلوں میں یہ بات ذہن نشین کردیجائے -

نظارت توپ خانہ جب میں توپ خانہ دیکھنے کے لئے اجازت حاصل کرنے کو ترکی پاشا وزیر توپ خانہ کے دفتر میں گیا تو ایک مرتبہ تو وہ بوجہ آمد شاہ مظفر الدین مصروف تھے - اور دوسری مرتبہ کسی اور وجہ سے اپنے دفتر سے غیر حاضر تھے - ان کے نائب بہت اخلاق سے پیش آئے اور انہوں نے قہوہ بھی منگوایا لیکن پاشائے موصوف کے استصواب کے سوا نے وہ توپخانہ دیکھنے کی اجازت نہ دیسکے - بڑے بڑے پایہ کے ترک افسر بھی اجنبیوں سے نہایت اخلاق اور شرافت سے پیش آتے ہیں - اور غرور و تحکم بالکل نہیں دکھلاتے -

باب سر عسکری یعنے وزارت جنگ - یہاں سلطنت کے تمام محکموں وزارت کے دفتروں اور سرکاری عمارات کی پیشانی پر طغرائے سلطانی ضرور ہوتا ہے اور یہ گویا کہ سلطنت کا کورٹ آف آرمس ہے - البتہ اسکے ساتھ ہلال اور ستارے بھی مخلوط ہوتے ہیں - اور کچھ توپیں اور دیگر اسلحہ جنگ بھی - لیکن وزارت جنگ کے محکمہ کی پیشانی پر برکت کے لئے کچھ آیات قرآنی بھی کندہ ہیں -

آیات اور اقوال چنانچہ یہاں جلی خط سے لکھا ہوا ہے :-

انا فتحنا لک فتحا مبینا۔ "و ینصرک اللہ نصرا عزیزا"۔ برمحل موزوں آیات اور اقوال تلاش کرنے اور انہیں عمارات پر کندہ کرنے کے فن میں استاد ہیں۔ جیسا کہ میں کسی دوسری جگہ لکھ چکا ہوں۔ کتب خانوں کے دروازوں پر "فیھا کتب قیمۃ" اور چشموں اور سبیلوں پر "کل شیئ حی من الماء" کیسے موزوں اور پر معنے معلوم ہوتے ہیں۔ ۵ بجے ترکی سے پہلے احاطہ دفتر عسکری میں جانے کے عوام کو ممانعت ہے۔ اسکے بعد سب لوگ اسی راستہ سے گذرتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک شاہراہ ہے۔ عمارت سرعسکری عالیشان ہے۔ جسمیں بہت سے عسکری دوائر یعنے دفاتر ہیں۔ ایک محرر کے پاس تھوڑی دیر ایک افسر کی آمد کے انتظار میں بیٹھے رہے۔ یہ لوگ بجائے بلاٹنگ کے رنگین ریگ نمناک تحریر پر ڈال کر اسے خشک کرتے ہیں۔ جو ان کے پاس چھوٹی چھوٹی ڈبیوں میں پڑی رہتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان کی سیاہی انگریزی سیاہی سے گاڑھی ہوتی ہے۔ یہاں سلطنت عثمانیہ کے سمندروں کے دو عظیم الشان نقشے ترکی میں چھپے ہوئے آویزاں تھے۔ پھر ہم لوگ محافظ کو

برج سرعسکری

بخشش ترش (۱۰ ر) دیکر برج سرعسکری پر چڑھے۔ یہ برج قسطنطنیہ میں سب سے بلند مقام ہے کیونکہ ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ دوسرا برج جو اس سے کسیقدر چھوٹا ہے غلاطہ کا برج ہے۔ برج سنگ مرمر کا ہے مگر اوپر جاکر اسکی سیڑھیاں لکڑی کی ہیں۔ آتشزدگی کے وقت ان دونوں برجوں پر دن میں سرخ گولے اور رات میں سرخ لالٹین بلند ستونوں پر چڑھائی جاتی ہیں۔ نیچے کی منزل کی سیڑھیاں (۱۶۲) اور اوپر کے (۸۰) ہیں چوٹی پر ایک قہوہ خانہ اور کچھ روشنی کا سامان ہے۔ یہاں سے قسطنطنیہ اور غلاطہ کا نظارہ نہایت عجیب نظر آتا ہے۔ اعلیٰ مساجد کے گنبد اور مینار جا بجا پھیلے ہوئے کیسے دلکش معلوم ہوتے ہیں۔

نظارت صحیہ باب عالی وغیرہ دفاتر

ان دفاتر سرکاری کے علاوہ صیغہ محکمہ حفظان صحت کی وزارت کا دفتر بھی مدحت افندی صاحب سے ملاقات

کرنے کے لئے دو تین مرتبہ دیکھا۔ محکمہ تعلیم کا دفتر بھی علی نصرت صاحب کی ملاقات کیلئے دیکھا۔ صیغہ قانس کا دفتر محمود اسعد افندی صاحب سے ملنے کے لئے دیکھا۔ یہ دفتر تو مجھے باب سرعسکری سے بھی عالیشان اور وسیع معلوم ہوا۔ ڈاک خانہ کی عالیشان عمارت دیکھی جو حال ہی میں ۱۴ ہزار پونڈ کی لاگت سے تعمیر ہوئی ہے۔ بابعالی کی عمارت گو باہر سے بہت عالیشان نہیں ہے لیکن بڑی وسیع اور عظیم عمارت ہے۔ افسوس ہے کہ میں اندر سے اسے دیکھ نہ سکا۔ جس روز میں اسے دیکھنے گیا یہ ۸ بجے تک نہیں کھلی تھی۔ عموماً ماہ اکتوبر میں اسوقت یہاں کے دفاتر کھلتے ہیں۔ غرض یہاں کے سرکاری محکموں کی عمارات نہایت رفیع اور اندر سے پر تکلف ہیں۔ کلرکوں اور اہلکاروں کی تمام کرسیاں گدیلہ دار بلکہ آرام چوکیاں ہوتی ہیں۔ افسروں کے کمروں میں ملاقاتیوں کے لئے علاوہ کئی پر تکلف کوچوں کے ایک ایک سپرنگ دار گدیلے والی بنچ بھی ہوتی ہے۔ اور دو ایک تپائیاں دیاسلائی اور ایش ٹرے کے لئے ہوتی ہیں۔ دفتروں میں کلرک یا افسر اپنے ملاقاتیوں کو بے تکلف قہوہ پلاتے ہیں۔ بلکہ اگر بیٹھے دیر ہو جائے۔ تو دوبارہ بھی پلاتے ہیں۔

دفاتر اور فضول خرچی پرائیویٹ مکانات تو جتنے آراستہ اور پر تکلف ہوں ٹھیک ہے۔ لیکن یہاں کے سرکاری محکمہ جات اور دفاتر کی آراستگی میری رائے میں فضول خرچی کی حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ محصول چونگی کے ایک افسر کے کمرہ کی نسبت میری نوٹ بک میں یہ سطور درج ہیں۔ "کمرک کے جس کمرہ میں محمد احسان افندی بیٹھتے ہیں ایسا پر تکلف ہے کہ ہندوستان میں کمشنر صاحب کے بیٹھنے کا کمرہ ایسا آراستہ نہیں ہوتا۔ پانچ کرسیاں پڑی ہیں۔ پانچوں پہ سپرنگ دار گدیلے ہیں۔ تمام فرش پر ترکی قالین ہے۔ پردے بہت بھاری اور مکلف اور سگار اور چائے کے لئے کئی چھوٹی میزیں پڑی ہیں۔

تکیے۔ خانقاہیں۔ چشمے۔ سبیلیں۔ حمام اور خان

مسافروں کے تکیے ترکوں کی قومی فیاضی کا اس سے بہتر کیا ثبوت مل سکتا ہے کہ قدیم الایام سے ان کے بڑے بڑے شہروں میں مختلف ملکوں کے مسافروں کے لئے مختلف مسافرخانے قائم ہیں کہ جہاں اُن مسافروں کو جبتک کہ وہ یہاں مقیم رہیں۔ مفت مکان اور روٹی ملتی ہے۔ انہیں مسافرخانوں کو تکیے کہتے ہیں۔ ہندوستان۔ عرب۔ بخارا۔ افغانستان وغیرہ ملکوں کے مسافروں کے لئے الگ الگ تکیے قسطنطنیہ۔ دمشق۔ بیت المقدس اور حلب وغیرہ شہروں میں موجود ہیں۔ بلکہ قسطنطنیہ میں تو ان تکیوں کی تعداد تین سو سے بھی متجاوز ہے۔ کہ جو اہل خیر ترکوں کی فیاضی سے ہمیشہ ابن السبیل کے لئے کھلے رہتے ہیں۔ ان تکیوں کے اخراجات کے لئے ان کے بانیوں نے کافی جائدادیں وقف کر رکھی ہیں۔ جو گورنمنٹ کے سررشتہ اوقاف کی نگرانی میں رہتی ہیں۔ ان تکیوں کے مہتمم کو شیخ تکیہ کہتے ہیں۔ جنکا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مسافروں کی خدمت کریں اور انہیں کھانا پہنچائیں۔ جو عموماً ایک یا دو وقت کا کھانا اور چائے ہوتا ہے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ چونکہ مسلمانوں کی ہر چیز معرض زوال میں ہے۔ یہ اسباب خیر بھی اُن کے لئے موجب شر ہیں۔ نہ تو ویسے مسافر اب اِن تکیوں میں آتے ہیں کہ جو ابن بطوطہ اور ابن جبیر کیطرح سیاحت عالم تحصیل علوم تحقیقات جغرافیائی یا توسیع معلومات کے لئے گھر سے نکلا کرتے تھے۔ اور نہ ایسے میزبان ہی ہیں۔ کہ جو مال اوقات سے تہ دل سے مہمانوں کی خدمت کرتے تھے۔ مسافر وہ دریوزہ گر آتے ہیں جو سالوں اِن تکیوں میں پڑے ہوئے روٹیاں چرتے رہتے ہیں۔ اور بعض شیخ تکایا ایسے دیانتدار ہیں کہ وہ تمام آمدنی اپنی ذات پر خرچ کر لیتے ہیں اور مسافر کو روتا پیٹتا چھوڑ دیتے ہیں۔ میں نے سنا تھا کہ ہندی تکیہ میں کوئی ہندوستانی ملنے کے قابل نہیں ہے اسلئے میں خود تو وہاں نہ گیا لیکن

لوگوں سے اسکی شکایت ہی سنی - میں نے شیخ ولی محمد صاحب افغانی کا تکیہ دیکھا ہے اور ایک آدھ اور تکیہ بھی دیکھا ہے - بعض کی عمارات بہت عمدہ اور سامان سے فرش ہوئے کمرے اور ساتھ کی مسجدیں خوب بنی ہوئی ہیں - صرف قسطنطنیہ کے تکیوں پر سالانہ خرچ تین چار لاکھ روپیہ کا اندازہ کیا گیا ہے - مگر افسوس کہ اسکا اکثر حصہ رائیگان جاتا ہے -

مولویوں کا تکیہ ان تکیوں کے علاوہ بعض تکیے اصحاب طریقت سے بھی مخصوص ہیں جیسے تکیہ مولویہ - قادریہ - نقشبندیہ - رفاعیہ وغیرہ - لیکن ان سب میں مولویوں کا تکیہ زیادہ مشہور اور با رسوخ بھی ہے - اہل یورپ انہیں لوگوں کو "ڈانسنگ درویشز" یعنے رقاص درویش کہتے ہیں - کیونکہ اپنی مجالس میں یہ لوگ وجد اور حالت میں حلقہ بنا کر رقص کرنے لگتے ہیں - اس فرقہ کے بانی مولانا جلال الدین رومی مصنف مثنوی معنوی گذرے ہیں - جس کتاب کی نسبت شعر عوام میں مشہور ہے - ع

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآن در زبان پہلوی

مولانا دراصل بلخ کے رہنے والے اور شاہی خاندان خوارزم و خراسان سے تعلق رکھتے تھے - مگر ان کی عمر کا بڑا حصہ سلطنت عثمانی میں گذرا اور ۶۷۲ھ میں یہیں انتقال کیا - آپ کی قبر شہر قونیہ میں ہے جو اس فرقہ کا صدر مقام ہے - یہیں اس فرقہ کا سردار رہتا ہے - جو مولانا کی اولاد سے ہوتا ہے - اور جسے چلپی افندی کے لقب سے ملقب کرتے ہیں - یہی شخص اس فرقہ کی کل خانقاہوں کے سجادہ نشین مقرر کرتا ہے اور یہی ہر نئے ترک سلطان کی تخت نشینی کے وقت سلطان عثمان کی تلوار نئے سلطان کی کمر میں باندھتا ہے - ہر شخص جو اس فرقہ میں داخل ہوتا ہے - ایکہزار ایک روز تک مقررہ ریاضت بڑی شفقت اور محنت سے کرتا ہے - اور اسکے بعد وہ مولویوں کی جماعت میں شامل کیا جاتا ہے - ان کی ظاہری علامت ایک بھورے رنگ کی کلاہ نمد ہوتی ہے جو ڈیڑھ دو بالشت سے کم بلند نہیں ہوتی

قسطنطنیہ میں کئی جگہ یا حضرت مولانا کے قطعات نظر آتے ہیں۔ اس تکیہ میں بھی ایک ایسا ہی قطعہ آویزاں تھا۔

مولویوں کے ساتھ ایک نماز جمعہ

میں ایک روز ڈاکٹر نواب علی صاحب طبیب چشمان کے ہمراہ بے ادغلی میں مولویوں کے تکیہ میں نماز جمعہ ادا کرنے گیا۔ یہ مکان اندر سے بہت کھلا ہے۔ اسمیں باغ اور حجرے ہیں۔ ایک طرف مسجد ہے۔ جسکے سقف حصہ کے عین وسط میں ایک ہشت پہلو محدود مقام میں تختوں کا فرش ہے۔ اسکے گرد سنگین ستون ایک گنبد کو اٹھائے کھڑے ہیں۔ اس ہشت پہلو جگہ میں یہ لوگ مجلس حال و قال کرتے ہیں۔ اسکے گرد چاروں طرف مسجد ہے۔ جب ہم گئے تو مسجد کے دروازہ پر ایک بالاخانہ پر ایک شخص خوش الحانی سے قرآن پڑھ رہا تھا۔ اور کبھی کبھی ایک دوسرا شخص اس کی جگہ پڑھنے لگتا۔ یہانتک کہ پھر وہی پہلا شخص تازہ دم ہو کر پھر قرأت اختیار کرتا۔ اتنے میں نمازی جمع ہوتے رہے۔ کچھ دیر کے بعد سب لوگوں نے چار چار رکعت سنتیں پڑھیں۔ پھر امام نے منبر پر کھڑے ہو کر نہایت خوش الحانی اور سوز و گداز سے زبانی خطبہ پڑھا۔ میں نے ایسی خوش گلو قرأت بہت کم سنی ہوگی۔ دوران خطبہ میں جہاں پیغمبر صاحب یا صحابہ کبار یا آیہ کا ذکر آتا سامنے طرف سے کہ جہاں قرآن پڑھا جاتا تھا۔ بلند آواز سے پکار کر حسب موقعہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ یا رضی اللہ تعالے عنہ کہا جاتا۔ دو تین مرتبہ آمین کا موقع آیا تو سامنے سے ایک شخص نے زور سے آمین آمین کا نعرہ ایک ہی آواز میں لگا دیا۔ ایک دفعہ یہیں سے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ دس بارہ دفعہ پکارا گیا۔ اور ایک مرتبہ اللہ اکبر خطبہ کے بعد امام نے دو رکعت نماز جمعہ پڑھائی۔ مگر بہت مختصر سورتیں جلدی جلدی پڑھ دیں۔ اور پھر لوگوں نے اپنی اپنی نماز پڑھی اور دعا مانگ کر چل دیئے۔

مجلس ذکر کی کیفیت

سنگل یا جمعہ کے روز بعد نماز ظہر دو دفعہ اس تکیہ میں مجلس

ہوتی ہے۔ اس طرح کہ درویش اس ہشت پہلو مکان کے اندر جس کے تختوں کا فرش ہے حلقہ باندھ کر آہستہ آہستہ پاؤں کے انگوٹھے کے بل گھومتے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ نفیری [illegible] کے بجتی رہتی ہے۔ اس رقص کا ذکر مولانا صاحب نے مثنوی کے سب سے پہلی سطر میں فرمایا ہے ؎

بشنو از نے چون حکایت می کند — از جدائی ہا شکایت می کند
کز نیستان تا مرا ببریدہ اند — از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

[illegible] گھومنے والوں کا ہاتھ سر پر پھیلا ہوا اور جھکا ہوا ہوتا ہے۔ اور بایاں ہاتھ نیچے گرا ہوا۔ ان کی آنکھیں بند ہوتی ہیں اور سر شانے پر جھکا ہوا۔ غرض یہ نقشہ لفظوں میں بیان ہونا مشکل ہے۔

[illegible]

طریقت [illegible]

ان کے پاؤں میں [illegible]

[illegible]

[illegible] اپنے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ اور سنگ مرمر کے تو بھی ہیں۔ ان پر عموماً ایسی آیات قرآنی کندہ ہوتی ہیں۔ جیسے "کُلُّ شَیْءٍ حَیٍّ مِنَ الْمَاءِ" اب تو واٹر ورکس کا پانی ہر کوچہ و بازار میں مل سکتا ہے۔ لیکن جس زمانہ میں پانی کی یہ سہولت نہ ہوگی اسوقت تو یہ مغتنمات میں شمار ہوتے ہوں گے۔

قیصر جرمنی کا فوارہ یہاں اسقدر فواروں اور چشموں کو دیکھکر قیصر ولیم شہنشاہ جرمنی نے بھی اٹ میدان کے ایک سرے پر مسجد سلطان احمد کے قریب ایک فوارہ اپنی سیاحت استنبول کی یادگار میں تعمیر کرایا ہے۔ قسطنطنیہ میں شاید اس جگہ سے بڑھکر کسی جگہ کو تاریخی اہمیت حاصل نہ ہوگی کہ جہاں قیصر جرمنی نے اپنی یادگار قائم کی ہے۔ اس خوبصورت فوارہ کے بہتر بنانے جرمنی سے آکر لگ رہے ہیں۔ میرے اثنائے قیام میں یہ زیر تعمیر تھا۔

حمام میں کسی دوسری جگہ ترکی حمام میں غسل کرنے کی مفصل کیفیت درج کر چکا ہوں۔ قسطنطنیہ میں حمام ایک بہت بڑا انسٹی ٹیوشن ہے۔ اور شہر بھر میں ۱۷۰ پبلک حمام موجود ہیں۔ ہندوستانی ناظرین سمجھ لیں کہ عموماً یہ حمام سنگ مرمر کی عالیشان اور وسیع عمارات ہوتی ہیں۔ ان میں محمود پاشا۔ جغال اوغلی۔ ایا صوفیہ۔ خاصکی۔ خواجہ پاشا اور غلطہ سرائے کے حماموں کی عمارات خصوصیت سے عالیشان اور قابل دید ہیں۔

خان کاروانسراؤں یا سراؤں کو یہاں خان کہتے ہیں۔ شاید یہ لفظ خانہ سے مشتق ہو۔ باعتبار قاموس الاعلام ترکی اسوقت (۴۸۴) خان شہر کے مختلف حصوں میں موجود ہیں۔ ان میں سے بعض خانوں کی عمارات نہایت وسیع اور پختہ ہوتی ہیں۔ سب سے بڑی سرائے والدہ خان ہے۔ جسکے صحن میں درخت اور دو خوشنما چشمے ہیں۔ اور علاوہ اصطبلوں اور گوداموں کے اس میں اوپر نیچے تین منزلیں بالاخانوں کی ہیں۔ زیادہ خان بڑے بازار اور چکمک جی لر سٹرک پر واقع ہیں۔ دراصل یہ سرائیں سوداگروں اور ان کے اسباب کے لئے بنائی گئی ہیں

لیکن اب ترک اور یورپین لوگ یہاں کرایہ پر رہتے ہیں۔ اور انہیں بطور دکانوں اور مال کے گوداموں کے استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ والدہ خان میں صرف ایرانی سوداگر رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ یہاں مسافر بھی ٹھیرتے ہیں۔ یہ عالیشان عمارات سلاطین عثمانی اور متمول ترکوں کی بنوائی ہوئی ہیں۔ شام کو جس وقت جب ان کے آہنی دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں تو سوداگروں کی جان و مال کو کوئی گزند نہیں پہنچتا۔ والدہ خان کے سوا نے وزیر خان جلد ز خان بھی بہت بڑی ہیں۔

سلطان عبدالحمید خان ثانی غازی کے عہد کارنامے اور بعض اصلاحات

سلطان اعظم کی سلور جوبلی

اتفاق کی بات ہے۔ کہ جس تاریخ کو میں قسطنطنیہ پہنچا اس سے تین چار روز پہلے قسطنطنیہ ایک عظیم الشان قومی جشن دیکھ چکا تھا۔ کیونکہ یکم ستمبر ۱۹۰۰ء کو اعلیٰ حضرت سلطان عبدالحمید خان ثانی غازی کی تخت نشینی کی پچیسویں سالگرہ یعنی سلور جوبلی یا جشن نقرئی کی تقریب پر تمام سلطنت عثمانیہ میں خوشی کے جلسے کئے گئے تھے۔ اور سلطان اعظم کی ترقی عمر و اقبال کی دعائیں مانگی گئی تھیں۔ جس روز میں قسطنطنیہ میں پہنچا ابھی تک جشن کے نعروں کی صدائے بازگشت کانوں میں گونج رہی تھی۔ اور ترکی اخبارات شہر آئینی۔ چراغان اور سلطانی انعامات کی کیفیت سے لبریز تھے اسلئے کسیقدر کیفیت عہد سلطانی کی بھی لکھنی مناسب معلوم ہوتی ہے۔

جوبلی کی مستقل یادگار

گو جشن کی شب کو جو تاریخی چراغان قسطنطنیہ میں کیا گیا تھا اسکی وسعت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ صرف سلطان عبدالعزیز مرحوم کے صاحبزادہ نے اپنے مکان پر اور اسکے قریب روشنی

[illegible] بالکل فراموش ہو جانے
والی چیز ہے [illegible] عام کے لئے خیرخواہی کے
کام [illegible] کہ جو خود ذات شاہانہ [illegible] میں آئے۔ سلطان [illegible] نے ترکی ان
کے اخبارات [illegible] کو [illegible]۔ پہلے [illegible] اخبار ایک
[illegible] تھا [illegible] سے [illegible] دیا گیا [illegible]
[illegible]

[illegible]

لیے ترکی کی گری ہوئی مالی حالت کی اصلاح بھی [illegible] رعب کا میابی ہو سکتی تھی۔ مگر سلطان عبدالحمید خان نے روس کی خونناک جنگ کے بعد جو فوجی اصلاح کی اور ملک کی اندرونی [illegible] انتظام کو درست کیا ہے اس کا کس قدر ثبوت جنگ یونان کے نتیجے سے مل گیا تھا۔ یا آئے دن سے میدان تدبیر کے [illegible] [illegible] [illegible] نہیں رہ [illegible] مگر [illegible] [illegible] [illegible] انتظام [illegible] اصلاحوں سے ہویدا ہیں [illegible] اصلاحات [illegible] بھی جو ترقی اس [illegible] ان کی سابقہ تاریخ میں موجود نہیں [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible] سے تریح صدی سے [illegible] مختصر کیفیت حسب [illegible] ہے۔

مقدار خروش	[illegible]	[illegible]
۱۲۹۱۸۹۳۰	[illegible]	۱۳۰۳
۱۵۳۰۰۴۸	[illegible]	۱۳۰۸
۲۱۰۰۶۲۱	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]

ف [illegible] بعض [illegible] [illegible] حمیدی [illegible] [illegible] ۔

تعداد	نوع خیرات	مقدار غروش
۱۶۷	تربت و قبرستان	۹۸۳۶۹۶
۹۰	چشمے اور سبیلیں	۳۵۵۶۶۶
۲۹	کتب خانے	۱۶۷۹۰۹
۳۲۶	آبرسانی کے سامان	۸۱۲۲۶۹۸
۳۴	گھنٹہ گھر	۴۰۳۵
۱۶۷	مکاتب	۵۷۸۷۱۷
۱۰۰	جائداد میں وقف کیں	۷۳۵۷۵۸
۹۷	مکانات اراضیات مشروط وقف کیں	۴۶۹۳۵۴۳
۳۰	ہسپتال	۳۸۲۵۸۰
۹۰۵	مساجد اور خیرات کے دیگر شعبے	
	کل	۲۳۹۷۰۰۱

میزان کل ۲۳۰۳ قسم کے کار خیر پر پچیس سال میں آپ نے ۳ کروڑ ۱۰ لاکھ ۲۲ ہزار ۵ سو ۳۴ غروش جیب خاص سے صرف کئے [واضح رہے کہ یہ صرف ۱۹۰۰ء تک کے اعداد ہیں۔ اور اس کے بعد ہر پہلو میں ان پر بنسبت کچھ اضافہ ہوا ہے] سلطنت ٹرکی میں آمدنی کے ہر باب میں ترقی ہوئی ہے۔ تعلیم بہت بڑھائی گئی ہے۔ صنعت کو بخصوصیت سے ترقی ہو رہی ہے۔ بعض نئے کارخانے صنعت وحرفت کے سلطنت کی طرف سے جاری کئے گئے ہیں۔ صنعت وحرفت کے مدرسے بھی جا بجا کئے گئے ہیں۔ ٹرکی کا قرضہ بھی بمقابلہ اکثر دیگر دول یورپ زیادہ نہیں رہا۔ تین ہزار میل سے زیادہ ریلوے تعمیر ہوئی ہے۔

ٹرکی اخبارات کا ٹکس معاف ہوا

میرے نزدیک قسطنطنیہ کے ٹرکی اخبارات کا دوبارہ ٹکٹ موقوف کر دینا صرف چھ ہزار پونڈ سالانہ معاف کر دینا ہی نہیں جو اس مد سے سلطنت کو آمدنی ہوتی تھی بلکہ اخبارات کی ترقی میں بڑا معین ثابت ہوگی۔ آئندہ صرف غیر زبانوں کے اخبارات پر ٹکٹ [illegible]

کا چھپنے کے پہلے چسپاں ہو آئیگا جو اس سرزمین میں شائع ہونگے لیکن ترکی دیگر
زبان کے اخبارات کو اس ٹکس سے اس جشن کی یادگار میں بری کر دیا گیا ہے۔
قانون کے مطابق خواہ کوئی دو فقرہ کا اشتہار یا اعلان کسی مطلب کا ہی یہاں
چھپوا لے۔ تو اسکے ہر پرت پر ایک ایسا ٹکٹ چسپاں کرنا پڑتا ہے۔ جواب حرف سوائے
ترکی کے باقی زبانوں کے مطبوعات پر کرنا پڑیگا۔ انگلستان میں بھی مدت تک ایسی
ستم کا ٹکس اخبارات اور نیز اشتہارات پر عائد رہا ہے۔ اور زیادہ خوشی کی بات
یہ ہے کہ اس وقت بلا تحریک احدے حضرت سلطان نے خود یہ اصلاح فرمائی
ہے۔ ورنہ اس سے پہلے اخبارات نے بار بار درخواست کی تھی مگر حکام نے اسپر
توجہ نہیں کی تھی۔ اسکے ساتھ ہی پایہ تخت کے تمام اخبار نویسوں کو بھی محل شاہی
میں سلام کے دن طعام کی دعوت میں شریک کیا تھا۔ اور اذن عام دے دیا
تھا۔ کہ جو کچھ یہ دیکھنا چاہیں محل میں دیکھیں مجھ سے یہاں کے ایک ممتاز اخبار
نویس نے ذکر کیا کہ آج تک ہمیں سلطنت کے بدخواہ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اب
سلطان المعظم کو خود بنفس نفیس ہماری خیر سگالی کا یقین ہو گیا ہے۔ اب امید ہے
کہ یہاں کی اخبار نویسی بحیثیت ترقی کر جائیگی۔ یہاں کے اخبارات ہندوستان کے
اخبارات سے صورت شکل اور اشاعت میں بہت آگے ہیں سب میں "اقدام"
بلحاظ اشاعت سب سے اول ہے۔ اور دس ہزار کاپی روزانہ کی اشاعت رکھتا
ہے۔ ایام جشن سلطانی میں پندرہ پندرہ ہزار بھی چھپا ہے۔ اس کے مالک
چیف ایڈیٹر احمد جودت صاحب بڑے قابل اور خلیق جوان ہیں۔ اسکے بعد
صباح و ثروت ترجمان حقیقت۔ سعادت۔ معلومات۔ ثروت فنون ہیں۔ بلحاظ
سنہ ۱۹۰۰ء میں قسطنطنیہ کے پانچ بڑے اخبارات کی تعداد روزانہ بیس بائیس
ہزار کاپیاں شہر میں فروخت ہو جاتی ہیں۔ احمد جودت صاحب بہت دیر تک
اسی بارہ میں گفتگو کرتے رہے کہ ہندوستان کے اردو اخبارات جب تک ٹائپ
کے حروف استعمال نہ کرینگے۔ تب تک وہ مستقل نہیں ہوسکتے اور نہ ترقی کرسکتے

ہیں - بات بالکل معقول ہے - اسکا کیا جواب ہو سکتا ہے - انہوں نے کہا کہ آپ ہزار ہندوستان کی ترقیوں پر ناز کریں لیکن اردو کا بہتر چھاپا آپکے کبھی کامیاب نہیں ہونے دیگا - سیسہ ٹائپ سب منشا بنوانا کوئی مشکل بات نہیں - حروف نستعلیق لکھوا کر ان کے سیسہ میں کھدوا لو اور مشین پر جیسی مرضی کا ٹائپ ڈھال لو [illegible]

اردو اخبارات [illegible]

نئے ٹائپ [illegible]

[illegible]

اس غرض کیلئے قائم ہے۔ کہ وہاں سے حضور ممدوح کی خدمت میں اہل حاجات تار بھیج
سکیں۔ اور آپکا حکم ہے۔ کہ ہر ایسی تار برقی خبر ضرور ان کی خدمت میں پیش
ہونی چاہیئے۔ لیکن مابین ہمایوں کے عہدہ دار اکثر تاریں پیش نہیں کرسکتے۔
کیونکہ کثرت مشاغل سلطنت میں وہ کہانتک ایسا کرسکتے ہیں۔ اسلئے یہ عہدہ دار
پہلے سائلوں کو طلب کرکے ان کی حاجت دریافت کرلیتے ہیں۔ اور جس کا
کام اہم سمجھتے ہیں اسے پیش کرتے ہیں۔ مگر یہاں مشہور ہے کہ جس کی خبر اعلےٰ
حضرت کے کانوں تک پہنچ جاتی ہے۔ وہ محروم نہیں رہتا۔ اعلیحضرت سلطان
المعظم خود بنفس نفیس سوائے صلوٰۃ الجمعہ کے مسجد میں جاتے ہیں ہر ہفتہ ادا کرنے
اور سالانہ دربار عیدین قصر دولمہ باغچہ میں منعقد کرنے یا خرقہ شریف کی زیارت
کے کبھی یلدز سرائے ہمایوں سے باہر نہیں نکلتے۔ اس وقت قریب آٹھ سے
پندرہ سولہ ہزار کے فوج سوار اور پیدل اور بحری حفاظت کے لئے موجود ہوتی
ہے۔ صدر اعظم اور سرعسکر یعنی کمانڈر انچیف افواج عثمانیہ کو میں نے کئی مرتبہ بازار
میں بگھی میں بیٹھکر گذرتے دیکھا ہے۔ ان کے پیچھے تین تین سوار مسلح چلتے
ہیں۔ اس سے ان لوگوں کی سادگی اور بے تکلفی عیاں ہے۔

خاص سلطانی کارخانہ کی مصنوعات

حضرت سلطان المعظم نے کئی ایک کارخانے سرکاری جیب
جیب خاص سے بعض اشیائے صنعت کی ساخت
کے لئے جاری کررکھے ہیں۔ مگر ان میں جو چیزیں تیار ہوتی ہیں وہ یورپ کی
ساختہ اشیا سے گراں پڑتی ہیں۔ مثلاً ایک مال [illegible] جو باہر سے [illegible]
ہوکر آتا ہے وہ ایک سو بیس قرش میں ملتی ہے۔ یہاں ایک سو ساٹھ قرش پر تیار
ہوتی ہے۔ سلطانی کارخانوں میں ریشم اور پشم کے بہت عمدہ کپڑے۔ قالین
جانمازیں۔ بانات اور ترکی ٹوپیاں تیار ہوتی ہیں۔ چینی اور شیشہ بھی ڈھالا جاتا
ہے۔ اسکی فروخت کے لئے شہر میں کئی دوکانیں ہیں۔ جن پر لکھا ہوا ہوتا ہے "
فابریقہ ہمایونی سلطانی معمولات اری"۔ یعنی اشیائے ساختہ کارخانہ شاہی

حضرت سلطان) اور یہ نہایت نفیس قسم کی چیزیں ہیں۔ مثلاً جو چارساز ترکی ٹوپیاں
اس کارخانہ میں بنتی ہیں۔ وہ یہاں بکتی ہیں۔ مگر ان کی قیمتیں بمقابلہ بازار کے زیادہ
ہیں۔ ان ترکی ٹوپیوں کے اندر ابھرے ہوئے حروف میں مختوم ہوتا ہے یہ
سلطانی کارخانہ کی ساختہ ہیں۔ اس کارخانہ کے علاوہ جنگی ضروریات وغیرہ کیلئے
جو سرکاری کارخانے سلطان المعظم کے عہد میں یہاں قائم ہوئے ہیں۔ ایک ترکی
اشاعت نے ان کی تفصیل حال میں حسب ذیل لکھی ہے۔

جنگی ضرورت کے ترکی کارخانے

(۱) مکمل توپخانہ فابریقہ (کارخانہ) (۲) برقی توپخانہ فابریقہ (۳) چاپیک (فولاد) فابریقہ سی (۴) دیگر صابیک فابریقہ (۵) قرفان (بائیکر) خانہ فابریقہ (۶) تیمور خانہ ماکنہ (آہن خانہ کی مشینیں) تفنگ خانہ (با قرد شخاص) خانہ فابریقہ لری (کارخانے) (۷) سجام قرفان رجا مخصوص یودی فابریقہ (۸) آتا ریشہ خانہ فابریقہ (۹) زفت خلال، فابریقہ (۱۰) سفائن شاہانہ طوپلریہ مخصوص عربہ ٹوخانہ فابریقہ (جہازی وبری توپوں کی گاڑیوں کا کارخانہ) (۱۱) زنجیر جبہ خانہ رتیمور خانہ فابریقہ لری (کارخانے) (۱۲) کبریتخانہ رنگین فابریقہ (۱۳) صحیہ فابریقہ (۱۴) دوقبالی مطبع اور فوٹوگراف خانہ۔ (۱۵) عسکری کے نجار کا فابریقہ اور کئی دوسرے کاموں کے کارخانے۔

مگر افسوس ہے کہ ملک کی عام تجارت پر ان کا اثر اس سے زیادہ ابھی نہیں
پڑ سکتا کہ کچھ لوگ ان سے کام سیکھ کر اپنے کارخانے جاری کریں۔ ان
لوگوں کو جو یہاں کام کرتے ہیں۔ کچھ کام سیکھ جانے کے بعد معقول تنخواہ بھی
ملنے لگے۔ علاوہ حضرت سلطان نے تعلیم عامہ کے بارہ میں جو کچھ کیا ہے اسکا
احاطہ کرنا مشکل ہے۔ ابتدائی اوسط اور اعلیٰ ہر قسم کی تعلیم کے مدرسے کثرت
سے اپنی قلمرو میں گذشتہ تیس سال میں قائم کرائے ہیں۔ تعلیم نسواں تعلیم
دستکاری اور نیز زراعت کی ترقی کی طرف بہت کوشش کی ہے کہ جس کی کسی قدر
تفصیل ان اوراق میں جا بجا درج کی گئی ہے۔ اور ایک نمبر ذیل میں درج کی

حالات سلطان

سلطان المعظم کی علمی فیاضیاں

سلطان المعظم کی تاریخ جلوس سے بعد جسقدر سکول کالج اور دیگر رفاہ عام کے انسٹیٹیوشن آپ کی پچیس سالہ جوبلی تک پچیس سال کی مدت میں قسطنطنیہ میں جلالت آب کے فیاضی سے خریدے گئے یا قائم ہوئے ہیں۔ ان کی فہرست ذیل میں درج کیجاتی ہے۔ گو سنہ ۱۹ء کے بعد بھی اس فیاضیوں کی فہرست پر اضافہ ہوا ہوگا۔ لیکن افسوس ہے اس پر راقم الحروف کی اسوقت دسترس نہیں۔

نام مکتب وغیرہ	مقدار صرف قرشوں میں	کیفیت
مکتب ملکیہ شاہانہ	۱۳۲۲۶۳۱	قائم کیا سنہ ۱۲۹۹ھ میں
کتب خانہ عمومی	۳۹۳۵۴۶	سنہ ۱۳۰۰ھ میں
مکتب طبیہ ملکیہ شاہانہ	۵۸۶۰۰۰	خرید کیا سنہ ۱۳۰۲ھ میں
خستہ خانہ (ہسپتال) و بیکٹیریالوجی خانہ و اجزا خانے (دوائی خانہ) و قرانتینہ خانہ	۵۲۰۴۲۳	خریدا اور قائم کیا سنہ ۱۳۰۳ھ میں
مکتب عشیرت	۱۲۳۳۵۳۳	خرید کیا سنہ ۱۳۰۸ھ میں
ء	۴۶۳۰۰۰	قائم کیا
مکتب داؤد پاشا رشدیہ	۱۴۶۰۱۰	توسیع کی
	۱۰۰۰۰	شہر طرابزون کے مکتب ملکیہ اعدادیہ کیجیا اسکدار کے باشا قپو والے مدرسہ رشدیہ عسکریہ کا مساوی کیا
مکتب رشدیہ فاتح	۶۰۳۹۰۱	از سر نو قائم سنہ ۱۳۱۱ھ میں کیا
سلطان احمد ثانی رشدیہ	۲۲۸۳۳۰	ء

نام کتب وغیرہ	مقدار مدت قرشوں میں	کیفیت
مکتب تجارت حمیدیہ	۲۴۲۴۴۰	خرید کیے گئے ۱۳۱۷ھ میں
درسعادت اعدادی	۳۷۸۹۳۱	//
مکتب رشدیہ آیا صوفیہ	۲۰۴۰۰۰	//
دارالعلمات	۲۰۴۸۳۸	//
اسکدار میں طوفا نجیر تعمیر	۷۷۳۰۶	توسیع کی گئی ۱۳۱۷ھ میں

پبلک ورکس علاوہ ترقی تعلیم کے سلطان المعظم کے دور حکومت میں عمارات میں بھی ترقی ہوئی ہے۔ اور بہت سے مدرسے مسجدیں۔ دارالعجزہ (محتاج خانے) اور شفاخانے (میرا مطلب ہسپتالوں سے ہے) ورنہ ترکی زبان میں شفاخانہ پاگلخانہ کو کہتے ہیں) سلطان المعظم نے جیب خاص سے تعمیر کیے ہیں۔ حجاج کے آرام کے لیے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں مسافر خانے بہت عمدہ تعمیر کرائے۔ اور اب شام حجاز تک ریلوے لائن بھی زائران بیت اللہ کی آسائش اور سلطنت کے استحکام کی اغراض سے جاری ہوگئی ہے۔ افسوس ہے کہ اس مملکت میں بہت سی ریلوے لائنوں کی ضرورت ہے۔ جو مجھے یقین ہے کہ جب ترکی خزانہ کی مالی

کفایت شعاری حالت اجازت دیگی تو ضرور رفتہ رفتہ ملک میں کئی لائنوں کی تعمیر جاری ہو جائیگی۔ مگر یہاں ہر کام میں کفایت شعاری سے کام لیا جاتا ہے جہاں ایک زمانہ میں ترکی سلاطین کی فضول خرچی اور عیش پرستی ضرب المثل تھی۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کفایت شعاری اور جزرسی ضرب المثل ہونے کا زمانہ آیا ہے۔ ایک باخبر شخص نے مجھے قسطنطنیہ میں بتلایا تھا کہ کبھی کبھی سلطان المعظم کے شہزادوں اور شہزادیوں کی تنخواہیں کئی کئی ماہ تک چڑھ جاتی ہیں۔ اور وہ صرف رسد پر گذارہ کرتے ہیں۔ جو شاہی خاندان کے تمام ممبروں کے لیے مقرر ہے۔ لیکن ارکان سلطنت اور عسکر کی تنخواہیں

ــــــــ

۱؎ ترکی زبان میں شفاخانہ پاگلخانہ کو کہتے ہیں اور خستہ خانہ ہسپتال کو۔

یا وہ تشہیر اکیجاتی ہیں۔ اس سے حضرت سلطان کی کفایت شعاری کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

مگر اب بھی چند لوگ ٹرکی میں موجود ہیں۔ جو سلطان المعظم کے مخالف سمجھے جاتے ہیں۔ وہ ینگ ٹرکی کے نام سے ان کی جماعت مشہور ہے جو کہتے ہیں۔ کہ پچاس ہزار سے زیادہ یعنی یورپ امریکہ اور مصر وغیرہ میں جلاوطنی کی حالت میں ہیں۔ یہ لوگ قسطنطنیہ میں تو زبان سے ایک لفظ نہیں نکال سکتے۔ کیونکہ وہاں آزادی تحریر و تقریر نہیں ہے۔ لیکن یہاں سے بھاگ کر جب ممالک غیر کو چلے جاتے ہیں۔ تو وہاں کے اخبارات میں یہاں کی خرابیاں گناتے ہیں۔ یہ باتیں اب میں نے بچشم خود دیکھی ہیں۔ بیشک یہ بہت سی قابل اصلاح کی محتاج ہیں۔ لیکن نہ اس قدر کہ ایک ایسا مجیز اور قوم اور بنی نوع انسان کا محسن سلطان اسقدر مورد عتاب ٹھیرایا جائے کہ ہر وقت اور ہر ساعت اس کی جان معرض خطر میں رہے۔ اور وہ اپنی عمر میں ایک لحظہ بھی محلسرا سے باہر نہ نکل سکے۔ میں معترضین کی شکایات بیان کرنے سے پہلے ذات شاہانہ کی اس کیفیت خطر کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

بعض اوقات بلحاظ خطرہ [illegible] لازمی سمجھا جاتا ہے کہ ایک روز بھی سالہا سال سے [illegible] ملوکانہ کی حدود سے باہر نہیں نکلتے [illegible] بیشک جمعے یہاں آکر مسجد حمیدیہ کو میں دیکھا تھا۔ میرا خیال تھا کہ حضرت سلطان ہفتہ میں ایک روز جمعہ [illegible] کے لئے بحفاظت فوجی حفاظت کے اندر بعض شہر کے بازاروں میں [illegible] لئے جاتے ہیں۔ مگر اب معلوم ہوا ہے کہ جامع حمیدیہ حدود [illegible] کے اندر واقع ہے۔ یا زیادہ صحت کے لئے یوں کہنا چاہئے کہ محلسرائے یلدز کے پھاٹک کے سامنے شاید ایک سو قدم کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور حضرت سلطان جس وقت نماز کے لئے آتے ہیں بے انداز فوج مسجد کے گرد و پیش متعین کیجاتی ہے۔ کیا مجال ہے کہ ایک پرندہ بھی ان

پہنچ سکے۔ صرف محل سلطانی کے خدام وبعض وزرا جماعت میں شریک ہوتے ہیں یا ایک آدھ ایسا شخص کہ جسے امام وغیرہ اپنی ذمہ داری پر مسجد میں داخل کرلیں۔ امام سلطانی جماعت کرواتے ہیں۔ ۹ بجے صبح سے شہر کے مختلف حصوں سے پیدل اور سوار فوجیں اپنے اپنے باجوں کے ساتھ قصر یلدز کی طرف جانی شروع ہو جاتی ہیں۔ جو شہر کے حصہ باشکطاش میں واقع ہے۔ اور پل غلطہ سے جو شہر کا نہایت بارونق حصہ ہے دو تین میل سے کم نہیں۔ ۱۱ بجے تک یہ سب فوجیں جمع ہو جاتی ہیں۔ جنہیں ایسے طور پر مسجد کے گرد تعینات کیا جاتا ہے۔ کہ کسی بشر کا مسجد تک پہنچنا تو ناممکن بلکہ دور سے ہر حبشی کی شکل تک دیکھنا ہی محال ہو جاتا ہے میں نے ارادہ کیا کہ سلاملق میں سلطان المعظم کی زیارت کرسکوں۔ لیکن ناکام رہا چونکہ انہیں دنوں اٹلی کا شاہ ہمبرٹ ایک قاتل کے خنجر سے مارا گیا تھا۔ اور پیرس میں شاہ مظفر الدین کی جان پر حملہ ہوا تھا۔ اس وقت سے مبالغہ کے ساتھ ذات سلطان کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس سے پہلے فوج کے پیچھے بہت لوگ کھڑے ہو کر یہ منظر دیکھ سکتے تھے۔ مگر اب سوائے ان چند

سلاملق

یورپین لوگوں کے جو اپنی اپنی سلطنتوں کے سفیر سے ایک قسم کا ٹکٹ حاصل کرتے ہیں۔ اور ایک مہمانخانہ میں بیٹھ کر سلطان کی سواری دیکھ سکتے ہیں۔ اور کوئی شخص نہیں دیکھ سکتا۔ یہ ٹکٹ بھی سلطان المعظم کی خاص منظوری کے سوا جاری نہیں ہوتے۔ میں نے بھی چاہا کہ انگریزی سفیر سے ایک ٹکٹ حاصل کروں۔ چنانچہ ایک روز میں انگریزی سفارت میں گیا۔ مگر معلوم ہوا کہ موسم گرما میں سفارت کا مقام شہر سے چند میل باہر ایک

مایوسی کی وجوہات

قصبہ تھراپیا میں رہتا ہے۔ اسلئے دوبارہ مجھے وہاں جانے کا موقعہ نہ ملا۔ اور میں نے قصر یلدز کے ذریعہ جو کوشش یہ رسم دیکھ سکنے کی کی تھی۔ اس میں بھی بوجہ تنگی وقت ناکامی رہی۔ اس روز

سی تنگ اور دوا اور کوشش کی کیفیت میری ڈائری میں اسطرح درج ہے۔ گاڑی سے اُترکر ہم تھوڑی دور پیدل مسجد حمیدیہ کے پاس سے گذرے مسجد کے عین مقابل چند قدم پر سرائے سلطانی کا دروازہ ہے۔ اسکے اندر داخل ہوئے تو میرا نام پتہ پوچھا گیا۔ یہاں ہر چند کہ کوئی اندر نہیں جاسکتا جبتک کہ یہاں رسوخ نہ رکھتا ہو مگر سید عبدالغفار صاحب کی معلوم ہوتا ہے بہت دور تک رسائی ہے ساتھ پہنچکر ایک دفتر کے کمرہ میں بیٹھے جو قدری بے صاحب افسر خفیہ پولیس کا کمرہ تھا۔ انہوں نے قہوہ سے تواضع کی اس اثنا میں انکے پاس کئی افسر آئے۔ جنکی زرق و برق کی وردیوں سے آنکھوں میں چکاچوند پیدا ہوتی تھی۔ یہاں کئی پاشا اتنی دیر میں نظر سے گذرے۔ جب ان سے سلاملق کی جگہ کے لئے اجازت طلب کی گئی تو انہوں نے محمود جلال الدین پاشا کا پتہ دیا۔ جب اُن کے پاس گئے تو انہوں نے بھی قہوہ پلایا اور پھر کہا کہ یہ میرا کام نہیں ہے۔ پھر ایک صاحب شاکر پاشا کے پاس پہنچے یہ بڑے خلق سے اٹھکر ملے اور ہاتھ ملایا اور سید صاحب کے کہنے پر میرے لئے آئندہ ہفتہ نام پیش کرنے کی یادداشت لکھ لی۔ یہاں بھی قہوہ پیا۔ یہاں سے حاجی علی صاحب سلطانی چیمبرلین کی خدمت میں گئے جو دوسری منزل کے ایک عالیشان دفتر میں بڑے بڑے صوفوں پر چند اور افسروں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ جب ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے ایک دوسرے افسر کے پاس ایک شخص کو بھیجا جسکا فرض منصبی سلاملک دیکھنے کے لئے اجازت دینے کا تھا۔ لیکن اس نے کہلا بھیجا کہ میں اپنے اوپر ذمہ داری نہیں لے سکتا جب تک کہ آپ ذمہ داری نہ لیں۔ کیونکہ جشنگاہ ہمایونی سے اسوقت استیذان کا وقت نہیں رہا۔ اسلئے دو گھنٹہ کی سعی کے بعد مایوس ہو کر ہم بارہ بجے دوپہر کو قصر سلطنت سے واپس پھرے"۔ اسقدر سعی کے بعد اور اتنے بڑے بڑے افسروں تک رسائی ہو چکنے کے باوجود نشست کی اجازت نہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ سلطان المعظم نے آکثر کام اور خصوصاً یہ کام اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے۔ اور ان کی توقع

اجازت کے سوائے کوئی مہمان وہاں نہیں بیٹھ سکتا۔ جبتک کہ کسی سلطنت کے سفیر کیطرح کے وہ مہمان نہ ہو۔ اور باوجود اسکے بدطینت سفاک۔ ذات سلطانی پر پا جانے کے ہونے کے موقعے پالیتے ہیں۔ جیسے کہ میرے قسطنطنیہ سے واپس آنے کے بعد ہی سکے گولے کے واقعہ سے ظہور میں آیا تھا۔ غرض بعض وجوہات میں ٹھیرایا گیا یا قصر یلدز کے ذریعہ اس بارہ میں دوبارہ کم شخص نہ کرسکا۔ سلاملق کے علاوہ سال میں ایک مرتبہ سلطان اعظم پانزدہم رمضان کو سنجاق شریف کی زیارت کو جاتے ہیں۔ جو قدیم حرم سرائے میں موجود ہے۔ یہ علم حضرت رسول خدا صلعم کا مع چند دیگر زیارات کے اس مکان میں رکھا ہوا ہے اور سال میں ایک مرتبہ صرف سلطان اعظم بدست خاص کھولکر اس کی زیارت کرتے ہیں۔ اور سوائے معدودے چند وزرائے مقربین کے اور کوئی اُسے دیکھ نہیں سکتا اس کے بعد وسلاطین سابقہ کا دستور تھا، جامع ایا صوفیہ میں نماز عشا کی شرکت کو جاتے تھے۔ اور عید رمضان کے بعد بھی سات شب تک جایا کرتے تھے مگر سلطان معظم نے یہ رسم ایا صوفیہ میں جانے کی ترک کردی ہے۔

ادہر تو یہ حال ہے۔ ادہر جسقدر ترکوں سے مجھے گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا ہے سلطان عبدالحمید خان کے کارناموں کی وجہ سے کہتے ہیں کہ واللہ ایسا سلطان نہ پہلے گذرا ہے اور نہ کوئی آئیگا۔ اور جبتک سلطان حال نے اتنے کارنامہ عام کے علاوہ ترکی قوم کی فوجی طاقت از سر نو قائم کرنے کے کئے ہیں کہ ان کا شمار کرنا بھی مشکل ہے۔ مگر دوسری صورت میں مجھے ایک دو آدمیوں سے بعض شکایات سننے کا اتفاق ہوا۔ چونکہ یہ قسطنطنیہ سے دور ہندوستان میں یہاں لوگ کچھ نہیں سننے کی [illegible] قسطنطنیہ میں خواہ دلوں [illegible]

اب میں اُن شکایات کو بیان کرتا ہوں۔ جیسے کہ اس طریق حکومت میں نظر آئی ہیں۔ مگر بقول ایک ترک بہادر کے میرا دماغ انگریزی حکومت میں تعمیر ہوا ہے۔ اسلئے میں اُن کے ملک کی حکمت عملی کو اچھی طرح سمجھ نہیں سکتا اور نہ

پورے طور پر اسکی خوبیوں کی داد دے سکتا ہوں۔ میرے خیال میں اخبارات

اخبارات کو کچھ آزادی ملنی چاہیے

کی زبان اس حد تک بند کرنا ضروری نہیں جس حد تک اس
وقت قلمرو سلطانی میں بند ہے۔ یہاں اخبارات آجکل
سوائے سرکاری افسروں کے تغیر و تبدل یا خطابات اور عام خبروں کے
کچھ نہیں لکھ سکتے۔ غیر ممالک کی تار خبروں میں سے بھی بعض درج نہیں کیجاتیں
اور بعض کاٹ چھانٹ کر درج کیجاتی ہیں۔ مثلاً پچھلے دنوں قیصر جرمنی نے اپنی ایک
تقریر میں کچھ اس قسم کا ذکر کیا تھا۔ کہ جرمنی چاہتی ہے کہ چینیوں کو
ایسا سبق سکھلائیں جو مدت تک نہ بھولیں۔ یہ خبر ترکی اخبارات میں شائع نہیں
ہو سکی۔ صرف اسلئے کہ جرمنی کے ساتھ ترکی کا دوستانہ تعلق ہے۔ میرے خیال
کی مخالفت میں زیادہ سے زیادہ آزادانہ تحریر کا نمونہ جو ایک ترک دوست مجھے
بتلا سکا یہ تھا۔ کہ ترکی اخبارات لکھ سکتے ہیں کہ فلاں توپ جو ہمارے یہاں ہے وہ
اچھی نہیں ہے۔ اس سے اچھی دوسری توپ ہے۔ جو فلاں سلطنت کے پاس ہے۔ اور
ہمیں بھی ایسی ہی حاصل کرنی چاہئے۔ اور میں نے یہی کہا تھا کہ غنیمت ہے کہ اگر ایسی
تحریرات چھپ سکتی ہیں۔ چونکہ ان اخبارات میں ایسے دنیاوی مضمون ہی نہیں ہے
اسکی کمی ایک دوسری چیز سے پوری کی گئی ہے۔ اور وہ حضرت سلطان المعظم کی
ذات کے لئے تعریفی کلمات کا اظہار ہوتا ہے۔ اس قسم کے بہت سے تعریفی کلمات
وضع کئے گئے ہیں۔ جن کو موقعہ بموقعہ برتے ہیں۔ دو چار جگہ کھینچ تان کر حضرت شہریار
کا نام لکھکر اس کے جلو میں لے آتے ہیں۔ [illegible] جو فضل حد سے زیادہ بڑھ
کر مبالغہ ہو جاتا ہے۔ بیشک یہ معاملہ ضروری ہے کہ حضرت سلطان المعظم کا
ذکر ادب سے کیا جاوے۔ اور ان کے کارناموں کی تعریف اور احسانوں کا شکریہ
ادا کیا جاوے۔ لیکن اخبار کا ایک صفحہ [illegible] ذکر سے پر کر دینا [illegible] بات عام
ہوتی ہے میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہی ترکی کے اخبارات میں قدر آزادی نصیب ہونے
چاہئیے۔ جیسے کہ انگلستان۔ فرانس۔ یا ممالک متحدہ امریکہ کے ہیں۔ لیکن اگر مقصد

آزادی تحریر کی دیجاوے تو لوگوں کے دلوں کے بخارات جو اب فساد کی صورت بنکر پھوٹ نکلتے ہیں اس صورت میں کم وبیش شکایات کی شکل میں خارج ہوتے رہیں گے۔ البتہ اخبارات کی نگرانی ایک قابل اور ہوشمند سنسر (محتسب) کے سپرد کیجاوے۔ جو ان دو باتوں کے درمیان پورے طور پر تمیز کر سکے کہ کونسی تحریر خالی آواز ہے۔ اور کونسی فساد پیدا کر سکتی ہے۔ میری رائے میں اگر اخبارات میں کسیقدر آزادی سے لکھنے کی اجازت ہوتی۔ تو چند سال قبل جو عظیم الشان فساد کی سازش ارمنیوں نے کی تھی۔ اور یہ بھی سنا ہے کہ ہزارہا طپنچوں اور بندوقوں گولہ و بارود کے علاوہ ایک دو توپیں بھی حاصل کر لی تھیں۔ اسکا کچھ نہ کچھ سراغ نکل آتا۔ علاوہ اسکے موجودہ شکایت "ینگ ترکی پارٹی" کی بھی رفع ہو سکتی ہے۔ صرف نہایت ذمہ دار شخصوں کو ایڈیٹری کا امتیاز دیا جاوے۔ اور وہ ذاتی طور پر وفاداری کا خیال قائم رکھنے کے لئے پابند کئے جائیں۔ دوسری شکایت جو میں نے سنی ہے۔ یہ ہے کہ جن لوگوں کی نسبت ذات سلطانی کے خلاف کوئی سازش کرنے کی مخبری کوئی شخص بھی کر دے۔ یا کوئی خفیف شبہ بھی پیدا ہو۔ انہیں گرفتار کر کے محل سرائے

سازش کرنے والوں کے جرم کی تحقیقات

سلطانی میں لایا جاتا ہے۔ جہاں ان پر الزام لگا کر ان کا بیان طلب کیا جاتا ہے۔ اور اگر وہ اپنی بےقصوری ثابت کرنے میں کامیاب ہوں تو انہیں اس تکلیف کے بدلے جو اس کارروائی سے انہیں ہوئی ہے کچھ معاوضہ بھی دیا جاتا ہے۔ بعض قصوروار ثابت ہونے کے سزا دیجاتی ہے۔ فریق معترض چاہتا ہے کہ ایسے لوگوں کی تحقیقات کھلی عدالت میں کیجاوے اور انہیں اپنی بریت ثابت کرنے کے تمام موقعے دیئے جائیں۔ جہانتک میں غور کر سکتا ہوں ہر ملک میں معمولی عدالتی تحقیقات سے ہی مطلب پورا ہو سکتا ہے۔ انگریزی اصول قانون فوجداری میں یہ دو باتیں کیسی اچھی ہیں کہ اول جب

تک کسی شخص پر جُرم ثابت نہ ہو جائے اُسے بیقصور سمجھا جائے۔ اور اسی لئے شک کا فائدہ مجرم کو دیا جاتا ہے۔ و تمام قانون کا میلان اس طرف ہو کہ دس گنہگاروں کو سزا سے بچ جانے کی نسبت ایک بیگناہ کا سزا پانا بڑا ہے۔ لیکن جب اس خیال کو مدنظر رکھا جائے کہ بلاد عثمانی میں کتنی مختلف الانواع اقوام جو آسانی سے مسلح ہوسکتی ہیں بستی ہیں۔ جن میں سے بعض عیسائی قوموں کے دلوں میں اسلئے تمنا ورسے کی امنگ ہے کہ اُن کے ساتھ کی دوسری قومیں اسی طریقے سے ترکوں کی حکومت سے نکلکر آزاد ہوگئی ہیں۔ اور ان قوموں نے بارہا طرح طرح کی مفسدانہ حرکات کی ہیں تو مرلیا لاقانون کسی قدر حق بجانب معلوم ہوتا ہے۔ تیسری شکایت یہ ہے کہ بڑے بڑے عہدے نالائق آدمیوں کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ اچھے آدمیوں کو گھسنے نہیں دیتے۔ اور سفارش اور رشوت بہشتنے سے کام بگاڑ دیتی ہے۔ چوتھی یہ کہ مدرس کی تعلیم اعلےٰ درجہ کی نہیں اور پولیٹیکل اکانومی مطلق موجود نہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ ان شکایات میں کسیقدر مبالغہ بھی ہے۔ کیونکہ آجکل کے

لائق مشیروں اور مدبروں کی کمی۔

ترکش وزراء عہدہ دار عموماً یورپین یونیورسٹیوں کی تعلیم یافتہ صرف لیاقت کے لحاظ سے رکھے جاتے ہیں۔ تاہم بعض لوگ اصرار سے کہتے ہیں کہ ترکی مدبرین اور مشیران سلطنت میں کم ایسے آدمی ہیں جنکی دانشمندی اور روشن ضمیری پر زیادہ بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ بقول ایک شخص کے یہ سلطنت کی بدبختی ہے کہ حضرت سلطان المعظم کے مشیر صرف ہاں میں ہاں ملانے والے ہیں۔ اور امیر خواب و خور اور شہوات نفس کے سوائے کسی دوسری بات کو نہیں جانتے ورنہ جیسا روشن ضمیر، بیدار مغز اور صاحب لیاقت و عقل سلطان ہے۔ اگر ایک نصف درجن لائق مشیر بھی اسے ملے ہوئے ہوتے تو آج ترکوں کی حالت اس سے بہت اچھی ہوتی۔ بعض دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ کئی چھوٹی چھوٹی باتیں جن کی نسبت لوگوں کو شکایت پیدا ہوتی ہے۔ ان کی

نسبت حضرت سلطان کو علم ہی نہیں ہے۔ مگر ایک گروہ کا خیال ہے کہ سلطان المعظم کو کسی شیر کی آزاد بیانی منظور نہیں۔

سلطان المعظم کی دینداری

ترکوں سے جسقدر باتیں حضرت سلطان کے محامد ذاتی کی نسبت معلوم ہوئیں اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ عربی فارسی اور فرانسیسی زبانیں بھی جانتے ہیں۔ سوائے تین چار گھنٹے کے آرام کے آپ کام بذات خاص صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک کرتے رہتے ہیں۔ اور ساتھ ہی مختلف سکرٹری بھی کام میں مصروف رہتے ہیں۔ دینداری کی یہ حالت ہے کہ نماز کے پابند ہیں۔ تہجد پڑھتے ہیں۔ صبح کی نماز کبھی نہیں کھوتے۔ تسبیح پر ذکر پڑھتے ہیں۔ اور اپنی قلمرو میں دین اسلام کے ہر دم حفاظت اور تائید کرنے کا خیال رکھتے ہیں۔ آپ موسیقی اور حیوانات کی پرورش کے بڑے شایق ہیں اور غیر زبانوں کے ناولوں کے ترجمے بھی اکثر سنتے ہیں۔

سلطان پرستی

ترک اپنے سلطان کا نہایت ادب کرتے ہیں۔ اُسے خلیفۃ الرسول اور خلیفۃ اللہ فی الارض مانتے ہیں۔ اُسکے حکم کو دین اور دنیا دونوں جہانوں کی سرخروئی کا موجب سمجھتے ہیں۔ اور یقین رکھتے ہیں کہ سلطان المعظم کی طرف سے جو کچھ اُن کے حق میں ہوگا بہتر ہی ہوگا۔ ہر جگہ قسطنطنیہ میں قہوہ دیزان دیکھا جاتا ہے سو تعالے سلطان سبب غفران یعنے سلطان المعظم کے حق میں دعا کرنا اپنی بخشش کا موجب ہے۔ بادشاهم چوق یشا[1] سلطان کی درازی عمر اقبال کے لئے نکلا ہوا دل کی نعرہ ہے۔ اسی طرح ترکوں میں خیال راسخ ہے کہ سلطانی دسترخوان کا بچا ہوا کھانا جن مریضوں کو کھلایا جائے وہ تندرست ہوجاتے ہیں۔ جو بچوں کو کھلایا جائے اُن کی زبان کھل جاتی ہے۔ اغلب [illegible] کوئی ترک بھی اپنے سلطان سے عدم وفاداری کا خیال دل میں نہیں لاتا [illegible] عیسائی سلطنتوں کی ترغیب

[1] میرا بادشاہ دیر تک زندہ رہے۔

بعض ناتجربہ کار نوجوان ترک کہ جنہیں کسی نہ کسی وجہ سے کوئی شکایت پیدا ہوئی۔ اور یورپین تعلیم نے ان کے قدیم خیالات بدل دیئے ناراض ہو کر قلمرو عثمانی سے یورپ کے دوسرے ملکوں میں۔ بھاگ گئے۔ شکایتوں سے دنیا میں کوئی ملک خالی نہیں ہوگا۔ فرق ان شکایات کی کیفیت میں ہوتا ہے۔ سلطان عبدالحمید خان ثانی جس عزم سے تعلیم اپنے ملک میں پھیلا رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام شکایات کی اصلاح کرنے پر آمادہ ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کرنا چاہتے تو رعایا کو زیادہ تر تاریکی میں رکھنا پسند کرتے۔ جبکہ وہ رعایا میں تعلیم کی روشنی پھیلانا چاہتے ہیں۔ اور قوم کی عام حالت کو یورپین اقوام کے پایہ پر لانا چاہتے ہیں۔ تو صاف ظاہر ہے کہ ان کی مخالفت اور نوجوان ترکی پارٹی کے ہوا خواہ غلطی پر ہیں۔ ترکی میں اس وقت ہر شخص کو بالواسطہ ہندوستان کے چھ روپے سالانہ کے قریب ہر قسم کا ٹکس دینا پڑتا ہے۔ جس میں بالواسطہ ٹکس یعنی چنگی وغیرہ کی طرح کے ٹکس بھی شامل ہیں۔ جو براہ راست ہر شخص کو نہیں دینے پڑتے۔

رحم و رافت کا سلوک

ذاتی طور پر سلطان المعظم بڑے حلیم و بردبار اور متحمل ہیں جب تک کہ انہیں ناراض نہ کیا جائے۔ وہ ادنےٰ ادنےٰ لوگوں کے استمالت قلوب میں بھی فرق نہیں کرتے۔ ایک شخص نے مجھے بتلایا کہ ایک نے حضرت سلطان کی خدمت میں ایک تار بھیجا تھا کہ دولت کی بہبودی کے لیے میں کوئی ضروری بات عرض کرنا چاہتا ہوں اور کسی دوسرے ذریعے سے مسامع ہمایونی تک یہ بھی پہنچوا دیا تھا کہ اگر اسے وہ اخبار نکالنے کی اجازت نہ دی گئی جو یہ نکالنا چاہتا ہے۔ تو یہ مصر میں جا کر مخالف اخبار جاری کر دیگا۔ چنانچہ بخیال اسکے اسکی چال کارگر ہو گئی۔ اور اسے طلب کر کے اس کا مطلب دریافت کیا گیا۔ اور عرض حال (عرضی) پیش کرنے پر اس کے وظیفہ میں ترقی کرنے کا وعدہ کیا گیا تاکہ حق سلطانی میں

دعا کیا کرے۔ اخبار نکال لینے سے جھگڑوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ ایک دوسرے صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حال میں ہندوستان سے ایک بزرگ آکر سلطنت کے ایک صیغہ میں ملازم ہوئے ہیں۔ جب پہلے پہل انہیں کوئی ماموریت نہ ملی تو انہوں نے جزیرہ قبرص میں جاکر دولت بہیّہ کے خلاف ایک اخبار نکالنے کی خبر مشہور کردی۔ اسپر انہیں وہاں سے بلاکر نوکری دی گئی۔ ہرچند کہ یہ عامیانہ باتیں معلوم ہوتی ہیں تاہم اگر انہیں کچھ بھی وقعت دیجائے تو ان سے جو نتیجہ نکلتا ہے اس کے مطابق سلطان اعظم کی شاہانہ بردباری کی تعریف کرنی مشکل ہے۔

تحایف استانبول وغیرہ

ہندوستانی طبیب چشمان قسطنطنیہ میں منجملہ دیگر ہندوستانیوں کے جو مجھے یہاں ملے ایک ڈاکٹر نواب علی صاحب طبیب چشمان ساکن ضلع جالندھر تھے۔ جو معہ دواور متعلقین کے چھ ماہ سے یہاں غلاطہ میں مقیم تھے۔ یہ پہلے ہی یہاں رہ گئے تھے جبکہ انہیں تنخواہ جدید یہ صنعت چہارم ملا تھا۔ ترکی بے تکلف بولتے تھے۔ اور جس مکان میں مقیم تھے۔ اسکا کرایہ سات پونڈ یعنے سو روپیہ سے زیادہ ماہوار دیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکا کام یہاں اچھا چلتا تھا۔ شروع میں انہوں نے ہی مجھے شہر کے بعض مقامات قابل دید دکھلائے۔ کپڑے بالکل یوروپین تہذیب کے مطابق پہنتے تھے۔ گو خواندہ آدمی نہیں تھے۔ مگر اپنا فن خوب جانتے تھے۔ کاش بہت سے ہندوستانی طرح طرح کے کاموں اور خدمتوں کے لئے یوروپ وغیرہ ممالک کو نکل جائیں۔ انہوں نے بتلایا کہ کس طرح ان کی برادری کے بعض لوگ یوروپ کے مختلف ممالک میں جاکر مریضوں کی آنکھیں بناتے ہیں۔ اور بعض بہت بہت روپیہ کما کر لاتے ہیں۔ ایک نے تو اٹلی میں اسقدر کامیابی

حاصل کی کہ وہاں کی کسی ملکی مجلس کا ممبر بھی ہو گیا۔ اور وہیں شادی بھی کر لی

قسطنطنیہ کے تحائف نواب علی صاحب اسوقت وطن جانے کے لئے قسطنطنیہ کے کچھ تحائف خرید رہے تھے۔ چونکہ انہیں یہاں کا بہت تجربہ تھا میں نے اپنے پوچھا کہ آپ کون کون سے تحائف یہاں سے ہندوستان لیجانے کے لائق سمجھتے ہیں۔ انہوں نے مجھے یہ چیزیں بتلائیں (۱) قطعات خوشخط فوٹو گرافی ومطبوعہ (۲) رومال کشیدہ ادر تقریروالے (۳) ترکی تولئے (۴) شیشہ کے حقے (۵) تسبیحیاں (۶) انگوٹھیاں (۷) ایک زنانہ فراجہ (۸) قرآن مجید و دلائل الخیرات (۹) یہاں کے ناموروں کے فوٹوگراف (۱۰) خضاب ترکی (۱۱) ترکی ٹوپ۔ (۱۲) زنانہ گرگابی (۱۳) سندکے جانماز بہت عمدہ کشیدہ کے کام کے (۱۴) قرآن مجید کے غلاف جنپر طلا سے اعلےٰ درجہ کا کام کیا ہوا ہوتا ہے۔ (۱۵) ریشمی کپڑہ بروجہ کا (۱۶) ترکی ٹوپیاں۔ چنانچہ میں بھی ان کے ساتھ بازار میں خریدنے گیا۔ اور قسطنطنیہ سے لوٹتے ہوئے ان میں سے اکثر چیزیں تھوڑی تھوڑی خرید لایا۔

ترکی تولئے اس میں کوئی کلام نہیں کہ ترکی تولئے نہایت عجیب ہوتے ہیں۔ یورپ کے اچھے تولیوں کا نام اب تک ٹرکش ٹاول ہے۔ یہ تین تین تولیوں کا جوڑا ہوتا ہے جو اکٹھا بکتا ہے۔ تین اسلئے کہ ایک سب سے بڑا غسل کرکے کمر میں باندھا جاتا ہے۔ اس سے چھوٹا کندھوں پر اوڑھتے ہیں۔ اور اس سے چھوٹا سر پر لپیٹتے ہیں۔ قسطنطنیہ کے حماموں میں اسقدر تولئے استعمال کرتے ہیں کہ جن (۱) ایک حماموں میں میں گیا ہوں وہاں تولیوں سے کئی کئی الماریاں بھری ہوئی تھیں۔ کیونکہ ایک ایک شخص کے غسل پر کئی کئی تولئے استعمال ہوتے ہیں۔ سوت کے علاوہ ریشمی تولئے بھی امراء کے استعمال کے لئے بنتے ہیں۔

جانماز ترکی قالین ایک عالم میں مشہور ہیں اور اتنے بنے نہیں جاتے جتنی

ان کی مانگ یورپ اور ایشیا میں ہے۔ اسلئے یہ ٹرکی کی بہت بڑی دستکاری سمجھی جاتی ہے۔ لیکن علاوہ قالین کے بندہ کہ جانماز بھی نماز کے لئے بہت استعمال ہوتے ہیں۔ یہ بڑی نفیس اور خوشنما چیز ہے۔ ان پر جو خوبصورت ڈیزائنوں اور مختلف رنگوں کے بیل بوٹے رنگین تلّے اور زردوزی سے بنائے جاتے ہیں وہ نہایت دل لبھانے والے ہوتے ہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ کیوں ان جانمازوں کی ہندوستان میں تجارت نہیں ہوئی۔ کوئی شخص جو نگاہ بنگاہ نماز پڑھتا ہے۔ وہ بھی ایک ایسا جانماز دیکھکر ضرور خریدنے کی خواہش کریگا۔ اور ایسی طرح اور کئی چیزیں جیسے تحائف میں ذکر کی ہیں ہندوستان میں بہت پسند کئے جانے کے لائق ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ نہ ترکوں میں اتنی ہمت ہے کہ وہ ہندوستان میں اپنا مال بیچنے کی کوشش کریں کیونکہ ان یہاں ہاتھ سے جو مال تیار ہوتا ہے۔ وہ اتنا زیادہ نہیں بنتا ہوگا۔ جو یک نہ سکے اور نہ ہندوستان کے مسلمان ہی اتنے منٹر پرائزنگ ہیں کہ ٹرکی اشیا کی تجارت شروع کریں۔

طلائی کام کے جزدان اور لحاف کے ابرے اکثر ڈیکوراب پر جو طلائی سے کشیدہ کاری کا کام کیا جاتا ہے وہ بھی قابل ذکر ہے۔ سلطانی طغرے بہت عمدہ کاڑھے جاتے ہیں۔ اور چھوٹے بچوں کو جب ترک بسم اللہ شروع کرتے ہیں تو انہیں جب جزدان میں قاعدہ رکھکر دیا جاتا ہے اسپر بہت خوبصورت ڈیزائن ساجد کے ہوتے ہیں۔ اور تاکہ عوام بھی استعمال کر سکیں۔ جزدان چھوٹے کام کے ہوتے ہیں لیکن لحاف کے ابرے بڑے دلکش ہوتے ہیں۔ میرے میزبان نے جو لحاف مجھے استعمال کو دیا تھا اسکی صنعت میری ڈائری میں درج ہے۔

آخر مجھے کو جو لحاف دیا اسکا ابرہ ریشمی تھا اور اسپر بڑی صنعت کا طلائی کام کیا ہوا تھا۔ جو ٹرکی سے مخصوص ہے۔ اسکی قیمت ساڑھے تین پونڈ بتلائی گئی ہندوستانی ایسے گراں کپڑے نہیں استعمال کر سکتے نہ کشیدہ کی صنعت کا یہاں

بڑا رواج ہے۔ عام سفید رومالوں کے چاروں کناروں پر بھی ریشم اور طلا سے
چھوٹے چھوٹے بیل بوٹے بنائے جاتے ہیں۔ اور ایسے رومال بازاروں میں بکتے ہیں۔

تسبیحات یہاں تسبیح کے استعمال کا بڑا رواج ہو رہا ہے۔ مرد، بوڑھے، جوان مسلمان عیسائی
اور یہودی، امیر و غریب سب تسبیح خریدتے اور استعمال کرتے ہیں۔ بعض لوگ بازاروں میں
تسبیح ہاتھ میں لٹکائے پھرتے ہیں۔ [illegible] اگر [illegible] تسبیح [illegible] پانچ [illegible] ضرور
[illegible] ہیں [illegible] ہو کہ ایک شخص
[illegible] ہاتھ میں [illegible] تسبیح [illegible] کو سرکاتا جاتا ہے
[illegible] لوگ [illegible] تسبیح [illegible] موجود ہے [illegible] تسبیح [illegible] مثالی۔
یہاں تسبیحوں کی قیمتیں تین چار قرش [illegible] سے لے کر پچاس پونڈ یعنی سات سے
سات سو روپیہ تک ہوتی ہیں۔ کیونکہ بڑے بڑے امرا اور پاشا لوگ بڑی قیمت
کی تسبیحیں خریدتے ہیں۔ اسی لئے یہاں تسبیحوں کی بڑی تجارت ہے۔ اور
[illegible] کے پاس [illegible] بازار [illegible] میں بہت سی دکانیں تسبیح
فروشوں کی ہیں۔ میں نے بھی ایک مجیدی کی تین تسبیحاں اور ڈیڑھ مجیدی کی ایک
تسبیح [illegible] خریدی۔ [illegible] ہندوستانی مسلمانوں کو دیکھا تھا
جو [illegible] تسبیحاں [illegible] والوں کی
[illegible] یہاں سے [illegible] خرید کر انہیں پھر
ہندوستان سے آتے ہیں۔

فوٹوگرافی قطعات یہ بھی استنبول کا ایک بہت نادر تحفہ ہے۔ بڑے بڑے خط
نسخ کے استادوں کے خوشخط لکھے ہوئے قرآنی آیات اور سورتوں کے فوٹوگراف
دیواروں پر آویزاں کیے جاتے ہیں۔ ترکوں میں ابتک خوشخطی کی بڑی قدر
ہے۔ اور خطاط عزت سے دیکھے جاتے ہیں۔ لاہور میں ایک [illegible] دوست
بھی یہاں موجود تھے۔ جب میں نے انہیں چند نمونے ان فوٹوگرافی قطعات
کے دکھائے تو وہ کہنے لگے کہ سب عمدہ [illegible] بہت گراں ہیں۔

مجھے کوئی قطعہ دیدو۔ لاہور میں ایک صاحب نے انگلستان سے ان قطعوں کی نقلیں بھی چھپوا کر منگوائی ہیں۔ مگر نقل کو اصل سے کچھ نسبت نہیں۔ اسی طرح اگر ہندوستان میں یہ دوہرے ترکی بوٹ بھی کوئی صاحب ٹرکی سے منگوائیں یا یہیں ان کی عمدہ نقلیں بنوائیں تو یقین ہے کہ فائدہ اٹھائیں کیونکہ مسلمان ایسے بوٹ شوق سے خرید لیں گے؟ موسم سرما میں ان سے وضو اور نماز کا بڑا آرام رہتا ہے

ایک ہندو زباندان

ایک روز شیخ ولی محمد صاحب ایک ہندوستانی مسٹر تلجا رام کو میرے مکان پر لے آئے۔ یہ صاحب سورت گجرات کے رہنے والے برہمن ہیں۔ اور اٹھارہ دس سال سے قسطنطنیہ میں رہتے ہیں۔ مسلمانوں سے ملکر کھانے پینے میں انہیں کچھ پرہیز نہیں کیونکہ ایسی پرہیز سے یہاں گذارہ نہیں ہو سکتا۔ یہ کئی زبانیں جانتے ہیں۔ جو لوگوں کو سکھلاتے ہیں۔ اور بڑے زندہ دل آدمی ہیں۔ حال میں ایک انگریز عورت سے شادی بھی کی ہتی۔

ایک ہندوستانی نوکر

ایک روز اخبار معلومات کے ایڈیٹر خالد ایوب صاحب کو ملا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے آج ہی ایک ہندوستانی لڑکا دربانی کی خدمت پر ملازم رکھا ہے لڑکے سے دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ بنارس کا رہنے والا ہے۔ اپنے کئی سال بغداد میں رہ کر کچھ عربی اور ترکی بولنا سیکھ لیا تھا۔ اور اب پانچ مجیدی ریعنے ۱ اور روٹی پر یہاں نوکر ہوا ہے۔ ہرچند کہ ٹرکی یورپ میں سب سے غریب ملک ہے تاہم یہاں کی معاشرت اور تنخواہوں کا معیار ہندوستان سے بہت اعلیٰ ہے۔[1]

ایک ہزار روپیہ کے نقصان سے خدا نے بچا لیا

مجھے قسطنطنیہ میں پہنچے چند روز ہوئے تھے کہ لاہور کے خط سے معلوم ہوا۔ جب میں لنڈن سے پیرس کو واپس آیا اور دو تین روز ٹھہر کر قسطنطنیہ کو روانہ ہوا۔ تو اس روز یعنی ۱۰ اگست کو پیرس کے کسی بدمعاش نے مجھے ہزار روپیہ کا نقصان پہنچانا چاہا۔ میں ۱۰ اگست

لہ ایک کیا سینکڑوں ہندوستانی خصوصاً مسلمان تجارت سے یہاں عزت کی روٹی کماتے ہیں

کو ایک بجے کی گاڑی میں پیرس سے قسطنطنیہ کو روانہ ہوا۔ اور اسی روز اس کمبخت نے
جو نہ صرف میرے پتہ سے واقف تھا۔ بلکہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ لاہور میں ہمارے
مکان کے پتہ سے بھی واقف تھا۔ اس مطلب کا ایک تار میرے بھائی کے نام
میری طرف سے روانہ کیا۔ کہ میرا کل روپیہ اتفاقی ضائع ہو گیا۔ مجھے ایک ہزار روپیہ
بنک بنگال کی معرفت فلاں فلاں پتہ سے پیرس میں بھیجو۔ یہ فلاں فلاں پتہ بھی
بہت لمبا ہے۔ اس کے علاوہ مکتوب الیہ کا پتہ بہت بے ہنگم اور اس پتہ کے خلاف
ہے۔ جو میں نے ایک پہلے تار میں لکھا تھا۔ یعنی "پیسہ - لاہور"۔ ہندوستان کے محکمۂ تار میں
پیسہ اخبار کا یہ پتہ رجسٹر ہوا ہوا ہے۔ اسلئے اس پتہ کا تار ہمارے دفتر میں پہنچ جاتا
ہے۔ اس کے علاوہ میں ایک پہلے خط میں لنڈن سے گھر کو اطلاع دے چکا
تھا کہ مجھے پیرس سے کچھ روپیہ مل گیا ہے۔ اس لئے میں اور روپیہ ہندوستان سے
نہیں منگاؤں گا۔ ان سب قرائن نے میرے بھائی کو کافی شک پیدا کر دیا
کہ یہ تار جعلی ہے۔ بھیجنے والے کے اسپر ۸۰ روپے کے قریب خرچ ہوئے ہونگے۔
اور اسکے لئے یہی سزا کافی ہے۔ شکر ہے کہ مولائے متعال نے ہمیں ایکہزار روپے
کے نقصان سے بچا لیا۔ جب یہ کیفیت مجھے قسطنطنیہ میں معلوم ہوئی۔ تو مجھے خیال
آیا کہ میں نے بہت بڑی غلطی کی۔ جو اتنے دور دراز سفر پر آنے سے پہلے کوئی رموز الفاظ
تار کے لئے مقرر نہ کر دیئے۔ جو صرف مجھے اور میرے گھر میں معلوم ہوتے۔ اور ہر
ایسی لفظ کے لکھنے سے تار معتبر سمجھا جاتا۔ بلکہ ایک لفظ ایک فقرہ کے مطلب کے
لئے مقرر کیا جا سکتا ہے۔ جن لوگوں کو اب لمبے سفر پیش آئیں۔ وہ اس تجربہ سے فائدہ
اٹھا سکتے ہیں۔ اسکے بعد معلوم ہوا کہ اس شخص نے قریباً چالیس روپے کا ایک لمبا
تار بھی روپیہ کے تقاضا میں بھیجا تھا۔ اور تیسری مرتبہ کوشش یہ کی کہ بمبئی سے
میرے ہندوستان پہنچنے کے قریب زمانہ میں ولایتی ڈاک کا جہاز پہنچنے کے
روز اس مطلب کا اور تار دیا تھا۔ کہ میں کسی سے کرایہ جہاز کا روپیہ قرض لیکر بمبئی
پہنچ گیا ہوں۔ مجھے فوراً فلاں ہوٹل کے پتہ پر روپیہ بھیجدو۔ مگر چونکہ میرے

گھر والوں کو یقین تھا کہ پیرس اور بمبئی دونوں جگہ مجھے مانگنے سے روپیہ مل سکتا تھا انہوں نے اس موذی کو روپیہ بھیجا اور اس طرح خدا کی مہربانی اور میرے بھائی کی دور اندیشی سے ہم اس نقصان سے بچ گئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک دغا باز شاطر کا کام تھا جو لاہور میں بھی مجھے ملا تھا اور اس وقت پیرس میں مقیم تھا۔ اور مجھے ریل پر سوار کرنے گیا تھا۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ اسکی بمبئی میں بھی ایجنسی ہوگی۔ جو پتہ اس شخص نے مجھے اپنے دمشق سے تحریر کیا تھا۔ وہ غلط تھا تاہم وہاں سے معلوم ہوا کہ یہ مسلمان ہی نہیں ہے بلکہ ایک یہودی ہے۔ میں نے قسطنطنیہ کے دو تین روزانہ اخبارات میں اس دغابازی چالاکی کا قصہ چھپوا دیا۔

قسطنطنیہ سے بیروت تک

از برکت سیر مرد فہمیدہ شود — در عین کمال [illegible] دیدہ شود
پاکیزہ تر از آب ندیدم چیزے — چو در گشت متعفن [illegible] گندیدہ شود

روانگی کی تیاری جب میں نے قسطنطنیہ سے روانہ ہونے کا قصد کیا تو میں نے ان چند احباب سے رخصت ہو لینا مناسب سمجھا جنہوں نے یہاں کے زمانہ قیام میں مجھ پر بڑی مہربانی مبذول رکھی تھی۔ اور بہت اخلاق و محبت سے پیش آتے تھے۔ ان سے رخصت ہونے کے بعد پولیس سے تذکرہ حاصل کرنا۔ جہاز کا ٹکٹ خریدنا۔ چونگی میں کتابوں کا معائنہ کرانا۔ جہاز پر مال لدوانا۔ اور دوران سفر میں جہاز پر کھانے پینے وغیرہ کی چیزیں خریدنا تھا۔ کیونکہ سید عبدالغفار آفندی نے مجھے صلاح دی تھی۔ کہ میں بجائے جہاز کا اول یا دوم درجہ کا ٹکٹ خریدنے کے سوم درجہ یعنی تختہ جہاز کا ٹکٹ خریدوں کیونکہ گرمی کے

تختہ جہاز کا ٹکٹ

سوسم میں جہاز کے کمرہ میں مجھے تکلیف ہوگی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ گرمی ہو یا سردی یہاں کا عام رواج سفر جہاز کا یہی ہے۔ کہ لوگ صحن جہاز پر سفر کرتے ہیں۔ سوائے امرا یا پہلے یورپین فیشن تو محفوظ رکھنے والے لوگوں کے صحن پر عورتیں مرد سب یکجا رہتے ہیں۔ مسلمان عورتیں البتہ پردہ کر لیتی ہیں یا برقعہ میں رہتی ہیں۔ بہرحال میں نے بھی سوم درجہ کا ٹکٹ خریدنے کا ارادہ کر لیا۔ اور ایک سو دس غرش کو بیروت تک کا ٹکٹ لیا۔ میں نے یہ ٹکٹ آسٹرین لائیڈ کمپنی کے شہر کے دفتر سے خریدا تھا۔ اور مجھے معلوم تھا کہ سو غرش کو ٹکٹ ملیگا لیکن میرے ساتھ خود بخود ایک عیسائی دلال جا کھڑا ہوا۔ اور مجھے ٹکٹ کی قیمت ایک سو دس غرش دینی پڑے۔ مجھے ٹکٹ دینے والے کلرک نے کہہ دیا تھا۔ کہ اگر میں جہاز پر سے ٹکٹ خریدونگا۔ تو مجھے سو غرش کو ملیگا۔ مگر میں ناتجربہ کاری کی وجہ سے وہیں ایک سو دس غرش دیتے نہ سمجھے۔ پیچھے جہاز پر پہنچکر معلوم ہوا کہ واقعی وہاں سو غرش کو ٹکٹ ملتا تھا۔ گویا میں دس غرش دلال کے پاس جا کھڑے ہونیکے دے گئے تھے۔ اب چونکہ تختہ جہاز پر سفر

سامان سفر کرنے کی تیاری تھی۔ اسلئے مصر چارشی سے ایک گدیلا اور ایک تکیہ بستر کے لئے خریدا۔ ایک بڑی شیشہ کی بوتل پانی جسے کی لی کہ جسمیں پندرہ بیس سیر پانی سما سکے۔ اور وہ پانی شہر سے بھر لیا۔ ایسی بڑی بوتلوں کے گرد ایک ٹوکری سی بنی ہوئی ہوتی ہے جسکے ساتھ ٹوٹنے نہیں پاتی۔ ایک انگور رکھنے کی ٹوکری اور کچھ ڈبل روٹیاں۔ ایک تھیلا میں ڈالنے کو ایک چھری کانٹا اور کچھ خشک گوشت خرید کر ایک بکس میں رکھ لیا۔ جیسا کہ یہاں کے لوگ سفر جہاز کے لئے کھانے پینے اور سونے کا انتظام کیا کرتے ہیں۔

والپسی رسالہ کتب میں نے ترکی سالنامہ بھی لے لیا اور کئی ایک ترکی کتابیں خود خریدی تھیں۔ اور بہت سی ترکی کتابیں یہاں کے مصنفین وغیرہ احباب نے مجھے تحفہ دی تھیں۔ لکھنے علاوہ قسطنطنیہ کے تحائف کا بھی کچھ ذخیرہ خریدا ہوا تھا

سامان کا بکس بہت بھاری ہوگیا۔ اسلئے مینے مناسب سمجھا کہ اسے سیدھا ہندوستان کو بک کرا دوں۔ آسٹرین لائیڈ۔ فرنچ رشیئن وغیرہ کئی کمپنیوں کے دفاتر سے دریافت کیا۔ روسی کمپنی نے پورٹ سعید تک اسباب پہنچانیکا وعدہ کیا۔ مگر آسٹرین اور مسیجیرز میری ٹیم سیدھا ہندوستان تک لیجا سکتی تہیں۔ لیکن انکے بک کرانے سے پہلے اسکا کسٹم (چونگی) میں سے گذارنا مشکل تھا کیونکہ مجھے ایک شخص نے ڈرا دیا تہا۔ کہ اگر تمہاری بعض کتابیں معائنہ کرنے والے افسر نے روک لیں تو وہ ضائع ہوجائینگی۔ اسوجہ سے مجھے بڑی پریشانی تھی چنانچہ مینے اپنی ڈائری اور بعض دیگر کاغذات بذریعہ ڈاک رجسٹری کراکر ہندوستان کو بھیجدیئے تھے۔ باوجودیکہ بعض کتب پر رخصت معارف درج ہوتا ہے یعنے سررشتہ تعلیم کی اجازت لیکر چھاپی جاتی ہیں۔ مگر یا تو وہ قدیم زمانہ کی چھپی ہوئی ہیں۔ کہ انکے بعد محتسب کی پالیسی کچھہ اور بدل گئی ہوتی ہے۔ یا بعض کتابوں پر جعلی طور پر اجازت معارف چھاپدیا گیا ہے۔ بہرحال بعض کتابیں افسر معائن روک سکتا ہے۔ مینے اس کام کے لئے ایک افسر کی سفارش بہم پہنچائی۔ اور اس طرح سوائے ایک آسٹریا کی کتاب کے کہ جسمیں سلطان المعظم کی تصویر تھی باقی سب کتابیں بے عیب سمجھی گئیں۔ اور مجھے بک کرانے کی اجازت دیگئی۔

پول تذکرہ پاسپورٹ کو۔ جسے یہاں پول تذکرہ یا مرور تذکرہ کہا جاتا ہے ہر مسافر کو ضرورت ہے۔ خواہ وہ ترکی رعایا ہو یا اجنبی۔ مینے آنے کے لئے لنڈن کے فارن آفس سے ۲ شلنگ دیکر جو پاسپورٹ لیا تھا۔ اور پیرس میں عثمانی کونسل سے پانچ فرانک دیکر اسکی تصدیق کرائی تھی۔ عثمانی حدود میں داخل ہوئے پر قسطنطنیہ آنے تک اسے دو تین مرتبہ پولیس کی کتابوں میں درج کیا گیا۔ یہاں جس ہوٹل میں میں ٹھہرا۔ ہوٹل والا زت کر مجھ سے پاسپورٹ لیکر پولیس میں درج کرانے گیا تہا۔ اس انتظام سے قسطنطنیہ کی پولیس کو ہر شام

کو معلوم ہو جاتا ہے کہ شہر میں اجنبی کتنے ہیں اور کہاں کہاں مقیم ہیں۔ ہندوستان کی سراؤں میں بھی رات کو پولیس والے آکر اسی طرح اسم نویسی کرتے ہیں۔ قسطنطنیہ سے بیروت کو روانہ ہونے سے پہلے میں انگریزی کونسلیٹ میں گیا۔ جہاں ۱۲ غروش یعنی ۱۲ لیکر انہوں نے مجھے ایک کاغذ دیا۔ جو شمالی پولیس کے ایک دفتر میں لیجانے پر اور ۱۲ غروش دینے کے بعد مجھے ایک ترکی زبان کا پول تذکرہ ملا۔ اسکا مقصد یہ ہے کہ ترکی پولیس پایہ تخت کے باہر کسی غیر زبان کے پاسپورٹ کو تسلیم نہیں کرتی۔ مگر ترکی زبان کا اور یہ ترکی زبان کا پاسپورٹ تین روپیہ اور ایک روز کی تگ و دو اور شاید دو ایک روپیہ گاڑی کا کرایہ خرچ کرنے کے بعد ملسکتا ہے۔ اگر میں قسطنطنیہ سے سیدھا ہندوستان کو آنا چاہتا تو انگریزی کانسلیٹ سے بلا کچھ فیس لینے کے مجھے دستخط کر دیا جاتا۔ لیکن چونکہ میں راستہ میں دمشق اور بیت المقدس وغیرہ مقامات ترکی قلمرو میں دیکھنا چاہتا تھا۔ اسلئے مجھے یہ پول تذکرہ لینا ضروری تھا۔ اس پاسپورٹ سے مسلح ہو کر جب میں مع اسباب بندرگاہ میں آیا تو کشتی پر سوار ہو کر ایک دوسرے پولیس کے دفتر میں گیا۔ کہ میں فلاں جہاز پر روانہ ہوتا ہوں۔ وہاں پاسپورٹ درج کرنے کے بعد مجھے جانے کی اجازت ملی۔ مگر میرے ہمراہی نے جہاز تک مجھے الوداع کہنے کے لئے جانے کی بہتیری کوشش کی لیکن اسے اجازت نہ ملی۔ جہاز سے دو چار قدم ادھر ایک کشتی میں ایک ترکی پولیس افسر بیٹھا ہوا ملا۔ یہ ہر شخص کا تذکرہ مزید احتیاط کے لئے پھر دیکھتا ہے اور اُسے جہاز میں داخل ہونے کی اجازت دیتا ہے لیکن جسکے پاس تذکرہ نہ ہو وہ جہاز میں داخل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جہاز قریباً سب غیر ممالک کی رعایا کے ہیں۔ اور میرا خیال ہے کہ اگر کوئی شخص جہاز میں بلا تذکرہ بھی پہنچ جائے تو جہاز والے اگر چاہیں تو اس کو ترکی افسروں کے سپرد نہ کریں۔ اسی طرح قسطنطنیہ سے بیروت تک جتنے بندروں راؤس

سمرنا ۔ مرسین ۔ اسکندرونہ ۔ طرابلس ۔ بیروت وغیرہ میں میں جہاز سے اُتر کر
شہر میں گیا ہوں ۔ ہر جگہ پولیس نے کشتی سے نکلتے ہی تذکرہ لے لیا ۔ اور جہاز
کو واپس جانے کے وقت دیا ہے ۔ کشتی بانوں کی مجال نہیں کہ بلا سواری کا
تذکرہ دکھلائے اُسے جہاز تک لیجائیں ۔ اسلئے ٹرکی اور روس وغیرہ ممالک میں
تذکروں کا ایک بہت بڑا محکمہ ہے ۔ اور یہاں کے لوگ جو عادی ہوگئے ہیں
وہ ان کو بار بار دکھلانے کی پرواہ نہیں کرتے ۔

جہاز کی سواری
۸ اکتوبر سنہ ۱۹۱۲ء

جب میں جہاز پر پہنچا ۔ تو کچھ تو کشتی والوں اور … کے قلیوں
کی زیادہ ستانی سے میں دق ہو رہا تھا ۔ اور کچھ تختہ جہاز پر کہ
جسے ٹرکی گورتہ کہتے ہیں سفر کرنے میں مجھے کچھ تکلیف نظر آنے لگی ۔ مجھے
بعض قلیوں نے صلاح دی کہ جہاز کی ایک کوٹھری چار پونڈ کرایہ پر لیلوں
تجارتی جہازوں کے چھوٹے افسروں سے اتنی رعایت ملحوظ ہوتی ہے کہ
وہ اپنی کوٹھری (کیبن) کرایہ پر دے کر کچھ کما سکیں ۔ چنانچہ ایک ایسے
افسر سے میں نے کوٹھری کا سودا کر لیا ۔ … جہاز میں … کے
سوا چار پونڈ تھا ۔ سمرنا سے … پونڈ … تختہ جہاز کا کرایہ دے چکا
تھا ۔ میں نے دو پونڈ اور … جو اس … نے مجھ سے لئے ۔ اور میں نے
کوٹھری (کیبن) میں ڈیرہ ڈال دیا ۔ تھوڑی دیر میں سید عبدالغنی صاحب
مع ایک دوست کے جہاز پر آ پہنچے اور میرے لئے دمشق کیواسطے جناب
سید ابوالہدی صاحب سے دو خطوط سفارش کے بھی لیتے آئے اور
کہا کہ اچھا ہوا تم مجھے اسوقت پولیس والوں نے نہیں آنے دیا تھا ۔ ورنہ
یہ خطوط نہ ملتے ۔ مگر میں اگرچہ جہاز پر دو پونڈ زائد خرچ کرنا ناپسند کیا ۔ تھوڑی دیر
کے بعد یہ حضرات رخصت ہو گئے ۔ اور تھوڑی دیر کے بعد بہت سے مسافر جہاز پر آ گئے ۔
جنمیں بعض ترکی اور عربی اور یہودی لیڈیاں بھی تھیں ۔ مگر عورتیں مرد
سب گورتہ یعنی تختہ جہاز کے ہی مسافر تھے ۔ غروب آفتاب کے وقت

جہاز روانہ ہوا۔ میں جہاز کے بلند ترین حصہ پر چڑھکر قسطنطنیہ کو بڑی دیر تک دیکھتا رہا جبتک کہ وہ نظر سے غائب نہ ہو گیا۔ اسوقت کا نظارہ نہایت دلکش تھا۔ قسطنطنیہ کسی قدر فاصلہ سے اور بھی دلکش معلوم ہوتا ہے۔ اسوقت تیرھویں کا چاند نکل آیا جسنے سمندر کو اپنے نور سے روشن کر دیا۔ مگر ہوا دم بدم تیز ہونے لگی۔ میں اپنے کمرہ میں آیا تو بجلی روشنی اور آرام کا بستر پایا۔ اور دو پونڈ جو زیادہ خرچ کئے تھے سب بھر پائے۔ کیونکہ باہر لوگ سردی سے سکڑی جاتے تھے۔ حالانکہ سب کے پاس کپڑے مجھ سے زیادہ تھے۔

ڈارڈانیلز و مٹالین
۱۰ اکتوبر

آدھی رات کو جہاز بندر روڈوسٹو میں پہنچا جو ایک خوبصورت خلیج میں واقع ہے۔ مگر یہاں کا مال زیادہ نہیں تھا۔ اسلئے چلکر چناق قلعہ میں پہنچا جسے یورپین ڈارڈانیلز کہتے ہیں۔ یہاں دور تک سمندر ایک دریا کی طرح تنگ ہو گیا ہے۔ اور دونوں طرف مضبوط زمین دوز قلعے بنے ہوئے ہیں۔ کہ جنکی توپوں کے سامنے جہاز میں بیٹھے شمار کر سکتا تھا۔ یہی وہ مضبوط قلعے ہیں۔ کہ جنمیں سے کسی سلطنت کا جنگی جہاز بلا اجازت سلطان کی سلطنت کی طرف نہیں جا سکتا۔ اور ان قلعوں کو جدید فن جنگ کے انجینئروں کی صلاح سے اسقدر مضبوط کر دیا گیا ہے کہ کسی غنیم کا ان کو زیر کرسکنا محال سمجھا جاتا ہے۔ پہلے پہل سلطان محمد فاتح نے یہ قلعہ تعمیر کیا تھا۔ پھر کوپرلی محمد پاشا نے [illegible] میں کلید بحر اور سد البحر قلعوں کو نہایت مضبوط کرتے وقت قلعہ سلطانی کو اور مضبوط کر دیا تھا۔ اور جو گیریزن یہاں رکھا گیا تھا۔ اب اسی سے بڑھتے بڑھتے ایک خاصا قصبہ گیارہ ہزار کی آبادی کا بن گیا ہے۔ جسمیں گیارہ مسجدیں اور چار کلیسا چھ حمام چار خانات اور تین کارخانے ہیں۔ مسلمانوں کے علاوہ یہاں یونانی آرمنی اور یہودی بھی آباد ہیں۔ یہاں سے جہاز روانہ ہو کر شام کو جزیرہ مٹالین میں پہنچ گیا۔ یہ وہی مقام ہے

کر چکے۔ ذکا ترجونگی پر میرے آنے کے بعد فرانسیسی بیڑہ نے بالجبر کسی مطالبہ کی بنا پر قبضہ کر لیا تھا۔ قصبہ چھوٹا سا ہے۔ اسلئے اہل جہاز تو وہاں نہ گئے۔ مگر وہاں سے سودا فروش جہاز پر آگئے۔ اور ان سے انار سفرجل اور سیب سب ۳ پارہ رجیب پیسہ الضعف اوکے حساب لوگوں نے خریدے یہاں سے بہی تھوڑا ہی مال تجارت اتارنا اور چڑھانا تھا۔ اسلئے جہاز شام سے پہلے روانہ ہوگیا۔ چونکہ ہوا تیز تھی اسلئے بوجہ تلاطم ہی ہلاتا رہا۔ صبح کو جہاز طلوع کے قریب بندر سمرنا میں پہنچ گیا۔

سمرنا ۱۰ اکتوبر

یہ تجارتی جہاز تھا۔ کہ جس میں سوار ہوا تھا۔ اسلئے راستہ میں قریباً ہر بندر پر ٹھہرتا اور مال چڑھاتا اوتارتا جاتا تھا۔ عموماً دن بھر مال اُترتا اور چڑھتا اور مسافر لیکر شام کو روانہ ہو جاتا۔ ایسے طور پر کہ اگلی صبح دوسرے بندر پر جا ٹھہرتا۔ اسطرح مسافروں کو دن بھر بندرگاہ کے شہر یا قصبہ کے سیر کرنے کا موقعہ مل جاتا۔ اور میرے لئے خصوصیت سے یہ بہت اچھی بات تھی۔ کیونکہ میں نے اس تمام ساحل کے قصبات اچھی طرح دیکھ لئے۔ اور گو یہاں کی معاشرت اور تمدن تو ایک آدھ دن میں کیا معلوم ہو سکتا تھا۔ لیکن ظاہری شکل وصورت سے جو کچھ معلوم ہو سکتا تھا۔ وہ بھی دلچسپی سے خالی نہ تھا۔ سمرنا کہ جسے ترک ازمیر کہتے ہیں دنیا کے نہایت پرانے شہروں میں سے ہے۔ اور جن چند شہروں پر مشہور یونانی شاعر ہومر کے مولد ہونے کا خیال ہے انہیں میں سے ایک یہ بھی ہے۔ سب سے پہلے ۱۰۸۴ء میں یہ شہر اسلامی قبضہ میں داخل ہوا۔ جبکہ ایک سلجوقی امیر نے اسے فتح کر لیا تھا۔ لیکن جلدی ہی یونانی قیصر نے چھوڑا لیا۔ پھر ۱۳۲۹ء میں امرائے سلجوقی میں سے آیدین اوغلی نے اس پر قبضہ کر لیا۔ اور ۱۳۹۰ء میں آشتی کے ساتھ سلطان بایزید یلدرم کو سپرد کر دیا۔ اسکے بعد تیمور نے اس شہر کو غارت کیا۔ بہرحال تھوڑے

عثمانی کے نہایت آباد شہروں اور تجارتی مرکزوں میں سے ایک ہے - اور ایشیا کوچک کا سب سے بڑا بندرگاہ ہے - ایک طرف تو سمندر کی جانب سے دخانی اور بادبانی جہازوں سے اور دوسری جانب خشکی میں ریل سے اسکا تعلق تمام دنیا کی تجارت سے ہے - اسلئے سالانہ اوسط تجارت برآمد ۲½ ملین پونڈ اور درآمد ۳ ملین پونڈ کے درمیان ہے۔ سوائے قالینوں کے جو دنیا بھر میں مشہور ہیں - یہاں سوتی اونی اور ریشمی کپڑے - اور چینی برتن بھی بنتے ہیں اور یہاں سے سوائے قالینوں کے انجیر تمباکو اور سقمونیا غیر ممالک کو جاتا ہے - آبادی دو لاکھ کے قریب ہے جس میں سے نصف مسلمان اور باقی عیسائی اور یہودی ہیں - ان میں قریب دو تین ہزار کے اہل یورپ بھی ہیں - کہ جن کے ہاتھ میں تجارت کا بڑا حصہ ہے -

نیا اور پرانا شہر قدیم شہر کی گلیاں اور کوچے بہت تنگ ہیں - اور مکانوں کے بڑھاؤ اتنے بڑھے ہوئے ہیں - کہ اگر ایک روزنوں میں سے راستہ مل سکے تو دونوں طرف کے مکانات کے رہنے والے اسی راستہ سے ایکدوسرے کے گھر میں آ جا سکیں - ان بازاروں کے فرش ان گھڑے پتھروں کے ہیں مگر جو بازار کنارہ بحر عیسائی آبادی کے مکانوں اور دکانوں میں سے گذرتے ہیں انکے فرش صاف پتھر کے ہیں - جہاز پر سے شہر کا نظارہ نہایت دلفریب معلوم ہوتا ہے - جو ایک ہلال کی صورت میں پانی کے کنارے کنارے دور تک پھیلا ہوا ہے - ایسے طور پر کہ کنارے سے پہاڑی کی چوٹی تک آبادی چلی گئی ہے - کہ جسکے اوپر ایک قدیم ویران قلعہ ہے - دریا کے کنارہ پر بہت دور تک عالیشان مکانات دکانات لوکنطوں اور قہوہ خانوں کا سلسلہ چلا جاتا ہے - کہ جسکے درمیان ایک باغیچہ عمومی (پبلک گارڈن) بھی ہے عیسائی آبادی کے مکانات نہایت عالیشان اور خوشنما ہیں - کسی بازار کے کے مکانات ہم شکل ہیں - عموماً ان مکانات کے بڑے دروازہ کے اندر ایک

صحن نظر آتا ہے کہ جسکی دیواریں اور فرش سنگ مرمر کے ہوتے ہیں۔ فرنگی
بازار کی دوکانیں قسطنطنیہ کے یورپین کوارٹر کی دوکانوں سے بھی بہتر اور وہ
معلوم ہوتی ہیں۔ جس روز میں یہاں پہنچا تو بحیرہ روم کا انگریزی بیڑہ
جہازات بھی یہیں لنگر انداز تھا۔ شاید کہ یہ اکثر یہاں آیا کرتا ہو
کیونکہ کنارہ بحر کے کئی قہوہ خانوں اور بیئر کی دوکانوں کے نام "جان بل"
"لارڈ رابرٹس" اور "برٹش آرمس" وغیرہ انگریزی میں لکھے ہوئے تھے۔ اور
انگریزی ملاح جابجا پھر رہے تھے۔ کئی جگہ انگریزی میں نوٹس بورڈ آویزاں
تھے۔ انگریزی ڈاک خانہ کے قریب ایک ترک فوجی افسر نے مجھ سے انگریزی
میں گفتگو کرنی شروع کی۔

اونٹوں کی مہار گدھے کی دُم سے

جہاں ایک طرف تو شہر کے تنگ اور بارونق بازاروں میں سے
کہ جن میں بعض مسقف بھی ہیں، لدے ہوئے اونٹوں کی
قطاریں بلا تکلف گذرتی رہتی ہیں۔ دوسری طرف گودی کے قریب سے لیکر
ایک ٹریموے کی لائن بھی جاری ہے۔ اندرون ملک سے بہت سا مال تجارت
اونٹوں کے ذریعہ آتا ہے کہ جو قد میں چھوٹے مضبوط اور لمبے بالوں والے ہوتے
ہیں۔ پندرہ بیس ایسے اونٹوں کی ایک قطار کی مہار ایک گدھے کی دم سے
بندھی ہوئی ہوتی ہے۔ کہ جس پر ان کا رہنما سوار ہوتا ہے۔ زبان یہاں کی ترکی
ہے۔ لیکن یونانی بھی بہت بولی جاتی ہے۔ کیونکہ چالیس ہزار یونانی بھی آباد
ہیں۔ یہاں کئی ایک بڑی بڑی عمارتیں بھی ہیں کہ جن میں سے نمایاں وزیر کی
بڑی سرائے ہے۔ چالیس جامع اور کئی چھوٹی مسجدیں اور متعدد خیمے
سے اور [illegible] بھی ہیں۔ [illegible] کے مدرسوں کے علاوہ
کے لئے کئی ابتدائی مدرسے ہیں [illegible]
ہیں۔ علاوہ اس ولایت کے سرکاری گزٹ کے گیارہ دیگر اخبارات شائع
ہوتے ہیں اور دو مطابع ہیں۔ اسکے سوائے ہسپتال عدالتیں غریب خانے

ایک مدرسہ حرفت غرض سب ضروری سامان تمدن موجود ہیں۔

ہر چند کہ سمرنا قسطنطنیہ سے صرف (۳۰۴) کیلو میٹر (قریباً سوا دو سو میل) دور ہے۔ لیکن قسطنطنیہ کے گھسے ہوئے غروش اور چک کے سکے دکاندار قبول نہیں کرتے تھے۔ صرف نئے سکے ہی لیتے تھے۔ حالانکہ قسطنطنیہ میں گھسے ہوئے سکہ کی ذرا پرواہ نہیں کی جاتی۔ اور سرے سے مجیدی کی بجائے ۲۰ کے ۱۹ غروش دیتے ہیں۔ جہاز کے رفیقوں کے ساتھ دن بھر شہر میں گھوم کر اور کھانا کھا کر شام کو جہاز میں چلے آئے۔ یہاں کے میوجات بہت عمدہ۔ خصوصاً انجیر شیریں۔

جہاز کے مسافر قسطنطنیہ سے جسقدر مسافر سوار ہوئے تھے ان میں ایک حاجی سید عبدالغفار (ولایت موصل کے سنجاغ کرکوک کے نقیب الاشراف اور قائم مقام بھی تھے۔ جو حکم سلطانی پندرہ ماہ سے استنبول میں نظر بند تھے۔ کیونکہ ان سے نقض امن کا اندیشہ تھا۔ مگر اب انہیں وطن جانے کی اجازت مل گئی۔ یہ اپنی سبز عمامہ نشان شرافت اور اپنی دینداری پر حیثیت نازاں تھے۔ ایک ترک جوان نجی افندی اطنہ کے دیون عمومی کے باش کاتب۔ بغداد کے سیلان کے ارکان تھے۔ یہ اسمعیل حقی [illegible] یہودی لڑکا کہ جس سے آپ کی مادری زبان ہسپانی [illegible] کی [illegible] عمر ۱۳-۱۴ سال تھی۔ فرانسیسی [illegible] بیت المقدس کے یہودیوں کے حرفتی مدرسہ میں داخل [illegible] یہودیوں کے بچوں کو [illegible] اس مدرسہ کے بعد [illegible] لئے قوی قصد کے [illegible] ترکوں سے تحت [illegible] گفتگو [illegible] تھی۔ اور چونکہ تحت جہاز پر [illegible] ترکوں سے فرانسیسی میں بات چیت کر سکتا تھا۔ اسلئے ہمیں مجھے بہت دلچسپی تھی۔ ایک دفعہ ایک یہودی لڑکا میرے پاس بیٹھا تھا۔ [illegible] نقیب الاشراف صاحب بھی تشریف لائے۔ [illegible] کہ تم کیوں ہمارے پاس

پاس بیٹھا ہے ۔ بغداد میں اگر کوئی ایسا کرے تو اسے سخت سزا ملے ۔ بیٹے ہنس کر کہا کہ شکر ہے یہ بغداد نہیں ۔ اتنے میں دوسرا عرب بھی میرے پاس آ بیٹھا ۔ یہ موصل کے حاجی صاحب اور بھی بہت چکرائے ۔ مجھے افسوس ہوا کہ باوجود اتنی لمبی نمازیں پڑھنے اور تسبیح پھرانے کے ان کے خیالات کیسے ادنیٰ ہیں ۔

جزیرہ روڈس
۱۱۔ اکتوبر

کل سمرنا سے بہت سے مسافر ہمارے ساتھ سوار ہوئے ۔ تختہ جہاز (جہاز کے سامنے چھت (Prow) پر تل رکھنے کو جگہ نہ رہی ۔ یہ اکثر غریب لوگ ہیں ۔ مگر کپڑوں کے لحاظ سے (شاید سرد ملک کیوجہ سے) کیا عورتیں اور کیا مرد ہندوستانیوں سے بہت بہتر حالت میں ہیں ۔ بعض لوگ عجیب قسم کے پاجامے پہنتے ہیں ۔ کہ جنکی میانی میں پانچ چھ گز کا جھول ہوتا ہے ۔ اور جو اتنی نیچے لٹک آتی ہے کہ زمین سے صرف نصف بالشت بلند رہ جاتی ہے ۔

شام کو سٹیمر جزیرہ روڈس میں پہنچا ۔ یہ بھی الجزائر یونان کا ایک نہایت قدیم جزیرہ ایشیا کوچک کے ساحل کے قریب ہے ۔ اپنے بنام بُت روڈس کی وجہ سے بہت مشہور ہے جو زمانہ قدیم کی سات عجائبات میں سے شمار ہوتا تھا ۔ جبکہ ڈی میٹر اس پولیو کریٹس نے ۳۰۵ قبل مسیح میں اس جزیرہ کا محاصرہ کر کے چھوڑ دیا تو اہل شہر نے ان جنگی سامانوں کو ڈھال کر یہ عظیم الشان بت بنایا تھا ۔ کہ جسکے دونوں ٹانگوں کے نیچے سے اس زمانہ کے جہاز گذر سکتے تھے ۔ مگر پھر معلوم نہیں وہ بُت کہاں گیا ۔ مختلف زمانوں میں اس جزیرہ کو بڑی شہرت حاصل رہی ہے ۔ چنانچہ سیزر ۔ ٹائیبریئس اور سسرو جیسے علما سیر یہاں آ چکے ہیں ۔ ترکوں نے پہلے پہل ۱۴۸۰ء اور پھر ۱۵۲۲ء میں یہاں کا محاصرہ کر کے آخری دفعہ اسپر قبضہ کر لیا ۔ چونکہ آدھی رات تک ہی جہاز یہاں ٹھیرا اسلئے ہم لوگ شہر کو اتر کر نہ دیکھ سکے ۔ مگر شہر کے بہت لوگ کھانے پینے کی چیزیں لیکر جہاز پر فوراً پہنچ گئے تھے ۔ ترنج دہی ۔ مولیاں ۔ [illegible] ۔ ٹماٹر وغیرہ چیزیں مسافروں نے خریدیں ۔ یہاں کی

چیزیں مثل تاس کے ڈبیوں کٹوروں اور لٹیوں کی ایسی بنتی ہیں کہ جنپر صدف آمود کیا جاتا ہے۔ ان چیزوں کے بیچنے والے بھی آئے اور لوگوں نے بطور تحائف انہیں خریدا۔

یہودی تجارت اور یہودیوں کی ذلت

بیچنے والے سب یہودی تھے۔ اور جہاز کے مسافر جو زیادہ تر مسلمان تھے۔ بلاتکلف ان لوگوں کو "یہودی" کہکر پکارتے تھے۔ اور لوگ اس بات کو برا انہیں مانتے تھے۔ بلکہ ایک شخص نے یہودی سے کتے کہکر بھی پکارا۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ اس خطاب کے عادی ہیں۔ سوڈس کے ایک ساز نے مجھے بتایا کہ یہاں کے تمام دولت اور تمام تجارت اور حرفت یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔ یہانتک کہ کشتیاں بھی یہودی ہیں۔ اور یہ سب بہت آسودہ ہیں مگر مسلمان ہیں کہ مفلس اور محتاج۔ اسنے بطور شکایت بیان کیا کہ کمبخت یہودی پیسہ کمانے کے لئے ہر قسم کا برا یا بھلا کام اختیار کر لیتے ہیں۔ مگر مسلمانوں کی شرافت انہیں برا کام کرنے نہیں دیتی۔ اسوقت جہاز میں کم و بیش بیس مختلف قوموں کے آدمی سوار ہونگے۔ ۱۱۔ اکتوبر کی شب کو ۱۲ بجے سے جہاز چلکر ۱۳۔ کی صبح کو بندر برنڈیسی میں ٹھہرا۔ اور میں سید عبد الغفار صاحب

بندر برنڈیسی

موصلی کے ہمراہ کشتی میں شہر کو گیا۔ کیونکہ جہاز شہر سے بہت دور ٹھیرا تھا۔ ایک اور مسافر جو جہاز میں انکا واقف ہوا تھا۔ اسنے سید صاحب سے خواہش کی کہ کسٹم میں سعی کرکے میرا اسباب معائنہ سے بچوا دینا۔ چنانچہ سید صاحب نے کسٹم کے افسر سے کہا کہ "او غلم" اس اسباب کو جانتے در اسمیں کچھ چیز قابل تشخیص نہیں ہے۔ اسنے سرسری ایک دو مرتبہ اس بکس میں اور صندوق میں ہاتھ ڈالکر اسے لیجانے کی اجازت دیدی۔ وہ شخص ہمیں قریب کے ایک ہوٹل میں لیگیا جہاں اسنے چائے پلائی۔ اور سید صاحب نے مجھے بڑے فخر سے بیان کیا کہ اسکی ایک پونڈ سے زیادہ چونگی انہنے بچا دی ہے اور باوجود تمام زہد و ورع کے یہ نہ سمجھے کہ یہ اچھا کام نہیں کہ قومی سلطنت کا جائز حق مٹا کر

شائع کرادیا۔ اس ہوٹل میں شکاگو کے ایرد موٹر کمپنی کا ایک انگریزی اشتہار
آویزاں تھا جس پر دو پارہ کا ٹکٹ چسپاں تھا (کیونکہ کوئی غیر ملک کا اشتہار
بھی بلا فیس پرنس دار کرنے کے قلمرو عثمانی میں شائع نہیں ہو سکتا) یہاں ایک
نان بائی کی دوکان پر کھانا کھایا۔ دوکان صاف ستھری تھی۔ سب لوگ میزوں
پر کھا رہے تھے۔ ایک قوندرہ جی (موچی) بھی سامنے میز پر اور کانٹے کے ساتھ
کھانا کھا رہا تھا۔ یہاں گرانی بھی نہیں۔ دو کس کے کھانے کے ۳ قرش دیئے
گئے۔ دوکانوں پر بہت یورپین سامان بکتا ہے۔ فیشن بھی زیادہ تر یورپین ہے
گو ہر ایک آدمی سر پر ترکی ہے۔ اسلئے ہر شخص روز باش جانتا ہے۔ میرے
رفیق نے ایک حجام کی دوکان پر حجامت کرائی۔ اس دوکان پر تین چار درجن ترکی
تولیے، کئی استرے، بال کاٹنے کی ولایتی قینچیاں اور دو بڑے بڑے شیشے
دیواروں سے آویزاں تھے۔ گو بلا دار کرسی حجامت کے لئے تھی۔ حجامت ایسی
اچھی کی کہ لندن اور پیرس میں بھی پسند کی جاتی۔ اس دوکان پر سلطان [illegible]

ایک سلطانی تصویر

خان کی ایک بڑی تصویر بھی آویزاں تھی۔ مجھے تعجب ہوا
قسطنطنیہ میں کسی کو مجال نہیں کہ یہ تصویر رکھ سکے۔ وہ سلطان [illegible] ترکی
ہے۔ مگر یہاں اسکی باز پرس نہیں۔ سنئے ایک شخص پوسٹ کارڈ [illegible] ڈاک
میں ڈالنا چاہتا تھا۔ مگر پوسٹ ماسٹر نے قبول نہ کیا۔ البتہ جب ترکی پوسٹ کارڈ
لیکر آیا تو وہ پوسٹ کر دیا۔

یہاں ایک [illegible] میں یہاں کے لئے جو [illegible]
کی میزوں اور شیشے کے پیچھے خشبوں سے آراستہ تھے۔ یہاں سید صاحب
کا ایک ملاقاتی عبداللہ عطاء الدین [illegible] ملا۔ یہ شخص بچپن میں ہندوستان
میں رہ آیا ہے بلکہ دہلی میں تعلیم بھی حاصل کی ہے۔ اور اب ادب اور منطق
و فلسفہ وغیرہ کی کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ جس طرح کہ سرزمین بابل کی
تصاویر میں مٹی کے بنے لوٹے اور پانی کے گھڑے دیکھے جاتے ہیں ایسے

یہاں نظر آنے لگے ہیں۔

شہر ایک پہاڑیوں کے سلسلہ کے آگے کنارہ بحر پر واقع ہے۔ ایسا پہاڑیوں کا سلسلہ اتنک برابر ایشیائے کوچک کے ساحل پر نظر آتا رہا ہے۔ یہ شہر ساڑھے بارہ ہزار کی بستی ولایت آطنہ میں مرکز سنجاق ہے۔ یہاں ایک جامع ایک کنیسہ اور چار کلیسا ہیں۔ تین چار مدرسے اور مکتب ہیں۔ جب سے طرطوس سے آطنہ کو ریلوے لائن تعمیر ہوئی ہے۔ تب سے اس شہر نے بہت ترقی کی ہے اور خاصا بندرگاہ ہونے کی وجہ سے مشہور ہو گیا ہے۔ یہاں سنگترہ لیموں اور اررود کے عمدہ باغات ہیں۔

مختلف اقوام کے مسافر

قسطنطنیہ سے جس قدر ترک سوار ہوئے تھے۔ وہ بتدریج اتر گئے پھر سمرنا اور یونانی ترک وغیرہ اقوام جو سوار ہوئی تھیں وہ بھی اتر گئیں۔ اب شام اور عرب کی شہری اور خانہ بدوش اقوام ہماری ہم سفر ہیں چونکہ عموماً سب لوگوں کی داڑھیاں منڈی ہوئی ہوتی ہیں۔ ان میں مسلمان اور عیسائی کا تمیز کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ دونوں یکساں عربی بولتے ہیں۔ اور ترکی ٹوپی پہنتے ہیں۔ دونوں کے رنگ ترکوں سے میلے ہیں۔

ترک لیڈیاں تو اتنی گوری اور خوبصورت ہوتی ہیں کہ یورپ کی عورتوں میں اور ان میں نشان تمیز یہ ہے کہ یہ زیادہ گوری ہوتی ہیں۔ ان میں سے بعض بالکل آلا فرنگ (فرنگیانہ فیشن میں) رہتی ہیں۔ اور زیادہ تر پردہ میں۔ بیروت اور اسکندرونہ کی عورتیں بھی گھر سے باہر پھرنے کا ویسا ہی سیاہ لباس پہنتی ہیں لیکن ان سے سادہ اور کم قیمت۔

اسکندرونہ ۱۸ اکتوبر

صبح آٹھ بجے سٹیمر یہاں پہنچا۔ اور رات کے دس بجے یہاں سے روانہ ہوا یہاں سے سید عبد الغفار صاحب اور اور کئی پانچ چار دن کے رفیق بھی روانہ ہو گئے کیونکہ انطاکیہ اور حلب کو یہیں سے راستہ جاتا ہے میں بھی ان لوگوں کے ساتھ قصبہ میں گیا۔ یہ بندر اور شہر معمولی سے زیادہ بلند

پہاڑیوں کے زاویہ میں واقع ہے۔ اسلئے سمندر کا نظارہ اور بھی دلچسپ ہو گیا ہے۔ سکندر اعظم نے اپنے نام پر جو شہر تعمیر کئے ہیں یہ بھی انہیں میں سے ہے مصر کے اسکندریہ سے تمیز کرنے کے لئے اسکا نام الگذینڈریہ مائینر دیعنے کوچک اسکندریہ) رکھا گیا تھا۔ مگر اہل یوروپ نے اختصاراً تصغیر کو ملحوظ رکھکر الگذینڈریٹہ اسکا نام رکھدیا۔ اور ترکوں نے اسکندروں یا اسکندرونہ۔ آبادی سات ہزار ہے۔ سید عبد الغفار صاحب کے چند واقف یہاں نکل آئے جب انکا اسباب چونگی میں گیا۔ تو ایک شخص نے بڑہکر چونگی کے افسر کے کان میں کچھ چپکے سے کہدیا اور اُسنے اسباب کا معائنہ چھوڑ دیا۔ ہمیں لوگ ایک مکان میں لے گئے جسکی نچلی منزل میں ایک ابتدائی مدرسہ تھا۔ جب میں مدرسہ

ابتدائی مدرسہ میں گیا تو استاد لڑکوں کو سبق پڑھا رہا تھا۔ مجھے دیکھکر ایک بڑے لڑکے نے بلند آواز سے کہا "حضرت" تو سب لڑکے جو بنچوں پر بیٹھے تھے اور ان کے سامنے ڈسک تھے۔ تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ اور اسی اشارہ سے میرے واپس جانے پر کھڑے ہوکر تعظیم کی۔ لڑکوں کے پیچھے دو الماریاں تھیں جنمیں سلیقہ کے ساتھ اُن کے جوتے رکھے ہوئے تھے۔ یہاں سے حلب تین روز کا گھوڑے کی سواری کا راستہ ہے اور حلب سے دمشق سات دن کا عرابہ کا راستہ ہے۔ اسلئے ادہر سے دمشق جانے میں زیادہ دیر لگتی ہے یہاں بھی سب تجارت دیسی عیسائیوں کے ہاتھ میں ہے۔ یہاں کے مسلمان نصیری مذہب کے ہیں۔ جو شیعوں کی ایک زیادہ غلو کرنے والی شاخ بتلائی جاتی ہے۔ یہاں سے زیتون کا اچار اور انار لئے جو بہت عمدہ ہوتے ہیں۔ اور سید صاحب کے ساتھ جو کھانا کھایا تھا۔ اسمیں بینگن کا دولمہ چورہا جسمیں شوربہ میں سوتیاں پڑی تھیں۔ بھولیا اور بامیاں (بھنڈی) کی ترکاری اور روٹیاں تھیں۔ یہ کھانا استنبول سے بہت ملتا جلتا ہے

لاذقیہ۔ ۱۵۔ اکتوبر رات بہر چلکر صبح جہاز نے بندر لاذقیہ پر لنگر ڈالا

کہ جسے یورپین لشا کہتے ہیں۔ بحیرہ روم کے ساحل ایشیا کوچک کے دوسرے کئی مقامات کی طرح یہ بندر بھی بہت قدیم ہے۔ اہل روما کے زمانہ میں بڑی رونق پر تھا۔ پھر مسلمانوں کے قبضہ میں آنے کے بعد کئی مرتبہ صلیبی لڑائیاں کرنے والے عیسائیوں نے اسپر قبضہ کیا۔ اور مسلمانوں نے انہیں مار کر بھگایا اسوقت بارہ تیرہ ہزار کی آبادی ہے جسمیں عیسائی بھی بہت ہیں۔ شہر میں لاجامع و ۲۹ دیگر مساجد ہیں۔ ۶ کلیسیا ایک عیسوی خانقاہ ایک اعدادی اور ۱۵ ابتدائی مکتب ہیں۔ ۸ خان ۲ حمام اور ۳۲ ہوا اور حیوانوں سے چلنے والی (دو گرمن) چکیاں ہیں۔ ساحل پر ایک پرانا قلعہ ہے۔ جواب اسفنج نکالنے والی کشتیوں کے کام کا ہے۔ گلیاں گو تنگ ہیں لیکن دونوں طرف سے بلند پتھر کا فرش ہے۔ مگر بیچ سے گہری ڈھلوان ہیں۔ گاڑیاں نہیں چلتیں صرف خچر اور اونٹ بوجھ لیجاتے ہیں۔ کئی ترک جنبی (پولیس) قہوہ خانوں میں بیٹھے تاش یا چوسر کے شغل کا ایک کھیل کھیل رہے ہیں۔ اور بالکل بیکار رہا بیفکرے معلوم ہوتے ہیں۔ شہر کے دوسرے سرے پر شیخ المغربی کا مزار ایک بہت بلند مقام پر واقع ہے جسکے ساتھ ایک عمدہ مسجد بھی ہے۔ یہاں میں نے وضو کرکے دو رکعت نماز پڑہی۔ کیونکہ یہ جگہ اجابت دعا کے لئے مشہور ہے۔ مرقد کے اندر جو بہت سے تو سح آویزاں ہیں ان میں ایک ترکی خاتون کے ایک نہایت خوشخط قطعہ ریشم سے کاڑھکر اور اسپر شیشہ لگوا کر آویزاں کیا ہوا ہے جو کسی یوروپین نمائشگاہ میں انعام پانے کے قابل ہے۔ مزاروں اور مسجدوں کی حالت سے اُن کی خوشحالی ظاہر ہے۔ مکان جو سب بھورے رنگ کے گھڑے ہوئے پتھر کے ہیں۔ اُن کی چھتیں قالب دار ہیں۔ یہاں میوجات اور روئی سب چیزیں سستی ہیں۔ یہاں کے انجیر اور زیتون کیسے اعلے ہیں مگر ایک مشالک کے انجیر یہاں تین آدمیوں نے سیر ہوکر کھائیں۔ گیہوں اور دورہ دجوار، اور انجیر اور زیتون کی لاکھوں بوریاں غیر مقامات کو جانے کے لئے گھاٹ پر

تیار پڑی ہیں۔ یہاں تقسیط کا دستور نہیں۔ ایک کباب جی کے یہاں سے گوشت کٹوایا۔ یہاں قیمہ کرنے کا دستور نہیں بلکہ چھری سے ہی بوٹیوں کو باریک باریک کاٹ دیتے ہیں۔ کباب روٹی اور وہیں سے کھائے۔ اور ایسے اعلےٰ درجہ کے کھانے کے پانچ آدمیوں کے چار غروش دینے پڑے۔ یہاں کی بزازی اور بقالی وغیرہ کی دوکانیں ہندوستان کی اسی ہی درجہ کی دوکانوں سے زیادہ اچھی ہیں۔ لباس بھی یہاں بہتر قسم کے کپڑے کا ہے۔ بولی عام عربی ہے۔ مگر ڈاڑھی والے ڈاڑھی منڈوں سے یہاں بھی کم ہیں۔ بعض بازار مسقف بھی ہیں۔ عورتیں سفید چادر از سرتا پا اوڑھتی ہیں اور منہ پر ذرا سا سفید کپڑا لٹکا لیتی ہیں۔ ایک خراس میں خچر جتا ہوا دیکھا۔ جسکے منہ میں ایک رسی باندھکر بسلنے کے ایک لکڑی سے باندھدی گئی تھی۔ جو خچر کے آگے آگے رہتی ہے۔ اور ہر وقت خچر کو کھینچتی رہتی ہے۔ جس سے وہ سمجھتا ہے کہ مجھے کوئی آگے کھینچ رہا ہے۔ اور برابر چلتی رہتی ہے۔

مسلمانوں کی حاکمانہ حیثیت

معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ترک فاتح اور حاکم کی حیثیت سے رہتے ہیں۔ اور عرب بھی عیسائیوں کو اپنے سے کمتر درجہ کی رعایا سمجھتے ہیں۔ آج سہ پہر کو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ جبکہ جہاز پر غلہ لدرہا تھا۔ تو ایک بوڑھے عیسائی نے کہ جسکے سر پر ترکی ٹوپی تھی مگر اسکے بھاری سیاہ شلوار کی میانی کا جھول اسکے ٹخنوں سے بھی نیچا لٹک رہا تھا۔ ایک عرب عورت کو اس طرف سے گذرنے سے ہاتھ سے روکا کہ جدھر وہ غلہ کی بوریاں گن رہا تھا۔ اسکے بوڑھے شوہر عرب یوزباشی (سپاہیوں کا افسر) نے غصہ میں آکر اس عیسائی کو پانچ سات مکے جڑ دیئے۔ مگر عیسائی بیچارہ بار کھا کر ایک طرف کو ہٹ گیا۔ اسپر بھی عرب کا غصہ کچھ بہت کم تھا سیشر نہیں اترا۔ اور بلند آواز سے اُسے گالیاں دیتا رہا۔ اسپر عیسائی اُسکی روتے اور بھی پرے سرک گیا۔ ظاہرا وہ عیسائی اس عورت کو روکنے میں حق بجانب

معلوم ہوتا تھا۔ لیکن مارکھا کر اتنا بھی تو اس نے نہ کیا کہ غصہ ظاہر کرتا یا انتقام کی دھمکی دیتا۔

طرابلس شام ۱۴۔ اکتوبر

رات بھر جہاز چلکر صبح طرابلس کے بندر پر ٹھہر گیا۔ چونکہ شمالی افریقہ میں ایک ملک کا نام طرابلس ہے کہ جسے طرابلس غرب کہتے ہیں اسلئے یہ شہر طرابلس شام کے نام سے مشہور ہوا۔ طرابلس اصل لاطینی نام تری پولیس" (تین شہر) ہے۔ قدیم زمانہ میں صور و صیدا اور ارواد تین شہروں کے مہاجرین نے اسے آباد کیا تھا۔ اور ہر ایک جماعت علیحدہ

طرابلس کی وجہ تسمیہ

محلہ ار جُدا فصیل کے اندر رہتی تھی۔ اسلئے رومیوں نے اسکا یہ نام رکھا۔ جیسا رومیوں کے عہد میں یہ شہر بڑا تھا ویسا ہی مسلمانوں کے عہد میں بھی سربرآوردہ رہا۔ یہاں ایک بڑا کتب خانہ قائم ہوا تھا مگر عیسائیوں نے اُسے جلا دیا۔ اس زمانہ میں یوروپ کا اس شہر سے بڑا تعلق تھا۔ جہاں یہاں سے ریشم اور برتن بھیجے جاتے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اور سلطان بیبرس نے اسکا محاصرہ کیا۔ آخر سلطان قلاؤن نے فتح کیا۔ قدیم شہر بندر سے قریب تھا۔ مگر اب قریب ایک میل کے دور ہے اور بندر سے بذریعہ ٹریموے ملحق ہے۔ بندرگاہ پر بھی ایک بارونق آبادی ہے کہ جسمیں کئی بازار ہیں جنمیں ایک کالبد سے مسقف ہے۔ بیروت سے ۳۵ کیلومیٹر شمال مشرق کو نہر ابو علی دامن لبنان میں واقع ہے۔ آبادی ۵۰ ہزار سے زائد ہے۔ صلیبی زمانہ کا ایک عیسائی قلعہ۔ ۱۰ جامع۔ ۳۰ مدرسے وکتب خانے۔ ۵ انگلش ایک اعدادی اور ۲۲ دیگر مکاتب۔ بارہ کلیسا اور عیسوی خانقاہیں اور بارونق بازار تجارت موجود ہیں۔ کئی ریشم کے کارخانے ہیں جنمیں کئی قسم کا ریشم بنتا ہے۔ صابون اور دباغت اور کشیدہ عطر کے کارخانے ہیں۔ پرتقال و سنگترے کے باغات بہت ہیں۔ اور سمندر سے اسفنج کا شکار کیا جاتا ہے۔ آبادی میں ۱۵ ہزار مسلمان ہیں۔ باقی عیسائی۔ انگریزی

پوسٹکارڈ پر لکھا ہوا خط یہاں کے ڈاک خانہ نے بھی منظور نہ کیا۔ یہاں فرانسیسی ڈاک خانہ ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام ساحل پر فرانسیسیوں کا بہت نفوذ ہے۔ مختلف بندرگاہوں کے مکانات پر فرانسیسی پھریرے کھینچ کے نیچے معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں بھی مکانات پتھر کے اور اکثر لداؤ کی چھتیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ طرابلس میں ایک بہت بڑا عالم شیخ حسین جسری رہتا ہے۔ کہ جسکے پایہ کا دوسرا عالم سلطنت عثمانیہ میں موجود نہیں ہے مگر افسوس کہ جہاز نے اتنی مہلت نہ دی کہ اس بزرگ کی زیارت کرتا۔ کیونکہ آج شام کو ہی جہاز کو بیروت پہنچنا تھا۔ یہاں سے ساحل بحر پر جبل لبنان کا سلسلہ برابر چلا گیا ہے۔ جو کہیں پست اور کہیں بلند ہو جاتا ہے۔ مگر بیروت کے قریب پہنچکر بہت بلند ہو گیا ہے۔ ۴ بجے شام کے قریب جہاز بندر بیروت میں پہنچ گیا۔

بیروت و دمشق

جہد کن تا نور تو رخشان شود تا سلوک و خدمتت آسان شود
ہمچو آہن آہن بد رنگ شو در ریاضت آئینہ بے زنگ شو
ہر کہ رنجے دید گنجے شد پدید ہر کہ جہدے کرد در جدے رسید

بیروت

شہر بیروت کی تاریخ اور حالات موجودہ

بیروت اہل فینشیا کے زمانہ کا ایک نہایت قدیم شہر ہے چنانچہ سکندر اعظم نے بھی اس پر قبضہ کیا تھا۔ اور پھر اہل روما کے زمانہ میں یہاں تعلیم قانون کا ایک بہت بڑا دار العلوم قائم ہوا۔ سنہ ۱۳ ہجری میں زمانہ خلافت حضرت عمرؓ میں یزید بن ابی سفیان نے اسے فتح کر لیا۔ مگر پھر رومیوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔ اور بعدہ معاویہ بن ابی سفیان نے اسے پھر حکومت اسلام میں شامل کیا۔ سنہ ۵۰۳ھ میں اہل صلیب نے اس پر قبضہ کر لیا اور سنہ ۵۸۳ھ میں سلطان صلاح الدین نے انہیں نکال دیا۔ سنہ ۹۲۳ھ میں یاوز سلطان سلیم نے اسے سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لیا۔ پھر ابراہیم پاشا کے چند روزہ استیلا کے بعد انگریزی اور آسٹرین بیڑوں کی مدد سے عساکر عثمانی نے اس پر قبضہ کر لیا۔ چنانچہ اب ولایت سوریا کا مرکز اور سوریہ میں سب سے بڑا بندرگاہ ہے۔ قدیم شہر کہ جس کی آبادی گنجان اور کوچے ناہموار ہیں۔ ایک برج رجون حالی شکستہ فصیل سے محیط ہیں۔ لیکن فصیل سے باہر دامن کوہ میں عالیشان کوٹھیاں اور باغات ہیں۔ اور کنارہ دریا پر بھی خوشنما ہوٹل قہوہ خانے سرائیں دوکانات اور دفاتر ہیں۔ اور گودی نئی تعمیر ہوئی ہے آبادی سنہ ۱۹۱۰ء ایک لاکھ چالیس ہزار ہے جس میں چوتھائی کے قریب مسلم اور باقی رومن کیتھولک آرتھوڈوکس اور پراٹسٹنٹ مذاہب کے

عیسائی اور یہودی اور دُرزی آباد ہیں۔ زبان سب کی عربی ہے۔ اہل صلیب کے زمانہ
کی ایک گرجے کی مسجد جامع بنی ہوئی ہے۔ اسکے علاوہ بھی جوامع اور مساجد
اور مذاہب مختلفہ کے کلیسا ہیں۔ یونانی اور زیر ڈنامنیٹ لشپوں کا صدر مقام
اور امریکی عیسائی مشنوں کا مرکز ہے۔ ہوا نہایت معتدل اور موسم خوشگوار
رہتا ہے۔

مطبع آبائے یسوعیین

لیکن جس وجہ سے بیروت کو غیر معمولی شہرت دنیا میں
حاصل ہوئی ہے وہ یہاں کے مطابع کی ترقی ہے۔ کہ جن کے ذریعہ سے عربی
زبان میں جہاں جدید علوم و فنون ترجمہ ہو کر خوب نشر ہوئے ہیں عربی زبان
کے قدیم علم ادب کے سرمایہ کو بھی بڑی احتیاط کے ساتھ مرتب کر کے شائع
کیا جا رہا ہے۔ سب سے بڑا مطبع آبائے یسوعیین کا ہے۔ یہ رومن کیتھولک
پادریوں کا مطبع یہاں ۱۸۵۳ء سے جاری ہے۔ اس نے بہت اچھی اچھی کتابیں
عربی علم ادب اور لغات کی چھاپی ہیں۔ جنمیں اقرب الموارد پانچ جلد کے بسیط
لغت ہے۔ فرائد الدریہ عربی فرانسیسی اور عربی انگریزی میں عمدہ لغات ہے
اسی طرح فقہ اللغت لابو منصور ثعالبی۔ الالفاظ الکتابیہ لعبد الرحمن الہمدانی
تہذیب الالفاظ لابن السکیت۔ فرائد اللغت فی الفروق۔ الالفاظ الفرنسیہ
المشتقہ من العربیہ ہیں۔ اس آخری لغات میں ۲۰۰ صفحے ہیں جس میں سینکڑوں ایسے
فرانسیسی الفاظ جمع کئے گئے ہیں جو اصل عربی زبان سے لئے گئے ہیں اسی طرح
علم ادب میں تین سو مستند علم ادب و تاریخ وغیرہ کی عربی کتابوں سے خلاصہ
کر کے چھ جلدیں مجانی الادب کی مرتب کی ہیں۔ اور تین جلدوں میں ان کی
شرح ایسی اچھی لکھی ہے کہ علاوہ حل لغات کے تاریخ جغرافیہ تذکرہ کے تمام
نکات جو ان چھ جلدوں میں شامل ہیں حل کر دیئے ہیں اسکے علاوہ مقامات
بدیع الزمان ہمدانی مع شرح مفتی محمد عبدہ مصری۔ روایات اغانی (خلاصہ
دو جلدیں) انیس الجلساء شرح دیوان الخنساء۔ باقی الادب فی مراثی شعراء العرب

دیوان اخطل۔ اور دیوان خرنق وغیرہ بہت سی نایاب کتابیں [illegible]
بڑی صحت اور صفائی سے چھپوائی ہیں۔ میں نے خود اس مطبع میں جاکر چھپائی کا
کام دیکھا۔ بڑی احتیاط سے کتابیں چھاپی اور مجلد کی جاتی ہیں۔ اور ساتھ ہی
عربی ٹائپ بھی مطبع کے اندر بنایا جاتا ہے۔ کہ جس سے یہ کتابیں چھپتی ہیں۔
میں نے یہاں سے متعدد کتابیں خریدیں کہ جن پر قیمت کتب پر ۲۰ فیصدی کمیشن دیا
گیا۔ یہاں سے المشرق نامی ایک علمی و ادبی بہت عمدہ ماہوار رسالہ
چھپتا ہے جو اعلیٰ پایہ کا ہے۔ ایک اور مذہب عیسوی کا ماہوار رسالہ البشیر
کے نام سے شائع ہوتا ہے۔ اور اسکی سالانہ جنتری بھی چھپتی ہے۔

مطبع امیریکانیہ دوسرا مطبع امریکن پادریوں کا بنام "المطبعۃ الامیرکانیۃ" جو
سنہ ۱۸۲۲ء میں مالٹا میں جاری ہوا تھا سنہ ۱۸۳۴ء سے بیروت میں منتقل ہوکر
جاری ہے۔ اسمیں بھی پہلے مطبع کی طرح کتب مذہبی کے علاوہ عربی لغات میں
اور گرامرین چھاپتے ہیں۔ اور سائنس طب تاریخ جغرافیہ ہیئت اور بائبل کی تفسیر
کی کتابوں کو انگریزی و فرانسیسی زبانوں سے عربی میں ترجمہ کرکے شائع کرتے
ہیں۔ ان کی یہاں معلم بطرس البستانی کی محیط المحیط اور ڈاکٹر [illegible]
اور [illegible] مشہور [illegible]
جو ایک امریکن پادری تھے۔ عربی زبان میں علمی [illegible] ترجمہ کر گئے ہیں [illegible]
قابل تعریف کام کیا ہے۔ اور منجملہ دیگر کتب مبسوطہ کے [illegible] رسالے النقش فی
الحجر کے نام سے مبادی علوم کیمیا۔ طبعیات۔ جغرافیہ۔ جیالوجی۔ ہیئت
نباتات اور اصول منطق پر لکھے ہیں۔ اسیطرح ڈاکٹر یوحنا وانڈیک نے بہت
سی سائنٹفک کتابیں عربی میں ترجمہ کی ہیں۔ [illegible] مطبع کی فہرست
کتب سے معلوم ہوسکتی ہے۔ [illegible] کتابوں [illegible] کی ترتیب
سلف [illegible] ترجمہ [illegible] کے نام سے اور روبنسن کروسو [illegible]
قابل ذکر ہیں۔ یہاں سے بھی میں نے کچھ کتابیں خریدیں جن پر ۲۵ فیصدی کمیشن ملا۔

اس مطبع میں بھی المطبعۃ الکاتولیکیہ کی طرح سیسہ کا ٹائپ بنایا جاتا ہے۔ میں نے
دونوں مطبعوں سے ٹائپ کے نرخ بھی دریافت کئے۔ لیکن معلوم ہوا کہ فروخت
کے لیئے ٹائپ صرف خلیل سرکیس صاحب کے مطبع میں بنتے ہیں۔ یہ صاحب بھی

مطبعۃ الادبیہ

عیسائی ہیں۔ اور امریکہ میں کچھ مدت رہ آئے ہیں۔ علاوہ اخبار لسان
الحال روزانہ اور ہفتہ وار کے بہت سی عربی کتابیں بھی چھاپتے ہیں۔ اور ٹائپ
بناکر فروخت کرتے ہیں۔ ان کے مطبع میں عام قسم کی کتابیں چھپتی ہیں۔ جب
میں نے ان سے ٹائپ کے نرخ دریافت کئے تو انہوں نے مجھے بتایا کہ ہندوستان
میں جو فارسی اخبار کلکتہ سے نکلتا ہے۔ اسکے لئے بھی انہیں کے مطبع سے ٹائپ
خرید اگیا تھا۔ اور حیدرآباد دکن میں بھی ایک شخص نے اسنے ٹائپ خریدا تھا۔
جسنے ابتک ایک حصہ زرثمن کا ادا نہیں کیا۔ یہ ٹائپ نہایت خوبصورت ہیں
مگر افسوس ہے کہ ان میں تین چار حروف مثل [illegible] وغیرہ کے جو اردو کے لئے ضرور ہیں
ہیں موجود نہیں۔ اسلئے اردو چھاپنے کے کام نہیں آسکتے۔ جبتک کہ یہ
حروف نئے نہ بنوائے جائیں اور یہ بھی شک ہے کہ [illegible] اس عربی
خط کو ناپسند کریں۔ البتہ عربی فارسی کتابیں چھاپنے کے لئے یہ ٹائپ نہایت
موزوں ہیں۔ خلیل سرکیس صاحب نے مجھے ٹائپ کے [illegible] بنتے ہوئے
اور ٹائپ کے مشینیں بھی دکھلائے۔ اس مطبع میں [illegible] کا
کام مثل یوروپ امریکہ کے کسی خوبصورت [illegible]
ایسے ہی یہاں کے انگریزی پوسٹ آفس کی [illegible] صورت تھی
اسکے سوائے خلیل [illegible] مشہور عیسائی کتب
فروش ہیں۔ کہ جنکی فہرست چھپتی ہیں۔ کہ عیسائیوں کے مطبع دکھی ہیں۔
مگر مسلمانوں میں صرف ایک [illegible] کتب فروش کی دوکان مکتبہ [illegible]
[illegible] اس دوکان کے مالک عبد [illegible] الآلوسی برادر محمد سلیم
الآلوسی مالک [illegible] جن سے قسطنطنیہ میں ملاقات ہوئی تھی

ان کی کتابوں میں سے شیخ ابراہیم احدب کی عربی ضرب الامثال کی مشہور کتاب مجھے بہت پسند آئی۔ احدب صاحب نے جو زمانہ حال کے مسلمان مصنفین سے ہیں تمام امثال عربی کو منظوم کر دیا ہے۔ ایسے طور پر کہ اصل لفظ مثل کے کم وبیش نہ ہو جائیں۔ اور مطبع کاتولیکہ نے ایسے سلیقہ سے اس کتاب کو چھاپا ہے کہ آٹھ سو صفحے کی کتاب میں مثل کے لفظ سرخ حروف میں چھپے ہیں اور اشعار کا باقی حصہ سیاہ حروف میں

اخبارات — علاوہ مطبع کاتولیکہ کے دو ماہوار رسالوں کے یہاں بہت سے اخبار مثل لسان الحال۔ الصفا۔ الثمرات۔ المصباح۔ حدیقۃ الاخبار۔ النشرہ الاسبوعیہ۔ المہذب۔ ثمرات الفنون بیروت اور روضۃ المعارف وغیرہ کے چھپتے ہیں۔ ان میں سے صرف پچھلے تین اخبار مسلمانوں کے ہاتھ میں ہیں جنمیں سے پہلے دو جاری ہیں۔ اور باقی سب اخبار نصاریٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ لیکن چونکہ اخبارات کو کسی قسم کی آزادی تحریر حاصل نہیں اسلئے سوائے خبروں اور علمی مضامین لکھنے کے یہ اور کچھ نہیں کر سکتے۔ میں تینوں مسلمان اخبارات کے کارخانوں میں بھی گیا۔

دفتر اخبارات بیروت — اخبار بیروت کے ایڈیٹر محمد رشید آفندی الدانا کے نام کا میرے پاس ایک معرفت کا خط تھا۔ وہ بڑے تپاک سے ملے اور ایک اور دن کی ملاقات میں اُن کے بڑے بھائی ہز اکسیلنسی عبدالقادر آفندی الدانا بھی ملے جو پہلے میونسپلٹی (بلدیہ) کے مدیر تھے۔ یہ علاوہ فرانسیسی کے کچھ کچھ انگریزی بھی بول سکتے تھے جو اس نالائق شخص نے صرف دو سال سے سیکھنی شروع کی تھی جبکہ اُس کی عمر ساٹھ سال کی تھی اس سے اندازہ ہو سکتا کہ انگریزی زبان کس طرح روز بروز دنیا میں رسوخ پیدا کر رہی ہے۔ رشید آفندی صاحب نے مجھے قہوہ پیش کیا جسکے قبول کرنے میں میں نے عذر کیا۔ تو انہوں نے مجھے ایک بزرگ کا قول سنایا جسکا ماحصل یہ تھا

کہ قہوہ بنانا ثواب کا کام ہے۔ عبدالقادر آفندی نے جودت پاشا سابق وزیر عثمانی کی مشہور تاریخ ترکی کی پہلی جلد کا ترجمہ عربی میں کیا ہوا ہے چنانچہ انہوں نے ایک کتاب پر اپنے ہاتھ سے میرا نام لکھ کر مجھے بطور یادگار دی۔ اور تقاضا کیا کہ جب میں دمشق سے لوٹوں تو ایک شام ان کے یہاں کھانا کھاؤں۔ اور بہت اصرار سے مجھے اقرار لیا۔ ثمرات الفنون کے ایڈیٹر شیخ احمد حسن طبارہ صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔ ثمرات الفنون بیروت اور روزنامہ لسان الحال ان میں اخبارات نے میرے یہاں آنے کی کیفیت تعریفی الفاظ میں شائع کی۔

مستشرقین میں پادری نانڈیک اور ڈاکٹر یوحنا ورتبات کا ذکر اوپر کر چکا ہوں ان لوگوں نے امریکن اور یورپین ہو کر عربی زبان کی بے حد خدمت کی ہے ان کے سوائے [illegible] کے لئے کئی کتابیں تصنیف اور تالیف کی ہیں کہ جنہیں مجانی الادب بھی ایک ہے۔ مگر یہ صاحب یورپ یا امریکہ کے رہنے والے نہیں۔ بلکہ یا تو عرب ہیں یا شام کے ہی باشندہ ہیں۔ اور عربی کو اپنی قومی زبان سمجھ کر اس کی خدمت کرتے ہیں۔ اس وقت شام اور مصر میں بہت سے ایسے عیسائی اہل قلم ہیں کہ جو عربی زبان میں [illegible] کتابیں لکھ رہے ہیں۔ لیکن ان میں [illegible] گذرے ہیں۔ [illegible] دائرۃ المعارف جو عربی زبان میں [illegible] ہے۔ افسوس ہے کہ معلم مرحوم نے اس کی چند ہی جلدیں شائع کی تھیں کہ انہیں پیام اجل پہنچ گیا۔ ان کے بعد ان کے بیٹے سلیم آفندی نے کام کو جاری رکھا۔ مگر وہ بھی بے وقت مر گیا اور اب معلم مذکور کا دوسرا بیٹا نجیب آفندی صاحب دائرۃ المعارف کی تکمیل میں مصروف ہے۔ دوسرا معلم ناصف یازجی علوم ادب کا بڑا عالم اور مصنف اور شاعر گذرا ہے۔ اس کا بیٹا یازجی بھی اب مصر میں رسالہ ضیا نکالتا ہے۔

کلیۃ الامیرکانیہ بیروت میں پچاس سے زیادہ مدرسے و مکاتب ہیں لیکن ان میں زیادہ تر ابتدائی مکاتب شامل ہیں جو حکومت کی طرف سے قائم ہیں ان میں سب سے بڑا امریکن مشنریوں کا مدرسہ ہے۔ جسے الکلیۃ الامیرکانیہ کہتے ہیں۔ یہ بی۔ اے کے درجہ تک تعلیم دیتا ہے۔ اسمیں علاوہ عربی اور فرانسیسی کے انگریزی زبان بھی سکھلائی جاتی ہے۔ اسکے ساتھ ایک نہایت عمدہ بورڈنگ ہوس بھی ہے۔ اسی کالج سے متعلق امریکن مشنریوں کا ایک میڈیکل کالج اور ایک رصدخانہ بھی ہے۔ اس میڈیکل کالج کی ڈگری یورپ کے بعض ممالک میں بھی تسلیم کیجاتی ہے۔ اسی کلیہ یعنے یونیورسٹی کالج کی بدولت شام کے عیسائیوں میں بیجد علمی ترقی پیدا ہوگئی ہے۔ اور ان کے آنکھیں کھل گئی ہیں۔ چنانچہ انمیں سے لاکھوں آدمی امریکہ کے مختلف بلادیں بغرض تجارت و تحصیل معاش چلے گئے ہیں۔ اور برابر جا رہے ہیں لیکن مسلمانوں نے اس سے بہت کم فائدہ اٹھایا ہے۔ مجھے عبدالرحمن سرشبندر نے جو اس کالج کے بی اے کلاس میں پڑھتے تھے۔ بتلایا کہ تیس سال سے یہ مدرسہ اس شہر میں قائم ہے اور میں پہلا مسلمان طالب علم ہوں جو آجتک اس کلیۃ کے بی اے کلاس تک پہنچا ہوں۔ ورنہ یوں بھی پانچ چھ سو طلباء میں سے معدودے چند مسلمان ہیں جو نیچی جماعتوں میں پڑھتے ہیں

دیگر مکاتب اس کے علاوہ شہر بیروت میں فرانسیسی پادریوں کا مکتب الکلیۃ الستوریہ کا مکتب۔ کیتھولک پادریوں کا "بطریقیہ" نامی۔ پیروٹسٹنٹ فرقہ کا "حکمت" نامی۔ یہودیوں کا "اسرائیلیہ" نامی علیحدہ علیحدہ کالج اور مدرسے ہیں۔ اور ان کے علاوہ لڑکیوں کے بھی کئی ایک مدرسے ہیں۔ سرکار کیطرف سے ایک ملکی اور ایک عسکری دو رشدی۔ اور ایک اعدادی درجہ کا مکتب ہے۔ اور دو لڑکوں اور چار لڑکیوں کے ابتدائی مکاتب ہیں۔ اسکے علاوہ پچیس کے قریب چھوٹے مسلمان بچوں کے مکتب ہیں۔

بیروت کا پہنچنا تجربہ

ان ممالک میں جہاز پر چڑھنے اور اترنے کے وقت مزدور اور کشتیبان
بلکہ مسافر کو اسقدر پریشان کر دیتے ہیں کہ اسکے حواس بیجا ہو جاتے
مختل ہو جاتے ہیں۔ جب جہاز بندر بیروت میں ٹھہرا تو فوراً قایقچی جہاز
پر یورش کرتے۔ اور لوگوں کا اسباب چھین جھپٹ کر اپنی کشتیوں میں رکھنا
شروع کیا۔ جب میرا اسباب بھی ایک کشتیبان نے رکھ لیا۔ تو میں نے عبدالرزاق
ایک عرب مسافر سے جو آشنائے سفر میں واقف ہو گیا تھا۔ پوچھا کہ مجھے کسقدر
کرایہ دینا چاہیئے۔ اسنے کہا تین شلنگ اور کشتیبان اسپر رضامند ہو گیا۔ ٹامس
کک کے ایجنٹ نے جو جہاز پر موجود تھا مجھے یونیورسل ہوٹل میں جانے کی
صلاح دی۔ میرے پاس ریزگاری نہ تھی اسلئے میں نے کشتیبان کو کہا کہ گاڑیبان
کے ہاتھ تمہارا حساب بھیجدونگا۔ وہ بھی گاڑی پر ساتھ ہو لیا۔ یہاں اسنے
تین شلنگ لینے سے انکار کیا۔ میں نے ہوٹل کے مالک کو جو ایک عیسائی تھا
منصف بنانا چاہا۔ اور ایک مجیدی اسکے دیا جو نصف سب موجودوں کو دیکے
اسنے مجھے انگریزی میں کہا کہ یہ کمینے لوگ ہیں بیفائدہ جھگڑینگے۔ انہیں مجیدی
ہی دیدو۔ اور یہ کہکر انہیں مجیدی دے دی۔ مجھے اسکا بہت افسوس ہوا
کہ میں نے کیوں اسے حکم بنایا تھا۔ اور خیال آیا کہ ہوٹل والے کشتیبانوں اور
گاڑیبانوں کو خوش رکھنا چاہتے ہیں تا وہ ہوٹل کی یہاں مسافر لایا کریں
دوسری صبح میں بازار میں گیا تو اتفاق سے وہی عرب مسافر عبدالرزاق مجھے ملگیا۔
(جو ایک پنشنر سپاہی تھا) اور میں نے اسے کشتیبان کی زیادہ ستانی کا واقعہ سنایا
اور بھی عجیب اتفاق یہ ہوا کہ وہ کشتیبان بھی وہیں بازار میں مل گیا۔ عبدالرزاق
نے اسے ڈانٹا کہ تو نے اجنبی مسافر کو دھوکا دیا ہے۔ اس پر کشتیبان نے مجھے
چھ غرش لوٹا دئے اور کہا کہ ڈیڑھ غرش بوجہ مجیدی کے مسخ (گھسے ہوئے
ہونے کے) بٹہ لگ گیا ہے۔ اور باقی میں نے اور گاڑیبان نے بانٹ لئے
ہیں۔ کشتیبان سے دوسرے روز پیسے واپس ملنا ایک عجیب اتفاق ہے۔

یہ قصہ لکھنے سے غرض یہ ہے کہ اجنبی اور ناواقف مسافر کو یہ لوگ کس طرح لوٹتے ہیں۔ اور کہ حکومت ترکی اس لحاظ سے ایسی منتظم ہے کہ جب کشتیبان کو معلوم ہوا کہ مسافر مواخذہ کرنے پر آمادہ ہے تو اُسنے ڈر کر زائد پیسے لوٹا دیئے۔

پرفضا ہوٹل لیکن جو پریشانی کشتیبان اور گاڑیبان سے ہوئی تھی وہ ہوٹل کے منظر نے فوراً رفع کر دی۔ ہوٹل عین برلب بحر واقع تھا۔ ایسے طور پر کیا اپنے کمرہ میں اور کیا ہوٹل کے برآمدہ میں کہ جہاں سے میلوں تک نظر سمندر کی پہنائی پر پھیل جاتی تھی۔ کیا کتابوں اور اخباروں کے مطالعہ میں اور کیا خاموش بیٹھکر سمندر کا نظارہ کرنے میں ہر وقت بحیرہ روم کی موجوں کی پرترنم آواز طبیعت پر ایک سکون اور اطمینان کی حالت پیدا کرتی تھی۔ جس وقت ذرا ہوا تیز ہو جاتی تو بڑی بڑی موجیں زور شور سے ہوٹل کی دیواروں سے ٹکراتیں (دراصل یہ چٹانیں تھے۔ جن پر یہ دیواریں تعمیر کی گئی تھیں) میں گھنٹوں تنہا سطح بحر کے اس خوبصورت نظارہ کے تماشا میں محو رہتا (کیونکہ اتفاقاً بوجہ سیزن ڈل ہونے کے ہوٹل بھی مسافروں سے خالی تھے) میں شاید اس ہوٹل کو چھوڑ کر شہر میں کسی مسلمان کنندہ دیجیے قسطنطنیہ میں تو غلط لکھتے تھے۔ یہاں لوگ نہ سمجھتے اور بولتے ہیں) میں چلا جاتا۔ جہاں کھانے پینے کا زیادہ آرام ملتا۔ لیکن بحیرہ روم کے اس دلربا منظر اور صبح شام و رات دن ہر وقت کی موجوں کی موسیقی سننے کیلئے یہیں پڑا رہا۔ جب بستر کو جاتا ہوں تو یہی موجوں کی موسیقی نیند کو لاتی ہے اور جب صبح بیدار ہوتا ہوں تو سب سے پہلے یہی سریلی آواز میرے کان میں پڑتی ہے۔ خواہ ہوا بالکل ہی بند ہو تاہم سمندر کی وسیع سطح پہ جو ذرا ذرا شکن بھی پڑتے ہیں وہ بھی نظارہ پر لطف کر صدا پیدا کرتے ہیں۔

ملاقاتیں سید حسن بنے صاحب خلف الصدق السید شیخ ابراہیم سے میں نے جو دو خطوط معرفت کے عزت ملوثی الدین صاحب صندوق زمینی اور محمود پاشا

سعادت لو رشدی بک کے نام دیئے تھے - انہوں نے بیروت اور دمشق میں ہر جگہ ملاقاتیں اور سیر کرنے میں بڑی مدد دی - تیجلے بے صاحب شمو کا نڈنٹ پولیس بیروت رشید آفندی داتا اور بعض دیگر اصحاب سے ملاقات کی - علی بیج برادر تیجلے بے شمو نے کہا کہ شیخ ابوالہدے صاحب جو ارشاد کریں تمام شام کے لوگ بسر و چشم اسکی تعمیل کرنے کو حاضر ہیں - ان کے ، وہ ایک بمبئی کے تاجر حاجی عبدالرحمن خطیب یہاں خان حمزہ میں رہتے تھے - قسطنطنیہ سے انکا بھی پتہ ملا تھا - انہوں نے بھی شہر کے سیر میں بڑی مدد دی - اور دمشق کے گیلانی زادہ عطا آفندی صاحب کو خط لکھدیا کہ جن کی مہمان نوازی سے دمشق میں ہمنے بہت آرام پایا - ہر چند کہ وہاں کے لئے اور بھی اشرف دیگر بھی خطوط تھے -

اشیائے عتیقہ وغیرہ

ایک صاحب عبدالقادر الرحلہ القصار سے ملنے کا اتفاق ہوا - جو چین جاپان سے ریشم اور شاہجہی سے کھالوں کی تجارت کرتا ہے - جاپانی ریشم کا ایک تھان پچیس گز لمبا ، ۲۰ انچ عرض کا دکھایا جسکی قیمت ۲۸ شلنگ تھی - اور کہا کہ اس ریشم کا اب کوئی ملک مقابلہ نہیں کرسکتا - چین کا ریشم اور نہ یوروپ کا بڑت کہا سکتا ہے - خواہش ظاہر کی کہ اگر ہندوستان سے پچاس پوند تک قیمت کی کشمیری شالیں مل سکیں تو یہاں بک جائیں - ایران سے بھی پشمینہ کی شالیں یہاں آتی ہیں جنسے عرب کمر بند بناتے ہیں - مگر وہ بہت باریک اور ملائم مال پر اصرار کرتے ہیں - محمد نادری ایک دوسرے تاجر اشیائے عتیقہ نے پرانی شالوں کی خواہش ظاہر کی - یہاں سے اشیائے عتیقہ کی اہل یوروپ کیلئے بڑی مانگ ہے - خان حمزہ میں ایک تاجر نے بہت سے پرانے قالین ترکی اور ایران کے جمع کر رکھے ہیں - دو ہندوستانی دیکھے جن کے پاس تسبیحوں کا بڑا ڈھیر تھا اور وہ مکہ مکرمہ کو یہ تسبیحاں فروخت کرنیکو جارہے تھے

مردوں کے رخسار پر بوسہ دینا

رضا صاحب کے مکان پر ایک شام کو گئے تو انہوں نے سفرجل اور نارنج کے چھلکے کے مربہ سے تواضع کی جس کے ساتھ دو پانی کے گلاس بھی رکھے گئے۔ اور رخصت کے وقت حاجی عبدالرحمن میرے رفیق نے صاحب خانہ کے رخسارہ پر بوسہ دیا۔ اور کئی مرد چلتے راستے میں دیکھے جو ایک دوسرے کو ملکر [illegible] رخسار پر بوسہ دیتے ہیں۔

سیر یہاں کے مختلف بازاروں قہوہ خانوں اور دکانوں وغیرہ کی سیر کا ماحصل یہ ہے کہ گودی کے قریب ایک بڑا عالیشان دو منزلہ مکان ایک یہودی تاجر انطون نامی نے بنایا جس میں تمام شہروں کی کمپنیوں کے دفاتر ہیں اور ڈاکخانہ اور ایک کارخانہ بھی اسی میں موجود ہے۔ اسی کے قریب کنارہ بحر پر ایک عالیشان مکان میں قسطنطنیہ کے ایک تجارتی عیسائی سوداگر افندی نے ایک ہوٹل بنایا ہے کہ ان دونوں کے [illegible] پر بنایا ہے۔ جس میں تجارت کی ہر چیز مل سکتی ہے۔ اور یہ دونوں قابل دید ہیں۔ ایک روز یہاں کی مشہور سڑک پر گئے [illegible] شہر [illegible] ادھر گھوڑوں پر سوار ہو کر [illegible] کھیلتے دیکھا۔ تمام شہر کے یورپین اور [illegible] موجود تھا۔ اور پھر گاڑی پر سوار ہو کر [illegible] سے ہوتے ہوئے جہاں ایک [illegible] ملتا تھا پاس بیروت کے گئے کہ جو یورپین [illegible] اور جہاں [illegible] دولتمند عیسائی سوداگروں کی کوٹھیاں ہیں۔

خاموش تھیٹر ایک شب کو حاجی عبدالرحمن صاحب مجھے ایک تھیٹر میں لے گئے جس کا [illegible] تماشا دیکھنا [illegible] تھا۔ اس تماشا کی خصوصیت یہی تھی کہ تمام ایکٹر [illegible] عمدہ لباس پہنے ہوئے تھے صرف اشارات سے ایکٹ دکھاتے [illegible] اور انہوں نے آخر تک ایک لفظ منہ سے نہیں بولا [illegible] اشارات بہت [illegible] ہوتے تھے اور سب

تماشائی مخاطب سمجھے جاتے تھے مگر بعض اوقات ایسے انجان ہوتے تھے
کہ شاید بعض ہی سمجھتے ہوں جنہیں قصہ کا پلاٹ معلوم ہو۔

تمدنی زندگی

تماشا کے خاتمہ سے پہلے ہی قریب رات بارہ بجے کے ہوٹل
کو واپس جا رہا تھا۔ ہم گاڑی کرایہ کر رہے تھے کہ ایک معتبر شکل اور اچھے یورپین
لباس والے جنٹلمین نے میرے رفیق کے کان میں کچھ کہا۔ میں نے سمجھا
شاید کوئی واقف ہیں۔ لیکن معلوم ہوا کہ اُس نے کہا تھا کہ میں آپ کو ایک عورت
کا مکان دکھلانا چاہتا ہوں [illegible] جو یہاں [illegible] ایک
اور شخص [illegible] ایک لفافہ [illegible] کہہ کر اپنے ہوٹل کو جا۔ تھا کہ ایک اور شخص
نے مجھے اپنی بیوی [illegible] ظاہر کی بلکہ تعجب یہ کہ ہمراہ اصرار کرتا چلا گیا۔
[illegible] کی اجازت نہیں ہے
[illegible] عجیب و غریب رستے ہیں لگے۔

قہوہ خانہ

ایک [illegible] حاجی صاحب مجھے ایک ایسے قہوہ خانہ میں لے گئے
[illegible] تماشا [illegible] چھ سات یورپین عورتوں اور تین مردوں کا ایک ٹروپ
[illegible] آدھ گھنٹے کے بعد سارنگی بج گئے۔ چونکہ لوگوں کو
[illegible] انہیں صرف قہوہ خرید کرنا چاہئے۔ ہر آدھ گھنٹہ سارنگی
[illegible] ایک عورت ایک رکابی ہر حاضرین سے پیسے مانگتی
تھی [illegible] جتنا رکابی میں ڈال دیتا۔ ہر شخص پیسے دے کر
[illegible] لگاتیں [illegible] اور جو طلب کرتا اسکے پاس
بیٹھ کر اسکے ہمراہ مے خواری شروع کرتیں۔ بلکہ کھلم کھلا بوس و کنار تک نوبت
پہنچتی۔ اس شرمناک جماعت میں زیادہ تر عرب اور ترک تھے عیسائی
بہت کم تھے۔ معلوم ہوا کہ چند عیسائی عورتیں اور مرد یہی آیا کرتے تھے۔
مگر بعض عربوں نے جو دو چار عیسائی عورتوں پر چھریوں سے وار کئے۔ اسپر
عدالت نے عورتوں کی موجودگی سوائے فاحشہ عورتوں کے بند کر دی ہے

سارنگی بجاتی نہیں۔

تجارت و تحائف بیروت میں ریشمی کپڑا اور سنہری روپہری گوٹا بنتا ہے۔ مگر یہ مقام تمام ملک شام کے لئے تجارت کی منڈی ہے۔ لبنان سے ریشم۔ اون۔ صابن لیموں اور رنگ سے باہر کو جاتے ہیں اور لٹا کپڑے اور [illegible] چیزیں داخل ہوتی ہیں۔ کل درآمد [illegible] ۱۲ لاکھ پونڈ اور برآمد قریباً [illegible] لاکھ پونڈ کی ہے۔ چونکہ یہاں سے کچھ تحائف خریدنے تھے [illegible] عربی کتابوں کے جو پہلے خرید چکا تھا اور حقہ کے نیچوں اور ترکی وضع کے زنانہ جوتوں کے جوڑے زیتون کا صابن بھی لیا۔

تراکیب و ادب جس طرح ہندوستان میں انگریزی [illegible] تو [illegible] یہاں [illegible] زبان ہر تعلیم یافتہ جانتا ہے [illegible] السلام علیکم [illegible] مرحبا [illegible] یعنی صبح کا [illegible] بخیر [illegible] جاتا ہے۔ [illegible] بیروت اور کیا دمشق میں السلام علیکم [illegible] عام رواج [illegible] میں تو ملکر کہتے ہیں۔ صباح شریف [illegible] تیری صبح شریف آپ کی بخیر ہو۔ یا آل شکر انشاء اللہ تعالیٰ یعنی خدا چاہے۔ آپ بخیریت ہیں۔ اور دمشق میں کہتے ہیں۔ صبح کم [illegible] بخیر [illegible] بخیر اور مسی کم بالخیر کہتے ہیں۔ لیکن عیسائی [illegible] یا نہارکم سعید" ان کے دیکھا دیکھی اکثر مسلمان بھی کہتے ہیں نہارکم سعید۔ اسی آجکل عام کلمہ تو بمقام السلام علیکم کے یہاں تھا [illegible] مستعمل ہے۔ ہندوستان میں رخصت ہوتے وقت بھی السلام علیکم کا رواج [illegible] میں [illegible] کہتے ہیں۔ آسے والسلام۔ یہ لفظ خدا حافظ کے معنے [illegible] استنبول میں اور کیا یہاں رخصت ہونے کے وقت عام لوگ [illegible] آجکل [illegible] بھی ہیں۔ وہ بھی [illegible] کہتے ہیں۔ یہ لاطینی الاصل [illegible] لفظ ہے جس کی شکل انگریزی زبان میں Adieu [illegible]

یہ کہنے سے میرا مطلب یہ ہے کہ اس بدوؤں اور عربی اور شامی جانگلیوں کی سرزمین میں بھی فرنگی تہذیب کا یہاں تک اثر ہو گیا ہے۔ کہ عام لوگ جس چیز کو بہتر کہنا چاہتے ہیں اُسے "آلافرانقہ" (Alafranca) کہتے ہیں۔ یہ

شامی و عربی عورتیں

فرانسیسی طرز فرنگی کہنے کی ہے۔ مگر اس کے اندر شامی اور عربی عورتیں بھی ترکی عورتوں کی طرح بالکل "آلافرانقہ" لباس اور طرز معاشرت رکھتی ہیں۔ اسی طرح ایک خاص قسم کی چادر یا برقع کہ جس کا ذکر میں کسی دوسرے موقع پر کر چکا ہوں۔ اوڑھ کر اور ہاتھ میں چھاتا لیکر بیروت اور دمشق کی مسلمان عورتیں برابر بازاروں میں پھرتی ہیں۔ یہانتک کہ دوکانوں میں تنہا بیٹھ کر سودا خریدتی ہیں۔ خصوصاً عورتوں نے پردے کے بارے میں ایسا "آلافرانقہ" طریقہ اختیار کیا ہے۔ کہ کوئی ترکی یا شامی حسینہ گوارا نہ کرے گی کہ اسکا شوہر اُسے "گزمک" (ترکی زبان میں گشت کا مترادف لفظ ہے) سے روکے اور شام کو قسطنطنیہ و دمشق (خانات) گاڑیوں میں بیٹھ کر گشت کرتی ہیں تعلیم نسواں میں ان ملکوں میں خاصی ترقی ہو گئی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی عورتوں کی خاص تعلیم میں اور بچے گھرانوں میں مزامیر بجانا۔ رقص کرنا اور گانا ضروری تعلیم سمجھا جاتا ہے۔ تمام ترکیہ و دمشق میں مجھے ایک مسلمان جنٹلمین نے ایک مجلس کے درمیان بتلایا تھا کہ جو لڑکیاں ان صفات سے موصوف نہ ہوں انہیں اچھا شوہر ملنا مشکل ہے۔ لکھنے پڑھنے۔ سلیقہ، صفائی اور لباس کے ستھرائی میں ہرگز ترک اور شامی عورتیں یورپین عورتوں سے کم نہیں۔ اور اسی طرح یورپین عورتوں کی طرح گھر کے کام دھندے سے یہ جی چراتی ہیں۔ عام گھروں میں کھانا اکثر بازار سے پکا پکایا منگوا کر کھا لیتی ہیں۔ روٹی پنیر یا زیتون کے اچار کے ساتھ کھا لیں گی۔ جب تک میں نے دمشق اور لبنان اور طرابلس کو نہیں دیکھا تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہاں کے دیسی باشندے سانولے یا گندمی رنگ کے ہونگے۔ مگر یہاں کے لوگ

تو بلگیریا اور سرویہ کے لوگوں سے بہت گورے ہیں بلکہ اکثر عورتیں تو فرانس اور انگلستان کی عورتوں سے ذرہ بھی کم سفید نہیں۔ مسلمان عورتیں تو شاذونادر ننگے منہ پھرتی ہیں۔ جب تک کہ بہت سالخوردہ نہ ہوں لیکن عیسائی اور یہودی عورتیں۔ جو قدیم سے اسی ملک کی متوطن ہیں۔ اہل یورپ سے ذرہ بھی بلحاظ رنگ کے پہنچائی نہیں جا سکتیں۔ البتہ بلحاظ صورت کے پہنچائی جا سکتی ہیں کیونکہ ان سے یہ زیادہ خوبصورت ہوتی ہیں۔

بیروت، دمشق اور لبنان میں عیسائیوں کا مسئلہ

بیروت اور کوہ لبنان کے عیسائیوں کا مسئلہ بھی بالعاں کے پیچیدہ مسائل میں سے ایک ہے جبل لبنان ایک لمبا سلسلہ پہاڑوں کا ہے جو طرابلس سے ساحل بحر پر بیروت اور وہاں سے یافہ تک چلا گیا ہے۔ اس پر تمام عیسائی بستے ہیں جو قدیم الایام سے اسی ملک کے متوطن ہیں۔ اور ان میں کئی لاکھ آدمیوں میں صرف تین چار ہزار مسلمان ہیں۔ لبنان سے قریب بڑا شہر اور بندر بیروت ہے کہ جسکا تعلق بحیرہ روم اور مصر کے راہ سے یورپ سے بہت زیادہ ہے۔ اسلئے یہاں کی عیسائی مسلمانوں کی نسبت بہت ہوشیار ہیں اور ٹرکی کے یورپین عیسائی رعایا کی طرح ان میں بھی بیداری اور قومیت کا خیال پیدا ہو گیا ہے۔ اسلئے یہ لوگ تجارت اور تعلیم میں بھی بمقابلہ مسلمانوں کے زیادہ مصروف ہیں۔ بیروت میں جو بندرگاہ ہے سوا لاکھ عیسائی اور تیس ہزار سے کم مسلمان نہ ہونگے۔ برعکس اسکے دمشق میں جو سمندر سے دور ہے۔ ۲۵ ہزار عیسائی اور ڈیڑھ لاکھ مسلمان ہونگے۔ اسلئے یہ کہنا ضروری نہیں کہ بیروت میں اور سیریا میں دوآسلے تجارت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوگی۔ اور دمشق میں جہاں اکثر حصہ تجارت کا مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوگی۔ اور دمشق میں جہاں اکثر حصہ تجارت کا مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے وہاں تجارت کا نشو بہت کم ہے۔ اسلئے وہاں عیسائیوں کی آبادی بھی کم ہے۔

مسلمانوں اور عیسائیوں میں جنگ

دمشق میں آخری خوفناک فساد جولائی سنہ ۱۸۶۰ء میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین ہوا تھا جبکہ مسلمانوں نے عیسائیوں کا قتل عام کر دیا تھا۔ اسکے بعد کوئی ایسا فساد تو نہیں ہوا لیکن عیسائیوں اور مسلمانوں میں بیروت میں اکثر کشیدگی رہتی ہے۔ اسوقت اس کشیدگی میں عیسائیوں کی طرف سے زیادتی ہے۔ جنہیں اپنی کثرت اور یوروپ کی عیسائی سلطنتوں کی طرفداری پر بڑا گھمنڈ ہے۔ اسوقت بھی دول لبنان کو سلطان اعظم چھ دول یوروپ کی رضامندی سے ہر دس سال کے لئے مقرر کرتے ہیں۔ اسطرح گویا کہ یہ ایک نیم آزاد عیسائی ریاست قلمروئے عثمانی کے اندر موجود ہے۔ بیروت دمشق ریلوے سے بھی کہ جو جبل لبنان پر سے گذرتی ہے اور فرانسیسیوں نے سنہ ۱۸۹۵ء میں تعمیر ہوئی ہے۔ عیسائیوں کے رسوخ میں اضافہ ہوا ہے اور عیسائی زیادہ شوخ چشم ہو گئے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسے ہی اسباب سے بیروت میں اتنی زیادہ خون کی وارداتیں ہوتی ہیں کہ کسی دوسرے شہر میں نہیں ہوتیں۔ انہیں وجوہات سے سلطنت عثمانیہ نے اپنے فوج کا ایک بہت بڑا حصہ بیروت اور دمشق میں رکھا ہوا ہے۔ کل سات اردو عثمانی لشکر کے ہیں۔ جنہیں سے ایک بیروت اور ایک دمشق میں مقیم ہے۔ باقی چہار یعنی روم۔ یمن۔ بغداد۔ ادرنہ۔ استنبول۔ اور میریہ میں مقیم ہیں۔

دمشق

إن تكن جنة الله في الأرض فدمشق وما تكون سواها

بلدہ شام سہت مسمی دمشق
سرزلب نگش وندا آواز عشق

بیروت سے دمشق تک ریلوے بیروت و دمشق کے درمیان ۱۴۸ میل لمبی ریلوے لائن فرانسیسی سرمایہ سے بنی ہوئی ہے۔ جسکے مندرجہ ذیل سٹیشن ہیں:- بیروت۔ حدث۔ بیدا۔ جمہور۔ عاریا۔ عالیہ۔ محمدون۔ عین صوفر۔ مریجاب۔ جدیتہ سعدنائل۔ معلقہ۔ ریاق۔ کیفونہ۔ سرغایا۔ زبدانی۔ التکیتہ۔ سوق وادی بردا۔ دیرقانون۔ عین الفیجہ۔ جدیدہ۔ ہامہ۔ دمر۔ شام براکہ شام میدان۔ صبح ۸ بجے چلکر شام کو چار بجے گاڑی۔ دمشق پہنچتی ہے۔ وجہ یہ کہ راستہ میں جبل لبنان۔ کی چڑھائی بہت دشوار ہے۔ گو ۸ بجے تک بیس میل کا ایک بڑا چکر کاٹ کر ریل لبنان کی چوٹی پر سٹیشن عالیہ تک پہنچ جاتی ہے۔ مگر یہاں سے شہر بیروت اور سمندر کا ساحل قدموں کے نیچے ایسے نظر آتے ہیں کہ ڈیڑھ میل سے زیادہ دور نہیں ہونگے۔ بوجہ بہت سخت چڑھائی کے ریل کی سڑک میں یہاں یہ جدت دیکھی کہ دونوں ریلوں کے درمیان ایک تیسری لوہے کی ریل لگائی گئی ہے جسمیں گراری کی طرح موٹے موٹے دندانے ہیں۔ اور چڑھائی کے وقت انجن کا ایک پہیہ کا پہیہ ان دندانوں میں پڑتا جاتا ہے۔ تاکہ گاڑی اپنے بوجھ سے پیچھے کو نہ سرک جائے۔ اسی طرح پہاڑ سے نیچے اترنے میں بھی ان دندانوں سے ضرور مدد ملتی ہوگی۔

راستہ کا منظر خدا کی شان ہے کہ ایسے خشک پتھروں میں ایسی خوشنما سبزی اور سرسبز میوہ دار درخت پیدا کر دیئے ہیں۔ وہ ٹیلوں اور وادیوں میں پھیلے

کی طرح نیچے اوپر جو کیاریاں بنی ہوئی ہیں وہ انگور کے بیلوں اور انجیر اور زیتون
درختوں سے پٹی ہوئی ہیں۔ اگرچہ یہ یورپ کی طرح لاٹھیوں کے سہارے
کھڑی نہیں ہیں۔ بلکہ زمین پر پھیلتی ہوئی ہیں۔ انجیر کے پودے قد آدم سے
بڑے نہیں۔ مگر زیتون کے درخت بڑے بڑے ہیں۔ معلقہ سٹیشن تک لبنان
کی چڑھائی اترائی ختم ہو جاتی ہے۔ مگر چند میل کے میدان کے بعد پھر پست
پہاڑیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ مگر ایک درہ کے درمیان سے ایک ندی
کے کنارے ریل چلی جاتی ہے۔ پہاڑ میں جہاں چشمہ یا ندی ہے
وہاں تو باغ بنا ہوا ہے ورنہ بیابان۔ گھوڑے اور گائے بیل تو بہت کم نظر
آتے ہیں مگر گدھے اور سیاہ دنبے زیادہ دیکھے جاتے ہیں۔ معلقہ تک ابھی
عیسائی آبادی زیادہ رہی ہے۔ آگے مسلمانوں کے دیہات ہیں۔ لبنان
کی عیسائی عورتیں بھی مردوں کی طرح بالکل یورپین لباس پہنتی ہیں۔ مسلمان
عورتیں برقعہ کے ساتھ نیز سر کا آبی رنگین خرقہ ضرور منہ پر لٹکائے رہتی
ہیں۔ دمشق کے قریب ایک سٹیشن پر بہت سی عورتیں اور لڑکیاں چھوٹی
چھوٹی پٹاریوں میں سیب انگور انجیر وغیرہ تازہ فروٹ فروخت کرنے
کو کھڑی تھیں۔ میں نے ایک مٹالیک کو پانچ عمدہ سیب خریدے۔ شہر کے نواح
میں میوہ دار درختوں کے باغات کی کثرت ہے۔ بیروت سے میں نے واسطہ
دیگر دمشق کے لئے پاسپورٹ پر ویزہ کرا لیا تھا پہلے سٹیشن پر ٹکٹ لینے
کے وقت پولیس نے پاسپورٹ دیکھا۔ پھر دمشق پہنچنے سے پہلے ہی ایک
ضبطی نے ریل میں پاسپورٹ لیکر نوٹ کر لیا۔ دوم درجہ کا ریل کا [illegible]
قرش کو ملا تھا۔

شہر دمشق ولایت سوریہ کا مرکز اور ایشیائے عثمانی میں نہایت مشہور شہر
ہے۔ جو شرق اور جنوب کی طرف سے پہاڑوں تک پہنچے ہوئے نہایت
خوبصورت اور سرسبز میدان غوطہ کے کنارہ پر واقع ہے۔ شہر کے شمال میں

جبل قاسیون ادر جنوب مغرب میں جبل الشیخ واقعہ ہیں۔ اور چاروں طرف خوب صورت باغات سے محیط ہے۔ جبل قاسیون سے دریائے بردی کے شفاف اور خوشگوار پانی کی کئی نہریں جاری ہیں جن سے کیا شہر اور کیا میدان کے تمام باغات سیراب ہوتے ہیں۔ شہر ایک شکستہ فصیل کے اندر واقع ہے مگر فصیل سے باہر بھی شہر کے کئی محلے آباد ہیں۔ خصوصاً میدان کے نام سے شہر کا ایک حصہ جانب جنوب دور تک چلا گیا ہے۔ شمال جانب کے نہر بردی کے پرلے محلہ کو عمارہ کہتے ہیں۔ عمارہ کے پیچھے شمال کی طرف جبل قاسیون کے دامن میں ایک اور سترہ ہزار کا قصبہ آباد ہے کہ جسے صالحیہ کہتے ہیں۔ اور یہ بھی دمشق کا ایک حصہ ہے۔ آبادی باختلاف اقوال ڈیڑھ لاکھ اور سوا دو لاکھ کے درمیان ہے[1] جس میں پندرہ بیس ہزار مختلف معتقدات کے عیسائی پانچ ہزار یہودی اور باقی مسلمان ہیں جن سب کی زبان عربی ہے۔ اہل دمشق تناسب اعضا سے حسن اندام اور ذہانت وذکاوت کے لئے مشہور ہیں۔

شہر کی جانب مغرب قدیم قلعہ والی دمشق کا عالیشان مکان دار حکومت اور فوجی بارکیں ہیں۔ شہر میں قریب دو سو کے جامع کئی مدرسے اور مکاتب ملکی وعسکری تمدنی واعدادی اور مکاتب صبیان ہیں۔ غیر مسلم لوگوں کے علیحدہ مکاتب بھی ہیں۔ ایک کتب خانہ دو مطابع ایک شفاخانہ اور ایک مکتب صناعت بھی ہے۔

---

[1] مصنف دمشق الفیحا کے نزدیک آبادی (۱۴۲۰۰۰) سے زیادہ نہیں کہ جس میں (۱۱۳۰۰۰) مسلمان اور ۱۷ ہزار نصاریٰ ہیں۔ مسلمانوں میں (۱۱۲۰۰۰) سنی۔ (۵۴۰۰) شیعہ (۲۵۰۰) دُرزی ہیں۔ اور مختلف سات مذاہب یعنے آرتھوڈاکس۔ ارمنی۔ سُریانی۔ رومن کیتھالک۔ مارونی۔ لاطینی۔ اور پراٹسٹنٹ کے عیسائی آباد ہیں۔

تاریخ قدیم دمشق نہایت قدیم شہر ہے جیسا کہ بائیبل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کے زمانہ میں بھی یہ شہر موجود تھا۔ بنی اسرائیل کے زمانہ میں مصر کے بعض ملوک خاندان نبطی بھی اسپر قابض رہے ہیں۔ حضرت داؤد و حضرت سلیمان کے عہد میں اسپر یہودیوں کی حکومت رہی اور پھر اشوریوں اور ایرانیوں کے قبضہ میں رہا۔ سکندر اعظم کے بعد اہل سلوقیہ کے قبضہ میں آیا۔ سنہ ۱۴ ہجری میں خالد بن ولید کی ہمراہ عبیدہ بن جراح اور یزید بن ابی سفیان کے ہاتھ سے فتح ہوا۔ دوران خلافت حضرت عثمان میں اسکی حکومت امیر معاویہ کے ہاتھ میں رہی۔ سنہ ۴۱ ہجری سے دولت امویہ کا پایہ تخت اور تمام ممالک اسلامیہ کا مرکز بنگیا اور جس حالت میں ۹۰ سال تک رہا۔ مگر خلافت عباسیہ کے قیام سے دمشق کی اہمیت کم ہوگئی۔ اور مصر میں خلافت عباسیہ منتقل ہوجانے کے بعد دمشق کبھی مصر اور کبھی بغداد کے تابع رہا۔ سلجوقیوں کی حکومت میں ان کی بعض چھوٹی شاخیں بنی حمدان اور بنی طغتگین یہاں حاکم رہیں سنہ ۱۱۴۸ء میں فرانس کے لوئیس ہفتم اور جرمنی کے قیصر کونراڈ سوم نے اہل صلیب کی جمعیت سے دمشق کا محاصرہ کیا مگر ناکام رہے۔ ملوک الو بیہ نے بھی یہاں حکومت کی کہ جن سے ہلاکو نے اسے چھین لیا۔ پھر چراکسہ مصر کے ہاتھ میں آیا۔ جبکہ سنہ ۱۴۰۱ء میں تیمور نے لوٹ کے غارت کیا۔ اور یہاں کے مشہور صناع اور قالین کو ماوراءالنہر میں لیجا کر آباد کر دیا۔ کہ جس سے یہاں سے یہ صنعت معدوم ہوگئی۔ سنہ ۱۵۱۶ء میں سلطان سلیم اول نے دمشق کو تسخیر کر لیا۔ اور سوا تھوڑی سی مدت کے جبکہ ابراہیم پاشا بن محمد علی پاشائے مصر نے اس علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا دمشق پر مسلسل ترکی حکومت چلی آئی ہے۔

دمشق کی تعریف یہ بوجہ عمدہ پانی کے افراط باغات کی کثرت آمدنی کی شادابی

کی جس نے دمشق کو دیکھا اُسے نہایت پسند کیا ہے۔ بڑے بڑے علما اور شاعر مصنفین اسکی تعریف میں رطب اللسان رہے ہیں۔ اسلئے میں اُن کے چند اقوال کو ذیل میں نقل کرنا بیموقع نہیں سمجھتا۔ امام ابوبکر ابن العربی نے دمشق کے شان میں فرمایا ہے ؎

إن تكن جنة الله بارض — فدمشق وما تكون سواها
او تكن في السماء فهي عليها — قد ابدت هواها وهواها

یعنے اگر خدا کا بہشت دنیا پر ہے تو وہ دمشق ہے۔ اور کوئی اسکے سوائے نہیں ہوسکتا۔ الخ

دمشق کے نامور شاعر عرقلہ الکلبی نے یوں اسکی تعریف کی ہے۔

الشام شامة وجنة الدنيا كما — انسان مقلتها الغضيضة جلق
من اسها لك جنة لا تنقضي — ومن الشقيق جهنم لا تحرق

(شام (دمشق) دنیا کے رخسار کا خال ہے۔ جیسا کہ اسکی آنکھ کا تارا جلق ہے۔ یہاں گلہائے آس کے تختے ایک بے پایان جنت کا لطف دکھاتے ہیں۔ اور گلہائے لالہ احمر کے تختے ایسا جہنم ہے۔ جو کسی کو نہیں جلاتا)

ابو الوحش سبیع بن خلف اسدی ابوالعباس احمد مقری مصنف نفح الطیب۔ شرف الدین بن محسن وغیرہ وغیرہ شعرائے و مصنفین نے اسکی تعریف میں ایک ذخیرہ نظم و نثر کا مرتب کر دیا ہے کہ جسے مصنف دمشق الغیحا نے جمع کر دیا ہے۔

قدرتی ذخائر و دلکشی | ہوا کے بعد جو چیز انسانی زندگی کے لئے سب سے زیادہ درکار ہے وہ پانی ہے۔ اور دمشق میں جس کثرت سے عمدہ پانی موجود ہے

ملاحظہ ہو کتاب دمشق مؤلفہ خادم الصغیر پریس لاہور ... میں ... کے مفصل حالات وغیرہ درج ہے۔

اور جس سہولت سے وہ دستیاب ہوتا ہے یقین ہے کہ دنیا کے کسی شہر میں دستیاب نہ ہوتا ہوگا۔ آجکل واٹرورکس کے طفیل سے بعض شہر اپنے پانی کی عمدگی اور اس کی دستیابی کی سہولت پر ناز کر سکتے ہیں۔ لیکن اس واٹرورکس کے طریقے کے ایجاد ہونے سے بہت مدت پہلے سے شہر دمشق میں ایک ایسا واٹرورکس جاری ہے کہ جسکے پانی کی تقسیم کے لئے کسی انجن یا بائلر کی ضرورت نہیں۔ اور نہ ایک پیسہ اسپر خرچ کرنا پڑتا ہے۔ سات نہریں مختلف اطراف سے پہاڑوں سے اتر کر دمشق کی طرف آتی ہیں۔ ان کا پانی مٹی کی نالیوں کے ذریعے سے تمام شہر کے ہر ایک گھر میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر گھر میں وسط صحن میں ایک حوض ہے۔ اس میں باعتبار متفاوت اتنا پانی ہر وقت آتا رہتا ہے کہ نصف انچ کی دس یا بیس یا تیس نالیوں سے آنا مشکل ہے۔ اس کے علاوہ بڑے گھروں میں باورچی خانہ میں یا دوسری جگہوں میں بھی پانی آتا رہتا ہے۔ اور نیچے گر کر ایک بڑی نالی ہر وقت پاخانہ سے گذرتی رہتی ہے۔ اسلئے بھنگی کی اس شہر میں پاخانے صاف کرنے کیلئے ضرورت نہیں۔ شہر بھر کے پاخانوں کا پانی۔ نالیوں کا مستعمل پانی بڑے بڑے حوضوں میں جمع ہوتا ہے کہ جن سے شہر کے گرد کے تمام باغات سیراب ہوتے رہتے ہیں۔

عطا افندی گیلانی

دمشق سٹیشن پر ہی مجھے گراں ہوٹل ڈااورینٹ کا آدمی ملگیا اور میں اس ہوٹل میں جا ٹھیرا۔ دوسری صبح خطوط انٹروڈکشن سے مسلح ہو کر میں نے سب سے پہلے جناب عطا افندی گیلانی زادہ رئیس دمشق سے ملاقات کی۔ انہوں نے سخت اصرار کیا کہ میں ان کے مکان میں اٹھ آؤں۔ اور وہ دو گھنٹہ کے اندر خود میرے ہمراہ آکر ہوٹل سے میرا اسباب لے گئے۔ ہرچند کہ پیشتر ان سے کوئی شناسائی نہ تھی۔ یہ بڑے شریف اور خلیق بزرگ ہیں۔ اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں۔ حمص میں ان کی خاندانی جائداد ہے۔ اور ہندوستان کے مسلمانوں سے بالخصوص محبت رکھتے ہیں۔ لیکن یہ محبت

اور احسان مشرقی اقوام کا خاصہ ہے۔ یورپ کے بازار میں اس جنس کی کچھ قیمت نہیں
عموماً ایسا ہوتا ہے کہ اگر باپ بیٹے کے شہر میں وارد ہو اور اسے ملنے آئے تو وہ
ہوٹل میں ٹھہرے۔ کیونکہ بیٹے کے گھر میں کوئی زائد کمرہ۔ اور کوئی زائد بستر نہیں ہے
مگر ہم لوگوں میں اور اسی طرح عربوں میں دستور ہے کہ مہمان کا کھانا اور بستر ہر حالت
میں ہمارے ذمہ فرض ہے۔ شام میں کئی بزرگوں اور عمائد سے ملاقات ہوئی۔
افسوس ہے کہ یہاں تھوڑے لوگوں کی آنکھیں ضروریات زمانہ کی طرف سے
کھلی ہیں۔ تاہم بعض لوگ ایسے موجود ہیں۔

سردار غلام محمد خان طرزی

اس شہر میں دو افغان سردار بھی پناہ گزین ہیں اور سلطنت
ٹرکی کی طرف سے وظیفہ پاتے ہیں۔ ان میں سے سردار غلام محمد خان صاحب
طرزی[1] تو پندرہ سال سے یہاں مقیم ہیں۔ انہیں باب عالی کی طرف سے چالیس
ترکی پونڈ ماہوار۔ اور امیر صاحب کابل کی طرف سے بھی کچھ عرصہ سے بیس ہزار
کابلی روپیہ سالانہ وظیفہ ملتا ہے۔ یہ بڑے لائق شاعر ہیں۔ فارسی کلام بہت
پختہ ہے۔ ان کا دیوان کراچی میں چھپا ہے۔ یہ بڑے متدین آدمی ہیں۔ ان کے
صاحبزادے محمود بیگ صاحب جو ان کے ساتھ دمشق میں رہتے ہیں۔ ایک
لائق اور خلیق نوجوان ہیں۔ میں نے دمشق میں بہت سے گھنٹے ان کی ترکی اور عربی

[1] افسوس ہے کہ سردار غلام محمد خان صاحب کا ان سطور کے لکھنے کے بعد انتقال ہو گیا۔ سردار
صاحب بڑے نیک بخت اور خدا پرست آدمی تھے۔ آدھی رات سے ہی جامع اموی میں پہنچتے
اور درود وظائف میں مشغول ہو جاتے تھے۔ رخصت ہونے سے پہلے اپنی نئی تصنیف واقعات ستہ
جس میں جنگ یونان وغیرہ کے حالات ہیں مجھے سناتے رہے۔ آپ بڑے خوشنویس اور نقاش
بھی تھے۔ آپ نے ایک خوشخط مرقع کا فوٹو گراف بھی بطور یادگار مجھے دیا تھا۔ ان کی وفات
کے بعد ان کے صاحبزادہ محمود بیگ صاحب کابل جاتے ہوئے چند روز لاہور میں
میرے پاس ٹھہرے۔ چنانچہ اب مع عیال و اطفال امیر صاحب کے بلانے پر اپنے
وطن کابل میں سکونت پذیر ہیں۔

فارسی کتابوں کی صحبت میں کاٹے - اور ان کی رہبری سے بہت سے مقامات دمشق کے دیکھے - سردار زادہ محمد صاحب گو کسی یورپین زبان سے واقف نہیں لیکن ترکی کتابیں اور اخبار بکثرت پڑھنے سے وہ بڑے صاحب معلومات وسیع ہیں -

سردار عبد المجید خان

دوسرے افغان سردار صاحب عرصہ ۱۰ - ۱۱ ماہ سے دمشق میں مقیم ہیں - ان کا نام سردار عبد المجید خانصاحب ہے - یہ اس نامور افغان سردار محمد عظیم خان کے پڑپوتے اور سردار سلطان احمد خان کے پوتے ہیں کہ جنہوں نے تاریخ افغانستان میں بڑا نام چھوڑا ہے - ان کے والد سردار عبد اللہ خان مرحوم امیر عبد الرحمن خان کے مقابلے میں ہرات کی حفاظت میں جنگ میں مارے گئے - یہ اس وقت سے ایران اور پھر بعد روس کے علاقہ (سمرقند) میں پناہ گزین رہے لیکن ایک سال کے قریب زمانہ گزرتا ہے کہ یہ استنبول میں پہنچے - سلطان المعظم کی طرف سے ان کی مہمانداری اور خاطر تواضع میں بیحد اہتمام کیا گیا - اور ان کی عزت افزائی کی بڑی کوشش کی گئی - مجھے یاد ہے کہ ہندوستان کے اخبارات میں بھی ایک تار چھپا تھا کہ ایک افغان سردار کی قسطنطنیہ میں بڑے اہتمام سے مہمانداری کی گئی ہے - اسکے بعد انہوں نے شام کی سکونت پسند کی جہاں امید کیجاتی ہے کہ انہیں دس ترکی پونڈ سے زیادہ وظیفہ ملیگا - ان کے ہمراہ ان کے معتمد امیر محمد خان ہیں - جو سردار صاحب کے ساتھ شروع سے رفیق رنج و راحت رہے - علاقہ روس میں تو سردار صاحب کے ساتھ بہت سے سوار تھے - لیکن اب دس پندرہ آدمی باقی رہ گئے ہیں - سردار عبد المجید خان صاحب نے بڑے خلق اور محبت سے ملاقات کی اور دو روز مجھے مہمان رکھا - پرتکلف افغانی پلاؤ اور قورمہ کھلائے - شام کی کئی زیارات انہوں نے اور جناب حفظ آفندی صاحب نے مجھے ہمراہ لیجاکر دکھلائیں - لہ

لہ اسکے بعد سردار عبد المجید خان صاحب نے بھی دمشق کی اقامت چھوڑ دی اور افغانستان جا داخل ہو گئے - لیکن اسکے بعد ان کے حالات مجھے معلوم نہیں ہو سکے -

زیارات | شام میں صحابہ کرام اور انبیا و اولیا کی بہت سی قبریں موجود ہیں۔ بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ جبل اربعین یا جبل قاسیون کے دامن میں ستر ہزار نبی اور ولی مدفون ہیں لیکن ان کے نام کسی کو معلوم نہیں۔ جن کے نام معلوم ہیں اگر ان کی بھی پوری فہرست لکھی جائے۔ تو کئی اوراق درکار ہوں گے۔ تاہم میں بعض مقبروں کے نام اس غرض سے لکھتا ہوں کہ اندازہ ہو سکے کہ مسلمان کیوں دمشق کو شام شریف کے نام سے پکارتے ہیں۔ بلال الحبشی بن رباح مؤذن اوّل اسلام۔ عبداللہ ابن مکتوم مؤذن دوم اسلام۔ ابو درداء الخزرجی۔ عبداللہ ابن سیدنا جعفر طیار۔ اسمع بنت سیدنا ابوبکر صدیق۔ عبداللہ بن جعفر صادق۔ ام کلثوم بنت سیدنا امام علی۔ سیدہ فاطمہ الصغیرہ بنت امام حسین۔ اولاد امام حسین کے چھ سر جنہیں امام زین العابدین۔ امام قاسم وغیرہ کے سر ہیں۔ سیدنا عبداللہ ابن زین العابدین۔ امیر معاویہ۔ عبداللہ ابن کعب الاحبار۔ عمر بن العبد العزیز عبدالملک ابن مروان۔ میمونہ جاریہ رسول اللہ۔ اوس بن اوس الثقفی۔ سہیل بن ربیع الانصاری۔ شمعون الصحابی۔ فضالہ بن عبید۔ آثلہ بن الاسقع۔ بلال ابن حمات۔ حضرت رسول کریم صلعم کے تین حرم۔ اُم حبیبہ۔ اُم سلمہ وغیرہ فضہ لونڈی حضرت فاطمہ رض کی۔ سیدہ زینب بنت حضرت علی رض اور سیدہ سکینہ بنت حضرت امام حسین رض کی قبریں۔ اور کئی دوسرے ناموروں کی قبریں اس قبرستان میں ہیں۔ جو باب صغیر کے نام سے مشہور ہے۔ ان میں سے ایک قبر کی بھی عمارت بالکل شاندار نہیں۔ بعض کے چھوٹے چھوٹے حجرے اور بعض کے حجرے بھی نہ تھے۔ اکثر قبریں مٹی سے لپی پوتی ہوئی ہیں۔ بعض کے سر کی طرف پتھر ہیں جو آدھ یا پون گز سے بڑے نہیں۔ ایک ایک پتھر قبر پر لیٹا ہوا ہے جیسے موری بنی ہوتی ہے۔ اس میں عورتیں آس نامی ایک سبز درخت کی ٹہنیاں لاکر کھڑی کر دیتی ہیں۔ کہ جو بہت دیر تک سبز رہتی ہیں۔ عوام کا خیال ہے۔ کہ یہ درخت عبادت کرتا ہے اس واسطے مشہور ہے کہ چالیس ہزار لیرہ (اشرفی) کی ٹہنیاں خرید کر سال

تمام میں یہاں کی عورتیں قبروں کے نذر کردیتی ہیں۔ مقبرہ باب قاسیوں (یا کیسان) میں واسیہ کلبی مشہور صحابی کی قبر کی بھی زیارت کی۔ حضرت زینب ام کلثوم کی قبر قریب کے ایک قریہ راویہ میں ہے۔ جہاں ہر سال بہت سے اہل تشیع جمع ہوتے ہیں۔ جامع دمشق میں اور بھی کئی ناموروں کی قبریں ہیں جامع امویہ میں ایک قبر ہے جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تربت مشہور ہے جبل صالحیہ کے قریب سوق صالحیہ میں امام محی الدین عربی کی قبر موجود ہے اُنکے قریب زمانہ حال کے ایک مسلمان جنرل عبدالقادر الجزائری کی قبر ہے جس نے فرانس کے مقابلہ میں کئی معرکہ کی لڑائیاں لڑیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اور اُس کے آقا سلطان نورالدین شہید کی قبریں شہر کے اندر دو مختلف مقامات میں ہیں۔ اوّل جامع امویہ کے قریب ہے۔ اسی کے قریب کلاسہ نامی چھوٹا سا پانی کا حوض موجود ہے۔ جسکا شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے ذکر کیا ہے۔ کہ ایک بزرگ جو دریا سے بلا کشتی کے گذر جایا کرتا تھا۔ وضو کرتے ہوئے اس حوض میں گر پڑا اور کئی غوطے کھائے۔ اگر صرف سلطان صلاح الدین اور سلطان نورالدین کی قبریں ہی دمشق میں ہوتیں۔ تو جو ناموری صلیبی جنگوں میں عیسائی یورپ کے مقابلہ میں انہیں حاصل ہوئی تھی۔ وہی دمشق کی شہرت کیلئے کافی تھی۔ مگر یہاں تو علاوہ اہل بیت کے صحابہ اور اولیاء اللہ کے بھی بیشمار قبریں ہیں۔

مرقد شیخ محی الدین عربی دمشق

شیخ الاکبر محی الدین عربی امام الصوفیہ جو سوق صالحیہ میں ہے اسکی عمارت بھی متوسط درجہ کی ہے جو معلوم ہوتا ہے بعد میں بنائی گئی ہے۔ قبر کا صندل پنجرہ کوئی پچھتر سال کا بنا ہوا ہے۔ تربت کی عمارت میں تین پہلوؤں میں قدیم چینی کی اینٹیں لگی ہوئی ہیں۔ جن پر بعض آیات قرآن لکھی ہیں۔ عطا افندی صاحب گیلانی زادہ نے جو میرے ہمراہ تھے۔ فرمایا کہ شیخ محی الدین کے والد کی اولاد نہ ہوتی تھی۔ انہوں نے شیخ عبدالقادر جیلانی سے

ف یہ مقبروں اور زیارت گاہوں کی مفصل کیفیت کتاب دمشق میں موجود ہے۔

عرض کی۔ حضرت نے اسکی کمر ٹھونک کر کہا کہ تیرے ایک لڑکا پیدا ہوگا۔
اسکا نام محی الدین رکھنا۔ چنانچہ شیخ نے بعض قصائد میں لکھا ہے کہ گو
میرا نام محی الدین عربی ہے۔ مگر دراصل گیلانی ہوں۔

مدفون مشہور علماء

شیخ الاکبر محی الدین عربی علامہ ابن خلکان قاضی القضاۃ ابن تیمیہ شیخ ابن تیمیہ نقیب منصب کے علاوہ بہت سی منصور محدث عالم فقیہ مصنف اور فاضل اس زمین میں مدفون ہیں۔ کہ جن کے آثار اب تک فخر اور عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ جامع امویہ کے ایک مازنہ کے نیچے امام غزالی درس پڑھایا کرتے تھے۔ تو باوجودیکہ بوجہ مسجد کے جل جانے کے وہ منارہ نہیں رہا تھا۔ تاہم مجھے اس جگہ پر پہنچکر ایک عظمت نظر آئی کہ جہاں مصنف احیاء العلوم نے انتشار علوم کیا ہے۔ سوائے اِن علماء مسلمانوں کے دمشق کے انگریزی قبرستان میں مشہور انگریز مؤرخ مسٹر بکل بھی مدفون ہے۔

جامع اموی

دمشق میں قریب دو صد کے جوامع اور مساجد ہیں لیکن جامع اموی بلحاظ عظمت اور قدامت کے سب پر فائق ہے۔ اور اس سے دوسرے درجہ پر جامع سنانیہ دبناکردہ سنان پاشا ہے) جامع اموی کے بجائے پہلے پہل ایک مندر ہوا کرتا تھا۔ مگر رومن شہنشاہ آرکاڈیس نے اسکی بجائے ایک کلیسا پانچویں صدی مسیحی کے آغاز میں تعمیر کیا۔ اور ۸۸ھ مطابق ۷۰۷ء میں ملوک امویہ میں سے ولید بن عبدالملک بن مروان نے اس کلیسا کی جگہ پر یہ عالیشان مسجد تعمیر کی۔ اور تعمیر کے وقت علاوہ تمام ممالک اسلامیہ کے کاریگروں کے جو دستیاب ہو سکتے تھے۔ بارہ ہزار کاریگر اور معمار دیگر بلاد روم سے طلب کئے گئے۔ یہانتک کہ مسجد کی تعمیر پر اڑھائی لاکھ اشرفی سے زیادہ خرچ ہو گیا۔ مسجد میں ستونوں سے اندر اور باہر تمام دیواروں پر رنگین شیشے کے ٹکڑوں سے عجیب و غریب بیلیں بنائی تھیں۔ کہ جیسا کہ یوروپ کے بعض گرجاؤں میں بھی رنگین شیشے کے ٹکڑوں کا کام مزین

کے نام سے موجود ہے۔ ایسے عربی کتابوں میں "الفسیفساء البلوریۃ" لکھا گیا ہے۔ مگر بار بار کے آتشزدگیوں سے اس کام کا اب نام و نشان بھی نہیں رہا پہلی مرتبہ سنہ ۱۰۶۹ء میں یہ عالیشان مسجد آگ سے برباد ہو گئی۔ اور پھر اسے تعمیر کیا گیا۔ تو تیمور لنگ نے فتح دمشق کے وقت اسے جلا دیا۔ مگر یہ پھر اُسی غلت و شان سے تعمیر کی گئی۔ آخری مرتبہ سنہ ۱۸۹۳ء میں اسے آتشزدگی سے سخت صدمہ پہنچا۔ اس مرتبہ اسمیں وہ قرآن مجید بھی جل گیا کہ جس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون گرا ہوا تھا۔ کہ جب وہ اپنی شہادت کے وقت پڑھ رہے تھے۔ مگر خیر تعداد اہل دمشق نے چندہ کر کے پھر اسکی تعمیر اور مرمت شروع کر دی۔ اور جب میں نے اسے (سنہ ۱۹۰۱ء میں) دیکھا تھا۔ تو آدھی سے زیادہ تیار ہو چکی تھی معلوم ہوا کہ اسوقت تک پچاس ساٹھ ہزار پونڈ خرچ ہو چکا تھا۔ مگر ایسی خوبصورتی اور تکلف سے تیار ہو رہی تھی۔ کہ جس سے شام کے کاریگروں اور صناعوں کی لیاقت کی داد دینی پڑتی ہے۔ اسکا ایک تو تعمیر محراب مجھے دکھلایا گیا جسمیں سُرخ سفید سیاہ اور سبز پتھر کا بے نظیر کام کیا گیا ہے۔ اور پتھر میں صنعت ایسی خوبی سے آموز کیا گیا ہے۔ کہ اسکی تعریف نہیں ہو سکتی۔ مجھے کچھ عرصہ پہلے قیصر ولیم نے جب اس مسجد کی زیارت کی تھی۔ تو شام کے معماروں کی بہت تعریف کی تھی۔ اسوقت مسجد کی چھت کی بھی عمدہ نقاشی ہو رہی ہے۔

پندرہ بیس موذنوں کا یکجا اذان دینا میں نے ظہر کے وقت اسکے مشرقی مینار پر پندرہ بیس آدمی ایک وقت اذان دیتے ہوئے دیکھے۔ معلوم ہوا کہ یہ روزمرہ کی رسم ہے۔ پچاس ساٹھ سے زیادہ موذن مسجد میں مامور ہیں۔ اور ان میں سے پندرہ بیس ہر نماز کی اذان کے لئے ماذنہ پر چڑھ کر بلند آواز سے ہم آہنگ ہو کر اذان دینے لگتے ہیں۔ جس سے آواز دور تک پہنچتی ہے اور بڑی ہیبت اور تمکنت معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک روز نصف شب کو دیکھا کہ ایک شخص نے مینارہ شرقی پر چڑھ کر نہایت خوش الحانی سے قرآن

شریف پڑھنا شروع کیا۔ چاروں طرف ہُو کا عالم تھا۔ اور اسکی صاف آواز بہت دور تک جاتی ہوگی۔ معلوم ہوا کہ یہاں بارہ مہینے یہی دستور ہے کہ ہر شب جامع اموییہ اور بعض دیگر ساجد کے میناروں پر چڑھکر نصف اللیل کو قرآن پڑھا جاتا ہے۔

دو قطاریں عظیم الشان سنگین ستونوں کی جو تعداد میں چالیس ہیں مسجد کے طول کی طرف جاتی ہیں۔ اور انپر چوبی چھت ہے۔ اسوقت آدہی مسجد پر چھت پڑ چکی تہی کہ جسکے نیچے لوگ نماز پڑھتے تھے۔ ہر ایک ستون اتنا موٹا ہے کہ بمشکل دو آدمیوں کے بازوؤں میں سما سکتا ہے۔ حضرت یحییٰ ابن ذکریا علیہ السلام کی قبر سقف مسجد کے اندر جنگلے میں محدود ہے۔ جسپر عورتیں مرد بیٹھے دعا مانگ رہے تھے۔ شرقی منارہ کی نسبت روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ قرب قیامت میں اسپر سے اُتریں گے۔ غربی منار میں امام غزالی رحمۃ اللہ نماز پڑھنے عبادت کرنے اور اُس کے قریب کے بقعہ میں تدریس کیا کرتے تھے۔ مسجد اموییہ کے احاطہ میں ایک گول سا مکان گنبد کی چھت والا موجود ہے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اسمیں بہت سی پرانی کتابیں بند ہیں جنہیں بعض چمڑے پر لکھی ہوئی پرانی بائیبلیں ہیں۔ چنانچہ ایک جرمن عالم نے سلطان المعظم سے ان کے دیکھنے کی اجازت حاصل کی ہے۔ اور بعض علمائے شہر کے ساتھ ملکر وہ ان کتابوں کو دیکھ رہے ہیں۔

مرقد سلطان صلاح الدین ایوبی	سلطان صلاح الدین ایوبی کہ جنے صلیبی جنگوں کے زمانہ میں تمام یورپ کے بادشاہوں اور فوجوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ وہ

بھی جامع اموییہ کے سامنے مدفون ہے۔ مقبرہ کی بیرونی عمارت نئی تعمیر ہوئی ہے۔ جو چہوٹا سا روضہ ہے۔ شہنشاہ جرمنی نے سلطان صلاح الدین کی قبرپر اپنے ہاتھ سے صلاح الدین کا اور اپنا نام لکھکر رکھا تھا۔ ایشیا کی نسبت یورپ زیادہ جانتا ہے۔ کہ صلاح الدین یا صلیڈن (Saladen) جیسا کہ وہ اسے

پکار سکتے ہیں کیسا جوانمرد تھا۔

سوق حمیدیہ اور دیگر بازار

اس جامع کے قریب ایک بہت بڑا مسقف بازار بنام سوق حمیدیہ مشہور ہے۔ اور اس سے کسیقدر دور ایک بازار بنام سوق مدحت پاشا مشہور وزیراعظم کے نام زد ہے۔ دو منزلہ دوکانوں کے اوپر نیم دائرہ کی بلند چوبی چھت ان دونوں بازاروں پر ڈالی گئی ہے۔ دوسری منزلوں میں اکثر گودام رہتے ہیں۔ بازار بہت کھلے ہیں۔ اسلئے چھت کا محراب بہت بلند ہو گیا ہے خیال ہے کہ بحیثیت مجموعی ایسے عالیشان مسقف بازار دنیا میں کسی جگہ موجود نہ ہونگے۔ یہاں اور بھی کئی بازار مسقف ہیں۔ لیکن طویل چھت۔ اور بہت نیچے قسطنطنیہ کا بیوک چارشو (بازار کبیر) ان کے مقابلہ میں حجرہ سا معلوم ہوتا ہے۔ بازار حمیدیہ میں بڑی رونق ہے۔ غرض دمشق کے بعض پر رونق بازاروں میں عجیب سین نظر آتا ہے جہاں مشرق و مغرب اپنی اصلی حالت میں مخلوط پایا جاتا ہے۔ اس ہجوم کے درمیان جو یورپین پوشاک والے سیاح اور اہل شہر لمبے لبادوں والے علماء اور دمشقیوں۔ سیاہ برقعوں والی مسلمان اور یہودی عورتوں کے دونوں طرف گذرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ ادھر سے لدے ہوئے اونٹوں اور گدھوں اور ان کے ہانکنے والے جنگلی بدوؤں اور بادیہ نشین عربوں کے گذرنے سے ایک عجیب کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ جہاں سے یورپ کے بعض شہروں میں کئی قسم کی ریلوں اور برقی ٹراموں کا ذکر کیا ہے۔ یہاں سواری کے لئے گدھوں کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ شہر میں گاڑیاں اچھی موجود ہیں۔ جو بمبئی کی وکٹوریہ گاڑیوں سے ملتی جلتی ہیں۔ لیکن اکثر لوگ گدھوں پر سوار ہو کر شہر میں ادھر ادھر گذرتے یا سفر طے کرتے ہیں۔ بعض خوانچہ والوں نے روٹیوں یا اچار وغیرہ کی دوکانیں گدھوں کی پیٹھ پر کھول رکھی ہیں۔ جس طرح دستی گاڑی پر

گدھوں کی پیٹھ پر دکانیں

ہندوستان کے بعض شہروں میں بھی سوداوالوں کی

دوکانیں کبھی دیکھی جاتی ہیں۔ انسان کو چاہیئے۔ کہ گدھوں سے بھی بے انصافی نہ کرے۔ اسلئے اتنا کہنا ضروری ہے۔ کہ بلحاظ تیز رفتاری کہیں اکثر گدھے بہت سے گھوڑوں سے سبقت لے گئے ہیں۔ اسلئے گدھوں کے مالک ان کا خوب بناؤ سنگار کرتے رہتے ہیں۔ یہاں بعض گھوڑوں کی حالت زار دیکھ کر بے ساختہ منہ سے نکلتا ہے ؎

اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالان طوق زریں ہمہ در گردن خری بینیم

دمشق کی خانیں | علاوہ بازاروں کے جن میں بعض کی محرابی چھت چونے اور پتھر کی بنی ہوئی ہے۔ اور جو بہت بلند بھی نہیں۔ یہاں چند سرائیں موجود ہیں جنہیں خان کہتے ہیں۔ یہ ۱۳۹ ہیں۔ ان میں سے دو قابل ذکر ہیں۔ سب سے بڑی خان اسعد پاشا ہے۔ اور دوم درجے کی خان سلیمان پاشا ہے۔ اسعد پاشا عظم خاندان کا ایک نامور شخص شام میں گذرا ہے۔ کہ جو ڈیڑھ سو سال پہلے اس شہر کا والی تھا۔ اس نے یہ عالیشان خان تیار کی۔ جو بالکل سفید اور سرخ پتھر کی ہے۔ اس طور پر کہ وسط میں ایک عالیشان گنبد پیلپایوں پر تعمیر کیا ہے۔ جس کے نیچے پانی کا حوض ہے۔ حوض کے گرد پہلی منزل ایک گیلری کی صورت میں بنی ہوئی ہے۔ یہ خان اور باقی سب خانیں یہاں کی مرجع تجار ہیں۔ قدیم زمانہ سے اطراف و جوانب کے تمام سوداگران خانوں میں اپنا مال فروخت کرنے کو لاتے ہیں۔ یہ گویا یہاں کی منڈیاں اور یہاں کے صرافے بھی ہیں۔

بیت العظم | اسی ضمن میں بیت العظم کا ذکر بھی کر دینا چاہیئے۔ جو اسی اسعد پاشا نے ۱۱۶۳ھ ہجری میں تعمیر کیا تھا۔ کہ جس نے سب سے بڑی خان تعمیر کی ہے۔ عظم زادگان کا ایک مشہور خاندان اس شہر میں ہے۔ جناب جمیل بیگ صاحب عظم زادہ نے جو قسطنطنیہ میں عربی اخبارات کے احتساب اور نگرانی پر مامور ہیں۔ مجھے ایک چٹھی اپنے ایک بھائی کے نام دی تھی کہ وہ مجھے بیت العظم

دکھلائے۔ یہ ایک نہایت عالیشان مکان ہے۔ جو لاریب بادشاہوں کے رہنے
کے قابل قیمتی پتھروں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ اسمیں ڈیڑھ سو سال پیشتر تک
شام کے پتھر اور لکڑی کے کام کی صنعت کا کمال دکھلایا گیا ہے۔ اس
کی مختصر تعریف یہ ہے کہ اپنے قیام کے زمانے میں قیصر ولیم نے دو دفعہ
اس پرائیویٹ گھر کو آکر دیکھا اور اس کی خوبصورتی کی تعریف کی۔ اب یہ
اس خاندان کے دو تین ممبروں نے آپس میں تقسیم کر لیا ہے۔ لیکن جب
میں نے پوچھا کہ حمام کے چند کمرے کیوں خراب حالت میں ہیں تو معلوم
ہوا کہ ایک ہزار پونڈ اس کے پانی کے راستہ کی درستی کے لئے درکار ہیں
جو خرچ کرنے کی حال کے ساکنین کو استطاعت نہیں۔ تاہم ایک صاحب
نے اپنے حصہ میں ایک چھوٹا سا چڑیا خانہ جانوروں کا اور ایک بہت بیش
قیمت مجموعہ چینی کے برتنوں اور بڑے بڑے قابوں کا جمع کیا ہے۔

مجرہ یا رت جگا دمشق میں رہنے کے دنوں میں ایک رات مجھے احباب ایک
مکان میں لے گئے۔ جو مکلف فرش وفروش سے آراستہ تھا۔ پہلے ایک
فونوگراف آیا۔ جس سے کئی ایک عربی اور ترکی راگ سنائے گئے۔ اتنے
میں اس مکان میں دس پندرہ اشخاص جمع ہو گئے۔ جو مجھے معلوم ہوا کہ مدعو
تھے۔ ان میں سے آدھے شیوخ اور علماء کے جبوں اور عماموں سے آراستہ
تھے۔ ایک عیسائی مغنی حبیب الشیخ نامی پہلے سے موجود تھا۔ جو اس شہر میں
عود بجانے میں استاد مشہور ہے۔ اور اخیر میں ایک نوجوان مسلمان جو گانے
میں اس شہر میں اپنا ثانی نہیں رکھتا آگیا اور اس نے عود کی سر کے ساتھ
گانا شروع کیا۔ اس کے گانے نے ایک ایسی برقی رو مجلس میں پیدا کر دی کہ
ہر شخص وجد میں آنے لگا۔ مگر اعرابی کے اونٹ کی طرح ایک میں تھا جو اس
مجلس میں بے اثر تھا۔ اول تو سمجھے کہ عربی گیتوں کو میں اس لحن میں سمجھ
نہیں سکتا تھا۔ جس میں وہ گائے جاتے تھے۔ جب تک کہ ایک رفیق مجھ

تحت لفظ پڑھ کر نہ سُناتا - مثلاً ایک مصرع تھا ع

"عید البشائر والفرح"

لیکن وہ کچھ ایسی طرح گایا جاتا تھا کہ مجھے "اینڈل" سے سوائے کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا - دوم موسیقی سے میرے کانوں کو بہت مناسبت نہیں تاہم مجھے معلوم ہوتا تھا - کہ اس شخص کا گلا بہت عمدہ ہے - مگر نہ ایسا کہ مجھے بیخود کر دیتا - بلکہ تخلط بلحظہ میری نفرت بڑھنے لگی - کیونکہ اہل ملک کے دستور کے موافق ایک ایک لفظ کے حصہ کو مغنی دس دس اور بیس بیس دفعہ دہراتا ہے - یہاں تک بھی خیریت ہے - لیکن اس کے ہر جزو لفظ پر حاضرین کے لئے داد دینی لازم ہے - اور وہ ایک ایسی صدا سے دیجاتی ہے - جو ہندوستان میں افسوس اور درد کے موقع پر "آہ" کی طرح مُنہ سے نکلتی ہے - بجائیکہ وہ فرط اضطراب سے تعجب سے کہنے والے کی تعریف کرتے ہیں - بلکہ ایک پیشہ ور طبیب وہاں موجود تھا - جو اس کے علاوہ یاسلام کہتا - اور کچھ کلمات تعریفی بھی کہتا - گویا مغنی کا دل بڑھانے کے لئے انہیں جا و بیجا تعریف کرنے کے لئے یہ خاص عہدہ دار مقرر کیا گیا ہے - بعض کہتے "تلیح کثیر" "طیب کثیر" کوئی کہتا خمس - کوئی کہتا عشر - یعنی اس فقرہ کو پانچ یا دس دفعہ اسی طرح دہراؤ - اس دہرانے اور غیر ضروری مبالغہ کی تعریف نے میرا ناک میں دم کر دیا - مینے رخصت چاہی - لیکن معلوم ہوا کہ صاحب خانہ خاتمہ کے وقت حاضرین کو کچھ کھانا اور شیرینی کھلائیں گے کیونکہ یہ "سہرہ" ہے کہ جسے ہندوستانی زبان میں "رت جگا" کہہ سکتے ہیں - اور بارہ ایک بجے شب کے وہ کھانا ہوگا - میری آخیر میں تو ہی حالت ہو گئی - جو شیخ کی ہوئی تھی - جب اُسنے یہ شعر کہا تھا - ؎

چند ام در گوش کن تا نشنوم یا درے بکشا کہ تا بیروں روم

آخر دانستہ ایک دوسرے کمرہ میں بیجا کر سے بجے ایک زمین سے بالشت بھر بلند

میز کے گرد بیٹھ کر کچھ کھانا کھایا۔ عرب کی مٹھائیاں ساری دنیا سے نرالی ہیں۔ ایک کا نام "گلشنگر" دکھا اور شکر کی ایک کا نام بقلاوہ اور ایک کا نام کنافہ ہے۔ ہندوستان کی مٹھائیوں کی طرح ان میں بھی شیرینی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ عربی کھانوں میں علاوہ حمص مطحن اور فول مدمس کے مجھے اور کچھ پسند نہیں آیا۔ یہ دونوں دال کی قسمیں ہیں جو ایک نرالی ترکیب سے تیار کی جاتی ہیں۔ حمص کابلی چنوں کی قسم کی ایک اُبلی ہوئی دال ہے جسے پیس کر اسمیں ترشی ملائی جاتی ہے اور فول باقلہ کی قسم ہے۔ ملس سہرہ کے متعلق اسقدر ذکر کرنا ضروری ہے کہ اس شہر میں اس کی رسم عام ہے۔ جاڑے میں بعض دوستوں کی جماعتیں ہفتوں ہر شب وقت گذاری کے لئے یہی شغل رکھتی ہیں۔ آج ایک کے گھر میں سہرہ ہے تو کل دوسرے کے گھر میں۔ اور باری باری سب میزبان بنتے ہیں۔ ان لوگوں کے گیت میں بار بار دُھر لینے اور بیحد تعریف کرنے کا طریقہ مجھے پسند نہ ہوا۔ لطف یہ ہے کہ یہ سہرہ جامع امویہ کے ایک حجرہ میں کیا گیا تھا۔ کہ جسکا دروازہ کھولنے سے مسجد کا صحن سامنے نظر آتا تھا۔ اور شرکا میں بعض خدا پرست بھی تھے۔

حدیث کا وعظ دمشق قدیم سے علما کا مرکز چلا آتا ہے۔ اور اب تک بھی یہاں حدیث کے سیکھنے اور سکھانے کا بڑا رواج ہے۔ سال بھر مختلف قول پر مختلف علما حدیث کا ایسے طور پر درس دیتے ہیں کہ شام کے وقت شہر بھر کے علما اور شائقین وہاں جمع ہوتے ہیں۔ جس روز میں دمشق سے لوٹا ہوں۔ اس روز ایک اول درجے کے عالم نے ایک مقبرہ میں جو ریلوے سٹیشن کے قریب ہے، درس حدیث کے اسباق کے سلسلہ کو شروع کرنا تھا۔ اور حدیث کے اعزاز کے لحاظ سے پہلے درس میں والی (گورنر) دمشق کو بھی حاضر ہونا تھا۔ بہت سے لوگ اسی طرح حافظ حدیث موجود ہیں

جیسے کہ لوگ حافظ قرآن ہوتے ہیں۔ اس وقت دمشق میں مندرجہ ذیل نامور علماء موجود ہیں (افغانوں سے) شیخ عبدالحکیم صاحب۔ شیخ بہاءالدین صاحب (شامیوں سے) شیخ بکری عطار زادہ۔ (مغربیوں سے) شیخ بدرالدین صاحب۔ دو اور خاندان علماء کے مینی اور قزبدی کے نام سے مشہور ہیں۔

اہل درد لیکن ان علمائے دین کے علاوہ الحمدللہ کہ معدودے چند اصحاب ایسے بھی دمشق میں موجود تھے جن کی آنکھیں ضروریات زمانہ کی نسبت کھل چکی تھیں۔ ہرچند کہ یہاں کے حالات کے مطابق وہ ملک اور قوم کیلئے کچھ مفید نہیں ہو سکتے تھے۔ ان میں محمد کرد علی صاحب ایڈیٹر الشام۔ محمد علی سلیم بخاری مفتی آلائی۔ عبدالحمید زہراوی سابق ایڈیٹر دعیان معلومات قسطنطینیہ قابل ذکر ہیں۔ یہ لوگ بھی بڑے پایہ کے اہل علم ہیں۔ لیکن انکے علاوہ ملت کی غمخواری سے بھی کافی بہرہ رکھتے ہیں۔ افسوس ہے کہ ان میں زہراوی صاحب تین چار ماہ سے قسطنطنیہ سے خارج ہو چکے

جلاوطنی ہیں۔ اور دمشق سے باہر جانے کی انہیں اجازت نہیں ہے اور بھی بہت لوگ یہاں ہیں کہ جنہیں کسی نہ کسی سبب سے جو کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ خارج کرکے دمشق یا سلطنت کے کسی اور دور دراز مقام میں بھیج دیا جاتا ہے۔ اور وہیں ان کی قیمتی زندگیاں کس مپرسی اور بیکاری کی حالت میں گذر جاتی ہیں۔ راستہ چلتے ایک روز ایک صاحب سے ملاقات ہوگئی تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ مابین ہمایوں (قرب سلطانی) میں بڑے عہدہ دار تھے۔ پندرہ سال گذرے ہیں کسی وجہ سے انہیں یہاں بھیج دیا گیا۔ مگر پھر کسی نے نہ پوچھا کہ کیا کرتے ہو۔ البتہ وظیفہ پاتے ہیں۔

مخبری ایک روز مدرسہ عبداللہ پاشا میں بعض صاحباں کچھ علمی گفتگو کر رہے تھے۔ جس میں مجھے ہندوستان کے علما اور اہل اسلام کے حالات بھی دریافت کرتے تھے۔ اتنے میں ایک فقیر نے آکر ہم سے سوال کیا۔ جب ہم جانے

لگے تو میرے ہمراہیوں میں سے ایک نے کہا کہ یہ فقیر مخبر تھا جو ہمیں یہاں دیکھنے آیا ہے۔

کتب خانہ انہیں چند درد مند حضرات کی کوشش سے کچھ عرصہ سے ایک کتب خانہ دمشق میں قائم ہوا ہے۔ جو ایک قدیم عالیشان عمارت المکتب الملک الظاہر میں رکھا گیا ہے۔ دراصل یہ مقبرہ ملک الظاہر کا ہے۔ گرا بہ قبر کے اوپر کتابوں کی الماریاں رکھی ہوئی ہیں۔ جنہیں زیادہ تر قلمی ہیں۔ اور مطبوعہ بہت کم ہیں۔ تفسیر حدیث حساب تاریخ فقہ تصوف تجوید وغیرہ سب علوم کی کتابیں ہیں۔ اور زیادہ تر لوگوں نے وقف کی ہیں۔ حکومت صرف دو آدمیوں کی تنخواہ کا خرچ پانچ سو قرش ماہوار دیتی ہے۔ ان میں سے بعض کتابیں بہت پرانی لکھی ہوئی ہیں۔ ایک فقہ کی کتاب مسائل عن احمد ابن حنبل ہے۔ جو ۲۶۶ھ ہجری کی لکھی ہوئی ہیں۔ اور خط پڑھا جاتا ہے۔ مگر بعض کتابیں ایسے قدیم عربی خط میں میں نے دیکھیں کہ مجھ سے وہ خط نہیں پڑھا جا سکتا تھا۔ ایک عالیشان کلام مجید ۲۲۶ھ ہجری کا دیکھا جسکے ہر لفظ اور جملہ کی مختصر تفسیر بین السطور میں تھی۔

ابن خلکان کا مدرسہ یہ شہر اور خصوصاً یہ نواح جامع اموریہ کا اسقدر تاریخی آثار سے پر ہے کہ ہر طرف کوئی مانوس نام سنا جاتا ہے۔ اس مکتب کے مقابل میں مدرسہ عادلیہ کا مکان ہے کہ جس میں ابن خلکان مشہور مورخ درس دیا کرتے تھے۔ یہیں ایک شخص کے پاس حضرت پیغمبر صاحب کا ایک نامہ مبارک ہے جو آپ نے قیصر یا کسریٰ کو لکھا تھا۔ اور شیخ عبد القادر جزائری اسے دولت فرانس سے پیرس سے مانگ لائے تھے۔ مگر افسوس کہ جب میں اس شخص کے مکان پر اسے دیکھنے گیا تو وہ نہ ملا۔

اخبارات یہاں صرف دو اخبار اور ایک ماہوار رسالہ بنام دمشق نکلتا

ہے - یہ رسالہ ایک عیسائی نکالتا ہے - اخبار الشام کے ایڈیٹر محمد کرد علی صاحب ہی سرکاری گزٹ اخبار سوریہ کے بھی ایڈیٹر ہیں - اور سرکاری ملازم بھی ہیں - سوریہ کا ایک ورق عربی (ملکی زبان) اور ایک ترکی (سرکاری زبان) میں نکلتا ہے - غرض اخبار کا یہاں کچھ مذاق نہیں

صنعت وغیرہ دمشق میں لکڑی میں صدف اور ہاتھی دانت جڑنے کا کام بہت عمدہ ہوتا ہے - چوکھٹوں - رحلوں - چوبی جزدان میزوں اور تپائیوں وغیرہ فرنیچر پر صدف کے بیل بوٹے اور فقرے لکھے جاتے ہیں - ایک میز پر راس الکتب فی دقتہ لکھا تھا - اسکے سوائے کندہ کاری - زین سازی - ابریشم اور روئی کے کپڑے عطر گلاب قالینوں اور مٹھائی کے لئے دمشق مشہور ہے - شام میں بہت ارزانی ہے لیکن بیروت میں ہندوستان سے گرانی ہے - حجام کو بشلک دو بشلک دیتے ہیں - بشلک ہندوستان کے چھ آنہ کے برابر ہے - گو شام اور بیروت کے سکوں میں اختلاف نہیں - لیکن نرخ میں اختلاف ہے - بیروت میں مجیدی میں بیس قرش شمار ہوتے ہیں - شام میں چوبیس قرش محسوب کئے جاتے ہیں -

مکانات گو یہاں کے مکانات باہر سے بہت سادہ اور بے حیثیت معلوم ہوتے ہیں - اور داخلے کے دروازے بہت چھوٹے جیسے کہ کسی جھونپڑے کے ہوتے ہیں - ہوتے ہیں - لیکن اندر سے بڑے پرتکلف اور شاندار ہوتے ہیں - عموماً صحن میں چھوٹا یا بڑا حوض ہوتا ہے کہ جس میں ہر وقت پانی جاری رہتا ہے - صحن میں سنگ مرمر یا کسی دوسرے پتھر کا عمدہ پیٹرن کا فرش ہوتا ہے - میرے میزبان کے گھر میں سیاہ سرخ اور سفید پتھر کا فرش تھا وسط صحن میں ایک ہشت پہلو حوض تھا - جس میں فوارہ شب و روز

جاری رہتا تھا۔ ان کے کھانے کے کمرہ میں (کھانا میز پر کھایا جاتا تھا) الماری میں ایک اور فوارہ جاری تھا۔ کہ جہاں سے میز پر سے پانی کا گلاس بھر سکتے تھے۔ کمرے کھلے ہوادار تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی استانبول کی طرح سوتے زمین پر ہیں۔ اور مجھے بھی زمین کا بستر دیا گیا تھا۔

مسلمانان ہند ایک قاضی صاحب سے دوران گفتگو میں نے کہا کہ ہندو (نشست) کا دستور ہندوستان میں نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایسا ہی ہونا چاہئے۔ کیونکہ ابتدائے اسلام میں مندر نہیں تھا۔ یہ بعد کی ایجاد ہے ایک اور مولوی صاحب نے ہندوستان کے مسلمانوں اور خصوصاً طلبائے مدارس کی دینی حالت کی نسبت سوال کیا۔ اور جب میں نے انہیں بتایا کہ سرکار کسی بیچ سے امور مذہبی میں مداخلت نہیں کرتی تو کہنے لگے کہ حدیث شریف میں آیا ہے صحت اور امن دو خفیہ مگر بڑی نعمتیں ہیں۔ ان کیلئے شکر کرنا چاہیئے۔

دعوت جب بعض اصحاب نے میری دعوت کی تو میرے فیاض میزبان سید عطا افندی گیلانی زادہ نے بھی مناسب سمجھا کہ بعض صاحبان کی دعوت کیجائے میز پر کھانا کھایا گیا۔ مگر میزبان صاحب خود یہ عذر کرکے کھانے میں شامل نہ ہوئے کہ عرب کا دستور ہے کہ میزبان مہمانوں کی خدمت میں کھڑا رہتا ہے۔ کھانوں میں بعض خاص عربی اور بعض ترکی تھے۔ اور ایک کا نام شیخ محشی تھا۔ انگور بیب اعلے درجہ کے تھے ایک ایک دانہ آدھ سوا انچہ کے برابر ہوگا۔ جو نواح دمشق کے ایک خاص قصبہ کے بڑے مشہور انگور ہیں۔

افغان قسطنطنیہ میں بھی ایک افغان خوش نویس اور ایک دو اور افغان ملے تھے۔ یہاں بھی دو افغان ملے ہیں۔ جنمیں سے ایک بزرگ داد محمد ۲۲ سال سے یہاں رہتا ہے۔ یعنے جبکہ پہلی مرتبہ انگریزوں نے قندھار پر قبضہ

سی تھا۔ تو وہ چلا آیا تھا۔ اب صاحب اولاد و اعتبار ہے۔ ایک اور ملا حیدر مہونی مجھ کو ملا۔ اسکی تین بیویاں ہیں۔ اور عمر ۶۰ سال کی ہو کہتا تھا اگر روپیہ ہوتا تو ایک پندرہ سال کی اور لڑکی سے نکاح کر لیتا۔

عسکریوں کی روٹیاں | بازاروں میں روٹیوں کے ٹوکرے لئے ہوئے بہت لوگ روٹیاں تول تول کر بیچتے ہیں۔ اور لوگ گھروں کے لئے خرید لیجاتے ہیں اسی طرح شوربہ بھی دیگچوں میں بکتا ہوا دیکھا۔ معلوم ہوا کہ یہ روٹیاں اور شوربہ عسکریوں (فوجی سپاہیوں) کا ہوتا ہے۔ کہ جنہیں سرکار سے روزمرہ کی پکی ہوئی راشن (ردولی) ملتی ہے۔ اور ہفتہ میں دو مرتبہ پلاؤ بھی ملتا ہے۔ کہ جسکا کچھ حصہ وہ بیچ ڈالتے ہیں۔ کیونکہ کھانا ہمیشہ انکی ضرورت سے زیادہ دیا جاتا ہے۔

سیدھی لینے بلدیہ | بلدیہ کی آمدنی کا زیادہ حصہ چونگی سے ملتا ہے لیکن اسکا کچھ حصہ خزانہ سرکاری میں بھی چلا جاتا ہے۔ اور باقی انتظام شہر میں خرچ ہوتا ہے۔ انتظام بلدیہ اہل شہر کے ہاتھ میں ہی ہوتا ہے کہ جنہیں والی (گورنر) کی رضامندی کے مطابق کام کرنا پڑتا ہے۔ اسکے سوائے مکانات کی قیمت پر بھی گورنمنٹ ایک فیصدی سالانہ ٹکس وصول کرتی ہے۔ اور مکانات کے کرایہ یا آمدنی میں سے بھی کچھ حصہ سرکار کا ہوتا ہے۔ چوکیداروں کے لئے ایک علیحدہ محصول وصول کیا جاتا ہے۔ بخلاف استانبول کے یہاں کے بعض بازار بارہ ایک بجے شب تک بھی کھلے دیکھے۔ جبکہ روشنی بھی تھی۔ اور کہیں کہیں چوکیدار بھی کھڑے تھے جو ہمیں دیکھکر سیٹی بجاتے تھے جسکا مطلب یہ معلوم ہوا کہ ہم تمہیں دیکھ رہے ہیں۔

دروزی | جبل لبنان جبل حوران اور دمشق میں مسلمانوں کا ایک فرقہ اس نام سے مشہور ہے۔ جو اکثر اعتقادات مثل توحید و نبوت میں مسلمانوں سے

بہت مختلف ہے۔ عام مشہور یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہبی اعتقادات کو بہت مخفی رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب ان کے اپنے بیٹے بھی بیس پچیس سال کی عمر کو پہنچتے ہیں تب انہیں اپنے اسرار مذہبی بتلاتے ہیں۔ اور انہیں مخفی رکھنے کی تاکید کرتے ہیں۔ انکا عقیدہ یہ بھی مشہور ہے کہ جو دُرزی کوہ لبنان پر مرتا ہے۔ وہ ہندوستان یا چین میں جاکر دوسرا جنم لیتا ہے کیونکہ یہ لوگ تناسخ کے قائل ہیں۔ "قاموس الاعلام" سے معلوم ہوتا ہے کہ پنجشنبہ کی شام کو اپنے معبد میں کہ جسے "خلوت" کہتے ہیں ان کے معزز جمع ہوتے ہیں کہ جنہیں "عُقال" کہتے ہیں۔ اور جُہال کو اس کے اندر داخل نہیں ہونے دیتے۔

دمشق سے رخصت

۲۵۔ اکتوبر کو دمشق سے واپسی کا ارادہ تھا۔ عبد المجید صاحب زہراوی اخبار نویس سویرے ہی تشریف لائے۔ سردار عبد [الله] خانصاحب سے کل رخصت ہوچکا تھا۔ انہوں نے صبح آدمی کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ آج چونکہ والی دمشق بھی جانے والے ہیں۔ اسلئے سویرے سٹیشن پر جانا چاہیئے۔ کیونکہ ریل بھی سویرے روانہ ہوگی۔ گویا کہ معمولی ریل کے وقت کو بھی گورنر صاحب کا لحاظ تھا۔ غرض عطا افندی صاحب کی گاڑی پر ہم تینوں سوار ہوکر سٹیشن کو گئے جو شہر سے کافی دور ہے۔ ہم سے پہلے سردار زادہ محمود بیک ان کے برادر زادہ حبیب اللہ خاں۔ محمد مسلم صاحب مفتی۔ ملا حیدر صاحب افغانی بھی مجھے وداع کرنے کے لئے سٹیشن پر موجود تھے۔ یہ سب بغلگیر ہوئے اور محبت اور گرمجوشی کے ساتھ مجھے خدا حافظ کہا۔ ان میں سے ایک صاحب نے کہا کہ جیسے چھ سات روز پہلے تم بطور اجنبی کے اس سٹیشن پر وارد ہوئے تھے۔ آج تم یہاں غریب الدیار نہیں ہو۔ کیونکہ ہم اتنے آدمی تمہیں باچشم پُرنم وداع کرتے ہیں۔

جہاز کی روانگی | گو میرا ارادہ بعلبک کے مشہور کھنڈرات دیکھنے کا تھا - جو راستہ میں ایک سٹیشن سے چند میل کے فاصلہ پر ہیں - لیکن چونکہ بیروت سے دوسرا جہاز دیر میں ملتا اسلئے میں سیدھا بیروت پہنچا - اور ۲۰ - اکتوبر کی شام کو وہاں سے اسکندریہ جانے والے جہاز پر سوار ہوگیا - جو دوسری صبح بندر یافہ پر پہنچا -

بیت المقدس | گو میں بھی اور مسافروں کے ساتھ جہاز سے اتر کر یافہ میں گیا سارا دن بھر شہر کی سیر کی اور وہیں کھانا بھی کھایا مگر شام کو جہاز پر واپس آگیا - گو مجھے بیت المقدس کی زیارت کا بڑا شوق تھا - جو بذریعہ ریل یافہ سے صرف چار گھنٹہ کا راستہ ہے - لیکن اس اندیشہ سے کہ پھر شاید کم و بیش ایک ہفتہ بھر یافہ میں جہاز کے انتظار میں پڑا رہنا پڑے میں نے بیت المقدس کا قصد ملتوی کردیا - گو اسکے بعد ہمیشہ مجھے افسوس ہوا کہ اتنا قریب پہنچکر بیت المقدس نہ دیکھ سکا -

بندر یافہ | بوجہ چٹانوں کے یہاں کا بندر بہت خراب ہے - اور بیروت سے سن چکا تھا کہ یہاں کے کشتی بان بڑے شریر ہیں - اور اپنی محنت سے بہت زیادہ کرایہ مانگتے ہیں - اور طرح طرح سے دق کرتے ہیں - مثلاً تمہیں جہاز سے شہر تک ایک فرانک کو لیجائیں گے - اور واپسی کے وقت اگر ذرا بھی سمندر خراب ہوگا - جو یہاں تھوڑی سی ہوا سے بھی چٹانوں کے باعث برہم ہوجاتا ہے - تو ایک گنی پر بھی جہاز تک نہ لیجائینگے -

یافہ بیت المقدس سے ۴۰ میل بذریعہ ریل شمال مغرب کی طرف ساحل شام پر واقع ہے - یہ نہایت قدیم شہر ہے - یونانی جغرافیوں میں ملا ہے "یوپہ" اور توراۃ میں "یافو" لکھا ہے - شہر یافہ ۳۰ ہزار کی آبادی کا ہے لیکن بوجہ بیت المقدس کا بندرگاہ ہونے کے یہ نہایت ضروری مقام ہے تمام دنیا سے عیسائی اور یہودی زائرین بیت المقدس کی زیارت کے لئے

یہاں آتے ہیں - یہودی بہت زیادہ ہیں - جنکے لمبے تاجوں اور زلفوں سے
انکا پہچاننا مشکل نہیں - شہر میں کوئی مقام قابل دید نہیں - بازار تنگ
اور دوکانیں تاریک ہیں - بیت المقدس کی صدف کی بنی ہوئی چند صلیبیں
اور تسبیحیں وغیرہ خریدیں جو یہاں سے بطور تبرک تمام دنیا میں جاتی ہیں - یہاں
بھی روسی فرنچ جرمن اور ترکی ڈاکخانے پہلو بہ پہلو واقعہ ہیں - میوہ جات
یہاں بہت ارزاں ہیں - انگور مالٹا سنگترے (کہ جنہیں یہاں پرتقال کہتے
ہیں) انار اور ہندوانے اور زیتون بکثرت موجود تھے - ایک عام نانبائی
کی یہاں تن مثالک کر روٹی اور حمص لیکر کھایا - مگر اسکے یہاں بھی میز پر
سنگ مرمر لگا ہوا تھا - یہاں کی گنوار عورتوں کے منہ پر عجیب قسم کا پردہ ہمنے
دیکھا - آنکھوں کے نیچے اور ناک کے اوپر ایک کپڑے کا ٹکڑا لٹکایا جاتا ہے
جسکے نیچے دونی کے برابر گول سکے بطور جھالر کے لٹکائے جاتے ہیں جس سے
ان کی شکل خاصی ڈراؤنی ہو جاتی ہے - شام کو یہاں سے جہاز روانہ ہو کر
دوسری صبح بندر پورٹ سعید پر پہنچ گیا -

شامی عیسائی عازمان امریکہ یہ جہاز فرانسیسی کمپنی میسجرز میری ٹیم کا تھا - جسمیں بجائے
تین کے چار درجے مسافروں کے لئے ہوتے ہیں - اسطرح اسکے تیسرے درجہ
کے مسافروں کو بھی کیبن اور بستر ملتے ہیں - اور ڈک کے مسافر چوتھے درجہ
کے مسافر کہلاتے ہیں - جہاز میں پانچ چھ سو سے کم مسافر نہوں گے جنکا
زیادہ حصہ ڈک پر سفر کرنے والوں کا تھا - تمام مسافر شام اور عرب کے اصل
کے ہیں - جو اکثر بلکہ تمام عیسائی معلوم ہوتے ہیں - کیونکہ اُن کے ہمراہ بے
پردہ عورتیں ہیں - اور یہ سب سوائے بعض حبشنوں اور بعض گنوار عورتوں
کے ایسے کپڑے پہنے ہوئے ہیں جیسے کہ یورپ میں عام عورتیں پہنتی ہیں
چونکہ حبشنیں مسلمان ہیں اسلئے انکا لباس بالکل پردہ دار ہے - یا بعض
جاہل لوگ رات دن جہاز پر گاتے بجاتے رہتے ہیں - جتنے عربی گیت

یہاں رات دن سنتا رہتا ہوں یہ عمر بھر کے لئے کافی ہو نگے۔ اوّل دوم اور سوم درجے کے مسافروں سے ڈک پر زیادہ مہذب شامی اور ارمنی عیسائی موجود ہیں جو تعلیم یافتہ ہیں۔ ان میں سے اکثر عربی ناولیں پڑھتے رہتے ہیں۔ کیونکہ فرنچ انگلش اور جرمن وغیرہ یورپین زبانوں سے انھیں عیسائیوں کی بدولت بہت سے ناول عربی میں ترجمہ ہو چکے ہیں۔ ایک شام کو یہ مہذب شامی اپنے ڈک پر دیر تک مل کر عربی گیت گاتے رہے۔ اور کچھ دیر تک ترکی حکام کے تحکم اور تشدد کی نقل بھی تضحیک کے پیرایہ میں اتارتے رہے۔ میرے کمرہ میں لبنان کے رہنے والے دو عیسائی بھائی تھے۔ جو برٹش کولمبیا (امریکہ) کو جارہے تھے۔ ساتھ کے کمرہ میں ایک عورت مع تین لڑکوں اور ایک لڑکی کے بزشیتا غوز شکاگو۔ امریکہ) کو جارہی تھی۔ جہاں اسکا شوہر کئی سال سے مخزن (دوکان) کر رہا تھا۔ ان سے معلوم ہوا کہ اسوقت ایک لاکھ سے بہت زیادہ شامی عیسائی امریکہ میں آباد ہیں اور مختلف قسم کی تجارت اور صنعت و حرفت میں مصروف ہیں۔ وطن میں انہیں کچھ کام نہیں ملتا۔ اسلئے امریکہ کو چلے جاتے ہیں۔ جہاں انہوں نے بہت سی دولت کمائی ہے۔ ناموری پیدا کی ہے۔ وہاں ان کے کارخانے دوکانیں علیحدہ بازار گرجے اور اخبارات عربی میں جاری ہیں۔

مصر

نسیمے کز دیار مصر خیزد　　کہ در چشم غبار مصر بیزد

بازار مصر میں چل یوسف کا تماشا کر　　کھوٹے کھرے کا ۔ ہو راکھل جائیگا چلن پہ

پورٹ سعید یافہ سے جہاز شام کو روانہ ہوکر دوسری صبح پورٹ سعید جا پہنچا۔ یہ پورٹ یعنی بندر نہر سوئز کے کھودے جانے کے بعد سعید پاشا خدیو مصر کے نام سے مشہور ہوا ہے کہ جسنے اس نہر کے کھودنے کی ۱۸۵۴ء میں اجازت دی تھی اور اب خاصا بارونق شہر (۱۸۹۱ء آبادی ۴۲۰۹۵) یورپین طرز کا سمندر کے کنارے اور نہر کے دہانہ پر واقع ہے۔ چونکہ یورپ سے ایشیا و آسٹریلیا کو جانے والے تمام جہاز نہر سوئز میں سے ہوکر گذرتے ہیں اسلئے یہ بندر دنیا میں سب سے بڑا کولنگ سٹیشن ہے۔ یورپین حصہ کے مکانات اور دوکانیں عالیشان اور رفیع بنی ہے طرز کی - یورپین اسباب سے پُر ہیں۔ بازار کشادہ ہیں کہ جنہیں بعض میں گھوڑے کے ٹریم سے چلتی ہے۔ اسکے پیچھے عربی حصہ شہر کا ہے جسکے بازار تنگ اور گلیاں پیچیدہ ہیں۔ شہر سے الگ ایک طرف جھونپڑی سی آبادی ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ کسبیوں کی آبادی ہے۔ جسے شہر سے الگ کر دیا گیا ہے۔ سنا جاتا ہے کہ جاپان کے پایہ تخت ٹوکیو میں بھی اسی طرح رنڈیوں کی آبادی شہر سے خارج ایک علیحدہ مقام میں رکھی گئی ہے۔ ممالک عثمانیہ میں جہاں حکومت شریعت کے مطابق کیجاتی ہے۔ رنڈیوں کو ایسی آزادی نہیں ہے کہ ان کا وجود برملا تسلیم کیا جاوے۔

مصری سکّے یہاں میں نے مدت کے بعد انگریزی اخبارات اور کتابیں بکتی دیکھیں اور جھٹ دو تین لنڈن کے اخبارات اور ایک سفر کا گائیڈ خریدا۔ قیمت دینے کے وقت مصری سکوں سے واقفیت پیدا کرنے کی ضرورت معلوم ہوئی۔ مگر یہ بھی معلوم ہوا کہ انگریزی فرانسیسی ترکی سکے بھی بندرگاہوں پر چل جاتے ہیں

اور سونے کے سکے ہر ملک کے چلتے ہیں۔ مگر مصری سکہ کے خوردہ کی تفصیل معلوم کرنے ہر مسافر کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

تین سونے کے سکے۔ ۱۰۰۔۵۰ و ۲۰ غرش صاغ قیمت کے۔

پانچ چاندی کے سکے۔ ۲۰۔۱۰۔۵۔۲ و ۱ غرش " " " -

تین نکل کے سکے۔ ۵۔ ۲ و ۱ ملیم کے۔

(ہر مصری پونڈ یا لیرہ یا جنی ونگنی کا معرب قیمت میں ایک سو غرش صاغ کا ہوتا ہے۔ اور ہر غرش صاغ ۱۰ ملیم کا۔ گویا ایک مصری لیرہ ایک ہزار ملیم مصری یا بیس شلنگ ۶ پنس انگریزی یا قریبا ۲۶ فرانک فرانسیسی یا پندرہ روپے چھ آنے ہندوستان کا ہوتا ہے)

گو غرش یا قرش کا چلن دیگر بلاد عثمانیہ میں بھی ہے۔ لیکن قسطنطنیہ کا قرش کہ جسے یہاں قرش تاریفہ کہتے ہیں ہندوستانی دو آنہ کے برابر ہوتا ہے اور یہاں کا ہندوستان کے اڑھائی آنہ کے برابر۔ ۲۰ غرش کا چاندی کا سکہ یہاں ریال کہلاتا ہے۔ جو ہے ہندوستانی کا معادل ہے

مصر کی گرانی اسی طرح مصر کی گرانی کا بھی مجھے سرزمین افریقہ پر پہلے روز قدم رکھتے ہی حال معلوم ہو گیا۔ میری ترکی ٹوپی کی حالت اچھی نہ تھی۔ میں نے راہ چلتے بازار میں ایک ٹوپیاں قالب کرنے والی دوکان دیکھکر اپنی ٹوپی اتار کر قالب کرائی اور جب قسطنطنیہ کی طرح ایک شلنگ قالب کرنے والے کو دیا تو اسنے لوٹا دیا اور کہا کہ یہ استانبول اور بیروت نہیں بلکہ پورٹ سعید ہے۔ اور پھر معلوم ہوا کہ مصر میں ہر چیز گران ہے۔ بلکہ قاہرہ میں تو بعض چیزیں اور مکانات یوروپ سے بھی گران ہیں۔

ذلیل مصریوں کے کمینہ حرکات مصر میں جتنے قلیوں۔ مزدوروں۔ گائیڈوں اور گاڑیبانوں وغیرہ سے مجھے سابقہ پڑا ہے میں نے سب کو نہایت کمینہ اور دغاباز۔ بلکہ بدمعاش پایا ہے۔ مصر کے اصلی باشندے فطرتاً نہایت اونے اخلاق کے

معلوم ہوتے ہیں۔ اور پھر ان میں سے جو اجنبی سیاحوں اور مسافروں سے ملتے ہیں نہ دھوکا دینے سنت خوشامد بلکہ ضد کرنے میں بھی بڑے مشاق ہو جاتے ہیں۔ ان کی غرض صرف کسی نہ کسی حیلے سے اپنی جیبیں پُر کرنے کی ہوتی ہے۔ ایک وجہ یہی ہے کہ چونکہ یورپ یا امریکہ کے دولتمند لوگ یہاں آتے رہتے ہیں۔ اسلئے جو مزدوری ان سے ان لوگوں کو مل جاتی ہے۔ وہ دوسرے لوگ نہیں دے سکتے اسلئے یہ زیادہ تقاضا کرتے ہیں۔ پورٹ سعید میں راہ چلتے ایک دس بارہ سال کا لونڈا میرے ساتھ ہو لیا اور ٹوٹی پھوٹی انگریزی اور اردو میں کہنے لگا۔ میں تمہیں بازار دکھلاؤنگا۔ اور ایک گھنٹہ کے تین پینس لینے منظور کئے۔ تھوڑی دیر ادھر اُدھر پھرنے کے بعد میں نے ایک نوکندہ میں کھانا کھانا چاہا! اور اُسے اُسکے پیسے دیکر کہا تم چلے جاؤ۔ مگر اُسنے کہا مجھے جانے کی کوئی جلدی ہے اور وہیں ٹھیرا رہا۔ پھر نوکندہ کے مالک کے کان میں کچھ کہا جس کا مطلب غالباً یہ ہوگا کہ یہ اجنبی ہے اس سے زیادہ پیسے مانگو۔ چنانچہ میرے خیال میں اس نے مجھ سے بہت زیادہ دام لیا۔ اور وہیں میرے سامنے کچھ پیسے اس لڑکے کو دیدئے۔ ایسے ہی آج کشتی بان نے جو مجھے جہاز سے لایا تھا اور جس نے میرا پاسپورٹ ایک جگہ دکھلایا تھا۔ مجھ سے جہاز پر پہنچکر دو شلنگ [illegible] مقدار سے دو شلنگ پیسے لیکر میرا پیچھا چھوڑا۔ میں پہلے اسباب لیکر خشکی پر گیا تھا۔ کیونکہ میرا خیال پورٹ سعید سے بذریعہ ریل قاہرہ کو جانے کا تھا۔ لیکن پھر کئی وجوہات سے بذریعہ جہاز سکندریہ دیکھکر قاہرہ پہنچنا پسند کیا چنانچہ [illegible] شام کو چلکر دوسری صبح کو جہاز بندر اسکندریہ پر پہنچ گیا۔

مصری عورتوں کا برقعہ

اجنبی کو پورٹ سعید میں جو بات سب سے پہلے نرالی معلوم ہوتی ہے وہ عورتوں کا ایک برقعہ یا پردے کا سامان ہے اور یہی سکندریہ قاہرہ اور سوئیز میں عورتوں کے چہروں پر دیکھا جاتا ہے۔ یہ ایک لکڑی یا پیتل وغیرہ کی نلکی کی صورت کی چیز ہوتی ہے۔ جس میں ناکہ پرو کر اس کو

سر سب اپنے طور سے باندھا جاتا ہے کہ یہ سیدھا ناک سے طول پر قائم رہتا ہے اور ناک کے نیچے سے ایک سیاہ رومال ناف تک لٹکتا ہے۔ پیشانی پر سیاہ یا سفید پٹی باندھی جاتی ہے۔ جس سے صرف عورتوں کی آنکھیں ننگی رہ جاتی ہیں اور باقی جسم سیاہ چادر سے خوب ڈھکا ہوا ہوتا ہے۔ ہر چند کہ یہ پردے کا بہت اچھا طریقہ ہے۔ مگر ناک بیچ پر ایسی کہ وہ معلوم ہوتی ہے کہ اس سے گھس آتی ہے۔ علاوہ اس کے مصری عورتیں بھی استانبول وشام وغیرہ کی عورتوں کی طرح بازاروں میں پھرنے کی بڑی شوقین ہیں۔ چنانچہ جس روز میں سکندریہ میں پہنچا۔ وہاں کے ایک روزنامہ اخبار "التجلیات" میں دیکھا کہ حکومت کی طرف سے صرف دو تین روز پہلے ایک حکم نافذ ہوا ہے۔ جسکا منشاء یہ ہے کہ عورتوں کو بعد از شام بازاروں میں پھرنے سے روکا جائے۔ سرجارج نیونس جولنڈن کے رسالہ "ٹٹ بٹس" اور سٹرینڈ میگزین کے مشہور بانی اور مالک ہیں اپنی سیاحت مصر کے حالات میں مصری عورتوں کے پردے کی نسبت حسب ذیل فقرہ چست کرتے ہیں:-

مصری اور یورپین عورتوں کے حسن کا مقابلہ　　عورتوں کا لباس بھی مردوں کی طرح بہت ڈھیلا (پاؤں تک لٹکتا ہوا) اور زیادہ تر سیاہ ہے۔ ان کا مذہب انہیں مجبور کرتا ہے کہ سوائے اپنی سیاہ آنکھوں کے باقی چہرہ کو برقع میں چھپائے رکھیں جو کہ ان کے سر کے لباس سے ایک پیتل یا لکڑی یا چاندی کے ناک کے پل تے سے بندھا ہوا ہوتا ہے۔ جو شطرنج کے بادشاہ یا رخ کی شکل کا ہوتا ہے۔ چند عورتوں کے چہرے جو ننگے دیکھے گئے۔ ان سے ہر شخص کو اس مذہب کا شکرگذار ہونے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جس میں عورتوں کے چہروں کا چھپانا لازمی قرار دیا گیا ہے۔" اسمیں شک نہیں کہ بوجہ حبشی اور سوڈانی خونوں کی شرکت کے مصر میں بہت عورتیں سیاہ یا سانولے رنگ کی ہیں۔ اور اسلئے سرجارج نیونس کو یہ فقرہ ایجاد کرنا پڑا ہے

کاش یہ بیچارے شام کا بھی سفر کرتے تو بہت سے اس خیال پر تعجب ہوتا
کہ ایسے ہی جہاں آشوب حسن کے فتنہ کو دبانے کے لئے پردے کی ضرورت
اسلام نے تسلیم کی۔ کہ جس ضرورت کو اہل یورپ اپنے یہاں کے بے ملاحت
حسن کی وجہ سے محسوس نہیں کر سکتے۔ اور پردے کے سوا کام چل رہا ہے

[illegible]
[illegible]

سکندریہ کا بندر بہت عمدہ ہے۔ کہ جسمیں جہاز بندر کی گودی سے
آلگتا ہے۔ کشتی کی ضرورت نہیں پڑتی۔ جہاز کی گودی سے
لگنے کی دیر تھی کہ بہت بیسیوں قلی اور ہوٹلوں کے دلال جہاز میں گھس آئے
اور چونکہ اکثر مسافر یہیں اترنے والے تھے۔ اسلئے رستخیز کا سماں پیدا کر دیا
ایک شخص نے مجھے کہا کہ میں فلاں ہوٹل والا ہوں ایک فرانک کو بہت اچھا
کمرہ دونگا۔ میں نے اسکے ہمراہ چلنا منظور کیا۔ اسنے میرا اسباب نکلوا کر گاڑی
میں رکھوایا۔ اور ایک شخص میری ہمراہ گاڑی پر بیٹھ گیا۔ اتنے میں چونگی
میں اسباب دیکھا گیا۔ اور میرا پاسپورٹ پولیس نے یہ کہکر رکھ لیا کہ
انگریزی کانسلیٹ سے تجھے واپس ملیگا۔ راستہ میں اس شخص نے جو میرے ہمراہ
گاڑی پر بیٹھ گیا تھا۔ مجھے کہا کہ یہاں ایک فرانک کو کمرہ ملنا مشکل ہے
بہتیں دو فرانک کو کمرہ لیدونگا۔ آخر بڑی بحث کے بعد اُسنے ایک ہوٹل
میں ڈیڑھ فرانک کا کمرہ لیدیا۔ جسپر لکھا ہوا تھا۔ کہ اس کمرہ کا کرایہ ایک
فرانک ہے۔ مزدوروں کو زیادہ کرایہ دلوایا۔ ہوٹل کو ڈیوڑھا دلوایا۔ گاڑیبان
کو دوگنا دلوایا۔ اور آدھ گھنٹہ کے تقاضا کے بعد دس غرش خود لیکر گیا۔
حالانکہ اُسنے میری کچھ خدمت نہ کی تھی۔ گویا ۲۵ غرش یا قریب چار روپیہ
میں جہاز سے ہوٹل کے کمرہ تک پہنچا۔ یہ دلال کمبخت ایسے ڈھیٹھ اور تجربہ کار
ہوتے ہیں کہ جھڑکی یا انکار کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ انمیں سے بعض کی
دعوت ملاقات تو بدمعاشی تک پہنچ جاتی ہے۔ یہاں بازار میں سب کے روبرو ذلیلات
ننگے کا بھی رواج ہے۔ میں نے ایک نوجوان سے کچھ فوٹو ایک دیکھکر متعجب

لیکن وہ بہت زیادہ قیمت مانگتا تھا۔ آخر ہمنے اُسے لوٹا دیئے۔ تو وہ بدمعاش
خفا ہوکر مجھپر حملہ کرنے کو تیار ہوگیا اور سخت وسست کہنے لگا۔

تاریخی اسکندریہ سکندر اعظم نے ۳۳۲ قبل مسیح میں اپنے نام پر اس شہر کو آباد
کیا۔ جو بعد میں یونانی اور رومی حکام کے عہد میں نہایت آباد اور ہر طرف کی
تجارت ہوگیا تھا۔ سکندر اعظم کا یہاں کے بندرگاہ کو وسیع اور استوار کرنا
کیا بطلیموس ثانی کا فاروس نامی مشہور روشنی کا مینارہ بنانا (جو عالم کے سات
عجائبات قدیم میں شمار ہوتا تھا) کیا مصر کی مشہور خوبصورت ملکہ کلیوپیٹرا کا
اپنے نام سے سنگین ستون نصب کرنا۔ (کہ جنمیں سے ایک خدیو اسمٰعیل پاشا
نے ۱۸۷۸ء سے لنڈن میں بھیجا اور دوسرا ۱۸۸۰ء سے نیویارک میں جو
دونوں اُن شہروں کی زینت بنے ہوئے ہیں) کیا حکیم اقلیدس۔ مہندس۔
ایراٹوستھنیز بطلیموس جغرافیہ دانوں اور ہپارکس استاد ہیئت کا یہاں
فیضان۔ یہ سب پرانے واقعات ہوگئے ہیں۔ ایسے ہی بعض متعصب عیسائیوں
کا وہ الزام بھی بے بنیاد ہے۔ جو کہتے ہیں کہ شہر سکندریہ کا بڑا کتب خانہ کہ
جسمیں سات لاکھ کتابیں علاوہ اسکے متعلقہ رصدگاہوں عجائب خانوں اور حیوانات
ونباتات کے باغات کے جمع تھیں۔ قیصر کے جنگوں سنہ ۴۸ و ۴۷
قبل مسیح میں آتشزدگی سے تلف ہوگیا تھا۔ لیکن چھوٹا کتب خانہ عمرؓ بن عاص
نے خلیفہ عمرؓ کے حکم سے جلا دیا تھا۔ تاہم بعض دیگر منصف مزاج عیسائی
مصنف ہی اسکی تردید بھی کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ایسے تھیوڈوسیس کے
حکم سے ۳۹۱ء میں جلایا گیا تھا۔ بہرحال وہ اسکندریہ جو قدیم سائنس فلسفہ
اور علم و ہنر کا معدن تھا۔ اور جسمیں کہ سلاطین بطلیموس کے عہد میں ساڑھے
سات لاکھ کے یونانیوں مصریوں رومیوں اور یہودیوں وغیرہ کی آبادی تھی
اٹھارہویں صدی کے آخر میں یعنے خدیو محمد علی کے زمانہ تک یہ صرف چھ ہزار
آدمیوں کی بستی رہگیا تھا۔ ۱۲۱۳ ہجری میں جبکہ سلطانوں نے اس شہر پر قبضہ

گیا تو حضرت عمر نے ایک خط میں اس شہر کی تعریف میں تحریر فرمایا تھا کہ اسمیں
چار سو حمام اور چالیس ہزار یہودی آباد ہیں۔ اسکے بعد پھر ایک مرتبہ رومیوں
نے اسے تباہ کیا۔ اور پھر قاہرہ پایۂ تخت اسلامی ہو جانے کی وجہ سے بھی
اسکی رونق کم ہو گئی۔ مگر خلیفہ مروان بن عبدالعزیز کے عہد میں پھر یہاں کی
آبادی چھ لاکھ ہونے کا پتہ ملتا ہے۔ لیکن صلیبی جنگوں کے زمانہ میں عیسائیوں
کی تاخت و تاراج سے پھر شہر بے چراغ ہو گیا اور اسکی تجارت باقی نہ رہی۔

اسکندریہ کی عمارات اور پررونق بازار۔

سکندریہ میں پہنچنے سے پہلے مجھے شان و گمان بھی نہ تھا کہ
سرزمین افریقہ پر بھی ایسا شہر موجود ہو سکتا ہے کہ جسکی عالیشان
عمارتیں پیرس اور ویانا کو یاد دلا دیں۔ مگر واضح رہے کہ میں یورپین حصہ کی عمارات
کا ذکر کر رہا ہوں۔ جہاں کے وسیع بازار اور دو رویہ چار چار پانچ پانچ منزل کی عمارتیں
دکانیں اور قہوہ خانے یورپ کے [illegible] سے اچھے پایۂ تخت کے لئے باعث زیب
و زینت ہو سکتی ہیں۔ خصوصاً [illegible] چند [illegible] ہیں۔ جس میں عدالت العالیہ
اور کمل پورٹ [illegible] [illegible] خدیو اول محمد علی پاشا کا روپہلی
اسپ سوار بت نصب ہے۔ یہ پہلا عامہ والا بت ہے۔ جو میں نے آج تک دیکھا ہے
گھوڑے کے زین رکابیں اور سوار کے کپڑے سب اسی زمانہ کے ہیں۔ بتا ہے
کے یورپین کوارٹر کی ناف شارع ارزبکیہ میں جو ابراہیم پاشا کا اسپ سوار بت
نصب ہے۔ وہ ترکی ٹوپی پہنے ہوئے ہے۔ ان دونوں نامور خدیووں کو
دیکھ کر انکے ولولہ دار کارنامے یاد آ جاتے ہیں۔ اگر ان کے جانشین بھی ایسے کام
کرتے جیسے کہ انہوں نے کئے تھے۔ تو خدا جانے آج مصر دنیا بھر کی قسمتوں
کا مالک ہوتا۔ یورپین حصے کے بازار نہایت کشادہ اور سیدھے ہیں دکانیں بیش
اسباب سے آراستہ۔ پتھر کی سڑکیں۔ اطراف میں پیدلوں کے چلنے کے
فٹ پاتھ ہیں۔ منشیہ میں رونق کی یہ حالت ہے کہ کھوے سے کھوا چھلتا ہے
اس وسیع چوک کے درمیان میں ایک بلند چبوترہ دور تک چلا گیا ہے۔ جس پر

بہت سے درخت ہیں۔ ان کے سایہ میں قہوہ خانوں کی ہزاروں کرسیاں اور میزیں پڑی ہوئی ہیں۔ اور دن بھر لوگوں کا ہجوم رہتا ہے۔ جو قہوہ پیتے گپیں ہانکتے اور اخبارات پڑھتے ہیں۔ بوٹ برش کرنے والے لڑکے سینکڑوں ہیں جو بار بار دق کرتے ہیں۔ ایسے ہی اخبار والے لڑکے۔ ان کے پاس المصید [illegible] الاہرام روزانہ اخبار اور انیس الجلیس ماہوار رسالہ علاوہ ایک فرنچ اخبار انگریزی اور یونانی اخبار کے ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ یورپین اخبار بہت بکتے ہیں۔ مگر ان کی قیمتیں دگنی لیتے ہیں۔ ہر چند کہ قاہرہ بہت بڑا شہر ہے اور [illegible] یورپین آبادی اور یورپین دکانیں بھی بہت زیادہ ہیں تاہم سکندریہ کے مکانات کی عظمت [illegible] سے چھپ نہیں سکتی۔ سکندریہ میں [illegible] کے ساتھ ترکی [illegible] میں پھرتی ہے اور [illegible] شہر [illegible] بہت ہے۔ سفید وردی والے [illegible] بہت [illegible] معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں میوہ جات کثرت سے ہیں جیسے [illegible] ان میں [illegible] بڑے میوے بھی ہیں۔ جیسے [illegible] نارنگیاں فرانس کے انگوریونان سے [illegible] سے [illegible] جہازوں میں [illegible] خصوصاً [illegible] شہر [illegible] سوا اپنے دریا کے یہاں اچھے [illegible] نہ تھے۔

سکندریہ سے قاہرہ تک | رات دن میں تین مرتبہ ریل گاڑی سکندریہ سے قاہرہ کو آتی جاتی ہے۔ فاصلہ ۱۳۰ میل ہے۔ میں ۸ بجے صبح [illegible] الہ بجے قاہرہ پہنچ گیا۔ سیکنڈ کلاس میں بڑے بڑے گدے [illegible] گاڑیوں سے بھی اچھے تھے۔ [illegible] روپے کی بعض ریلوں کی طرح [illegible] کے درمیان سے راستہ [illegible] یہاں تک کہ معمولی [illegible] بیٹھنے والے لوگ

ہی ریل میں چلتے پھرتے اور جوراب گھڑیوں کی زنجیریں وغیرہ چیزیں بیچا کرتے ہیں۔ اور گارڈ کسی سٹیشن پر گاڑی پہنچنے سے پہلے ہی اس سٹیشن پر اترنے والوں کے ٹکٹ لے لیتے تھے۔ مگر یہ تو ریل کے اندر کی حالت تھی۔ باہر کی کیفیت اور ہی تھی۔ سرسبز کھیتوں اور پانی کی نہروں اور نالیوں نے ایک وسیع باغ کا نمونہ بنا رکھا تھا۔ مصر کے مشہور کپاس اور نیشکر کے کھیت ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ اور یہ مصر کا تاریخی فلاح خیز [illegible] یا اگر یہ پیشگوئی [illegible] کے ٹخنوں تک پہنچا گیا ہے۔ ان کے تن [illegible] ہر طرف چیتھڑا نظر آتا ہے [illegible] اور یہ جیسے نیل کا اس سرزمین پر کس قدر فیض ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو مصر بھی [illegible] تب تو اس ریگستان سے گذر سکنا بھی مشکل تھا۔ ویسے نہر محمود [illegible] پاشا نے سلطان محمود اپنے آقا کے نام پر نیل سے [illegible] جاتی ہے تاہم باوجود پانی کی اس بہتات کے [illegible] بیٹھے ہوئے ساحلوں کے جھونپڑوں پر ریت کے ڈھیر جمع ہو جاتے ہیں۔

[illegible] پیر پرستی — راستہ میں [illegible] سٹیشن پڑتے ہیں [illegible] اور [illegible] سید احمد بدوی علیہ الرحمۃ کا مزار ہونے کے مصریوں کی نظر میں ویسی ہی احترام کے قابل ہے جیسے کہ ممالک مشرق کے مسلمانوں کی نظر میں شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ کا مزار [illegible] معلوم ہوتے ہیں کیونکہ [illegible] بہت [illegible] کے [illegible] خصوصاً [illegible] والے مردوں اور زیادہ تر عورتوں کا بڑا ہجوم رہتا ہے۔

[illegible] — اس [illegible] کے ثبوت کے لئے کہ مصر [illegible] کا ملک ہے۔ دور [illegible] کرنے کی ضرورت نہیں [illegible] دیکھا کہ ساتھ ہی کی [illegible] سے [illegible] کے متوازی چلتی ہیں۔ [illegible] مختلف آبپاشی کے ذریعوں سے کسان اپنے کھیت [illegible] ہیں۔ اکثر کھیتوں میں تر پانی [illegible] کاٹ دینے سے [illegible] جاتا ہے۔ لیکن جن میں

نہیں لگتا۔ ان میں سندرہ ذیل وسائل اختیار کیے جاتے ہیں۔ دل تو چھالا تو مشہور طریق ہے۔ دوسرا ... ہم پنجاب میں پایا جاتا ہے۔ اور ... بھی پنجابی ہی ہے۔ ایک لکڑی ... دو شخص اس کے ذریعے سے بالمقابل کھڑے ہو کر نشیب پانی ... پھینکتے رہتے ہیں۔ سوم ایک لکڑی کا ... ڈیڑھ بالشت سوا بالشت چوڑا اور تین انچ اونچا بدان ... ایک شخص نشیب پانی میں کھڑا ہو کر اسے اپنی طرف ... اور وہ پانی ... جلدی سے یہ سرا اٹھا سے کھیت میں ... چہارم ... ہندوستان میں بھی موجود ہے۔ لیکن یہ پانی طریقہ ہند میں موجود نہیں ... پانی ... سے پانی ... پشت ... ہیں ... ایک سرا اس کا پانی میں ... گیا تھا۔ وہ اوپر چڑھ جاتا ہے اور ... جاتے ہیں۔



اسکو بخوبی سمجھنے کے لئے تصویر کو غور سے دیکھیں ... یہ طریق زمانہ قدیم سے ... سے جاری ہوا تھا۔ اور اسی زمانے سے پانی کی پانتوں کے ... جاری ہے۔ لیکن ... یعنی یونانی چلی کا جدید طریق ... کی نسبت میں پہلے ... ہوں کہ اسے ہندوستان میں ضرور رائج دینا چاہیئے ... طریق ... پانی ... ہے ... ایک آدمی چلا سکتا ہے۔ مگر اس کے ذریعے سے

جو پانی کی مقدار بارش کی نالی سے کراتی ہے۔ وہ کھیت کی ضرورت کے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔ یہ طریقے آبپاشی کے مصر میں جاری ہیں۔ اور سب نہایت [illegible] سادے اور ان میں سے اکثر ابتدائی حالت میں ہیں۔

قاہرہ کی تاریخ [illegible] [illegible] ل مصر اپنے پایۂ تخت کو قاہرہ نہیں بلکہ مصر کہتے ہیں قاہرہ کی موجودہ جگہ پر جو [illegible] کی چوڑائی سے [illegible] دریائے نیل کے مشرق کی طرف آباد ہے اور [illegible] پورٹ سعید سے ۱۴۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ قدیم زمانہ میں [illegible] بابل کا ایک شہر [illegible] [illegible] ہو گیا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] جب حضرت عمر ابن الخطاب نے عمرو بن عاص کو [illegible] [illegible] اور عطا کی [illegible] کے ذریعے [illegible] اسلام [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible] شہر کی [illegible] [illegible] [illegible] بنا [illegible] [illegible] [illegible] ہیں۔

[illegible] شہر کو بہت [illegible] کر کے اسکے گرد [illegible] کی شہر پناہ [illegible] [illegible] کو بھی شہر کے اندر آباد ہونے [illegible] [illegible]

[illegible] ساتھ ہی اسی زمانہ سے عیسائی اقوام کی رعایا کو وہ مراعات دینی
شروع ہو گئیں کہ جنکی بدولت اسوقت [illegible] الاقوامی یا مخلوط عدالتیں
قایم ہیں۔ سنہ ۱۵۱۷ء میں [illegible] انقلاب خلافت
کے بعد قاہرہ ایک ترکی [illegible] بعد نپولین بونا
پارٹ نے جولائی سنہ ۱۷۹۸ء کو [illegible] چند ماہ بعد
اہل مصر نے ایک روز [illegible] سے شدت
انتقام لیا اور [illegible] تیغ کر دیے۔ مگر [illegible] تیغ کی عمر
بہت قلیل تھی۔ سنہ ۱۸۰۱ء میں [illegible] بھیجا جنے
سنہ ۱۸۱۱ء میں قلعہ میں ایک دعوت پر [illegible] کو بیدریغ
تہ تیغ کر دیا۔

| مساجد | [illegible] ایک [illegible] کے اگر [illegible] قاہرہ کے
[illegible] اپنے [illegible] طالی زمانہ
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ہیں۔
[illegible]
ہوئے ہیں [illegible]
بھی اکثر [illegible] موجود ہیں۔

| مسجد [illegible] | [illegible] سیدہ زینب [illegible] کے ساتھ جو سنہ [illegible]
کی تعمیر معلوم ہوتی ہے [illegible] انداز نقاشی ہوئی
ہوئی ہے۔ [illegible] خوب صورت
اور پر تکلف نئی مسجد [illegible] ستون ہیں اور جنکی چھت
منقش ہے [illegible] ہے جس کا

عورتیں زیادہ ہوتی ہیں۔ جو کہ کثرت پیتل کے جنگلے میں ہاتھ ڈالے کھڑی رہتی ہیں۔ چونکہ میں قاہرہ میں زیادہ دن نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ میں زمانہ قیام کا اکثر وقت گدھے پر یا گاڑیوں پر ہی سوار رہا۔ کیونکہ قاہرہ میں بہت سے قدیم زمانہ کے آثار۔ مساجد اور مقابر دیکھنے کے قابل ہیں۔

ٹریموے ہر چند کہ یہاں برقی ٹریموے بہت دور تک چلتی ہے۔ یہاں تک کہ اہرام مصری (مصر کے مشہور مخروطی مینار) جو شہر سے آٹھ دس میل دور ہونگے لیکن وہاں تک بھی برقی ٹریموے جاتی ہے۔ جس کا کرایہ ہر مسافت کے لئے یکساں ہے۔ اور یہاں کے تنگ بازاروں میں چھوٹی چھوٹی آہنی بس گاڑیاں اور وکٹوریا گاڑیاں گھوڑوں سے چلتی ہیں۔ لیکن سب سے بڑی سواری یہاں کے گدھے ہیں۔ جو گو بہت چھوٹے قد کے ہوتے ہیں مگر

گدھے کی سواری بڑے تیز گام سبک رفتار اور خوبصورت ہوتے ہیں۔ اور اکثر زن و مرد مصری اور یورپین ٹورسٹ ان پر سوار ہوتے ہیں۔ ان کا کرایہ بھی سستا ہے۔ اور تنگ اور پیچدار گلیوں میں یا کچے رستوں پر جہاں کہ گاڑیاں نہیں چل سکتیں۔ بڑی تیزی سے مسافروں کو پہنچاتے ہیں۔ اسلئے بہت لوگ اس سواری کو پسند کرتے ہیں۔ اس واسطے جا بجا بازاروں میں گدھے [illegible] مکانوں کے [illegible] آتے ہیں۔ یہ گدھے والے اکثر لڑکے ہوتے ہیں۔ جو تیز رفتاری میں اپنے گدھوں سے کسی طرح بھی کم نہیں بلکہ برابر پیچھے سے گدھے کو مار کر دوڑتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ جب تنگ بازاروں سے گذرتے ہیں۔ تو چلا چلا کر۔ الفاظ بولتے جاتے ہیں بالک بینک۔ یمینک۔ شمالک۔ [illegible] جن سے ان کا مطلب [illegible] ہوتا ہے۔ یعنی آگے چلنے والے شخص کو کہتے ہیں۔ [illegible] بہت [illegible] بچنے پر گدھے [illegible] والا ہے۔

نماز جمعہ کی [illegible] اہل مصر [illegible] جمعہ [illegible] ہیں۔ [illegible] یعنی [illegible]

یگل ۔ موجود کو موگود ۔ اور جبل (درخت) کو گبل کہتے ہیں ۔ علاوہ اس کے
ث کو ت کی طرح ملفوظ کرتے ہیں ۔ جیسے کثیر کو کتیر ۔ اور ذ کو جبکہ آخر کلمہ
میں ہو ڈ کہتے ہیں ۔ مثلاً علےٰ طریق الرشاد کو رشاڈ کر کے پڑھیں گے ۔
اسی طرح ق کو الف جیسے قدیم کو ادیم ۔

| بگڑی ہوئی عربی زبان | مصر اور شام وغیرہ ممالک میں جو عربی آجکل بولی جاتی ہے وہ نہ تو صرف و نحو کے لحاظ سے درست ہوتی ہے اور نہ اسکے الفاظ ہی صحیح ہوتے ہیں ۔ اور لطف یہ ہے کہ نہ جاہل لوگ ہی یہ غلط بولی بولتے ہیں ۔ بلکہ بڑے بڑے علماء بھی اسی ہی زبان میں بات چیت کرتے ہیں ۔ البتہ جب کتاب یا اخبار لکھتے ہیں تو صحیح ورنہ عامیانہ بولتے ہیں ۔ المار روپانی کو مصری الموبہ کہتے ہیں ۔ آب ما کو موقش ۔ ماء سمک کو شرا سمک ۔ آتی شے کو ایش وغیرہ وغیرہ ۔ برلین کے عالم علوم مشرقی ڈاکٹر مارٹین ہرتن نے ایک مرتبہ ایک جدول عربی زبان کے مختلف لہجوں کا مرتب کیا تھا جسمیں بیروت ۔ قاہرہ اور تیونس کے مختلف لہجات کا مقابلہ کر کے دکھلایا تھا ۔ یہ جدول رسالہ المنار جمادی الثانی ۱۳۲۸ھ سے حسب ذیل نقل کیا جاتا ہے ۔ جس سے ناظرین کو معلوم ہو جائیگا کہ آجکل مختلف عربی بولنے والے ممالک کی زبان اور فصیح عربی میں کس قدر اختلاف ہے ۔ جدول یہ ہے ۔

لغت عربی کے مختلف لہجوں کا جدول

صحیح لہجہ	لہجہ بیروت	لہجہ قاہرہ	لہجہ تونس (شمالی افریقہ)
هذا الوقت	هلق	دلوقت	توّا
هنا	هون	هنه	هونی
متاخرا	لقیش	وخری	متوخر
باكرًا	بكير	بدری	بكوی

صحیح لہجہ	لہجہ بیروت	لہجہ قاہرہ	لہجہ تونس [illegible]
کیف حالك	کیف حالك	زیّك	کیف حالك
ما هذا	شو هیدا	دا ایه	اشنو ماهذا
ما اسمك	شو اسمك	اسمك ایه	سمك
لم ضربته	لیش ضربتو	ضربتوا لیه	علاش ضربتو
مثل	متل	زی	کیف
اکتب	بکتب	بکتب	نکتب
نکتب	منکتب	بنکتب	نکتبو
او	یا	ولّا	ولّا
رجل	[illegible]	رجل	راجل
هکذا	هیك	[illegible]	هكا
لاجل	من شان	علشان	علی خاطر
متی	ایمتی	امتی	وقتاش
بقی - دام - ظل [illegible]			بقا
نحن	نحن [illegible]	احنا	احنا
لا اقدر	ما فینی	ما قدرش	ما نجم شی
هم	هن	هم وهما	هوما
رجل	رجال	راجل	راجل
ای جنس	اینا جنس	انه جنس	آن جنس
ابة جهة	اینا جهة	انه جهة	آن جهة
لا یهمّ	ما بیهمّ	ما علیش	ما یسالش

مصری مردانہ لباس | [illegible] ترکی کے مصر میں ابھی مصری لوگ یورپین لباس نہیں پہنتا گو بہت سے نوجوان یورپین تعلیم پاکر یورپین لباس پہنے لگے ہیں۔

لیکن ابھی تک زیادہ مصری اپنا قدیم لباس پہنتے ہیں۔ مصریوں کا قدیم لباس سر پر سرخ
ترپوش کے گرد سفید لفہ نیچے اوپر دو لمبے۔ ڈھیلے عبا جو ٹخنوں تک نیچے ہوتے ہیں
جن میں سے نچلے کی آستینیں کہنیوں سے ایک بالشت لمبی ہوتی ہیں۔ اور چونکہ ہاتھ
کے قریب ان کی سلائی نہیں کیجاتی۔ اس لئے ہاتھ سے نیچے تک جاتی ہیں۔ یہ عبا عموماً
دھاریدار ریشمی کپڑے کی ہوتی ہے۔ مگر دونوں کے کالر کسی طرح کے نہیں ہوتے۔ اور
چونکہ مصری لوگ ذرہ بھی خوش وضع۔ قوی الجثہ اور تناور ہونے کا دعوے نہیں کر سکتے
ان کا یہ لباس انہیں اور بھی کریہ منظر بنا دیتا ہے۔ کیونکہ بطور قاعدہ کلیہ کے یہ لوگ ڈاڑھی
رکھ کر مقراض کی نذر کرتے رہتے ہیں۔ یہانتک کہ ان کے بوڑھے اور سفید ریش لوگ
بلکہ علما بھی خشخاشی داڑھیوں پر نازاں ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض لوگ جو ڈاڑھی
کو استرہ کے حوالے نہیں کرتے۔ قینچی سے استرہ کے برابر خدمت لے لیتے ہیں۔ سر کی
پگڑی ٹوپی کے اوپر ایک پٹی سی لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔ جس سے ان کے سر چھوٹے
اور گردنیں لمبی معلوم ہوتی ہیں۔ اور رنگ عموماً سانولے ہوتے ہیں۔ مگر ہمیں صورت کی
نسبت سیرت کا زیادہ خیال رکھنا چاہیئے۔ اور مجھے اس بارہ میں بھی ناظرین کو مایوس
کرنا پڑتا ہے کہ میں بحیثیت مجموعی اہل مصر کی لیاقت کی نسبت کوئی اعلےٰ خیال نہیں پیدا
کر سکا۔

اصلی مصریوں کی ہستی اور سیت ہستی

مصری دراصل کیا قوم ہے؟ یہ سوال ہر پایہ تخت مصر میں جانے والے
شخص کے دل میں ضرور پیدا ہوتا ہے۔ اگر اسے ذرہ بھی مختلف اقوام
کی قومی خصوصیات معلوم کرنے کا شوق ہے۔ نہایت مختصر پیرایہ میں اس سوال
کا جواب میں یہ دے سکتا ہوں کہ اس وقت جتنے لوگ اہل مصر کہلاتے ہیں۔ وہ
یا تو مسلمان ہیں۔ یا قبطی عیسائی۔ مگر چونکہ عیسائی مصر کی آبادی کا بہت قلیل جزو
ہیں۔ اور مسلمانوں میں بھی قبطی نسل کے بہت لوگ موجود ہیں۔ اس لئے میں مسلمانوں
کی تقسیم بیان کرتا ہوں۔ مصر کے قدیم باشندے یہی قبطی لوگ ہیں۔ مگر اسلامی فتوحات
کے ابتدائی زمانہ سے بہت سے عرب اس ملک میں آکر آباد ہو گئے۔ ان کے ایک ست

بعد ترکوں نے اسکو فتح کیا - اور بہت سے ترک بحیثیت قوم فاتح اسملک میں آکر ٹھہر گئے - اب یہ سب لوگ سوائے ترکوں کے جو شکل صورت اور نیشن میں بھی الگ معلوم ہوتے ہیں اور جو آفندی کہلاتے ہیں - سب مصری کہلاتے ہیں لیکن لنگین کے قیافوں سے مجھے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک مصر کی زیادہ آبادی اور قریباً تمام فلاح اصلی اجپشنز کی نسل سے ہیں - لہذا اُن کے ارادے اور خیالات اسی نسبت سے پست ہیں کہ جتنی ان کی نسل قدیم ہے - بہرحال مصر کی تمام آبادی بجز ترکی النسل اجزا کے ترکوں اور شامیوں سے شائستگی اور قابلیت میں بہت پیچھے ہے -

مصر کے پالٹیکس

کیپیچولیشن یا معاہدات پندرھویں صدی عیسوی یا اس کے بعد عثمانی سلاطین نے مختلف عیسائی ممالک کی رعایا کو اپنی قلمرو میں کئی کئی مراعات دیکر آباد کیا تھا - جنہیں مدبرین یوروپ کیپیچولیشن کہتے ہیں - اور جنکا ذکر ٹرکی اور مصر کے متعلق بار بار آتا رہتا ہے - اصل غرض اس زمانہ کے سلاطین کی یہ تھی کہ عیسائی سوداگروں اور نو آبادکاروں کی حفاظت کیجاوے - اور انہیں نقصان سے محفوظ رکھا جاوے - مسلمان سلاطین کے خواب میں بھی یہ خیال نہ آیا ہوگا - کہ کسی وقت عیسائی دولتیں اتنی زبردست ہوجاینگی کہ ان مراعات سے ناجائز فائدہ اٹھا سکیں گی بہرحال عیسائیوں سے یہ تین خاص مراعات ملحوظ رکھی جاتی تھیں - (۱) ہر قسم کے ٹیکس سے محفوظ رکھنا - (۲) مجرم کے ملک کے حکام کے سامنے اسکا مقدمہ پیش کرنا (۳) مقامی عدالتوں کو اسپر مقدمہ کرنے کا اختیار نہ ہونا - چونکہ مصر بھی ایک ترکی صوبہ تھا - اسلئے جو وعدے سلاطین ترک نے مختلف عیسائی ممالک کی رعایا سے قلمروئے ترکی میں ملحوظ کئے جاتے تھے وہی مصر میں بھی مسلم سمجھے گئے -

چار قسم کی عدالتیں ۱- چونکہ مصر میں دو عملی اور بے عملی کا دور آیا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے تو لازم ہوا کہ مختلف یورپین ممالک کی رعایا کے مقدمات وہیں کے حکام کے

موجود ہوں۔ لیکن اگر دو یورپین اقوام کے باشندوں کے مابین تنازعہ ہو تو وہ ایک مخلوط یا بین الاقوام عدالت میں پیش ہو۔ ان وجوہات سے مصر میں حسب ذیل چار اقسام کی عدالتیں قائم ہونی ضروری ٹھیریں۔ (۱) محاکم اہلیہ یعنے ملکی عدالتیں۔ ان میں اہل ملک کے ہر قسم کے مقدمات حسب ملت کے فیصل کئے جاتے ہیں۔ (۲) محاکم شرعیہ۔ یعنے دینی عدالتیں۔ ان میں صرف مسلمانان مصر کے مقدمات نکاح طلاق نان نفقہ وصیت میراث وغیرہ دینی امور کے طے پاتے ہیں۔ (۳) محاکم قناصلیہ یعنے غیر ممالک کی قنصلوں کی عدالتیں۔ ان میں غیر ممالک کے باشندوں کے ایسے مقدمات فیصل ہوتے ہیں جو اسی قنصل کے ملک کی رعایا ہوں۔ (۴) محاکم مختلطہ یعنے مخلوط عدالتیں۔ ان میں تمام ایسے ملکی تجارتی دیوانی اور فوجداری مقدمات فیصل ہوتے ہیں۔ جو مصری اور غیر ممالک کے باشندوں یا دو اجنبی اقوام کے باشندوں کے مابین دائر ہوں۔

ایک خلل ان چار قسم کی عدالتوں سے بجائے آرام کے بہت سی دقت پیدا ہو گئی ہے۔ مگر مصر کے دو عملی کی وجہ سے مجبوراً ایسا کیا گیا ہے۔ مثلاً اس وقت مصر میں یورپ کی ہر سلطنت کی رعایا موجود ہے کہ جن کے نام اپنے اپنے ملکوں کے سفارت خانوں میں رجسٹر ہوئے ہیں۔ فرض کرو کہ ایک مصری کا بازار میں کسی اٹلی کے باشندہ سے جھگڑا ہو گیا۔ اور اٹلی کے باشندہ نے اس مصری کو خوب پیٹا۔ مصری کانسٹبل سامنے کھڑا دیکھ رہا ہے۔ جب مصری پٹ چکا۔ تو مصری کانسٹبل نے اس کے مارنے والے کو پکڑنا چاہا۔ مگر وہ اس سے بھی ٹھونکنے کو تیار ہو گیا۔ اور چونکہ وہ غیر ملک کی رعایا ہے۔ مصری کانسٹبل اور مصری قانون کا اسپر اختیار نہیں۔ اسپر سپاہی نے اسی پر اکتفا کیا کہ پٹے ہوئے شخص کو پکڑ کر پولیس کی چوکی میں لیجائے۔ اگر وہاں سے اسے چند اور پولیس مل گئے۔ اور ان کی مدد سے اس نے پیٹنے والے غیر ملک کے باشندے کو پکڑ لیا۔ تو وہ اسے تھانہ میں لے آیا۔ اب تھانہ اسکی نسبت اور کوئی کارروائی سوائے بیان لینے یا اسکے

حراست میں رکھنے کے نہیں کر سکتا۔ جبکہ وہ کہتا ہے۔ کہ میں فلان غیر ممالک کی رعایا ہوں۔ اگر اس غیر ملک کی رعایا کے دفتر میں اسکا نام مل گیا۔ تو غیر ملک کے سفیر نے اسے لے لیا۔ اب اُسے اختیار ہے۔ کہ جو سزا اُسے مناسب سمجھے دے یا نہ دے۔ مصری پولیس یا مصری کورٹ کا اسپر کوئی اثر نہیں رہا۔ جدیوانی مقدمات مصریوں اور غیر ممالک کی رعایا کے درمیان ہوتے ہیں۔ اُن کے فیصلے مخلوط عدالت کرتی ہے۔ جسمیں مصری اور غیر ممالک کے جج ملکر فیصلہ کرتے ہیں۔

خاندان خدیوی | جب مملوک امرا کی طرف سے محمد علی کو کوئی خدشہ نہ رہا تو اُسنے یورپین طریق پر فوج جرار تیار کی۔ اور مصر کا انتظام ٹھیک کر کے خودمختاری کا دم بھرنے لگا۔ سلطنت عثمانیہ کی طرف سے اسکی گوشمالی کی جو تدابیر اختیار کی گئیں۔ اُن میں کامیابی نہ ہونے پر اسکا حوصلہ اور بھی بڑھ گیا۔ اور سلطان محمود ثانی کے عہد میں ۱۲۴۷ھ میں اُسنے کھلم کھلا علم بغاوت بلند کر دیا۔ بلکہ دمشق و حلب کو فتح کر کے قسطنطنیہ کیطرف بڑھنا شروع کیا۔ اور اگر انگریزی اور فرانسیسی جنگی بیڑے اُسے بیروت پر ۱۲۵۶ھ میں شکست نہ دیتے تو اندیشہ تھا کہ وہ قسطنطنیہ کو بھی فتح کر لیتا۔ ۱۲۵۷ھ میں ایک معاہدے کے مطابق سلطان عبدالمجید نے مصر کی گورنری کا عہدہ محمد علی پاشا کے خاندان میں موروثی کر دیا۔ گو مصر بدستور ٹرکی کا باجگذار رہا۔ محمد علی کے انتقال کے بعد ابراہیم پاشا۔ عباس پاشا۔ اور سعید پاشا خدیو ہوئے۔ مگر محمد علی کی سی لیاقت کسی میں نہ تھی۔

خدیو اسمعیل اور مصری قرضہ | آخر اسمعیل پاشا جسنے فرانس میں تعلیم پائی تھی خدیو ہوا۔ تو اُسکی طبیعت میں سلطنت مصر کو یورپین طریقہ پر چلانے کے بڑے بڑے ولولے تھے۔ اُسنے بہت کچھ کوشش کی ملک میں ریلیں اور کچھ کارخانے جاری کئے۔ شہر قاہرہ کی کایا پلٹ کر اُسے چھوٹا پیرس بنا دیا۔ مگر ان سب تکلفات کے لئے بہت کچھ روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسمعیل پاشا نے فرانس اور انگلستان کے ساہوکاروں سے بہت سا قرضہ اٹھا لیا۔ اسی اثنا میں سلطان عبدالعزیز کے عہد میں اپنے

ادھر وزیر نوبار پاشا کی تحریک سے اُسنے باب عالی میں بہت کچھ بیش قیمت تحائف پیش کر کے ۱۸۶۷ء میں خدیو مصر کا خطاب پیشگاہ سلطانی سے حاصل کیا اور ساتھ ہی ملکی نظم و نسق اور غیر سلطنتوں سے خود مختارانہ معاہدے کرنے کا حق بھی حاصل کر لیا۔ جو اسوقت تک گورنران مصر کو حاصل نہ تہا۔ اسکے عوض میں باب عالی کو (۴۰۰۰۰) ہزار پونڈ کی بجائے ساٹھ لاکھ بیس ہزار پونڈ سالانہ خراج دینا منظور کیا۔ ساتھ ہی قرار پایا کہ سکہ کی دوسری طرف سلطان المعظم کا نام مضروب ہو اور مصری فوج کے تمام نشانات و علامات سلطانی ہوں۔ نومبر ۱۸۶۹ء میں نہر سویز کا افتتاح ہوا جو ایم ڈی لیسپ ایک فرانسیسی انجینیر کی کوشش سے کہودی گئی تہی۔ ۱۸۷۵ء میں مسٹر گرین وڈ ایک انگریزی اخبار نویس کی تحریک سے انگلستان نے نہر سویز کے بہت سے حصے خرید لئے۔ ادہر سے خدیو اسمٰعیل کی بدتدبیری سے اسکے قرضہ کا سود بھی ادا نہ ہوسکا جس پر انگلستان اور فرانس کے قرضخواہوں نے شور مچایا۔ اور ان دونوں سلطنتوں نے سلطان عبد الحمید خان ثانی کو اس بات پر آمادہ کیا کہ بحیثیت شہنشاہ مصر ہونے کے خدیو اسمٰعیل کو معزول کریں۔ اور مصر کے مالیہ ان کے قرضہ کی ادائیگی کا انتظام کریں۔ چنانچہ ۱۸۷۹ء میں باب عالی کے حکم سے خدیو اسمٰعیل کو معزول کر کے اسکے بیٹے توفیق پاشا کو خدیو مصر بنایا گیا۔ چونکہ فرانس اور انگلستان کے ماہرین سد کا مالی انتظام کرتے تھے۔

بغاوت عربی و انگریزی قبضہ مصر اسپر مصر کی قومی پارٹی ناراض تہی کہ جسنے عربی پاشا کی سرپرستی سے ۱۸۸۲ء میں بغاوت کی۔ انگریزوں نے باب عالی اور نیز فرانسیسی فوج سے امداد کی خواہش کی۔ مگر انہوں نے توجہ نہ کی۔ اسپر انگریزی فوج نے تہوڑی سی جنگ کے بعد عربی کی بغاوت کو فرو کر دیا۔ اور اسطرح انگریزی فوج کو ملک میں امن قایم رکھنے کیلئے رہنے کا حیلہ ملگیا۔ اسی اثنا میں سوڈان میں بغاوت ہوئی اور وہ مصر کے قبضے سے نکل گیا۔ مگر مصر جنرل کچنر نے مصری و انگریزی افواج کے ذریعہ

سے علاقے خلیفہ عبداللہ تعائشی سے چھین لیا۔

خدیو عباس پاشا ۱۸۹۲ء میں خدیو توفیق نے انتقال کیا جبکہ موجودہ خدیو عباس حلمی مع اپنے چھوٹے بھائی کے ویانا میں تعلیم پاتے تھے۔ سلطان اعظم نے اپکے جانشینی کا فرمان جاری کیا۔ اور یہ مصر میں آکر تخت نشین ہوئے۔ خدیو عباس بڑے روشن ضمیر اور لائق حکمران ہیں۔ اور بالکل اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ یورپین حکمرانوں کی طرح حکومت کرتے ہیں۔ سوائے عربی اور ترکی کے فرانسیسی جرمنی اور انگریزی کا جو یورپ کی بہترین اول درجہ کی زبانیں ہیں۔ بخوبی جانتے ہیں۔ مگر چونکہ ایک طرف سلطان روم کی ماتحتی اور دوسری طرف انگریزی ایجنٹ کی نگرانی کا دباؤ ہے۔ اسلئے ان کی حکومت عجیب بے اختیاری کی حکومت ہے ؎

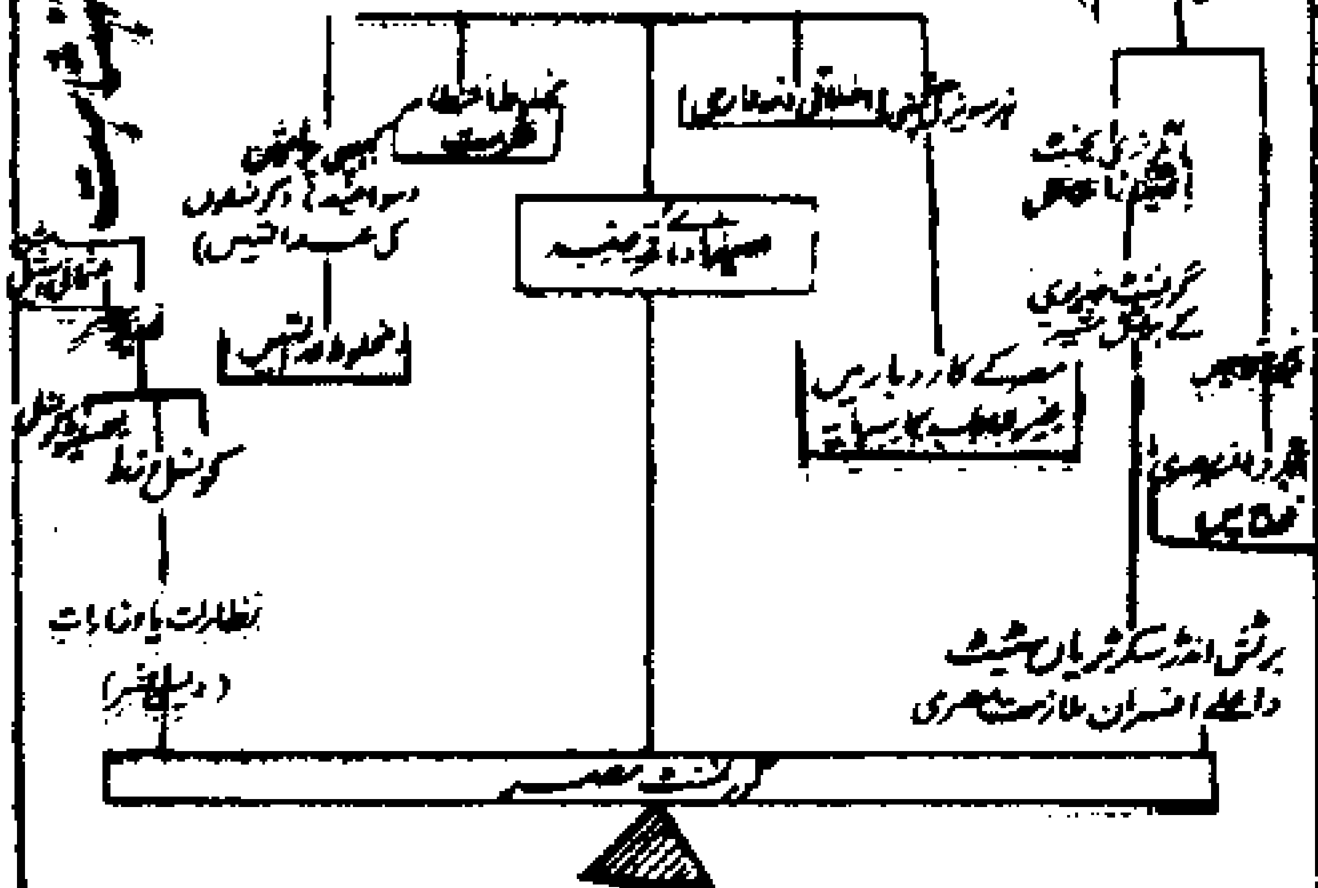
غم صیاد و فکر باغبان ہے
دو عملی میں ہمارا آشیان ہے

اب انخلائے مصر کی امید نہیں رہی۔ گو گذشتہ بیس سال سے مصر پر انگریزی فوج کا قبضہ ہے لیکن چونکہ فرانس نے اس قبضہ کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ اسلئے انگریز مصر پر اپنی من مانی حکومت نہیں کرسکتے تھے۔ لیکن ۱۹۰۴ء سے انگلستان نے فرانس سے مصر کے متعلق معاہدہ کرلیا ہے۔ کہ فرانس انگلستان کے قبضہ مصر کے راہ میں مخل نہ ہو اور اسکے عوض میں انگلستان نے فرانس کو مراکش کی سلطنت کا پورا اختیار دیدیا ہے۔ اسطرح سے جو کبھی انگلستان سے مصر خالی کر دینے کی امید تھی وہ بھی جاتی رہی ہے۔ گو پہلے پہل انگلستان و فرانس نے قرضہ مصر کے انتظام کے لئے مصر میں مداخلت کی تھی۔ مگر اب نہر سویز جو ہندوستان کا شاہراہ ہے۔ انگلستان کو ہرگز قبضہ مصر چھوڑنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ جبتک کہ ملک ہندوستان انگریزوں کے ہاتھ میں ہے وہ ضرور مصر کو اپنے ہاتھ میں رکھیں گے۔ اسلئے مصر میں جو "سلطنت گورنمنٹ" اور "مصر مصریوں کے لئے" کی خواہش سے قومی فریق قائم ہوا ہے۔ فی الحال کوئی امید نہیں کہ انگلینڈ اسکی پکار کی طرف توجہ کرے

فرانس اب ۱۸۸۲ء کی طرح خدیو مصر سے مطالبہ نہیں کر سکتا - ترکی اپنی حالت میں خود حیران ہے وہ مصر کے تخلیہ کے لئے سلطنت انگریزی پر کوئی دباؤ نہیں ڈال سکتا ہرچند کہ وہ مصر کا جائز وارث خراج گیر اور باج گیر شہنشاہ ہے - ان حالات میں سوائے اس کے کہ مصر تب تک انگریزی نگرانی میں رہے اور کوئی صورت نظر نہیں آتی - گو بظاہر انگریزی ایجنٹ صرف نگرانی کرتا ہے لیکن دراصل حکومت کی زمام اسی کے ہاتھ میں ہوتی ہے - اس لئے مصر کی پیچیدہ پولیٹکل حالت کا نقشہ

موجودہ پولیٹکل حالت جو اسے - سلوایٹ صاحب نے اپنی کتاب "آکیوپیشن آف ایجپٹ" میں درج کیا ہے - اسے میں ذیل میں نقل کرتا ہوں -

انگریزی مصر



فنانس (سرمایہ)

لیکن مندرجہ بالا جدول سے اگر انگریزی اور غیر ممالک کے قرضہ اور سرمایہ کا

سال اٹھ بھی جائے تاہم انگریزی قبضہ غیر معین زمانہ تک رہتا نظر آتا ہے۔

مصر میں تعلیم کی ترقی

انگریزی قبضہ کی برکتیں لیکن یہ صریح بے انصافی ہوگی اگر ہم انگریزی قبضہ مصر کی برکتوں کو صرف اس وجہ سے نظر انداز کر دیں کہ انگریزوں نے بے انصافی سے اور اپنے ابتدائی وعدوں کے خلاف مصر پر اپنے قبضہ کو طول دے رکھا ہے۔ اگر صرف ایک بات آزادی پریس کو ہی لے لیا جائے تو اسکی بدولت اہل مصر کو اسقدر فوائد حاصل ہوئے ہیں کہ جنکا حصر ہیں آسکنا مشکل ہے۔ اسوقت مصر بھی علاوہ اخبارات پولیٹیکل مضامین پر آزادی سے بحث کرنے اور ترجمہ کی علمی کتابیں چھاپنے میں یوروپ کے اچھے اچھے ملکوں کے برابر ہے۔ افسوس ہے کہ میرے پاس اسوقت صرف سنہ ۱۸۹۹ء تک کے اعداد ہیں۔ انگریزی قبضہ بغاوت عرابی پاشا فرو کرنے کے بعد سنہ ۱۸۸۲ء سے شروع ہوا۔ اور اس پندرہ سال کے عرصہ میں مصر میں حسب ذیل مادی ترقی ہوئی۔

سنہ ۱۸۸۲ء میں مصر کی کل آبادی ۶۸ لاکھ ۱ ہزار تھی جو سنہ ۱۸۹۷ء میں ۹۷ لاکھ ۳۴ ہزار ہوگئی یعنے ۲۹ لاکھ کی ترقی ہوئی۔

- شہروں قصبوں دیہوں کی تعداد ۳۰۴۲ تھی جو سنہ ۱۸۹۷ء میں ۴۱۸۱ ہوگئی
- محاصل ۹۰ لاکھ پونڈ تھے جو سنہ ۱۸۹۷ء میں ایک کروڑ ۱ لاکھ پونڈ تک پہنچ گئے (حالانکہ بعض محصول اور ٹیکس کاشتکاروں کے معاف کیے گئے)
- تجارت درآمد ۱۰ لاکھ ۸ ہزار ٹن تھی جو ۲۲ لاکھ ۲۲ ہزار ٹن ہوگئی۔
- محصول چونگی اٹھائی لاکھ پونڈ وصول ہوا جو ۱۰ لاکھ ۳۹ ہزار پونڈ تک پہنچ گیا۔
- کل ملک میں ۱۴۴ ڈاکخانے تھے جو ۸۸۰ ہوگئے۔
- تخمیناً پانچ ہزار لڑکے مدارس میں تھے جو دس ہزار ہوگئے اسکولوں کی تعداد چند گونہ ہوگئی
- سنہ ۱۸۸۲ء میں خرچ فوج ۲۴ ہزار پونڈ تھا جو ۸ لاکھ ۴۰ ہزار پونڈ سے اوپر ہے

سنہ ۱۸۸۰ء میں مصری قرضہ کی تعداد ۹۸ کروڑ ۷ لاکھ پونڈ تھی۔ اور سود کی ادائیگی ۴۰ لاکھ ۴۰ ہزار پونڈ تھا } جو سنہ ۱۹۰۰ء میں ۹ کروڑ ۰۰ لاکھ پونڈ اور سود وغیرہ ۳۰ لاکھ ۴۴ ہزار پونڈ رہ گیا۔

اسیطرح آجتک بہت کچھ ترقی ہوچکی ہے۔ چنانچہ سنہ ۱۹۰۰ء میں کل محاصل ایک کروڑ ۴۰ لاکھ پونڈ سے متجاوز تھے۔ اور تعداد طلبا مدارس سرکاری میں سنہ ۱۹۰۰ء میں انیس ہزار تک بڑھ گئی ہے۔

مصر میں تعلیم کی حالت پر لارڈ ڈفرن کی رپورٹ

سنہ ۱۸۸۳ء میں لارڈ ڈفرن نے حالات مصری جو رپورٹ لکھی تھی۔ اسمیں اسملک کی تعلیم کا یوں تذکرہ کیا تھا۔

اُسوقت مصر میں جتنے مدرسے موجود ہیں وہ تین قسم کے ہیں۔

اوّل جامع الازہر۔ اسمیں آٹھ ہزار طالب علم ہیں جنکو تین سو استاد تعلیم دیتے ہیں۔ اور اسمیں علوم ذیل پڑھائے جاتے ہیں۔ علم کلام۔ فقہ۔ نحو منطق۔ اور عربی زباندانی

دوم:- وہ مدرسے جنکو مصر میں غیر ممالک کے لوگوں اور انکی مشنری جماعتوں نے قایم کیا ہے۔ ایسے مدارس کی تعداد (۱۵۲) ہے اور انمیں (۱۲۲۴۷) طالبعلم پڑھتے ہیں۔ طلبہ کی اس تعداد میں (۶۴۱۹) خاص مصری لڑکے ہیں یعنی (۵۲) فی صدی۔ اور ان مدارس میں سے بعض مدرسونکو حکومت مصر کیطرف سے مالی مدد بھی ملتی ہے۔

سوم۔ خاص حکومت کے مدارس اور انکے چار درجے ہیں۔

(۱) ابتدائی مدرسے۔ ان کی تعداد (۵۰۳۷) ہے۔ اور انمیں (۱۵۵۰۳) یعنے باشندگان ملک کی مجموعی تعداد میں سے ½ طالبعلم داخل ہیں۔ یہ مدرسے ملک کے تمام شہروں اور دیہاتوں میں بنے ہیں۔ اور انمیں قرآن کی تعلیم دیجاتی ہے۔ یا کسی کسی مدرسہ میں کچھ حساب کے قواعد اور لکھنے کی مشق بھی سکھلائی جاتی ہے۔

(۲) مدارس ثانویہ (سکنڈری سکول) کی تعداد ۲۷ ہے۔ ان میں ۹۳۰۰ طالبعلم پڑھتے ہیں۔ ان مدارس میں سے ایک مدرسہ قاہرہ میں ہے جسکے مصارف سررشتہ تعلیم کی طرف سے دیئے جاتے ہیں۔ اس میں (۴۳۲) طالبعلم داخل ہیں۔ اور یہ مدرسہ اُن تمام مدرسوں کا نمونہ ہے۔ جو ایک ایک شہر اور بندرگاہ میں قائم ہیں جنکے بانی وہ کہے جاتے [illegible] ہیں۔ اس مدرسہ کی تعلیم چار سال ہے۔ پہلے تین سال گذرنے پر طالبعلم کو ترجمہ قرآن۔ عربی خط لکھنے اور حساب میں حسب منشاء پوری لیاقت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور آخری سال میں وہ تاریخ۔ جغرافیہ اور کسی غیر زبان کا لکھنا اور پڑھنا سیکھتا ہے جسکی نسبت اسکو اختیار ہے کہ فرانسیسی انگریزی اور جرمنی زبانوں میں سے کوئی ایک زبان لیلے۔ تجہیزی مدرسہ میں اسی مدرسہ کی کامیاب طلبہ داخل کئے جاتے ہیں۔ پھر اسکے بعد تجہیزی مدرسہ کے طلبہ صنائع اور فنون کے مدرسوں میں بھرتی ہوتے ہیں۔ باقی ثانوی مدارس انکے اخراجات [illegible] کی چندہ [illegible] آمدنی [illegible] کے عطیات اور بعض خاص امدادی عطیوں سے پورے ہوتے ہیں۔

(۳) قاہرہ کا مدرسہ تجہیزیہ۔ اس میں (۲۰۰) طالبعلم پڑھتے ہیں اور مدارس صنائع اور فنون کے طلبہ اسی مدرسہ کے طالبعلموں میں سے لئے جاتے ہیں۔ مدرسہ تجہیزیہ میں مدت تعلیم چار سال ہے۔ اس دوران میں تلامذہ کو کوئی غیر زبان۔ عربی زبان۔ ریاضیات۔ طبیعیات۔ کیمیا۔ تاریخ طبعی۔ تاریخ عام جغرافیہ۔ عربی خط۔ یورپین خط۔ اور تصویر کشی سکھلائی جاتی ہے۔ اور چھوٹے ابتدائی مدارس میں بھی دو سال کیلئے ایک سکشن اب کھولا گیا ہے۔ کہ اس میں تجہیزیہ مدرسہ کے علوم پڑھائے جاتے ہیں۔

(۴) عملی فنون اور پیشوں کے مدارس اور کالج اور وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ سنڈیل سکول۔ اس میں ۲۷۰ طالبعلم ہیں اور اس کے ساتھ دواسازی سکھلانے کا بھی مدرسہ ہے جسمیں (۱۰) طالبعلم ہیں اور ایک مدرسہ لیڈی

ڈاکٹروں کا بھی جسمیں (۲۶) دائیاں بانہ یمین تعلیم پاتی ہیں۔ اس اسکول کا پرنسپل ایک فرانسیسی ہے۔

ب:۔ انجینئرنگ اسکول۔ اسمیں پچاس طالب علم ہیں۔

ج:۔ ساحت کا مدرسہ اسکے طالب علموں کی تعداد ۳۹ ہے۔

د:۔ مدرسہ عملیات۔ اسکے طلبہ کی تعداد ۵۱ ہے اور اسکا پرنسپل فرانسیسی ہے۔

ھ:۔ مدرسۃ الادارہ۔ کل طالب علم ۲۷۔

و:۔ مدرسۃ المعلمین (نارمل اسکول)۔ طلبہ ۹۰۔

ز:۔ مدرسۃ الصناعت۔ یہ مدرسۃ العلمیات سے علاقہ رکھتا ہے۔ اسمیں (۴۹) طالبعلم ہیں جو ابتدائی مدرسے کے ان طلبہ میں سے لئے جاتے ہیں جنہیں اعلےٰ تعلیم حاصل کرنے کی استعداد نہیں عیاں ہوتی۔

ح:۔ اندھوں اور گونگوں کا مدرسہ۔ اسمیں مرد و عورت دونوں کو ملاکر ۱۰ طالب علم ہیں۔

ط:۔ گرلز سکول (لڑکیوں کا مدرسہ) اگلے زمانہ میں لڑکیوں کے دو مدرسے تھے۔ ایک اعلےٰ طبقہ والوں کی لڑکیوں کے لئے اور دوسرا تمام دیگر کنبوں کی لڑکیوں کے واسطے اور اب یہ دونوں مدرسے باہم ملکر ایک مدرسہ کردیا گیا ہے جسمیں ۳۰۰ لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں۔

ی:۔ مدرسہ حنفی قاہرہ میں واسکا پرنسپل فرانسیسی شخص ہے۔

ک:۔ بحری مدرسہ اسکندریہ میں۔

۱۸۸۵ء تک ان سب مدرسوں میں مفت تعلیم دیجاتی رہی مگر سال مذکورہ بالا میں مصری حکومت نے تمام دیگر اقوام عالم کی پیروی کرنا چاہی اور تعلیم کی فیس مقرر دینے کا ارادہ کیا۔ کیونکہ جس سبب سے محمد علی پاشا نے مفت تعلیم دینی شروع کی تھی وہ سبب غلامی کا زمانہ گزرنے کے ساتھ ہی مٹ چکا تھا اور اب وہ سب ترک جو پہلے غلام تھے آزاد بن گئے تھے جنہیں بڑے بڑے ذی حیثیت اور صاحب

دولت اتنی مِس بھی تھے۔ اسلئے حکومت مصر نے تعلیم کی خفیف سی فیس مقرر کر دی تھی۔

تعلیم کی موجودہ حالت لیکن آجتک مصر کے تعلیم میں بہت ترقی ہو گئی ہے۔ گو مدارس کے اقسام اور درجے وہی ہیں کہ جنکا لارڈ ڈفرن نے ۱۸۸۳ء میں ذکر کیا ہے۔ اوّل ابتدائی مدارس کہ جنمیں ابتدا سے ہی ایک یورپین زبان سکھلائی جاتی ہے۔ دوم۔ تجہیزی مدارس کہ جنکی تعلیم کا اکثر حصہ کسی یورپین زبان میں سکھلایا جاتا ہے۔ اور سوم پیشے کے سکول اور کالج جیسے کہ مدرسۃ الحقوق (قانون)، مدرسۃ الطب (میڈیکل کالج) مہندس خانہ (انجنیرنگ کالج) دار العلوم (ٹریننگ کالج) جو بالکل یورپین کالجوں کے نمونہ پر ہیں۔ اور چند خاص سکول مثل مدرسۃ زراعت۔ علاج المواشی۔ مدرسۃ الصنائع (ٹیکنیکل سکول)، مدرسۃ تعلیم پولیس و مدرسۃ تعلیم فوج بھی ہیں کہ جنکے کورس کم و بیش کسی ایک یورپین زبان میں ہیں۔ لیکن مندرجہ بالا کالجوں کی بنسبت کمتر لیاقت کے لوگ ان میں داخل ہو سکتے ہیں۔

انگریزی اور فرانسیسی کا مقابلہ پہلے پہل خدیو محمد علی پاشا نے ۱۸۲۳ء میں مصر میں تعلیم کی بنا رکھی۔ اور کئی طالب علموں کو فرانس میں تعلیم پانے کو بھیجا۔ اور فرانسیسی مدرسوں کی زیر نگرانی ہی مصر میں تعلیم کا سلسلہ جاری کیا۔ اسلئے اہل مصر نے جو کچھ تعلیم یورپین علوم و فنون میں حاصل کی وہ فرانسیسی زبان میں تھی۔ جس وقت محمد علی پاشا نوجوان مصریوں کو تعلیم پانے کے لئے فرانس میں بھیجا کرتا تھا۔ اسوقت جاپانیوں کو اس بات کا خواب و خیال بھی نہ تھا کہ اپنے بچوں کو تعلیم دلانے کے لئے یورپ میں بھیجنا چاہئے۔ جو آج یورپ اور امریکہ میں تعلیم پانے میں ساری دنیا میں سر آوردہ ہیں۔ محمد علی اور اسکے ایک آدھ جانشین کی نظر میں تو یورپ کی جدید تعلیم کا اسقدر اثر تھا کہ انہوں نے [illegible] میں ایک خاص مدرسہ عربی طلبا کی تعلیم کے لئے جاری کیا تھا جسمیں دینیات اور اخلاق اسلامی کی تعلیم دینے کے لئے علماء مقرر کئے جاتے تھے۔ بیرجا

جس طرح ترکی اور ایران میں مغربی علوم و فنون کا ذریعہ فرانسیسی زبان تھی ویسے ہی مصر میں تھی - چنانچہ جب انگریزوں نے مصر پر قبضہ کیا تو دو تین فیصدی طلبا نے ان کی زبان بھی سیکھنی شروع کر دی - لیکن اب جبکہ بذریعہ معاہدہ فرانسیسی کا پولیٹیکل رسوخ مصر سے کم ہو گیا ہے - سنہ ۱۹۰۸ء میں نوے فیصدی طلبا وزارت تعلیم کے مدرسوں اور کالجوں میں انگریزی زبان میں تعلیم پانے لگے - اور ۳ فیصدی فرانسیسی پڑھنے والے رہ گئے -

تعلیم کی ترقی سنہ ۱۸۹۸ء تک تعلیم مفت تھی اور اکثر طلبا سرکاری خرچ سے کھاتے پہنتے اور گذارہ کرتے تھے - لیکن اس سال سے یورپین تعلیم پر کچھ نہ کچھ فیس لگانے کی کوشش کی گئی ہے - چنانچہ سنہ ۱۹۰۸ء میں ۹۲ فیصدی طلباء مدارس سرکاری بمقابلہ سنہ ۱۸۸۱ء کے ۳۰ فیصدی کے فیس ادا کرتے تھے - اور سکول فیس کی آمدنی سنہ ۱۸۸۱ء کے ۳۳۲ پونڈ سے سنہ ۱۹۰۸ء میں ۱۰۷۰۰۰ پونڈ تک بڑھ گئی -

مکتب مصر میں قدیم زمانہ سے ایسے دیسی مکتب بہات میں چلے آتے ہیں جیسے کہ اب تک ہندوستان میں بھی جاری ہیں کہ جن میں میاں جی مسجد میں بیٹھ کر قرآن یا کسی کتاب کا سبق دیدیتے ہیں - اور یہی کُتّاب کہلاتے ہیں - سنہ ۱۹۰۸ء میں ایسے دس ہزار مدرسے تھے جن میں دو لاکھ طلبا پڑھتے تھے - مگر ان پر محکمہ تعلیم کی کوئی نگرانی نہ تھی - اب محکمہ تعلیم نے گرانٹ ان ایڈ کے وعدے سے ان کا معاینہ کرنا شروع کیا ہے - چنانچہ ۴۳۴۴ سے زیادہ ایسے مدرسے محکمہ تعلیم کی نگرانی میں آگئے ہیں - اور علم دوست محبان وطن کی فیاضی سے گذشتہ چند سالوں میں ایک ہزار کُتّاب نئے قایم ہوئے ہیں - علاوہ اسکے سررشتہ تعلیم نے ایسے مدارس کے مدرسین کی تعلیم کے لئے تیس مرکزوں میں ہفتہ وار جماعتیں قایم کی ہیں اور تین نارمل سکول مردانہ مدرسوں اور ایک زنانہ مدرسوں کے لئے جاری کئے ہیں لیکن ابھی تک مصری سیعبرن مطمئن نہیں ہیں بجوان کے مزید علمی اشتہا کا ثبوت ہے -

مقدارِ تعلیم ۳۱ دسمبر ۱۹۱۰ء کو سرکاری نگرانی میں آٹھ مختلف پیشوں کی تعلیم کے کالج چار خاص ٹکنیکل سکول - ۴ سیکنڈری اور ۳۴۳ پرائمری سکول تھے - جنہیں بتمامہ یا ایک حد تک فرانسیسی یا انگریزی میں تعلیم دیجاتی تھی - ان میں ۲۴ مدرسین اور ۱۲۱۳۰ شاگرد تھے - جنمیں ۳۷۰ لڑکیاں تھیں - ان کے علاوہ سات خاص اور ٹکنیکل اور ۱۰۹ پرائمری تھے جنمیں صرف عربی زبان میں تعلیم ہوتی تھی - ان میں ۲۵۲۴ استاد اور ۵۳۵۰ شاگرد تھے جنمیں ۱۹۰۲ لڑکیاں تھیں اور ۳۱ پرائیویٹ پرائمری سکول ۳۴۴ کتاب جنہیں سرکاری افسران تعلیم ساتھ کرتے ہیں - ان کے علاوہ بہت کچھ اور پرائیویٹ سکول غیر اسلامی اور عیسائی انجمنوں اور جماعتوں کے ہیں کہ جو مندرجہ بالا اعداد میں شامل نہیں - اور ان میں بھی سرکاری مدارس کے نصاب کے مطابق تعلیم ہوتی ہے -

جامع الازہر میں ۹۵۰۰ طلبا جو علوم دین کی تعلیم ۳۱۰ استادوں سے حاصل کرتے ہیں - اور جامع الاحمدی طنطا میں ۱۰۱۴ طلبا ۱۰۳ استادوں سے علوم دین پڑھتے ہیں - وہ علیحدہ ہیں -

نصابِ تعلیم واضح رہے کہ مصر کے ان سرکاری ابتدائی اول اور تجہیزی یا ثانوی (دوئی) سکولوں میں نصاب تعلیم حسب ذیل مضامین پر مشتمل ہے :-

مدارس ثانوی (امیری سرکاری)	مدارس ابتدائی (امیری سرکاری)
القرآن	القرآن والاسلام
اللغة العربیه	اللغة العربیه
الانگلیزیه او الفرنسیه	الترجمه
الریاضیات -	الخط
حسن الخط	الحساب
التاریخ -	الهندسه (مبادی تشکیل)
الطبیعیات -	الانگلیزیه وا الفرنسیه

دروس الاشیاء الجغرافیہ والرسم (مصوری) التاریخ ومبادی تعلیم	الکیمیا الرسم (دستکاری) التمرین العضلی (ورزش)

مسلمانوں میں درسی تعلیم کی ابتدا

مسلمانوں کے مدارس عہد اسلام کے ابتدائی دور کے بعد وسطی حصے کی پہلی صدیوں تک بھی مسجدوں کے ضمن میں شامل رہے۔ اور جس طرح عیسائیوں کے مدرسوں کا تعلق اُن کے گرجوں اور خانقاہوں سے ہوتا تھا اسی انداز پر اہل اسلام کے مدارس بھی ان کی عبادتگاہوں کے ساتھ وابستہ رہتے چلے آئے اور ابتدا میں استاد کے گرد بیٹھ کر علوم کے درس سننے والے طالبعلموں کی نشست کا نام "حلقہ" تھا۔ زمانہ کے ساتھ اسلامی علوم کی شاخیں بھی بڑھتی گئیں اور ان کے دائرے وسیع ہوتے گئے۔ یہانتک کہ ایک ہی علم کے کئی کئی حلقے ہونے لگے اور ہر حلقہ میں اُسکی کوئی نہ کوئی شاخ سکھائی جاتی تھی۔ بالآخر حلقہ نام سے درس کی نسبت استادوں کے نام سے ہونے لگی تھی۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ ابی اسحٰق شیرازی [illegible] اسیطرح اور حلقوں کا نام لیا جاتا تھا پھر رسمیں [illegible] شاگردوں کے سامنے املا اور کتابیں نقل کرنے کے لئے [illegible] مسجدوں ہی کی خصوصیت نہ تھی کہ علمی مشاغل کے لئے مسجدیں ہی استعمال کی جائیں بلکہ اکثر حالتوں میں شفاخانوں اور لوگوں کے مکانوں [illegible] میں بھی حلقہائے درس قائم ہوتے تھے۔ مصر کا ملک پہلی صدی ہجری میں اسلامی وسیع مملکت کا ایک صوبہ تھا جو مدینہ دمشق اور بغداد کی دارالخلافتوں کا یکے بعد دیگرے براہ راست ماتحت رہا۔ اسلئے اسمیں تعلیم کا درجہ سیکنڈری (اوسط) سے نہیں بڑھ سکا۔ یہانتک کہ چوتھی صدی ہجری کے آغاز تک مصر کے پایۂ تخت یا صوبہ میں صرف دو بڑی مسجدیں جامع عمرو اور جامع ابن طولون ہی ایسی درسگاہیں تھیں جہاں مذہب اہل سنت کے مطابق اسلامی علوم پڑھائے جاتے تھے۔ کیونکہ اسوقت مصر کا کل سلطنت

عباسیہ کا ماتحت صوبہ تہا۔ مگر جبوقت اسی صدی کے وسط میں مصر پر بنی فاطمہ کا قبضہ ہوا اور انہوں نے اپنی سلطنت کا مرکز یہاں منتقل کر کے شہر قاہرہ کی بنیاد ڈالی تو وہاں ایک مسجد بھی اپنے مذہب "شیعہ" کی تعلیم کے لئے بنوائی جسکا نام "الازہر" ہوا۔

جامع ازہر اور اسکا مدرسہ جامع ازہر کی تعمیر سپہ سالار جوہر فاتح مصر کے ہاتھوں ۳۵۹-۳۶۱ ہجری میں سرانجام پائی۔ یہ شخص خلفائے بنی فاطمہ کا نامور سپہ سالار تھا۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اور اسی نے چوتھی صدی ہجری کے وسط میں ملک مصر کو فتح کر کے یہاں خلافت فاطمیین کے قدم جما دیئے۔ الازہر کی تعمیر سے غرض دینی شعائر کا قایم کرنا اور شیعہ علویہ کے مذہب کو قوت پہنچانا تھی۔ کیونکہ یہ وہ زمانہ تہا۔ جبکہ اسلامی سلطنت میں ملکی حکمرانی کے ساتھ مذہب کو ملانا شروع ہو چلا تہا۔ علوی شیعوں نے عباسی حکمرانوں کے ہاتھوں قتل اور جلاوطنی کی سخت آفتیں جھیلی تھیں۔ اسی لئے جبوقت خوش قسمتی سے وہ ملک مصر پر قابض بن بیٹھے تو انہوں نے اپنی عظیم الشان حکومت کا مرکز اسی ملک کو بنا لیا اور اپنی فوج کے واسطے شہر قاہرہ کی اور اپنے مذہب کو قوت دینے کے لئے جامع الازہر کی بنیاد ڈالی۔ اُن دنوں مصر والوں کا مذہب زیادہ تر امام شافعی کی پیروی کرتا تھا۔ اسلئے کہ امام موصوف نے اپنی زندگی کا آخری حصہ اسی ملک میں بسر فرما کر یہیں دنیا سے رحلت کی۔ چنانچہ شہر قاہرہ کے اطراف میں انکا مقبرہ ایک مشہور چیز ہے۔ فاطمی خلفا بھی امام شافعی کے مذہب کو اچھا سمجھتے تھے بخلاف بنی عباس کے کہ وہ امام ابی حنیفہ کے اجتہاد کی پیروی کرتے تھے۔ خلفائے بنی فاطمہ اور اہل مصر میں مذہبی موافقت کا ہو جانا فاتح لوگوں کو اپنا سکہ حکومت جمانے کا بہت بڑا موقع دیگیا۔

ازہر میں تعلیم کی ترقی علماء اور فقہاء کو دربار میں اعزاز کے ساتھ شریک کیا جانا اس امر کا موجب ہوا۔ کہ اسلامی دنیا کے دور دراز گوشوں سے اہل علم مصر میں

کھینچ آ گئے جنکو خلفا نے مصر کی طرف سے بیش قرار تنخواہیں اور روزینے دیئے
گئے - ان علماء کی مجلسیں زیادہ تر دستور زمانہ کے مطابق الازہر ہی میں ہوا کرتی
تھیں اور وہیں ان کے درس کے حلقے طالبان علم کی فیضرسانی کے لیئے قائم ہوتے
تھے - خلقت ان کے چشمہ [illegible] علوم سے سیراب ہونے کے لئے اس کثرت
سے آتی تھی کہ جگہ میں تنگی [illegible] اسلیئے روز بروز مسجد میں نئی عمارت بڑھا بڑھا
کر مسجد کو وسیع کیا جاتا [illegible] مکانات کی تعداد دوگنا تگنا ہو
ہی گئی تھی کہ اس وقت [illegible] میٹر مربع ہے جو پہلے
اسکے نصف سے بھی بہت کم تھا - کئی مرتبہ اسکے ستونوں کی تعداد میں اضافہ کیا
گیا ورنہ پہلی تعمیر میں اسکے صرف [illegible] ستون تھے - جو آج ۵۸۳ ہیں جو اسکے
مختلف حصوں میں متفرق [illegible] لگے ہوئے ہیں - ابتداءً علماء
اور فقہاء کو خلفاء [illegible] وظائف ملا کرتے تھے -
مگر جب عزیز باللہ [illegible] تو اسنے [illegible]ھ میں
اپنے وزیر یعقوب بن کلس [illegible] مقرر کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی ہدایت
کی کہ مسجد کے قریب ہی ان کی سکونت کے لئے مکانات بنوا دیئے جائیں - پہلا
پہلے پہل مسجد میں صرف نماز جمعہ ادا کرنے اور شیعہ مذہب کا علم فقہ پڑھانے
اور وعظ و مباحثہ کرنے کے لئے آیا کرتے تھے - مگر بتدریج انہوں نے وہاں
مستقل تعلیم دینی شروع کی جس کی وجہ سے جامع ازہر ایک اعلیٰ درجہ کا مدرسہ بن گئی
اور اسکی آمدنی کے سرچشمہ [illegible] اوقاف تھے - جنکی آمدنی آج
بیس ہزار گنی سالانہ [illegible] ہے -

ازہر کے علوم دو سو سال تک جو [illegible] خلافت کا زمانہ تھا - جامع ازہر شیعہ
مذہب ہی کا مدرسہ [illegible] ۵۶۷ھ میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے
مصر پر حملہ کیا - [illegible] بغیر اسکے مفر نہ تھا کہ کسی
خلیفہ کی بیعت کر کے اس سے فرمان حکومت حاصل کرے - اسلیئے اسنے بغداد

سے عباسی خلیفہ سے بیعت کر لی اور اُسکے نام کا خطبہ جامع الازہر میں پڑھا۔ صلاح الدین
امام شافعی کا پیرو تھا۔ اُسکو مصر کے مروجہ طریقۂ تعلیم میں کچھ زیادہ تغیر و تبدیل کی
زحمت اٹھانی نہیں پڑی اور لوگوں نے بڑی آسانی کے ساتھ اسکی حکومت کو
قبول کر لیا۔ مگر باوجود اسکے صلاح الدین کو خلفائے عباسیہ کے مذہب کا لحاظ کرنا
بھی ضروری تھا۔ اور وہ ابی حنیفہ کا مذہب تھا۔ جسکے لئے اس دانا اور مدبر حکمران نے
یہ موزوں ترکیب سوچی کہ تمام مسلمانان عالم کو اپنا دوست بنا لے اور انکو اپنی طرف
سے حسن ظن دلائے لہذا اُسنے جامع الازہر میں چاروں مذہب اہل سنت کی تعلیم
جاری کر دی اور ہر ایک کے استادوں کو وہاں اپنے حلقہ ہائے درس کھولنے کی
اجازت دے دی۔ اب تو جامع الازہر کی شہرت پر لگا کے اڑ نکلی اور چار دانگ
عالم سے طلبہ کی آمد شروع ہو گئی ایسے وقت میں ضرورت ہوئی کہ اس مدرسہ کو اسلامی
دار العلوم کی حد تک ترقی دیجائے اور مزید براں علوم ریاضی نجوم اور کچھ علوم
طبعیات کو بھی اسمیں داخل کیا جائے۔ سلاطین ایوبی اور [illegible] ممالیک
کے عہد میں جامع الازہر کی حالت اسی طرح رہی یہانتک کہ سلطان [illegible] ان فاتح
عثمانی نے مصر پر تسلط کر لیا۔ اور دسویں صدی ہجری کے آغاز سے سلطنت
عثمانیہ کا ایک جزو بنا لیا۔ اس عہد سے ممالیک امیروں نے ایسی ظالمانہ حکومت
کا ڈھنگ ڈالا کہ مصری لوگ مجبوراً علمی مشاغل سے دستکش بن بیٹھے۔ ان دنوں تمام
اسلامی قلمرو میں عربی عنصر کا حال ابتر ہو گیا تھا مگر مصر میں ازہر کا دار العلم عربی باغ
کی کشت میں آبیاری کرتا اور اُسے دینی اور زباندانی کے علوم کی تعلیم جاری رکھکر
زندہ رکھنے پر کمربستہ تھا۔ مگر ساتھ ہی اسمیں اتنی کمی اور خرابی بھی آگئی تھی۔ کہ اسکی
تعلیم کا انحصار انہی علوم میں رکھا گیا۔ اور دیگر علوم یعنی ریاضی اور طبعی علوم یہاں سے
قطعاً اُٹھ گئے۔ الازہر نے عربی زبان کے زندہ رکھنے کا احسان صرف ملک مصر اور
اُسکے قرب وجوار کے عربی ممالک تک ہی محدود نہیں رکھا تھا۔ بلکہ اسکا فیض
تمام اسلامی ممالک کے لئے عام و تام تھا۔ اور اسی یونیورسٹی میں ترکستان [illegible]

قفقاز، چین، زنجبار، ہند اور افغانستان وغیرہ ملکوں سے بھی طالب علموں کی جماعتیں حصول علم کے لئے آیا کرتی تھیں۔ لوگوں کے اس تعلیمگاہ پر مائل ہونے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ یہاں تعلیم بالکل مفت دیجاتی تھی اور طلبہ کو خوراک۔ لباس اور مکان کے علاوہ جیب خرچ تک سے مدد ملتی تھی۔ اور طرہ برین یہاں کے اساتذہ کی قابلیت کی شہرت نے درحقیقت اسے ایک بڑا ٹکسالی مدرسہ بنا دیا تھا اور اسلام کی وسطی صدیوں میں جتنے بڑے بڑے مسلمان عالم نکلے وہ سب اسی مدرسے کے تعلیمیافتہ بتے۔ اس مدرسے کے سندیافتہ طلبہ کو دنیائے اسلام کے تمام دیگر مدارس کے سندیافتہ لوگوں پر خاص فضیلت ہوتی تھی۔

علوم عقلیہ کی تعلیم کیطرف توجہ بغاوت عرابی پاشا کے بعد ملک مصر میں دوسرا علمی دور ترقی آغاز ہونے تک ازہر میں صرف دینی اور زباندانی ہی کے علوم پڑھائے جاتے رہے۔ مگر بعد میں حکام کا خیال اسطرف رجوع ہوا کہ اس عالیشان دارالعلم میں جدید علوم بھی جو نئے زمانہ کی تحقیقات کے نتائج اور موجودہ یورپین تمدن کی جان ہیں داخل کئے جائیں۔ لیکن انہیں یہ خوف بھی تھا کہ جب یکبارگی ایسی اصلاح کردی گئی تو لوگ قدامت پرستی کے خیال سے بگڑ بیٹھیں گے۔ اور کج فہمی کے باعث ان علوم کا پڑھنا پڑھانا کفر قرار دیں گے۔ لہذا حکومت نے پہلے یہاں کے بڑے بڑے علما سے فتوے لینا مناسب تصور کیا اور شیخ محمد انبابی شیخ جامع ازہر اور شیخ محمد بنا مرحوم مفتی ملک مصر سے استفتا کیا کہ آیا مسلمانوں کو علوم ریاضیہ مثل ہندسہ حساب ہیئت۔ طبیعیات اور کیمیا وغیرہ فنون کا پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ دیکھو ۱۳۰۵ھ میں شیخ محمد انبابی مرحوم نے ان علوم کے پڑھنے کے جواز کا فتوے مع ان کے فوائد کی وضاحت کے دیدیا اور مفتی شیخ بنا مرحوم نے بھی اسکی تائید کردی۔

مضامین درس اسکے بعد مرحوم شیخ محمد عبدہ اصلاح ازہر کے لئے کمربستہ ہوئے اور انہوں نے حکومت کو ادہر توجہ دلائی۔ مگر یہ سب کوششیں ناکام رہیں کیونکہ

ابتک ان علوم میں سے چند کے سوا اور وہ بھی تھوڑے عرصے سے اس دار العلم میں داخل نہ ہو سکے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل علوم اسوقت الازہر میں پڑھائے جاتے ہیں: یہ علوم وسائل اور مقاصد کی دو قسم کے قرار پائے ہیں۔ وسائل یہ ہیں:۔ نحو صرف۔ معانی۔ بیان۔ بدیع۔ منطق۔ مصطلح الحدیث۔ حساب۔ جبر و مقابلہ عروض اور قافیہ۔

اور مقاصد سے وہ علوم مراد ہیں۔ جنکو [illegible] کے بعد اصل غرض تحصیل قرار دیا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں۔ علم کلام۔ اصول فقہ۔ علم اخلاق و مذہب تفسیر قرآن فقہ ہر چار مذاہب۔ اور حدیث [illegible] سے پہلے دور ترقی سے قبل الازہر میں پڑھائے جاتے تھے۔ اور اب ان پر [illegible] اضافہ ہوا ہے۔ انشاء پردازی۔ جغرافیہ۔ [illegible] زبان علوم عقلیہ۔ مبادی ہندسہ۔ خط

اور اگر ان کتابوں کے نمونوں پر نظر ڈالی جائے جنکے ذریعے ان علوم کی تعلیم ہوتی ہے تو معلوم ہوگا کہ نصاب تعلیم میں [illegible] کتابیں بھی داخل ہیں جنکی بدلنے اور ترمیم کرنے کی بہت ضرورت ہے۔ تاکہ نصاب موجودہ زمانہ کی ضرورت کا ساتھ دے سکے۔ اگرچہ شیخ محمد عبدہ کی جدوجہد ترقی الازہر میں ناکام رہی تاہم انہوں نے طلبہ کے دلوں میں [illegible] وغیرہ علوم جدیدہ کے مطالعہ کا شوق [illegible] پیدا کر دیا [illegible] طلبا کسقدر ان علوم کی کتابیں دیکھتے اور [illegible] معلومات اور مفید علوم میں [illegible] کرنے کی [illegible] ہیں۔

ازہر کے طلبہ [illegible] اسوقت ازہر میں [illegible] معمر باعتبار سکونت مختلف اضلاع کے [illegible] گروہوں میں تقسیم [illegible] چھوٹے چھوٹے کمروں کے ایک مکان میں رہتے [illegible] اور یہ مکان رواق کہلاتے ہیں۔ الازہر میں [illegible] باشندے [illegible] مقبول ہے۔

(۱) رواق الصعائدہ ۔ اسمیں صعید (بالائی) مصر کے باشندے رہتے ہیں۔
(۲) " البحیرہ ۔
(۳) " الفیومیہ
(۴) " الطیبرسیہ ۔ اسمیں مغربی کشنری کے بعض باشندے رہا کرتے تھے
(۵) " الاقبغاویۃ ۔ غربیہ اور منوفیہ والوں کے لئے ۔
(۶) " الحنفیہ ۔ مصر کے حنفی مذہب لوگوں کے لئے ۔
(۷) " الفشنیۃ ۔ فشن کے لوگوں کے لئے ۔
(۸) " ابن معمر ۔ اسمیں وہ لوگ بستے ہیں جو کسی خاص علاقہ کے باشندے نہیں
(۹) " اخراقوہ شرقیہ والوں کے واسطے ۔
(۱۰) " الحنابلہ ۔ مصر کے حنبلی باشندوں کے واسطے ۔
(۱۱) " العباسی ۔ یہ کئی ایک رواقوں سے مرکب ہے ۔

اور باقی رواقوں میں باہر سے آنے والے طلبہ رہتے ہیں۔

(۱) رواق الحرمین ۔ اہل حجاز کے لیئے
(۲) " دکارنہ دارفور ۔ " دارفور " (سوڈان)
(۳) " الشوام ۔ اہل شام کے لئے ۔
(۴) " جاوی ۔ اہل جاوہ "
(۵) " سلیمانیہ ۔ " افغانستان "
(۶) " مغاربہ ۔ " مغرب "
(۷) " السناریہ ۔ " سنار " (سوڈان)
(۸) " الاتراک ۔ " ترکوں "
(۹) " الدکارنۃ البرمانیہ ۔ اہل برنو (سوڈان) کے لئے ۔
(۱۰) " الجبرت ۔ مسلمان اہل حبش کے لیئے ۔
(۱۱) " الیمن ۔ یمن اور حضرموت والوں کے واسطے ۔

(۱۲) رواق الاکراد - کردوں کے لئے -
(۱۳) " الہنود - اہل ہندوستان کے واسطے
(۱۴) " البغدادیہ - اہل عراق کے لئے -
(۱۵) " دکارنہ صلیح - ساکنان صلیح (سوڈان) کے لئے -
(۱۶) " البرابرہ - اہل نوبیا کے واسطے

ان رواقوں کی وسعت ان کے رہنے والوں کے لحاظ سے کم و بیش رہتی ہے رواقوں کے متعلق اسقدر اور معلوم کرنا ضروری ہے کہ کوئی طالب علم اپنے ملک یا مذہب کے رواق کے سوائے کسی دوسرے رواق میں پناہ نہیں پا سکتا خواہ کسی دوسرے رواق میں کتنی گنجایش ہو اور اُسکے اپنے رواق میں گنجایش نہ ہو تو جبتک اپنے رواق میں گنجایش نہ ہو وہ کسی دوسرے طالب علم کے مرنے یا چلے جانے تک امیدوار رہیگا۔ اور شہر میں کسی دوسری جگہ اپنی اقامت کا انتظام کریگا چنانچہ بہت سے طلبائے الازہر اسی طرح گذر کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ ان رواقوں میں رہتے ہیں انہیں ان رواقوں کی آمدنی کے مطابق کم و بیش نقد جیب خرچ اور ایک روز چھوڑ کر ہر دوسرے روز پانچ پانچ روٹیاں بلا سالن ملتی ہیں۔ جن بعض رواقوں کی قلت آمدنی (سرمایہ) کی وجہ سے اُن کے طلبا کو صرف روٹیاں ملتی ہیں اور نقد کچھ نہیں ملتا۔ سب سے بڑی رواقیں ترکوں شامیوں مغربیوں اور صعید والوں کی ہیں۔ کہ جنمیں بہت بہت طلبا کی گنجایش ہے۔ اور ان رواقوں کے وقف سے طلبا کو نصف گنی یا دو دو تین تین مجیدی ماہوار نقد بھی ملتی ہیں

سادہ روٹیاں تقسیم کرنا

روٹیوں کی تقسیم اسطرح کیجاتی ہے کہ ایک مقررہ وقت پر کہ طلبا کی ایک جماعت صف باندھکر مسجد کے سامنے کے بازار میں کھڑی ہو جاتی ہے اور روٹیاں تقسیم ہونی شروع ہوتی ہیں۔ کہ جنہیں طلبا اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیتے ہیں۔ اسطرح کئی گھنٹوں میں تمام طلبا کو روٹیاں تقسیم ہو جاتی ہیں۔ اور وہ بیچارے اپنے لئے سالن کا خود انتظام کرتے ہیں۔ لیکن تو اکثر

طلبا کو مولیوں یا سلاتا (سلاد) یا گاجروں کی کانجی یا چٹنی سے روٹی کھاتے دیکھا ہے۔ روٹی کھانے والے طلبا کو اسوقت دو ماشکی مسجد کے اندر پانی پلاتے پھرتے تھے۔ اور ہر طالب علم ماشکی کو ایک ٹکڑا روٹی کا توڑ کر دیدیتا تھا۔ جو اکثر تو سے بڑا نہ ہوتا تھا۔ افسوس ہے کہ جو طلبا اسطرح روٹیاں پانی میں اور ایسی بے سرو سامانی میں کھاتے ہیں ان میں کیا غیرت علو حوصلگی اور دیگر اعلے اسلامی شعار پیدا ہو سکتے ہیں۔

طلبا کی ناگفتہ بہ حالت میں شیخ عبد الحلیم آفندی مقیم رواق الشام و جامع ازہر کے نام بیروت سے ایک معرفت کا خط لایا تھا۔ مگر یہ معلوم ہوا کہ کسی معرفت کی ضرورت نہ تھی۔ پہلے روز جب میں مسجد میں گیا تو دیکھا کہ تخمیناً پانچ چھ ہزار ہر عمر اور ہر رنگ کے قوم کے طالب علم موجود تھے۔ جو اکثر کھانے اور بعض پڑھنے میں معروف تھے دس سات سال کے بچوں سے لیکر ستر سال کے بڈھوں تک یہاں بیٹھے نظر آتے تھے کیسی بیقاعدگی سے یہ لوگ پڑھتے تھے۔ مسجد کے وسیع صحن میں کہیں ایک کہیں دو کہیں چار یا تو سر اور تمام جسم ہلا ہلا کر چلاتے تھے۔ یا ردیاں لگاتے اور کہیں بیٹھے تھے۔ اتنے میں مسجد کے دو میں سے ایک بلند مینار سے شام کی اذان سنی گئی ہر طرف دس دس پندرہ پندرہ بیس بیس آدمیوں کی جماعتیں نماز کے لئے کھڑی ہو گئیں۔ لیکن آدھے سے بہت زیادہ طلبا نے نماز کی پرواہ نہ کی اور کھانے اور باتیں کرنے میں معروف رہے۔ اور بعض مسجد کے باہر بھی جاتے آتے رہے معلوم ہوتا ہے ان میں سے اکثر اسی صحن میں رات کو پڑ کر سو رہتے ہیں۔ اور اپنا مختصر سامان ان سینکڑوں چھوٹی چھوٹی الماریوں میں رکھا کرتے ہیں جو دیواروں میں لگی ہوئی ہیں۔ معلوم ہوا کہ نہ طلبا میں کوئی مستقل جماعت بندی ہے نہ وقت کی پابندی نہ رجسٹر حاضری۔ نہ سالانہ امتحان کی قید۔ اسلئے بعض لوگ ساری ساری عمریں ازہر میں ختم کر دیتے ہیں اور کسی منزل تک نہیں پہنچتے۔

طلبا کے مذاہب طلبا کی زیادہ تعداد شافعی مذہب کی پابند ہے۔ سنہ ۱۹۰۲ع میں

ہیگ کی کانفرنس السنہ شرقیہ میں مصطفی بک بیرم نے جو تقریر کی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سال الازہر کے طلبہ کی تعداد ۱۰۴۰۳ تک پہنچی ہوئی تھی جو باعتبار مذاہب بتفصیل ذیل منقسم ہوتے تھے۔ شافعی المذہب ۵۶۹۴ حنفی المذہب ۱۵۲۹ مالکی المذہب ۳۱۵۴ حنبلی المذہب ۲۶۔ اور ان طلبہ میں زیادہ تعداد کی خاص مصری باشندے تھے۔ کیونکہ غیر ملکی جماعت کی تعداد ۱/۸ سے زائد نہیں ہوتی اور اسکی تفصیل یہ ہے:۔

مصری طلبہ	۹۰۵۸	شامی طلبہ	۲۴۴
مغربی "	۱۳۰	ترک "	۱۴۴
سوڈانی "	۵۰	بربری "	۵۴
کُردی "	۹	حجازی "	۶
جاوی "	۶	حبشی "	۹
افغانی "	۵	ہندی "	۳
بغدادی "	۳	میزان کل	۱۰۴۰۳

امتحانات سندات اور مدرسین الازہر کی تعلیم تین درجوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ (۱) ابتدائی (۲) ثانوی (۳) انتہائی۔ تینوں درجوں میں بارہ سال صرف ہوتے ہیں۔ یہ امتحانات چھ علما جمع ہوکر لیتے ہیں۔ اور کامیابی پر جو سندیں دیتے ہیں۔ وہ تین قسم کی ہوتی ہیں:۔ اول "شہادۃ العالمیۃ" یہ اس طالب علم کو ملتی ہے جو تین سال الازہر میں رہا ہو۔ اور اُسنے اس مدت کی تعلیم کا لازمی امتحان دیا ہو۔ دوم شہادۃ الاہلیۃ یہ طالبعلم کو اسوقت دیجاتی ہے جبکہ وہ آٹھ سال کم ازکم الازہر میں رہکر اس مدت کی خواندگی کا امتحان دیچکا ہو۔ اور یہی وہ اصلی سند ہے جو جدید نظام تعلیم کے داخل کئے جانے سے قبل عطا ہوتی تھی۔ اور اسکا مدعا یہ ہوتا تھا کہ سند یافتہ لوگ مسجدوں کی امامت خطبہ خوانی اور وعظ و نصیحت ارشاد و ہدایت کر سکیں کیونکہ ایسے ذمہ دار عہدے بغیر علمار اور ہم

لایق علما نہوں تو عوام کے عقائد میں سخت تزلزل آجاتا ہے۔ نیز پیرا ما مساجد مین عالم لوگ انکو درس دینے کی اجازت رکھتے تھے۔ مگر الازہر کی مدرسی کے لائق نہیں سمجھے جاتے تھے۔ اور تیسری شہادۃ العالیہ طالبعلم کو اسوقت ملتی تھی جبکہ اسنے کامل ۱۲ سال الازہر کی تعلیم و تربیت سے فیض حاصل کر لیا ہو اور ایسا سند یافتہ خاص الازہر میں ہی تعلیم دینے کے قابل تصور کیا جاتا تھا۔ ازہری مدرسوں کی تنخواہ کے تین درجے ہیں۔ ڈیڑہ سو۔ ایک سو اور پچہتر قرش۔

الازہر کا انتظام اگرچہ الازہر میں طالبعلموں کی اسقدر کثرت ہے تاہم سالانہ امتحان میں ہر سال معدودے چند ہی لوگ سند لیکر نکلتے ہیں ورنہ اکثر طلبا امتحانات کا وقت آنے سے پہلے ہی مدرسہ کو چھوڑ دیتے ہیں اور صرف وہ لوگ جن کو سرکاری ملازمتوں شرعی محکمہ قضا یا مدرسی میں داخل ہونے کا شوق ہوتا ہے وہی امتحانات میں شریک ہوتے ہیں۔ لیکن اب ہر سال امتحان دینے والوں کی تعداد ترقی کرتی جاتی ہے۔ مدرسین کی مجموعی تعداد ۲۵۵ ہے اور کل مدرسوں کے تینوں درجوں کے لئے جُدا جُدا ہیں۔ کچھ علوم مقرر ہیں جنکو وہ پڑہاتے ہیں باعتبار مذاہب مدرسین کی تقسیم حسب ذیل ہے:

شافعی المذہب مدرسین ۱۰۰۔ مالکی المذہب مدرسین ۷۷۔ حنفی المذہب مدرسین ۷۶۔ حنبلی مذہب مدرسین ۲۔ پہلے الازہر کے مشائخ آج سے کچھ ہی دنوں قبل تک وہاں کے معاملات میں خود مختار تھے اور جو چاہتے وہ انتظام کر لیتے لیکن سنہ ۱۳۱۲ھ میں حکومت نے ایک مجلس متعین کی جس کا نام مجلس ادارۃ الازہر ہے۔ اسکے پانچ ممبر ہیں۔ جو بڑے بڑے علماء میں سے منتخب ہوتے ہیں۔ اور انعقاد جلسہ کے وقت شیخ الازہر اسکا صدر انجمن ہوتا ہے۔ اب یہی مجلس عملی۔ اخلاقی اور مالی حیثیتوں سے الازہر کے انتظامی معاملات میں نگرانی کیا کرتی ہے۔ جب میں گیا تہا تو شیخ الازہر شیخ سلیم بشری المالکی تھے۔ شیخ الازہر کی تنخواہ ستر پونڈ بلحاظ شیخ الازہر اور پچاس پونڈ بلحاظ مفتی بلاد

لیتے کل ایک سو بیس پونڈ یا اٹھارہ سو روپیہ ماہوار کے قریب ہوتی ہے اور مصر میں ان کے نام کی بڑی عزت ہے۔ جامع ازہر میں مختلف علوم و فنون کے بیس ہزار کتابوں کا ایک کتب خانہ بھی ہے۔ مگر نہایت افسوس ہے کہ وہ جامع ازہر کہ جسے تمام دنیا میں سب سے بڑی یونیورسٹی اور مسلمانوں کے لئے قابل فخر و مباہات بیت العلوم کہا جاتا ہے۔ اسمیں ہزاروں زندگیاں اور لاکھوں روپے سالانہ ضائع ہوتے رہتے ہیں کیونکہ آجکل اسکے اوقاف کی آمدنی بیس ہزار اشرفی سالانہ اندازہ کی جاتی ہے۔

کتب خانہ خدیوی تیرہ سو سال کی اسلامی حکومتوں نے بغداد مصر اور دیگر بلاد اسلام میں جسقدر بہترین ذخیرہ قرآن مجید کا جمع کیا ہوگا۔ اسمیں سے یقیناً بڑا حصہ کتب خانہ خدیوی میں موجود ہوگا۔ اس ذخیرہ میں نہایت مطلا خوش خط اور عجیب و غریب صنعت تحریر کے کلام اللہ موجود ہیں۔ جو آئینہ دار گلاس کیسوں میں کھول کر رکھے گئے ہیں۔ انہیں میں ایک قرآن امام جعفر صادق کے ہاتھ کا ہرن کے چمڑے پر لکھا ہوا ہے۔ ان کے علاوہ مصر کی مختلف مساجد کے کتب خانوں میں قدیم زمانہ سے جو قلمی کتابیں چلی آتی تھیں وہ سب اس کتب خانہ خدیوی میں جمع کر دی گئی ہیں۔ اور ان کی فہرست بڑے اہتمام سے گیارہ جلدوں میں چھاپی گئی ہیں۔ جنمیں سے سوائے دو آخری ترکی و فارسی کتابوں کے باقی عربی کتابوں کی فہرست کی جلدیں ہیں۔ میں نے یہ سب فہرست کی جلدیں ۵۰ غرش کو خریدی تھیں۔ ان میں کل ساٹھ ہزار کتابوں کے نام درج ہیں جنمیں سے تیس ہزار عربی۔ چار ہزار فارسی ترکی اور جاوی وغیرہ زبانوں کی اور باقی بیس ہزار یورپین زبانوں کی ہیں۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں اڑھائی ہزار عثمانی پونڈ سالانہ خرچ عملہ وغیرہ کتب خانہ کا تھا۔ جسمیں ۴۴۰ پونڈ خرچ مستخدمین ۱۴۲۰ اور لئے ملازمین ۸۴۰ خرید کتب اور ۲۰۰ متفرق تھا۔ خدیو اسمٰعیل مرحوم نے اس کتب خانہ کے قیام کے لئے تین ہزار فدان (ایک فدان = ۱/۱۰۳۹۰۸ ایکڑ) اراضی

اپنی ذاتی جائیداد سے وقف کر دی تھی۔ کتب خانہ کا مہتمم ایک جرمن ہے۔ اور اسکے ماتحت مصری عالم ہیں۔

مصر میں آثار قدیم

آثار قدیم دیکھنے کے لئے ٹکٹ

سلطان قایتبائی اور خلفا کے مقابر اور مساجد دیکھنے کے لئے جو شہر کی مختلف حوالی میں ہیں پہلے ڈاک خانہ سے دو دو غرش کے دو ٹکٹ خریدنے پڑے۔ جنکے پاس یہ ٹکٹ ہوں انہیں مقابر و مساجد کے معاینے سے کوئی محافظ روک نہیں سکتا۔ یہ ٹکٹ محکمۂ حفظ آثار قدیمہ نے جاری کئے ہیں۔ یورپین سیاح ہی انہیں زیادہ خریدتے ہیں۔ ایک روز صبح سے دوپہر تک بڑی مستعدی سے میں گدھے پر سوار ہو کر پھرتا رہا۔ گدھے والا لڑکا گدھے کو اکثر تیز ہنکاتا اور دوڑاتا تھا۔ ایک جگہ جب میں کھانا کھانے کے لئے ایک لوکنڈہ میں ٹھیرا تو گدھے والا لڑکا بھی بے تکلفانہ بن بلائے میرے ساتھ میز پر آ بیٹھا۔ اور کھانا کھا کر برابر صابن سے ہاتھ دھوئے اور تولئے سے صاف کئے۔ اسکی عمر تیرہ سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ مگر کمبخت سات بجے صبح سے ایک بجے دوپہر تک لگاتار میرے ساتھ دوڑتا پھرا۔

ازبکیہ اسے قاہرہ کا چاندنی چوک سمجھنا چاہئیے۔ یہاں اہل یورپ کے بڑی بڑی عالیشان ہوٹل مکانات دوکانیں اور قہوہ خانہ میں جہازوں کی کمپنیوں اور بڑے بڑے تاجروں اور بینکوں کے دفاتر اور کونسل خانے سب یہیں ہیں۔ ٹامس کک ٹکٹ ایجنٹ کا دفتر اور شیفرڈ ہوٹل بھی یہیں ہیں۔ یہ چوک دیکھکر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ واقعی قاہرہ چھوٹا پیرس ہے اور خدیو اسمٰعیل نے اسے ایسا آراستہ کرنے میں ضرور بہت سا روپیہ صرف کیا ہوگا۔ کہ جسنے مصر کو غیر قوموں کا غلام بنا دیا جسطرح یورپین آبادی کے لئے ازبکیہ ہے اسطرح دیسی آبادی میں خان خلیلی ہے۔ جو جامع سیدنا حسین اور جامع ازہر سے قریب ہی ایک نہایت پررونق مسقف بازار ہے

خان خلیلی یہ جسمیں ہر قسم کے سامان کا [illegible] ہوتے ہیں اور جسمیں سبکے بیشتر تجارت کپڑے وغیرہ کی [illegible]

بیچنے والے سوداگروں کی دوکانیں ہیں۔ بعض سندہی ہندوؤں کی بھی ہندوستان کے بہترین مال تجارت کی دوکانیں یہاں ہیں۔

عجائب گاہ الجیزہ الجیزہ کہ جسے مصری الگیزہ کہتے ہیں دریا پار ایک قصبہ نزدیک مصر میں ہے کہ جہاں اجپٹالوجی کا بہترین عجائب گاہ ہے۔ اسمیں بہت سی پرانی حنوط کی ہوئی لاشیں جمع ہیں۔ قدیم زمانہ میں اہل مصر کو کچھ ایسی کیمیائی ترکیبیں یاد تھیں کہ وہ اپنی لاشوں کو کچھ مسالے مل دیتے تھے کہ جن کی وجہ سے ہزارہا سال کی پرانی لاشیں سڑنے گلنے سے محفوظ رہتی تھیں۔ چنانچہ ہزارہا سال کی مدفون شدہ جو لاشیں اب برآمد ہوتی ہیں۔ وہ جوں کی توں نظر آتی ہیں مالبتہ مردوں کا گوشت ترخشک ہوا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ان کے ناخن اور بال بدستور اصلی صورت کے نظر آتے ہیں۔ جن علما نے مصر کے قدیم آثار تلاش کر کے شکلیں بتوں ممیوں ان کے زیورات پتھر کی تصویروں ہیروگلیفک حروف وغیرہ کی مدد سے ہزارہا سال کی نامعلوم تاریخ مرتب کی ہے انہوں نے علم تاریخ اور انسانی شائستگی پر بڑا احسان کیا ہے۔ ان کے علم آثار عتیقہ مصریہ کو اجپٹالوجی کہتے ہیں۔ چنانچہ اس جیزہ کے عجائب گاہ میں جسقدر ذخیرہ اجپٹالوجی کا ہے دنیا کے کسی عجائب گاہ میں نہیں ہے۔ پتھر اور لکڑی کے بت اور بادشاہوں کے بت بہت سے موجود ہیں۔ سکندر کے حکم سے یونانیوں نے جو سنگ مرمر کے افلاطون کی شبیہ نہایت کاریگری سے بنائی تھی کہ جس کے پتھر کے بشرہ سے حکیم افلاطون کی اشراقیت نظر آ رہی ہے یہاں موجود ہے۔ ایک اور بت سکندر اعظم کا اسوقت کا موجود ہے جبکہ اسنے مصر پر چڑھائی کی تھی۔ بعض بت ان کے کہ جو متقل تھے۔ جنکی نسبت معلوم ہوا کہ ان کی صورتوں سے آثار رنجش نمایاں ہیں۔ اشیا کی قدامت کے لحاظ سے بھی دنیا کا کوئی میوزیم اس سے خالی نہ ہوگا۔

جامع محمد علی ہر چند کہ مصر کی جامع الازہر سب سے مشہور مسجد ہے۔ کیونکہ اسمیں تعلیم و تعلم کا سلسلہ

بڑے زور شور سے قدیم الایام سے جاری ہے۔ ورنہ بلحاظ عظمت اور خوبصورتی
اور شان و شوکت کے قاہرہ کی بہت سی دیگر مساجد اس سے اعلیٰ ہیں۔ اسوقت
سب سے نئی اور خوبصورت مسجد خدیو محمد علی کی ہے جو بہت بلندی پر قلعہ کے اندر
پہاڑی کی چوٹی پر واقع ہے۔ اور جسکو تعمیر ہوئے ساٹھ ستر سال سے زیادہ زمانہ
نہیں گزرا۔ یہ بڑی شاندار مسجد ہے۔ جس کے دو بلند مینار بہت دور سے نظر آتے
ہیں۔ یقیناً اس کے بعد دنیا میں کہیں ایسی عالیشان اور اتنے صرف زر سے کوئی
دوسری مسجد تعمیر نہیں ہوئی۔ اس مسجد کے اندر خدیو کی قبر ہے۔ مسجد کے گرد کے
برآمدے کے ہر دروازہ کے محراب پر مسجد کی تعریف میں ایک خوشخط عربی مصرعہ فارسی
خط میں کندہ ہے۔ قسطنطنیہ کی مساجد کی طرح مسجد کے اندر چار بڑے بڑے پیل پایوں
پر ایک بڑا گنبد اور اسکے گرد چار نصف گنبد ہیں۔ خوشخط کتبے اور نقش و نگار دل
کھول کر کندہ کئے گئے ہیں۔ اور اسی کے قریب اسی پہاڑی پر قلعہ کے اندر ایک
سنگ خارا میں کھودا ہوا بہت گہرا کنواں ہے۔ جسکو مصری بیر یوسف یعنی یوسف
بیر یوسف کنوئیں کے نام سے مشہور کرتے ہیں۔ یہ ۲۰۰ فیٹ سے زیادہ گہرا ہے۔
اور دریائے نیل کی سطح کے برابر اسکی گہرائی کی سطح ہے۔ اور کنوئیں کے گرداگرد
ڈھلوان سیڑھیاں ہیں۔ جن سے لوگ اس کے اندر اترتے ہیں۔ جب میں آدھی
راستہ تک پہنچا۔ تو وہاں ایک طرف دیوار میں ایک قبر نظر آئی۔ جو میرے ہمراہی
عرب مجاور نے بتلایا کہ حضرت یوسفؑ کے ایک خادم کی ہے۔ اسکے بیر یوسف
ہونے کی ایک یہ وجہ بتلائی جاتی ہے کہ ابو یوسف سلطان صلاح الدین نے
اسے کھدوایا تھا۔ اسلئے چاہ یوسف مشہور ہو گیا۔ ایک عرب خادم اور ایک موم
بتی والا لڑکا میرے ہمراہ تھا۔ میں تو گائیڈ کے کندھے پر ہاتھ رکھکر اترتا تھا
مگر موم بتی والا لڑکا آگے الٹے پاؤں اترتا جاتا تھا۔ نصف سے زمین گہرائی پر
چوبی چرخ لگا ہوا ہے۔ جو کبھی نیچے سے پانی کھینچتا ہوگا۔ سیڑھیاں اسلئے چوڑی
بنا کر ڈھلوان کر دی گئی تھیں کہ گدھے چرخ چلانے کو کنوئیں کے بیچ میں اترکر

مزار امام شافعی یہاں سے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی طرف گیا۔ کہ جنہوں نے یہیں سنہ ۲۰۴ ہجری میں انتقال فرمایا تھا۔ امام صاحب کے مقبرہ کا گنبد عالیشان ہے۔ قبر کے گرد چوبی جنگلہ ہے جس میں صدف کا عمدہ کام جڑا ہوا ہے۔ جیسا کہ دستور ہے ایسے مزاروں پر صدہا مجاور پرورش پاتے ہیں اور مسافروں سے مانگ مانگ کر ~~گزر اوقات کرتے ہیں~~ یہاں ہی اس کے قریب ہی امام ابوالليث اور کئی صحابہ کے مقبرے بتلائے جاتے ہیں۔ مگر میں دیکھ نہ سکا۔ سیدہ عائشہ بنوی کا مقبرہ بھی قریب ہی ہے۔

جامع طولون وغیرہ مصر میں سب سے قدیم مسجد سلطان احمد ابن طولون کی ہے۔ جس پر اس زمانے میں آجکل کے پندرہ لاکھ روپئے کے قریب صرف ہوا تھا۔ جبکہ موجودہ شہر القاہرہ اس کے بانی گوہر نے تعمیر کیا تھا۔ اس سے ہی ایک سو سال پہلے یہ مسجد تعمیر ہوئی تھی۔ جو کہ مسجد کعبہ کے نمونے پر بنائی گئی تھی۔ اس کے علاوہ مسجد حسن جو سنہ ۷۵۷ ہجری میں سلطان حسن نے تعمیر کرائی تھی قاہرہ کی بہترین عمارات سے ہے۔ جامع الحکم۔ برقوق۔ سلطان قلاؤن۔ الغوری وغیرہ مسجدیں قابل دید ہیں۔ سلطان حسن کی مسجد مشہور ہے کہ تین سال تک ہر روز نو ہزار روپیہ خرچ ہوا کرتا تھا۔ قاہرہ میں کل پانچ سو کے قریب مساجد ہیں جنہیں سے قریب بیس پچیس کے نہایت قدیم اور قابل زیارت ہیں۔ میں نے از کمپنی کے ایک فوٹوگرافر سے ان سب مشہور اور شاندار مساجد کے فوٹوگراف خرید لئے مگر افسوس ہے کہ اب ان میں سے جامع عمرو جامع طولون وغیرہ بعض مساجد بالکل شکستہ اور بے مرمت پڑی ہیں۔

اہرام مصر اور ان کی قدامت مصر میں کوئی چیز بھی اتنی عجیب نہیں جتنے کہ یہاں کے اہرام ہیں۔ اہرام جمع ہرم کی ہے جس کے معنے بڑھاپے کے ہیں۔ چونکہ مصر کے قدیم مخروطی مینار اتنے قدیم ہیں کہ ہستی کوئی جان نہیں سکتا کہ کس زمانے میں تعمیر ہوئے تھے۔ اسلئے عربوں نے ان کا نام اہرام یعنی بہت پرانے مینار رکھا

آجکل کی جدید تحقیقات کے مطابق جو محققین یورپ و امریکہ نے آثار قدیم مصر کے متعلق کی ہے یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ یہ مینار تخمیناً چھ ہزار سال آج سے پہلے تعمیر کئے گئے ہونگے۔ ابو التاریخ ہیروڈوٹس نے ۴۵۰ء قبل مسیح ان میناروں کی قدامت پر اظہار حیرت کیا تھا۔ ایک عیسائی مصنف نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے بھی اسنے ایک سو سال قبل کی تعمیر بتلایا ہے۔ بہرحال ان کی تعمیر کی غرض یہ تھی کہ ان میں ان زمانوں کے بڑے بڑے بادشاہ دفن کئے گئے تھے۔ اور ایسے طور پر ان کے اندر ان کی لاشوں کو رکھا گیا تھا۔ کہ باوجود کوشش کے ہمیو دینے کے بھی لاشیں بڑی مشکل سے مختلف حجروں میں چھپی ہوئی ملیں۔ تاہم ایچ جی ای ڈاسینٹ ڈالماس صاحب نے اپنی "ہرم اعظم اندر اور باہر سے" نامی کتاب میں اس سب سے بڑے مینار کی نسبت عجیب حالات لکھے ہیں۔ اور اس بات پر بحث کرکے ثابت کیا ہے کہ دوسرے اہرام کی طرح یہ بھی بطور ایک قبر کے استعمال کرنے کے لئے چیوپس نامی ایک نہایت قدیم بادشاہ مصر نے اسے تعمیر کیا تھا۔ لیکن اسکی لاش اسمیں دفن نہیں کی گئی۔ کہ یہ مینار بعض ستاروں کے نہایت نادر اقتران کے وقت تعمیر کیا گیا تھا۔ جیسا کہ اسکے اضلاع اور اسکے اندرونی حجروں کی پیمائش کی مقدار سے ثابت ہوتا ہے جو یورپ کے مختلف منجموں نے سالہا سال کی تحقیقات سے کی ہیں۔ اور کہ یہ ایک نادر رصدگاہ کی نیت سے بھی تعمیر ہوا تھا۔

خلیفہ مامون الرشید اور بڑے مینار کی اندرونی کیفیت

ہزار ہا سال گذر چکے تھے مگر کوئی نہیں جانتا تھا۔ کہ ان عجیب ترین عمارات کے اندر کیا بھید ہے یا ان کی تعمیر کی کیا غایت ہے۔ کہ آخر خلیفہ المامون عباسی نے ۸۲۰ء میں اس راز سربستہ کے معلوم کرنے کا ارادہ کیا۔ اور اسے بعض لوگوں نے بتلایا کہ قدیم سے خیال چلا آتا ہے کہ ہرم کے شمالی ضلع سے راستہ نکل سکیگا۔ خلیفہ نے ضلع کے وسط سے کام شروع کرایا۔ بجائیکہ سطح زمین سے اوپر ۴۹ فیٹ کچھ اونچے مشرق کی طرف

جسکو داخلہ کا پتھر نصب تھا۔ غرض خلیفہ کے حکم سے صدہا مزدور اور کاریگر مینار
کھودتے ہوئے تھے۔ مگر اس پتھر کے پہاڑ کے مقابلہ سے جلدی عاجز آگئے۔ لیکن
خلیفہ نے اصرار کیا کہ میں ضرور اسکے اندر کا راز منکشف کرنا چاہتا ہوں۔ آخر چھتوں
سے گذر کر مہینے ہو گئے۔ اور مزدوروں اور سنگتراشوں کی پریشانی بہت بڑھ
گئی۔ لاکھوں روپے شاہی خزانہ سے نکل گئے۔ کہ ناگاہ ایک روز مزدوروں نے
ایک جگہ سے ایک پتھر کے گرنے کی آواز سنی۔ یہ ایک پتھر راستے کے سامنے
جوڑا ہوا تھا۔ جو گر گیا۔ اور اندر کا راستہ نظر آگیا۔ خلیفہ بڑے شوق سے
اندر گیا۔ مگر بادشاہی کمرہ میں سوائے ایک سنگی خالی تابوت کے اور کچھ نہ تھا
خلیفہ نے چپکے سے رات کو اتنی اشرفیاں خزانہ شاہی سے لیکر جتنی مینار
کی کھدائی پر صرف ہوئی تھیں ایک جگہ مینار کے اندر ایک راستہ میں دفن کرا
دیں اور ادھر سے کھودتے ہوئے انہیں نکالکر کہا کہ الحمد للہ ہمیں خزانہ ملگیا۔ اور شمار
کرنے پر معلوم ہوا کہ جتنا خرچ ہوا تھا۔ اتنا نکل آیا ہے۔ چنانچہ اب سب سیاح
ان کمروں کو دیکھتے ہیں۔ اور میں نے بھی بعض راستے اس دنیا کے سب سے بڑے
تعمیر کے اندر دیکھے تھے۔ کہ جو زمانہ قدیم کے سات عجائبات میں سے ایک
ہے۔ اور ان میں سے اکیلی ہی ابتک باقی ہے۔ ورنہ باقی چھ عجائبات معدوم
ہو چکے ہیں۔ مصر میں مختلف مقامات میں یہ مخروطی مینار موجود ہیں۔ جو تعداد
میں کل تیس ہیں۔ لیکن ان میں سب سے بڑا مینار مع کئی چھوٹے میناروں اور اسفنکس

بڑے مینار کی عظمت

ہے۔ کہ جسکو عرب ابوالہول کہتے ہیں۔ قاہرہ سے آٹھ دس میل
کی مسافت پر واقع ہے۔ وہ عظمت اور ہول جو اس دنیا کی
سب سے بڑی تعمیر کے دامن میں کھڑے ہونے سے دیکھنے والوں کی آنکھوں میں
پیدا ہوتے ہیں۔ کوئی قلم انکا صحیح نقشہ پیش نہیں کر سکتا۔ شہر مصر سے آٹھ
دس میل کے فاصلے پر دریائے نیل کی بائیں جانب ایک بلندی پر یہ مخروطی مینار
واقع ہیں۔ بڑے مینار کی بلندی ۴۸۱ فیٹ یعنی دہلی کی قطب صاحب کی

لاٹ ہے دو چنار اور ایک ضلع کا طول ۷۶۰ فیٹ ہے۔ کل رقبہ زیر آمد
(۵۷۷۶۰۰۰) مربع فیٹ کل پتھر کی مقدار پانچ ملین ٹن اور کل چنائی کی مقدار
۹۰ ملین مکعب فیٹ ہے۔ مینار کے لفظ سے اس تعمیر کی شکل کا صحیح اندازہ
نہیں ہو سکتا۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ بڑا مینار ایک مربع قطعہ اراضی پر تعمیر ہے جسکا
ہر ضلع (۷۵۰) فیٹ ہے۔ جو بہت بڑے بڑے پتھر کی چٹانوں سے تعمیر کیا گیا ہے
یہ چٹان تخمیناً ڈیڑھ گز لمبے اور گز سے زیادہ چوڑے اور اونچے ہیں۔ چونا گچ کی بجائے
میں اینٹوں کا کام دیتے ہیں۔ ہر تہ سے اوپر کی تہ ایسا ایک ایک چٹان خالی چھوڑ
کر رکھی گئی ہے۔ ایسے طور پر کہ ہر بیرونی تہ چٹانوں کی ایک کرسی کی میز کے
برابر اونچی سیڑھی اوپر چڑھنے کے لئے بن گئی ہے۔ اور اس طریق تعمیر سے مینار
نوکدار بنتا ہوا چوٹی پر ایک پتھر پر جا ختم ہوا ہے۔ اور اسکے چاروں طرف سیڑھیاں
سی بن گئی ہیں۔ میں نے اسلئے ان میناروں کی صورت اور تعمیر کے طریق کو اس
وضاحت سے بیان کرنا مناسب سمجھا ہے کہ ناظرین بخوبی سمجھ سکیں کہ
ان کی شکل کیسی ہے۔ کیونکہ باوجود مخروطی شکل کے خیال سے واقف ہونے
کے میں ان کی صحیح شکل نہیں جانتا تھا۔ جب تک کہ [illegible]
پتھر جن سے یہ مینار تعمیر ہوئے ہیں۔ اتنے بڑے [illegible]
تعجب ہوتا ہے کہ یا تو اس زمانے میں کہ جس میں یہ تعمیر ہوئے [illegible]
آجکل سے بہت ہی زیادہ ترقی پر ہوگا۔ کیونکہ سینکڑوں میل کی مسافت سے یہ
پتھر یہاں لائے گئے ہیں۔ اور پھر اتنی بلندی تک اونچا چڑھایا گیا ہے۔ یا یہ انسان
کا کام نہیں ہے۔ بلکہ جنات کا کام ہے۔ اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ اسی قسم کا خیال
امام محی الدین عربی نے بھی ظاہر کیا ہے۔ آپ نے بعض تحریرات سے جو
ان میناروں پر کسی زمانے میں موجود تھیں۔ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ یہ ستاروں کے
ایسے اقتران کے وقت تعمیر ہوئے تھے۔ جسکو کئی ہزار سال گذرے ہیں۔
جنات نے ان کو تعمیر کیا ہوگا۔ یہ خیالات ان میناروں کے اہرام بنانے کیلئے

کافی ہیں۔ کیونکہ عربی زبان میں ہرم بہت بوڑھے کو کہتے ہیں کہ جسکی جمع اہرام ہے۔

ایک مینار گرانے کی شرح

ان میناروں میں سے جو سب سے چھوٹا ہے اور اوپر سے اسکا پلستر خراب ہوا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اسکی یہ کیفیت مؤرخ بیان کرتے ہیں کہ سنہ ۵۹۳ ہجری میں ملک العزیز پسر سلطان صلاح الدین نے بعض احمق مشیروں کی تحریک سے اسے گرانا چاہا تھا۔ چنانچہ بہت سے سنگتراش اور مزدور اسکام پر لگا دیئے اور آٹھ مہینہ تک سرگرمی سے اسے گرانے کی کوشش جاری رہی جسپر ہزاروں روپے خرچ ہوگئے۔ مگر سوائے کچھ پلستر خراب کرنے کے کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ ایک قدیم مصری بادشاہ کا قصہ مذکور ہے کہ اُسنے اندازہ لگایا تھا کہ اگر میں اپنا تمام خزانہ بھی ان میں سے ایک مینار کے گرانے پر صرف کردوں تو مینار کا بہت چھوٹا سا حصہ گرایا جاسکیگا۔ یہ مصری مینار ایسے عجائبات عالم ہیں۔ کہ جنکی تھوڑی سی کیفیت درج کی گئی ہے۔

میناروں کی سیر۔

قاہرہ کے جدید یورپین حصے کے قریب دریائے نیل پر ایک پل بنایا گیا ہے۔ جسے قصر النیل کہتے ہیں۔ اور پل کے دوسری طرف موضع الجیزہ واقع ہے کہ جہاں مصر کا آثار قدیم کا نامور عجائب خانہ ہے۔ کہ جسکی کیفیت اوپر بیان ہوچکی ہے۔ یہاں سے ایک غرش دے کر برقی ٹریوے کے ذریعہ سے آدھ گھنٹہ میں ان میناروں کے دامن میں پہنچ جاتے ہیں۔ یہاں جو لوگ میناروں کے اوپر چڑھنا چاہتے ہیں۔ دو شلنگ دیکر ایک ٹکٹ خرید لیتے ہیں۔ اور جو صرف ان کے گرد چکر لگانا چاہتے ہیں وہ ایک شلنگ کا ٹکٹ لیتے ہیں۔ ٹکٹ کا دفتر یہیں ہوتا ہے جہاں ہر وقت بیسیوں یورپین دنیا کے ہر حصے سے اہرام کے دیکھنے کے لئے یہاں موجود رہتے ہیں۔ ہر ٹکٹ لینے والے شخص کے ہمراہ ایک عرب شیخ ایک ایک عرب کو متعین کر دیتا ہے۔ اگر وہ شخص مینار کے اوپر چڑھنا چاہتا ہے۔ تو یہ شخص آگے ان بڑی سیڑھیوں پر کھینچتا ہوا چوٹی تک لے پہنچتا ہے۔ ہر سیڑھی کی بلندی تہائی کمر یا ناف تک پہنچتی ہے۔ اسلئے ناواقف شخص کا تنہا مینار پر چڑھ جانا

سخت مشکل ہے - کمزور شخص - بزدلوں اور یورپین عورتوں کو دو دو عرب کھینچکر چڑھاتے ہیں - مگر اوپر چڑھتے ہوئے تم نے ذرہ بھی زمین کی طرف دھیان کیا - تو تمہارا سر چکرا جاتا ہے اور تمہیں خوف دامنگیر ہوجاتا ہے کہ اگر یہاں سے پاؤں پھسل جائے تو کسی طرح بھی زندگی بلکہ جسم کا سلامت رہنا ممکن نہیں - تاہم ہر روز سینکڑوں یورپین مرد اور عورتیں اِن عربوں کی مدد سے بڑے مینار پر چڑھتے ہیں - بعض لوگ اس کے اندر بھی گھستے ہیں - اندر جانے کا راستہ بھی مشکل ہے کہ جسے عرب شعلیں لیکر دکھلاتے ہیں - اسلئے میں بہت دور نہیں گیا -

ابوالہول اسی بڑے مینار سے ۴ سو گز کے قریب سفنکس یعنی ابوالہول کا عظیم الشان بت ہے جو ایک ہی پتھر کے چٹان سے تراشا ہوا ہے - نیچے کا دھڑ شیر کا اور سر عورت کا ہے - جو قدیم اہل مصر کے نزدیک طاقت اور عقل کی علامت تھی - اسکی ٹانگیں پچاس فیٹ لمبی ہیں - سر کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے - کہ ابرو سے ٹھوڑی تک تیس فیٹ اور سر کی چوڑائی ۱۴ فیٹ ہے - اس عجیب غریب بت میں یہ نہایت حیرتناک بات ہے کہ اسکی آنکھوں سے حسرت ٹپکتی ہے اور اسکے اعضا میں اسقدر شدت کا تناسب قائم رکھا گیا ہے کہ اسمیں کوئی نقص نکالنا ممکن نہیں - مگر اب سفنکس کا ناک اور منہ کچھ خراب ہوگیا ہے جو معلوم ہوا کہ ایک دیندار مسلمان سلطان نے بت کی شان خراب کرنے کے واسطے تڑوا دیا تھا - یہ عظیم بت مرور زمانہ کی وجہ سے ریگ میں دب گیا تھا - کیونکہ جہاں یہ واقع ہے وہاں چاروں طرف ریگستان ہے لیکن اب ریگ کو چاروں طرف سے تھوڑا تھوڑا ہٹا کر اسکو نکالا گیا ہے - اسی کے قریب زمین کے اندر ایک مندر دکھلایا گیا جس میں سبز اور سیاہ پتھر کی اتنی لمبی چٹانیں استعمال کی گئی تھیں کہ ایک چٹان کا طول میں نے سات گز لمبا اندازہ کیا - کہتے ہیں کہ اسی قسم کے مندر ہر مینار کے ساتھ بنے ہوئے تھے - جن میں اُس زمانے میں ان بادشاہوں کی لاشوں کی پرستش ہوتی تھی - کہ جو اِن میناروں کی تہوں میں دفن کئے تھے - کیونکہ وہ لوگ بادشاہوں کی لاشوں میں صفات الوہیت کے قائل تھے مدرکہ

نیل کے اس کنارے پر لق و دق ریگستان میں ان عظیم الشان اہرام اور ابوالہول کے دور سے دیکھنے سے عجیب و غریب نظارہ پیدا ہوتا ہے اور آنکھوں کے سامنے وہ تمام بوقلموں نظارے پھر جاتے ہیں جو مرور زمان میں ان قدیم میناروں پر گذر چکے ہیں۔ ایک عرب شاعر اس مضمون کو ان خوبصورت سطروں میں قلمبند کرتا ہے

تامل بنیت الھرمین وانظر	(اہرام کی عمارت کو دیکھو اور اس پر نظر کرو۔ اور ان دونوں
وبینھما ابوالھول عجیبٌ	کے مابین ابوالہول ایک عجیب چیز ہے۔)
ومار انیل بینھما د موعٌ	(اور دو دریائے نیل ان دونوں کے درمیان آنسو کی طرح ہے
وصوت الریح عندھم نحیبٌ	اور ہوا کی صدا ان کے نزدیک ماتم کی آواز ہے)
ورودھما المقطم وھو یحکی	وان دونوں کا مستقر مقطم کی پہاڑی ہے جو کہتی ہے
رکاب الرکب ابرکھا اللغوبٌ	کہ سواروں کے اونٹوں کو تکان نے تھکا کر بٹھا دیا)

مصر کے مزدور جیسا کہ میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں مصر کے مزدور بڑے خراب ہیں یہ مسافروں کو لوٹتے ہیں۔ اور ایسے بے اصول اور لٹیرے ہیں کہ کام کی حیثیت اور اجرت کی مقدار میں کوئی بھی نسبت نہیں قایم کرتے۔ ایک دو آنہ کے کام کے بدلے فوراً دو روپے مانگ لیتے ہیں۔ پھر خواہ تم جھگڑ کر انہیں چار آنہ تک لے آؤ۔ مگر ناواقف اکثر دھوکہ کھاجاتا ہے۔ اور مصر میں ہر مرتبہ قلیوں اور گاڑیبانوں سے مجھے زیادہ مزدوری لی ہے۔ جب تم کسی مزدور کو اس کے مطالبہ کے موافق نہ دو۔ تو تمہیں سکھانے لگتا ہے اور اکثر کہتا ہے۔ تجیات ربنا ھذا مافیش کافی۔ یعنی خدا کی قسم یہ تھوڑا ہے۔ برأس الحسین یعنے امام حسین کے سر کی قسم۔ شاید مصر کے مزدور اس وجہ سے بہانہ زیادہ دستانی اور بے اصولی کے عادی ہوگئے ہیں۔ کہ یورپین سیاح خصوصاً انگریز اور امریکن سیاح اپنی دولتمندی اور ملک کی ناواقفی کی وجہ سے مزدوروں کو منہ مانگی اُجرتیں دے دیتے ہیں۔ اس سے وہ دوسرے مسافروں کو بھی تنگ کرتے ہیں۔ مصر کے بندرگاہوں پر کچھ قلی یا ترجمان اُردو بعض فقرے ہی جانتے ہیں۔ اور انگریزی تو اکثر ٹوٹی پھوٹی بول سکتے ہیں۔

مصر کے مطابع۔ اخبارات اور بعض مشاہیر سے ملاقات

مصر کے مطابع | مصر کے مطابع کے متعلق یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ یہاں دو قسم کی کتابیں چھپتی ہیں۔ ایک تو قدیم مصنفین کی عربی تصانیف مثلاً فقہ۔ حدیث۔ تفسیر۔ تاریخ صرف نحو وغیرہ اور دوسری زمانہ حال کی کتابیں جو کتب حدیثہ کہلاتی ہیں۔ مثلاً یورپین زبانوں کے ترجمے۔ یا مدرسوں کی کتابیں اور پمفلٹ وغیرہ۔ قدیم کتابیں علاوہ تاجروں کے مطابع کے مصر کے سرکاری مطبع یعنے میری بولاق میں چھپتی ہیں کہ جسے پہلے پہل خدیو محمد علی نے جاری کیا تھا۔ اور یہاں سے آجتک بہت سی بیش قیمت کتابیں چھپ چکی ہیں۔ اس سرکاری مطبع کی کتابیں بھی دوسری کتابوں کی طرح بازار میں بکتی ہیں۔ یہ کتابیں نسبتاً اچھے کاغذ پر چھپتی ہیں اور اسی قدر گران بھی ہوتی ہیں۔ مگر بازاری مطابع کی کتابیں عموماً حنائی کاغذ پر معمولی ٹائپ کے حروف میں چھپتی ہیں اور مقابلۃً ارزان ہوتی ہیں ان میں عام دستور یہ ہے کہ ایک کتاب متن میں ہوتی ہے۔ تو اسی فن یا اسی مصنف کی کوئی دوسری کتاب حاشیہ پر جز ناز ختم چھپتی ہے۔ مصر میں میں نے دیکھا ہے کہ ہندوستان کی نسبت کتابوں کے مجلد کرکے فروخت کرنے کا زیادہ رواج ہے۔ بعض کتابیں اجزا کی صورت میں بھی فروخت ہوتی ہیں لیکن زیادہ مجلد بکتی ہیں۔ پتھر پر چھاپنے کا بہت کم رواج ہے۔ اور سوائے قرآن مجید کے شاذ و نادر کوئی دوسری کتاب پتھر پر چھاپی جاتی ہے۔ ایسی مصری کتابیں مصر میں بہت ارزاں بکتی ہیں۔ چنانچہ میں نے مصطفےٰ بابی الحلبی تاجر کتب خان خلیل مصر سے ڈیڑھ سو روپے کی کتابیں خریدیں اور بعض دوسری کتابوں کے تھے بند کرکے سویز تک ریل میں اور پھر جہاز میں اپنے ہمراہ لایا تھا۔ لیکن اپنے ہمراہ

لانے میں میرا خرچ نسبتاً زیادہ ہو گیا۔

کتب حدیث کتب حدیث کے چھاپنے والے مطابع علیحدہ ہیں۔ ان میں سے سب سے بڑا مطبع محمد علی صاحب کامل کا ہے۔ یہ کتابیں خوشنما ترکی ٹائپ سے چکنے ولایتی کاغذ پر زیادہ اہتمام سے چھپتی اور یورپ کی اچھی چھپی ہوئی کتابوں سے مقابلہ کر سکتی ہیں۔ محمد علی صاحب کامل ایک نوجوان مصری ہیں۔ انہوں نے فرانسیسی زبان اعلیٰ درجے کی تحصیل کی اور قانون کا امتحان پاس کر لیا۔ تاہم مطبع کے پیشہ کو ترجیح دی۔ اور خوبصورت عربی کتابیں چھاپنے کا انہیں بڑا شوق ہے۔

عربی اخبارات اور رسالے قاہرہ میں بہت سے روزانہ اور ہفتہ وار اخبار اور ماہوار رسالے عربی زبان میں شائع ہوتے ہیں۔ جن میں بعض مسلمانوں اور بعض عیسائیوں کے ہیں۔ روزانہ اخبارات میں المؤید سب سے بڑا اخبار ہے۔ اور اب اللواء بھی ترقی کر رہا ہے اور برقی طاقت سے شائع ہوتا ہے۔ مگر المؤید کے ہوشیار مالک شیخ

المؤید علی یوسف صاحب کی لیاقت اور رسوخ سے ان کا سکہ ایسا بیٹھ چکا ہے کہ مصر کے اچھے اچھے لوگ المؤید سے ڈرتے ہیں۔ المؤید دولت عثمانیہ کا طرفدار ہے مگر انگریزی قبضہ مصر سے بھی اظہار مخالفت نہیں کرتا۔ اور شاید دنیا میں مسلمانوں کا سب سے بڑا اخبار ہے۔ مجھ سے شیخ علی یوسف مالک و ایڈیٹر المؤید بڑی مہربانی اور محبت سے پیش آئے۔ اور ان سے دو تین ملاقاتیں ہوئیں آخری روز جب میں ان سے رخصت ہوا تو افسوس کرتے تھے۔ کہ میں نے اتنی جلدی رخصت ہونے کا ارادہ کر دیا۔ اس پر انہوں نے میری کچھ کیفیت حسن ظن کے ساتھ اس روز کے المؤید میں شائع کی اور مجھے اپنا فوٹوگراف بھی دیا۔ یہ دبلے پتلے چھوٹے سے قد کے آدمی ہیں۔ اور وطنی لباس پہنتے ہیں۔ سوائے عربی زبان کے کوئی مغربی زبان نہیں جانتے۔ مگر عربی لکھنے اور معاملات کے سمجھنے میں بڑے لائق ہیں۔ ان کے نائب ایڈیٹر انگریزی اور فرانسیسی زبانیں جانتے ہیں۔ دوران گفتگو میں میں نے ان سے ذکر کیا۔ کہ ہندوستان میں انگریزی زبان کے اخبارات ایسی

زبان کے اخبارات سے زیادہ معزز اور بہت ہوتے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ مصر میں
صورت اس کے برعکس ہے۔ وہاں عربی زبان کے اخبارات سب سے بڑے ہیں یعنی
کہا کہ انہیں حاکم قوم کی زبان ہونے کا فخر ہے۔ جب شیخ علی یوسف صاحب نے
مہربانی کر کے مجھے اپنا چھاپہ خانہ دکھلایا۔ کہ جس میں ایک بہت بڑی مشین پر ان کا اخبار
چھپ رہا تھا۔ تو میں نے پوچھا کہ المؤید کی اشاعت کس قدر ہے۔ آپ نے کہا آٹھ ہزار
روزانہ ہے۔ یہ اشاعت ہندوستان کے شاید ہی کسی روزانہ انگریزی اخبار کی
ہو۔ مصر میں بازاروں میں اخبارات بکنے کا رواج بہت ہے۔ اور عام لوگوں
میں اخبار خرید کر پڑھنے کا مذاق بھی خوب پیدا ہو گیا ہے۔

اللواء میں مصطفےٰ کامل صاحب ایڈیٹر و مالک اللوا سے بھی ملا جنہوں نے
ابھی سال گذشتہ میں روزانہ اخبار جاری کیا تھا۔ لیکن ان کی ذات کی شہرت
ان کے اخبار سے بھی زیادہ ہے۔ یہ ایک چھریرے بدن کے خوبصورت نوجوان
ہیں۔ یورپین لباس پہنتے ہیں۔ پہلے انہوں نے قانونی پیشہ کیلئے تعلیم حاصل
کی تھی۔ لیکن جب حب وطنی نے جوش مارا۔ انہوں نے اسبات کی تائید میں لکچر
دینے شروع کئے کہ انگلستان نے مصر میں عرابی پاشا کی بغاوت کے وقت فوج
بھیجتے ہوئے وعدہ کیا تھا کہ جب امن ہو جائیگا۔ تو مصر خالی کر دیا جائیگا۔ لیکن
اب اس بات کو مدت طویل گذر چکی ہے۔ اور مصر میں ہر طرح سے امن بھی ہے
اب انگلینڈ اپنے وعدے کو ایفا کرے۔ یہ عربی زبان کے علاوہ فرانسیسی میں
بہت اچھی تقریر کر سکتے ہیں۔ چنانچہ بار بار فرانس اور ایک بار جرمنی میں جاکر انہوں نے
کئی تقریریں اس بارے میں کیں۔ اور وہاں کے ایڈیٹروں نے ان کی خوب
آؤ بھگت کی۔ انہوں نے خیر و عافیت کے بعد مجھ سے پوچھا کہ ہندوستان میں
تم لوگوں کا کیا حال ہے۔ تو میں نے کہا۔ اچھا ہے۔ ہم لوگ تعلیم حاصل کرنے کی
کوشش کر رہے ہیں۔ اور انگریزی حکومت کے زیر سایہ ہمیں ہر طرح کی اصلاح اور
ترقی کی آزادی حاصل ہے۔ جب میں نے انہیں اپنا مطلب بخوبی سمجھا دیا۔

تو انہوں نے کہا۔ کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ میں انگریزوں کا دشمن ہوں وہ غلطی کرتے ہیں۔ میں تو ان کے مصر پر قبضہ رکھنے کی ایک پالیسی کا مخالف ہوں۔ ورنہ انگریزوں میں میرے دوست موجود ہیں۔ یہاں تک کہ لارڈ ڈفرن کا بیٹا جو جنگ ٹرنسوال میں مارا گیا ہے۔ وہ میرا بڑا دوست تھا۔ میں نے جوانان مصر کی تعلیم قومی خیالات اور خلوص اور کیریکٹر کی نسبت ان کی رائے دریافت کی تو انہوں نے جواب دیا کہ بیشک وہ بہت ہوشیار اور معقول اور اہل خلوص ہیں۔ کیونکہ ہماری ابتدائی تعلیم کی کتابوں میں یہ سب باتیں مدنظر رکھی گئی ہیں۔ ہم ملک اور قوم کے حقوق پہلے سکھلاتے ہیں۔ خاتمہ پر کہا کہ مصر میں کئی شیر غاروں میں سوتے ہیں جو بوقت ضرورت نکل آئیں گے۔ لیکن میرے ہمراہیوں محمد شکری اور عابدین آفندی نے مجھے راستہ میں یقین دلایا کہ مصر کے نوجوان اکثر نالائق ہیں۔ تھوڑی سی فرنچ یا انگلش سیکھکر نوکری حاصل کر لینے کے بعد سوائے کھانے شراب پینے اور عیش وعیاشی کے انکا اور کوئی کام نہیں۔ بہر حال مصطفےٰ کامل صاحب ہونہار اور پرجوش آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ اور ان کا اخبار ترقی کر رہا ہے۔ میرے واپس آنے کے بعد مصطفےٰ کامل پاشا کو بہت کامیابی ہوئی ہے۔ ان کے ہمخیال لوگ بہت بڑھ گئے ہیں۔ اور ۱۹۰۷ء سے انہوں نے مصریوں کے قومی گروہ کے اغراض کی اشاعت کیلئے علاوہ روزنامہ اللواء کے ایک فرانسیسی اور ایک انگریزی روزنامہ بنام لے تاندردا ایجپسیان اور دی ایجپشن سٹینڈرڈ جاری کئے ہیں۔ مصر کی آزادی کے لئے کوشش کرنا اور باب عالی کی حمایت مصطفےٰ کامل پاشا کی پالیسی کا خلاصہ ہے۔

المقطم — یہ بھی روزنامہ اخبار انگریزی قبضہ مصر کا اکیلا آرگن ہے۔ فارس نمر ایک مشہور عیسائی اسکا ایڈیٹر ہے۔ یہ اخبار خبروں میں متانت کا لحاظ رکھکر اندرونی معاملات ملک پر خوب لکھتا ہے۔ مگر عثمانی حکومت کی پالیسی پر ضرورتاً آتا ہے وہ ترکوں پر بعض اوقات معقول اعتراض کرتا ہے۔ سب سے مقدم پالیسی اس اخبار کی انگریزوں کی رضاجوئی ہے کیونکہ وہ صاحب طاقت ہیں۔

نہ نہایت افسوس ہے کہ ۱۹۰۸ء میں عین عالم شباب میں ان کا انتقال ہو گیا ہے۔

الاہرام | یہ بھی عیسائی روزانہ اخبار ہے جو عام مصری پبلک اور عثمانی پالیسی کو راضی رکھنا چاہتا ہے۔ بعض اوقات یہ فریق حقوق کا بھی پاس کرتا ہے۔ اور عموماً بے رو و رعایت لکھتا ہے۔

ان کے علاوہ اللیبر، والنظام، وغیرہ اور کئی ایک روزانہ اور ہفتہ وار پولیٹیکل اخبار بھی قاہرہ سے شائع ہوتے ہیں۔ ماہوار رسالے الہلال۔ المنار، الحیات، المقتطف، انوار الاسلام وغیرہ کئی نکلتے ہیں۔ کہ جنکی فہرست بہت لمبی ہے۔ ان میں سے میں رشید آفندی صاحب ایڈیٹر المنار سے ملا۔ یہ بڑے لائق اور فاضل نوجوان ہیں۔ ہندوستان

المنار | کے اخبارات میں بارہا ان کے بیش بہا رسالے سے مضامین ترجمہ ہو کر چھپتے ہیں جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ اسلامی مسائل پر کس لیاقت سے لکھ سکتے ہیں۔ اور موجودہ زمانے کے مسلمانوں کو صحابہ کبار کے زمانے کے مسلمانوں کی طرح بنانا چاہتے ہیں۔ ایسے محمد عبدہ صاحب مفتی دیار مصر آپکے اعزہ سے ہیں۔ آپنے ان سے میری

مفتی محمد عبدہ صاحب | ملاقات کرائی۔ مفتی صاحب علوم دینیات میں فاضل اجل ہیں اور زمانہ حال کے حالات سے بھی بے خبر نہیں۔ آپ اپنے اعلیٰ عہدے کی بہت سی ذمہ داریوں کے علاوہ اکثر سرکاری اور غیر سرکاری مجلسوں کے رکن رکین ہیں۔ اور رفاہ عام کے کاموں میں مدد کرنے کے دل سے ساعی رہتے ہیں۔ مفتی صاحب نے ایک روز مجھ سے مسلمانان ہندوستان کی تعلیمی کیفیت دریافت کر کے کہا کہ کیا ایسی دنیاوی تعلیم سے طلبا مذہب کو تو نہیں بھول جاتے۔ میرے اس سوال کے جواب میں کہ کیا سوائے اسلام کے دیگر ادیان کے نیک لوگ بھی مستحق مغفرت ہیں یا نہیں فرمایا کہ جو نیک بندے خدا کو ایک مانتے ہیں وہ بخشے جائیں گے۔ جنت کے لئے نیک ہونا ہی شرط ہے بد مسلمان بھی نہیں بخشے جائیں گے۔ جو خدا کو واحد نہیں مان سکتے ان کے دماغ صحیح نہیں۔ اور چونکہ نجات کے لئے مرد کامل ہونے کی ضرورت ہے وہ اسکو نہیں پا سکتے اور بھی بہت سی باتیں ہوئیں۔ آپنے اپنی تصنیف سے رسالہ التوحید اور تقریر مفتی دیار مصر کے کئی نسخے دیئے۔ ایک روز میں ازہر میں آپ کے درس تفسیر

میں بھی شامل ہوا۔ مگر افسوس ہے کہ گذشتہ سال میں ایسے علامہ کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مفتی صاحب فرانسیسی بول سکتے تھے اور کہتے ہے کہ میرا ارادہ ہے کہ انگلستان میں رہ آؤں تاکہ انگریزی بولنا سیکھ لوں۔ افسوس کہ ایسے اولوالعزم بزرگ ہیں۔

خدیو المکرم کی ملاقات کا ارادہ

قاہرہ سے رخصت ہونے سے دو روز پہلے رشید آفندی حقانی ایڈیٹر المنار نے مجھے کہا کہ اگر مجھے حضرت خدیو المکرم کی ملاقات کا شوق ہو تو اسکا انتظام کریں۔ چنانچہ اس گفتگو سے تھوڑی دیر بعد ہم دونوں ایک گاڑی پر سوار ہو کر قصر عابدین میں جا پہنچے۔ آگے ایک پہرہ تھا۔ ہم اس سے آگے بڑھے تو ایک شخص نے ہمیں ایک ویٹنگ روم میں بٹھلا دیا جو آرام کرسیوں اور عمدہ فرش سے آراستہ تھا۔ تھوڑی دیر میں ایک اور شخص نے آکر ہمیں ایک اس سے بھی زیادہ پر تکلف کمرہ میں لیجا کر بٹھلا دیا۔ اتنے میں ایک افسر نے آکر اطلاع دی کہ حضور خدیو چار روز کے لئے شہر سے چند میل باہر تشریف رکھتے ہیں مگر ضروری کام ہو۔ تو بذریعہ ٹیلیفون اجازت حاصل کر دوں۔ لیکن چونکہ میں جہاز کا ٹکٹ خرید چکا تھا۔ اور زیادہ ٹھیر نہیں سکتا تھا اسلئے ارادہ زیارت فسخ کر دیا۔

لطیف پاشا سلیم حجازی

شکری آفندی صاحب نے اعیان قاہرہ میں سے ایک علم دوست بزرگ لطیف پاشا سلیم حجازی سے ملاقات کرائی۔ پاشا نے موصوف کے دل میں قومی درد کا بہت احساس تھا۔ مگر ساتھ ہی اُن پر قومی بدنصیبی کیوجہ سے دفور یاس کا غلبہ تھا۔ اُن کی گفتگو کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمان خواہ ہندی ہوں۔ ترکی یا مصری یا چینی میں سب جگہ نالائق اور ذلیل ہیں۔ اب یہ امت مر چکی ہے۔ خدائے تعالےٰ جبتک کسی اور رسول کو ان کے احیا کے لئے نہ بھیجے ممکن نہیں کہ یہ پھر جئیں۔ اب انگریزی یا فرانسیسی پڑھنے۔ مدرسے جاری کرنے۔ مجلسیں قائم کرنے اور فابریقے (فیکٹریاں) بنانے سے کچھ نہیں ہوگا۔ میں نے کہا استغفر اللہ یہ مایوسی تو ایمان کے خلاف ہے۔ اسپر پاشا صاحب نے کہا کہ کیوں نہیں کوئی ہندوستان کا مسلمان قرآن کے صحیح مطلب کا انگریزی ترجمہ کر دیتا تاکہ اہل یوروپ کو اتنا معلوم ہو کہ مسلمانوں کے

مذہب میں عیسائیوں سے محبت اور ان سے برادرانہ برتاؤ ضروری قرار دیا گیا ہے

میرزا ابوالفضل صاحب بہائی میرزا صاحب بھی لطیف پاشا صاحب کو ملنے آئے تھے اور یہیں میری اُن سے ملاقات ہوئی۔ یہ بڑے علامہ اور باخبر آدمی معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ گو میں برق ایجاد نہیں کر سکا لیکن برق ایجاد کرنے والوں کو مسلمان کر لیتا ہوں۔ اسوقت تو مجھے ان کا یہ تحبر ناپسند آیا۔ لیکن تاہم مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ یہ مرزا صاحب مذہب بہائی کے بڑے نامور خادم ہیں اور انہیں کی کوشش سے اضلاع متحدہ امریکہ کے ہزارہا عیسائی بابی و بہائی بن گئے ہیں۔

رخصت ہونے کے وقت پاشا صاحب نے اپنی تصنیفات سے الفاصل بین الحق والباطل ترکی عربی کی دو جلدیں اور خلاصۃ الکلام فی ترجیح دین الاسلام کی چار جلدیں مجھے ہدیۃ دیں۔ لطیف پاشا سلیم صاحب قاہرہ کی مخلوط عدالت کے آنریری پریسیڈنٹ اور سابق مدیر ضبطیہ وانسپکٹر تعلیم فوجی رہ چکے ہیں۔ اسمٰعیل پاشا اور توفیق پاشا کے زمانہ میں ملک کے پالٹکس میں آپ نے بڑی سرگرمی سے حصہ لیا تھا۔ اسلئے کیا سرکار اور کیا عوام کی نظر میں یہ بڑی عزت رکھتے ہیں۔

شکری آفندی محمد شکری آفندی صاحب کا بھی میں بہت مشکور ہوں۔ آپ نے بھی مجھے مصر کے کئی قابل دید مقامات دکھلائے اور بعض مشاہیر سے ملاقات کرائی پہلے پہل جب میں دفتر المؤید میں گیا تھا تو ان سے ملاقات ہو گئی تھی۔ یہ صاحب دراصل ہندوستانی ہیں۔ مگر اب مدت سے مصر میں سکونت اختیار کر چکے ہیں گھر میں ترکی بیوی ہے۔ انگریزی جانتے ہیں۔ اور یورپین سیاح جو مصر میں جاتے ہیں یہ اُن کی رہنمائی اور ترجمانی کرتے ہیں۔ ایک روز انہوں نے مجھے اپنے گھر میں دعوت بھی دی۔

اہل مصر کے اطوار و رسم و رواج

چند عجیب مصری خصوصیتیں

(۱) مصری بیماری چشم کا عارضہ بہت سے ہے۔ معلوم نہیں ملک کی آب و ہوا میں کچھ خصوصیت ہے یا کیا بات ہے۔ (۲) مصر میں شادی کے متعلق یہ ایک عجیب رسم ہے کہ جب نکاح کے بعد زفاف ہوتا ہے تو دلہن کے میکے اور سسرال کی عورتوں کے مجمع میں دولہا کے ہاتھ کی انگلی سے دلہن کی بکارت کا امتحان کرایا جاتا ہے۔ اگر دولہا اس بیحیائی کے کام سے شرم کرے تو دائی کے ہاتھ سے اسکی تصدیق کرائی جاتی ہے۔ کیپ کالونی اور ٹرینسوال میں جو ملائی مسلمان آباد ہیں ان میں بھی ڈاکٹر نور حسین صاحب صابر نے لکھا تھا کہ ایک اسی قسم کی رسم موجود ہے جو شب زفاف کے بعد نئے جوڑے کے بستر کی چادر سے بکارت کی تصدیق کیجاتی ہے۔ اور اگر بیوی اس امتحان میں کامیاب نہ نکلے تو دوسری صبح اسکے خاندان کی عورتوں کے روبرو اسے ذلیل کیا جاتا ہے (۳) مصری اکثر شافعی اور مالکی مذہب کے پیرو ہیں حنفی بہت کم ہیں۔ اسلئے تمام پانی کے جانور خل کچھوے اور کنکھجورے وغیرہ کے کھا جاتے ہیں۔ (۴) عام مصری حماموں میں اکثر برہنہ ہو کر غسل کرتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے سے حجاب نہیں کرتے (۵) مصری شراب بہی ہوتا پیتے ہیں۔ اور بہت کم ہونگے جو نہ پیتے ہوں (۶) مصری فلاح کہ یہی سے مزدور اور فقیر تک سب ازبس میلے اور ستھرے رہتے ہیں۔ ہندوستان کی نسبت معاشرت وہاں بہت اعلےٰ ہے اور آسودگی زیادہ ہے (۷) مشہور ہے کہ قدیم زمانہ میں مصری فلاح فوجی نوکری سے محفوظ رہنے کے لئے اپنے پاؤں کے انگوٹھے کاٹ ڈالتے تھے لیکن اب تک بہت لوگ ہیں۔ جو اپنے انہوں کو زخمی کر لیتے ہیں یا ادویات کے ذریعہ سے کمزور و ناتوان بنجاتے ہیں تاکہ بھرتی کرنیوالا سرجنٹ انکا تمام نوج میں نہ درج کرے۔ اور اگر ان لوگوں کی یہ شرارت معلوم ہو جاتی ہے تو انہیں سزا دیجاتی ہے۔ اگر مصری نوجوان کہ جنکی بھرتی کا زمانہ قریب ہو سفر

کو جائیں تو ضمانت دیکر جاتے ہیں۔ کہ بھرتی کے وقت واپس آ جائینگے۔ وہ تاج
خسر اپنی حکومت جتانے کے لئے اپنی بہو بیچاری کی ہڈیاں اکثر نرم کرتا رہتا ہے
اور بوجہ مشترک کنبہ کے طریقہ اور مشرقی حیا شعاری کے شوہر کو اپنی بیوی پر کوئی
اختیار نہیں ہوتا۔

قہوہ خانے لوکندے یہاں قہوہ خانوں میں تھوڑے بہت اخبارات بھی پڑھے جاتے ہیں
اور خوش گپی بھی ہوتی رہتی ہے۔ لیکن عموماً لوگ نردوں یا لکڑی کے
چپٹے بیٹوں سے گنجفہ یا تختہ نرد ہی کھیلتے رہتے ہیں۔ ایک پیر ہفتاد سالہ ایک
دس بارہ سال کے لڑکے کے ساتھ بھی بازی کھیل رہا ہے۔ اور دونوں بڑے
خوش ہیں۔ لوکندوں میں ہر قسم کا کھانا ملتا ہے۔ ایک روز رشید آفندی صاحب
ایڈیٹر المنار نے ایک لوکندہ میں ہی میری دعوت کی۔ اور بہت پر تکلف کھانا
کھلایا۔

بخشش افسوس ہے کہ بخشش مانگنے کی بہت بڑی رسم یہاں زور سے پھیلی ہوئی
ہے۔ جو لوگ کچھ کام کرتے ہیں۔ یا جو مجاور یا ملازم وغیرہ ہیں وہ تو شائد اپنا
کچھ حق سمجھتے ہوں۔ لیکن راہ چلتے ایک لڑکا بھی بخشش مانگ بیٹھتا ہے۔

سلام کا طریقہ مصر میں سلام کا طریقہ مجھے بڑا عجیب معلوم ہوا۔ دو شخص ایک دوسرے سے ملکر
آپس میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں۔ چلئے سلام ہو چکا۔ شام کی طرح یہاں بھی لوگ
رخصت کے سلام کے وقت مع السلامہ کہتے ہیں۔ شام میں ایسے موقعے پر بعض دفعہ
"خاطرکم" بھی کہتے ہیں۔ عیسائی جب ملتے ہیں تو السلام علیکم کے بجائے سیدی
کہتے ہیں۔ "سیدی و مولائی" کہنے کا تکلف کی گفتگو میں رواج ہے۔ سر آنکھوں پر
کیلئے "بالراس والعیون" یا "عیونی" بھی کہتے ہیں۔

تکلیف
میں نے مصر سے ایک صندوق عربی کتابوں کا خریدا۔ جس نے مجھے راستے میں بہت
دی۔ اور اسپر خرچ بھی اس سے زیادہ ہوا کہ جسقدر مال کے اکیلا آنے میں ہوتا۔ جہاز میں
لوگوں کے پاس اس سے بھی زائد اسباب بالائیہ موجود تھے۔ لیکن میں نے ناواقفی

کی وجہ سے ایک پونڈ سے زیادہ اسپر کرایہ خرچ کر دیا۔ قاہرہ میں میں نے سہ جہاز ران کمپنیوں کے کارخانوں میں جاکر معلوم کیا۔ کہ کون جہاز ہندوستان کو جلدی جانے والا ہے۔ مجھے معلوم ہوا کہ آسٹرین لائیڈ کمپنی کا جہاز اسٹیمر تیار ہے میں نے قاہرہ ہی ٹکٹ خرید لیا۔ سات بجے شام کو قاہرہ سے چلکر ۱۲ بجے شب کو اسمعیلیہ پہنچے جہاں ریل گاڑی بدلنی پڑی۔ صبح سویز پہنچکر ۹ نومبر کی شام کو جہاز پر سوار ہو گیا۔ سویز

سویز بوجہ نہر سویز کے ایک خاصا قصبہ بن گیا ہے۔ یورپین کانسلوں اور تجارتی کمپنیوں کے مکانات بڑے عالیشان ہیں۔ یہاں بھی قہوہ خانے بڑے تکلف کے ہیں۔ دیسی شہر نئی آبادی سے الگ ہے۔ یہاں کا بندر خراب ہے۔ اور کشتی میں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بیٹھنے کے بعد جہاز کے کھڑے ہونے کی جگہ تک پہنچتے ہیں۔ بوجہ کوئلہ گراں ہو جانے کے ۱۵ اکتوبر سے ہندوستان کو جہاز لانے والی سب کمپنیوں نے ایکایک کرایہ جہازوں کا دس فیصدی بڑھا دیا تھا۔ اس جہاز کا دوم درجہ کا کرایہ سوئز سے ۱۹ پونڈ ۱ شلنگ اور سوم درجہ کا ۱۵ پونڈ بمبئی تک تھا۔ اتفاق سے مجھے بعض یورپین مسافر اس جہاز پر ایسے ملے۔ کہ جو میرے ساتھ ہی ہندوستان سے یورپ کو چھ چھ ماہ کی رخصت پر گئے تھے۔ مجھے جہاز پر سوار ہوتے ہی بوجہ قبض بخار ہو گیا جسکے لئے مسہل کرنا پڑا۔ دو روز کے بخار اور مسہل سے طبیعت بہت ضعیف ہو گئی سمندر بہت ٹھنڈا تھا۔ ۱۲ نومبر کی رات کے ۱۲ بجے جہاز نے عدن میں پہنچکر لنگر ڈالا

عدن اور سہ پہر کو لنگر اٹھایا۔ عدن میں اتر کر میں نے بندر کو دیکھا۔ بوجہ نقاہت کے شہر عدن تک جانے کی جرأت نہ پڑی۔ جو بندر سے دو تین میل ہے۔ دھوپ اس جگہ ایسی سخت تھی۔ کہ دوپہر کو چلنا مشکل تھا۔ یہاں کا مدرسہ میں نے دیکھا۔ جس میں

صومالی طلبا صومالی لڑکے پڑھ رہے تھے۔ مدرس بھی صومالی قوم کا تھا۔ منجملہ دیگر باتوں کے اس نے بتلایا کہ ان لوگوں میں انساب یاد رکھنے کا کیسا رواج ہے۔ دو تین آٹھ آٹھ سال کے بچوں نے مجھے آٹھ آٹھ سات سات اجداد کے نام سنا دیئے خود معلم نے اپنی بیس پشتوں کے نام سلیٹ پر لکھ کر مجھے دیئے۔ اور پھر زبانی سنا دیئے

اس نے مجھے کہا ایسا میں نے اس لئے کیا ہے۔ کہ تمہیں شک نہ ہو۔ کہ میں فرضی نام سناتا ہوں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ شمالی حصے زرین ہوتے ہیں۔ اور بعض لڑکے جہازوں کے قریب جاکر جرمنی۔ فرانسیسی۔ انگریزی قسم زبان کے الفاظ اور فقرات سنتے ہیں۔ یاد کرلیتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض ان زبانوں میں ٹوٹی پھوٹی باتیں کر سکتے ہیں۔

معاودت وطن

گر ازین منزل غربت بسوے خانہ روم — قصد کردم کہ ہم از رہ بمیخانہ روم
تا بگویم کہ چہ کشفم شد ازین سیر سلوک — بدر میکدہ با بربط و پیمانہ روم
آشنایان رہ عشق گرم خون بخورند — ناکسم گر بشکایت بر بیگانہ روم

حافظ

بمبئی پہنچنا فضل الٰہی سے موسم بہت اچھا تھا۔ اور ۱۲۔ نومبر کو عدن سے چلکر ۱۹ کی شب کو ۱۰ بجے جہاز بندر بمبئی پہ آ پہنچ گیا۔ شہر بمبئی کی برقی اور گیس کی روشنی دور سے نہایت خوبصورت معلوم ہوتی تھی۔ عدن سے بہت سے ہندوستانی مسافر تھرڈ کلاس میں سوار ہوئے تھے۔ اور میں نے سنا کہ عدن اور بمبئی کے درمیان ہندوستانیوں کی بہت آمدورفت رہتی ہے۔ بعض لوگ سواحل افریقہ سے بھی عدن میں آجاتے ہیں اور پھر بمبئی کو آتے ہیں۔ بعض مسافر جن کے بمبئی میں مکانات تھے۔ وہ رات کے ۱۱ بجے ہی جہاز سے اتر گئے۔ گو دوسری صبح ۹ بجے پائلٹ کی مدد سے جہاز آہستہ آہستہ چل کر گودی میں پہنچا۔

کسٹم کی تکلیف یہاں اترنے کے بعد کسٹم (چنگی) کے افسر بعض لوگوں کا مال دیکھنا شروع کیا۔ بہت سے انگریز تو بہت بہت مال کے صندوق لیکر چلے جاتے۔ مگر ان سے کوئی نہ پوچھتا۔ اور ہندوستانیوں کے چھوٹے چھوٹے بکس اور ٹرنک بھی کھلوائے جاتے۔ میرے پاس سات آٹھ روپے قیمت کی قابل محصول اشیا تھیں مجھے ایک شخص نے میرے قلی کی معرفت کہا کہ اگر پانچ روپے دے دو تو گذر جانے دیگا

ورنہ بڑی تکلیف ہوگی۔ آخر وہ شخص تین روپے لینے پر راضی ہو گیا۔ مگر میں نے زائد تا
میرے اسباب سے اشیا ر قابل محصول امانت رکھ کر مجھے رسید دے دی گئی۔ اور جس
تکلیف سے بعد کے دو روز میں میں نے محکمہ کسٹم سے اس کلرک سے اور اس
کلرک سے اس کلرک کے پاس پھر کر اپنی اشیا ر کو حاصل کیا اور انہیں دس گیارہ آنے
محصول دیا ہے۔ اگر وہ مجھے پہلے معلوم ہوتی۔ تو میں یقیناً پانچ روپے بھی دے کر
خلاصی کرا لیتا۔ محکمہ کسٹم کے ماتحت ملازم لوگوں کو بڑی تکلیف دیتے ہیں
اور کام کرنے کی روٹین اتنی لمبی اور پیچیدہ ہے کہ ناواقفوں کو اس سے سخت
تکلیف اٹھانی پڑتی ہے کہ جس کے سامنے شرح محصول کسٹم ہیچ ہے۔

بزرگان بمبئی کی قدردانی

بمبئی میں خان صاحب ڈاکٹر حافظ فضل احمد صاحب جن کا افسوس ہے
کہ لکھنے کے بعد انتقال ہو چکا ہے (خدا غریق رحمت کرے بہت اچھے
آدمی تھے) ہمارے مولوی عبداللہ احمد صاحب مترجم عربی و فارسی ہائیکورٹ اور ان کے
احباب نے محمڈن کلب کی طرف سے مجھے ایک پارٹی دینے کا اہتمام کر رکھا تھا
لیکن میں نے منت اور اصرار سے ان سے معافی حاصل کی۔ تاہم خان صاحب شیخ
ابراہیم حافظ کی توجہ سے ۲۱ نومبر کو اخبار مسلم ہیرالڈ کے دفتر میں ان کے احباب خاص
کے ایک مجمع میں ایک پر تکلف ٹی پارٹی دی گئی۔ اور مجھے بمبئی کی رسم کے مطابق پھولوں
کے ہار پہنائے گئے۔ اسی روز حبشی بہاؤالدین طیب جی صاحب سے (افسوس ہے
کہ طیب جی صاحب کا بھی اس زمانہ میں انتقال ہو چکا ہے۔ خدا
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھے)
اسلام کلب میں شام کے ۵ بجے میری ملاقات کا وقت مقرر تھا۔ جب وہاں سے فارغ ہوا
تو پھر خان صاحب شیخ ابراہیم حافظ صاحب اور ان کے دوست ڈاکٹر غلام سرور خان صاحب
سے ملاقات ہوئی۔ ہر چند کہ میرا اس وقت تک ٹھیرنے کا پختہ ارادہ نہ تھا۔ مگر ڈاکٹر صاحب
کے اصرار سے مجھے کل شام کو ان کی دعوت قبول کرنی پڑی۔ ۷ بجے شام دعوت کا
وقت تھا۔ اور ۸½ بجے ریل ہندوستان کو روانہ ہوتی تھی۔ اس لئے میرا اسباب

گاڑی پر ساتھ ہی لیکر کھانا کھانے کو گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے بڑی فیاضی سے ایک پرتکلف دعوت تیار کی تھی۔ جسکا مجھے پہلے خیال بھی نہ تھا۔ اسمیں بمبئی کے کئی نامی گرامی رئیس اور نامور مسلمان مدعو تھے۔ جن میں سے بعض کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:۔ بدرالدین صاحب۔ عبداللہ نور ممبر میونسپل کارپوریشن۔ قاضی محمد علی صاحب لنڈے۔ قاضی بمبئی۔ سردار عبدالعلی خانصاحب خان بہادر اسسٹنٹ پولیس بمبئی۔ حاجی محمد آیا سیٹھ صاحب رئیس بمبئی۔ مولوی عبداللہ احمد صاحب مترجم ہائی کورٹ شجاع الدین صاحب بگرامی۔ منشی محمد امیر صاحب ایڈیٹر مسلم ہیرلڈ۔ خانصاحب شیخ ابراہیم حافظ کنٹراکٹر۔ خانصاحب ڈاکٹر حافظ فضل احمد صاحب۔ مولوی عبدالودود صاحب ایڈیٹر نیر اعظم۔ میرزا حسین خانصاحب سالسٹر۔ میزبان ڈاکٹر غلام سرور خانصاحب۔

ریل کے وقت کی تنگی کیوجہ سے میں صاحب میزبان کا کافی شکریہ بھی ادا نکر سکا۔ گو اسٹیشن کو مولوی عبداللہ احمد اور ڈاکٹر فضل احمد صاحبان کے ہمراہ روانہ ہوگیا۔ ۹ بجے شام کو گاڑی روانہ ہوئی۔ ۱۰ بجے صبح کے احمد آباد پہنچی۔ دوسرے روز ۹ بجے صبح باندیکوئی اور ۴ بجے شام کو دہلی پہنچی۔ میرے کرم فرما دوست حافظ عبدالمجید صاحب مالک آرے برکت کمپنی دہلی اور مولوی سید احمد صاحب مصنف فرہنگ آصفیہ سٹیشن پر منتظر تھے۔ حافظ صاحب کے یہاں شام کو کھانا کھایا۔ اور ۱۱ بجے بیر سہارنپور کو جانیوالی گاڑی پر سوار ہوگیا۔ صبح گاڑی انبالہ پہنچی۔ میرے بعض محب کل ہی انبالہ تک میرے ملنے کے لئے لاہور سے آکر لوٹ گئے تھے۔ کیونکہ بمبئی سے جو پہلے اطلاع روانگی کی دیتے دی تھی۔ اس کے مطابق میں نہیں روانہ ہوا تھا۔ مجھے یہ معلوم کرکے بہی افسوس ہوا کہ لودیانہ کے احباب بھی اسی طرح سٹیشن سے ملاقات کرسکنے کے سوائے لوٹ گئے۔ امرت سر کے احباب کا مجمع اسی روز ۱۱ بجے کی میل پر جمع ہوا تھا۔ لیکن مجھے اسمیں نہ پاکر بڑی مایوسی سے لوٹ گیا۔ اور پھر بعض محبان صمیم مثل شیخ فیروزالدین صاحب آنریری مجسٹریٹ و شیخ غلام محمد صاحب مالک وائذ ہیڈ و کیل و شیخ محمد عمر صاحب بیرسٹر و شیخ امام الدین صاحب وغیرہ وغیرہ کہ جن کے نام یہاں درج نہیں ہو سکتے ہیں

توجہ کا میں بدل مشکور ہوں۔ آج پھر سٹیشن پر مجھے ملنے کو تشریف لائے۔ ۸ بجے
گاڑی لاہور پہنچی۔ سٹیشن پر میرے عزیزوں، دوستوں، مہربانوں اور ہندو مسلمان رؤسائے
شہر کا بہت بڑا مجمع تھا۔ پلیٹ فارم پر اس قدر ہجوم تھا کہ تل رکھنے کو جگہ نہ تھی۔ میں
متعجب ہو رہا تھا کہ میں نے کونسا ایسا کام کیا ہے کہ میرے اہل وطن اور دوست اس قدر
مجھ پر مہربان ہیں۔ مجھے پھولوں سے لاد دیا ہے یہ صرف ان لوگوں کی محبت اور
مہربانی کا نتیجہ تھا۔ سٹیشن سے میری گاڑی کے ہمراہ ایک لمبی قطار دوستوں کی
گاڑیوں کی کارخانہ پیسہ اخبار تک آئی۔ مکان کا وسیع صحن فرش اور فرنیچر سے
آراستہ تھا۔ یہاں سب بزرگوں کی ریفرشمنٹ سے تواضع کی گئی۔ حاضرین
میں سے بعض نے خیال ظاہر کیا کہ میں اپنے سفر کے کچھ حالات سب کو
سنا دیں۔ بیان کروں۔ چونکہ تین شب روز سے بلا توقف بمبئی سے سفر کرتا ہوا آرہا تھا
ہونے ماندگی کے سبب عذر کیا۔ شیخ عبدالقادر صاحب بی اے ایڈیٹر آبزرور و آنریری
سیکرٹری انجمن اسلامیہ نے اپنی طرف سے اور نیز منشی شمس الدین صاحب سیکرٹری انجمن
حمایت اسلام لاہور کی طرف سے حاضرین کا شکریہ ادا کیا کیونکہ ان دونوں
انجمنوں کی طرف سے میرے [illegible] کے لاہور پہنچنے کے وقت احباب کو سٹیشن تک تشریف
لانے کی اطلاع شائع ہوئی تھی۔ اور نیز شیخ صاحب نے میری طرف سے عذر کیا کہ میں
ابھی تقریر دینے کے قابل نہیں ہوں۔ کسی دوسرے موقعے پر اپنے جستہ جستہ تجربات
سفر بیان کروں گا۔ چنانچہ یہ لیکچر ۲۳ دسمبر کو روز پنجشنبہ ۳ بجے سہ پہر کے اسلامیہ کالج
لاہور میں۔ اور دوسری مرتبہ دفتر ٹریبیون میں زیر صدارت پروفیسر آرنولڈ صاحب
دیا گیا۔ خداوند کریم کا لاکھ لاکھ شکر کرتا ہوں کہ میری سفر کی آرزو میں مجھے کامیابی
ہوئی۔ اور میں اس قدر دور دراز ممالک سے بخیریت وطن میں واپس پہنچا۔

والحمد للہ

تمام شد